زندگی تم ہو...!

مدیحہ طارق

اظہارِ تشکر

میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس کی رضا و مدد کے بنا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اپنے والدین کی احسان مند ہوں جنہوں نے اس سفر میں میرے پہلے قدم سے لے کر منزل پر پہنچنے تک ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا۔

میں ان تمام شخصیات کی ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے اشاعت سے پہلے میری تحریر کو پڑھا اور نہ صرف پڑھا بلکہ ان کی تنقیدی نگاہوں نے بے شمار غلطیوں اور خامیوں کی طرف میری توجہ دلائی۔ مجھے احساس ہے کہ میں اکیلی اس ناول کو آپ تک نہیں پہنچا سکتی تھی۔ میں بھائی زبیر ناصر (پروپرائیٹر مکتبہ ناصریہ، فیصل آباد) کی تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے نہ صرف میری اس تحریر کی کمپوزنگ کا بیڑا اُٹھایا بلکہ بہت سی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی اور نہایت ہی اہم اور حساس نکات پر میری راہنمائی کی۔ اسی طرح میں جناب گل فراز احمد (پروپرائیٹر علم و عرفان پبلشرز) کی بھی احسان مند ہوں جنہوں نے اس کہانی کو مطبوعہ صورت میں قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کیا، بلاشبہ یہ میرے لیے اعزاز ہے۔ بہت سے نام ہیں جن کی مشترکہ کاوش اس کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک لائی ہے۔

اول تا آخر ہر ایک سے کہتی ہوں۔

آپ کا بہت شکریہ!

(مدیحہ طارق)

زندگی اور رنگوں کی لکھاری

زندگی کے بکھرتے رنگوں کو چھو کر دیکھنا ہو یا حالات کی چاٹتی ہوئی دیمکوں کی سرگوشیوں سے لطف اندوز ہونا ہو، احساسات کی لہروں میں سوچ کے مدوجذر محسوس کرنا ہو یا پھر حقائق کے چراغوں کی تھرکتی ہوئی روشنی میں بلکہ سے لیتے ہوئے سائے دیکھنا ہوں تو بندہ دنیا کی بھیڑ سے نکل کر تماشائی بن جائے۔ تب زندگی خود بخود کھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک کشمکش ہے جو موت سے نبرد آزما ہے اور محبت وہ منتر ہے جو اس زندگی کو اپنا گرویدہ کیے ہوئے ہے۔ حالات کی ڈوریں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اور کون ان ڈوروں سے بندھا ہوا ہے۔ دکھ اور سکھ کی اونچ نیچ میں جب سوچ زخمی ہو کر نڈھال ہو جاتی ہے یا پھر سوچ صحرا میں دور دور تک پھول کھل جاتے ہیں، ایک سوچ کے بعد دوسری سوچ کی لہر آمنڈتی ہے تو کون جانے ان لہروں کی تہہ میں کیا ہے؟ ساحل سے ٹکرانے پر ہی سمندر کی شدت اور غضب کا انداز ہوتا ہے، ہمارے سامنے حقائق یوں پھیل جاتے ہیں جیسے اسکرین پر کوئی منظر نامہ ہر لمحہ بدلتا چلا جا رہا ہو۔ نت نئی کہانیوں کا وجود، تعلق اور رشتوں کے بندھن کی ٹوٹ پھوٹ یقین اور اعتماد کے کھیل بنتے بگڑتے ہیں۔ تب سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا اختتام یہاں پر ہے یا آغاز ہے۔

مدیحہ طارق کا ناول "زندگی تم ہو" پڑھنے کے بعد یہ احساس میرے اندر یوں موجزن ہوئے کہ موصوفہ کہنہ مشق لکھاری ہیں یا کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں۔ اگر یہ ان کا آغاز ہے تو بہت شاندار ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر خیال اپنے لفظ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، بالکل اسی طرح ہر لکھاری اپنے خیال خود لے کر اپنا حوالہ بناتا ہے۔ میں مدیحہ طارق میں ایک بڑی لکھاری کو دیکھ رہا ہوں، میرے اس یقین کی وجہ اس کا زندگی میں دلچسپی لینا ہے اور اس کے رنگوں سے کھیلنا ہے، رنگوں سے کھیلنے والے، رنگ بکھیرا کرتے ہیں اور وہ تصویریں بناتے ہیں کہ زندگی خود حیران رہ جاتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مدیحہ طارق مایوسی کو قریب نہیں آنے دے گی بلکہ خوبصورت تتلی کی مانند زندگی کے رنگوں سے نہ صرف خود رنگین ہو گی بلکہ دنیا کو بھی رنگ دے گی۔ دعائیں مدیحہ آپ کے لئے۔

(امجد جاوید)

پیشِ لفظ

میں "مدیحہ طارق" بہت ہی عام سی انسان ہوں بالکل اپنے نام کی طرح..... "مدیحہ" یعنی مدح کرنے والی، تعریف کرنے والی..... دوسروں کی صلاحیتوں کو سراہنے والی، ان کی خوبیوں کا اعتراف کرنے والی..... میرے نام میں اگر کچھ خاص ہے تو وہ ہے "طارق" (راتوں کو چمکنے والا.....) مجھے یوں لگتا ہے اللہ نے مجھے اس قدر نواز رکھا ہے تو اسی ایک لفظ کے صدقے..... ورنہ میں اس قابل تو نہ تھی..... خود کو بے مایہ اور حقیر جاننا صرف اس صورت میں اچھا ہے جب ہم خود کو خدا کے حضور پیش کر رہے ہوں۔ اس فانی دنیا کے باسیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو Degrade کرنا اور خود کو احساس کمتری میں مبتلا کر لینا میرے خیال میں مناسب نہیں۔ مگر حقیقت پسندی کا مظاہرہ بہرحال لازم ہے.....

ہم کیا ہیں ہمارا اللہ جانتا ہے جس نے ہمیں بنایا، خامیوں اور خوبیوں سمیت..... اور ہمیں ذہن و عقل سے نوازا تاکہ ہم اپنی خامیوں کو پھلنے پھولنے سے حتی الامکان روکیں اور اپنی خوبیوں کو مزید نکھار کر اللہ کے اس عظیم انعام کو ستائش اور تعریف کے لئے دنیا کے سامنے پیش کر دیں، اپنی تعریف کے لئے نہیں بلکہ اس ذات کے قادر مطلق ہونے کی دلیل کے طور پر جس نے ہمیں نوازتے وقت ہماری اوقات نہیں دیکھی۔

میرا یہ پہلا ناول بھی اسی سفر پر میرا پہلا قدم رکھنے کی ایک حقیر سی کاوش ہے..... میں بخوبی اس بات سے آگاہ ہوں کہ میرا یہ پہلا قدم نہایت ہی غیر ہموار ہے مگر ایک ننھے بچے کو ماں اس کے پہلے ناہموار قدم اور اس کے بعد اس کی لڑکھڑاتی چال کی وجہ سے اسے چلنے سے نہیں روکتی بلکہ اس کوشش میں اس کی معاون ہو جاتی ہے۔ میرا بھی کامل بھروسہ ہے کہ میرا رب میرا معاون ہے اور ہوگا۔ اور اس کی مدد جن وسیلوں سے مجھ تک پہنچے گی ان میں سے ایک شاید آپ ہوں، میرے قارئین۔ انشاءاللہ۔

مجھے احساس ہے کہ لفظوں کا جادو جگانے کے فن سے میں نا آشنا ہوں۔ الفاظ سے

دوسروں کے دلوں تک پہنچنا اور وہاں کی سرزمین پر اپنے جھنڈے گاڑنے مجھے نہیں آتے ... حروف تہجی جوڑ کر مختلف الفاظ تشکیل دے کر لوگوں کے دل و دماغ کو تسخیر کرنا نہیں جانتی، الفاظ سے کھیلنا اور ان سے دوسروں کو اسیر کر لینا بہت مشکل ہے..... مگر مشکل کام میں دلچسپی بڑھ جائے تو انسان مزا لینے لگتا ہے۔ مجھے یہ احساس بڑی تقویت دیتا ہے اور لکھنے پر مجبور کرتا ہے کہ میرے ہاتھ میں دبے قلم سے جو الفاظ میں لکھتی ہوں وہ حرف بہ حرف بہت سی نظروں تک پہنچ جائیں گے..... اور ہو سکتا ہے وہاں سے ہوتے ہوئے کچھ آدھے ادھورے جملے، کہی ان کہی باتیں صفحۂ کتاب سے اُڑان بھریں اور نظروں کے راستے کسی کے دماغ اور کسی کے دل تک پہنچ جائیں.....

گفتگو نہایت ہی پرسکون اور خوبصورت عمل ہے۔ کچھ لوگ گفتگو کے لئے الفاظ کو منہ سے ادا کرتے ہیں۔ کچھ آنکھوں کے اشاروں میں باتیں کرتے ہیں۔ کچھ اس مقصد کے لئے ہاتھوں کے اشاروں کو دوست بنا لیتے ہیں۔ کچھ رنگوں کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے احساسات کو کینوس پر اُتار دیتے ہیں اور کچھ میری طرح قلم کو اپنا آلہ گفتگو بنا لیتے ہیں۔ خدا نے بولنے کے لئے زبان دی مگر عموماً ہم اسے کمیونیکیشن کے لئے کم اور اپنے ذہن و دل کا غبار، اپنا غصہ، اپنی اُکتاہٹ، اپنی نفرت اور جلن کا اظہار کرنے کے لئے زیادہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی کی ہمدردی میں یا کسی سے محبت اور خلوص کے اظہار کے لئے ہم زبان کا سہارا لیں بلکہ اتنے پرخلوص، معصوم احساسات اور جذبوں کو بیان کرنے کے لئے شدتِ جذبات کی وجہ سے اکثر ہم زبان کا استعمال کر ہی نہیں پاتے۔ ایسے میں اپنے محسوسات کو ظاہر کرنے کے لئے ہم بہت ہی دوسری طرح اظہار کر رہے ہوتے ہیں کبھی مسکرا کر، کبھی آنکھوں میں آنسو لا کر، کبھی کسی کے شانے کو تھپتھپا کر، کبھی گلے لگ کر یا کسی بھی اور طریقے سے۔

میں سب کے بارے میں تو نہیں مگر اپنی بات کروں تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے میں کبھی بھی اپنی True feelings کو زبان پر نہیں لا سکی..... میں جب کسی کے دُکھ کو بے تحاشہ محسوس کرتی ہوں تو اسے تسلی دینے کے لئے میری زبان میرا ساتھ نہیں دیتی، الفاظ میرے ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں اور میں خاموشی سے سوچتی رہتی ہوں کہ کیا یہ الفاظ اس شخص کے عظیم نقصان پر اسے دلاسہ دینے کے لئے کافی ہیں؟ اور ایسے ہی جب میں اپنے سے جڑے لوگوں کے لئے بے چین ہوتی ہوں تو کبھی بھی انہیں زبان سے نہیں کہہ سکی..... ایسے میں، میں نے ایک بہترین آپشن ڈھونڈ لیا۔ قلم کے ذریعے الفاظ کی ادائیگی میں دن بدن میری دلچسپی بڑھتی گئی۔ جو بات میں کبھی کسی سے نہیں کہہ سکی وہ میں ڈائری پر رقم کرنے

لگی..... دھیرے دھیرے میری سوچ کو اللہ نے کشادگی بخشی اور میں نے اپنی ذات سے باہر نکل کر سوچنا شروع کیا۔ اپنے اردگرد کو پڑھنا شروع کیا تو میری خود اپنے آپ سے ہی ملاقات ہو گئی۔ اور مجھے احساس ہوا کہ آج تک میں خود اپنے لیے ہی کتنی اجنبی رہی ہوں۔ اپنے بارے میں تو میں کچھ بھی نہیں جانتی اور چلی ہوں لوگوں کو پرکھنے، دنیا کو دریافت کرنے..... خود کو تلاشنے تلاشنے میں آگہی کے اس سفر پر چل نکلی جہاں شاید اب مجھے تاعمر چلنا ہے اور پرت در پرت اپنی ذات کو کھوجنا ہے۔ جیسے جیسے میں اس راہ پر آگے بڑھتی جا رہی ہوں میری نس نس میرے اُس عظیم مہربان کی شکر گزار ہوتی جا رہی ہے جو انسان کو اس وقت بھی نوازتا ہے جب اسے اس نعمت کی اہمیت تک کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر ہم اس کے بے شمار انعامات سے واقف ہو جائیں تو تاعمر اس سے کسی کمی کا شکوہ نہ کر سکیں..... مگر ہم کتنے کم ظرف ہیں ذرا سی تکلیف پر اسی مہربان سے شکوہ کرتے ہیں اور اس کا ظرف کتنا بلند ہے کہ وہ پھر بھی ہم پر بنا احسان جتائے، بنا ہماری کوتاہیوں اور گناہوں کو درمیان میں لائے ہمیں ہماری اوقات سے بڑھ کر نواز دیتا ہے۔ اور پھر نوازتا ہی چلا جاتا ہے۔

مجھے اپنے رب پر بڑا مان ہے میں نے اپنی ہر عرضی اس کے حضور پیش کرنے کا فن سیکھنے کے لئے اس کے سکول میں داخلہ کے لئے فارم جمع کرا دیا ہے اس کامل یقین کے ساتھ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھ جیسی حقیر اور بے نشان انسان کو یہ سب ضرور سکھا دے گا..... اس کوشش نے مجھے جس آگہی کے راستے پر گامزن کر دیا ہے وہاں کتابوں سے میری دوستی کرا دی گئی ہے..... الفاظ اکثر مجھ سے اٹھکیلیاں کرتے ہیں، ننھی منی سی شرارتیں کرتے ہیں، لفظ بولتے ہیں اور ان کی گفتگو اور معصوم ادائیں میرے دل کو بہت بھاتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ مجھ سے روٹھ بھی جاتے ہیں اور بہت منانے پر بھی ہاتھ نہیں آتے۔ اور کبھی اتنا ہجوم اکٹھا کر لیتے ہیں اور اتنا شور برپا کر دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتی ہوں کہ کس لفظ کو پہلے قلم کی زبان میں کورے کاغذ پر ادا کروں.....

ان دونوں صورتوں میں، میں کچھ بھی لکھ نہیں پاتی کیونکہ نظامِ قدرت اُصول و ضوابط پر چلتا ہے۔ اعتدال ہر معاملے میں اہم ہے..... ایسے میں اپنے ذہن میں اُمڈتے زور آور خیالات اور منہ زور سوچوں کے دھارے کو اعتدال پر لاتے لاتے لکھی گئی میری یہ تحریر بہت سی غلطیوں کو بھی اپنا ہمدم بنا بیٹھی ہے۔

میرے ڈگمگاتے لڑکھڑاتے سے لفظ اس کتاب کے صفحات پر آپ کی نظروں کی حرارت کے منتظر ہیں، ہر لفظ کا حق ہے کہ اُسے ادا کیا جائے، سنا جائے، پڑھا جائے..... میں ان

کا حق نہیں چھین سکتی۔ اس لیے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حوصلہ کیا ہے...... میری التجا ہے کہ اس ناول کے جملوں کی بناوٹ میں خامیوں کو نظر انداز کر کے اس کہانی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے گا۔ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے خنجر ہمارے معاشرے میں موجود ہر رشتے کی ڈور کاٹتے جا رہے ہیں...... اور ہم ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا کر خود کو مظلوم سمجھتے ہوئے اپنوں کو سزا بھی دے دیتے ہیں...... یہ جانے بنا کہ ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ کسی بھی رشتے میں بگاڑ اور دوری کا جتنا قصوروار ہم دوسرے کو سمجھتے ہیں اتنا ہی قصور ہمارا بھی ہوتا ہے۔ بلکہ خود کو حق بجانب سمجھتے رہنے کی غلطی اس قصور کو سوا کر دیتی ہے...... ایسے میں کئی ناقابل ازالہ تباہیاں انجانے میں ہی ہم اپنے نصیب میں لکھوا لیتے ہیں......

میری رب کریم سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے انداز میں رشتے نبھانے کی سمجھ عطا کر دے جیسے اس کا حکم ہے...... اور اپنے سے جڑے پیارے لوگوں سے اُمیدیں لگانے کی جو سب سے بڑی بھول ہم کمزور انسان کرتے ہیں یہ ساری اُمیدیں صرف خدائے واحد کی ذات سے جوڑنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُمید صرف اسی سے لگائی جائے جو اس پر پورا اُترنے پر قادر ہو۔ ہمارے پیارے تو خود اس اللہ کے بندے ہیں، اس کے محتاج ہیں پھر وہ ہماری اُمیدوں پر کیسے کھرے اُتر سکتے ہیں۔ صرف اتنی سی بات اگر ہم سمجھ جائیں تو زندگی بہت ہی سہل ہو جائے اور رشتوں کی ڈور سے بندھے پیارے لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے محبتوں کے تبادلے کرتے رہیں......!

سبھی تعریف کرتے ہیں میری تحریر کی لیکن
کبھی کوئی نہیں سنتا میرے الفاظ کی سسکی

مدیحہ طارق

(جہلم ۱۱۹، سانگلہ ہل)

زندگی تُم ہو......!

ہر روز کی طرح آج بھی اس کی آنکھ بہت جلد کھل گئی تھی۔ پر وہ کسلمندی سے بیڈ پر پڑی رہی۔ کمرے میں ابھی اندھیرا تھا یعنی دن پوری طرح نکلا نہیں تھا...... اس نے کمبل منہ پر ڈال کر دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ وہ جانتی تھی دوبارہ نیند نہیں آئے گی پھر بھی اس نے سستی سے تکیہ سینے سے لگایا اور کروٹ بدل لی...... اسے وہ دن یاد آنے لگے جب نما اسے اُٹھایا کرتی تھیں...... تب اسے رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اُٹھنا عذاب لگا کرتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتی:

"نما صبح اُٹھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔"

نما اس کی کسلمندی سے اسے بہکتیں مگر اگلی صبح دوبارہ کمر کس کر محاذ پر ڈٹ جاتیں۔ اور وہ عظیم محاذ ہوتا اسے اور ولی کو فجر کی نماز کے لیے اُٹھانا۔

"نما پلیز۔ باقی تو چاروں نمازیں پڑھتی ہوں بشمول عشاء...... اتنی لمبی ہوتی ہے پھر بھی پڑھتی ہوں...... صرف ایک فجر کی نہ پڑھا کروں تو چلے گا......؟"

وہ آنکھیں کھولے بنا لجاجت سے کہتی تو نما باوجود غصے کے مسکرا دیتیں۔

"عشاء کی نماز اس لیے پڑھتی ہو کہ اسی بہانے دیر تک جاگ لو...... خوب جانتی ہوں تمہاری شیطانیوں کو...... اور تمہارے ولی کا بھی یہی معمول ہے کیا کروں میں تم دونوں بہن بھائیوں کا۔ چلو اُٹھ جاؤ اب...... شاباش...... نماز پڑھ کر بے شک سو جانا۔"

نما ہونٹوں پر در آنے والی بے اختیار مسکراہٹ کو بمشکل روکتے ہوئے کہتیں تو بادل نخواستہ اسے اُٹھنا ہی پڑتا۔

"اوہ...... نما...... یو نو واٹ (You know what)...... میری اور ولی بھائی کی فجر کی

نماز کا ثواب تو آپ کو ملنا چاہیے۔ اُتنی محنت ہم نماز پڑھنے میں نہیں کرتے جتنی محنت آپ ہمیں جگانے میں کرتی ہیں۔"

وہ مما کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتی۔

"دیر مت کرو بیٹا..... ٹائم نکل جائے گا۔ نماز وہی جو وقت پر ادا کی جائے آخری منٹوں میں ٹکریں مارنے کا فائدہ.....؟"

مما اس کے بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے سلجھاتے ہوئے کہتیں تو وہ ان کی گال پر بوسہ دے کر اٹھتی ہوئی بولتی۔

"آپ بہت اچھی ہیں مما..... دنیا کی بیسٹ ماں..... آپ اور بھی فیورٹ ہو سکتی ہیں اگر اتنی صبح جگایا نہ کریں تو!"

مما اس کی وہی مُرغے کی ایک ٹانگ والی بات پر مصنوعی غصے سے اسے گھورتیں تو وہ ہنستی ہوئی واش روم میں چلی جاتی جبکہ وہ مسکراتے ہوئے بیڈ کی چادر درست کرنے لگتیں۔

روزانہ یہی ہوتا خاص کر چھٹی والے دن..... اُس دن تو اس کا دل چاہتا کاش آج اذان ہی نہ ہو اور اگر ہو تو کم از کم ہمارے گھر کسی کو خبر نہ ہو۔ مگر اس کی یہ دُعا کبھی بھی قبول نہ ہوئی تھی۔ اذان ہوتی اور ثبوت کے طور پر مما بھی اُس کے کمرے میں موجود ہوتیں۔

"دنیا والوں نے کر دی ہے مظالم کی انتہا
اور ہم تجھے یاد کر کے روتے ہیں.....!"

وہ بیڈ کی طرف اشارہ کر کے اک ادا سے کہتی تو مما ہنسنے لگتیں۔

پھر مما کو ایک دن خوب ہی سوجھی۔ انہوں نے صبح سویرے سورۂ رحمان بمعہ ترجمہ لگا دی۔ پورے گھر میں قاری صاحب کی پُر اثر آواز گونجنے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ خود کہہ رہے ہوں۔ "تم میری کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے.....؟" سو کون کافر تھا جو نہ اُٹھتا..... بس پھر کیا تھا۔ مما کے ہاتھ تو اک گُر لگ گیا تھا انہیں صبح جلدی اُٹھانے کا..... اس نے سائیڈ لیمپ آن کیا اور مما کو یاد کرتی مسکراتی ہوئی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب تو اس کی سویرے اُٹھنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ باوجود کوشش کے بھی وہ اذانِ فجر کے بعد سو نہ پاتی۔ مما بھی اس کے پاس نہ تھیں نہ صبح صبح قاری صاحب کی پُر اثر آواز میں سورۂ رحمان کی تلاوت اس کے کانوں میں پڑتی مگر اس نے کبھی فجر کی نماز قضاء نہ ہونے دی تھی۔ جہاں تک ہو سکتا وہ نماز کی پابندی کرتی اب ایک یہی سلسلہ تو تھا اللہ کو راضی کرنے کا اور مما کو پُر سکون رکھنے کا۔ اسے مما کی بات اچھی طرح یاد تھی وہ وقتاً فوقتاً دُہرایا کرتیں۔

"میرے بچے دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں، اگر نماز کی پابندی کریں گے تو میرا دل پُر سکون رہے گا۔ اس یقین کے ساتھ کہ جو اللہ کو یاد کرے اللہ اُسے نامراد نہیں رکھتا۔ وہ میرے بچوں کو ہر مقام پر خوشیوں اور کامیابیوں کے ساتھ نوازے رکھے گا۔ ایک ماں کا دل اس سے زیادہ اور کیا چاہے گا۔"

اس نے مما کی یہ بات بھی دوسری بہت سی باتوں کی طرح پلو سے باندھ لی تھی۔ آج بھی اس کا دل چاہا کاش مما اس کے پاس ہوں مگر اب اسے خود اُٹھنا تھا سو وہ اُٹھی، بالوں کو سمیٹ کر بڑے سے کیچر میں قید کیا اور باہر رہ جانے والی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھی۔ وضو کے بعد دوپٹہ اچھی طرح اوڑھتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ نماز پڑھنے سے پہلے ایک اور بھی ضروری کام تھا جو اُسے کرنا تھا..... راہداری کراس کرتی ہوئی وہ جھجکتی ہوئی سامنے والے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ دروازے کا بولٹ گھمایا تو وہ ہلکی سی آواز سے کھل گیا۔ اس نے احتیاط سے اندر جھانکا۔ پورا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہ تو وہ جان ہی گئی تھی کہ جب تک مکمل اندھیرا نہ ہو سعد کو نیند نہیں آتی..... آنکھیں اندھیرے سے کچھ مانوس ہوئیں تو وہ ڈبے قدموں اندر چلی آئی۔ دھیمے انداز میں چلتی ہوئی بلیک اور گرے خوبصورت امتزاج والے بیڈ کی طرف بڑھی..... وانستہ لائٹس آن کرنے کا اس نے رسک نہیں لیا تھا..... ہم رنگ نیٹ سے سجی مسہری میں سعد محوِ خواب تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی اضطراب کے عالم میں انگلیاں مسلتی رہی۔ ہر صبح پہلے اسے ایک ہی سوال کا جواب ڈھونڈنا پڑتا..... سعد کو اُٹھائے کیسے.....؟ کیونکہ اس کا پہلا تجربہ اچھا نہیں تھا۔ وہ بھول بھی کیسے سکتی تھی۔ وہ سعد کو نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے اُٹھانے آئی تھی..... پہلے تو اس نے اسے پکارا تھا پر جب وہ بار بار آواز دینے پر بھی نہ اُٹھا تو اس نے اُس کا بازو ہلا کر اُٹھانا چاہا۔ سعد نے اچانک نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم.....؟؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بیڈ روم میں آنے کی.....؟"

اس پر نظر پڑتے ہی نجانے کیوں اُس کو بے تحاشہ غصہ آیا تھا۔

"میں نے پہلے ہی تمہیں متنبہ کر دیا تھا کہ میرے ساتھ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ کبھی مجھے چھونے کی کوشش بھی مت کرنا..... سمجھی تم.....؟"

وہ اپنے بازو سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا تھا جسے وہ گھبراہٹ میں بتانا بھول گئی تھی۔ وہ تو حیران سی اس اچانک آفت پر ابھی ٹھیک سے پریشان بھی نہ ہو پائی تھی کہ وہ

پھر دھاڑا۔

"اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ جاؤ یہاں سے"

"سعد...... وہ...... وہ میں تو آپ کو نماز کے لیے اٹھانے......"

"Shut your mouth and get out (شٹ یور ماؤتھ اینڈ گیٹ آؤٹ)"

اس نے وجہ بتانے کی کوشش کی مگر سعد نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی تھی۔ تب تو وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی پر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ ہر صبح اُسے اُٹھاتی۔

"میرا نام بھی انوشے ہے دیکھتی ہوں کیسے نہیں اُٹھتے روزانہ صبح......"

آج بھی وہ مسکراتی ہوئی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی جہاں کرسٹل کے لیمپ اور سعد کے پکچر فریم کے ساتھ ٹیبل کلاک پڑا تھا۔ اس نے کلاک اُٹھا کر ٹھیک 3 منٹ بعد کا الارم لگایا اور جھک کر کلاک کو بیڈ کے نیچے رکھ دیا۔

"اب تو اُٹھ کر نماز پڑھیں گے نواب صاحب"

وہ 3 منٹ بعد اس کلاک کی وجہ سے رونما ہونے والی صورت حال کے بارے میں سوچ کر مزا لیتی Prayer Room میں چلی آئی...... یہ قدرے چھوٹا مگر ہوادار اور روشن کمرہ تھا جسے چند دن پہلے اس نے Prayer Room کی شکل دی تھی۔ پہلے یہاں سعد کے آفس کی فائلز کا ایک انبار لگا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں یا پھر سال بھر سے ہی روزانہ آنے والی اخبار اور ہفتہ وار میگزینز کو یہاں رکھا کم اور پھینکا زیادہ جاتا رہا تھا۔ تبھی تو یہ وہاں پڑی الماریوں میں ہونے کی بجائے فرش پر ڈھیر کی صورت جمع تھیں۔ اس نے نازو کے ساتھ مل کر ردی الگ کی اور ایک الماری میں سعد کی ساری فائلز کو ترتیب سے رکھ دیا۔ باقی الماریوں میں قرآن پاک و تفاسیر قرآن، احادیث اور قرأت سے ریلیٹڈ کتب جو کچھ سعد کے پاس پہلے سے موجود تھیں اور کچھ انوشے لائی تھی اور چند دعائیہ کتب تھیں، سب کو ترتیب دیا۔ فرش پر سفید اونی قالین بچھا کر جائے نماز رکھے۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ کی دیوار گیر پینٹنگز جو اس نے خاص طور سے منگوائی تھیں، انہوں نے کمرے کو مزید پاکیزہ ٹچ دے دیا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازے کے آگے سفید بے داغ پردوں کو لٹکایا۔ ایک طرف سفید پھولوں والا بڑا گملا رکھ دیا...... سبز پتوں میں گھرے سفید پھولوں والے گملے نے پورے کمرے کو جیسے حُسن بخش دیا تھا۔

انوشے نے ٹی گرین وال کلاک کی طرف دیکھا۔ نماز میں ابھی کافی وقت تھا وہ سکون سے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔

******

پچھلے چار ماہ سے وہ اس ناگہانی آفت سے اُکتایا ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے دونوں کانوں پر کشن رکھ کر آواز سے جان چھڑانی چاہی مگر...... ایک تو یہ منحوس کلاک صبح صبح ہی بجنے لگتا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولے بغیر ہاتھ بڑھا کر الارم بند کرنا چاہا۔ مگر وہاں کلاک تھا ہی نہیں۔ اس نے بمشکل نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا۔ کلاک تو موجود نہ تھا مگر الارم بدستور بج رہا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا آواز بیڈ کے نیچے سے آ رہی تھی۔ اس نے کوفت بھرے انداز میں بیڈ کے نیچے جھانکا...... وہاں پڑا کلاک مسلسل الارم بجاتے ہوئے جیسے اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

سعد جی بھر کر بدمزہ ہوا...... غصے سے کلاک کو پکڑا اور صوفے پر اُچھال دیا۔ اور خود دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر نیند تو اللہ حافظ کہہ کر پرائی ہو چکی تھی۔ وہ آدھی رات تک فائلز بکھرائے کام میں مصروف رہا تھا۔ اِسے لگا ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ یہ کلاک...... اس نے گھور کر قالین پر اوندھے پڑے کلاک کو دیکھا جو صوفے سے اُچھل کر نیچے گرنے کی وجہ سے ٹوٹ چکا تھا۔

"اچھا ہے...... اس کلاک کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اب نہ یہ ہوگا اور نہ وہ انوشے الارم لگا کر میری نیند خراب کرے گی"

انوشے کا غصہ اس نے کلاک پر اُتارا تھا۔

"پتا نہیں کیسا وہ منحوس وقت تھا جب میں نے نکاح نامے پر سائن کیے تھے اور یہ مصیبت اپنے گلے باندھی تھی۔"

اس نے غصے سے کھولتے ہوئے کشن منہ پر رکھا۔ ویسے تو وہ بچپن سے ہی نماز پڑھنے لگا تھا جب اُسے نماز آتی بھی نہ تھی۔ پاپا کے ساتھ مسجد جاتا اور ویسے ہی منہ ہلاتا رہتا۔ پھر اس نے بڑے شوق سے نماز یاد کی۔ جب وہ اپنی توتلی زبان سے ہر مہمان کو نماز سُناتا تو سبھی بہت خوش ہوتے۔ انکل ضیاء تو فرمائش کر کے سُنا کرتے تھے۔

باقی چار نمازیں تو وہ اب بھی پڑھ لیتا تھا مگر جب سے اس نے اپنا الگ سے بزنس اسٹیبلش کیا تھا اور اسی سلسلے میں ڈیڑھ سال قبل کراچی شفٹ ہوا تھا تب سے فجر کی نماز کم ہی پڑھ پاتا۔ کام کی مصروفیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ رات گئے تک آفس کی فائلز میں اُلجھا رہتا۔ سو صبح آنکھ ذرا دیر سے ہی کھلتی اور نماز نکل چکی ہوتی۔ اِسے افسوس ہوتا اور روزانہ یہی ارادہ کرتا کہ آج جیسے بھی ہو سکا کام جلدی ختم کر کے جلدی سوئے گا تاکہ صبح نماز نہ چھوٹے۔ مگر وہ باوجود کوشش کے ایسا کبھی نہ کر پایا تھا۔ اور اب تو اس نے یہ کوشش بھی چھوڑ دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اتنی

رات تک کام کرنے کے بعد صبح فجر کی نماز کے لئے اُٹھنا انہونی ہی ہے۔ مگر یہ انہونی پچھلے چار ماہ سے مسلسل ہونی میں بدل رہی تھی۔ وہ فجر کی نماز تو پڑھ لیتا مگر نیند پوری نہ ہونے کے سبب سارا دن ڈسٹرب ہی رہتا۔

''دیکھ لوں گا اس انوشے کو...... پتا نہیں کیا سمجھتی ہے خود کو۔''

وہ اپنی ساری کوفت کا ذمہ دار انوشے کو ٹھہراتا دانت پیستا اُٹھ کھڑا ہوا...... جماعت کا وقت نکل چکا تھا۔ اس نے گھر پر ہی نماز ادا کی اور پھر جاگنگ کے لیے نکل گیا۔

******

انوشے کچن میں تھی جب وہ ٹریک سوٹ میں ماتھے پر آئے پسینے سے تر بالوں کے ساتھ جوگنگ سے لوٹا اور حسبِ معمول سیدھا لان میں آیا تھا۔ وہ جوگنگ سے واپسی پر کچھ دیر لان میں ضرور بیٹھا کرتا جہاں صبح کا اخبار پڑھتے ہوئے فریش جوس پینا اس کا معمول تھا۔ اس نے لان چیئر کی بیک پر پڑے تولیے کو اُٹھایا اور پسینہ صاف کرنے کے بعد اسے دوسری کرسی پر اُچھال دیا۔ میز پر پڑی آج کی اخبار لے کر وہاں پڑے جھولے پر نیم دراز ہو گیا۔ اب روزانہ تولیہ اور اخبار اسے یہاں پڑے ملتے تھے ورنہ پہلے اسے خود لانے پڑتے۔ وہ جانتا تھا یہ تبدیلی انوشے کی مرہونِ منت ہے مگر اس کے لئے اس نے انوشے کو شکریہ کہنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی تھی۔

صبح صبح لان میں کچھ وقت گزارنا سعد کو بہت پسند تھا۔ ایک قطار میں لگے چنار، صنوبر، انار اور آلوچہ کے درختوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ اسے بھاتی تھی۔ گیٹ تک جاتی راہداری کے اطراف میں سفید، سُرخ، پیلے اور گلابی رنگ کے نئے نئے کھلنے والے گلاب کے پھولوں کی سوندھی سوندھی خوشبو سے پوری فضا مہک اُٹھتی۔ سعد نے خاص طور سے چنبیلی، موتیا اور گل سوسن کے پودے مالی بابا سے منگوائے تھے۔ وہ ہمیشہ اس ماحول میں کھو سا جاتا۔ اب بھی اس نے اپنے اطراف میں نگاہ دوڑائی اور ماحول کی ساری تازگی کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ خوبصورت پھول اور ان کی مہک صبح کی تازہ ہوا کے ساتھ مل کر سحر زدہ کر رہی تھی۔ نیچے خوبصورت نرم گھاس جس پر شبنم کے قطرے چمکتے ہوئے ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے سبز فرش پر بیش قیمت موتی بکھیر دیے ہوں۔ اوپر صاف شفاف آسمان جو مشرق کی جانب سے سُرخی مائل ہو کر سورج کی آمد کا پتا دے رہا تھا۔ چڑیا، بلبل اور کوئل کی خوبصورت آوازیں جیسے وہ خوشی سے اللہ کی حمد و ثنا کر رہی ہوں اور پودے تازہ ہوا میں جھوم جھوم کر مزہ لے لے کر سن رہے ہوں۔

ٹائل لگی سُرخ سُرخ راہداری اور ماربل کی خوبصورت عمارت...... سعد نے 8 کنال

پر بنا یہ خوبصورت سا Bungalow (بنگلہ) ڈیڑھ سال قبل بنوایا تھا جب وہ کراچی شفٹ ہوا۔ یہ مکمل طور پر ماڈرن طرز کا بنا ہوا تھا۔ بڑا سا لان، کشادہ گیراج اور بائیں طرف آؤٹ ہاؤس بھی تھا۔ جو اب ناز، اور اس کے شوہر کے زیرِ استعمال تھا۔ اُس کا گھر اس کی جنت تھا۔ شادی سے پہلے سارے گھر کی ڈیکوریشن اس نے اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔ اور شہر کے مشہور آرکیٹیکچر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اُسے یاد تھا گھر کو پینٹ کروانے کے لئے کلرز کا انتخاب کرنے میں ہی اس نے پورا ہفتہ لگایا تھا۔ وہ سوچتا تو سمجھ نہ پاتا کہ کونسا رنگ میرے خوابوں کے رنگ سے ملتا جلتا ہے جو میرے خیالی گھر کی تصویر بن کر میرے سامنے آئے گا اور میری اس جنت میں اُترنے والی حُور کے شایانِ شان بھی ہو گا۔ سب کچھ بہت نایاب اور اچھوتا ہونا چاہیے جیسے میرے خواب اَن چھوئے اور پاکیزہ...... جیسے...... ''وہ''......! ''میری چھوئی موئی''...... وہ مُسکرا دیتا۔

''ہونہہ سارے خواب سچ نہیں ہوتے''

کوفت سے سوچتے ہوئے سعد نے گہری سانس لی اور ماحول کی ساری تازگی اپنے اندر اُتارتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

******

انوشے جوس بناتے ہوئے کچن کی لان کی طرف کھلتی کھڑکی سے مسلسل اُسے آبزرو (Observe) کر رہی تھی وہ آج اخبار پڑھنے کی بجائے آنکھیں بند کیے ہوئے جھولا جھول رہا تھا۔ جبکہ اخبار سینے پر پڑا تھا۔

''لگتا ہے آج جھولے پر ہی نیند پوری کرنے کا ارادہ ہے''

انوشے جوس لے کر مسکراتی ہوئی لان کی طرف آ گئی۔ براؤن پٹیوں والے بلیک ٹراؤزرز اور ٹی شرٹ کے ساتھ براؤن جوگرز پہنے ماتھے پر بکھرے بالوں سے بے نیاز آنکھیں بند کیے سعد بدستور جھولے پر نیم دراز تھا۔ خود میں ہی کھویا ہوا۔ اس کی آمد سے بھی بے خبر آنکھیں موندے انوشے کو اسی سحر زدہ ماحول کا ہی ایک حصہ لگا...... اسے آواز دینے کی بجائے وہ مسحور سی کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ انوشے کی نظروں کی تپش تھی یا فضا میں اس کی موجودگی کا احساس...... سعد نے آنکھیں کھولیں تو اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی انوشے جی بھر کر خفیف ہوئی۔

''کیا ہے......؟ ایسے کیوں گھور رہی ہو......؟''

سعد کو بھی اس کا یوں دیکھنا قطعاً نہ بھایا تھا اور پھر کلاک والی بات بھی تو ابھی پرانی نہ ہوئی تھی۔

''میں آپ کے لئے جوس لائی ہوں۔''

انوشے اپنی خفت مٹانے کے لئے گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔

"غصہ تو ان کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔اب پھر روز کی طرح دہرائیں گے......"

"گھر میں کوئی نوکر نہیں ہے جو تم صبح صبح اپنی شکل دکھانے آجاتی ہو......؟"

سعد کا لہجہ اور الفاظ حسب توقع ہی تھے۔انوشے بے اختیار مسکرائی۔

"ویل ڈن(well done)انوشے تم سعد کو کتنی اچھی طرح جاننے لگی ہو۔"

اس نے دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔

سعد نے جوس کا گلاس لینے کی بجائے اپنے آگے اخبار پھیلا لیا۔

"نوکر تو ہیں......پر میرے دل کی خواہش ہے کہ آپ صبح صبح مجھے اپنے سامنے پائیں۔اپنے آس پاس صرف مجھے محسوس کریں۔"

انوشے نے اُسے مزید چڑانے کی خاطر مزہ لیتے ہوئے کہا اور جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔سعد نے اُٹھ کر اخبار سائیڈ پر رکھا اور اسے گھورتے ہوئے جوس کا گلاس لیے اندر چلا گیا......جبکہ انوشے اس کی اس حرکت پر مسکرا دی۔

"کمال ہے......پتا نہیں کچھ کہے چلے گئے......میں تو ایسے ہی اُلٹا سیدھا سوچتی رہتی ہوں......سعد تو بہت اچھے ہیں اور پھر زندگی ساتھ گزارنے کے لئے ایک دوسرے کو سمجھنا بہت ضروری ہے......ایک دوسرے کو سمجھنے میں کچھ وقت تو لگے گا ناں......اور مجھے یہ وقت سعد کو دینا چاہئے......"

انوشے وہیں بیٹھ کر سعد کو اندر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

رُک ہی جاتی ہے نظر حد نظر تک ورنہ
دل تو کہتا ہے جہاں تم ہو وہاں تک دیکھوں

وہ نظر سے اوجھل ہوا تو وہ بھی گہری سانس لیتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

******

سعد کوئی لمبا چوڑا ناشتہ کرنے کا عادی نہ تھا۔ایک سلائس اور ایک کپ چائے یا کبھی موڈ ہوتا تو ہاف بوائلڈ ایگ......لنچ وہ آفس میں کرتا اور اکثر ہی کسی ہوٹل میں کلائنٹس کے ساتھ بزنس ڈیل کی ٹرم اینڈ کنڈیشنز ڈسکس کرتے ہوئے ہی لنچ بھی کر لیتا۔جبکہ ڈنر پر انوشے اچھا خاصا اہتمام کرتی......وہ کھانے کے حوالے سے کافی حد تک سعد کی پسند اور ناپسند جان چکی تھی۔اسے اکثر حیرت ہوتی......وہ جانے انجانے میں ہی بہت حد تک تبدیل ہو چکی تھی۔محبت اور محبت کرنے والوں کے خلاف بولتے نہ تھکتی تھی مگر اب شادی کے صرف چار مہینے بعد ہی اس کی یہ حالت تھی کہ سعد اپنی تمام تر بے اعتنائی اور غصے کے باوجود دن بدن اس کے دل میں گھر کرتا جا رہا تھا۔

"مبارک ہو انوشے آخر تمہیں بھی محبت ہو ہی گئی......" انوشے خود کو مخاطب کر کے مسکرائی۔

"بی بی جی ناشتہ ٹیبل پر لگا دوں......؟" نازو کی آواز پر وہ چونکی......

"آں......ہاں......لگا دو!"

وہ ناشتے کی میز پر سعد کی منتظر تھی۔جب وہ بک سک سے تیار سیڑھیاں اُترتا دکھائی دیا۔گرے ٹو پیس اور سفید شرٹ میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔وہ اسے دیکھتی رہ گئی......جبکہ وہ ڈائننگ روم میں آنے کی بجائے گلاس وال سے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔انوشے اس کے پیچھے لپکی......وہ کاریڈور میں پہنچ چکا تھا۔

"سعد ناشتہ تو کر لیں......بالکل ریڈی ہے۔"

وہ بولی تھی۔مگر وہ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے ڈرائیور کے ہاتھ سے چابیاں لے کر گاڑی بھگا لے گیا۔انوشے وہیں کاریڈور کی سیڑھی پر ہی بیٹھ گئی۔

"بی بی جی صاحب چلے گئے......؟"

نازو کی آواز پر وہ چونکی۔

"ہاں چلے گئے......" انوشے نے افسردگی سے کہا۔

پھر بلا ارادہ ہی پوچھ بیٹھی۔

"کیا سعد بچپن سے ایسے ہی ہیں......؟"

"نہیں بی بی جی......سعد بابا کے رویے سے تو میں خود حیران ہوں۔وہ کبھی بھی اتنے لاپروا نہیں رہے۔اور اب تو وہ غصہ بھی بہت کرنے لگے ہیں۔"

نازو بھی وہیں بیٹھتی ہوئی بولی تھی۔

انوشے نازو کی بات سُن کر مزید افسردہ ہو گئی۔

"مجھے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی میں بھی ایک نمبر کی بے وقوف ہوں۔بی بی جی کا دھیان بٹانے کی بجائے مزید پریشان کر دیا"

نازو نے اسے افسردہ دیکھا تو شرمندہ ہو گئی۔

"سعد بابا پتا نہیں ان کو کیسے نظر انداز کر لیتے ہیں۔اتنی پیاری سی تو ہیں۔"

وہ انوشے کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

"آپ کو پتا ہے جب سعد بابا چھوٹے تھے تو کبھی کبھی یوں ہی بات بے بات غصہ کرنے لگتے تب صرف اماں ہی تھیں جو اُن کے غصے کی وجہ جان جاتیں..... وہ سعد بابا کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔" ناز و اپنی ماں کا ذکر کر رہی تھی۔

"بڑی بی بی جی نے تو صرف جنم دیا ہے پلے بڑھے تو وہ اماں کی گود میں ہیں۔ جب انہوں نے بولنا سیکھا تو پورے گھر میں وائی اماں، وائی اماں کا شور سنائی دیتا تھا۔"

ناز و اپنی ماں سے سعد کا لگاؤ (Attachment) بتا رہی تھی۔

"ناز و! تم نے کبھی اپنے ابا کا ذکر نہیں کیا"

انوشے نے اس کے والد کے بارے میں پوچھا۔

"جو چھوڑ گئے ان کا ذکر کیا کرنا بی بی جی اور مجھے تو ابا کی شکل بھی یاد نہیں۔ اماں بتاتی ہیں میں نے اُن کے ہی نین نقش چُرائے ہیں۔ میں ڈیڑھ سال کی تھی جب ابا کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا..... ابا سعد بابا کے ہاں ڈرائیور تھے۔ ان کی وفات کے بعد بڑے صاحب مجھے اور اماں کو اپنے گھر ہی لے آئے۔ اماں سعد بابا کو بیٹوں سے بڑھ کر چاہتی ہیں اور وہ بھی ان کا دل سے احترام کرتے ہیں۔" "ہم بھی کیا باتیں لے بیٹھیں صبح صبح..... آئیں آپ تو ناشتہ کر لیں۔"

ناز و نے انوشے کا دھیان بٹانا چاہا جو پھر سعد کے ذکر سے اُلجھ سی گئی تھی۔

"ہاں چلو۔" انوشے اُٹھتے ہوئے بولی۔

شادی کے صرف چھ دن بعد ہی سعد نے کراچی کے لئے اپنی تیاری باندھی تو ممی (ساس) نے وائی اماں کی بیٹی ناز و کو اور اُس کے شوہر رشید کو بھی ان کے ہمراہ بھیج دیا اور ناز و کو خاص تاکید کی "میری بہو کا دھیان رکھنا اور سعد اسے تنگ کرے تو فوراً مجھے اطلاع کرنا میں خود کراچی آ کر اس کے کان کھینچوں گی۔"

اور بقول پاپا (سُسر) کے "وہاں اپنوں سے دُور ان دونوں کی موجودگی سے اپنائیت کا احساس رہے گا....." سعد کا تو پتا نہیں پر انوشے کو ناز و کے ساتھ سے ڈھارس سی رہتی۔ کچھ ہی دنوں میں وہ ناز و کے ساتھ خاصی گھل مل گئی تھی..... وہ اس کی نوکرانی نہیں بلکہ غمخوار اور رازدان بن گئی تھی۔ اور انوشے نے سختی سے اسے منع کر رکھا تھا کہ گھر میں ممی، پاپا کو سعد کے رویے کے بارے میں قطعی کچھ نہ بتائے۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی محبت اور خلوص سے ایک دن اس دوری کو ختم کر دے گی جو نجانے کہاں سے ان کے درمیان رونما ہو گئی تھی۔

"اب تم میری فکر چھوڑو اور اپنے مجازی خدا کو بھی ناشتہ کرواؤ"

انوشے نے شرارت سے کہا تو وہ شرما دی۔ انوشے اس کے یوں شرمانے پر ہنستے

ہوئے جوس کا گلاس لیے سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں آ گئی..... ناشتہ کرنے کا اب دل ہی نہیں چاہا تھا۔ بیڈ روم میں اکیلی بیٹھ کر جوس پیتے ہوئے اُسے گھر والے بہت یاد آئے۔ کتنی رونق ہوا کرتی تھی صبح صبح ڈائننگ ٹیبل پر..... اُسے کالج جانے کی جلدی ہوتی۔ ولی بھائی اور بابا کو آفس جانے کی اور مما جلدی جلدی سب کو کبھی کچھ پکڑا رہی ہوتیں کبھی کچھ۔ کتنے عزیز رشتے ہوتے ہیں۔ ان سے ایک پل کے لئے بھی دُور رہنے کا تصور نہیں ہوتا، جنہیں شادی کے بعد صرف ایک شخص کی خاطر پیچھے چھوڑ کر خود آگے بڑھ جانا پڑتا ہے۔

"پورے چار مہینے ہو گئے میں نے مما، پاپا اور ولی بھائی کو نہیں، یکھا نہ مشی سے ملی۔"

گھر والوں کی یاد ستائی تو البم لے کر بیڈ پر آ بیٹھی جسے وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

مما، بابا اور ولید بھائی کی تصویریں دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"او..... ہو..... یہ کیا ڈیئر سسٹر (sister) تم رو رہی ہو.....؟ بُری بات..... تم روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگتی..... مجھے بتاؤ کیوں میری پیاری بہن کی آنکھوں میں آنسو آئے.....؟"

ابھی چھ ماہ پہلے کی بات تھی جب مما نے اسے بتایا کہ اس کے نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے تو وہ گھر والوں سے جدائی کا ہی سوچ کر پریشان ہو گئی تھی۔ جب ولی بھائی آفس سے لوٹے اور اسے منہ بسورتے دیکھا تو اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئے اور وہ ان کے کندھے سے لگ کر سسک پڑی۔ جب اس کے رونے کی وجہ انہیں پتا چلی تو وہ آنکھیں صاف کرتے اُٹھ کر چلے گئے۔ کہا کچھ کہے ہی..... اور بابا کہا کرتے "انوشے تو میرے گھر کی رونق ہے۔ میری پیاری سی مینا ہر طرف چہچہاتی پھرتی ہے تو گھر میں مَن لگتا ہے۔ اس کے بغیر یہ گھر سُونا ہو جائے گا....." وہ بابا کو افسردہ دیکھتی اور ماحول کو خوشگوار کرنے کے لئے فوراً بولتی۔

"نہیں!"..... "پہلے ولی بھائی کی دلہن لائیں پھر میں اس گھر سے جاؤں گی۔"

ولی بھائی اس کی شرارت سمجھ کر مسکراتے ہوئے کہتے۔

"تم خود تو جا رہی ہو..... میری آزادی سلب کر کے تمہیں کیا ملے گا.....؟؟"

"ہاں! ہاں!..... دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اور اُوپر سے ایٹی کیٹس..... ہے ناں!"

انوشے بھی فوراً جواب دیتی۔ مما، بابا ان کی باتوں پر مسکراتے رہتے۔

"کتنے پیارے دن تھے وہ....."

انوشے آہستہ آہستہ ساری تصاویر دیکھ رہی تھی۔ اور ہر تصویر کے ساتھ ڈھیروں خوبصورت یادیں اسے گھیر لیتیں اور وہ مسکرا کر دوسری تصویر دیکھنے لگتی..... پھر ایک تصویر پر وہ کھل کر مسکرائی تھی..... مشی اور ولی بھائی کی تصویر..... اسے اچھی طرح یاد تھا اپنی اس شرارت

کی وجہ سے وہ دنوں تک مزہ لیتی رہی تھی۔ اور آج بھی یاد آتے ہی ہنس دی۔ ہوا یوں تھا کہ جشی اس کی نہ صرف بہت اچھی دوست تھی بلکہ وہ مما کی فرینڈ کی بیٹی بھی تھی۔ دونوں فیملیز کا بہت آنا جانا تھا...... جشی اس کے ساتھ ہی پڑھتی تھی۔ پر جب اسے معلوم ہوا کہ ولی بھائی جشی میں انٹرسٹڈ ہیں...... پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر بے تحاشہ خوش۔

''واؤ...... ولی بھائی جشی اگر میری بھابھی بن جائے تو کتنا اچھا ہو...... وہ میری بیسٹ فرینڈ تو ہے ہی۔''

ولی بھائی اس کی خوشی دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''تو بنالو ناں بھابھی! میں نے کب انکار کیا ہے۔''

بس پھر کیا تھا...... ولی کے ساتھ ساتھ بے چاری جشی کی بھی شامت آ گئی۔ ولی بھائی کو چند دنوں سے بخار تھا اور جشی کی ہر بات آ کر ان کی بیماری پر ختم ہوتی تو وہ جھنجھلا جاتی۔

''روز آتی ہو خیریت معلوم کرنے اور روز بھائی سے ملے بنا ہی چلی جاتی ہو......؟''

انوشے کی جھنجھلاہٹ پر جشی مسکرا کر کہتی۔

''انوشے ڈیئر جب تمہیں محبت ہوگی ناں! تب پوچھوں گی''

اور وہ سوچتی۔

''لو بھلا، یہ کیسی محبت ہوئی کہ جسے ملنے آؤ اُسے ملے بنا ہی چلے جاؤ...... یہ دونوں تو پاگل ہیں۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔''

وہ ولی بھائی کے کمرے میں گئی...... آج ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی اور وہ بیڈ پہ تکیے سے کمر ٹکائے اخبار پڑھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر سیدھے ہوتے ہوئے بولے۔

''آؤ گڑیا...... بیٹھو......!''

''بھائی آپ بھی کیا ہر وقت کمرے میں ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے ساتھ آ ئیں۔ میں نے کچھ دکھانا ہے...... آج تو آپ کا بخار بھی اُترا ہوا ہے سو کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔''

انوشے نے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑتے ہی کہا۔

''ارے گڑیا کیا دکھانا ہے......؟ اچھا رکو، مجھے جوتا تو پہن لینے دو۔''

ولید بھائی جوتا پہننے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے تھے۔

''نہیں بھائی... چھوڑیں جوتے کو...... آپ بس میرے ساتھ آ ئیں جلدی۔''

وہ تقریباً انہیں کھینچتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں لائی اور بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

''آپ یہاں بیٹھیں، میں ابھی آئی......''

''ارے...... پر انوشے تم کہاں...... اُف یہ لڑکی بھی ناں!!''

وہ ولی کی بات سنے بنا بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی...... ولید جو کافی دنوں کے مسلسل بخار کے بعد کمزوری محسوس کر رہا تھا یوں ایکدم بیڈ سے اتر کر بھاگنے کی وجہ سے اُس کا سانس پھول گیا، جسے ہموار کرنے کے لئے وہ بیڈ پہ لیٹ گیا...... کمرے میں اے سی کی خنک میں سردی محسوس ہوئی تو کمبل اوڑھ لیا۔ کچھ پرسکون ہو کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ اِدھر انوشے نے جشی کو فون لگایا۔

''جشی یار میری طبیعت بہت خراب ہے تم فوراً آ جاؤ''

اور جشی بے چاری ہانپتی کانپتی پیدل ہی بھاگی چلی آئی۔

''السلام علیکم آنٹی...... انوشے کہاں ہے......؟''

جشی نے آتے ہی لاؤنج میں بیٹھی مما سے پوچھا تھا۔

''وعلیکم السلام...... انوشے تو اپنے کمرے میں ہے بیٹا۔ خیریت......؟؟''

مما اس کی اچانک آمد پر حیران ہوئیں تھیں۔

''جی آنٹی...... انوشے کی طبیعت معلوم کرنے آئی ہوں۔ کیسی ہے وہ اب......؟''

اس سے پہلے کہ مما کچھ جواب دیتیں یا پوچھتیں کہ انوشے کی طبیعت کو کیا ہوا وہ انوشے کے بیڈ روم کی طرف بھاگی۔

''معلوم نہیں کب بچپنا جائے گا ان لڑکیوں کا......؟''

مما اسے کودتے پھلانگتے انوشے کے بیڈ روم کی طرف جاتے دیکھ کر مسکراتی ہوئی سوچنے لگیں۔

جشی انوشے کے کمرے میں داخل ہوئی اور اسے کمبل اوڑھے لیٹے دیکھا تو مزید پریشان ہو گئی۔

''انوشے...... کیا ہو گیا اچانک......؟ طبیعت زیادہ بگڑ گئی ہے......؟''

وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتی ہوئی پریشانی سے پوچھنے لگی......

جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ کمبل اُٹھا کر اندر گھس گئی اور اس کی پیشانی چھو کر اس کی طبیعت کا اندازہ کرنے لگی۔ جشی کا ہاتھ جب بالوں سے ٹکرایا تو اسے جھٹکا لگا۔

''انوشے...... تم نے بال کب کٹوائے......؟''

جشی نے اس کے منہ سے کمبل ہٹایا تو انوشے کی بجائے ولید کو دیکھ کر باقاعدہ چیختی ہوئی کمبل سے نکلی...... ولی جس کی آنکھ لگ گئی تھی کمبل ہٹانے پر نیند کھلی تو جشی کو دیکھ کر اتنا بدحواس ہوا کہ چیخ بھی نہ سکا...... انوشے جو پردوں کے پیچھے چھپی اس ساری کارروائی سے محظوظ ہو رہی تھی اور نیمرے کی

آنکھ میں ان دونوں کی بوکھلاہٹ بھی قید کر چکی تھی اس کا تو ہنسی کے مارے بُرا حال تھا۔

مشی تو بھائی کو دیکھ کر ایسے چیخی تھی جیسے دنیا کا سب سے خوفناک بھوت دیکھ لیا ہو اور ولی بھائی کی حالت.....اُس کی تو بات ہی چھوڑ دو۔

''چیختی ہوئی بیڈ پر کھڑی مشی اور حیران پریشان سے ولی بھائی''

انوشے کافی دیر اس تصویر پر نظریں جمائے مسکراتی رہی۔ اس کی شرارت پر بہت ہفتوں تک مشی اس سے ناراض رہی تھی۔

''دیکھنا انوشے.....اب اگر تم مر بھی گئی ناں تب بھی میں نہیں آؤں گی.....''

وہ غصے سے کہتی تو انوشے پھر ہنسنے لگتی۔

"I am sorry, don't say like this Mishi."(معاف کرو!ایسا تو مت کہو مشی)

''میں نے تو صرف اپنی طرف سے چھوٹی سی کوشش کی تھی کہ تم بھائی سے مل لو،اُن کا حال احوال دریافت کر لو..... پر مجھے یہ تو نہیں معلوم تھا ناں کہ تم اِتنی ایڈوانس نکلو گی کہ ڈائریکٹ کمبل میں ہی گھس جاؤ گی.....''

وہ بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہتی تو مشی کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا گلا ہی دبا دے۔

''اُف.....میں اب کس طرح ولی کے سامنے جاؤں گی.....انوشے تمہیں اللہ پوچھے۔''

مشی ولی بھائی کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی جھرجھری لے کر بولی تھی۔

اس نے آنکھیں موند کر البم سینے سے لگا لیا اور دو آنسو اس کے گالوں پر نکل آئے۔

******

آج صبح سے ہی موسم بہت خوشگوار تھا.....بلا کی گرمی میں ایسا موسم غنیمت ہی تھا.....بادلوں نے پورے آسمان کو ڈھانپا ہوا تھا.....اور ایسا لگ رہا تھا جیسے چار سو نرمگی سی روشنی نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہو.....تھوڑی ہی دیر میں رِم جھم.....رِم جھم ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں اور زمین کا پیاسا سینہ سیراب کرنے لگیں۔ انوشے کو ایسا موسم بہت پسند تھا.....پر آج یہ موسم اِسے اُداس کرنے لگا تھا.....اِسے مما، بابا، ولی بھائی اور مشی سب بہت یاد آنے لگے تھے.....وہ لوگ مل کر بارش میں بہت مستی کیا کرتے تھے۔ سب کو یاد کر کے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور ہونٹ مسکرا اُٹھے تھے۔

جب بھی بارش ہوتی وہ فون کر کے مشی کو بلوا لیا کرتی.....پھر امی سے فرمائش کر کے پکوڑے بنوائے جاتے اور وہ تینوں مزے لے لے کر گرما گرم پکوڑے کھایا کرتے۔ مما اور بابا کاریڈور میں بیٹھ کر انہیں دیکھا کرتے.....اِسے پل پل وہ دن یاد آ گیا جو انہوں نے آخری بار

WWW.PAKSOCIETY.COM

اکٹھے انجوائے کیا تھا۔ مما کہہ رہی تھیں

''تم لوگ تو بارش دیکھ کر پاگل ہو جاتے ہو.....بچوں کی طرح اُچھلتے کودتے ذرا شرم نہیں آتی.....؟؟ اتنے بڑے ہو گئے ہو معلوم نہیں کب عقل آئے گی۔''

وہ لوگ مما کی باتیں ایک کان سے سن رہے تھے اور دوسرے سے نکال رہے تھے۔ مما کو غصہ آ گیا.....''ابھی تو میری باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہو ناں کل کو جب اپنی اولادیں ہوں گی تم لوگوں کی پھر پوچھوں گی۔''

ولی بھائی اِن کی بات پر مُسکرا دیے۔

''مما ہم بور ماں باپ بالکل نہیں بنیں گے۔ ہم ان کے ساتھ مل کر موج مستی کیا کریں گے.....کیوں مشی.....؟''

مما سے بات کرتے کرتے وہ اچانک مشی سے پوچھنے لگے تو وہ گڑبڑا گئی۔ اُس کے گڑبڑانے پر مما باوجود غصے کے مسکرا دیں.....وہ بھی ماضی یاد کر کے مُسکائی۔ نازو نے اِسے تنہا مسکراتے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگی۔

''بی بی جی! آپ کو بارش بہت پسند ہے.....؟''

''آں.....ہاں.....بہت زیادہ'' انوشے نے چونک کر کہا تھا۔

''کیا سوچ رہی تھیں آپ؟''

''بس ایسے ہی.....کچھ بیتے لمحے یاد دِلا دیے بارش نے''

وہ افسردگی سے کہتی کھڑکی سے ہٹ گئی۔

''میں آپ کے لئے پکوڑے بناؤں.....؟''

نازو نے اِس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''پکوڑے.....؟ ہاں تم بناؤ پکوڑے بہت مزہ آئے گا۔''

انوشے یکدم بچوں کی طرح خوش ہو گئی تھی.....بارش مزید تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں گئی اور سفید جینز اور ریڈ ٹی شرٹ پہن کر بالوں کو کیچر لگاتی وہ باہر لان کی طرف بھاگی.....

''نازو۔تم بھی جلدی سے فارغ ہو کر آ جاؤ..... مجھے بارش میں بھیگنا بہت پسند ہے۔ ہم مل کر انجوائے کریں گے.....''

جیسے جیسے بارش تیز ہوتی جا رہی تھی انوشے کی کھلکھلاہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

''واؤ.....اِتنی بارش.....تھینک یو ڈیئر اللہ جی''.....اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا تھا۔

"اتنا مزہ آ رہا ہے..... میں سعد کو بھی بلاتی ہوں۔ پھر ہم مل کر پکوڑے کھائیں گے۔"

وہ دوڑتی ہوئی اندر کی جانب بڑھی مگر کپڑوں سے ٹپکتا ہوا پانی دیکھ کر اُسے رُکنا پڑا۔

"سارا قالین گیلا ہو جائے گا" وہ سوچنے لگی۔

"ہاں ایک کام ہو سکتا ہے....."

سعد کے بیڈ روم سے اینچ نیرس پچھلے لان کی طرف تھا اور نیرس کی طرف اس کے روم کی کھڑکی ہمیشہ کھلی ہی رہتی تھی..... وہ اُدھر بھاگی۔ حسبِ معمول کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی اور پردے بھی ہٹے ہوئے تھے۔

"اِدھر سے کچھ پھینکتی ہوں..... کس نے پھینکا..... دیکھنے کے لئے کھڑکی تک آئیں گے تو بلا لوں گی۔"

اُس نے اِدھر اُدھر نظریں گھمائیں کسی چھوٹے سے کنکر کی تلاش میں پھر خود ہی رُک گئی۔

"نہیں..... کنکر نہیں..... اگر انہیں لگ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"تو پھر کیا.....؟؟؟"

اس نے سوچتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا تو کچھ سے ٹکرایا۔

"یہ ٹھیک رہے گا..... اگر انہیں لگ بھی گیا تو چوٹ نہیں آئے گی....."

اس نے کچھ اُتارا اور نشانہ لے کر زور سے پھینکا وہ کھڑکی کو پار کر کے اندر کمرے میں جا گرا.....

"چلو نشانہ بازی سیکھنے کا کچھ تو فائدہ ہوا۔"

وہ مسکرائی۔

"انوشے تم کوئی لڑکیوں والا کام سیکھو۔ یہ تمہارے سیکھنے کا کام نہیں....."

اسے لگا جیسے آریان واقعی اس کے پیچھے کھڑا کہہ رہا ہو۔ اُن دنوں کالج میں ایک ٹیم نے کیمپ لگایا ہوا تھا وہ مختلف قسم کے فن سکھاتے تھے۔ انوشے نے بھی نشانہ بازی اور ہارس رائیڈنگ (Horse riding) میں اپنا نام لکھوا دیا تھا..... بہت کوشش کے بعد بھی جب وہ نشانہ نہ لگا پائی تو آریان جھنجلایا تھا۔

"نہیں!..... میں ہر حال میں سیکھوں گی..... اور ضروری نہیں ایسے کام صرف لڑکے ہی سیکھیں..... یہ صرف لڑکوں کی میراث نہیں ہے..... لڑکیوں کو بھی ہر طرح کے کام آنے چاہئیں۔"

وہ بڑے عزم سے بولی تھی۔

******

سعد صبح آفس جانے کی جلدی میں کچھ امپورٹنٹ فائلز گھر پر ہی بھول گیا..... جنہیں لینے وہ واپس آیا تو موسم جو صبح سے ہی خراب سا ہو رہا تھا..... بپھر گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے خل تھل ہونے لگا۔ شدید بارش کی وجہ سے سعد نے دوبارہ آفس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور چینج کر کے بیڈ پر بیٹھا اب وہ فائلز کی سٹڈی میں مصروف تھا۔ اسے بارش تو پسند تھی مگر بارش میں بھیگنے سے اسے شروع سے ہی چڑ تھی۔ وہ ہمیشہ اسے دیکھنے کی حد تک ہی انجوائے کیا کرتا تھا..... اور آج تو ویسے بھی بہت مصروف تھا سو دیکھنے کی حد تک بھی انجوائے کرنے کا اس کے پاس وقت نہ تھا۔ وہ بہت توجہ سے ان فائلز کو سٹڈی کر رہا تھا جب اچانک کھڑکی کے راستے کوئی چیز آ کر اس کے بیڈ پر گری..... دیکھنے پر علم ہوا وہ کیچر تھا..... وہ جی بھر کر حیران ہوا۔

"یہ یہاں کس نے پھینکا ہو گا اور کیوں.....؟"

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کیچر کو دوبارہ دیکھا..... یہ تو غالباً انوشے نے لگایا ہوا تھا..... انوشے کے بال لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں ماہر تھے..... اور سعد کی نظریں تو ہمیشہ ہی اس کی الجھی سلجھی زلفوں میں بھٹکتی رہتی تھیں..... جب بھی وہ سامنے ہوتی۔ تبھی اُسے یاد رہ گیا تھا کہ یہ کیچر انوشے کا ہے۔

"تو..... کیا یہ اُس نے.....؟"

"انوشے..... انوشے....."

وہ کھولتا ہوا نیچے آیا۔ نازدیکن میں تھی فوراً سعد کی آواز پر باہر نکلی..... اسے دیکھتے ہی سعد نے اس سے تصدیق چاہی۔

"یہ کیچر انوشے کا ہے ناں.....؟"

"جی..... یہ اُن کا ہی ہے۔ چھوٹے صاحب کیا ہوا۔ آپ بہت غصے میں لگ رہے ہیں۔"

ناز ہمنہائی۔

"کہاں ہے وہ.....؟؟"

سعد نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"انوشے بی بی تو باہر ہیں..... شاید پچھلے لان میں ہوں....."

وہ اتنا سن کر ہی غصے سے دانت پیستا باہر کاریڈور میں نکل آیا..... اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بچگانہ حرکت انوشے کی ہی ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ جی بھر کر حیران ہوا۔ وہ اتنی موسلا دھار بارش میں لان کے بیچوں بیچ کھڑی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں..... اور وہ بنا حرکت کیے بس خاموش تھی کسی پُراسرار مجسمے کی مانند۔ وہ چند ثانیے اسے دیکھتا

رہا پھر زور سے اسے آواز دی۔

"انوشے.....!!!"

اور انوشے جو ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی تھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی..... پھر مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی۔

"مجھے علم تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ آپ کو بارش میں بھیگنا اچھا لگتا ہے سعد؟"

وہ اپنی ہی ایکسائٹمنٹ میں اس کے جارحانہ تیور بھانپ نہ پائی تھی۔ سعد بس اسے گھورتا رہا..... وہ قدم بڑھا کر کاریڈور کی پہلی سیڑھی پر کھڑی ہو گئی۔ چند ثانیے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر خود ہی مسکرا دی۔

"جب میں مما کے گھر تھی تو ہر موسم کی بارش انجوائے کیا کرتی تھی..... میں، دلی بھائی اور مشی ہم تینوں مل کر وہ ہنگامہ کرتے کہ پورے گھر میں ہماری آوازیں گونجا کرتیں..... مما کے ہاتھ کے پکوڑے کھاتے ہوئے بابا کی شفقت بھری مسکراہٹ کے حصار میں آسمان سے ٹپکتے اس قطرہ قطرہ پانی کو ہم نے کس کس طرح خوش آمدید کہا میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔"

انوشے نے اپنی ہتھیلی کھول کر بارش کے چند قطرے اس پر گرنے دیے اور مٹھی بند کر لی۔ جیسے کوئی بہت ہی قیمتی چیز اس نے اپنی مٹھی میں مقید کر لی ہو۔ سعد نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔ اس کے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی یہ لڑکی آج اسے بہت ہی مختلف روپ میں نظر آئی..... وہ اسے دیکھتے ہوئے یہ اخذ نہیں کر پا رہا تھا کہ انوشے خوش ہے یا افسردہ۔ سعد کو خاموشی سے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بھی چند لمحے خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑی رہی پھر اس نے ایک قدم بڑھا کر دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنے بھیگے نازک ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا..... سعد نے اس کی ہمت پر حیرانی اور غصے کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھا۔ اس کے لمس سے ایک ادر مانوس سا جذبہ اس نے محسوس کیا تھا مگر وہ استادِ ہم اتنا خاموش تھا کہ وہ اسے نہ پہچان سکا اور نہ ہی کوئی نام دے پایا۔

"آپ آئیں میرے ساتھ..... یہ ہماری شادی شدہ زندگی کی پہلی بارش ہے جو ہم ساتھ انجوائے کریں گے..... میں اسے ہمیشہ کے لئے یادگار بنانا چاہتی ہوں۔ ہر آنے والے موسم کا وہ پہلا پہلا احساس جس کو میں آپ کے ساتھ محسوس کروں..... وہ قیمتی ترین لمحات ہمیشہ میرے لیے توشۂ حیات ہوں گے۔"

انوشے جھکی تھرتھراتی بھیگی پلکوں کے ساتھ بہت ہی مدھم آواز میں بول رہی تھی۔ سعد کا ہاتھ اس نے نہایت عقیدت سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔

"اب یہاں ہی کھڑے رہنا ہے یا باہر نہیں آنا کیا.....؟"

انوشے نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں....." سعد نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی کہا۔

"کیا نہیں۔ مجھے کچھ نہیں سننا آج۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا..... آپ کو میرے ساتھ بارش میں بھیگنا ہے۔ بس....."

انوشے اسے زبردستی کھینچتی ہوئی دونوں سیڑھیاں جلدی سے کراس کر گئی۔ تیز بارش نے فوراً انہیں بھگونا شروع کر دیا..... سعد کا غصہ لاوے کی طرح پھٹ پڑا۔

"انوشے یہ کیا بچپنا ہے.....؟"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا تو انوشے جو مضبوطی سے تھامے ہوئے آگے چل رہی تھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اگلے قدموں جھٹکے سے سعد کے سینے سے آ ٹکرائی..... سعد کی طرف اس کی پشت تھی۔ اس نے اس کی ایک سائیڈ سے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔

"یہ تم نے ہی پھینکا تھا ہاں.....؟"

انوشے کے کان کے پاس گویا دھماکہ ہوا تھا..... سعد کی کشادہ ہتھیلی پر اپنا کچرہ دیکھ کر فوراً اس سے کچھ بولا بھی نہ گیا۔

"ایسے لفنگوں جیسے کام میں اپنے گھر میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھی تم.....؟"

سعد نے غصے سے کچرہ زمین پر پھینکا اور اسے بازو سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا:

"میں تمہیں کس زبان میں سمجھاؤں کہ تمہاری سمجھ میں میری بات آ جائے..... آخر کیا سمجھتی ہو تم خود کو.....؟ اور کیا سوچ کر ایسے کارنامے کرتی ہو کہ ان فضول قسم کی بچکانہ حرکتوں سے تم میرا دل جیت لو گی.....؟ اپنا اسیر کر لو گی مجھے.....؟ اور میں صبح و شام تمہارے نام کی مالا جپتا رہوں گا؟"

سعد نہایت غصے میں اسے دونوں شانوں سے تھام کر پوچھ رہا تھا۔

"اگر ایسا کچھ سوچنی ہو تم تو برائے مہربانی اپنے ذہن سے یہ خوش فہمی نکال دو بس انوشے کبیر کہ کبھی سعد حسن رضوی تمہارا اسیر ہو گا۔"

وہ نہایت سختی سے یہ سب کہہ رہا تھا اس کی گرفت انوشے کے شانوں پر مزید مضبوط ہوتی جا رہی تھی مگر وہ سعد کے ہاتھوں کی سختی سے بے نیاز حیران نظروں سے اسے تکتی جا رہی

تھی...... اُس کے منہ سے نکلتا ایک ایک لفظ انوشے کو زہر آلود تیر کی مانند اپنے دل میں پیوست ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ سفید شرٹ پہنے کف فولڈ کیے بلو جینز میں ملبوس اس کے نہایت قریب کھڑا یہ شخص اسے خود سے میلوں کے فاصلے پر لگ رہا تھا...... انوشے حیرت میں ڈوبی بس ایک ٹک بنا پلکوں کو جھپکائے اسے تک رہی تھی جس کے پاس دل کی جگہ شاید پتھر تھا۔

''انوشے کبیر......؟؟؟''

انوشے کے کانوں میں صرف اسی ایک نام کی بازگشت ہو رہی تھی۔

''سعد کے ساتھ بندھے اس رشتے سے تجھے کچھ بھی نہ ملا تھا مگر آج تو سعد نے تجھ سے اپنا حوالہ بھی چھین لیا انوشے...... تم تو بڑا اتراتی پھرا کرتی ہو مسز سعد حسن رضوی بن کر...... یہ پہچان تمہارے لیے باعث فخر ہے۔ کیسا لگا تمہیں یہ جان کر کہ مسز سعد حسن رضوی، مسٹر سعد حسن رضوی کی نظر میں آج بھی ''بس انوشے کبیر'' ہی ہے؟''

اُس نے جیسے خود سے سوال کیا تھا۔ شانوں پر اُس کی سخت گرفت سے بھی اسے اتنا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا جتنی تکلیف اسے اس کے اجنبی رویے سے پہنچی تھی...... روانی سے بہتے آنسو بارش کی تیز بوندوں کے ساتھ مل کر اپنی پہچان کھونے لگے تھے۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بولی تھی۔ سعد نے اس کے بولنے کا انتظار بھی نہیں کیا...... اور واپس پلٹا ہی تھا کہ اس کی طرف فوراً مڑا۔ انوشے نے اُمید بھری نظروں سے اسے دیکھا...... سعد اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سرد لہجے میں بولا۔

''بال نکالو اپنے۔ میری شرٹ کے بٹن میں اُلجھ گئے ہیں......(جو شاید اُن کے ٹکراؤ کا نتیجہ تھا)۔

''تو...... تو ان کے پلٹنے کی یہ وجہ تھی......؟''

انوشے نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں اور کانپتے ہاتھوں سے بال نکالنے لگی...... بارش نہایت تیز تھی کچھ آنسوؤں کی روانی سے اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں...... ایسے میں اُلجھنیں سلجھنے کی بجائے مزید اُلجھتی جا رہی تھیں...... بارش کی تیزی سے گرتی بوندیں انہیں بُری طرح بھگو رہی تھیں جو سعد کو سخت ناگوار گزر رہا تھا...... وہ غصے اور کوفت سے اسے تکنے میں مصروف تھا...... اور اس کا یوں دیکھنا انوشے کو مزید پریشان کر رہا تھا...... وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ سعد اسے مزید سنائیں۔ اسی کوشش میں وہ فوراً کسی بھی طرح ان بالوں کو نکال لینا چاہتی تھی۔ مگر گیلے بال مسلسل برستی بارش کے سبب چپک سے گئے تھے۔

''جلدی کرو...... میں مزید نہیں بھیگ سکتا۔''

سعد نے کرخت آواز میں کہا...... انوشے رو ہانسی ہو گئی۔

''نازو!...... نازو!''

اس نے زور سے نازو کو آواز دی۔ اُسے باہر آتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولی۔

''قینچی لاؤ''

سعد نے چونک کر انوشے کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں...... چند لمحوں میں قینچی حاضر تھی۔ سعد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا کرنے والی ہے مگر لا پرواہ بنا کھڑا رہا...... اُس کی بے نیازی انوشے کو ادھ موا کر رہی تھی۔ انوشے نے قینچی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اُلجھے ہوئے بال۔

''مجھے کیا...... کاٹ لے...... میں نہیں روکوں گا اسے......''

سعد نے غصے اور کوفت سے اس کی یہ عجیب بچگانہ حرکت دیکھتے ہوئے سوچا۔ انوشے نے کانپتے ہاتھ سے قینچی کھولی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے پہلے کہ قینچی بال کاٹ دیتی سعد نے غیر ارادی طور پر ہی اس کا قینچی والا ہاتھ تھام لیا۔

''تم پاگل ہو......؟ احساس بھی ہے کہ کیا بے وقوفی کرنے جا رہی تھیں تم......؟''

وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے وہ اپنا نہیں اس کا بہت بڑا نقصان کرنے جا رہی ہو۔ انوشے نے سعد کے اس ردِ عمل پر پہلے حیرت سے انہیں دیکھا پھر یکدم بھڑک اٹھی......

''آپ کو اس سے کیا...... یہ بس انوشے کبیر کے بال ہیں...... وہ کاٹے یا رہنے دے۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔؟''

انوشے نے چلاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا...... سعد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

انوشے نے آج سے پہلے کبھی یوں ری ریکٹ (React) نہیں کیا تھا۔ اسے اس کی جرأت پر حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی بہت آیا۔ اسے غصہ انوشے کے یوں چلانے پر نہیں آیا تھا بلکہ اُس کے اپنے بال کاٹنے کی کوشش پر آیا تھا۔ مگر اس بات پر وہ اتنا آگ بگولہ ہوا تھا...... کیوں؟ یہ خود اس کے لئے ایک معمہ تھا۔

''وہ درست تھی۔ اصولاً تو یہ اُس کے بال ہیں اور اس کی مرضی، کاٹنا چاہے تو کاٹ لے پر مجھے اتنا بُرا کیوں لگا...... میں کیوں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بالوں کو نقصان پہنچائے......؟؟''

سعد اپنی کیفیت پر حیران تھا...... انوشے نے دوبارہ قینچی سے بال کاٹنے چاہے تو سعد نے غصے سے قینچی ہی اس کے ہاتھ سے کھینچ کر دور پھینک دی...... اور بنا کچھ بولے چہرہ جھکا کر نہایت احتیاط سے بال نکالنے لگا۔

انوشے خاموش کھڑی آنسو بہاتی رہی...... معلوم نہیں کس بات پر اُسے اتنا رونا آ رہا تھا۔ سعد کے رویے پر، ان کی کڑوی باتوں پر، سعد کے ساتھ بارش انجوائے کرنے کے اس نادر

موقع کے ضائع ہو جانے پر یا اُن کے ساتھ مل کر پکوڑے نہ کھا سکنے پر..... یا..... یا پھر.....؟"

سعد نے بال نکال کر گہری نظروں سے خاموش کھڑی انوشے کو دیکھا..... پھر اس کے چہرے پر آئی لٹوں پر سے اس کی نظر پھسلتی ہوئی باہوں سے ہوتی ہوئی اس کے ہاتھ پر پڑی جس سے قطرہ قطرہ خون بارش کے پانی کے ساتھ مل کر نیچے گر رہا تھا..... سعد پہلے تو کچھ سمجھ نہ پایا پھر شرمندگی کا گھڑوں پانی جیسے اس پر پڑا تھا۔ اُس نے بے دھیانی میں ہی قینچی کھینچی تھی اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کا ہاتھ زخمی ہو جائے گا..... معلوم نہیں کیسے قینچی کی نوک اس کے ہاتھ پر لگ گئی تھی..... اور اب زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر اس زخم سے بے نیاز کھڑی انوشے کو شاید اس کا احساس بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو وہ جان بوجھ کر یہ درد برداشت کر رہی تھی بنا اسے جتائے۔

"یہ کیوں.....؟" سعد نے پھر اس کے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھا۔

"یہ لڑکی بالکل پاگل ہے....."

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما۔ زخم پر انگوٹھا رکھ کر اسے اندر کھینچ لایا..... لاؤنج میں آ کر اس نے صوفے پر دھکا دینے کے سے انداز میں بٹھایا اور خود فرسٹ ایڈ باکس لے کر آیا۔ اس نے نرمی سے خون صاف کر کے پٹی کر دی۔ انوشے بنا کچھ بولے اس ساری کارروائی کو دیکھتی رہی..... اس کا ہاتھ ابھی تک سعد کے ہاتھ میں تھا جسے وہ چند لمحے دیکھتا رہا پھر اس کی گود میں رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے کمرے میں آ کر بھی انوشے کا زخمی ہاتھ اُس کی نظروں کے سامنے گھومتا رہا۔

"میں کیوں ہر بار اپنے غصے میں اُسے بھول جاتا ہوں..... کیوں نہیں رکھ پاتا میں قابو خود پر۔"

سعد کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا..... باہر بارش نے اور زور پکڑ لیا تھا..... لڑیوں کی مانند گرتی بوندیں جل تھل کر رہی تھیں۔

"یہ ہماری شادی شدہ زندگی کی پہلی بارش ہے جو ہم ساتھ انجوائے کریں گے۔"

انوشے کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"ہر آنے والے موسم کا وہ پہلا پہلا احساس جسے میں آپ کے ساتھ محسوس کروں گی۔ وہ قیمتی ترین لمحات ہمیشہ میرے لیے توشۂ حیات ہوں گے۔"

اس کی کچھ دیر پہلے کہی ہوئی بات نے اسے مضطرب کر دیا.....

"کتنی سچائی، کتنی اُمید تھی اُس کے لہجے میں اور میں نے کیا کیا.....؟"

وہ حقیقت میں اپنے رویے پر اب شرمندگی محسوس کر رہا تھا..... یہ درست ہے کہ وہ بارش میں بھیگنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی انوشے کے ساتھ مل کر اس موسم کو انجوائے کرنے کا اس کا

کوئی ارادہ تھا مگر پھر بھی اس طرح وہ اُس کے یہ دن برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا تھا جو ہو چکا تھا۔ وہ کافی دیر یونہی کھڑا بارش کو دیکھتا رہا..... اس کا ذہن بہت زیادہ متضاد سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا..... جب وہ اس مشغلے سے اُکتا گیا تو کھڑکی کے پردے برابر کرتا وہ کپڑے بدلنے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

******

انوشے نے اپنے پٹی والے ہاتھ کو دیکھا اور پھر دوسرے ہاتھ سے آنسو صاف کرتی سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں آ گئی..... کپڑے بدل کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کا دل بہت بھرا ہوا تھا..... اس کی زندگی میں یہ بارش پہلی تمام بارشوں سے انوکھی ثابت ہو گی وہ جانتی تھی مگر اس حد تک انوکھی ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔ ناز و نے صاحب اور بی بی کو کمروں میں بند ہوتے دیکھا تو اس نے پکوڑے وہیں ڈھانپ دیے۔ وہ جانتی تھی اُن دونوں میں سے اب کوئی بھی شام سے پہلے کمروں سے باہر نہیں آئے گا۔ اور انوشے بی بی تو جی بھر کر روئیں گی۔ اور جب دل ہلکا ہو جائے گا تو ایسے ہو جائیں گی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ وہ ان کی خوشیوں کی دعائیں کرتی اپنے کوارٹر میں چلی آئی۔

******

وہ تذبذب کے عالم میں مسلسل بجتے فون کو دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سعد کی غیر موجودگی میں کوئی کال آئی ہو..... سبھی کی کالز ڈنر کے بعد ہی آیا کرتی تھیں، سب کو علم تھا کہ دن میں وہ گھر میں کم ہی ہوتے ہیں۔

"تو پھر یہ.....؟؟"

"جانے کس کا فون ہو..... ریسیو کر دوں یا نہ کروں..... کہیں سعد مائنڈ نہ کر لیں کہ ان کی غیر موجودگی میں میں نے فون کیوں ریسیو کیا....."

ان کی شادی کو پانچ ماہ ہونے کو آئے تھے مگر سعد کے رویے اور لہجے انداز کی وجہ سے پہلے دن جیسی اجنبیت ابھی تک کم ہونے میں نہ آئی تھی۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔

"کہیں سعد ہی نہ ہوں آفس سے..... خیر جو بھی ہو کال ریسیو کرنے میں کیا حرج ہے....."

انوشے نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا ابھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ گرج دار غصے سے بھری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"میں کب سے فون لگا رہا ہوں۔ کہاں تھی تم.....؟"

انوشے کے دماغ نے تیزی سے کام کیا حالانکہ وہ سعد کو فون پر پہلی مرتبہ سن رہی تھی

مگر پہچان گئی تھی۔ اس کے غصے والے لہجے یا شاید بات کرنے کے انداز سے۔ جبکہ اُس کی آواز کافی change تھی۔

"سعد کی کال......؟ پہلے تو انہوں نے کبھی فون نہیں کیا تو پھر آج......؟"

"کیا سوگئی ہیں محترمہ......؟"

طنزیہ لہجے میں کیے گئے سوال نے اس کی سوچ کے شیشے کو جیسے توڑا تھا۔

"ہاں......؟ نہیں وہ میں تو یہ سوچ......"

"آج میرا سب سے عزیز دوست آ رہا ہے لنچ پر اپنی مسز کے ساتھ۔ انتظام کروا لینا۔ اگر کچھ منگوانا ہوا تو رشید کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دو وہ لے آئے گا۔ اہتمام اچھا ہونا چاہیے۔ اور اگر نہیں کر سکتی تو بھی بتا دو میں باہر سے آرڈر کر دیتا ہوں......" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں میں کرلوں گی۔ اور......؟"

"ٹھیک ہے۔"

اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اپنی بات ختم کر کے فون رکھنے ہی والا تھا کہ وہ جلدی سے بولی۔

"ایک منٹ سعد میری بات تو سنیں......"

"فرمایئے" سعد نے بیزار سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"ان سے پوچھ لیتی ہوں کہ ان کے دوست کو کس قسم کا کھانا پسند ہے۔ اور لنچ تو ظاہر ہے سعد بھی آج گھر پر ہی کریں گے۔" انوشے نے سوچا اور ابھی بولنے کے لیے لب وا کیے تھے کہ ایئر پیس سے آواز دوبارہ اُبھری۔

"محترمہ! اگر کہنے کو کچھ نہیں ہے تو میں فون رکھ دوں......؟ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے خاموشی کی زبان سمجھنے میں کوئی دلچسپی ہے......"

اُس کے اُکتائے ہوئے لہجے پر وہ بدحواسی میں جلدی سے بول بیٹھی۔

"وہ......میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ بھی لنچ گھر پر ہی کریں گے آج......؟"

"نہیں! میں آج آفس میں رہوں گا"

کھٹ سے فون رکھا نہیں شاید پٹخا گیا تھا۔ اگر انوشے ان کے مزاج سے واقف نہ ہوتی تو وہ اندازہ نہ کر پاتی کہ یہ انفارمیشن تھی یا وہ طنزیہ کہہ رہے تھے۔

"خیر جو بھی ہو فی الحال سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ اتنے کم وقت میں یہ سب ہوگا کیسے......؟ اور میں تو یہ تک نہیں پوچھ پائی کہ ان کا دوست اور اس کی مسز کس مزاج کے ہیں......؟ مینیو

WWW.PAKSOCIETY.COM

(Menu) کیسا ہو......؟"

اِسے بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ سعد نے بھی تو کچھ نہیں بتایا۔

"چلو انوشے آج تمہاری ذہانت اور قابلیت کا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں اب تم اس میں کس حد تک کامیاب ہوتی ہو۔"

وہ خود کو چیلنج کرتی کچن میں جانے سے پہلے سعد کے کمرے میں گئی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے دراز چیک کیے۔ الماری کھولی......اُس میں آفس کی فائلز اور سعد کے کچھ ڈاکومنٹس پڑے تھے جبکہ ایک حصہ لاکڈ تھا۔ اس نے پورے روم میں نظریں دوڑائیں پر اسے اپنی مطلوبہ چیز نہ ملی تو وہ اٹیچ ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ وارڈ روب کھولی۔ خفیہ دراز بھی چیک کیے۔

"آخر کہاں رکھے ہوں گے سعد نے اپنے فوٹو البمز......؟ سٹڈی روم میں دیکھ لیتی ہوں۔"

سٹڈی روم کیا تھا پوری لائبریری تھی۔ شیلفیں قطار در قطار رنگی کتابوں سے بھری پڑی تھیں......اتنے ماہ ہوگئے اسے یہاں آئے ہوئے مگر لائبریری میں آنے کا اتفاق اسے آج ہوا تھا۔ سٹڈی روم دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ سعد کو کتابوں سے کس حد تک لگاؤ ہے......لیکن فی الحال اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کتابوں کی نیچر کے بارے میں سوچتی۔ اس کی نظر رائیٹنگ ٹیبل پر پڑے پکچر فریم پر جم گئی۔ یہ سعد کی تصویر تھی اور ان کے ساتھ ایک اور لڑکا کھڑا تھا جس نے جینز شرٹ پر سفید اوورآل پہن رکھا تھا اور گلے میں سٹیتھوسکوپ کی وجہ سے پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔

"کہیں یہ ہی تو سعد کا وہ دوست نہیں......؟"

پکچر فریم کے پاس ہی ایک اینویلوپ پڑا تھا جس پر سعد کا نام اور ایڈریس درج تھا اور جہاں سے وہ خط آیا تھا اُس جگہ کا نام آزاد کشمیر تھا۔ اس نے خط نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ کسی آحد نامی شخص کا تھا جس نے لکھا تھا کہ میں بھی کراچی شفٹ ہونا چاہتا ہوں اور ٹرانسفر کی کوشش کر رہا ہوں۔ اُمید ہے جلد ہو بھی جائے۔ تم نے ہمیں جو گھر دکھایا تھا وہ تمہاری بھابھی کو بہت پسند آیا اور میں نے اِسے خریدنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم میری شادی میں نہیں آ سکے تھے اور مجھے دولہا بنے نہیں دیکھا تو کیا ہوا یار! اب دیکھ لینا۔ میں اپنی شادی کی تصویر بھیج رہا ہوں۔

انوشے نے اینویلوپ کے اندر جھانکا، اس میں تصویر تھی۔ وہی لڑکا دولہا بنا کھڑا تھا جس کی سعد کے ساتھ تصویر میز پر پڑی تھی اور ساتھ پٹھانی لہنگے میں سجی سنوری سنہری رنگت والی لڑکی مسکرا رہی تھی۔ تصویر کے پیچھے لکھا تھا "مسٹر اینڈ مسز آحد"

انوشے نے مسکراتے ہوئے خط اور تصویر کو واپس لفافے میں ڈالا۔

''یقیناً سعد کا یہی دوست آج آنے والا ہے اپنی مسز کے ساتھ..... کیونکہ جیسی سعد کی نیچر ہے وہ زیادہ دوست نہیں بناتے ہوں گے.....؟''

یہی تو وہ تلاش کر رہی تھی کہ کوئی تصویر وغیرہ ملے جس سے اُس کو اندازہ ہو سکے کہ کھانے میں ان کا ٹیسٹ کیسا ہو سکتا ہے۔

''دیکھنے میں تو وہ سادے سے کھانے کے شوقین معلوم ہو رہے تھے اور ڈاکٹرز تو اور زیادہ ہیلتھ کونشیش (conscious) ہوتے ہیں.....''

وہ ذہن میں مینیو ترتیب دیتی کچن کی طرف چلی آئی تاکہ اگر کچھ منگوانا ہے تو وقت رہتے منگوا لے۔ فریج کھولی۔ انڈے، دودھ، گوشت اور دو تین موسمی سبزیاں اور پھل موجود تھے۔ اس نے گوشت اور قیمہ کے پیکٹس نکال کر سنک میں رکھے۔ پنسل اور نوٹ پیڈ لے کر مینیو ترتیب دینے لگی۔ تبھی ہانپتی کانپتی نازو کچن میں داخل ہوئی اور آتے ہی وہاں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ارے بی بی جی آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ میں تو پورے گھر میں آپ کو ڈھونڈ آئی۔ پر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اور یہ کیا ہے.....؟''

اس کی نظر اب سنک میں پڑے پیکٹس پر پڑی تھی۔

''ان کا کیا کرنا ہے.....؟''

اس کے اس طرح پوچھنے پر انوشے کو ہنسی آ گئی۔

''سعد نے اپنے دوست کو بلایا ہے لنچ پر..... وہ اپنی مسز کے ساتھ آئیں گے۔ لنچ ریڈی کرنا ہے اس لیے اب تم اپنا کھلا ہوا منہ بند کرو اور اپنے میاں سے کہو یہ چیزیں لا دے۔''

انوشے نے ایک لسٹ اسے پکڑائی۔

''جلدی سے واپس جاؤ۔ دس بج چکے ہیں اور ہمارے پاس تین گھنٹے ہیں تیاری کے لئے۔''

''جی! میں یوں گئی اور یوں آئی۔''

نازو کے جانے کے بعد اس نے کیبن سے چاول نکالے اور فریج سے سبزیاں نکال کر کاٹنے لگی۔ نازو آئی تو انوشے کو پھرتی کے ساتھ سب کام کرتے دیکھ کر حیرانی سے پوچھنے لگی۔

''بی بی جی! ایک بات تو بتائیں۔ آپ یہ سب اتنی جلدی جلدی کیسے کر لیتی ہیں؟''

''میں زبان کم اور ہاتھ زیادہ چلاتی ہوں.....''

اس نے مسکراتے ہوئے اس کے بولنے کو نشانہ بنایا تو وہ بھی ہنستے ہوئے اس کے ساتھ کام میں لگ گئی۔

چکن منچورین ریڈی تھا۔ چائنیز رائس کو دم پر رکھ کر اس نے باقی ڈشز کا جائزہ لیا۔

کڑاہی گوشت پکنے کے آخری مراحل میں تھا۔ چکن سبزی بھی تیار تھی۔ رول اور فلافل بنا کر فریج میں رکھ دیے تھے کہ ان کے آنے پر تل لیے جائیں گے۔ نازو فریج فرائیز کے لیے آلو کاٹ رہی تھی۔ انوشے نے جلدی سے مچھلی پر بیسن لگایا۔

''نازو یہ ہو گیا تو تم سلاد کاٹ لو اور یہ مچھلی بھی بعد میں تل لینا۔''

انوشے نے ٹائم دیکھا۔ پونا ایک ہو چکا تھا۔ برائینز کو اوون میں رکھ کر نازو کو اس کا وقت بتاتی وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ سوا ایک ہو چکا تھا۔ اس نے سعد کا نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر ہی سعد نے کال ریسیو کر لی.....

''بولو ڈیئر کیا بات ہے.....؟''

خلاف توقع لہجہ انتہائی نرم اور خوشگوار تھا اور الفاظ تو جیسے سعد نے کسی سے مستعار لیے تھے۔

''کہیں میں نے سننے میں تو غلطی نہیں کی؟''

انوشے نے ماؤتھ پیس کو حیرانی سے دیکھا اور دوبارہ کان سے لگا کر تصدیق کرنے لگی۔

''جی!.....'' ''کیا کہا آپ نے.....؟''

''جانتا ہوں تم بہت ایکسائیٹڈ ہو گی بہت دنوں بعد آج ہم لنچ اکٹھے کریں گے۔ خیر تم بتاؤ کوئی کام تھا.....؟''

انتہائی محبت بھرا لہجہ اور اتنی تفصیلی بات..... اُس سے تو حیرت کے مارے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ سعد نے کچھ لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر خود ہی بتانے لگا۔

''ہم بس بیس منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔ کھانا تیار ہے ناں.....؟''

''جی!''

وہ اس کی خوش اخلاقی کے جواب میں صرف اتنا ہی کہہ پائی کہ اُس کے اگلے سوال پر تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

''کچن میں ہی مصروف رہی ہو یا خود بھی تیار ہوئی ہو.....؟ بلکہ ایسا کرو تم وہ بلو اور گرین کنٹراسٹ والی ساڑھی پہنو۔ اس میں تم بہت پیاری لگتی ہو۔''

''ایکسکیوزمی سعد آپ جانتے ہیں ناں کہ آپ کس سے بات کر رہے ہیں.....؟''

''میں انوشے ہوں''۔ انوشے نے اس کی فرمائش کے جواب میں حیرت سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے انوشے ڈیئر میں اب فون رکھتا ہوں.....''

اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ فون بند کر چکا تھا۔ اس کی اس حرکت پر

انوشے مسکراوی.....ضرور ان کے پاس کوئی ہوگا تبھی اتنا پیار جتا رہے تھے.....شادی کے بعد میں نے یہ ساڑھی تو کیا ابھی کوئی بھی ساڑھی نہیں پہنی۔ یہ یہاں آتے ہوئے ممی (ساس) نے مجھے دی تھی تب سعد وہاں موجود تھے.....شاید اس لیے انہیں یاد ہو اس کا۔

انوشے نے اپنی وارڈروب سے وہ ساڑھی نکالی اور چینج کرنے چلی گئی۔

******

انوشے تیار ہو کر جب کچن میں آئی تو نازو اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولی:

''اللہ آپ کو نظر بد سے بچائے انوشے بی بی جی.....آپ ماشاء اللہ بہت سوہنی لگ رہی ہیں.....ایک سنٹ.....!''

نازو نے جلدی سے مرچیں لیں اور اس پر سے وار کے جلتے ہوئے چولہے پر پھینک دیں۔

''ارے نازو یہ کیا کر رہی ہو؟ کچھ نہیں ہوتا ایسا کرنے سے۔''

انوشے ہنستے ہوئے کہتی رہ گئی پر نازو نے ایک نہ سنی۔

''نہیں بی بی جی! بڑوں سے سنتی آئی ہوں۔ مرچیں وارنے سے نظر نہیں لگتی.....''

''اچھا ٹھیک ہے! مان لیتی ہوں۔''

وہ نازو کی باتوں پر ہنستی ہوئی اسے باقی کام سے متعلق ہدایات دیتی ڈائننگ روم میں چلی آئی۔ رشید سے منگوائے تازہ پھول کچھ ڈائننگ ٹیبل پر پڑے گلدان میں سجائے اور باقی لے کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی.....تازہ پھولوں کی وجہ سے ماحول میں تازگی کا احساس جاگ اٹھا تھا۔ انوشے نے تنقیدی نظر سے ہر چیز کا جائزہ لیا۔ سب پرفیکٹ تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر گھڑی دیکھی تبھی باہر ہارن کی آواز پر وہ مسکراوی۔ ساڑھی کا پلو درست کرتی وہ باہر نکل آئی۔ ایک ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں پکڑے دوسرے ہاتھ سے گلاسز اتارتے ہوئے جب سعد نے کاریڈور کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر نظریں اٹھائیں تو بٹانا بھول گیا۔ گرین بلاؤز اور گرین پلو والی بلو ساڑھی جس پر ہم رنگ سٹون اور امبرائیڈری ورک تھا میچنگ سادہ سا میٹ اور جوتا پہنے ہلکے سے میک اپ میں انوشے قیامت ڈھا رہی تھی۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ حد سے زیادہ اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ خوبصورت تو وہ تھی ہی مگر آج تو انتہا تھی۔ وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔

''مہمان نہیں آئے.....؟''

انوشے کے پوچھنے پر وہ چونکا۔

''آں.....ہاں.....وہ بس آ رہے ہیں۔ میں پہلے اس لیے آیا ہوں کہ دیکھ لوں کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔''

اس کے کھلے چھوڑے بالوں میں اس کی نظریں الجھ رہی تھیں جنہیں وہ دانستہ چرا رہا تھا.....مگر نظریں تو ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اندر آ گیا۔

''سعد پتا ہے میں نے اتنا کچھ بنایا ہے.....ساری تیاری مکمل ہے.....اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔ میں نے تازہ پھول بھی منگوا کر۔

''بس کرو.....زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے.....''

سعد نے اس کی بات کاٹ کر جیسے خود کو اس کے سحر سے آزاد کرنے کی کوشش کی تھی۔

''جب تم نے فون کیا تب احد میرے پاس تھا جس کی وجہ سے مجھے دکھاوا کرنا پڑا۔ ہمارے درمیان کچھ نہیں.....اس کا اندازہ کسی کو نہیں ہونا چاہیے اور میرے دوست کو تو بالکل بھی نہیں۔ سمجھی تم؟''

وہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتا غصے سے کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اصل غصہ تو اسے خود پر آ رہا تھا۔

''یہ کم بخت دل بھی پتا نہیں کیوں اسے سامنے پا کر بغاوت پر اتر آتا ہے۔ میں اس لڑکی کی اصلیت جانتا ہوں پھر بھی.....!''

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتا اپنے کمرے میں آ گیا۔

******

انوشے کچھ لمحے وہیں کھڑی رہی پھر سر جھٹک کر کچن میں آ گئی.....سعد کے اس رویے کی کسی حد تک وہ عادی ہو چکی تھی۔ چائے بنائی اور اس کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھلا ہی تھا۔ وہ اندر آ گئی.....سعد بیڈ کی بجائے دیوان پر نیم دراز تھا۔

''سعد چائے پی لیجیے۔''

انوشے کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کا دل چاہا کہ میں یہ آنکھیں ہمیشہ ایسے ہی کھلی رکھوں۔ خدانخواستہ پلکیں جھپکیں تو یہ دلکش چہرہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟''

اس کے یوں پوچھنے پر وہ نظریں چراتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو.....؟

میں نے دکھاوا کرنے کو کہا تھا اچھی بیوی بننے کی ایکٹنگ اکیلے میں مت کیا کرو!''

اس نے اپنا لہجہ سخت کرتے ہوئے بے نیازی دکھائی۔

''میں آپ کے لیے چائے لائی ہوں۔ تھک گئے ہوں گے پی لیجیے۔''

وہ کپ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے ہنوز نرم و شگفتہ لہجے میں بول رہی تھی۔ چائے کی طلب تو اسے ہو رہی تھی پر انا بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس لیے اس نے ہمت نہیں ہاری اور پھر بولا:

''میں نے تم سے کہا ناں، اپنے کام سے کام رکھا کرو''

انوشے نے اس کے سخت لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کپ ٹیبل پر رکھا اور بولی

''آپ چائے پیجیے تب تک میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ مہمانوں کے آنے تک فریش ہو جائیں۔''

انوشے اٹیچڈ ڈریسنگ روم میں گئی اور وارڈ روب میں سے لان کا سفید شلوار، کرتا نکال لیا جس کے گلے پر پٹی کے ساتھ ساتھ سفید ریشم کے دھاگے کی بہت نفیس مگر سادہ سی بیل تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو سعد کی بے تاب نظروں نے پھر اس کو حصار میں لے لیا تھا۔

''میرا خیال ہے آج آپ کو یہ پہننا چاہیے۔ اس میں آپ ایزی بھی رہیں گے اور ویل ڈریس بھی.....''

وہ اپنی ہی دُھن میں بولی تھی۔ سعد ایک جھٹکے سے اُٹھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ انوشے کو اندازہ ہو گیا کہ اب بات مکمل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں سو وہ خاموش ہو گئی۔

''تمہیں اس طرح سمجھ میں نہیں آئے گی میری بات''

اس نے اسے شانوں سے تھام کر کہا تھا۔ سعد کو اس کی یوں دخل اندازی پسند نہ آئی تھی کیونکہ ایک تو اس کی موجودگی اسے بے بس کر رہی تھی اور دوسرا وہ اپنے دل کی سرگوشیوں سے گھبرا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پہلے اپنے دل کے ہاتھوں اور پھر اس لڑکی کے ہاتھوں ذلیل ہو۔

''سعد چھوڑیں مجھے درد ہو رہا ہے.....''

آنکھوں کی طرح لہجہ بھی نم تھا۔ سعد نے اسے بازو سے اتنی زور سے پکڑا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو.....؟ بہت اچھی ہو تم.....؟؟''

''میں نے ایک بار کہہ دیا کہ میری پرسنل لائف میں انٹرفیئر مت کیا کرو تو پھر کیوں آ جاتی ہو بار بار.....؟''

جتنی سختی سے اس نے اس کا بازو تھاما ہوا تھا لہجہ اس سے بھی سخت تھا۔ شادی کے بعد جب جب سعد نے اسے چھوا وہ ایسا ہی تنفر بھرا لمحہ تھا۔ پہلی بار چھوئے جانے کا وہ گنگناتا لمس جو

وہ محسوس کرنا چاہتی تھی، وہ پل جب بھی آئے اسی طرح آئے کہ سوائے درد کے وہ کچھ بھی محسوس نہ کر پائی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان خوبصورت آنکھوں سے نکلنے والے ننھے ننھے موتیوں کی مانند آنسوؤں کے فریب میں آتا اور بے بس ہو جاتا اس نے انوشے کے ہاتھ سے سوٹ کھینچ کر بیڈ پر پھینک دیا.....اور اسے اپنے کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

''آخر کیوں اس لڑکی کے سامنے مجھے ہمیشہ یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ میں خود پر قابو نہیں رکھ پاؤں گا.....؟ کیوں یہ لڑکی دن بدن میرے حواسوں پر چھائی جا رہی ہے؟ اس کی قربت میں میرا دل مجھی سے بغاوت پر اُتر آتا ہے.....کیوں؟''

''نہیں!''

''میں سب کچھ جانتے بوجھتے اس لڑکی کے فریب میں نہیں آ سکتا۔

''کبھی نہیں!''

سعد کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا اور آخر میں مٹھیاں بھینچ کر جیسے اس نے حتمی فیصلہ خود کو سنایا تھا۔

******

انوشے چند لمحے وہیں کھڑی بند دروازے کو دیکھتی رہی مگر جب بے تحاشہ بہنے والے آنسوؤں کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تو وہ اپنے کمرے میں چلی آئی.....وہ سعد کے رویے سے لاعلم نہیں تھی.....انہوں نے کبھی بھی اس سے نرمی سے بات نہیں کی تھی.....پر آج اس کے معصوم سے دل کی معصوم خواہش ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوئی تو اسے بہت رونا آیا۔ اور وہ جی بھر کر روئی بھی۔

******

باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ انوشے نے جلدی سے آنسو پونچھے۔ تب ہی دروازے پر ناک (Knock) ہوئی۔

''بی بی جی! مہمان آ گئے ہیں۔ میں نے صاحب کو بھی بتا دیا ہے۔''

ناز نے کہا تھا۔

''ہاں! تم چلو میں آتی ہوں۔''

اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ رونے سے آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں اور اتنے شوق سے لگایا گیا کاجل بھی پھیل چکا تھا۔ وہ واش روم میں گئی۔ اچھی طرح منہ دھویا اور ٹاول سے

www.PAKSOCIETY.COM

خشک کرتی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ جلدی سے لب گلوز لگایا اور بالوں میں برش کر کے ڈھیلی سی پونی بنائی۔ بمشکل دو منٹ لگے اسے خود کو نارمل کرنے میں۔ وہ جلدی سے نیچے آ گئی۔

سعد پہلے سے نیچے موجود تھا۔ ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ آف وائٹ ٹو پیس اور ہم رنگ شرٹ میں بلاشبہ وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ لمحہ بھر کو ٹھٹھکا پھر نظریں چراتے ہوئے اس نے باہر قدم بڑھا دیے۔

"کیا تھا جو سعد میر اسلیکٹ کیا ہوا سوٹ پہن لیتے.....؟"

اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ مگر اس نے اپنے ذہن میں آنے والی سوچ کو جھٹکا اور چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجاتی وہ بھی سعد کی تائید میں باہر آ گئی۔ سامنے ہی ہنستا مسکراتا جوڑا کھڑا تھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے احد کو گلے لگایا جبکہ وہ مسکراتی ہوئی مسز احد سے ملی۔

"آداب بھابی جان.....! میں احد ہوں اور یہ میری بیوی پلوشہ"۔

سعد سے مل کر احد اس کی طرف متوجہ ہوا اور ہاتھ ماتھے تک لے جا کر تھوڑا سا جھکا۔

مگر پھر فوراً ہی اسے سیدھا ہونا پڑا کیونکہ سعد نے ایک چپت اس کی کمر پر جمائی تھی۔

"اوئے! بھابھی تک ہی رہ اگلا لفظ کہنے کی ضرورت نہیں ہے..... سمجھے!"

سعد کے اس طرح جھکانے پر احد کا قہقہہ جاندار تھا۔ پلوشہ اور سعد بھی کھل کر ہنس رہے تھے۔ جبکہ انوشے حیرانی سے سعد کو دیکھ رہی تھی۔ اُن کا یہ انداز تو اُس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"سعد یار اب اندر نہیں لے جاؤ گے کہ بھابھی کے آتے ہی داخلہ ممنوع ہو گیا ہے.....؟"

احد اسے ڈھیٹ کر رہا تھا۔

"ہاں! اگر اکیلا آتا تو پھر بتاتا میں..... اب پلوشہ بھابھی کی وجہ سے تم بھی آ ہی جاؤ۔ کیا یاد کرو گے.....؟"

سعد نے اُلٹا اُسی کو بات لگائی تو وہ پھر ہنسنے لگے۔ اسی طرح باتیں کرتے وہ اندر کی طرف بڑھے تو وہ دونوں بھی پیچھے آ گئیں..... ڈرائنگ روم میں مہمانوں کو بٹھا کر انوشے کچن میں چلی آئی..... ناز و سنارتی تیاری کر چکی تھی..... بس ٹرالی سجانے کی دیر تھی۔ وہ مطمئن ہو کر واپس ڈرائنگ روم میں آ گئی..... وہ پلوشہ کے ساتھ بیٹھنے لگی تو احد جو سعد کے پاس بیٹھا تھا جلدی سے اٹھ کر پلوشہ کے بازو میں بیٹھتا ہوا بولا.....

"سوری بھابھی پر یہاں بیٹھنے کا حق صرف ہمارا ہے....."

انوشے اس کی بامعنی بات پر مسکرا کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"سعد یار یہ تمہاری بیوی بولتی نہیں کیا.....؟"

احد نے شرارت سے پوچھا۔

"بولتی ہے بہت اچھا بولتی ہے پر سٹینڈرڈ کے لوگوں سے....."

سعد نے اپنی کالر کو ہاتھ لگایا تو احد بھی ہنستے ہوئے بولا۔

"میں تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ بھابھی بہت اچھی اور سمجھدار لگتی ہیں۔ وہ سوچ رہی ہیں کہ تم جیسے گدھے کا اتنا ڈیسنٹ اور ہینڈسم فرینڈ کیسے ہو سکتا ہے..... ہے ناں بھابھی.....؟ بات کرتے کرتے اس نے انوشے سے تصدیق چاہی تو وہ سٹپٹا گئی..... سعد اور احد کا قہقہہ جاندار تھا۔

"انوشے تم پریشان نہ ہونا..... یہ دونوں جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ایسے ہی فضول بولتے ہیں"

پلوشہ نے ہنستے ہوئے انوشے سے کہا تو اُس نے پھر صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

تب ہی ناز ٹرالی لے کر آ گئی۔ انوشے نے اٹھ کر چائے بنانی چاہی تو احد نے منع کر دیا۔

"آپ رہنے دیں بھابھی..... چائے میں بناتا ہوں۔ آپ کو بتا دوں کہ میں چائے اور کافی دونوں بہت اچھی بنا لیتا ہوں۔"

"ہاں!..... ہاں!..... ڈاکٹر سے پہلے یہ شیف ہی تو تھا..... بلکہ اس کی تو دلی خواہش تھی چائے کا ڈھابہ کھولنے کی..... پھر حادثاتی طور پر یہ ڈاکٹر بن گیا۔"

سعد نے اپنی بات کے اختتام پر ایک دکھ بھری ٹھنڈی آہ بھری تو پورا ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"ارے میں تو بھابھی کا خیال کر رہا ہوں۔ چائے بنانے کی آفر میں نے اس وجہ سے کی کہ مجھے اُن کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی"

وہ اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا تو انوشے اس کی آبزرویشن سے حیران رہ گئی۔ اس نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ اس کی اندرونی کیفیت کا انداز کسی کو نہ ہو سکے۔ انوشے کی پریشانی بھانپ کر پلوشہ نے فوراً اس کی مدد کی۔

"او..... ہو!..... احد..... آپ ڈاکٹرز کا یہی مسئلہ ہے کہ آپ کو ہر بندہ بیمار ہی نظر آتا ہے۔ انوشے بالکل ٹھیک ہے۔ ہے ناں..... انوشے؟"

وہ مسکراتی ہوئی آخر میں انوشے سے پوچھنے لگی تو اُس نے سکون کا سانس لیا۔

"جی..... میں بالکل ٹھیک ہوں..... وہ تو بس ٹھیک سے سوئی نہیں تو شاید اس وجہ سے آنکھیں تھوڑی سُرخ ہو رہی ہیں....."

اپنی طرف سے تو اس نے اچھی دلیل دی تھی پر احد کا بے اختیار قہقہہ اور پلوشہ کی دبی دبی ہنسی سے نہ صرف وہ ڈھیٹ ہوئی بلکہ سعد بھی شرمندہ سا ہو گیا۔

''احد بس بھی کریں اب...... انوشے بھی کیا سوچتی ہوگی کہ کتنا بے سروپا بولتے ہیں آپ......''

بلوشہ نے ان دونوں کی خجالت دیکھتے ہوئے احد کو تنبیہی نظروں سے گھورا تھا۔ وہ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

''بھئی میں تو کچھ بولا ہی نہیں۔ وہ تو بھابھی نے خود ہی سارے راز فاش کر دیے ہیں۔''

انوشے جو اتنی دیر میں خود کو ریلیکس کر چکی تھی، اُٹھ کر چائے بنانے لگی۔

''سعد یار یہ اتنی پیاری اور سمجھدار بیوی تجھے کہاں سے مل گئی......؟''

احد جو انوشے سے کسی صفائی کی توقع کر رہا تھا اس کی خاموشی سے محظوظ ہوتے ہوئے سعد کو نشانہ بنایا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ انسانوں کو نہیں نوازتا؟ جبکہ میں تو ایک ایسے گدھے کو جانتا ہوں جس کو اللہ نے اتنا نوازا ہے کہ وہ آج ڈاکٹر کہلاتا ہے...... میں تو پھر انسان ہوں۔''

سعد نے گھما پھرا کر احد ہی پر وار کیا تو انوشے اور بلوشہ بے اختیار ہنس دیں۔

''جانتا ہوں تم بدلے لے رہے ہو...... میں نے جو تجھے گدھا کہا تھا......''

احد نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی نظر ہنستی ہوئی انوشے پر پڑی تو زبان پھسلی ہوئی...... ''واہ بھابی!...... آپ ہنستے ہوئے بہت پیاری لگتی ہیں......''

''آہ!...... ہا...... ہائے......!''

سعد نے کشن اٹھا کر اسے مارا۔ احد کی بات درمیان میں ہی رہ گئی اور بقیہ فقرے کی جگہ ایک المناک آہ نے لے لی۔

''جب سے آئے ہو...... تم نے میری بیوی پر ہی نظر رکھی ہوئی ہے......''

احد نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی طلب کی تو ایک بار پھر ماحول ہنسی سے گونج اُٹھا۔

انوشے نے احد اور بلوشہ کو چائے دی اور پھر سعد کو...... اپنی چائے لے کر وہ سعد کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''سعد تمہیں یاد ہے جب ہم کالج کے دنوں میں ٹور پر گئے تھے......(Murree) مری وہاں ہمیں ایک لڑکی ملی تھی...... وہی سرخ بالوں والی جس کے پیچھے ہمارے آدھے سے زیادہ کلاس فیلو پاگل ہو گئے تھے۔''

احد نے بسکٹ کھاتے ہوئے سعد کو یاد دلایا......

''کہیں تم اُس کی بات تو نہیں کر رہے جو انگلش لہجے میں اُردو بولتی تھی......''

''ہاں...... ہاں...... بالکل وہی...... تمہیں پتا ہے وہ میری شادی میں آئی تھی......''

''کیا......؟''

سعد کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''احد وہ کہیں تمہاری رشتہ دار تو نہیں نکل آئی......؟''

''ارے نہیں یار!...... توبہ کرو!...... پاپا کے دوست ہیں ناں USA والے اُن کے بیٹے کی گرل فرینڈ ہے۔ ہم نے انکل کو انوائیٹ کیا تو اُن کی فیملی کے ساتھ وہ بھی آ گئی پاکستانی شادی دیکھنے......''

کیا بتاؤں یار......؟ میں تو اُسے دیکھتے ہی اتنا بدحواس ہوا کہ پوچھو ہی مت، مجھے لگا کہ اگر اُس نے مجھے پہچان لیا تو ولیمے کی جگہ میرے قُل ہی ہوں گے...... وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا جبکہ سعد ابھی تک شاک میں تھا۔ انوشے اور بلوشہ خاموشی سے چائے پیتے ہوئے اُن کی باتیں سن رہی تھیں۔

''پتا ہے سعد...... اُس نے نہ صرف مجھے پہچان لیا بلکہ وہ تمہیں بھی نہیں بھولی......''

احد کی بات سنتے ہی سعد کو لگا جیسے چائے حلق میں ہی پھنس گئی ہو...... اتنی زور سے کھانسی آئی کہ احد کو چپ ہونا پڑا۔

''میں...... میں ابھی تک یاد ہوں اُسے......؟''

سعد کے پوچھنے کے انداز نے سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا......

''ہاں بیٹا جی...... پتا ہے اُس نے مجھ سے کیا پوچھا......؟''

''سعد ناہیں آیا وہ تم راہینڈسم فرینڈ!(سعد نہیں آیا وہ تمہارا پیارا دوست)''

احد نے اُس کے لہجے میں دہرایا تو سب ہنس دیے۔

''آہ!...... شکر ہے میں نہیں گیا تھا......''

سعد نے ماتھے پر نمودار ہونے والا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا تو احد کھلکھلا اُٹھا۔

''تمہیں تو اُس کے ذکر سے ہی پسینے آنے لگتے ہیں۔''

''پتا ہے لیڈیز...... وہ محترمہ (Murree) مری میں ہمیں پہلی بار ملی تھیں مال روڈ پر۔ پھر وہ سعد سے اتنا امپریس ہوئی کہ پیچھے ہی پڑ گئی......

باقاعدہ طور پر پرپوز بھی کیا تھا اس نے اسے پر یہ تو اس سے ایسے چڑتا تھا جیسے لوگ محبوبہ کے بھائی، باپ سے......''

احد نے ہنستے ہوئے انہیں بھی گفتگو میں شامل کیا۔

''ایک دن ہم دریائے نیلم میں نہا رہے تھے کہ اچانک وہ محترمہ نہ جانے کیسے وہاں پہنچ گئیں..... آتے ہی سعد سے بولیں۔

"May I join you."

سعد کی حالت میں کیا بتاؤں..... یہ تو بے ہوش ہو کر گرنے ہی والا تھا جب میں نے اسے تھاما..... اور صلاح دی کہ اگر بچنا ہے تو بے ہوش ہونے کا ارادہ ملتوی کر، اور بھاگو یہاں سے..... بس پھر کیا تھا کہ..... اس کی سمجھ میں میری بات آ گئی اور سنتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا..... اور وہ محترمہ بھی ہمت ہارنے والی کہاں تھیں..... اس کے پیچھے ہی بھاگ کھڑی ہوئیں۔

''آپ یقین کریں بھابی! سچوایشن اتنی مضحکہ خیز تھی کہ ہمارے سعد صاحب آگے آگے اور وہ محترمہ پیچھے پیچھے..... وہاں موجود سب لوگوں کے ہاتھ مفت کی انٹرٹینمنٹ آ گئی تھی۔''

احد بے خود ہو کر ہنستے ہوئے ان کو بتا رہا تھا۔

''خدا کی پناہ!..... وہ لڑکی تھی یا چڑیل..... ہر جگہ پہنچ جاتی تھی۔ جب ہم کشمیر پوائنٹ اور پنڈی پوائنٹ گئے تھے..... چیئر لفٹ پر بیٹھنا تھا..... میں اور احد کھڑے تھے..... جیسے ہی چیئر لفٹ ہمارے قریب آئی، وہ پتا نہیں کہاں سے نازل ہوئی تھی۔ اچانک اور عین ٹائم پر احد کو دھکا دے کر خود اس کی جگہ میرے ساتھ بیٹھ گئی..... جب تک مجھے صورتحال کا اندازہ ہوا چیئر لفٹ کا ہینڈل گرایا جا چکا تھا..... اُف میں بیان نہیں کر سکتا اپنی حالت..... نہ تو میں بیٹھا رہ سکتا تھا اور نہ چھلانگ مار سکتا تھا.....''

سعد نے وہ وقت یاد کر کے جھرجھری سی لی تو اس کی حالت دیکھ کر سب کھلکھلا اُٹھے۔

''پھر.....؟ پھر جان کیسے چھوٹی اس سے.....؟''

انوشے نے تجسس سے پوچھا.....

''جان کہاں چھوٹی بھابی..... اس کی وجہ سے مجھے بھی ٹرپ وائنڈ اپ کرنا پڑا اور ہم ٹیچرز سے اجازت لے کر واپس آ گئے..... پھر ہم سب اور ہمارے ٹیچرز بہت دنوں تک اس کی کلاس لگاتے رہے اس لڑکی کی وجہ سے''

احد نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اُف توبہ..... تم اُسے لڑکی کہہ رہے ہو..... اُس کے سامنے تو مجھے اپنی عزت کی فکر ہونے لگتی تھی..... میں تو آج بھی یہ سوچ کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ٹیچرز نے ہمیں واپس آنے کی اجازت دے دی اور میری عزت محفوظ رہی.....''

سعد مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج اُٹھا..... ناز و چائے

کے برتن لے کر جا چکی تھی..... احد اور سعد اپنے کالج کی یادیں تازہ کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی بنا رہے تھے..... وہ دونوں ان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں..... انوشے کا تو ہنس ہنس کر بُرا حال تھا..... آخر وہ بول ہی پڑی۔

''احد بھائی..... اب بس..... اور نہیں ہنسا جاتا..... مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی فل کامیڈی پلے (Full comedy play) دیکھ رہی ہوں.....''

''آہ..... بھابھی!..... کیسے بتائیں..... وہ بھی کیا دن تھے.....''

احد نے ہنستے ہوئے اپنی کالج لائف کو یاد کیا اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگائی۔

''ہاں یار..... وہ بھی کیا دن تھے..... جب ہم جن تھے.....''

سعد بھی مسکرا کر احد کے ساتھ جا کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''اب ہم بیوی۔ بچوں کے بھی پیو ہیں.....''

احد کی بات پر پہلے تو سعد نے بُرا سا منہ بنایا پھر کھلکھلا اُٹھا.....

''خیر بت ہے مائی ڈیئر فرینڈ..... کہیں پیو بن تو نہیں رہے ایک پیارے سے جن کے؟''

سعد نے احد کے کان میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا دیا۔

''ہائے یار!..... کس دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تم نے.....''

احد نے مسکراتے ہوئے پلوشہ کی طرف دیکھا جو اب انوشے کے ساتھ باتیں کر رہی تھی..... اور پھر دوبارہ بولا۔

''انشاء اللہ..... جلد یہ خوشخبری حقیقت کا روپ دھار لے گی.....''

''سچ.....؟''

سعد نے بے خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔

''ہاں!''

احد نے مسکرا کر حامی بھری تھی۔

''اور میں شدت سے منتظر ہوں''

سعد نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے خلوص دل سے کہا تھا۔ وہ حقیقت میں بہت خوش ہوا تھا..... اپنے اس پیارے دوست کے لئے..... احد کی دوستی سعد سے سکول کے زمانے سے تھی۔ احد نے جب پنجاب کے سکول میں داخلہ لیا تو ہوسٹل میں رہنے لگا جبکہ سعد کے پاپا کا بزنس کینیڈا میں اسٹیبلش ہو گیا تو انہیں وہاں جانا پڑا۔ اور سعد نے بھی ہوسٹل جوائن کر لیا۔ احد

اس کا روم میٹ تھا۔ پھر دونوں ہی گھر اور والدین سے دور تھے۔ سو ان کی خوب بنی۔ مل کر ہر چیز انجوائے کرتے..... سکول کے بعد کالج میں بھی ساتھ ساتھ ہی رہے۔ سعد نے بزنس فیلڈ جوائن کی جبکہ احد کو میڈیکل سے لگاؤ تھا۔ سبجیکٹس (subjects) الگ ہونے کے باوجود بھی، وہ فارغ پیریڈز میں اکٹھے ہی پائے جاتے۔ بچپن سے جوانی کی دہلیز پر اکٹھے ہی قدم رکھا تھا تو ایک دوسرے کی جیسے عادت سی ہو گئی تھی۔ اتنا تو ان کے والدین ان کو نہیں جانتے تھے جتنا وہ دونوں ایک دوسرے کو جاننے لگے تھے۔ گریجوایشن کے بعد سعد نے کینیڈا میں اپنے پاپا کے پاس ایڈمشن لے لیا اور احد اپنے پاپا کے دوست کے پاس USA چلا گیا فرور (Further) سٹڈیز کے لئے۔ وہاں میڈیکل کی سٹڈی مکمل کر کے کچھ ماہ ہاؤس جاب کی اور پھر پاکستان آ گیا۔ ایک ہاسپٹل میں جاب مل گئی اور اس کی کزن پلوشہ سے اس کی شادی بھی ہو گئی۔ اس سارے عرصے میں وہ سعد کے ساتھ رابطے میں رہا۔ اپنی شادی پر بھی سعد کو انوائیٹ کیا مگر کچھ بزنس پرابلمز کی وجہ سے سعد شرکت نہ کر سکا کیونکہ پاپا اب وطن کی مٹی کو بہت مس کرتے تھے سو جن دنوں احد کی شادی تھی وہ لوگ اپنا بزنس پاکستان شفٹ کر رہے تھے۔ اس نے فون پر معذرت کر لی..... اور پھر ایک دن اچانک احد نے اسے فون پر بتایا کہ وہ کراچی شفٹ ہونا چاہتا ہے۔ وہ اور پلوشہ آئے اور اُن کو ایک اپارٹمنٹ بہت پسند آیا..... احد نے ٹرانسفر کے لئے اپلائے کر دیا..... اور آج یہ دونوں یہاں موجود تھے۔ اس کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے پر اللہ نے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ ایک بار خوشخبری نے دروازے پر دستک دی مگر تکمیل نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے سعد کی شادی میں بھی نہ آ سکے..... اور سعد نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ تم نے اپنا بدلہ پورا کر لیا ہے میں تمہاری شادی میں نہیں آیا اور تم میری شادی میں نہیں آئے..... اب اللہ نے اسے ایک بار پھر نوازا تھا تو سعد کی دلی خواہش تھی کہ اس بار اس کے یار کی یہ خوشی ابدی ہو جائے..... انوشے پلوشہ کی کسی بات پر زور سے ہنسی تھی جس سے سعد اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ خوبصورت معصوم سے چہرے پر دائیں گال میں پڑنے والا ڈمپل ہنسنے کی وجہ سے بہت نمایاں ہو رہا تھا..... کھل کر ہنسنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی..... سرخ سرخ آنکھوں میں نمی لیے میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ بے تحاشہ ہنستے ہوئے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی..... سعد نے پہلی بار اسے اتنا ہنستے ہوئے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا..... تب ہی احد کے ٹہوکے سے چونکا۔

''یار بس بھی کر دو بھابھی کو گھورنا..... تم تو مجنوں کو ہرانے کے موڈ میں لگتے ہو.....''

احد کے چھیڑنے پر وہ مسکرا دیا اور اس کے مزید مذاق سے بچنے کے لئے اُس نے

انوشے کو مخاطب کیا۔

''انوشے کھانا تیار ہے تو لگاؤ الو!''

اور وہ جی اچھا! کہہ کر اُٹھ گئی۔ جبکہ احد، سعد کے اس طرز بات بدلنے پر مسکرا دیا۔

******

انوشے ٹیبل سجا رہی تھی جب پلوشہ بھی وہیں چلی آئی۔

''ارے بھابی! آپ یہاں.....''

انوشے اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''او..... ہو! یہ کیا بھابی بھابی لگا رکھی ہے..... بھابی تو میں سعد بھائی کی ہوں۔ تمہاری تو میں دوست ہوں..... اور خبردار جو آئندہ مجھے ''آپ'' کہا۔ میرا نام پلوشہ ہے اور تم مجھے میرے نام سے ہی پکارو گی۔''

پلوشہ کے اس اپنائیت بھرے انداز پر انوشے مسکرا دی۔

او کے بھابی!..... میرا مطلب ہے پلوشہ!''

وہ دونوں ہنس دیں..... پھر انہوں نے مل کر کھانا لگایا۔

''واہ انوشے یہ سب تم نے خود بنایا ہے.....؟''

پلوشہ گرما گرم ڈشز دیکھ کر حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں..... میں نے اور نازو نے مل کر۔''

''خوشبوئیں تو بہت اچھی آ رہی ہیں۔ تم مجھے سکھاؤ گی کوکنگ.....؟''

''ہاں کیوں نہیں..... مجھے کیا پتا تھا کہ تمہیں کوکنگ کا اتنا شوق ہے ورنہ صبح سے ہی بلوا لیتی اور یہ سب تم سے ہی بنواتی۔''

انوشے کی بات پر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''چلو کوئی بات نہیں..... جب تم لوگ ہماری طرف آؤ گے تو میں تمہیں پہلے بلا لوں گی۔ پھر تم ساری کوکنگ کر کے دکھانا مجھے۔''

پلوشہ کی چالاکی پر وہ ہنسنے لگی۔

''سب ہو گیا..... چلو اب اُن کو بلا لاتے ہیں۔ پتا نہیں کونسی باتیں ہیں ان کی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔''

انوشے نے پلوشہ سے کہا کیونکہ ڈرائنگ روم سے ابھی تک ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں..... وہ جب ڈرائنگ روم میں آئیں تو انہیں دیکھ کر وہ دونوں اپنی ہنسی پر کنٹرول کرنے

لگے۔ پلوشہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اب کھانا بھی کھانا ہے یا صرف ہنسنا ہی ہے..... بھئی مجھے تو بہت بھوک لگ گئی ہے..... انوشے نے اتنا کچھ بنایا ہے''

اس کی بات سن کر احد مسکرا دیا۔

''بس کریں..... تب سے آپ لوگ نان سٹاپ ہنس رہے ہیں..... باقی کسر بعد میں پوری کر لیجئے گا..... کھانا کھانے کے بعد ہنسنا منع نہیں ہے۔''

انوشے نے مسکراتے ہوئے کہا تو احد پھر ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اُٹھ جا ڈیار! انوشے بھابی کو سلام پیش کریں..... اُن کو دیکھ کر ہم ان کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے..... ان کی باتیں سن کر ان کی ذہانت کے قائل بھی ہو گئے۔''

''اور جلد ہی آپ اِن کے ہاتھ کا کھانا کھا کر اِن کے گرویدہ بھی ہو جائیں گے کیونکہ انوشے بہت اچھا کھانا بناتی ہے''

سعد نے اُٹھتے ہوئے احد کی بات کو مکمل کیا تو سب مسکرا دیے۔ انوشے نے پہلی بار سعد کے منہ سے اپنی تعریف سنی تھی۔ دکھاوے کے چکر میں ہی سہی سعد کے منہ سے سچی بات نکل گئی تھی..... انوشے کو اپنی طرف دیکھتے پا کر، نظریں چراتا ہوا، ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''چلو یار بسم اللہ کرو!''

سعد نے ایک باؤل کا ڈھکن اُٹھاتے ہوئے کہا۔ خوبصورت سے ڈائننگ ٹیبل کے درمیان میں کرسٹل کا بہت ہی خوبصورت گلدان پڑا تھا..... قوسِ قزاح کے سبھی رنگ اس میں موجود تھے اور اس میں سجے پھول ایسے لگ رہے تھے جیسے بارش کے بعد قوسِ قزاح بنی ہو اور اس کے خوبصورت رنگوں نے مل کر پھولوں کی شکل دھار لی ہو..... اس گرمی کے موسم میں اس آدھے چاند جیسی شکل کے اس خوبصورت گلدان کو دیکھ کر بہت ٹھنڈا اور پیارا سا احساس ہو رہا تھا۔ احد کی نظریں بار بار اس گلدان کی طرف اُٹھ رہی تھیں..... آخر وہ پوچھنے سے خود کو نہ روک سکا۔

''سعد یہ گلدان تم نے کس شاپنگ سنٹر سے خریدا.....؟''

اور سعد جو گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا اُس نے چونک کر پہلے احد کو اور پھر اس گلدان کو دیکھا۔ اُسے یاد آیا کہ ٹھیک آٹھ بن پہلے جب وہ آفس سے لوٹا تو انوشے بہت خوش نظر آ رہی تھی..... وہ اس کے پاس ایک ڈبہ لے کر آئی اور بولی۔

''سعد دیکھیں میں آپ کے لئے کیا لائی ہوں''

اور اس نے بنا دیکھے ہی ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے کر پرے اُچھال دیا..... اور خود

آگے بڑھ گیا..... وہ تو شکر ہوا کہ نازو نے بھاگ کر شاہد آفریدی جیسی پھرتی دکھائی اور اس ڈبے کو کیچ کر لیا۔ ورنہ وہ بے چارہ اگلی سانس بھی نہ لے پاتا۔

''صاحب جی آپ نے بنا دیکھے ہی پھینک دیا..... پتا ہے انوشے بی بی نے پورے شہر کے شاپنگ سنٹر چھان مارے آپ کے لئے کوئی گفٹ پسند نہیں آیا۔ آخر پھر ایک دوکاندار جو گلدان بناتا تھا اس سے کہہ کر آرڈر پر یہ گلدان بنوایا آپ کے بیڈ روم کے لئے.....''

سعد نے نازو کی وضاحت پر وہاں سبھی سی کھڑی انوشے کو دیکھا جسے اس کے چپ رہنے پر کچھ حوصلہ ہوا۔

''ہاں سعد!..... میرے ذہن میں تھا کہ گرمی کے موسم میں گلدان ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کو دیکھ کر ٹھنڈک کا احساس ہو اور وہ ماحول پر ایک خوشگوار سا تاثر چھوڑیں۔ اس لیے میں نے اُس آدھی کو آئیڈیا دیا اور کمال یہ کہ اس نے بالکل ویسا بنا بھی دیا۔ آپ دیکھیں تو سہی..... آپ کو بہت پسند آئے گا۔''

نازو سے وہ ڈبہ لے کر اس نے اُس میں سے وہ گلدان نکالا اور سعد کے سامنے کرتے ہوئے..... اُمید بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''سعد..... پسند آیا آپ کو.....؟''

''میں نے تازہ پھول بھی منگوائے ہیں..... اس میں سجانے کے لئے''

''آپ کے بیڈ روم میں رکھ آؤں.....؟''

سعد کی خاموشی کو پسندیدگی سمجھتے ہوئے وہ خوش ہو کر پلٹنے ہی والی تھی کہ وہ دھاڑا تھا۔

''رُکو!..... میرے بیڈ روم میں کسی بھی فالتو چیز کے لئے جگہ نہیں ہے..... وہ بیڈ روم ہے کوئی کباڑ خانہ نہیں ہے جس میں تم اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا کر چیزوں کی شکل میں بھرتی رہو.....''

''اپنی سوچ اپنے تک ہی محدود رکھو..... اس پورے گھر میں تمہیں اور تمہاری اوٹ پٹانگ سوچوں کو برداشت کرتا ہوں..... لیکن پلیز میرا بیڈ روم میری پرسنل دُنیا ہے..... اس میں دخل اندازی مت کیا کرو..... یہ میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا''..... وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غصے سے کہہ رہا تھا۔

پھر اُس نے گلدان پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھتا اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔

گلدان واقعی انوکھا اور پُرکشش تھا..... اسے پسند بھی آیا تھا..... مگر انا اور بے حسی کا جو خول اس نے اپنے اوپر چڑھا رکھا تھا وہ اس نازک سے گلدان کی وجہ سے اس میں دراڑیں نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ سعد کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر احد نے غور سے اسے دیکھا پھر اس کے

باز و ہلا کر بولا۔

"کہاں کھو گئے یار...... اگر نہیں یاد آ رہا شاپنگ سنٹر تو رہنے دو...... میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا...... لگتا ہے کسی نے دل سے بنایا ہے اسے۔ تبھی تو یہ دلوں کو چھوتا معلوم ہوتا ہے۔"

سعد اس کی بات پہ چونکا پھر سرسری سی نظر اس گلدان پر ڈال کر نظریں جھکاتا ہوا بولا۔

"یہ تو تم اپنی بھابی سے پوچھو...... وہی لے کر آئی تھی۔"

"اچھا......؟؟...... مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا تمہاری چوائس اتنی انوکھی اور پرکشش پہلے تو نہیں تھی...... پھر اب یہ انہونی کیسے ہو گئی۔"

احد نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"واقعی یہ بہت پیارا ہے...... انوشے تمہاری چوائس اچھی ہے...... اس سے اندازہ ہوتا ہے تم کافی کریٹو مائنڈ (Creative Mind) رکھتی ہو۔ میں نے جب گھر کے لئے شاپنگ کرنا ہوئی تو تمہاری خدمات ضرور حاصل کروں گی۔"

پلوشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا......

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... پر فی الحال کھانا شروع کریں...... ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

انوشے نے بات بدلنے کی کوشش کی کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی سعد کو یہ موضوع گفتگو ڈسٹرب کر رہا ہے۔ پھر ہلکی پھلکی گفتگو کے درمیان انہوں نے لنچ کیا۔

"واہ بھابی...... مزہ آ گیا...... آپ واقعی بہت ذائقہ دار کھانا بناتی ہیں۔ مشرق اور مغرب کی ڈشز کا امتزاج...... ایسا لنچ میں نے آج تک نہیں کیا۔"

"شکریہ احد بھائی...... آپ کو کھانا پسند تو آیا...... میں تو پریشان تھی کہ پتا نہیں کھانے میں آپ کی چوائس کیسی ہو؟"

انوشے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا تو مینیو بھی آپ نے خود ڈیسائیڈ کیا تھا...... سعد نے کچھ نہیں بتایا تھا......؟"

"ویسے بھابی سچ میں ڈاکٹری Rule کے خلاف آج میں نے جی بھر کر کھایا"

"ایسے مزیدار کھانے کھانے کے بعد اگر پیٹ پھٹنے کی وجہ سے بندہ مر بھی جائے تو کوئی افسوس نہیں۔"

احد کی اس بے تکی تعریف پر سب نے قہقہہ لگایا۔

"کوئی حال نہیں احد تمہارا...... اتنے بڑے ہو گئے ہو...... پر آج تک ڈھنگ کے الفاظ میں تعریف تک نہیں کرنی آئی...... ایسا لگ رہا ہے جیسے تم کھانے کی تعریف نہیں بدتعریفی کر رہے ہو۔

کر اسے کھانے کے بعد بندہ مر جائے۔"

سعد نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے احد کو ڈھیٹ کیا تو وہ ہنس دیا۔

"بھئی اپنا تو یہی سٹائل ہے...... اور تعریف اگر لفظوں کی محتاج ہے تو ٹھیک ہے میں یہ کہتا ہوں کہ بھابی! ہم ہر ویک اینڈ پر لنچ آپ کے ہاں کیا کریں گے کیونکہ آپ بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔"

"بس بس!...... رہنے ہی دو...... تم اپنی تعریف اپنے پاس رکھو...... ہم ویسے ہی اچھے۔" سعد کے کہنے پر وہ چاروں ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"نازو تم اور رشید پہلے کھانا کھا لو...... برتن بعد میں دھو لینا۔"

نازو سے کہتی ہوئی انوشے بھی ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی احد نے اسے مخاطب کیا۔

"بھابی! ہم تو آپ کے مرید ہو گئے...... ان تین گھنٹوں میں آپ نے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔"

انوشے سمجھ گئی کہ احد نے پھر کوئی شرارت کرنی ہے...... اور ایسا ہی ہوا۔ وہ اب سعد کی طرف متوجہ تھا۔

"سعد یار!...... میں تمہارے حواس کی داد دیتا ہوں کہ تم اتنی ٹیلنٹڈ اور خوبصورت بیوی کے ساتھ دن رات گزارتے ہو پھر بھی اس دنیا کو نہیں بھولے...... تم عظیم ہو یار کہ تمہیں ابھی تک یاد ہے کہ احد نام کا تمہارا کوئی دوست بھی ہے۔ تم عظیم ہو یار! تم عظیم ہو......!"

احد واقعی سعد کی تعظیم میں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور سچ مچ سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کی طرف جھک گیا۔ سعد بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور احد کو شانوں سے پکڑ کر اسے سیدھا کرتے ہوئے بولا:

"بس یار...... اب تم یہ ڈائیلاگ بازی بند کرو...... یہاں ایکٹنگ کے پیسے نہیں ملنے والے اور ہاں...... ایک اور بات...... انوشے پلیز یہاں سے کوئی رومال وغیرہ پکڑانا......"

انوشے اور پلوشہ حیران ہوئیں کہ ایسی فنی سچوایشن میں رومال کا کیا کام۔ تبھی احد نے ہی اپنی جیب سے رومال نکالا اور سعد کو پکڑا دیا۔

"یہ لو رومال پر اس کا تم نے کیا کرنا ہے......؟"

"کچھ خاص نہیں"

سعد نے اس کے ہاتھ سے رومال لیتے ہوئے کہا۔

"اسے میں تمہاری آنکھوں پر باندھوں گا کیونکہ تم جب سے آئے ہو میری بیوی کو نظر لگانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

سعد نے رومال باندھنے کے لیے احد کو قابو میں کرنا چاہا تو پورا لاؤنج قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"سعد کتنے رنگین مزاج ہیں"

انوشے کو اب اندازہ ہوا تھا۔فون کی بیل ہوئی تو سعد نے انوشے سے کہا:

"دیکھنا ذرا کس کا فون ہے.....؟"

انوشے نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام"..... "میں سعد سر کا سیکرٹری ہوں میم..... کیا آپ مسز سعد حسن ہیں؟"

دوسری طرف تعارف کے ساتھ ہی پوچھا گیا تھا۔

"جی ہاں مسز سعد حسن ہوں..... کوئی خاص بات؟"

"No میم!..... میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سر نے جو شام 5 بجے میٹنگ بلائی تھی وہ اٹینڈ کریں گے یا میں کینسل کردوں.....؟"

"آپ ہولڈ کیجیے میں بات کرواتی ہوں۔"

"سعد آپ کے سیکرٹری کی کال ہے۔وہ آپ کا آج شام کا شیڈول کنفرم کرنا چاہتا ہے..... ہولڈ پر ہے"

"اوکے..... میں بات کرلیتا ہوں"

سعد کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔انوشے پلوشہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"انوشے اب ہمیں یہ بتاؤ کہ تم لوگ کب آؤ گے ہماری طرف.....؟"

"آپ لوگ جب بلاؤ گے..... اور سعد فارغ ہوں گے تب۔"

انوشے مسکرائی۔"ہماری طرف سے تو آپ ابھی چلیں..... اور رہی بات سعد کے فارغ ہونے کی تو وہ کبھی فارغ نہیں ہوسکتا..... احد کی بات پر انوشے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سعد آ گیا۔

"کیوں بھئی..... میں کیوں فارغ نہیں ہوسکتا"

"میرے اٹھتے ہی میری چغلیاں شروع کردیں"

"سعد بھائی ہم آپ لوگوں کو ہی سائیڈ انوائیٹ کرنا چاہ رہے ہیں..... کسی ویک اینڈ پر اکٹھے چلیں گے..... ہمیں انوشے کی کمپنی بہت پسند آئی"

پلوشہ کی وضاحت پر سعد مسکرا دیا۔

"تو اس کا مطلب ہے میرا تو بس بہانہ ہے..... انوائیٹ تو انوشے کو کیا جا رہا ہے....."

"اب تم بات کی تہہ تک پہنچ ہی گئے ہو تو....."

احد نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تو سب مسکرا دیے۔

"ٹھیک ہے..... جب حکم کرو گے..... ہم حاضر ہو جائیں گے..... ویسے بھی میں اپنی آفس کی مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک انوشے کو کہیں گھمانے نہیں لے جا سکا..... اسی بہانے اس کی بھی کچھ آؤٹنگ ہو جائے گی..... کیوں انوشے ٹھیک ہے ناں.....!"

اب براہ راست سعد انوشے سے مخاطب تھا۔

"جی!"

سعد نے اسی "جی" کو غنیمت جانا تھا۔

"محسوس تو سب کچھ کرتے ہیں..... بس اپنے اوپر یہ جو بے حسی کا خول چڑھائے ہوئے ہیں میں بھی اس میں سوراخ کر کے ہی چھوڑوں گی"

اپنی سوچ اور ارادے پر وہ مسکرا دی۔

"لو بھئی انوشے تو ابھی سے خوش ہوگئی"

پلوشہ نے چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

"اب ایسے ہی نہ اٹھ کر آ جانا..... کچھ میک اپ بھی کر لینا..... بھئی میک اپ تو عورتوں کا حق ہوتا ہے..... اور ویسے بھی تم لوگوں کی نئی نئی شادی ہوئی ہے بھئی..... سجنے سنورنے کے بغیر تو دلہن دلہن نہیں لگتی"

پلوشہ کہہ رہی تھی۔

"یار نم نے اپنی بیوی کو میک اپ نہیں لے کر دیا۔"

احد نے سعد کو درمیان میں گھسیٹا تو وہ سٹپٹا گیا۔

"میک اپ تو ہے ہی بات یہ ہے کہ مجھے لگتا ہے انوشے کو ان ظاہری بناوٹوں کی ضرورت ہی نہیں۔وہ میک اپ کے بغیر بھی دلہن ہی لگتی ہے"

سعد کی اتنی کھلی تعریف انوشے کے حلق سے ہی نہ اتری..... اسے اتنی زور سے کھانسی آئی کہ وہ ضبط کرتی اٹھ کر باہر آ گئی..... سعد کو احساس ہو گیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔اپنی بات کا اثر زائل کرنے کو وہ پھر بولا:

"بھئی میک اپ کرنے کا مقصد تو صرف یہی ہوتا ہے ناں کہ انسان خوبصورت لگے تو جب یہ ریکوائرمنٹ اس کے بغیر ہی پوری ہو رہی ہو تو پھر اتنی محنت کرنے، خاندہ..... اور وقت کا ضیاع

الگ۔"

"ہاں بھئی یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے"

احد قائل ہوتے ہوئے بولا۔

تو پلوشہ بول اٹھی:

"اچھا چلیں چھوڑیں اس ٹاپک کو...... یہ تو کنفرم ہے کہ سعد بھائی بہت لکی ہیں کہ ان کو انوشے جیسی لائف پارٹنر ملی...... آپ کو بہت بہت مبارک ہو سعد بھائی...... شادی تو انسان کی لائف کی سب سے بڑی بازی ہوتی ہے...... اچھا لائف پارٹنر مل جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دنیا کی۔"

"اونہہ...... ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی"

سعد نے بظاہر پلوشہ کی بات پر مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

"آئیے بھابی آپ کہاں چلی گئی تھیں...... کھانسی رُکی؟"

احد نے انوشے کو واپس آتے دیکھ کر کہا۔

"جی احد بھائی پانی پیا ہے...... اب ٹھیک ہوں"

"انوشے تم نے ساڑھی لگانا کس سے سیکھی...... تمہاری ای لگاتی ہیں......؟"

پلوشہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں مما ساڑھی نہیں لگاتیں...... یہ مجھے ممی (ساس) نے سکھائی ایک دن میں...... جس دن ہم نے کراچی آنا تھا۔ یہ ساڑھی مجھے ممی نے دی تھی اور کہا تھا ضرور پہننا...... پر جب میں نے انہیں بتایا کہ مجھے لگانی ہی نہیں آتی تو وہ مسکرا دیں...... پھر انہوں نے مجھے سکھا کر ہی بھیجا......"

انوشے کا چہرہ ساس کے ذکر سے کھل سا گیا تھا...... الفاظ اور لہجے میں محبت ہی محبت جھلک رہی تھی۔ پلوشہ مسکرا دی...... جبکہ سعد نے بے یقینی اور متلاشی نظروں سے اسے دیکھا مگر انوشے سعد کی سوچوں اور نگاہوں سے بے نیاز پلوشہ سے مخاطب تھی۔

"پلوشہ آپ دونوں کی ارینج میرج ہے......؟"

اس سے پہلے کہ پلوشہ کچھ بولتی احد فوراً سے درمیان میں کود پڑا۔

"اس سوال کا جواب میں دوں گا۔"

"جی آپ ہی دے دیجئے"

انوشے اس کی بے تابی پر مسکرائی۔

"ہماری لو میرج ہی ہوئی تھی...... پھر ارینج ہو گئی"

اس نے افسردہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"اکچولی میں جب USA سے واپس آیا تو ان دنوں پھپھو آئی ہوئی تھیں پلوشہ کے ساتھ...... میں نے تو اسے پہچانا ہی نہیں تھا چند سالوں میں ہی بالکل بدل گئی تھی...... پر ایک تبدیلی جو مجھے بالکل بھی پسند نہیں آئی وہ یہ تھی کہ اس کی منگنی ہو چکی تھی"

"مجھے یہ اتنی اچھی لگی کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ اگر شادی کروں گا تو صرف اسی سے ورنہ واپس USA چلا جاؤں گا ہمیشہ کے لئے"

"اچھا......؟؟" "تو کیا پلوشہ کو بھی آپ پسند آ گئے تھے......؟"

انوشے نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"انہوں نے ڈائریکٹ مجھ سے بات کی تھی...... انہوں نے مجھے کہا کہ میں اگر اپنے منگیتر کو پسند کرتی ہوں تو بتا دوں...... یہ چپ چاپ USA واپس چلے جائیں گے اور اگر مجھے اپنا منگیتر پسند نہیں تو اس منگنی کو ٹوٹنا ہی ہو گا"

پلوشہ نے مسکرا کر بتایا۔

"تو پھر آپ کو وہ پسند نہیں تھا......؟"

انوشے نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ ہماری فیملی میں سے نہیں تھا۔ پسند کرنے کی بات تو بعد میں آتی ہے میں نے اسے دیکھا بھی نہیں ہوا تھا اور نہ اسے جانتی تھی۔"

"ہاں بھابی! اس نے یہی بات مجھے بتائی اور میں نے جا کر سیدھا اس کے منگیتر سے کہہ دیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں...... اس سے یہ بات کہاں برداشت ہونی تھی۔ دوسرے دن ہی اس کے ماں باپ آ کر رشتہ سے انکار کر گئے اور کافی غصہ بھی نکالا۔ ادھر پرواہ کس کو تھی...... میں نے فوراً ابو سے اپنے دل کی بات کی۔ پھپھو منع نہیں کر پائیں ابو کو...... اور ہماری شادی ہو گئی"

احد نے مسکراتے ہوئے ساری بات بتائی۔

"واہ! کیا بات ہے آپ کی"

انوشے ہنستے ہوئے بولی...... محبت ہو تو ایسی...... ویسے ہوئی تو یہ لو میرج ہی ناں۔"

وہ چاروں کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نازو چائے کا پوچھنے آئی تو احد نے منع کر دیا۔

"نہیں اب کسی چیز کی گنجائش نہیں...... باتوں میں اتنا وقت گزر گیا احساس بھی نہیں ہوا...... میرا

خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئے"

"بیٹھو ناں ابھی سے کہاں جانا ہے"

سعد نے اسے کندھے سے پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں یار اب اجازت دے ہی دو..... ایمان سے تمہارے گھر میں آج سے پہلے کبھی اتنا انجوائے نہیں کیا۔ آج تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی جنت میں آ گئے ہیں۔ واپس جانے کو دل ہی نہیں کر رہا..... وہ تو بس بھابی کا خیال آ گیا ہے کہ آپ دونوں کی پرائیویسی ڈسٹرب ہو رہی ہے۔"

احد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے خیال آیا تو سہی۔"

سعد بھی ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا..... جبکہ انوشے کا تو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ جائیں..... کم از کم اس کی تنہائی تو بٹی تھی..... اور سعد بھی بس بول رہے تھے..... مگر آخر وہ مہمان تھے کتنا رُک سکتے تھے۔ انہیں جانا تو تھا ہی..... ویک اینڈ پر ساتھ ہی سائیڈ چلنے کا وعدہ لے کر وہ چلے گئے..... سعد اور انوشے ان کو باہر تک چھوڑنے گئے تھے..... اُن کے جاتے ہی سعد اپنے بیڈ روم میں چلا آیا..... انوشے بھی چینج کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

******

سنیڈ ٹوپیس اور ڈارک براؤن شرٹ میں بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے وہ نیچے آیا۔ سامنے کھڑی انوشے پر نظر پڑی تو اس کے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود ہی رُک گئے..... ہلکے انگوری رنگ کے سادہ سے شلوار قمیض میں ہم رنگ دوپٹہ ایک شانے پر لٹکائے ایک ہاتھ کمر پر رکھے انوشے نازو سے صفائی کرواتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی..... بالوں کو فولڈ کر کے ایک بڑے سے کیچر میں قید کرنے کی ناکام سی کوشش کی گئی تھی اور بالوں کی لٹیں اس قید سے رہائی پانے کی کوشش میں باہر کو نکلی ہوئی تھیں..... دوسرے ہاتھ سے لٹیں کانوں کے پیچھے اڑستی نازو سے کچھ کہہ کر ہنسی تھی کہ اچانک اس کی نظر سیڑھیوں پر کھڑے سعد پر پڑی تو اس کے پاس چلی آئی۔

"یہ نازو بھی ناں بڑا سر کھاتی ہے"

وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی..... سعد نے نظریں چرا لیں..... اس کے کندھے پر جھولتا دوپٹہ اس کی توجہ حاصل کر رہا تھا اور چہرے پر آئی لٹیں بھی تو دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں..... سعد نے اپنے دل کی خواہش پر گھبرا کر قدم آگے بڑھا دیے۔

"سعد آپ کہاں جا رہے ہیں.....؟"

انوشے نے اس کی بلیک سِلک تیاری اور جلدی دیکھ کر پوچھا۔

"آفس؟"

سعد نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بس اتنا ہی کہا تھا۔

پر مجھے لگا آپ نے میٹنگز کینسل کر دیں۔"

وہ اس کے پیچھے لپکی..... وہ فون سٹینڈ سے گاڑی کی چابیاں اٹھانے کے لئے اچانک رُکا تو انوشے جو اس کے پیچھے تقریباً بھاگتے ہوئے آ رہی تھی..... اس کے اچانک رُک جانے پر اس سے ٹکرائی..... سعد کے ہاتھ میں پکڑی چابیاں نیچے گر گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟ کیوں نان سٹاپ بھاگ رہی ہو.....؟ پلے گراؤنڈ سمجھ رکھا ہے تم نے میرے گھر کو.....؟"

وہ یکدم ہی بھڑک گیا تھا۔

"آئی..... آئی ایم سوری! مجھے لگا آپ اب باہر جا کر ہی رُکیں گے مگر آپ اچانک یہاں رُک گئے تو میرا کیا قصور۔"

ایک تو وہ اس ٹکراؤ سے پریشان ہو گئی تھی دوسرا سعد کی ڈانٹ سے۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں نے میٹنگز کینسل کیں یا نہیں۔ میں آفس جاؤں یا کہیں اور تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہئے..... اور دوسری بات یہ کہ احد اور پلوشہ بھابی کی وجہ سے میں نے یہ چند گھنٹے کس طرح تمہیں برداشت کیا ہے..... مجھے پتا ہے..... اور تیسری بات..... ہاں میں نے میٹنگز کینسل کی تھیں..... مہمانوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے۔ تمہارے لیے نہیں..... وہ چلے گئے اب میں اپنا وقت جہاں مرضی گزاروں تمہیں کیا.....؟"

سعد نے اُنگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ لہجے میں الفاظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔ جبکہ انوشے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی پوری بات سنی تھی۔ کیسے اس نے اسے بے وقعت کرنے میں لمحہ بھی نہ لگایا تھا۔

"اور بھی کچھ پوچھنا چاہتی ہو تو پوچھ لو..... میں تمہاری ساری خوش فہمیاں دور کر کے ہی جاؤں گا۔"

سعد نے جھک کر چابیاں اٹھائیں اور سیدھے کھڑے ہو کر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے آفر کی تھی۔ انوشے نے پلکیں جھکا لیں..... بہت زیادہ آنسو آنکھوں میں جمع تھے جو گالوں پر آ ٹپکنے کے لئے بے تابانہ پلکوں پر زور کے تھے۔ سعد نظریں چراتا باہر کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا کیونکہ بلاشبہ وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ بھی بہت پیاری لگتی تھی..... انوشے اس کے پیچھے

کاریڈور تک آئی تھی پر سعد نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ گاڑی میں بیٹھا تو سائیڈ مرر سے چند لمحے اُسے دیکھتا رہا..... وہ اُلٹے ہاتھ سے آنسو صاف کرتی اس کی گاڑی کو دیکھ رہی تھی..... سعد نے ایک لمبی سانس لی..... سیٹ بیلٹ باندھا اور ڈیش بورڈ پر پڑے گلاسز لگائے..... گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک بار پھر مرر میں سے اُسے دیکھا تھا..... سامنے چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ اس کی گاڑی کے رینگتے ہی وہ وہیں کاریڈور کی سیڑھی پر ہی بیٹھ گئی تھی..... جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہیں آ گئی سعد کی نظریں سائیڈ مرر میں نظر آتی انوشے پر ہی ٹکی رہیں۔

''پتا نہیں کیسے میں اس کو اتنا دُکھ دے لیتا ہوں جبکہ اُس کو افسردہ دیکھنا بھی میرے لیے محال ہے''..... وہ بے مقصد ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا۔ نظروں کے سامنے بار بار اُس کی جھکی بھیگی پلکوں سے گرتے ہوئے آنسو آ جاتے تو راستہ کہیں پس منظر میں چلا جاتا..... وہ تو غنیمت تھا کہ وہ شہر کے سنسان علاقے کی طرف نکل آیا تھا۔

''جو مجھے انوشے کے بارے میں پتا چلا کیا وہ سچ ہے..... کیا واقعی انوشے نے اپنی اصلیت مجھ سے چھپا رکھی ہے..... اگر واقعی ایسا ہے تو میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا..... میری زندگی میرے خواب سب برباد کر دیے اُس نے..... بہت بڑی ایکٹرس ہے وہ..... کتنی خوبی سے وہ مظلومیت کی اداکاری کرتی ہے۔ پر وہ آنسو..... وہ جھوٹے ہیں تو مجھے اٹریکٹ کیوں کرتے ہیں۔ کیوں..... کیوں تکلیف ہوتی ہے مجھے۔''

انوشے کی بھیگی پلکیں پھر اس کے تصور میں آ گئیں..... سعد نے گھبرا کر گاڑی سائیڈ پر روک دی..... اور باہر نکل کر گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ سورج پورا دن آب و تاب سے چمکتا رہا تھا اور اب تھک ہار کر مغرب کی جانب اپنی آرام گاہ کی طرف رواں دواں تھا۔

''سورج کو تو اپنی منزل ملنے ہی والی ہے..... معلوم نہیں میں کب پہنچ پاؤں گا اپنی منزل پر..... کب ہو گا میرا یہ تلاشِ سچ کا سفر پورا.....؟''

سعد نے مغرب کی جانب آسمان پر سورج کی لالی کو حسرت سے دیکھتے ہوئے سوچا تھا..... نجانے کتنی دیر وہ غائب دماغی سے آسمان پر نظریں جمائے کھڑا رہا..... موبائل کی بیل پر اس نے چونک کر کوٹ کی جیبوں کو ٹٹولا..... بیل کی آواز گاڑی سے آ رہی تھی..... اسے یاد آیا موبائل اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا تھا..... گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے بیل فون اٹھایا..... کوئی اجنبی نمبر سکرین پر جگمگا رہا تھا..... اس نے بے خیالی میں ہی کال ریسیو کی۔

"Yes...Saad speakig!!"

''جی جی..... سعد صاحب کیا حال ہے آپ کا.....؟ پہچانا مجھے جناب.....؟''

ایک جانی پہچانی آواز سعد کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی..... جس نے اُسے الرٹ کر دیا۔

''تم.....؟ تم ہر بار ایک نئے نمبر سے فون کیوں کرتے ہو.....؟ اور ہو کون.....؟''

سعد نے بمشکل اپنے لہجے کی تلخی کو کنٹرول کیا تھا۔

''اجی! مجھے چھوڑیں..... کیا کریں گے میرے بارے میں جان کر.....؟ آپ مجھے یہ بتائیں کہ بیگم صاحبہ کیسی ہیں.....؟؟''

''میں تم سے پہلے بھی کئی بار پوچھ چکا ہوں..... تم انوشے کو کیسے جانتے ہو.....؟ اس کے بارے میں ساری انفارمیشن تمہارے پاس کہاں سے آئی.....؟ ایک بات تو کنفرم ہے تم اس کے خیر خواہ تو ہو نہیں..... پھر آخر اُس کی بربادی میں تمہارا کیا مفاد پوشیدہ ہے.....؟''

سعد ایک ہی سانس میں اتنا کچھ کہہ گیا تو مقابل سے قہقہے کی آواز اُبھری۔

''بھئی ہم تو آپ کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں سعد صاحب..... آپ کے اپنے ہیں ہم..... آپ کا بھلا چاہتے ہیں اسی لیے تو یہ نہیں چاہتے کہ آپ لاعلمی میں مارے جائیں..... آپ کو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ آم کھائیے پیڑ مت گنیے۔''

''دیکھو تم جو بھی ہو..... مجھے نہیں پتا تم کیا چاہتے ہو.....؟ اگر تمہاری باتوں میں ذرا سی بھی سچائی ہے تو تمہیں ان باتوں کا ثبوت دینا ہو گا۔''

سعد نے اب کی بار اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی..... مقابل پھر ہنسا تھا۔

''ثبوت تو آپ کے گھر میں سعد صاحب ہے۔''

''شٹ اَپ!..... اپنی بکواس بند کرو تم۔''

اس کی بات پر سعد ایک دم دھاڑا تھا..... اسے لگا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔

''جناب غصہ کیوں کرتے ہیں.....؟ سیانے بھی سچ ہی کہتے ہیں کہ ''سچ کڑوا ہوتا ہے.....''

وہ شخص اپنی بات کے اختتام پر پھر ہنسا تھا۔

''ہر بات کے اختتام پر یہ بے ہودہ قہقہہ لگانا اس کی عادت تھی شاید''

سعد نے موبائل کان سے ذرا دور کرتے ہوئے بے زاری سے سوچا تھا۔

''سنو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری ان فضول باتوں کا مجھ پر کوئی اثر ہو گا تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے..... تمہاری باتوں میں اگر ذرا سی بھی سچائی ہے تو ثابت کرو اسے۔''

سعد نے غصے سے کہا تھا۔

"کریں گے تابت...... ضرور کریں گے...... پر وقت آنے پر...... فی الحال تو ایک بہت ہی اہم بات بتانے کے لئے فون کیا ہے آپ کو...... بات بہت نازک ہے۔"

******

انوشے اب پریشان ہو گئی تھی...... سعد کو گئے ہوئے تقریباً ساڑھے نو گھنٹے ہو گئے تھے پر ابھی تک اُن کی کوئی خبر نہ تھی۔

"یا اللہ! خیریت ہو"

وہ بار بار دعا مانگ رہی تھی...... کئی بار اُس کو فون کر چکی تھی پر اُس کا موبائل مسلسل آف تھا۔ آفس میں فون کیا وہاں سے بھی یہی پتا چلا کہ وہ دوپہر لنچ کرنے گھر گئے تو اس کے بعد آفس نہیں آئے۔ پہلے تو سعد کبھی اتنی دیر تک باہر نہیں رہے...... انوشے پریشانی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی جب نازو آئی۔

"بی بی جی! کچھ پتا چلا......؟"

"نہیں نازو کچھ بھی پتا نہیں چلا اُن کا...... میرا دل بہت گھبرا رہا ہے...... وہ ناراض ہو کر گئے ہیں...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے...... اللہ کرے وہ ٹھیک ہوں۔"

وہ آنکھوں میں نمی لیے بار بار ٹیرس سے گیٹ کو دیکھتی۔ گیٹ سے باہر دور تک کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا سوائے اندھیرے کے۔

"بی بی جی!...... احد صاحب کو فون کر کے دیکھتے ہیں کہیں صاحب اُن کی طرف نہ ہوں۔" نازو کے کہنے پر اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

"ہاں!...... شاید اُن کی طرف ہوں...... پر میرے پاس تو اُن کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہی نہیں ہے...... ایسا کرتی ہوں سعد کی ڈائری میں دیکھتی ہوں۔"

وہ ایک اُمید لیے سعد کے بیڈروم میں چلی آئی...... لائٹ آن کر کے وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی...... دراز میں سے سعد کی ڈائری نکالی اور احد کا نمبر ڈھونڈنے لگی...... تیسرے صفحے پر اسے احد کا نام لکھا دکھائی دیا...... اس کے ساتھ ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے پاس پڑا فون اُٹھا کر وہ نمبر ڈائل کیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کئی بار نمبر ملایا پر ہر بار ناکامی ہوئی...... احد بھائی نے بھی شاید موبائل آف کر رکھا تھا۔

اس نے ٹائم دیکھا رات کے دو بجنے والے تھے۔

"اُف...... آدھی رات ہو گئی ہے۔ احد بھائی تو سوئے ہوں گے اس وقت۔"

اُس نے ڈائری کو واپس دراز میں رکھا اور مایوسی سے واپس ٹیرس پر چلی آئی...... نازو

ابھی بھی وہیں بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا بی بی جی...... بات ہوئی احد صاحب سے؟"

"نہیں!" "نازو تم ایسا کرو جا کر سو جاؤ...... رات بہت ہو گئی ہے سعد آئیں گے تو میں خود کھانا گرم کر دوں گی اُن کو۔"

"پر بی بی جی!"

"نازو...... میں نے کہا ناں تم جاؤ...... ضرورت ہو گی تو بلوا لوں گی۔"

انوشے نے اس کو زبردستی بھیج دیا اور خود نیچے آ گئی...... لاؤنج میں پڑے فون سے دوبارہ سعد کا موبائل نمبر ڈائل کیا...... وہ ابھی تک سوئچڈ آف تھا۔ وہ باہر کاریڈور میں آ گئی...... ہر طرف اندھیرا تھا...... دور گیٹ پر لگی ہوئی لائٹ کی روشنی گرد و نواح میں پھیل کر اس اندھیرے کو دور کرنے کی ناکام کوشش میں تھی۔ چوکیدار وہاں پڑی کرسی پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کاریڈور میں ٹہلتی رہی پھر اندر آ گئی۔ تین بج رہے تھے...... اب انتظار اس کی برداشت سے باہر ہونے لگا تھا...... وہ قالین پر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

******

سعد نجانے کتنی دیر سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا...... سر درد سے جیسے پھٹنے کو تھا...... آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... بکھرے بال اور ڈھیلی ٹائی سے بے نیاز وہ لگاتار کئی گھنٹوں سے ڈرائیو کر رہا تھا...... پورے شہر کی سڑکیں ناپ چکا تھا...... پر اسے خود کی ہوش نہ تھی...... وہ بہت ہی سنسان علاقے کی طرف نکل آیا تھا۔ آبادی سے دور......" وہ سکون چاہتا تھا"...... "مکمل خاموشی"

اُس شخص کی کہی ایک ایک بات اس کے ذہن میں گھوم رہی تھی۔ وہ جیسے ابھی تک ان ہی باتوں کے حصار میں تھا...... کبھی کبھی کوئی سامان سے بھرا ٹرک پاس سے گزرتا تو فضا میں چند لمحوں کے لیے اک شور سا برپا ہو جاتا اور پھر یہی شور آہستہ آہستہ دوبارہ اسی جامد سناٹے میں بدل جاتا۔

"آپ کو اندازہ نہیں سعد صاحب جسے آپ اپنا گھر آباد کرنے کے لئے اپنی زندگی میں شامل کر چکے ہیں وہ کتنوں کے دل آباد کر چکی ہے...... کبھی فرصت ملے تو پوچھیے گا ضرور اس سے...... ہاہاہاہا۔"

اُس شخص کی آواز جیسے پھر سے اس کے کانوں میں گونجی تھی اور اُس کا وہی بے ڈھنگا قہقہہ۔ اچانک ایک ٹیس سی اٹھی تھی اس کے سر میں اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا

گیا..... سامنے سے آنے والے ٹرک کا صرف ہارن ہی اُسے سنائی دیا تھا..... بے اختیار ہی اس نے گاڑی کو بائیں طرف گھمایا اور بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ گاڑی ایک طرف چرچراتے ہوئے ٹائرز کے ساتھ فضا میں ارتعاش پیدا کرتی رُک گئی..... چند سیکنڈز کی بھی تاخیر ہو جاتی تو..... سعد نے ماتھے پر آ جانے والے پسینے کو ہاتھ سے صاف کیا اور سیٹ بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''سعد! کیا ہو گیا ہے تمہیں.....؟

کیوں خود فراموشی میں اپنی زندگی ہارنے چلے تھے.....؟''

سعد کے اندر جیسے کوئی چیخا تھا..... اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''میں اپنی زندگی کی اتنی بڑی بازی ہارا ہوں کہ اب مجھے ہر ہار چھوٹی لگتی ہے۔''

اس نے جیسے خود ہی کو جواب دیا تھا۔

''تین بج گئے.....؟''

اس نے بے یقینی سے ڈیش بورڈ پر سے موبائل اُٹھا کر آن کیا جسے اس نے آف کر رکھا تھا..... وہاں بھی تین بجے کا ٹائم دیکھ کر وہ حیران ہوا..... اتنی دیر ہو گئی اور اسے احساس تک نہ تھا۔ وہ پہلے کبھی بھی اتنی رات تک گھر سے باہر نہیں رہا تھا..... مگر آج اس کا گھر جانے کو دل نہیں کر رہا تھا..... کیونکہ جو کچھ اُس شخص نے اُسے بتایا تھا وہ سب بھلا دینا چاہتا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے..... مگر جیسے ہی انوشے اس کے سامنے آتی اس کے ذہن میں حرف بہ حرف اُس شخص کے جملے گونجنے لگتے اور اس کا دل کرتا اس اداکارہ کے منہ سے جھوٹی شرافت کا نقاب نوچ پھینکے اور اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ایک بار تو یہ ضرور پوچھے کہ میرے ساتھ کیوں کیا تم نے یہ سب؟

کیوں چھپائی مجھ سے اپنی اصلیت.....؟ کیوں خون کر دیا میرے دل کا.....؟

کیوں برباد کر دی میرے خوابوں کی دنیا جسے میں حقیقت بنانا چاہتا تھا''

سعد نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔ مگر وہ فی الحال ایسے کسی ہنگامے کو برداشت کرنے کا اہل نہیں تھا سو اب جان بوجھ کر تاخیر کر رہا تھا تاکہ وہ اس کے گھر جانے تک سو چکی ہو اور اس سے سامنا نہ ہو پائے۔ ویسے بھی وہ زیادہ سے زیادہ 11 بجے تک جاگتی تھی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور گھر کو جانے والے راستے پر ڈال دی۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے گاڑی روکی..... تیز ہیڈ لائٹس گیٹ پر پڑیں تو چوکیدار جلدی سے باہر آیا..... صاحب کو گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔ سعد گاڑی سے نکلا..... چوکیدار کو گاڑی پارک کرنے کا کہتا راہداری کی طرف بڑھا..... ماتھا دباتے جب وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوا تو اس کے قدم وہیں جامد ہو

گئے۔ سامنے ہی وہ دشمن جان گھٹنوں میں سر دیے نیچے قالین پر ہی بیٹھی تھی۔

زیرو پاور کی لائٹ کی ہلکی ہلکی روشنی میں بھی وہ اس کی نظر میں آ گئی تھی۔ پورے گھر میں جامد سناٹا تھا۔ اس نیم تاریکی اور جامد سناٹے میں چند لمحوں بعد اس کی ہلکی سی ہچکی فضا میں گونج جاتی جس سے سعد کو اندازہ ہوا کہ وہ رو رہی ہے مگر اتنی کم روشنی میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ اس نے بڑھ کر بڑی لائٹس آن کر دیں پورا گھر جیسے روشنیوں میں نہا گیا..... تب ہی انوشے نے چونک کر سر اُٹھایا۔ آنسوؤں سے تر چہرے اور بھیگی پلکوں سے وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی جیسے اس کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتی ہو..... پھر اچانک ہی اُٹھ کر بھاگتی ہوئی اس کے سینے سے آ لگی..... پل بھر تو اسے لگا کہ اُسے سارے جہاں کا قیمتی ترین اثاثہ مل گیا ہو..... اسے ان چند گھنٹوں کی دوری نے احساس دلا دیا تھا کہ سعد کی اس کی زندگی میں کیا جگہ ہے۔ اس کے بنا یہ سارا گھر یہ ساری دُنیا خالی خالی لگ رہی تھی۔ اسے سب کچھ بے معنی، بے مقصد اور فضول لگنے لگا تھا مگر اب اُن کے آتے ہی اسے لگا اس کی زندگی میں کوئی بھی کمی نہیں رہی..... سب کچھ مکمل ہو گیا۔ وہ چند گھنٹے اس نے جس عذاب میں گزارے تھے اسے پتا تھا۔ جلے پاؤں کی بلی کی طرح اسے ایک پل بھی چین نہیں آیا تھا اور اب سعد کے گلے لگی وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ بہت کوششوں سے ضبط کیے گئے باقی ماندہ آنسوؤں کو بھی کندھا میسر آ گیا تھا سو وہ بے جھجک باہر آ گئے۔ سعد پہلے تو کچھ سمجھ نہ پایا..... اس نازک سے نرم گرم وجود کے لمس سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا..... اسے لگ رہا تھا جیسے وہ خود اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز اپنے کانوں سے سن رہا ہو۔ انوشے مسلسل ہچکیوں سے رو رہی تھی..... خود کو سعد کے سینے میں ایسے چھپا رکھا تھا جیسے کسی خطرناک جنگل میں کھوئے ہوئے بچے کو کسی محافظ کی پناہ مل گئی ہو..... اور وہ خود بھی تو جیسے بے بس ہو رہا تھا۔ وہ پہلی بار اس کے اتنا قریب تھی..... بلکہ پہلی بار کوئی لڑکی اس کے اتنا قریب تھی اور لڑکی بھی وہ جس کا قانونی اور شرعی واحد حقدار وہ تھا..... وہ پوری کی پوری اس کی ملکیت تھی۔ اس کا ذہن چاہے اُسے قبول نہ کرتا ہو مگر دل کی ہر دھڑکن میں صرف اُسی کا بسیرا تھا۔ وہ پہلی اور شائد آخری لڑکی تھی جس کے لئے اس کا دل اُسی سے بغاوت کر دیتا تھا۔ وہ دل کی ایک ہی دھڑکن سے واقف تھا مگر جب سے انوشے اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی اس کے دل نے انوکھی ہی لے میں دھڑکنا شروع کر دیا تھا..... ایسی صورتحال میں اس کا یوں بے اختیار ہو کر رونا سعد کو بھی بے اختیار کرنے لگا..... اُس کے دل کے سچے جذبے..... اسے ایک معصوم سی شرارت پر اُکسا رہے تھے۔ سعد نے خود فراموشی کے عالم میں اپنی بانہیں انوشے کے گرد حمائل کیں اور اُسے خود میں چھپا لیا۔ اُسے لگا جیسے پوری دُنیا اس کی بانہوں میں آ گئی ہو۔ اس نے حقیقت میں

ایک لمحے کے لئے اپنی کائنات بازوؤں میں سمیٹ لی تھی۔ دل اس کے لمس سے سینے میں اُچھل اُچھل کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا..... وہ خود کو دنیا کا امیر ترین شخص سمجھنے لگا جس کا قیمتی نگینہ اس کی اپنی جاگیر مکمل طور پر اس کے حصار میں تھی۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے سعد.....؟''

انوشے نے بھیگے لہجے میں سوال کیا تھا۔ اس کی آواز نے سعد کو کسی سحر سے نکالا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو سعد.....؟ کیوں کمزور کر رہے ہو خود کو..... ؟ یہ لڑکی تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ تم اس کی اصلیت جانتے ہو پھر کیوں ہار رہے ہو اس کے آنسوؤں سے؟ اس نے تو نہ جانے کتنے لوگوں کو اپنی اسی معصوم صورت اور جھوٹے آنسوؤں سے دھوکہ دیا ہوگا..... وہ سب تو اس کے اصل چہرے سے واقف نہیں تھے پر..... تم..... تم تو جان گئے ہو پھر یہ بے بسی کیوں.....؟ یہ بے اختیاری کیوں.....؟''

اس کے سر میں درد کی شدید لہر اُٹھی۔ انوشے کے گرد اس کی بانہوں کا حصار ڈھیلا پڑ گیا۔

''تمہیں ہارنا نہیں ہے!..... تمہیں دل سے نہیں دماغ سے کام لینا ہے۔''

دماغ نے ایک اور آرڈر دیا تھا۔ سعد نے بہت ہمت کر کے اسے خود سے الگ کیا اور اسے پرے دھکیلتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''مجھے اس لڑکی سے ہارنا نہیں ہے..... مجھے اسے اپنے قریب نہیں آنے دینا چاہیے۔ اس کا لمس مجھے کمزور بنا دیتا ہے۔''

وہ جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔ انوشے نے اسے اوپر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے لپکی۔

''میں بہت پریشان ہو گئی تھی آپ کے لئے..... عجیب عجیب سے خیالات آ رہے تھے ذہن میں۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو کیا کرتی میں..... نہیں جی سکتی آپ کے بنا..... بہت پریشان تھی میں آپ کے لئے.....''

اس کے سامنے کھڑی وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اچھا!.....؟''

سعد نے طنزیہ مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے لیے پریشان تھی یا اپنے منصوبے کو ناکام ہوتا دیکھتے پریشان ہو گئی تھی.....؟''

''جی.....؟''

انوشے نے ناسمجھی سے وضاحت مانگی تھی۔

''جی.....!''

''اب اتنی نادان بننے کی ایکٹنگ نہ کرو..... میں تمہارے ان ڈراموں میں نہیں آنے والا..... میں تو تم سے بات کرنے کا روادار نہیں ہوں۔ تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا اور تم میرے راستے میں نہ ہی آیا کرو تو بہتر ہے.....''

سعد سخت لہجے میں کہتے ہوئے پلٹا اور دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا..... سر درد اب اس کی برداشت سے باہر ہونے لگا تھا..... وہ وہیں ریلنگ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''اف میرا سر!''

اس نے ہاتھ سے اپنے ماتھے کو مسلا تھا۔ اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر انوشے بھی پریشان ہو گئی۔

''سعد آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی..... سر میں درد ہے؟''

انوشے نے آگے بڑھنا چاہا تو سعد نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''میں نے تمہاری تھوڑی دیر پہلے والی حرکت پر کچھ نہیں کہا تو اس کا یہ مطلب نہیں تم لیمٹس کراس کرتی جاؤ..... دور رہو مجھ سے..... آئندہ میرے قریب آنے کا کبھی تصور بھی مت کرنا۔''

ایک ہاتھ سے سر دباتا وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا..... انوشے کچھ دیر وہیں کھڑی رہی..... پھر کچن میں آ گئی..... اسے صرف اتنا پتا تھا کہ سعد کی طبیعت خراب ہے باقی سب وہ جان بوجھ کر بھول گئی تھی۔ اس نے سعد کے لیے چائے بنائی..... کچھ بسکٹس بھی پلیٹ میں رکھے..... پانی کا گلاس بھی ٹرے میں رکھا اور اوپر اُن کے کمرے کی طرف آ گئی..... دروازہ بند تھا..... اس نے سائیڈ پر پڑے چھوٹے سے گول میز پر پڑے گلدان کو تھوڑا سا کھسکا کر جگہ بنائی اور ٹرے وہاں رکھ کر دروازہ آہستہ سے ناک کیا..... اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے ذرا سا ہینڈل گھمایا تو ہلکی سی آواز سے دروازہ کھل گیا۔ وہ ٹرے پکڑ کر دروازے کو آہستہ سے دھکیلتی اندر داخل ہو گئی۔

اے سی سے کمرے کا ماحول خنک سا ہو رہا تھا..... سعد نے بیڈ کی بجائے صوفے پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا..... انوشے نے وہاں پڑی میز پر ٹرے رکھی اور چھوٹے سے تھرمس میں سے چائے کپ میں انڈیل کر سعد کو آواز دی..... اس کے تین چار بار بلانے پر بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا۔

''سعد!''

اب کی بار کچھ پریشانی سے اس نے انہیں پکارا تھا پر پھر بھی اُن میں کوئی جنبش نہ ہوئی

تو وہ گھبرا گئی۔ تالین پر ہی دوزانو بیٹھ کر اس نے سعد کا ہاتھ بنایا تو اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور بنا کچھ بولے صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ درد مسلسل بڑھ رہا تھا..... سعد نے اپنا ماتھا سہلایا۔ انوشے نے کھڑے ہو کر ان کے ماتھے کو چھوا وہ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔

"سعد! آپ کو تو بہت تیز بخار ہے..... کیا ہو گیا ہے یوں اچانک آپ کی طبیعت کیوں بگڑ گئی ہے.....؟"

وہ اس کی حالت دیکھ کر حقیقت میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"آپ چائے پئیں اور دوا کھالیں سر درد کی۔"

وہ بیڈ کی طرف گئی اور سائیڈ ٹیبل سے سر درد کی گولیاں لے آئی۔

"یہ لیں..... کھالیں..... درد کم ہو جائے گا....."

"نہیں! میں ٹھیک ہوں..... تم جاؤ یہاں سے"

وہ اس قدر قطعیت سے بولا اور انداز اس قدر سختی اور بے زاری لیے ہوئے تھا کہ انوشے کا ننھا سا دل سہم کر رہ گیا..... وہ چند لمحے خاموشی سے انہیں تکتی رہی پھر اس کے تحکمانہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی:

"چلی جاتی ہوں پر پہلے آپ دوا کھالیں۔"

انوشے نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ سعد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تمہیں اثر نہیں ہوتا.....؟

مجھے دوائی کی نہیں تنہائی کی ضرورت ہے۔"

وہ جتنا اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا وہ اتنا ہی قریب آتی جا رہی تھی۔

"سعد! ناراض آپ مجھ سے ہیں..... خود سے کیا دشمنی ہے؟ اٹھ کر یہ گولی کھالیں۔ طبیعت اتنی خراب ہے آپ کی..... دوا نہیں لیں گے تو آرام کیسے آئے گا.....؟"

انوشے نے نرمی سے کہا تھا۔ اور درد کی شدت اب سعد کی بھی برداشت سے باہر ہو رہی تھی..... وہ مٹھی مٹھی آنکھوں سے اٹھ گیا۔ انوشے نے چائے کے کپ کے ساتھ بسکٹ بھی اس کی طرف بڑھائے۔

"پہلے یہ کھائیں..... لنچ کے بعد آپ نے اب تک کچھ نہیں کھایا ہوگا..... بھوکے پیٹ دوا نہیں کھاتے۔"

اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود انوشے نے اسے چار پانچ بسکٹ کھلا دیے۔

"اور چائے دوں.....؟"

انوشے نے پوچھا۔

"نہیں! تم جاؤ اب"

انداز اب بھی روکھا ہی تھا۔ اس کے اس جواب پر وہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

"ہاں! جا رہی ہوں..... آپ وہاں بیڈ پر لیٹیے جا کر۔ میں آپ کے لئے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں اس کے ساتھ دوا کھا کر سو جائیے گا..... درد ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ کہتی ہوئی برتن لے کر نیچے آ گئی۔

"سعد کے دل میں ضرور کوئی بات ہے..... کوئی بہت بڑی وجہ ہے ان کی پریشانی کی..... کچھ تو ہے..... جو ان کو مضمحل رکھتا ہے۔"

دودھ گرم کرتے ہوئے وہ ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ دودھ لے کر آئی تو سعد شوز سمیت بیڈ پر لیٹا تھا..... اور ایک ہاتھ سے ماتھا دبا رہا تھا۔

"یہ گولی کھالیں دودھ کے ساتھ۔"

اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ انوشے نے تکیہ اور کشن دیا وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ سے گولی لی اور نیم گرم دودھ کے ساتھ نگل لی۔ جب تک اس نے پورا گلاس ختم نہیں کیا وہ وہیں کھڑی رہی..... اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس نے بلائنڈ ٹیبل پر رکھا جبکہ وہ دوبارہ لیٹ گیا تو اس نے اس کے شوز اور جرابیں اتار دیں..... پھر آہستہ سے پوچھا۔

"درد زیادہ ہو رہا ہے.....؟"

سعد نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

"میں آپ کا سر دباتی ہوں آپ سو جائیں۔"

وہ ہچکچاتی ہوئی اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

ابھی اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھے ہی تھے کہ اس نے جھٹک دیے۔

"اب بس بھی کرو یہ اچھا بننے کا ڈھونگ..... اتار پھینکو اپنے اوپر سے معصومیت کا یہ خول۔ دکھاؤ اپنا اصلی چہرہ سب کو انوشے تم!"

وہ یکدم پھٹ پڑا تھا..... مگر درد کی ٹیس پر وہ اپنی بات مکمل کیے بنا ہی خاموش ہو گیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلانے لگا..... جبکہ انوشے اس نامکمل جملے پر غور کرتی رہ گئی۔ سعد کو لگا جیسے ہر طرف اندھیرا چھا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مناظر دھندلا گئے۔ اس کا

ذہن جیسے ماؤف ہو رہا تھا..... انوشے نے دیکھا اس کے ہاتھ ڈھلک گئے تھے۔

"سعد! کیا ہوا، کیا ہے؟ آنکھیں پلیز..... انوشے اُسے یوں بے سُدھ دیکھ کر گھبرا گئی۔ دو آنسو اس کی گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ نجانے یہ آنسو سعد کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آئے تھے یا اُن کے منہ سے ادا ہونے والے جملے وجہ تھے..... وہ سمجھ نہیں پائی۔

"پر یہ درست تھا کہ اگر سعد تکلیف میں تھا تو وہ بھی تکلیف میں تھی۔"

"سعد.....؟"

"گھبراؤ مت مرا نہیں ہوں ابھی..... تم جاؤ اپنے کمرے میں۔"

"نہیں!..... میں نہیں جاؤں گی..... اتنی طبیعت خراب ہے پھر بھی ڈانٹنے سے باز نہیں آتے۔ آپ نے اگر ایسی باتیں ہی کرنی ہیں تو پہلے ٹھیک ہو جائیں پھر جو جی میں آئے سنا لیجئے گا۔"

وہ پریشانی سے نم آواز میں کہتے ہوئے اس کا سر دبانے لگی۔ نرم نرم ہاتھوں نے اس کے ماتھے کو چھوا تو ملائم سی انگلیوں کا حرکت کرتا ہوا لمس اسے بہت سکون پہنچانے لگا۔ وہ اسے منع کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں ایسا کر نہیں سکا..... اس کی قربت اور اس کے ہاتھوں کے لمس کو محسوس کرتے وہ کب سو گیا پتا بھی نہ چلا۔ فجر کی اذان ہوئی تو انوشے کو رات گزر جانے کا احساس ہوا۔ وہ ابھی تک سعد کا سر دبا رہی تھی..... اس نے پیار سے سوئے ہوئے سعد کو دیکھا۔

"میرے ساتھ سے پُرسکون بھی رہتے ہیں پھر بھی پتا نہیں کیوں اتنا غصہ کرتے ہیں.....؟"

وہ مسکراتے ہوئے اٹھی پر پھر اسے فوراً رکنا پڑا..... سعد نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے سے روک دیا تھا..... انوشے نے حیرانی سے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مکمل نیند میں تھا اور اسی نیند کے خمار میں وہ ایسا کر رہا تھا ورنہ ہوش و حواس میں تو وہ ایسا کرنے کا شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انوشے کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی..... اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس کا ہاتھ اس کے پہلو میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وضو کیا اور پریئر روم میں جا کر نماز پڑھنے لگی..... قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئی تو دن پوری طرح نکل چکا تھا..... وہ نیچے کچن میں آ گئی..... سعد کے لئے فریش جوس بنایا اور اسے لے کر اس کے کمرے میں آ گئی..... وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے ان کا ماتھا چھو کر دیکھا بخار بالکل نہیں تھا..... جوس کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ مسکرا دی۔

"آج جگایا نہیں تو کتنے مزے سے سو رہے ہیں۔"

انوشے نے کھڑکی کے پردے ہٹائے تو دھوپ چھن چھن کر اندر آنے لگی اور پورے کمرے کو روشن کر دیا..... سعد کے چہرے پر دھوپ پڑی تو منہ کے زاویے بدلتے ہوئے اس

نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا مصیبت ہے.....؟"

سامنے مسکراتی ہوئی انوشے کو کھڑا دیکھ کر وہ ناگواری سے بولا تھا۔ جبکہ وہ اس کی کوفت کا مزہ لیتے ہوئے بولی:

"مصیبت نہیں آپ کی بیوی.....!"

"ایک ہی بات ہے"

وہ بے زاری سے بڑبڑایا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی.....؟ اب تو درد نہیں ہے ناں! سر میں.....؟"

اس کی بڑبڑاہٹ نے انوشے کی مسکراہٹ مزید گہری کر دی تھی۔ سعد کو اچانک ہی رات والا پورا واقعہ یاد آ گیا۔ جواب نہ ملنے پر وہ مسکرائی۔

"I know U are better now". مجھے تو ڈرا ہی دیا تھا آپ نے..... آپ اُٹھ کر فریش ہو جائیں اور یہ جوس پی لیں۔ میں تب تک ناشتہ بناتی ہوں۔ میرے پیٹ میں تو بھوک کے مارے چوہے دوڑ رہے ہیں۔ آپ کی پریشانی میں کل دوپہر سے دھیان ہی نہیں رہا کچھ کھانے کا۔

"نہیں میں ابھی سوؤں گا، تم کر لو ناشتہ۔"

سعد کو افسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے وہ کل سے بھوکی ہے اور شاید سوئی بھی نہیں پوری رات..... اس نے اس کی نیند سے بوجھل آنکھوں اور سرخ پڑے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

"سوئیں گے؟ آفس نہیں جانا آج؟"

سعد نے کوئی جواب نہ دیا۔

"چلیں آفس نہ جائیں پر ایک بار احد بھائی سے مل آئیں..... رات کو آپ کی اتنی طبیعت خراب ہو گئی..... چیک اپ کروا کر آئیں کیوں اتنا شدید درد ہوا.....؟"

انوشے کا اتنا کہنا غضب ہو گیا۔

"تمہیں واقعی ہی میری اتنی پروا ہے یا یہ کسی منصوبے کا حصہ ہے تمہاری یہ فکر.....؟"

سعد کے اس طنزیہ لہجے پر وہ یکدم ہی خاموش ہو گئی..... سعد کی کہی ہوئی رات والی باتیں بھی اس کے دماغ میں گھوم گئیں جنہیں تب وہ نظر انداز کر گئی تھی۔

"کیسا منصوبہ سعد.....؟"

آپ رات کو بھی ایسا ہی کچھ کہہ رہے تھے..... آپ مجھے لے کر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو اسے

کلیئر کریں۔''

سعد چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اُٹھا اور بنا کچھ بولے اسے بازو سے تھام کر کمرے سے باہر لے آیا۔

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں تم سے..... آئندہ میرے کمرے میں مت آنا..... میرے کاموں میں دخل اندازی مت کرنا..... ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ مُڑا اور زور سے دروازہ بند کیا اور لاک لگا لیا۔ جبکہ انوشے وہیں کھڑی بند دروازے کو دیکھ کر سوچتی ہی رہ گئی۔

''کبھی کتنا قریب لگتے ہیں اور کبھی اتنے فاصلے پر کہ لگتا ہے اگر میں ساری عمر بھی دوڑتی رہوں تو بھی یہ فاصلہ کم نہ ہو۔''

وہ نم آنکھوں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

******

سعد نے اسے ایک بار پھر کمرے سے اسی بے دردی سے نکالا تھا۔ اپنے خالی کمرے میں اچانک اسے گھٹن کا احساس ہوا تو وہ ٹیرس پر نکل آئی۔ تازہ ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا..... اسے سکون ملا وہ وہیں پڑے جھولے پر بیٹھ گئی..... اور آنکھیں بند کر لیں، آنسو رخساروں پر نکل آئے۔ ماضی کی یادوں نے پھر دستک دی..... اور ماضی کون سا دور تھا۔ بمشکل ایک سال کا ہی تو فاصلہ تھا۔ کالج کی ذہین، ایکٹو، پُرکشش اور سب کی آئیڈیل انوشے کبیر میں اور آج کی مسز انوشے سعد حسن رضوی میں۔

''اب یہاں اتنی افسردہ کیوں بیٹھی ہو انوشے.....؟ کالج کے تقریباً آدھے سے زیادہ لڑکوں کا دل صرف تمہاری مسکراہٹ پر دھڑک دھڑک اُٹھتا ہے۔ تم اُداس ہو گی تو اُن کا کیا ہوگا۔ کچھ تو خیال کرو ڈیئر!''

وہ کالج میں لائبریری سے اُترتی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جب مشی نے آ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے دریافت کیا تھا..... وہ جو خاموش بیٹھی تھی چونک گئی۔

''نہیں! میں اُداس نہیں ہوں بلکہ مجھے تو غصہ آ رہا ہے..... شدید غصہ.....!''

مشی نے غور سے اسے دیکھا۔ واقعی وہ سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس وقت بہت غصے میں لگ رہی تھی۔ مشی کی نظر انوشے کے پاس پڑے خوبصورت پھولوں کے بکے پر پڑی تو وہ اس کے غصے کی وجہ سمجھتے ہوئے مسکرا دی۔

''اچھا! تو گنتی میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے۔''

مشی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا جبکہ وہ بدستور غصہ سے کھول رہی تھی۔ پھر اچانک ہی مشی کی طرف گھوم کر بولی۔

''دیکھو!..... غور سے مجھے دیکھو اور بتاؤ!..... میرے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ یہاں اظہارِ محبت کرنا فری ہے.....؟ جس جس نے اظہار کرنا ہو "Most Welcome"

اس کے اس طرح پوچھنے پر مشی کو تو اچھو لگ گئے۔ ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا..... اور اسی وجہ سے اس کی شامت آ گئی۔

''مردتم!..... تم تو ہنس ہنس کے ہی مر جاؤ۔ تمہارے قُل پڑھوا کر اور اپنے بھائی کو حوصلہ تسلی دے کر ہی میں ان چھچھوروں کا کچھ بندوبست کروں گی۔''

انوشے کے ایسے کہنے پر مشی کو اور زیادہ ہنسی آئی۔

''بھئی! اب اپنا غصہ مجھ پر کیوں اُتار رہی ہو۔ دن بہ دن تمہارے مجنوؤں کی فہرست میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کا مطلب ہے تم کالج میں مقبول ہوتی جا رہی ہو۔''

''گولی مارو ایسی گھٹیا مقبولیت کو جس کو دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے مجنوں کو ہرانے''

انوشے غصے سے اُٹھ کھڑی ہوئی..... ''اُس سلیم کے بچے کی اتنی ہمت۔''

وہ دانت کچکچا کر بولی تھی۔

''اب کہاں جا رہی ہو.....؟ اور اپنا یہ بکے تو لیتی جاؤ۔ کسی دینے والے نے اتنی چاہت سے دیا ہے۔ بکے کی خوبصورتی کا نہیں تو کم از کم اُس پیار کا ہی خیال کر لو..... پلیز اسے اپنے پاس رکھو!''

مشی نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ ریڈ روز اور سفید ٹیوب روز والا بکے اس کی طرف بڑھایا..... انوشے نے بکے پکڑا اور پیچھے کی طرف اُچھال دیا۔

''مجھے نہیں چاہیے ایسے دل پھینک لوگوں کا پیار..... بدتمیز، اپنے ساتھ ان معصوم پھولوں کو بھی بے وقعت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو دن رات محبت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں پر اصل میں ان کو اس لفظ کی پاکیزگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اور تم.....''

اپنی بات کہتے ہوئے جب اس نے مشی کو دیکھا تو وہ منہ میں اُنگلی دبائے، سپاٹ چہرے کے ساتھ پوری کی پوری آنکھیں کھولے (Statue) مجسمہ بنی کھڑی تھی۔

''ارے! اب تمہیں کیا ہوا ہے..... ایسے کیوں کھڑی ہو.....؟''

''یہ..... یہ تم نے کیا کیا انوشے.....؟''

مشی کے مجسمے کے صرف ہونٹ ہلے تھے۔

"کیا مطلب کیا کیا...... ایک مکّے ہی تو پھینکا ہے...... تمہیں بڑا دُکھ ہو رہا ہے...... ایسا کرو تم جا کر اُٹھا لو اور گلے سے لگا کر گھر لے جاؤ......"

انوشے کو مشی کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر اور زیادہ تاؤ آیا۔

"میں کیا اٹھاؤں گی......؟ جس نے اٹھانے تھے وہ اٹھا چکے ہیں انوشے...... اور اب تو مجھے عزرائیل بھی نظر آ رہا ہے...... جسے اللہ نے تمہیں اُٹھانے کے لئے بھیجا ہے......"

"کیا اول فول بول رہی ہو...... مشی مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔"

"شبہ تو مجھے ہو رہا ہے آپ کی ذہنی حالت پر انوشے!"

انوشے کی بات منہ میں ہی تھی کہ پیچھے سے رُعب دار غصے سے بھری مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اِسے پہچاننے میں سیکنڈ کا دسواں حصہ ہی لگا تھا۔

"پرنسپل سر......؟"

اپنی پہچان کنفرم کرنے کے لئے جیسے ہی اس نے پیچھے دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اگر مشی ہوش میں ہوتی تو اس وقت انوشے کی حالت دیکھ کر ضرور ہنس ہنس کر مر جاتی پر انوشے پر غور کرنے کا وقت اب نہیں تھا۔ فی الحال غور طلب بات یہ تھی کہ اب کیا ہو گا......؟

یہ سچوایشن (Situalion) کچھ ایسے کریئیٹ (Create) ہوئی تھی کہ حسب معمول پرنسپل سر کالج کے دورے پر تھے اور انہوں نے اسے مکّے پھینکتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کو ایجوکیشن (Co-education) تھی۔ نگرانی ضروری تھی اور ان کے تحت اُصول، غصے والا لہجہ اور بارُعب شخصیت ہی تھی جس کی وجہ سے یہ کالج اتنی کامیابی سے ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا تھا اور دن دگنی رات چوگنی شہرت حاصل کر رہا تھا۔ سٹوڈنٹس جتنی مرضی شرارتیں کرتے، پروفیسرز کی یہ بھرپور کوشش ہوتی کہ پرنسپل تک کوئی بات نہ پہنچے۔ اگر کسی نے شکایت کرنی بھی ہوتی تو بس ٹیچرز تک ہی حد تھی یا زیادہ سے زیادہ رسائی ہوتی تو وائس پرنسپل تک۔ اس سے آگے کا علاقہ بچوں اور بڑوں کی پہنچ سے دور ہی تصور کیا جاتا کیونکہ اسی میں سب کی بھلائی تھی۔ پرنسپل سر تک کوئی شکایت لے کر نہ جاتا۔ اُن کے سامنے جانا اپنی شامت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ انہوں نے عجب وکیلوں جیسا دماغ پایا تھا۔ ایسے ایسے سوال کرتے اور جوابوں سے سوال نکالتے کہ بندہ خود کو مجرم سمجھنے لگتا۔ پروفیسرز نازک مسائل کو بھی وائس پرنسپل کے ساتھ مل کر حل کر لیتے کیونکہ پرنسپل صاحب کو اگر بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ ایسے سٹوڈنٹ کو فوراً سے پہلے کالج سے نکال باہر کرتے۔ اور یہی نہیں پورے پانچ سال تک کسی بھی کالج میں داخلہ لینے کا نااہل قرار دے دیتے۔ اور اس کالج سے کسی بھی سٹوڈنٹ کے بارے میں فراہم کردہ انفارمیشن کو پتھر پر لکیر سمجھا

جاتا تھا۔ ملک بھر کے ٹاپ کالجز کے علاوہ دنیا کے بہترین کالجز میں شمار ہوتا تھا اس کالج کا۔ اس لیے پروفیسرز ایسی کوئی بھی بات پرنسپل تک پہنچنے سے پہلے ہی سنبھال لیتے۔ اُن کا خیال تھا یہ تو عمر ہی ایسی ہوتی ہے پر بچوں کا مستقبل کیوں خراب ہو اور انوشے کا کہنا تھا کہ اسی وجہ سے ایسے دل پھینک لڑکوں کو ہمت ہوتی ہے فضولیات پھیلانے کی۔

"مجھے کم از کم آپ جیسی اسٹوڈنٹ سے اس قسم کی لاپرواہی کی توقع ہرگز نہ تھی انوشے!"

پرنسپل کی غصے سے کھولتی آواز پر وہ ہوش کی دُنیا میں لوٹی۔

"اوہ!...... میرے خدا!...... میں نے تو خود اوکھلی میں سر دے لیا ہے...... بچا لینا اللہ جی!" انوشے نے آسمان کی طرف دیکھ کر دُعا کی۔

"آپ کی جگہ کوئی اور سٹوڈنٹ ہوتا تو میں ایک سیکنڈ بھی نہ لگاتا اُسے کالج سے نکالنے میں۔"

انوشے کا تو پتا نہیں پر مشی کی تو بس بے ہوش ہو کر گرنے کی کسر رہ گئی تھی۔ وہ تو شاید اب تک گر چکی ہوتی پر پرنسپل سر کھڑے ہیں ان کے سامنے یہ گستاخی کیسے کر سکتی تھی۔

"بس انوشے میں آپ سے بات کر رہا ہوں......"

پرنسپل سر دھاڑے تو نہ صرف انوشے بلکہ پاس کھڑے ٹیچرز بھی کانپ گئے۔

"آئی...... آئی ایم سوری پرنسپل سر!(I am sorry Principal Sir...!)"

انوشے بمشکل کہہ پائی تھی۔ اسے شروع ہی سے ڈانٹ کھا کر بہت رونا آیا کرتا تھا۔ کوئی اُس سے اونچی آواز میں بات بھی کرتا تو آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک آیا کرتے تھے...... اور آج تو سامنا بھی پرنسپل سر کے غصے سے تھا۔

"آپ فوراً میرے آفس میں آیئے۔"

وہ حکم صادر کر کے آگے بڑھ گئے۔ انوشے نے مشی اور ٹیچرز کی طرف دیکھا۔

"ڈونٹ وری بیٹا ہم بات کرتے ہیں۔"

سر عرفان نے اسے حوصلہ دینا چاہا۔

"Thank you سر پر مجھے فی الحال خود ہینڈل کرنے دیجئے"

وہ اُلٹے ہاتھ سے آنسو صاف کرتی آگے بڑھ گئی...... مشی سوچنے لگی کہ مجھے گھر فون کر دینا چاہیے کہ انوشے کے کفن دفن کا انتظام کر لیں کیونکہ بچ تو وہ سکتی نہیں اب...... اور اگر بالفرض یہ انہونی ہو بھی گئی تو کفن کی ضرورت تو تب بھی پڑے گی کیوں کہ انوشے نے اُس سلیم کو نہیں چھوڑنا۔ جب انوشے آفس میں داخل ہوئی تو پرنسپل سر فون پر مصروف تھے۔

"آج میرے ساتھ انسپکشن ٹیم (Inspection Team) راؤنڈ لینے والی تھی پر کسی وجہ سے

وہ لوگ آ نہیں سکے۔ جیسے وہ بکے میرے سامنے آ کھڑا اگر وہ لوگ ساتھ ہوتے تو کیا امپریشن پڑتا ہمارے کالج کا اُن پر۔ ایسی ہے ہمارے کالج کی تربیت.....؟ دیکھئے کبیر صاحب! انوشے آپ کی بچی ہے اور میرے کالج کی سب سے ہونہار سٹوڈنٹ۔ اس کے اس لاپرواہ رویے پر مجھے دلی دُکھ ہوا ہے۔ ہماری دوستی اپنی جگہ مگر بچوں کی تربیت اور کالج کی ریپوٹیشن اپنی جگہ"

جیسے ہی اُن کی نظر انوشے پر پڑی انہوں نے بات ختم کی۔

"اچھا! میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ اللہ حافظ!"

پرنسپل نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"توبہ ہے..... پرنسپل سر کی سردس کتنی ایکنو ہے۔ اتنی جلدی پاپا کو بھی بتا دیا..... آج کا تو دن ہی بُرا ہے..... اگر میں بچ گئی تو تمہیں تو چھوڑوں گی نہیں منحوس سلیم کے بچے....."

انوشے سوچتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"جی تو انوشے.....! میں آپ سے اس لاپروائی کی وجہ جان سکتا ہوں.....؟"

پرنسپل سر فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی جان ہوا ہو گئی۔

"یہ کالج ہے..... اس کے کچھ رولز (Rules) ہیں جن کو نظر انداز کرنے کا حق میں کسی کو بھی نہیں دے سکتا، آپ کو بھی نہیں..... آپ اس ادارے کی ایک قابل سٹوڈنٹ ہیں۔ اس لیے آپ کو اپنی صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے..... آپ کے والد میرے جگری دوست ہیں اس کا فائدہ آپ اٹھائیں..... آپ کے والد بھی نہیں چاہتے۔"

"نو سر! میں خود بھی ایسا نہیں چاہتی..... آئی ایم ریئلی ویری سوری" (I am really very sorry)

اس کے یوں بے ساختہ کہنے پر باوجود غصے کے بھی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر پھیل گئی جسے چھپانے کے لئے وہ اُٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

انوشے ان کے عزیز دوست کی عزیز بیٹی تھی..... اتنی سختی تو ضروری تھی کہ وہ اُپنے اصولوں کے ساتھ سمجھوتے کے قائل نہ تھے۔ اور انوشے نے آج سے پہلے کبھی شکایت کا موقع بھی تو نہ دیا تھا۔ وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کالج میں جگہ جگہ نالتو چیزیں پھینکنے کے لئے ڈسٹ بن بنائے گئے ہیں۔ آپ ان کو استعمال کیجئے گا جب بھی خوبصورت پھول پھینکنے ہوں انڈر سٹینڈ.....؟ (Understand)

انوشے نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا تو وہ واپس اپنی کرسی کی طرف آتے ہوئے نرم لہجے میں بولے۔

"اب آپ اپنی کلاس لیجئے جا کر..... اور آئندہ بھی ایسا نہ ہو..... محتاط رہیے گا۔ اگلی بار معافی کی گنجائش نہیں ہوگی۔"

اور وہ حیرانی سے شکریہ کہہ کر انہیں دیکھتی باہر آ گئی۔ مشی اسے صحیح سلامت مسکراتی ہوئی باہر آتے دیکھ کر اس کی طرف بھاگی۔

"ہیں.....؟ تم مسکراتی ہوئی باہر آئی ہو۔ نہ چہرے پر پریشانی نہ غصہ اور تو اور آنکھیں بھی نم نہیں..... میں تو ایمبولینس منگوانے والی تھی پر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ لگ رہا ہے۔ مشی نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔

"وہ تو تم منگوا ہی لو..... آخر اُن حضرت کو بھی تو ضرورت پڑتی ہے جن کے بکے کی وجہ سے سارا ہنگامہ ہوا ہے....."

انوشے ہاتھ ملتی ہوئی کلاس روم کی طرف چل دی۔ سلیم انہیں دیکھتے ہی اس طرف لپکا۔

"انوشے آپ ٹھیک تو ہیں.....؟ پرنسپل سر نے کچھ کہا تو نہیں..... مجھے پتا تھا کہ وہ بکے اُن کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں بہت پریشان ہو گیا تھا....."

وہ واقعی گھبرایا ہوا تھا۔ مشی کو اُس کی موجودہ حالت اور متوقع ردعمل ہونے والے حشر کا سوچ کر اُس پر ترس آ رہا تھا۔

"ارے..... نہیں! نہیں! پریشانی والی کوئی بات ہی نہیں..... پرنسپل سر تو بہت خوش تھے۔"

"اچھا.....؟ پر مجھے تو پتا چلا انہوں نے آپ کو ڈانٹا..... معاف کیجئے گا میری وجہ سے آپ کو....."

"اوہ..... نہیں سلیم جی! آپ معافی کیوں مانگ رہے ہیں جبکہ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی..... اصل معاملہ تو پرنسپل کے آفس میں کھل کر سامنے آیا جب انہوں نے مجھ سے کہا۔ وہاں سب کے سامنے مجھے آپ کو ڈانٹنا پڑا بیٹا!..... پر حقیقت یہ ہے کہ مجھے بکے بہت پسند آیا تھا۔ غصہ تو مجھے اس بات پر تھا کہ مجھے اتنا خوبصورت بکے کیوں نہیں ملتا، اپنی بیوی کو دینے کے لئے....."

"اچھا.....؟ کیا ایسا کہا انہوں نے.....؟"

"ہاں!..... وہ تو مجھ سے شاپ کا پتہ پوچھ رہے تھے۔ پر میں نے بتایا کہ مجھے کسی نے دیا ہے یہ بکے۔"

"آپ بتا دیتیں ناں سلیم نے دیا ہے..... میں ایسا کرتا ہوں ایسا ہی ایک بکے سر کو لا دیتا ہوں اور شاپ بھی بتا دوں گا تاکہ اُن کو جب ضرورت پڑے وہاں سے لے لیا کریں۔"

"ہاں! ہاں!..... بہت اچھی بات ہے..... لگے ہاتھ یہ بھی بتا دینا کہ مجھے وہ بکے تم نے دیا تھا۔"

انوشے نے اسے اور پمپ کیا اور ہاتھ کو ہوا میں لہرا کر Good bye کا اشارہ کیا۔

وہ بے وقوف چلا گیا تو انوشے کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ارے!..... انوشے کیوں اس بے چارے کو مروانا ہے.....''

''اس کی دُرگت بننے دو!..... ماں باپ نے اس کا نام سلیم کیا رکھ دیا۔ خود کو شہزادہ سلیم سمجھنے لگا ہے''

وہ آنے والے تماشے کو سوچ کر ابھی سے مزہ لے رہی تھی۔

''اور اگر اس نے ایسا بول دیا کہ یہ سب تم نے اُس سے کہا ہے تو؟''

''بولنے لائق پرنسپل سر چھوڑیں گے تب بولے گا ناں.....!''

وہ لاپروائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''بی بی جی..... بی بی جی.....!''

''بی بی جی.....'' نازو کی آواز اسے حال میں واپس لے آئی۔

''آں..... ہاں..... بولو نازو!''

''بی بی جی! آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاؤں.....؟ کتنی مرتبہ آپ کو بلانے آئی پر ہمت نہ ہوئی۔ صاحب بھی کب کے آفس چلے گئے۔ انہوں نے آپ کا پوچھا بھی نہیں پر بی بی جی مجھے لگا تھا کہ اُن کی نگاہیں آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں.....''

''میں کچھ نہیں کھاؤں گی تم..... تم صرف ایک گلاس دودھ دے جاؤ۔ سر میں کچھ درد محسوس ہو رہا ہے بھاری بھاری لگ رہا ہے۔''

انوشے نے بات بدلی تھی۔

''پر بی بی جی کھانا..... آپ نے تو کل دوپہر سے.....''

''نہیں نازو! مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے..... میں نے آپ کے کمرے کا اے سی آن کر دیا ہے۔ میں دودھ لاتی ہوں آپ پی کر سو جائیں۔ رات بھی جاگتی رہی ہیں صاحب کی پریشانی میں..... نیند پوری نہیں ہوئی ناں اس لئے ایسا ہو رہا ہے۔''

نازو پریشانی سے اسے دیکھتی ہوئی چلی گئی..... انوشے کو بھی اب کچھ گرمی کا احساس ہوا۔ ٹائم دیکھا تو 12:35 ہو رہے تھے۔

''اوہ..... اتنا وقت ہو گیا مجھے علم ہی نہ ہوا''

وہ سوچتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

''درست کہتے ہیں لوگ اچھا وقت جلدی گزر جاتا ہے۔''

کمرے میں آئی تو ٹھنڈے سے احساس نے اسے چھو لیا..... ذہن جو حال کی سچائی سے جلنے لگا تھا، ایکدم جیسے بادلوں کی زد میں آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر ہیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

''پتا نہیں صاحب کیوں ہر وقت خود بھی تکلیف میں رہتے ہیں اور بی بی جی کو بھی پریشان رکھتے ہیں.....''

نازو دودھ لے کر آئی تو آنکھیں بند کیے نیم دراز انوشے کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

''بی بی جی دودھ.....!''

اس نے آہستہ سے کہا۔

''رکھ دو نازو!''

انوشے نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔ نازو نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر واپس چلی گئی۔

''صاحب نے آپ کا پوچھا تو نہیں پر اُن کی آنکھیں آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔''

نازو کی آواز کی بازگشت جیسے اسے ہر طرف محسوس ہونے لگی تھی۔ سر میں درد کی ایک ٹیس سی اُٹھی تھی..... اس نے اُٹھ کر دودھ پیا اور لیٹ گئی۔ ٹھنڈا دودھ پینے سے کچھ سکون ملا۔ اس نے سونے کی کوشش میں آنکھیں موند لیں۔ نیند تو نہ آئی بلکہ ماضی پھر اچھے دوست کی طرح ملنے چلا آیا..... اور اس کی بند آنکھوں کے سامنے جیسے ایک ریل (Reel) سی چلنے لگی۔ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اور مشی کینٹین میں بیٹھی تھیں کہ آریان بھی ان کے پاس چلا آیا۔ آریان کلاس کا وہ واحد لڑکا تھا جس سے انوشے نہ صرف اچھی طرح بات کرتی تھی بلکہ وہ اس کا بہت اچھا دوست بھی تھا۔ پورے کالج میں انوشے کے دو ہی دوست تھے۔ ایک مشی اور دوسرا آریان۔

آریان سے بھی انوشے نے بہت سوچ سمجھ کر دوستی کی تھی۔ اس کے علاوہ اُسے وہ واحد لڑکا ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا جس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں خود انوشے کبیر نے پہل کی تھی۔ کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اسے لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز ہے۔ انوشے کی طرح وہ بھی محبت اور محبت کرنے والوں کے خلاف بولتے نہ تھکتا تھا۔ اس کی بھی انوشے کی طرح اولین ترجیح اس کا فیوچر تھا۔ ''محبت تو ساری عمر کرنی ہے پر پہلے خود کو اس قابل تو کر لیں۔'' آریان اکثر کہا کرتا تھا اور انوشے پُرزور اس کے اس نظریے کی تائید کیا کرتی اور اس کی حمایت میں بولا کرتی۔

آریان پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ والد صاحب حیات نہیں تھے۔ سب سے بڑا اور اکلوتا ہونے کی وجہ سے تمام ذمہ داریاں اس نے اٹھا رکھی تھیں اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ ایسا کرتا رہتا جس سے وہ کم از کم اپنی ضروریات اور پڑھائی کا خرچ اُٹھا لیتا۔ باقی بہنوں کی پڑھائی اور گھر کے دوسرے اخراجات جیسے تیسے والد صاحب کی پنشن سے پورے ہو رہے تھے۔ اور جو کمی رہتی وہ ماں ہر مہینے کچھ پیسے بینک سے نکلوا لیتی تھیں۔ والد فوجی تھے جو ریٹائرمنٹ سے دو ہفتے بعد ہی ہارٹ اٹیک میں چل بسے۔ والد صاحب نے اپنے بچوں کے لئے کچھ کم نہیں بچایا تھا پھر بھی ہر ماہ جب کچھ رقم نکلے تو خزانے بھی ختم ہونے پر آ جاتے ہیں۔ اور اسی بات کی پریشانی ہر وقت آریان کے ذہن پر سوار رہتی۔ گاہوں میں زمین تھی جس کو بنی الحال انہوں نے بھلا رکھا تھا کیونکہ وہ بہنوں کی شادیوں میں کام آنی تھی۔ وہ اپنی تمام تر توجہ اپنی پڑھائی پر مرکوز رکھتا۔ مگر آنے والے وقت کا ڈر ہر لمحہ اس کے سر پر لٹکتے سانپ کی طرح منڈلاتا رہتا۔ ایسے میں وہ خود کو اور زیادہ کتابوں میں گم کرنے کی کوشش کرتا۔ محبت، عیاشی کے لئے اس کے پاس وقت تھا نہ پیسہ۔ اُسے تو آگے جانا تھا۔ آگے بہت آگے۔ اس کی آواز بہت خوبصورت اور پُرکشش تھی۔ انوشے اسے ہمیشہ کہتی "تم سنگر (Singer) بن جاؤ..... مجھے یقین ہے آریان ایک دن تم پوری دُنیا پر چھا جاؤ گے۔ تمہاری آواز لوگوں کو اپنا اسیر کر لے گی..... پر سنو..... پھر تم ہمیں بھول مت جانا اور دھیان سے سن لو..... تمہارا پہلا آٹوگراف صرف میرے لیے ہوگا....."

وہ وقتاً فوقتاً اسے سنگنگ کا مشورہ دیتی رہتی..... اور وہ سن کر کہتا "تم آٹوگراف کی بات کرتی ہو، میں تو اپنا پہلا گانا بھی صرف تمہارے لیے گاؤں گا کیونکہ تم وہ واحد ہو جو میرا حوصلہ بڑھاتی ہو اور تمہارے یوں کہنے پر مجھے واقعی لگتا ہے کہ میرا فیوچر برائٹ ہے۔ اسی اُمید پر میں ثابت قدم ہوں..... ایک دن تمہارا کہا ہر ہر لفظ سچ ہوگا....." وہ آنکھوں میں مستقبل دیکھ کر کہتا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگتیں..... تو انوشے اور مشی سچے دل سے اس کی کامیابی کی دُعا کرتیں..... انوشے ایسے سچے کردار اور شفاف دل والے لوگوں کو ایک قیمتی اثاثہ سمجھتی تھی۔ اس لئے وہ آریان کی دل سے قدر کرتی تھی۔ آریان کو اپنے ٹیبل کی طرف آتا دیکھ کر، مسکرا دی۔

"آؤ آریان..... تم بھی ہمیں جوائن کرو..... کالج والوں نے جو نیا ہیڈ شیف رکھا ہے کیا لذیذ شوارے اور سینڈوچ بناتا ہے اور برگر کا تو جواب ہی نہیں..... اب تو بڑے بڑے ہوٹلز کو ٹکر دینے کے قابل ہو گئی ہے ہمارے کالج کی کینٹین....."

انوشے نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا تو آریان مسکرا دیا اور شکریہ کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ کتاب سائیڈ پر رکھی اور انوشے کے سامنے رکھی ہوئی کولڈ ڈرنک اٹھا کر پینے لگا۔

"ارے..... ارے"

وہ حیران ہوئی۔ جبکہ اُس نے آدھی پی چکنے کے بعد اس کی ارے، ارے کا نوٹس لیا۔

"ایکچوئلی (Actually) مجھے بہت پیاس لگی ہے اور تم نے ابھی شروع بھی تو نہیں کی تھی اس لیے سوری..... میں تمہارے لیے اور لا دیتا ہوں" وہ اُٹھنے لگا تو اس نے روک دیا۔

"رکو میں لے آتی ہوں تم بیٹھ کر پیو آرام سے" وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

"پر..... انوشے..... سنو.....!"

اس نے جاتی ہوئی انوشے کو روکنا چاہا۔

"جانے بھی دو ناں آریان! دوست کی ہر چیز پر دوسرے دوست کا حق ہوتا ہے۔"

مشی نے اس کے تکلفانہ انداز پر کہا تو وہ دوبارہ گھونٹ لے کر بولا۔

"ہونہہ!..... دوست! آتے ہوئے پوچھا تک نہیں کہ کینٹین چلو گے۔"

"تم خود ہی تو کلاس ختم ہوتے ہی لائبریری بھاگ گئے جیسے، ہاں کسی کو نائم دیا ہو۔"

مشی نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"ہاں تو اس نے دیا ہوتا ہے ناں! نائم کتابوں کو..... تمہیں علم نہیں کہ اگر آریان تھوڑا سا بھی لیٹ ہو جائے تو کتابیں شیلفز سے باہر ہو ہو کر جھانکتی ہیں۔"

انوشے نے واپس آتے ہی ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔ اس کے ہاتھ میں دو کولڈ ڈرنکس تھیں۔ ایک اس نے بیٹھتے ہوئے آریان کے آگے رکھ دی جو پہلی خالی کر چکا تھا اور دوسری خود کھولتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"تھینکس! پہلے بھی میں نے تمہاری لے لی تھی۔"

"تھینک یو کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم میرے ساتھ انسانوں کی طرح پیش آتے رہو گے تب تک Most welcome....."

وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس دیا۔

"ویسے بھی تمہیں بہت پیاس لگی تھی ناں۔ اس لیے لائی ہوں۔"

انوشے نے وضاحت کی تو مشی اور آریان پھر ہنس دیے۔

"ویسے میں کبھی کبھی بہت حیران ہوتا ہوں انوشے کہ تم اتنی بڑی بڑی باتیں بھی کتنی آسانی کے ساتھ کر لیتی ہو....."

بڑے بڑے کام بھی..... جیسے کل اُس بے چارے سلیم کی ذرگت بنوائی۔ بے چارہ تھا بھی اتنا ڈرپوک..... پرنسپل سر کے غصے پر ہی بے ہوش ہو کر گر گیا..... اور دو گھنٹے بعد ہوش میں

آیا..... مشی نے آریان کی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

''اور پتا ہے آریان..... اس ڈر سے کہ کالج سے نکال دینے پر اُسے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے یا قومہ میں نہ چلا جائے..... پرنسپل سر نے اُسے کالج سے نہیں نکالا اور آئندہ ایسی کسی بھی حرکت سے گریز اور پرہیز کرنے کی شرط پر معاف کر دیا ہے..... ایسا پہلی بار ہوا کہ پرنسپل سر نے کسی کو معاف کیا۔''

''اوہ..... گاڈ!..... میں نے کل چھٹی کیا کر لی اپنے کالج کی تاریخ میں اتنا بڑا واقعہ رونما ہو گیا۔''

''تاریخ.....؟ ابھی کل کی ہی تو بات ہے۔''

مشی نے کہا۔

''بھئی کافی زیادہ کل جمع کر کے ہی تو تاریخ وجود میں آتی ہے۔''

آریان نے بھی وضاحت کی۔

''ویسے انوشے اگر کبھی یونہی..... روز ڈے (Rose Day) پر یا کسی اور موقع پر یا کبھی ایسے ہی بے موقع میرا دل کرے تمہیں پھول دینے کو تو اس سلیم کے انجام سے عبرت ضرور حاصل کروں گا۔''

آریان نے شرارتاً کہا تو مشی اور انوشے دونوں ہنس دیں۔

''نہیں آریان! اُس کے ساتھ میں نے ایسا اس وجہ سے نہیں کیا کہ اُس نے مجھے پھول دیے بلکہ وجہ تو یہ تھی کہ اُس نے جس نیت سے پھول دیے وہ قابل گرفت تھی۔''

''ویسے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے، تم دوست ہو اپنے.....''

انوشے بھی شرارتاً بولی تھی اور آریان مسکرا دیا۔

''دیکھنا جلد ہی تمہیں میرے قتل کی خبر ملے گی اور میری ڈیڈ باڈی کا کسی کو سراغ بھی نہیں ملے گا۔''

وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے''

انوشے اور مشی بیک وقت بولی تھیں۔

''یہ کیا بات ہوئی آریان! سوچ سمجھ کر بولا کرو.....''

انوشے نے خفت سے اسے دیکھا جبکہ مشی آریان کے چہرے پر بکھری شرارتی مسکراہٹ کو دیکھ کر اس کی چھیڑ چھاڑ سمجھ گئی۔

''اور ایسا صرف اس کالج کے بخنوں ہی کر سکتے ہیں۔''

مشی کے کہنے پر آریان نے قہقہہ لگایا۔

''آریان! بچ کر رہا کرو..... تم ان چند لوگوں میں سے ہو جن پر ہماری انوشے کی بجلی نہیں گرتی۔''

مشی کی بات سے انوشے کو آریان کی بات کا مطلب سمجھ میں آ گیا۔

''تو اب تم بھی مذاق کرو گے اس کے ساتھ مل کر.....''

انوشے نے آریان کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ ہنستا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چل دیے..... کلاس میں تو ابھی ٹائم ہے۔'' مشی نے پوچھا۔

''بھوک نہیں لگی تم لوگوں کو یا صرف کولڈ ڈرنکس پر ہی گزارہ کرنا ہے؟''..... آریان مسکرایا۔

''میرے لیے تو ایک شوارما آرڈر کر دینا۔'' مشی نے کہا۔

''اور تم انوشے.....؟'' آریان نے پوچھا۔

''جو تم چاہو..... ویسے تمہارے آنے سے پہلے میں ایک عدد برگر کھا چکی ہوں۔''

وہ مسکرا کر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو ویٹر اس کے ساتھ تھا۔ یہاں رکھ دو۔ آریان نے چیزیں میز پر رکھوائیں۔ ویٹر جانے لگا تو آریان بولا:

''ٹیبل پر کیچپ نہیں ہے۔''

''جی میں لا دیتا ہوں''..... وہ چلا گیا۔

''ہاں تو گرلز کیا خیال ہے ٹوٹ پڑیں.....؟''

''ہاں! ہاں!..... بالکل''

وہ دونوں بھی ہنستی ہوئی بولی تھیں۔

''ویسے ایک اور نیوز ہے جس کا تم لوگوں نے ذکر نہیں کیا۔ اس کا مطلب تمہارے علم میں نہیں ہے۔''

آریان نے کہا تھا۔ وہ دونوں متوجہ ہوئیں۔

''خبر یہ ہے کہ اکاؤنٹس کے نئے لیکچرر آئے ہیں آج ہی..... کیا بھلا سا نام ہے اُن کا..... ہاں یاد آیا..... ہارون..... ہارون درانی..... سنا ہے بہت قابل ہیں۔''

''ہاں تو قابل ہیں تو اس کالج میں لیکچرارشپ کے لئے منتخب ہوئے ہیں ورنہ پرنسپل سر کی نظروں میں قابل ٹھہرنا کوئی آسان کام ہے کیا؟''

انوشے نے بھی تبصرہ کیا۔

''سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ اسی سال پڑھائی مکمل کی ہے۔ کافی ذہین ہیں اور ان کا شاندار اکیڈمک ریکارڈ ہی ہے جو انہیں لیکچرار بنایا گیا ہے۔ اور پتا ہے محترم صرف 25 سال کے ہیں یعنی مجھ سے صرف دو سال بڑے۔''

آریان نے مزے سے بتایا۔ مشی کے گلے میں تو نوالا ہی اٹک گیا۔ انوشے بھی ایک پل کے لئے چونکی۔

''اتنی کم عمر اور بغیر کسی تجربے کے اتنے بڑے کالج میں لیکچرارشپ..... اگر ہم اپنے پرنسپل کو نہ جانتے ہوتے تو یقیناً یہی سمجھتے کہ پیچھے کوئی تگڑی سفارش ہے۔''

''ہاں انوشے! تم درست کہتی ہو..... کچھ تو خاص بات ہوگی اُن میں جو پرنسپل سر نے اُنہیں OK کر دیا۔ یقیناً وہ کالج کے حوالے سے کسی طرح کا کمپرومائز نہیں کرتے۔''

آریان نے بھی انوشے کی تائید کی۔

''واہ..... کتنا اچھا لگتا ہے ناں!..... اتنے ینگ ٹیچرز ہوں تو''

مشی تو بس اسی سے خوش تھی۔ اس کی بات پر انوشے بولی۔

''چھوڑو بھی مشی!..... مجھے تو حیرت ہے کیا دن آ گئے ہیں۔ ٹیچر اور سٹوڈنٹ کا پتا ہی نہیں چلتا۔ اتنے کم عمر ٹیچرز نہیں ہونے چاہئیں۔'' انوشے کو اعتراض ہوا تھا۔

''اچھا تو پھر بتا دو کتنی عمر کے ہونے چاہئیں؟'' مشی نے چڑ کر کہا۔

''کم از کم اتنی عمر میں ٹیچر لگنے پر تو دفع لگنی چاہئے۔ بھلا کیا بات ہوئی کہ اُستاد کو تعارف کروانا پڑے کہ میں اُستاد ہوں..... ٹیچرز کی عمر تو چالیس سال سے شروع ہونی چاہئے۔ پتا تو چلے کہ روحانی ماں باپ ہیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی کے اُتار چڑھاؤ کا تجربہ بھی ہے۔ تب ہی تو وہ نئی نسل کو اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں تربیت دیں گے تو ایسی صورت میں نئی نسل کے بگڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔''

انوشے نے وضاحت کی..... جس سے مشی قطعی متفق نہ تھی۔

''بالکل غلط!..... چالیس سال سے عمر شروع ہو تو وہ کلاس میں چھڑی کے سہارے چلتے ہوئے آئیں، موٹے شیشوں والی عینک سے Debit کو Death پڑھائیں اور ایک لائن پڑھا کر دو گلاس پانی پئیں۔ کانپتے ہوئے آئیں اور ہانپتے ہوئے جائیں..... سمیسٹر ابھی آدھا ہی ہوا ہو اور ان کے انتقال کی خبر ہمیں ملے..... ہے ناں.....؟''

مشی نے اتنے مزے کا نقشہ کھینچا کہ انوشے کی ہنسی نکل گئی۔ جبکہ آریان تو ہنستے ہنستے سرخ ہو رہا تھا۔ یہ تو دونوں ہی جانتے تھے کہ مشی کو ینگ ٹیچرز بہت پسند تھے۔ اسے بہت اچھا لگتا تھا جب اس کی کزنز اس کے ٹیچرز کو دیکھتیں اور کہا کرتیں۔

''ہائے..... مشی یہ کتنا ہینڈسم ہے! ٹیچر تو لگتا ہی نہیں..... یہ واقعی تم لوگوں کو پڑھاتا ہے؟''

تو ایسے میں مشی کو بہت خوشی ہوتی۔ اسے اب سر ہارون درانی کو دیکھنے کی جلدی تھی

جبکہ اکاؤنٹس کا پیریڈ ابھی ایک دن بعد تھا..... اس کی بے قراری اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ انوشے اور آریان اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''ہاں!..... نئی سوچ، نیا جوش، ینگ جنریشن اور ینگ ٹیچرز کیا پرفیکٹ کمبی نیشن ہے۔''

آریان نے بھی حامی بھری تو مشی خوش ہو گئی۔

''بالکل!..... وہ مسکرائی''

ہماری عمر کے ٹیچرز ہمیں بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، ہماری سوچ پڑھ سکتے ہیں اور اُن سے ہم بھی آسانی سے ہر بات شیئر کر سکتے ہیں..... جو ایج ڈفرنس اور جنریشن گیپ کی وجہ سے ہم اپنے ایجڈ ٹیچرز سے نہیں کر سکتے۔'' مشی نے وضاحت دی۔

''OK گائیز!..... کلاس شروع ہونے میں ابھی پندرہ منٹ ہیں۔ مجھے لائبریری جانا تھا۔ باتوں باتوں میں یہاں کافی وقت ہو گیا۔ پتا ہی نہیں چلا۔''

انوشے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم میں سے کسی کو آنا ہے تو آ جاؤ!'' اس نے ان دونوں کو دیکھا۔

''میں تو وہیں سے آیا تھا۔ اب تو کلاس میں ہی جاؤں گا..... تم پندرہ منٹ میں وہاں کیا کر لوگی.....؟'' آریان نے پوچھا۔

''مجھے بس ایک بک ہی تو ایشو کروانی ہے ہو جائے گی۔'' انوشے نے کہا۔

''میں چلتی ہوں انوشے! مجھے یہ افسانہ واپس کرنا ہے..... مما نے منگوایا تھا..... آج آخری تاریخ ہے ورنہ فائین ہو جائے گا..... تم چلو میں یہ ختم کر کے آتی ہوں۔''

مشی بھی جلدی جلدی شوارما کھاتی ہوئی بولی۔

''OK! آریان تو پھر کلاس میں ملتے ہیں۔'' انوشے کینٹین سے نکل گئی۔

ابھی وہ لائبریری تک نہیں پہنچی تھی کہ مشی بھی بھاگتی ہوئی آ گئی۔

''تم نے پے منٹ (Payment) کر دی تھی.....؟''

انوشے نے پوچھا۔

''آریان نے کر دی..... میں نے کہا بھی پر وہ ناراض ہونے لگا۔''

''انوشے! آریان اچھا ہے ناں..... اور مخلص بھی.....''

''ہاں مشی وہ بہت خوددار ہے..... میں نے کولڈ ڈرنک کیا پلا دی اُس نے تو لنچ کروا دیا۔''

انوشے نے ہامی بھری، پتا ہے وہ کہہ رہا تھا'' آج کھانا لو کل کو اگر میری جیب خالی ہوئی تو گلہ مت کرنا کہ دوست نے کچھ آفر نہیں کی۔'' انوشے مسکراتی ہوئی سن رہی تھی۔

"تم درست کہتی ہو..... آریان جیسے لوگ بہت نایاب ہوتے ہیں....."

*****

مشی تو کتاب واپس کرتے ہی چلی گئی جبکہ انوشے کو مطلوبہ کتاب تلاش کرنے میں کچھ وقت لگا۔ وہ انگلش ناول بہت شوق سے پڑھا کرتی تھی۔ اس کے دو فائدے تھے..... ایک تو اس کی انگلش امپرود (Improve) ہوگئی تھی دوسرا فارغ وقت میں وہ بوریت سے بچ جاتی تھی۔ ابھی کل ہی اسے ولی بھائی نے بتایا تھا کہ..... جانسن ڈیول کا نیا ناول آیا ہے تم ضرور پڑھنا انوشے..... بہت کمال لکھا گیا ہے..... وہ وہی ڈھونڈ رہی تھی آخر مل ہی گیا..... وہ بک اور کارڈ لیے لائبریرین کے آفس آ گئی۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام! انوشے بیٹا کیسی ہیں.....؟"

تقریباً 45 سال کے صحت مند سے لائبریرین نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا اور مسکرا کر پوچھنے لگے۔

"اتنے دن آپ نظر ہی نہیں آئیں..... لائبریری تو اداس ہوگئی تھی۔"

وہ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے کیونکہ کتابیں پڑھنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ویسے بھی وہ وقتاً فوقتاً کافی کتابیں ایشو کرواتی رہتی تھی۔ کبھی نوٹس بنانے کے لئے سٹڈی سے ریلیٹڈ بکس تو کبھی آریان اور وہ نیوز پیپر میں کالم لکھنے کے لئے مختلف ٹاپکس پر کئی کتابیں ایشو کرواتے رہتے تھے۔ لائبریرین بھی ان سے بہت تعاون کرتے تھے۔ اور جب کبھی فارغ ہوتے تو خود ان کے ساتھ مل کر کالم لکھواتے۔ کوئی نئی انفارمیٹو کتاب آتی تو انہیں ضرور بتاتے۔

"جی سر! کچھ مصروف رہی تھی۔ وہ بھی مسکرائی....."

"آریان آیا تھا آج لائبریری..... کوئی بات نہیں ہوئی اس سے..... آرٹس ڈیپارٹمنٹ کے ٹیچرز کچھ کتابوں کا کہہ رہے تھے جو یہاں ہونی چاہئیں۔ میں ادھر مصروف رہا..... بس ایک کتاب کا بتانا تھا اسے اور آپ کو۔"

لائبریرین نے بتاتے ہوئے اشارے سے کتاب مانگی جسے وہ ایشو کروانا چاہ رہی تھی۔ انوشے نے کتاب اور لائبریری کارڈ ان کو پکڑایا۔

"Very good بیٹا! یہ تو وہی کتاب ہے جس کے بارے میں، میں بتا رہا تھا..... وہ خوش ہو کر بولے۔ اسے آئے ہوئے دو دن ہوئے ہیں۔ بہت فائدہ مند ہوگی تم جیسے سٹوڈنٹس کے لئے۔ آریان کو بھی کہنا اسے ضرور پڑھے۔"

"جی سر"..... وہ مسکرانے لگی۔

تب ہی میز پر پڑے فون کی گھنٹی بجی۔

"ایکسکیوز می بیٹا!"

لائبریرین فون اُٹھانے لگے تو انوشے بولی "سر آپ میرا لائبریری کارڈ رکھ لیجئے۔ میری کلاس کا ٹائم ہوگیا ہے..... فارمیلٹیز میں آ کر پوری کر دوں گی۔"

انوشے کتاب اٹھاتی ہوئی بولی اور اپنا کارڈ انہیں پکڑایا۔

"انوشے بیٹا! آپ کہہ رہی ہو اس لیے مان جاتا ہوں..... ورنہ آج کل کسی کا کیا بھروسہ؟"

"سر!..... آپ چاہیں تو کتاب رکھ لیجئے..... میں بعد میں لے لوں گی....."

انوشے مسکرائی۔

"اوہ..... نہیں بیٹا! میرا یہ مطلب نہیں تھا..... آپ جائیں میں کارڈ رکھ لیتا ہوں۔"

وہ ریسیور اُٹھاتے ہوئے بولے تو انوشے سر ہلا کر باہر آ گئی۔

"اوہ!..... صرف پانچ منٹ بچے ہیں کلاس شروع ہونے میں۔"

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

تب ہی اس کے کانوں میں آواز پڑی۔

"او..... ہیلو..... رُکو!"

وہ پیچھے سے آتی آواز کو نظر انداز کرتی آگے بڑھتی چلی گئی۔

"مجھے کوئی ایسے تھوڑا ہی پکارے گا..... ضرور کسی اور کو آواز دے رہا ہوگا....."

وہ دوبارہ گھڑی دیکھتی ہوئی اور تیز چلنے لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا یکدم اس کے پیچھے سے نکل کر بھاگتا ہوا اچانک اس کے سامنے کھڑا ہوگیا تو انوشے نے بمشکل اپنے تیزی سے اُٹھتے قدموں کو بریک لگائی..... اگر ایک سیکنڈ بھی اور لگتا تو وہ ٹکرا جاتی..... انوشے نے غصے اور حیرت سے اس سفید جینز اور لیمن کلر کی ہاف سلیوز والی شارٹ باڈی شرٹ میں، ماتھے پر سن گلاسز چڑھائے، ہاتھ میں اٹینڈنس رجسٹر تھامے بہت شان سے اپنے سامنے تن کر کھڑے اس لڑکے کو دیکھا..... ماتھے پر سن گلاسز پر بکھرے سلجھے بالوں سے بے نیاز وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ انوشے کی نظر اس کی مردانہ کلائی پر بندھی چوڑے ڈائل والی خوبصورت گھڑی پر پڑی۔ وقت کی کمی کا احساس ہوا اسے نظر انداز کر کے ایک طرف سے گزرنے کے لئے قدم اٹھائے ہی تھے کہ وہ بول پڑا۔

"سنو! مجھے کچھ کہنا ہے۔"

انوشے چونکی......اور اسے گھورتی ہوئی سوچنے لگی۔

"اچھا بھلا ایجوکیٹڈ لگتا ہے......شکل اور حلیے سے پر لڑکی سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں......ہو سکتا ہے کسی اور کو بلا رہا ہو۔"

اس خیال کی تصدیق کے لئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مگر قریب قریب وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اور جو تھے بھی وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھ ہی سے مخاطب ہے......انوشے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا......جو شاید کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ آخر وہ خود ہی بول پڑی۔

"آپ کو اگر واقعی مجھ سے کچھ کہنا ہے تو پلیز جلدی کہیے......میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے......میری کلاس شروع ہو چکی ہے۔"

"مجھے وہ بک چاہئے جو ابھی ابھی آپ نے Issue کروائی ہے۔"

اس کی بات سے انوشے پھر جی بھر کر حیران ہوئی

"وات......؟ دِس بک......؟" (What...? this book...?)

اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اسے دکھائی۔

"جی!......جی!......یہ ہی مجھے چاہئے......" اُس نے کہا تھا۔

انوشے نے پھر اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔

"کسی بھی اینگل سے ابنارمل (Abnormal) لگتا تو نہیں......تو......پھر......کہیں یہ بھی تو......لائن مارنے کی کوشش نہیں کر رہا......؟"

اس خیال کے آتے ہی انوشے کو غصہ آ گیا۔

"دیکھنے میں تو آپ "کچھ" ایجوکیٹڈ لگتے ہیں۔"

اس نے "کچھ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"پر کیا آپ کو لڑکیوں سے بات کرنا کسی نے نہیں سکھایا......؟"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑے رُعب سے کہہ رہی تھی۔ جبکہ وہ اس لڑکی کی جرأت پر جی بھر کر حیران ہوا تھا......وہ ابھی بھی کہہ رہی تھی۔

"او......ہیلو!......سنو!......رُکو!......یہ کیا طریقہ ہے؟ اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کسی کو مخاطب کرنے کے لئے......؟ خاص کر کسی لڑکی کو......؟"

اس کے سوال سے زیادہ اس کے لہجے کی چبھن سے وہ جی بھر کر شرمندہ ہوا۔

"واقعی......مجھے یوں یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئیں تھے......" اس نے خود کو سرزنش کی۔

"ایکچوئلی......مجھے آپ کے نام کا نہیں پتا تھا......" وہ آہستہ سے بولا تھا۔

"کسی بھی اجنبی کو بلانے کے لئے نام پتے کا ہونا ضروری نہیں۔"

وہ پھر تُنک بھرے لہجے میں بولی تھی۔ انوشے کی طنزیہ بات اور گستاخ لہجے پر اب مخاطب کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ابھی منہ کھولا ہی تھا کہ وہ اس معاملے میں زیادہ ایکٹو (Active) ثابت ہوئی تھی۔

آپ "مس" کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں......"ایکسکیوز می پلیز" بھی شاید اسی مقصد کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔"

وہ اس کی غلطی معاف کرنے کے موڈ میں قطعی نہ تھی۔

"آپ کو تو کسی کو مخاطب کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے......میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ یہاں تک کیسے پہنچ گئے ہیں......یہ پروفیشنل ایجوکیشن ہے جس میں ہمیں یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ اجنبی لوگوں سے کیسے بات کرتے ہیں۔ کسی بھی کام کے لئے بات کی شروعات کیسے کی جاتی ہیں۔ پر آپ تو اس کی الف، ب تک سے ناواقف لگتے ہیں۔"

"وہ اصل میں میں نیا نیا اس کالج میں......"

انوشے نے بولتے بولتے سانس لینے کا وقفہ کیا تو اس نے اس وقفے کو موقع غنیمت جانتے ہوئے اسے اپنے بارے میں بتانا چاہا مگر وہ ایک بار پھر بُری طرح ناکام ہوا تھا۔

"اچھا!......تو آپ نیو ایڈمیشن ہیں......؟ لیکن انٹری ٹیسٹ تو پاس کیا ہی ہوگا ناں!......کیونکہ سفارش تو یہاں چلتی نہیں......پرنسپل سر کالج کے معاملے میں بہت حساس (Sensitive) ہیں......وہ کسی طرح کا کمپرومائز نہیں کرتے......تو پھر آپ کو ایڈمیشن دیا کس نے......؟"

وہ ایسے پوچھ رہی تھی جیسے اُس ایڈمیشن دینے والے کو بھی اُس کی اس عظیم گستاخی کی سزا دے گی۔

"توبہ!......کتنا بولتی ہے۔"

وہ صرف اتنا ہی سوچ سکا تھا کیونکہ وہ اس کو بولنے کا موقع دینا تو دور کی بات اپنے سامنے اسے سوچنے کا موقع بھی نہ دے رہی تھی۔

"پروفیسر نے جس کام سے بھیجا ہے وہ مکمل کیجئے......کلاسز شروع ہوئے پانچ منٹ ہو چکے ہیں، وہ رجسٹر کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

بن ٹھن کے تو یوں آئے ہیں جیسے یہاں پڑھنے نہیں کسی فیشن شو میں شرکت کے لئے آئے ہوں......خواہ مخواہ میرا اتنا وقت برباد کر دیا......وہ پہلے اس کے ہاتھ میں پکڑے اٹینڈنس

رجسٹر..... پھر اس کی تیاری کو نشانہ بناتی اور آخر میں اپنے وقت کے ضیاع کا ذمہ دار بھی اسے ہی ٹھہراتی وہاں سے چل دی۔ جبکہ وہ پہلے تو غصے سے اسے جاتا دیکھتا رہا..... پھر یہ غصہ حیرت میں بدل گیا۔ بعد میں کچھ خیال آنے پر مسکراتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا۔

''ایکسکیوزمی!..... مس..... لسن ٹو می (Excuse me miss, listen to me...)

آئی وانٹ ٹو ٹاک یو.....'' (I want to talk to you...)

''بٹ آئی ریئلی ڈونٹ.....'' (But I really don't...)

انوشے نے چلتے ہوئے اتنی ہی تیزی سے جواب دیا تھا۔

''بٹ وائے.....؟ (But why...?) سوال پھر تیار تھا۔''

انوشے رکی..... اور غصے سے اس کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''بی کاز آئی ہیو آل ریڈی سیون منٹ لیٹ فار مائی کلاس.....!''

(Because I have already seven minutes late for my class...!)

''بٹ لسن..... لیٹ می ٹیل یو ون تھنگ ویری کلیئر۔''

(But listen...Let me tell you one thing very clear...)

وہ مسکراتے ہوئے اسے روکنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''OK مسٹر!..... ٹیل می..... وائس یور پرابلم.....؟؟''

(OK...Mr...tell me...what's your problem?)

وہ دانت پیستی ہوئی کوفت سے بولی تھی۔

''میرا نام ہارون ہے۔''

وہ عجیب سی شاہانہ مسکراہٹ سے بولا تھا۔ جبکہ انوشے سے اب غصہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

''کیا.....؟ آپ مجھے پچھلے کئی منٹ سے صرف اپنا نام بتانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی اس فضول گفتگو کی وجہ سے میں پورے سات منٹ لیٹ ہو چکی ہوں..... میری اتنی اہم کلاس مس (Miss) ہو رہی ہے اور آپ مجھے اپنا نام بتانے کی مشق کر رہے ہیں.....؟''

''آئی مین ٹو سے..... مائی نیم از ہارون دُرّانی اینڈ ٹوڈے از مائی فرسٹ ڈے ان کالج ایز اے۔''

(I mean to say, my name is Haroon Durrani and today is

my first day in college as a...)

''میری کلاس مس ہونے کو ہے اور ایک آپ ہیں کہ آپ کو اپنا تعارف کروانے کی پڑی ہے۔''

انوشے نے کوفت سے اس کی بات کاٹی۔

''چپ.....!! چپ کر جائیں! بہت بول لیا ہے آپ نے..... اب میں بولوں گا اور آپ سنیں گی..... جب آپ کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیں گی تو کوئی کیسے آپ کی غلط فہمی کو دور کر پائے گا.....؟''

مقابل کو بھی اب غصہ آ گیا تھا۔ اس نے کسی بھی حالت میں بولنے کا کارنامہ سر کرنے کی ٹھان لی تھی۔

''میں کب سے آپ کو بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میرا نام ہارون دُرّانی ہے..... پر آپ میری پوری بات دھیان سے سنیں تب پہچانیں ناں.....'' وہ بڑے رعب سے بولا تھا۔

''دیکھئے مسٹر!..... آپ ہارون ہیں یا قارون مجھے اس سے کیا.....؟؟ ایک بات بتایئے! آپ کو پورے کالج میں ایک میں ہی نظر آئی تھی جس کو زبردستی چیونگم کی طرح چبک کر آپ اپنا نام بتانے کی مشق کریں.....؟ میں آپ سے آخری مرتبہ کہہ رہی ہوں..... اپنے کام سے کام رکھیں..... پڑھنے آئے ہیں تو پڑھنے پر دھیان دیں..... ٹیچرز کی طرح رعب مت ڈالیں..... اور پلیز!..... فی الحال جو چند منٹ میری کلاس کے رہ گئے ہیں وہ مجھے اٹینڈ کر لینے دیجئے..... اور ابھی آپ نے جس لہجے میں مجھ سے بات کی مجھے جلدی نہ ہوتی تو اس ایک ایک لفظ کا مطلب سمجھا کر جاتی آپ کو اس طرح کہ اگر آپ کی یادداشت چلی بھی جاتی تو میرا لیکچر لفظ بہ لفظ پھر بھی آپ کی یادداشت کے پردے سے چپکا رہتا۔''

وہ اس کے نام پر دھیان دیے بغیر اس کی اچھی خاصی عزت افزائی کر کے تقریباً بھاگتی ہوئی کلاس روم تک پہنچی تھی۔ جبکہ ہارون دُرّانی کئی لمحے ساکت سا وہیں کھڑا رہ گیا۔ آج اس کا کالج میں ایک لیکچرار کی حیثیت سے پہلا دن تھا..... پرنسپل کے بارے میں تو وہ پہلے ہی بہت کچھ سن چکا تھا..... اور جب انہوں نے اس کا انٹرویو لیا تو اسے سو فیصد یقین تھا کہ وہ سلیکٹ نہیں ہوگا مگر جب دوسرے ہی دن اس کالج سے فون گیا کہ:

''مسٹر ہارون! آپ سلیکٹ ہو گئے ہیں..... صبح ہی ایک لیکچرار کی حیثیت سے آئیے اور کلاسز لیجئے'' اور ساتھ میں مبارکباد بھی دی گئی تھی کہ اتنی کم عمری میں وہ لکی ہیں کہ ان کو اتنے بڑے کالج میں پڑھانے کا موقع مل رہا ہے..... ایسے مواقع قسمت ہر کسی کو نہیں دیتی..... اسے ہر ملنے والے نے کہا تھا۔

اور وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ ظاہر ہے مجھ میں ایسی قابلیت ہے تو ہی اتنے بڑے کالج کے پرنسپل نے مجھے چنا..... مجھ میں ایسی کوئی تو بات ہے جسے نہ تجربے کی ضرورت ہے نہ سفارش جیسی لاٹھی کی..... وہ کسی حد تک خود کو خامیوں سے پاک تصور کرنے لگا تھا۔ اور اس کے اس تصور کو یقین کا درجہ دیا تھا اسے سراہنے والوں نے دیا تھا۔ یہ پروفیشن تو اس نے شوقیہ چنا تھا..... والد صاحب عرصہ دراز سے دبئی میں مقیم تھے..... خود اس کی پیدائش وہیں ہوئی تھی۔ دونوں چچا بھی اپنی فیملیز کے ساتھ وہیں سیٹل تھے..... پر پھر دونوں بہنوں کے فیوچر کا خیال آیا تو پاپا سمیت سب نے پاکستان جانے کو ترجیح دی۔ یوں تقریباً I.Com کے بعد ہی وہ ماں اور بہنوں کے ساتھ پاکستان شفٹ ہو گیا۔ پاپا وہیں رہے کیونکہ اتنا وسیع بزنس سمیٹ کر پاکستان آنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ پر وہ ہر تین ماہ بعد پاکستان ضرور آتے تھے۔ اسی سال اس نے UK سے M.Phil مکمل کیا تھا اور اتنے شاندار نمبر حاصل کیے تھے کہ پاپا نے اسے گاڑی گفٹ کی تھی۔ اور خوشی سے اسے اپنا پسندیدہ پروفیشن چننے کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ اور اس نے بھی کہہ دیا تھا:

"پاپا! آپ کا بزنس آج نہیں تو کل مجھے ہی سنبھالنا ہے پر فی الحال مجھے لیکچرارشپ کرنے دیں۔ یہ میرا Passion ہے۔"

اور پاپا نے خوشی سے اجازت دے دی تھی۔ اس نے پاکستان کے سبھی بڑے کالجز میں اپلائی کر دیا تھا۔ شروع سے ہی اس کی خوبصورتی صنف مخالف کے لئے پرکشش ثابت ہوئی تھی۔ لڑکیاں اس کی ذہانت، پیسے اور پرسنیلٹی پر فدا تھیں..... اس کی ہر اچھائی، برائی کو اس کی ادا سمجھ کر پسند کرتیں۔ اسے ہر جگہ ہمیشہ پذیرائی ہی ملی تھی۔ گھر میں وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی اور والدین کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا..... سکول پہنچا تو ذہین ہونے کی وجہ سے اساتذہ کا منظورِ نظر بن گیا..... کالج میں قدم رکھا تو خوبصورتی اور پیسے کی کشش سے لڑکیوں کو مرعوب کرتا..... یونیورسٹی لیول تک پہنچا تو اپنی ذات کا غرور اسے سب سے منفرد کرتا..... غرض ہر جگہ ستائش ہی ملی..... تعریف ہی ملی..... ہر کسی نے سراہا۔ وہ خود کو ان سب تعریفوں کے لائق سمجھنے لگا تھا..... اور اس کی اس سوچ نے اس میں اپنی ذات پر کانفیڈنس بڑھا دیا تھا..... اور یہی کانفیڈنس (Confidence) اور ذہانت جب ملے تو پرنسپل سر نے بھی اسے اوکے کا سگنل دے کر اسے "خوش قسمت" کا خطاب دلوا دیا۔ پر آج..... آج کی تاریخ تو اس کی زندگی کی کتاب میں ایک انوکھا باب رقم کر گئی تھی۔ آج سے پہلے تک کبھی کسی لڑکی کی اتنی ہمت نہ ہوئی تھی کہ اس سے اس طرح بات کرے مگر ایک سٹوڈنٹ کی زندگی سے ٹیچر کی زندگی میں رکھا پہلا قدم ہی اس کو بہت مہنگا پڑا تھا۔ ایک لڑکی سٹوڈنٹ ہو کر ایسا کام کر گئی جو پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔

"توبہ ہے..... لڑکی تھی یا بازو.....!!"

ہارون نے جھرجھری لی۔

"ایکسکیوزمی سر آپ یہاں اکیلے کیوں کھڑے ہیں؟ اینی پرابلم؟(Any problem...?)"

کسی سٹوڈنٹ نے اچانک پوچھا تو وہ چونکے۔

"نہیں..... کچھ نہیں!"

"اوکے سر!"

وہ جانے لگا تو ہارون بولے۔

"آپ ایسا کریں یہ اٹینڈنس رجسٹر سٹاف روم میں پہنچا دیجئے۔"

"جی سر!"

وہ اٹینڈنس رجسٹر لے کر چلا گیا۔ سر ہارون دوبارہ اُسی لڑکی کے بارے میں سوچنے لگے۔ کیا وہ سب جو کہہ کر گئی ہے درست ہے.....؟ کیا واقعی مجھ میں کچھ خامیاں بھی ہیں.....؟ میں یہ تو مانتا ہوں کہ کوئی بھی انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ ہر انسان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی..... پر کچھ لوگوں کی خامیاں لوگوں کو کم نظر آتی ہیں کیونکہ اُن کی خوبیاں اُن کی خامیوں پر حاوی ہوتی ہیں، جو جلد لوگوں کی نظروں میں نہیں آتیں یا چھپ جاتی ہیں۔ وہ لوگ اچھے کہلاتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کی خامیاں اُن کی خوبیوں پر حاوی ہوتی ہیں جو اچھائیوں کو سامنے آنے کا موقع کم دیتی ہیں۔ وہ لوگ بُرے کہلاتے ہیں۔

"تو کیا میں آج اُس پہلی صف سے نکل کر دوسری صف میں آ کھڑا ہوا ہوں.....؟ یا پھر اُس لڑکی کی نظر ہی ایسی تھی جس کو میری بُرائیاں یا خامیاں میری شاندار پرسنالٹی (Personality) کے غلاف کے اندر سے بھی نظر آ گئیں۔ مما اکثر کہا کرتی ہیں۔

"مخلص لوگوں کو تلاش کرنا ہو تو اُن کو چنو جو تمہاری خامیاں تمہیں بتائیں اور ان خامیوں کو خوبیوں میں بدلنے کا مشورہ دیں..... یا تمہیں سمجھائیں اور گائیڈ کریں پھر چاہے وہ تم سے عمر اور تجربے میں آدھا بھی کیوں نہ ہوں۔ پر بیٹا! اُسے ہرگز بھی اپنا مخلص تصور نہ کرنا جو تمہارے سامنے تمہاری خوشامد کرے۔"

"اور اس لڑکی نے بھی تو میری غلطی نکالی، جس بات کو میں اپنا اسٹائل اور ادا سمجھتا تھا، اس نے اُسے بدتمیزی کہا..... یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں..... مجھ میں خامی نظر آئی تو کہہ دیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ مجھے بُرا لگے گا..... پتا نہیں کس کلاس کی ہو گی.....؟

اور مجھے تو اُس کے نام تک کا بھی علم نہیں....."

وہ کچھ سوچتے ہوئے واپس لائبریری کی طرف چل دیا..... اب تو حمید صاحب ہی بتا سکتے ہیں اُس کے متعلق۔ حمید صاحب سے یاد آیا۔ اوہ گاڈ!..... اس سارے چکر میں میں اُس کتاب کے بارے میں تو بھول ہی گیا جس کی وجہ سے یہ سارا ہنگامہ ہوا۔ آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ اپنا آخری لیکچر دے کر فارغ ہوا تھا..... پانچ بجے ٹیچرز میٹنگ تھی جس میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا..... ٹائم پاس کے لئے وہ لائبریری چلا آیا..... پچھلے چند دنوں کی مصروفیت کی وجہ سے وہ رابرٹ ڈیول کا نیا آنے والا ناول نہ پڑھ سکا تھا۔ لائبریری میں نہ ملا تو سر حمید سے پوچھ لیا۔

''ارے ہارون بیٹا!..... آپ بھی انگلش ناول پڑھتے ہو.....؟''

وہ خوشی سے بولے تھے۔

''آپ بھی'' کا کیا مطلب ہے حمید صاحب..... خیر مجھے بتائیں وہ ہے یا نہیں۔ مجھے تو نہیں ملا

''ملتا کیسے؟ اُس کی ایک کاپی ہی آئی ہے اور وہ بھی ابھی ابھی ایک سٹوڈنٹ ایشو کروا کر لے گئی۔''

''اوہ تو!..... اب میں ڈیڑھ گھنٹہ کیا کروں.....؟ رابرٹ ڈیول کے علاوہ کسی اور کو پڑھنے کی عادت بھی نہیں ہے۔'' وہ مایوس ہوا۔

''تو بیٹا! آپ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے اُن سے لے لیں..... یہاں تو کلاسز ہو رہی ہیں۔ وہ بچی گھر جا کر ہی پڑھے گی۔ جاتے ہوئے آپ سے لے لے گی۔''

لائبریرین کا مشورہ ان کے دل کو لگا۔

''مگر میں اُسے ڈھونڈوں گا کیسے.....؟''

''بیٹا! وہ ابھی ابھی گئی ہے..... وہ رہی سفید سوٹ پہنے لمبے بالوں والی جو لڑکی جا رہی ہے ناں..... اُس کا نام.....''

لائبریرین کھڑکی سے دکھاتے ہوئے بتا رہے تھے جبکہ وہ جلدی سے اُس کے پیچھے بھاگا۔

''اگر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو کہاں ڈھونڈوں گا صرف لمبے بالوں کی نشانی پر؟''

اور اب وہ لائبریری جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو ہی جاتی تو اچھا تھا۔ اسے بلا کر ایسے لگا تھا جیسے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا ہو۔

''ارے..... ہارون صاحب!..... ملی آپ کو انوشے بیٹا.....''

لائبریرین کے پوچھنے پر وہ چونکے۔

''کون..... کیا نام بتایا آپ نے اُس کا.....؟؟''

''ارے بیٹا! میں تو پہلے ہی آپ کو بتا رہا تھا..... پر آپ سنے بغیر ہی چلے گئے۔

انوشے نام ہے اُس بچی کا..... ماشاءاللہ بہت قابل اور ذہین بچی ہے۔''

لائبریرین بتا رہے تھے جبکہ وہ سوچنے لگا۔

''کاش.....!! میں نام سن کر ہی جاتا..... چلو خیر..... بُرا وقت کونسا پوچھ کر آتا ہے۔ ویسے بھی ہونی کو کوئی ٹال سکا ہے.....؟ ہونی تو ہر حال میں ہو کر رہتی ہے۔ سو ہو گئی۔''

وہ کچھ سوچ کر خود سے بولا۔

''حمید صاحب! کیا آپ مجھے اُس کے بارے میں کچھ انفارمیشن دے سکتے ہیں.....؟

آئی مین کلاس سیکشن وغیرہ (I mean, class, section etc.)

''بیٹا! یہ تو رول (Rule) کے خلاف بات ہو جائے گی.....''

''انوشے ٹائم کی کمی کی وجہ سے اپنا لائبریری کارڈ یہاں چھوڑ گئی ہے..... کچھ دیر بعد آئے گی اُسے لینے..... آپ اُس سے یہیں مل لیجئے گا۔''

لائبریرین نے ایک اور تجویز دی۔

''پہلے بھی ان کی صلاح مان کر اتنا ذلیل ہوا ہوں اُس انوشے کے ہاتھوں اب دوبارہ نہیں!''

ہارون نے کوفت سے سوچا پھر لائبریرین سے بولا تو ایک پروفیسر کا لہجہ تھا۔

''حمید صاحب آپ مجھے انوشے کا لائبریری کارڈ دکھائیے۔''

''آپ اُن کے اُستاد ہیں اس لیے دے دیتا ہوں..... یہ..... ہاں..... یہ رہا لیجئے!''

انہوں نے ٹیبل کی دراز میں سے کارڈ نکال کر دیا..... اور خود کسی سٹوڈنٹ کی دی ہوئی کتاب ایشو کرنے لگے۔ سر ہارون نے کارڈ پر نظریں گھمائیں۔

''انوشے کبیر!''..... پہلی نظر اُس کے نام پر ہی پڑی تھی۔

''سیکشن..... 1 اور کلاس M.Phil فائنل سمیسٹر، رول نمبر..... 1462''

وہ یکدم مسکرا دیئے۔

''اوہ..... میرے خدا..... یہ تو اسی سیکشن میں ہے جس کا میں کل پیریڈ لینے والا ہوں.....''

انہیں ابھی سے یہ سوچ کر بہت مزہ آ رہا تھا کہ جب اُسے علم ہو گا کہ میں ہی اُن کا نیا پروفیسر ہوں تو ایسے میں وہ کیسے بی ہیو (Behave) کرے گی..... کیا ری ایکشن ہو گا اس کا.....؟ اُس کے معصوم چہرے اور ذہانت سے چمکتی آنکھوں میں شرمندگی کے آثار کیسے لگیں گے.....؟

ایک دن بعد وہ کری ایٹ (Create) ہونے والی سچوایشن (Situation) کا انداز کر کے وہ ابھی سے انجوائے (Enjoy) کرنے لگا تھا..... اور اس کی مسکراہٹ مزید گہری

ہوتی گئی تھی۔اس نے آگے دیکھا.....کارڈ آدھے سے زیادہ بھرا ہوا تھا.....اور جو بلس ایشو کروائی گئی تھیں وہ کافی ہائی کلاس (High Class) کی تھیں.....اور پھرتو مشہور و معروف اور انگلش لٹریچر میں تہلکہ مچا دینے والی بکس تھیں۔اس عمر میں اتنے بڑے شوق وہ بھی آج کے زمانے کی لڑکی ہو کر.....ورنہ آج کل تو فیشن (Fashion) ہماری نوجوان نسل میں اتنا "ان" (In) ہو چکا ہے کہ لڑکیاں تو لڑکیاں، لڑکے بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے.....جینٹس پارلر کھل چکے ہیں.....جینٹس بوتیکز ہیں اور تو اور جیولری اور بیوٹی کاسمیٹکس بھی خریدنے جاؤ تو دکاندار پہلے پوچھتے ہیں "لیڈیز یا جینٹس.....؟" وہ بکس کے نام پڑھ پڑھ کر حیران ہو رہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا میں ہی انوکھا نوجوان ہوں پر یہ محترمہ بھی اسی ڈیفی نیشن (Definition) میں فٹ (Fit) آتی ہیں۔انٹرسٹنگ ویری انٹرسٹنگ (Interesting, very interesting)"

اس نے ایک مرتبہ پھر اس کے رول نمبر پر نظر ڈالی اور اسے ذہن نشین کرتے ہوئے کارڈ واپس کر دیا۔

"شکریہ حمید صاحب.....!"

******

انوشے بہت جلدی میں تھی۔

"آج اکاؤنٹس کا پہلا پیریڈ ہے۔پتا نہیں وہ سر کیسے ہوں گے۔" پہلے ہی دن کلاس میں لیٹ جاؤں گی تو کتنا برا امپریشن (Impression) پڑے گا.....؟؟" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

اکاؤنٹس اس کا فیورٹ سبجیکٹ تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسی سبجیکٹ کے ٹیچر کے سامنے اس کا امیج (Image) برا بنے سو وہ ہر حالت میں وقت پر پہنچنا چاہتی تھی.....کالج کے گیٹ سے گاڑی تیزی سے اندر داخل کرنے کی کوشش میں اس کی گاڑی اگلی گاڑی میں جا لگی۔

"اوہ.....مائی گاڈ!"

وہ گاڑی روک کر دانت پیستی ہوئی باہر نکلی اور آناً فاناً اگلی گاڑی کی طرف بڑھی.....

فرنٹ ڈور کھول کر ابھی وہ باہر نکلا ہی تھا کہ وہ سر پر پہنچ کر دھاڑی:

"دکھائی نہیں دیتا آپ کو.....؟ یہ گیٹ ہے کوئی پارکنگ لاٹ نہیں جو آپ نے یہاں گاڑی روک رکھی ہے۔کسی کو جلدی بھی ہو....."

اس شخص کی اس کی طرف پشت تھی.....اس جانی پہچانی آواز اچانک آنے پر وہ جلدی سے مڑا اور انوشے کو دیکھ کر کھل کر مسکرا دیا.....جبکہ وہ اسے دیکھتے ہی مزید غصے میں آ گئی اور اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بات بھی مکمل نہ کر پائی۔

"لگتا ہے قدرت نے ہمیں ملانے کی قسم کھائی ہے....." ہارون درانی نے سوچا۔

"آپ.....؟ آپ کو کوئی کام ڈھنگ سے کرنا آتا ہے.....؟؟"

وہ اسے پہچانتے ہوئے دھاڑی تھی۔

"محترمہ گاڑی آپ نے ماری ہے میری گاڑی میں اور آپ کی جنرل انفارمیشن کے لئے عرض ہے کہ میں نے یہاں گاڑی کھڑی نہیں کی تھی بلکہ آہستہ آہستہ چلا کر پارکنگ ایریا کی طرف ہی لے جا رہا تھا کیونکہ یہ واحد گیٹ ہے اور کافی سٹوڈنٹس آ جا رہے ہوتے ہیں اس لیے یہاں سپیڈ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہی رکھنی پڑتی ہے تاکہ کوئی حادثہ نہ ہو۔" ہارون درانی نے تفصیلاً کہا تھا جسے نظر انداز کر کے وہ کوفت سے بولی۔

"آپ نے قسم کھائی ہے کیا کہ مجھے ہر اہم کلاس کے لئے لیٹ کرائیں گے.....؟ اور میں....."

"بیبیا گاڑیاں پارکنگ ایریا میں لے جائیں سٹوڈنٹس ڈسٹرب ہو رہے ہیں....."

انوشے ابھی کچھ اور کہنے والی تھی کہ گارڈ سیٹی بجاتے ہوئے ان کے قریب آ کر بولا تھا۔

"اُفوہ.....! ایک تو میں کلاس کے لئے لیٹ ہو رہی ہوں، دوسری یہ مصیبت۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی گاڑی میں آ بیٹھی اور زور زور سے ہارن بجانے لگی..... ہارون درانی نے مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی سائیڈ پر کی تاکہ انوشے اپنی گاڑی پہلے آگے لے جائے۔

******

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

"یہ پہلی کلاس بھی ضروری ہے تھرڈ فلور پر ہی ہو.....اب اتنی تو مشکلات ہیں۔سر کو کیا پتا.....وہ تو لیٹ آنے پر ڈانٹیں گے ہی....."

"سر کو پتا چل گیا ہے وہ آپ سے کچھ نہیں کہیں گے.....آپ اطمینان سے سیڑھیاں چڑھیے!"

ہارون درانی اس کے مقابل آ کر بولا تھا اور اب اس کے ساتھ ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا.....جو انوشے کو ناگوار گزر رہا تھا۔

"اُفوہ!.....آپ تو پیچھا چھوڑیں.....برے وقت کی طرح پیچھے ہی پڑ گئے ہیں.....اور سر کیا جن ہیں جو انہیں پتا چل گیا ہے....."

وہ انوشے کی بات پر کھل کر مسکرایا۔

"آپ ہمیشہ ہی کلاس کے لئے لیٹ کیوں ہو رہی ہوتی ہیں.....؟"

ہارون درانی نے مزے سے پوچھا۔

''ہمیشہ نہیں ہوتی جس دن آپ سے ٹکراؤ ہوتا ہے اسی دن ہوتی ہوں.....''

''اوہ!.....تو اس کا مطلب ہے یہ پورا سمیسٹر آپ لیٹ ہی آیا کریں گی کلاس کے لیے..... کیونکہ مجھ سے تو اب آپ کا ٹکراؤ ہوتا ہی رہے گا۔''

وہ لوگ تھرڈ فلور پر پہنچ چکے تھے.....اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے انوشے جلدی سے کاریڈور میں اپنی کلاس کی طرف بھاگی.....جبکہ ہارون درانی گہری مسکراہٹ لیے اسے جاتا دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

''اوہ گاڈ!.....شکر ہے سر ابھی کلاس میں نہیں آئے۔''

انوشے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سانس ہموار کرنے لگی۔

''انوشے خیریت ہے بڑی سانسیں پھولی ہوئی ہیں تمہاری؟''

آریان نے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں وہ بھاگ کر آئی ہوں ناں! اس لیے.....''

''یار! گھر سے بھاگنا ہی تھا تو کہیں اور جاتی.....تمہیں کالج ہی ملا تھا؟''

آریان نے شرارتاً اس کے جواب کا دوسرا مطلب نکالا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اکیلے بھاگ کر بندہ کالج ہی آ سکتا ہے۔''

اس بات پر وہ دونوں ہنس دیے.....انوشے کی نظر آریان کے ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل پر پڑی تو اس نے جھپٹ لی.....اور کھول کر منہ کو لگائی۔ وہ ایک ہی سانس میں آدھے سے زیادہ پی گئی جب آریان نے اس سے بوتل کھینچ لی۔

''کیا چڑیلوں کی طرح منہ میں انڈیلے جا رہی ہو.....انسانوں کی طرح پیو ناں.....!''

''میں کیا کروں پیاس ہی اتنی لگی تھی.....بھاگ کر اتنی سیڑھیاں چڑھ کے آئی ہوں۔''

وہ مسکراتی ہوئی اس کے ہاتھ سے بوتل لے کر اب گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔

''اکاؤنٹس کے سر نے جو اسائنمنٹ بنا کر لانے کو کہا تھا وہ بنائی تم نے.....؟''

''اسائنمنٹ.....؟ کون سی اسائنمنٹ.....؟ اور سر کی تو آج پہلی کلاس ہے ناں؟''

انوشے نے نہایت حیرانی سے آریان سے پوچھا تھا۔

''اس کا مطلب ہے میرا ڈر صحیح تھا.....تمہیں نہیں پتا۔ سر ہارون نے کلاس تو نہیں لی تھی پر کل نوٹس بورڈ پر لگوایا تھا کہ اکاؤنٹس کے سبجیکٹ کی امپورٹنس پر ایک اسائنمنٹ بنا کر لائیں.....تاکہ وہ پہلے سب سٹوڈنٹس کی پہنچ اپروچ (Approach) اور اس سبجیکٹ میں انٹرسٹ کا انداز لگا

سکیں۔ میں نے بھی کل جاتے ہوئے اچانک پڑھا.....گھر جا کر تمہیں کال کرتا رہا پر تمہارا نمبر ہی نہیں ملا.....پھر مشی کو بھی کال کرنے کی کوشش کی اس کا تو موبائل ہی بزی رہتا ہے ہر وقت.....میں نے سوچا شاید تم دونوں کو علم ہو.....''

''اوہ! آریان اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ان سر کے سامنے تو میرا فرسٹ امپریشن ہی خراب پڑے گا.....پہلی اسائنمنٹ ہی نہیں بنائی میں نے.....مشی تو چھٹی پر ہے آج۔ وہ تو بچ گئی.....''

''ارے چھوڑو انوشے!.....یہاں کون سا سارے ہی بنا لائے ہیں۔''

آریان نے اسے یوں پریشان دیکھا تو بولا۔

''تم مجھے اپنی اسائنمنٹ دکھاؤ.....تم نے بنائی ہے.....؟''

''ہاں.....یہ لو!''

انوشے، آریان کی اسائنمنٹ کو غور سے پڑھنے لگی۔ تب ہی سر کلاس میں آ گئے۔ اس نے نظر اٹھائی نہ اٹھائی صرف ایک صفحہ ہی تو رہ گیا تھا وہ جلدی سے ختم کرنا چاہتی تھی.....ختم کرتے ہی اس نے پاس پڑی پانی کی بوتل اٹھائی اور پانی کا گھونٹ بھرنے کے لئے اس نے بوتل منہ سے لگائی تو نظر سامنے کھڑے سر پر پڑی.....جو اب کہہ رہے تھے:

''آئی ایم ہارون درانی، یور نیو پروفیسر اینڈ یو نو آئی ول ٹیچ یو اکاؤنٹنگ.....!''

(I am Haroon Durrani, your new Professor and you know I will teach you Accounting...!)

انوشے کو اتنی زور سے غوطہ لگا کہ سانس لینا دوبھر ہو گیا.....وہ منہ پر ہاتھ رکھے بڑی مشکل سے کھانسی کو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''انوشے! باہر چلی جاؤ اور خود کو ریلیکس کر آؤ.....''

پاس بیٹھے آریان نے سرگوشی کی تھی۔ سر ہارون درانی نے اسے دیکھا۔ فرنٹ سیٹ پر ہی تو وہ بیٹھی تھی.....ہاتھ میں پانی کی بوتل تھا ہے دوسرا ہاتھ منہ پر رکھے ہولے ہولے کھانسی ضبط کر رہی تھی.....پر غوطہ شدید تھا.....اسی کوشش میں وہ سرخ ہو رہی تھی.....اور آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

''جب آپ کو بوتل سے پانی پینا نہیں آتا تو اپنے پاس گلاس رکھا کیجئے۔''

سر ہارون اس کے پاس آ کر بولے تھے.....جبکہ انوشے کی جھکی پلکیں مزید جھک گئیں.....اور سانس تو جیسے لگا بالکل ہی بند ہو گیا.....اس کا دل چاہ رہا تھا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کھانسی نے پوری شدت سے دوبارہ دورہ کیا۔

''آپ باہر جا کر خود کو ریلیکس کر آئیں!''

سر کے الفاظ ابھی منہ میں تھے کہ وہ باہر بھاگ آئی..... رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں تو وہ خود کو ریلیکس کرنے کے لئے ریلنگ کے ساتھ ساتھ لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

''اوہ!..... خدایا!..... یہ سر تھے..... اور میں نے..... اُف یہ کیا کیا میں نے؟''

انوشے نے ہوا سے چہرے پر آ جانے والی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے خود کو مخاطب کیا۔

''اُف.....! میں نے ان کی اتنی انسلٹ کی..... کل تو کل..... ابھی کچھ دیر پہلے آتے ہوئے بھی.....''

وہ پریشانی سے پھر کھڑی ہو گئی۔

''یا اللہ!..... میں اب کلاس میں کون سا منہ لے کر جاؤں؟''

اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر کہا تھا۔

''جو ہے..... وہی لے کر آ جائیں گزارہ ہو جائے گا.....''

سر ہارون درانی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے انگلیوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ بنا کر دیکھا..... سر بالکل اس کے سامنے کھڑے تھے..... اس نے فوراً انگلیاں ساتھ جوڑ لیں۔ سر اس کی خالص بچگانہ حرکت پر کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''بھئی پہلے آپ یہ منہ پر سے ہاتھ تو ہٹائیں۔''

انوشے نے ہاتھ ہٹا لیے پر نظریں جھکائے ہی رکھیں۔ شرمندگی کے آثار لیے غصے کی وجہ سے سرخ ہوتے چہرے اور نم جھکی پلکوں، کچھ بکھری سلجھی زلفوں کے ساتھ بے بی پنک سوٹ میں وہ آج بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہارون درانی نے اب اسے دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''آئی..... ایم سوری سر!..... میں جانتی نہیں تھی کہ آپ ٹیچر ہیں..... اور آپ نے بھی تو نہیں بتایا۔''

وہ نظریں جھکائے آہستہ سے بولی تو وہ چونک کر مسکرائے۔

''بھئی میں نے آپ کو بتانے کی بہت کوشش کی تھی..... اور اپنا نام تو بتانے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا..... پر آپ نے ہی کہا تھا: ''کہ میں ہارون ہوں یا نارون..... آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

انہوں نے اس کی بات ہی اسے لوٹائی تو وہ اور شرمندہ ہو گئی۔

''آئی..... ایم سوری سر میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں آپ مزید.....''

''ارے نہیں نہیں میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں ہے..... میں تو صرف آپ کو یاد دلا رہا تھا کہ میں نے اپنی پوری کوشش کی تھی اپنا مکمل تعارف کرانے کی مگر بدقسمتی سے کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔''

وہ مسکراتے ہوئے اس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھا رہے تھے۔

''سر آپ بھی کسی اینگل سے ٹیچر نہیں لگتے..... جینز اور شارٹ باڈی شرٹ میں میں نے آج تک کسی ٹیچر کو نہیں دیکھا..... عمر سے نہیں تو کم از کم ڈریسنگ سے تو بندہ ٹیچر لگے.....''

وہ ایک دم ہی کہہ گئی تو سر ہارون درانی قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

''ڈریسنگ تو میں ایسی ہی کرتا ہوں..... البتہ اگر میرے ٹیچنگ سٹائل میں کوئی خامی لگے آپ کو تو اس میں میں بہتری لا سکتا ہوں..... خیر جو بھی ہو اس انڈرسٹینڈنگ کی وجہ سے ہوا..... پر ایک بات ضرور کہوں گا..... آئندہ دوسروں کو بھی سیلف ڈیفنس (Self Defence) کا موقع ضرور دیا کیجئے گا.....''

وہ مسکراتے ہوئے کلاس روم کی طرف مڑے تو کچھ یاد آنے پر انوشے نے انہیں روکا۔

''سر پلیز ایک اور بات''

''جی کہیے!''

''سر وہ میں نے اسائنمنٹ نہیں بنائی..... اگر آپ کہیں تو صبح جمع کروا دوں.....؟''

اور وہ ''ٹھیک ہے!'' کہتے کلاس روم میں چلے گئے۔

وہ بھی کچھ کچھ شرمندہ سی ان کے پیچھے ہی کلاس روم میں آ گئی..... کافی دنوں تک وہ ان سے شرمندہ رہی تھی..... ظہر کی اذان کانوں میں پڑی تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور ماضی پس پردہ چلا گیا اور وہ تلخ حال میں لوٹ آئی..... گہرا سانس لیتی وہ وضو کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

******

انوشے کچن میں چائے بنا رہی تھی جب سعد کی غصے سے بھری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی..... وہ گھبرا کر باہر جانے کے لئے پلٹی تو وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں سے وہ اس کی طرف بڑھا۔

''پیکنگ کرو اپنی اور چلی جاؤ میرے گھر سے..... میں اب مزید تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔''

وہ تقریباً اس کے سر پر پہنچ کر دھاڑا تھا..... وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''یہ سعد کو نجانے کیا ہو گیا ہے..... مجھے گھر سے کیوں جانے کو کہہ رہے ہیں؟''

اس نے پریشانی سے سعد کو دیکھا۔ اُن کے کرخت رویے سے تو پتہ بھید نہ تھا کہ یہ گھر سے جانے والی بات...... یا اللہ! اب کون سا نیا امتحان آنے والا ہے میری زندگی میں......

انوشے نے دل ہی دل میں اپنے رب کو مخاطب کیا تھا۔

"سنا نہیں تم نے......؟"

وہ پھر دھاڑا تھا۔

"سعد آپ تھکے ہوئے آئے ہیں۔ چائے پی لیں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

انوشے نے تحمل سے انہیں نرم کرنا چاہا تھا اور شیلف سے کپ لے کر اس میں چائے انڈیلنے لگی۔ جبکہ سعد کا غصہ تو سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا۔

"معصومیت پن کا ناٹک چھوڑ دو۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

وہ دانت پیستا ہوا بولا تھا مگر انوشے نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کپ پرچ میں رکھ کر اس کی طرف بڑھایا تو اس کی ڈھٹائی پہ وہ کھول اٹھا۔

"بند کرو یہ تماشہ!"

اس نے غصے سے کپ کو ہاتھ مارا جو پرچ سمیت لڑھکتا ہوا دور جا گرا اور ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ انوشے سنبھل نہ سکی۔ گرم گرم چائے اس کے شانے، بازو اور پیر پہ پڑی تھی۔ پل بھر کو اُسے لگا جیسے چائے نہیں انگارے ہیں جو دہکتے ہوئے اسے چبھ گئے ہیں۔ تکلیف کی شدت سے اس سے بولا بھی نہ گیا تھا۔ صرف ایک مدھم سی سسکی تھی جو اندر ہی اندر کہیں گھٹ گئی تھی...... سعد کے غصے کی وجہ سے وہ لاعلم تھی اور غصہ تو ہر وقت ان کی ناک پہ دھرا رہتا تھا مگر آج ایسی کیا انہونی ہو گئی ہے جو وہ اس طرح آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ جلن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا مگر اسے آہ و زاری کرنے کا ہوش کہاں تھا۔ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی روح بھی زخمی ہو گئی تھی۔ ایک امید جو ہمیشہ سے اُسے دلاسہ دیے رکھتی کہ سعد بدل جائیں گے...... اپنی چاہت سے میں انہیں مجبور کر دوں گی کہ وہ مجھ سے محبت کریں مگر آج اس کی وہ امید اسے ٹوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس احساس نے جلن مزید بڑھا دی تھی۔ مگر کوئی آنسو اس کی آنکھ میں نہ آ سکا شاید کسی آنسو نے خود کو اس قابل سمجھا ہی نہ تھا کہ وہ اس کے کرب کو بیان کر پاتا۔ سیکنڈ کے بارھویں حصے میں سعد کو کسی زیادتی کا احساس ہو گیا...... چائے جب اچھلی تو اس کے ہاتھ پہ بھی گری تھی وہاں سے اس کا ہاتھ سرخ ہو گیا تھا اور جلن ہو رہی تھی۔

"ان چند قطروں کی اتنی جلن تو......؟"

اس نے انوشے کو دیکھا جو تکلیف کی شدت کم کرنے کے لئے ہونٹ بھینچے ہوئے

تھی۔ اس کی جھکی پلکیں تھرتھرا رہی تھیں مگر وہ خاموش تھی...... اس کی ایک سسکی بھی اس نے نہیں سنی تھی۔

"یا خدا!...... یہ لڑکی چلاتی کیوں نہیں...... غصہ کیوں نہیں آتا اسے، یہ نارمل لوگوں کی طرح ری ایکٹ کیوں نہیں کرتی۔...... ایسی صورتحال میں تو اسے مجھ پر غصہ اتارنا چاہیے تھا، چلانا چاہیے تھا مگر ایسا کرنا تو در کنار وہ تو سسکی بھی نہ تھی اور نہ ہی اس جلن کا اظہار کر رہی تھی جسے چند قطروں کے گرنے سے وہ اپنے ہاتھ کی پشت پر محسوس کر رہا تھا۔ اور وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔"

سعد نے ایک قدم اس کی طرف بڑھایا مگر وہ اپنی جگہ ساکت رہی جبکہ اس کا خیال تھا کہ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ روئے گی چلائے گی۔ سعد نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا یہ لڑکی نارمل ہے؟"

سعد کا غصہ یکدم اُڑن چھو ہو گیا تھا اور اس کی جگہ تشویش نے لے لی تھی۔ وہ انوشے کو ڈانٹ ضرور رہا تھا، غصے میں اسے گھر سے جانے کا بھی کہا تھا مگر اس طرح اُسے اذیت دینا بالکل نہیں چاہتا تھا۔

"انوشے!"

سعد نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھام کر نرمی سے ہلایا تھا۔ مگر اس نے نگاہیں نہیں اُٹھائیں...... سعد نے اسے ہلکا سا جھٹکا دیا تو جیسے وہ ہوش میں آئی۔ یکا یک اس کی آنکھوں میں بڑی تیزی سے پانی جمع ہونے لگا...... وہ ہولے ہولے نفی میں سر ہلاتی ہوئی اسے دیکھتی پیچھے ہٹنے لگی...... اس کی بھیگی نگاہیں سعد پر جمی تھیں...... وہ چند اُلٹے قدم لینے کے بعد پلٹی اور کچن سے باہر نکل گئی۔ سعد کتنی ہی دیر حیران سا وہیں ہی کھڑا رہا۔ اُس نے اسے چھوا تو وہ سہم گئی تھی، اس کے قریب آنے پر وہ دور ہو گئی تھی۔ اس کی بے یقین دکھ کی غماز آنکھیں سعد کو ابھی تک اپنے چہرے پر گڑی محسوس ہو رہی تھیں...... اس نے بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تو جلے ہوئے ہاتھ کی وجہ سے ایک سسکی سی اس کے منہ سے نکلی...... اس نے جلدی سے کچن کے کیبن سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا اور سیڑھیاں چڑھ کر انوشے کے کمرے کی طرف چلا آیا۔

دروازہ اندر سے لاک تھا اس نے دستک دی۔

"انوشے دروازہ کھولو!"

سعد نے کئی مرتبہ اسے بلایا تھا مگر اندر سے نہ تو کوئی جواب آیا تھا اور نہ ہی دروازہ کھلا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی...... وہ کھڑکیوں کی طرف لپکا مگر وہ بھی اندر سے بند تھیں...... اس نے واپس آ کر دروازے کے قریب رکھے چھوٹے سٹول پر پڑے

گلدان میں سے پھول نکالے اور گلدان دروازے کے شیشے پر مار کر اسے توڑا..... اور ہاتھ ڈال کر اندر سے دروازے کا لاک کھولا..... جوتوں کے نیچے نوٹے کانچ کی کرچیاں مسلتا وہ کمرے میں چلا آیا۔ انوشے بیڈ کی پائنتی سے کمر ٹکائے نیچے قالین پر بیٹھی تھی..... اس نے پاؤں سمیٹ کر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا ہالہ بنایا ہوا تھا جن پر سر ٹکائے وہ ساکت بیٹھی تھی۔

وہ شرمندہ سا اس کے قریب چلا آیا۔

''آئی ایم سوری انوشے!..... میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔''

سعد کی بات کا کوئی ردِعمل نہ آیا تو وہ اس کے پاس ہی گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے مجھ سے ناراض ہو، غصے ہو مگر خود کو تو تکلیف نہ دو..... یہ مرہم لگا لو جلن کم ہو جائے گی۔''

سعد نے ایک ٹیوب اس کی طرف بڑھائی تھی مگر اس نے ابھی بھی سر نہ اٹھایا تھا۔

''انوشے!''

سعد نے اسے بازو سے ہلایا تو اس کا گھٹنوں کے گرد بنا ہالہ کھل گیا اور وہ اس کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

''اوہ گاڈ!..... یہ تو بے ہوش ہے۔''

حقیقی معنوں میں سعد کے حواس اڑ گئے تھے۔ اسے اپنے ہاتھ کی جلن بالکل بھول گئی۔ اس نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور بیڈ پر لٹا دیا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاس میں سے اس نے پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر مارے اور گال تھپتھپا کر ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

''انوشے اٹھو!..... انوشے!''

اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں اور اسے خود پر جھکا دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

''لیٹی رہو!''

سعد نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔ اور ٹیوب سے مرہم نکال کر نرمی سے اس کے بازو پر لگانے لگا۔ اچانک اس کی نظر انوشے کے چہرے پر پڑی وہ آنکھیں جھپکنا بھول گیا۔ بھیگی پلکیں، نم چہرہ، سرخ ہوتی ناک اور قدرے اُبھی ہوئی ناراض سی زلفیں اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں..... ایسا ہر بار ہی ہوا کرتا تھا۔ وہ جب جب انوشے کے قریب گیا اس کی معصومیت بھری خوبصورتی اسے بے بس کر دیتی..... دل زور زور سے دھڑکنے لگتا اور اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

''جلن کم ہوئی.....؟''

سعد نے نرمی سے پوچھا تھا اور انوشے جس نے آنکھیں موند رکھی تھیں، کھول دیں۔

سعد نظریں چرا گیا اور اس کے قریب سے اُٹھتا ہوا بولا۔

''میں احد کو بلا لیتا ہوں وہ چیک کر کے کوئی دوا دے دے گا۔''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا تھا۔ انوشے نے اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور تھوڑا سا آگے ہو کر پاؤں سے سینڈل اتارنے لگی جو ضرورت سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔

''رکو!''

سعد نے اسے دیکھا تو فکرمندی ایک نظر اس کے بے تاثر چہرے پر ڈال کر اسے روک دیا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے اس کی مدد کرنا چاہی مگر انوشے نے اپنے پاؤں پیچھے کر لیے۔

''لاؤ مرہم لگا دوں۔''

سعد نے اسے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔

''آپ جائیں..... مجھے نہیں لگانا کچھ بھی۔''

وہ فوراً بدلی تھی۔

''انوشے! ضد مت کرو..... مرہم لگا لو ورنہ انفیکشن ہو جائے گا۔''

سعد نے تحمل سے کہا اور اس کا پاؤں اپنے سامنے کرتے ہوئے احتیاط سے اس کی سینڈل اُتاری اور مرہم لگا دی۔ یہاں شاید چائے زیادہ گری تھی اسی لیے زیادہ جل رہا تھا..... کافی زیادہ آنسو اس کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ سعد چند ثانیے وہ اسے کرب سے دیکھتا رہا مگر اُسے اس طرح تکلیف میں دیکھنا وہ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا..... جھٹکے سے اس کے قریب سے اُٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ناز گرم دودھ اور پین کلر لیے پریشان سی چلی آئی۔

''سعد بابا بتا رہے تھے کہ آپ پر چائے گر گئی..... یہ گولی کھا لیں..... انہوں نے بھجوائی ہے۔''

انوشے نے خاموشی سے گولی گرم دودھ کے ساتھ نگل لی۔

''ناز و میرا کوئی سلیولیس سوٹ نکال دو۔ کپڑا اٹکنے سے جلن ہوتی ہے۔''

ناز داس کا سوٹ نکال کر جانے لگی تو اس نے اسے روکا۔

''سنو!..... یہ مرہم لے جاؤ!''

انوشے نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی ٹیوب کی طرف اشارہ کیا۔

''سعد کو دے آؤ اور اُن سے کہنا اپنے ہاتھ پر لگا لیں اور یہ بھی کہ میں اب ٹھیک ہوں۔ اور آدھے گھنٹے تک ڈنر کے لئے نیچے آنے کا بھی کہہ دینا..... تم ٹیبل لگاؤ میں بھی چینج کر کے آتی ہوں۔''

انوشے اسے ہدایات کرتی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی مبادا ناز و کوئی سوال ہی نہ پوچھ لے جو اُلجھن بھری نظروں سے مرہم کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سر ہلا کر چلی گئی۔ سعد گاڑی کی چابیاں لیے پورچ تک پہنچ چکا تھا جب ناز و کی آواز پر رُکا۔

"انوشے بی بی نے یہ مرہم دی ہے اور کہلوایا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ پر لگالیں۔"

سعد نے چونک کر اس کی بات سنی پھر اس کے ہاتھ سے ٹیوب لے کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ:

اس سے پہلے کہ ناز و اسے ڈنر کے لئے کہتی وہ گاڑی بھگا لے گیا..... چوکیدار نے روش پر تیزی سے آتی گاڑی کو دیکھ کر پھرتی سے گیٹ کھول دیا اور سعد کی سلور کرے سوک جلدی سے اسے پار کر گئی۔ ناز و بیوقوفوں کی طرح وہاں کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔ سعد کی نظریں بار بار ڈیش بورڈ پر رکھی ٹیوب پر جا رہی تھیں اور ہاتھ پر جلن کا احساس لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"انوشے بی بی نے یہ مرہم دی ہے اور کہلوایا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ پر لگالیں۔"

ناز و کی آواز نے جیسے اس کا پیچھا ہی لے لیا تھا۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ کھولا اور مرہم اٹھا کر باہر پھینک دی اور شیشہ دوبارہ چڑھا دیا۔ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ مسلسل اپنے دل و دماغ کی جنگ میں اُلجھا ہوا تھا۔

"میں کیوں اسے اتنی تکلیف دیتا ہوں جب اُسے کرب میں مبتلا دیکھنا میرے بس میں بھی نہیں....."

سعد نے سٹیرنگ وہیل پر ہاتھ مارتے ہوئے جیسے خود ہی سے سوال کیا تھا۔ موبائل مسلسل بج رہا تھا مگر سعد اسے نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ اس نے یہ تک دیکھنا گوارا نہ کیا کہ کالر کون ہے۔ جب لگاتار بجتا فون اسے ڈسٹرب کرنے لگا تو اس نے کوفت سے اسے اُٹھایا۔ سکرین پر جگمگاتا نمبر دیکھ کر اس نے بے اختیار ہی بریک لگائی تھی۔ گاڑی کے پہیے اس اچانک دخل اندازی پر احتجاجاً چرچرا اُٹھے تھے اور دور تک فضا میں ایک زبردست آواز گونجی تھی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

"سعد گھر آ جائیں!"

انوشے کی معصومیت بھری دلکش آواز اس کی سماعتوں میں رس گھول گئی تھی۔

"آپ نے مرہم تو نہیں لگائی ہوگی ہاتھ پر۔"

وہ اتنے یقین سے کہہ رہی تھی۔ سعد کو حیرت ہوئی مگر وہ کچھ بول نہ سکا۔

"گھر آ جائیں سعد! خواہ مخواہ پورے شہر کی سڑکیں ناپنے سے اضطراب میں کمی نہیں آئے گی بلکہ

دل کا بوجھ بڑھتا ہی جائے گا جیسے اس وقت آپ کے ہاتھ کی جلن....."

انوشے کے لہجے میں نجانے کیا تھا سعد نے سیٹ بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"میں ڈنر کے لئے آپ کی منتظر ہوں..... جلدی آئیے گا۔"

وہ نہایت پُرسکون لہجے میں مخاطب تھی..... اس کے جواب کا انتظار کیے بنا اس نے فون بند کر دیا..... شاید اُسے جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔ سعد نے ایک معمول کی طرح گاڑی گھر کو جانے والے راستے پر ڈال دی..... ایک عجب سا سکون اس کے اندر تک سرائیت کر گیا تھا..... کیسے اُس نرم آواز نے سیکنڈوں میں عام سے الفاظ کا سہارا لے کر اس کا سارا اضطراب، ساری بے چینی ختم کر ڈالی تھی..... اسے طمانیت کے احساس نے آ گھیرا۔ اس کے لہجے کا اعتماد اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس کے لیے فکر مند ہے وہ اس کے اندر باہر سے واقف ہے..... وہ جانتی ہے کہ میں اس وقت پریشان ہوں مگر کیوں.....؟ اس "کیوں" کا جواب میرے پاس تو نہیں مگر شاید وہ واقف ہے۔ تبھی تو اس نے صرف ایک فون کال سے مجھے پُرسکون کر دیا ورنہ میں نجانے کتنی ہی دیر خوار ہوتا رہتا۔

وہ اس کے انتظار میں ڈائننگ روم میں کھڑی تھی۔ جب اُس نے اندر قدم رکھا اور انوشے پر نظر پڑی تو وہ اُس نظر کو ہٹا نہ سکا۔ سلیولیس قمیض اور کنٹس پاجامے کے ساتھ دوپٹہ ایک شانے پر لٹکائے وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ ڈارک کیمل کلر اس کی دودھیا رنگت پر بہت جچ رہا تھا..... بالوں کو فولڈ کر کے کیچر میں قید کیا گیا تھا..... سرخ ہوتے پاؤں بنا جوتوں کے بہت دلکش لگ رہے تھے۔ اپنی مخصوص کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا مگر وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نگاہیں نہ ہٹا پایا تھا۔ کسی بھی طرح کے میک اَپ اور جیولری سے بے نیاز معصومیت بھرا حسن جس میں سعد کے مطابق آج مظلومیت کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا، آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوئے دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

"ایسے کپڑے اس لیے پہنے ہیں کہ سکن پر کپڑا لگنے سے جلن ہوتی ہے اس لیے سوری!"

سعد کی نگاہیں مسلسل اس کے سراپے سے اُلجھ رہی تھیں۔ وہ اُس کی اندر محظوظ ہوتے ہوئے ظاہری طور پر سنجیدگی سے بولی تھی اور سعد جو مسلسل اسے دیکھنے میں مصروف تھا شرمندہ سا ہو کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا..... مگر دوسرے ہی پل پھر وہ اس کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔

"سعد کھانا کھالیں ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگر آپ کانسنٹریٹ نہیں کر پا رہے تو میں چینج کر آؤں؟"

انوشے نے مدھم سی مسکراہٹ دباتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔ سعد کی نظروں کی

تپش سے اس کے چہرے پر سرخی سمٹ آئی تھی.....اور وہ حیا سے بھاری ہوتی پلکوں کو گرائے اب اپنی ہی شرارت کا مزہ لے رہی تھی۔

"No! اٹس اوکے.....اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ کہہ گیا.....انوشے نے چونک کر اُسے دیکھا مگر وہ اب چھری کانٹوں کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی.....اور چہرے پر عجب سی سرشاری جھلک رہی تھی.....انوشے کتنے ہی پل اُسے دیکھتی رہی.....ایسا نظارہ پہلے کبھی اس کے حصے میں نہ آیا تھا۔

"کھانا کھاؤ اب.....نظر لگاؤ گی کیا.....؟"

سعد نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا تو وہ گڑبڑا گئی اور اس کی گھبراہٹ نے سعد کی مسکراہٹ اور گہری کر دی۔کھانے کے بعد سعد نے احد کا نمبر ملایا۔دوسری بیل پر ہی اُس نے کال ریسیو کر لی۔

******

وہ ٹی وی لاؤنج میں تھے جب احد بھی وہیں چلا آیا.....انوشے نے دوپٹہ شانوں پر پھیلا لیا۔جلن تو ہوئی تھی مگر وہ برداشت کر گئی۔

"کیا ہوا بھابی!.....سعد بتا رہا تھا آپ پر چائے گر گئی ہے۔"

احد نے آتے ہی دریافت کیا تھا۔

"جی.....مرہم لگائی ہے، پہلے سے بہتر ہوں۔"

"احد تم خود چیک کرو اور میڈیسن دو!"

سعد نے احد سے کہا تو اس نے ساتھ لائے بریف کیس سے ٹیوب نکال کر اسے تھمائی۔

"احد بھائی ان کے ہاتھ کو بھی چیک کریں، چائے ان پر بھی گری تھی۔"

احد نے حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"یار مجھے ایک بات بتاؤ.....تم دونوں گرم چائے سے کر کیا رہے تھے؟ جو دونوں ہاتھ پیر جلائے بیٹھے ہو.....کیا کوئی نئی گیم دریافت ہوئی ہے؟"

احد کی بات پر سعد خجل سا ہو گیا۔

"تمہیں یہاں تفتیش کرنے نہیں بلایا۔جو کام کرنے آئے ہو وہ کیوں نہیں کرتے۔"

سعد نے اسے ٹالا تھا اور وہ کچھ بھی نا سمجھی میں سر ہلا کر انہیں چیک کر کے دوا دینے

لگا۔چائے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھا رہا پھر مرہم دھیان سے لگانے کی تاکید کرتا اُٹھ کر چلا گیا۔

******

دو ماہ پہلے ان کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔اور سب کی خواہش تھی کہ وہ دونوں اس خوشی کو سب کے ساتھ منائیں۔اسی سلسلے میں وہ ایک ہفتہ انوشے کے والدین کے پاس اور ایک ہفتہ سعد کے والدین کے پاس گذار کر ایک ماہ پہلے واپس کراچی لوٹے تھے۔پھر پورا مہینہ بہت مصروف رہے کیونکہ ان کی کراچی واپسی سے ہفتہ بعد اللہ نے احد اور پلوشہ کو ایک ننھا سا فرشتہ دیا تھا.....انوشے کا زیادہ وقت اسی کے پاس گزرتا مگر آج وہ گھر پر تھی.....سعد کو بھی آفس سے چھٹی تھی.....وہ سو رہا تھا جبکہ انوشے کے سر پر صفائی کا بھوت سوار تھا۔اُس نے نازو کے ساتھ مل کر لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے پردے اور کشن کورز تبدیل کیے.....کارپٹ باہر دھوپ میں پھیلا دیے.....پورٹریٹ (Portrate) اور ڈیکوریشن پیسز (Decoration pieces) صاف کروائے.....فرش دھلوائے اور کچن کے تمام کیبنٹ خالی کروا کر صفائی کی۔سب کچھ اچھی طرح چیک کرتی مطمئن سی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ گیسٹ روم (Guest Room) میں آئی.....اسے صاف کراتے اسے ایک گھنٹہ لگ گیا۔پھر اس نے اور نازو نے ڈرائنگ روم کی سیٹنگ (Setting) تبدیل کی.....ٹی وی لاؤنج میں بھی صوفوں کی ترتیب بدلی.....قالین بچھا کر انوشے نازو کو باقی کام کی ہدایت کرتی رشید سے منگوائے گئے تازہ پھول گلدانوں میں سجانے لگی۔

******

سعد نیند سے جاگا تو بھوک کا احساس شدید تھا.....وہ جلدی سے اُٹھا.....غسل کر کے گرے جینز پر ڈھیلا ڈھالا لان کا کرتا پہنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ نیچے آیا تو وہیں سیڑھیوں پر ہی اس کے اُٹھتے قدم رُک گئے.....سامنے سب کچھ تبدیل تھا.....ہر چیز بہت صاف ستھری اور چمک رہی تھی.....سیٹنگ کی تبدیلی سے سب کچھ نیا نیا سا لگ رہا تھا.....وہ خوش کن احساس سے سب دیکھنے لگا.....جب سے یہ گھر اس نے خریدا تھا وہی سیٹنگ تھی جو آرکیٹیکچر کر گیا تھا.....مگر اب جو بھی تھا بہت پُرکشش اور انوکھا لگنے لگا تھا.....وہ خود شاید اس سیٹنگ سے اُکتا گیا تھا تبھی یہ تبدیلی اُسے بہت پسند آئی تھی۔چیزیں تو ساری وہی تھیں پر جگہ کی تبدیلی سے سب کچھ خوشنما لگ رہا تھا.....اسے اب احساس ہوا کہ زندگی میں چینج کتنا ضروری ہے.....انوشے کچن میں سعد کے پسندیدہ قیمے کے پراٹھے بنا کر باہر آئی تو سیڑھیوں پر کھڑے حیران سے سعد کو دیکھتی اُس کے پاس چلی آئی۔

"آپ کو یہ تبدیلی پسند آئی ....؟"

سعد نے چونک کر اسے دیکھا جو ساری تلخیاں بھلائے بڑی اپنائیت سے اس سے دریافت کر رہی تھی۔

"بتائیں بھی!.....میں نے نازو کے ساتھ مل کر سیٹنگ تبدیل کی.....اچھی ہے ناں ....؟"

وہ بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی جبکہ وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتا ایک اُچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالتا باقی کی سیڑھیاں اُتر کر ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"بھوک نے ستایا ہے ناں موصوف کو تو سیدھے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے ہیں۔"

انوشے بھی اس کے پیچھے آ گئی.....وہاں بھی پردوں کی تبدیلی کو دل ہی دل میں سراہتا وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا.....انوشے نے اس کے سامنے ناشتہ لگایا۔ قیمے کے پراٹھے دیکھ کر سعد کی بھوک اور چمک اٹھی.....گرما گرم پراٹھوں کی خوشبو ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لذیذ ہوں گے۔

"مجھے ممی (ساس) نے بتایا تھا کہ آپ کو قیمے کے پراٹھے بہت پسند ہیں اس لیے میں نے آج آپ کے لیے بنائے.....اُن جیسے تو نہیں بنا سکی مگر کوشش کی ہے.....I Hope so آپ کو پسند آئیں۔ سعد گہری نظروں سے اپنے سامنے ناشتہ لگاتی اس نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ساتھ ہی ساتھ نہایت نرم آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ بلیک جینز اور گرے پھولوں والی گھٹنوں سے نیچے تک لمبی سیاہ قمیض پہنے بالوں کو ڈھیلی سی پونی میں قید کیے کسی بھی قسم کی جیولری اور میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ وہ بہت معصوم اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"صاحب جی!.....احمد صاحب آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے....."

نازو کی آواز پر اس نے انوشے پر سے نظریں ہٹائیں.....اور نازو سے بولا۔

"اُسے اِدھر ہی بلا لو!"

احمد کو دیکھتے ہی سعد اٹھ کر اس سے بغل گیر ہوا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم بھابی!"

احمد نے انوشے کو سلام کیا۔

"تم کب سے انسانوں کی طرح، میرا مطلب ہے مہمانوں کی طرح آنے لگے ہو.....؟"

سعد نے شوخ لہجے میں احمد سے دریافت کیا اور نوالہ منہ میں ڈال لیا۔

"بھابی سے چند ملاقاتوں نے ہی مجھے انسان بنا دیا ہے۔ تم تو پچھلے سوا سال سے اُن کے ساتھ ہو

پر ابھی تک تمہیں کوئی افاقہ نہیں ہوا.....میرے لیے تو یہ بات زیادہ قابل غور ہے....."

احمد بھی جوابی کارروائی کرتا ہوا اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ سعد کھل کر مسکرایا۔

"واہ بھئی! بڑی خدمتیں کروا رہے ہو بھابی سے تمہاری تو بیٹھے بٹھائے لاٹری نکل آئی۔"

احمد اسے تنگ کر رہا تھا۔

"خوب عیش ہو رہے ہیں۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

جبکہ سعد ڈھٹائی کی حد کرتے ہوئے پراٹھوں سے نبرد آزما تھا.....انوشے کو سعد کی ڈھٹائی کے اس عظیم مظاہرے پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ آخر وہ خود ہی بولی۔

"احمد بھائی آپ بھی کریں ناشتہ.....میں نے آج قیمے کے پراٹھے بنائے ہیں۔"

"دیکھ لو!.....میری بھابی کو ہی خیال آیا میرا.....تمہیں تو زحمت نہیں ہوئی کہ چائے پانی کا ہی پوچھ لو....."

احمد نے سعد کو ڈھیٹ کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کا اثر لیے بنا ہنستے ہوئے بولا۔

"نہ بھئی نہ.....میں ایک نوالہ بھی دینے کے موڈ میں نہیں ہوں کیونکہ یہ اتنے مزیدار ہیں کہ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا تم جتنا مرضی ڈھیٹ کرنے کی کوشش کر لو.....ویسے بھی آج میں ڈھیٹ ہونے کے قطعی موڈ میں نہیں ہوں.....پر اب جب انوشے نے تمہیں آفر کر ہی دی ہے تو میں تمہیں ایک نوالہ دے ہی دیتا ہوں مگر اس سے زیادہ کی اُمید مت رکھنا۔"

سعد نے باقاعدہ ایک نوالہ توڑ کر اس کی طرف بڑھایا تو احمد نے اس کے آگے پڑی پلیٹ اُٹھالی۔

"نہیں یار.....اب میں اِتنا بُرا نہیں کہ تمہارے منہ سے نوالہ چھین لوں.....آخر تمہارا دوست ہوں.....اس لیے یہ تم کھا لو.....میرے لیے یہ پراٹھے کافی ہیں۔"

سعد نے اس کی اس حرکت پر قہقہہ لگایا.....احمد بھی ہنسنے لگا۔ پھر دونوں مل کر ناشتہ کرنے لگے۔ انوشے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"بھابی! آپ بھی کھائیں ناں!"

احمد نے اسے ایسے ہی بیٹھے دیکھ کر کہا تو وہ بھی ناشتہ کرنے لگی۔ فارغ ہو کر احمد اور سعد ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھے۔

"واہ بھابی! مزہ آ گیا..... پراٹھے بہت مزیدار تھے۔"

انوشے کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر احمد نے تعریف کی تھی۔

"یہ خیال تمہیں ڈائننگ ٹیبل پر کیوں نہیں آیا.....؟"

سعد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آیا تھا..... پر تب میں کھانے میں مصروف تھا۔''

انوشے احد کی بات پر مسکرادی۔

''اب بتاؤ..... کیا مصروفیات ہیں آج کل..... کیسے آنا ہوا آج صبح صبح بنا اطلاع دیئے؟''

سعد نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہاری طرح شادی کروا کر دنیا سے بیگانہ نہیں ہوا..... تم تو ہوش ہی گنوا بیٹھے ہو..... یادداشت کمزور ہوگئی ہے تمہاری.....''

''کیا مطلب.....؟ یہ ہندی فلموں کے ڈائیلاگز کیوں بول رہے ہو.....؟''

سعد نے ٹی وی پر چینلز تبدیل کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آج تم دونوں ہمارے ساتھ بیچ پر چل رہے ہو ناں.....؟''

''اوہ..... !میرے تو بالکل ذہن میں نہیں تھا.....'' سعد نے اعتراف کیا۔

''مجھے علم تھا..... اسی لیے خود چلا آیا یاد دلانے..... تمہاری شروع سے یہی عادت ہے۔ ہمیشہ آؤٹنگ کا پروگرام بناتے ہو پھر خود ہی بھول جاتے ہو۔''

احد نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''سوری یار..... !دھیان ہی نہیں رہا..... ویسے بھی تم لوگوں نے اتنی بار پروگرام پوسٹ پون کیا کہ میرے ذہن سے ہی نکل گیا..... خیر ہم ضرور آئیں گے۔''

''ہاں احد بھائی..... آپ فکر نہ کریں ہم وقت پر پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے پھر فائنل ہوا..... میں اور پلوشہ پہلے ادھر آئیں گے پھر یہاں سے اکٹھے ہی ساحل سمندر پر..... پہلے تو پلوشہ کی طبیعت اور ابراہیم کی آمد کی وجہ سے پروگرام پوسٹ پون کرنا پڑا مگر اب تو وہ ماشاء اللہ ایک ماہ اور اٹھارہ دن کا ہو گیا ہے۔ پہلے سے کافی ایکٹو بھی ہے۔ مجھے تو وہ انوشے بھابی جیسا اعلیٰ ذوق کا بندہ لگتا ہے۔ رنگ ابھی سے اُسے اٹریکٹ کرتے ہیں ہر چیز بہت غور سے دیکھتا ہے۔ ویسے بھابی یہ سیٹنگ آپ نے کب کی؟''

احد جب سے آیا تھا اس تبدیلی کو سراہتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اپنی بات کے اختتام میں پوچھ بیٹھا۔

''آپ کو اچھی لگی.....؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی.....

''نہیں'' احد کے دوٹوک جواب پر انوشے بہت مایوس ہوئی۔

''کیا واقعی.....؟''

وہ بے یقینی سے بولی تھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ سب کو پسند آئے گی یہ تبدیلی مگر ایسا نہیں ہوا تھا..... سعد نے تو اس بارے میں کچھ کہا ہی نہیں تھا..... اب اگر احد بھائی نے رائے دی بھی تو..... اسے اپنی ساری محنت رائیگاں ہوتی دکھائی دی..... جبکہ سعد نے حیرانی اور بے یقینی کے عالم میں احد کو دیکھا تھا..... ایسا ضرور تھا کہ اس نے زبان سے تعریف نہیں کی تھی مگر سیٹنگ تو بہرحال بہت بھلی لگ رہی تھی۔ احد نے باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''تم دونوں تو ایسی مایوس شکلیں بنا کر بیٹھ گئے ہو جیسے پاکستان ورلڈ کپ ہار گیا ہو اور وہ بھی انڈیا سے.....''

سعد اور انوشے نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر احد کو۔

''میں تو کہہ رہا تھا کہ یہ تبدیلی اچھی نہیں بلکہ بہت اچھی ہے..... سب کچھ بہت جچ رہا ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ وہ دونوں بھی مسکرا دیئے۔ احد کچھ دیر گپ شپ لگاتا رہا پھر شام کا وعدہ لے کر اُٹھ گیا۔ سعد اس کے جاتے ہی سٹڈی روم میں آ گیا..... اس کے پاس جب بھی کچھ وقت ہوتا وہ کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ لیتا..... کتابوں کا مطالعہ اور گارڈننگ یہ دو مشاغل تھے جنہیں وہ بہت انجوائے کیا کرتا تھا تیسرا شوق اس کا گالف کھیلنا تھا۔ مگر وہ اسے صرف پاپا کے ساتھ انجوائے کرتا تھا..... سو جب وہ ساتھ ہوتے صرف تبھی کھیلتا۔

******

وہ کتاب پڑھتے پڑھتے تھک گیا تو اُٹھ کر نیچے چلا آیا..... انوشے پتا نہیں کہاں غائب تھی..... سعد کی متلاشی نظریں اسے تلاش کر رہی تھیں۔ مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی..... اس نے بددلی سے ٹی وی لگایا۔ سر کے نیچے کشن رکھ کر صوفے پر نیم دراز ہو کر چینل بدلنے لگا..... انوشے کچن سے برآمد ہوئی تھی..... اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو چائے کے کپ رکھے ٹی وی لاؤنج میں آ گئی..... سعد بظاہر ٹی وی دیکھنے میں محو تھا۔ انوشے نے ٹرے میز پر رکھی اور کپ پرچ میں رکھ کر ان کی طرف بڑھایا۔

''سعد چائے لے لیں!''

''رکھو در!''

اس نے دانستہ ٹی وی سے نگاہیں نہیں ہٹائی تھیں..... انوشے کا بہت دل چاہا اس سے ڈھیر ساری باتیں کرے۔ آج بہت دنوں بعد پورا دن وہ گھر میں تھا ورنہ ایسا کم ہی ہوتا..... مگر وہ آدھا دن سونے کے بعد تب سے سٹڈی روم میں مصروف تھا جہاں انوشے کا جانا ممنوع تھا۔ انہیں نہایت توجہ سے ٹی وی میں مگن دیکھ کر اس نے ٹیبل پر ان کا کپ رکھا اور خود دوسرے

صوفے پر بیٹھ کر چائے پینے لگی۔ اُس کی نظریں سعد کو حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ کبھی کبھی اس کا دل کرتا کہ وہ سعد کو جی بھر کر دیکھے اور دیکھتی جائے..... اب بھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی جب اچانک اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی..... اس کو یوں نظریں چراتے دیکھ کر سعد کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی جسے چھپانے کے لئے اس نے دوبارہ اپنی نظریں ٹی وی پر مرکوز کر لیں مگر وہ اپنا دھیان انوشے پر سے نہ ہٹا سکا..... جو وہ بارہ اسے گھورنے میں مصروف ہو چکی تھی..... سعد کچھ دیر چینل بدلتا رہا پھر میز پر سے چائے کا کپ اٹھانے کے بہانے اس نے کن انکھیوں سے انوشے کی طرف دیکھا اور وہ چائے پینے کے دوران اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی، نظریں جھکا گئی..... سعد نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اور اب اس کی بوکھلاہٹ کا مزہ لے رہا تھا۔ وہ دانستہ دوبارہ ٹی وی کو دیکھنے لگا۔ انوشے نے پھر اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیا۔ سعد چائے پینے میں مصروف تھا اور انوشے کی نظروں کی حدت اب بھی خود پر محسوس کر رہا تھا..... اُس کی نظروں نے اس کے دل میں عجیب سی ہلچل پیدا کر دی جیسے انوشے کی نظروں سے اس کے دل کا براہِ راست کوئی رابطہ ہو..... وہ کچھ مضطرب سا ہو گیا..... مگر اس کے باوجود اسے اچھا لگ رہا تھا، انوشے کا یوں اردگرد سے بے نیاز ہو کر اسے دیکھنا..... اور یہی بات اُس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اُس نے خالی کپ میز پر رکھ دیا..... تبھی نازو ٹرے اٹھانے آئی۔ انوشے نے بد دلی سے کپ ٹرے میں رکھے اور ٹرے نازو کو پکڑا دی..... اُس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ سعد کو بلاتی..... بس اسی آس میں بیٹھی تھی کہ شاید وہ خود اسے بلا لیں۔

''اگر میرا دل کرتا ہے اُن سے باتیں کرنے کو تو کیا اُن کا نہیں کرتا.....؟ وہ کیوں اس خواہش کا اظہار نہیں کرتے..... کیوں خود سے بلانے کی کوشش نہیں کرتے مجھے.....؟''

انوشے اب گود میں دھرے اپنے ہاتھوں پر نظریں مرکوز کیے خاموشی سے اپنی ہی سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی..... نازو کچن سے فارغ ہو کر آئی اور انوشے کو افسردگی سے یوں بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس چلی آئی۔

''لائیں بی بی جی! آپ کے سر میں تیل کا مساج کر دوں..... آپ کچھ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں..... سرسوں کے تیل کا مساج تھکاوٹ دور کر دے گا۔''

انوشے کو بھی جیسے اس کی ضرورت محسوس ہوئی..... اُسے امی یاد آ گئیں جو ہر چھٹی والے دن اس کے بالوں میں خوب تیل لگایا کرتی تھیں..... اور ساتھ ہی ساتھ اس کی اہمیت بھی بتایا کرتی تھیں..... کہ سرسوں کا تیل بالوں کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے اور ان کی جڑوں کو مضبوط

کرتا ہے۔ ان کے ہاتھوں کی حرکت کرتی انگلیوں میں عجیب سی کشش ہوتی کہ پورے ہفتے کی تھکاوٹ چٹکیوں میں غائب ہو جایا کرتی اور وہ خود کو ہلکا پھلکا تصور کرنے لگتی۔

''ہاں نازو!..... کر دو مساج..... میں بہت تھک گئی ہوں..... بہت زیادہ۔''

انوشے کی بامعنی سی گہری بات نے سعد کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا..... وہ صوفے سے اتر کر نیچے قالین پر بیٹھ گئی اور صوفے سے کمر ٹکا کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ سعد نے محسوس کیا کہ وہ کچھ خاموش سی ہے ورنہ پہلے بھی تو وہ اسے خود سے نہیں بلاتا تھا وہ خود ہی بولتی جایا کرتی تھی۔ نازو تیل دیں لے آئی اور اس کے بال کھول کر مساج کرنے لگی۔

''تمہیں پتا ہے نازو..... امی باقاعدگی سے میرے سر میں تیل لگایا کرتی تھیں۔ میرے بال لمبے ہونے کی بڑی وجہ بھی یہی ہے..... امی اکثر کہا کرتیں کہ بال عورت کا حسن ہوتے ہیں۔ ان کو سنبھالا کرو، ان کی حفاظت کیا کرو۔''

وہ نہایت عقیدت اور اپنائیت سے ماں کا ذکر کر رہی تھی..... اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں میں اُتر آنے والی نمی کو جذب کیا اور آنکھیں بند کر کے مساج کروانے لگی..... نازو کی انگلیاں بڑی مہارت سے چل رہی تھیں۔ انوشے کو سکون ملا۔ بند آنکھوں کے سامنے ماضی کی ریل چلنے لگی۔

''مما..... بس کریں ناں..... اور کتنا مساج کریں گی''

پچھلے پون گھنٹے سے ایک ہی زاویے سے بیٹھی بیٹھی وہ اُکتا گئی تھی۔

''انوشے خاموشی سے بیٹھی رہو..... بالوں کا کیا حال کر لیا ہے تم نے..... ہفتے میں ایک دن تیل لگانا ہوتا ہے وہ بھی مجبوری میں ہی بیٹھتی ہو تم..... کنجی ہو جاؤ گی تو کوئی شادی بھی نہیں کرے گا۔''

''اوہ!..... مما..... اب پورا ہفتہ تو تیل نہیں لگائے رکھ سکتی..... اگر یوں کالج جاؤں گی تو سبھی مجھے دادی ماں کہیں گے..... اور رہا شادی کا سوال تو وہ ''مسٹر کوئی'' مجھ سے شادی کرے گا یا میرے بالوں سے.....؟''

انوشے نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں..... باتیں کروا لو تم سے جتنی چاہے''..... مما کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

''آہ!..... مما..... آہستہ سے چوٹی بنائیں، اتنی کھینچ کر کیوں بنا رہی ہیں۔ مجھے لگ رہا ہے میرے آئی برو ماتھے پر پہنچ گئے ہیں۔''

انوشے نے باقاعدہ ہاتھوں سے چھو کر اپنے آئی بروز کا ٹھیک جگہ موجودگی کا تعین کیا۔

اس کی اس حرکت پر مما کو باوجود غصے کے ہنسی آ گئی۔ مما نے دونوں طرف سے اس کے آگے سے بال لے کر فرنچ نیلز بنا کر ان کو باقی بالوں کے ساتھ ملا کر بڑی سی چٹیا کر دی۔

''اب شام تک سر مت دھونا..... سمجھی.....!''

مما اپنے کام سے فارغ ہو کر اسے ہدایت دینا نہ بھولی تھیں۔

''کیا..... شام تک.....؟ تو میں سارا دن ایسے ہی گھومتی رہوں گی.....؟''

انوشے کو جیسے شاک لگا تھا۔

''ہاں..... بالکل!''

مما کی ہنسی مسکراہٹ پر وہ سر سہلاتی برے برے منہ بناتی اٹھ کھڑی ہوئی..... ولی بھائی باہر سے آئے تو سامنے کھڑی انوشے پر نظر پڑتے ہی واپس پلٹتے ہوئے بلند آواز میں بولے۔

''مجھے لگتا ہے میں غلط گھر میں آ گیا ہوں..... معاف کیجئے گا! دانے بھوننے والی ماسی جی! غلطی ہو گئی۔''

وہ بات کرتے کرتے باہر جانے کو تھے کہ انوشے چیخ اٹھی۔

''ولی بھائی..... آپ جان بوجھ کر مجھے تنگ کر رہے ہیں..... مما دیکھیں بھائی کو..... میرا مذاق اڑا رہے ہیں.....''

انوشے روہانسی ہو رہی تھی..... جبکہ وہ ہنستے ہوئے اس کے قریب آئے اور اس کی روتی صورت دیکھ کر انہیں اور زیادہ ہنسی آئی۔

''ولی باز آ جاؤ..... کیوں تنگ کر رہے ہو بہن کو..... اتنی پیاری تو لگ رہی ہے.....''

مما اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے ڈانٹ رہی تھیں..... جانتی تھیں وہ ہر بار کی طرح اب بھی اسے تیل لگے بالوں کی وجہ سے خوب تنگ کرے گا..... وہ ایسا ہی کیا کرتا تھا..... اور انوشے ہمیشہ ہی چڑ کر رونا شروع کر دیا کرتی۔

''مما..... میں نے غلط تو نہیں کہا..... آپ بھی دیکھیں ذرا غور سے، یہ دانے بھوننے والی ماسی ہی تو لگ رہی ہے.....''

ولی نے اس کی موٹی سی چوٹی کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''امی نے بنائی ہے۔ اب اس میں میرا کیا قصور.....؟''

انوشے نے روتے ہوئے دہائی دی تھی۔

''کیا.....؟ ماسی یا چوٹی.....؟''

ولی بھائی شرارت سے پوچھ رہے تھے..... اور ان کا پوچھنا ہی غضب ہو گیا۔

''بھائی اللہ کرے آپ کے بھی! اتنے ہی لمبے بال ہو جائیں پھر مما آپ کی بھی ہر چھٹی والے دن اسی طرح خوب تیل لگا کر چوٹی بنائیں۔ تب پتا چلے آپ کو کہ مما کیا زیادہ اچھا بناتی ہیں۔ ماسی یا چوٹی.....؟''

انوشے کی اس بات پر ولی بے خود ہو کر ہنستا ہوا بولا۔

''میں تمہیں ہیجڑا لگتا ہوں..... ماسی.....؟''

وہ اس کی ناک کھینچتا کمرے میں بھاگ گیا..... اور وہ چلاتی رہی۔

******

ٹی وی دیکھتے ہوئے اچانک ہی سعد نے گردن گھما کر ادھر دیکھا تو اس کی نظریں وہیں جم گئیں۔ گھنے بالوں میں انوشے تقریباً چھپی ہوئی تھی۔ لمبے بال ڈھیر کی صورت قالین پر پڑے تھے..... کچھ شرارتی لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں اور وہ ان کی گستاخی سے بے نیاز آنکھیں موندے ہلکا ہلکا مسکرا رہی تھی۔ اردگرد سے بے خبر خود میں ہی کہیں کھوئی ہوئی چہرے پر بے انتہا معصومیت لیے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا ہالہ بنائے بیٹھی وہ سعد کو اپنے دل کے نہایت قریب محسوس ہوئی..... بہت اپنی سی..... بہت پیاری!!! اور کچھ دیر پہلے انوشے کا اسے دیکھنا بھی اس کے دل کو ابھی تک گدگدا رہا تھا۔

''ارے بی بی جی! آپ تو خود بخود مسکرائے جا رہی ہیں۔''

نازو چٹیا بنا کر اٹھی تو اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی آواز سے انوشے نے آنکھیں کھولیں اور حال میں واپس چلی آئی۔

''ارے تم نے چٹیا بھی بنا دی..... مجھے احساس ہی نہیں ہوا.....''

انوشے اپنے گندھے بال دیکھ کر حیران ہوئی۔

''احساس کیسے ہوتا۔ آپ تو خود کہیں کھوئی ہوئی تھیں..... میں نے سنا ہے جب اردگرد کا ہوش نہ رہے اور بنا کسی بات کے انسان خود بخود مسکراتا رہے تو یہ محبت ہو جانے کی علامتیں ہیں۔''

انوشے نے نازو کی بات پر چونک کر اسے دیکھا اور پھر سامنے بیٹھے سعد کو جو نہایت دلچسپی سے نازو کی بات سنتے ہوئے انوشے کو ہی دیکھ رہا تھا..... نظریں ملیں تو انوشے پلکیں جھکا گئی۔ سعد کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ ابھری تھی جسے اس نے گردن موڑ کر چھپا لیا تھا۔ نازو کوئی جواب نہ پا کر چلی گئی تو انوشے نے ایک نظر سعد پر ڈالی اور گہرا سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سنو!''

پیچھے سے سعد کی آواز نے اس کے اٹھتے قدموں کو روک دیا..... دل یکدم اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا..... اس نے مُڑ کر سعد کو دیکھا جو اب باقاعدہ طور پر ٹی وی بند کر کے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''اِدھر آؤ!..... میرے پاس بیٹھو.....''

سعد نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے پاس صوفے پر اس کے لئے جگہ بنائی۔

انوشے پر جیسے حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

''جی.....؟''

وہ اتنا ہی بول پائی۔ مگر اس نے ایک بھی قدم سعد کی طرف نہیں بڑھایا تھا۔ سعد نے اسے یوں بے یقینی کے عالم میں وہیں رُکے پایا تو اسے اُس پر ترس آیا۔ خود کو وہ کسی بہت ہی ظالم دیو کی شکل میں دیکھ رہا تھا اور انوشے اُسے وہ معصوم سی پری لگی جسے ظالم دیو زبردستی اپنی قید میں رکھتا ہے۔ وہ آہستہ سے اُٹھا اور انوشے کے بالکل قریب جا کھڑا ہوا۔ اُس کا چہرہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا..... انوشے کچھ اندازہ نہ لگا پائی کہ اُن کو کسی بات پر غصہ آیا ہے یا واقعی اُن کا موڈ خوشگوار ہے۔ وہ اُس کے چہرے پر کھوجتی نگاہیں ڈالے ان کے تاثرات پڑھنے کی کوشش میں تھی۔ جب سعد نے ایک لمحے کو اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔ انوشے کو گزرے دنوں میں آج پہلی بار احساس ہوا کہ جن آنکھوں میں جھانکنے کی وہ جنون کی حد تک خواہاں ہے، براہِ راست اُن میں دیکھنا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔ جانے کیا تھا سعد کی آنکھوں میں..... عجب طرح کا اضطراب، بے چینی، دیوانگی، محبت، خود فراموشی، خود فریبی یا انوشے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہنے کی چاہ۔ اتنے زیادہ متضاد جذبوں کی عکاس تھیں سعد کی آنکھیں کہ انوشے کے لئے ایک بھی لمحہ مزید ان میں دیکھنا محال ہو گیا۔ اس نے اپنی خوبصورت گھنی پلکوں کی باڑ گرائی اور نظریں جھکا لیں..... جس سے سعد کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا..... وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہنا چاہتا تھا..... شفاف، چمکتی ہوئی گہری آنکھیں جن میں اسے سوائے اپنے عکس کے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاں کچھ حیرت و خوف کے آثار تھے مگر اس کے علاوہ بھی کچھ تو تھا..... جسے وہ باوجود کوشش کے پہچان نہیں پایا تھا۔

انوشے کے بارے میں سب کچھ جان جانے کی خوش فہمی تھی اسے..... آج اُس ایک لمحے نے اسے اس بات کا ادراک کرا دیا تھا کہ وہ شاید اسے کبھی کھوج ہی نہیں پایا..... اور وہ ایک لمحہ تھا جب اُس کی آنکھیں براہِ راست انوشے کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں..... اسے تب احساس ہوا تھا کہ انوشے تو آج بھی اس کے لئے کسی پُر اسرار راز کی مانند تھی یا پھر کسی ویرانے

میں موجود گڑھے میں دبے قفل زدہ طاق میں رکھے اُس ہیرے کی مانند جسے آج تک کوئی بھی ڈھونڈ نہ پایا ہو..... یا پھر..... یا پھر شاید کسی سمندر کی عمیق گہرائیوں کی سب سے نچلی تہہ میں موجود پتھروں کے درمیان گھری سیپی کے اندر چھپے اُس نایاب موتی کی مانند جس تک کسی بھی غوطہ خور کی رسائی ممکن نہ تھی..... مگر..... مگر سعد وہاں پہنچنا چاہتا تھا..... کھوجنا چاہتا تھا اپنے سامنے نظریں جھکائے کھڑی اس لڑکی کو..... وہ اسے پرت در پرت اندر تک جان لینے کی خواہش کو آج اپنے دل میں چھپانا نہیں چاہتا تھا..... وہ آج اپنے دل کی گواہی اور دماغ کی دلیلوں میں سے کسی ایک پر سچائی کی مہر لگا کر خود کو ظالم دیو کی صف سے نکالنا چاہتا تھا..... بَری الذمہ ہونا چاہتا تھا اپنے ہر ظلم سے اپنی ہر تلخ بات سے۔ انوشے جو ابھی تک نظریں جھکائے سعد کی طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی کے انتظار میں تھی مایوس ہو کر اس نے وہاں سے جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ سعد نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک دیا۔ انوشے نے تعجب سے اسے دیکھا..... جبکہ وہ اس کی نظروں کو نظر انداز کرتا اسے لیے صوفے کی طرف آیا اور اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے چند لمحے وہ سر جھکائے بیٹھا الفاظ ڈھونڈتا رہا پھر نظر اُٹھا کر اسے دیکھتا ہوا نہایت دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

''تم نے مجھ سے شادی کیوں کی انوشے.....؟''

سعد نے جن عام الفاظ کو جوڑ کر ایک ننھے جملے کی شکل دی تھی..... انوشے کے لئے وہی جملہ دنیا کا مشکل ترین سوال ثابت ہوا تھا۔ وہ بس اُسی طرح نظریں جھکائے خاموش رہی۔

''بولو انوشے!..... تم نے کیا سوچ کر مجھ سے شادی کی تھی.....؟''

سعد کے لہجے میں بے حد اپنائیت اور نرمی تھی..... جو انوشے کے مطابق سعد کا خاصہ بالکل نہیں تھی..... مگر آج تو جیسے اُلٹی گنگا ہی بہنی شروع ہو گئی تھی..... اُس کا یہ اپنائیت بھرا رویہ انوشے کی آنکھیں نم کر رہا تھا..... وہ اب بھی کچھ بول نہیں پائی تھی۔

''انوشے میں جانتا ہوں میں بہت بُرا ہوں..... پر میں ہمیشہ سے بُرا نہیں تھا۔ میں خود پر لگا بُرا ہونے کا یہ لیبل اُتار کر پھینک دینا چاہتا ہوں..... بخدا میں نے کبھی کسی لڑکی پر اس طرح ظلم کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا..... میں خود حیران ہوں کہ میں کیسے تم سے اس طرح کا سلوک روا رکھ سکتا ہوں۔ میں..... میں بہت مشکل میں ہوں انوشے..... پلیز میری مشکل آسان کر دو..... مجھے بتا دو تم نے مجھ سے شادی کیوں کی.....؟''

نجانے کیا تھا سعد کے لہجے میں کہ دو اشک انوشے کے رخساروں پر لڑھک آئے

جنہیں ہاتھ سے صاف کرتی وہ آہستہ سے گویا ہوئی۔

''میری جب آپ سے شادی ہوئی تو میں آپ کو نہیں جانتی تھی..... مما پاپا کو آپ بہت پسند آئے تھے یہی میرے لیے کافی تھا..... اور میں نے رضامندی دے دی تھی۔''

''بس.....؟؟ ایک یہی وجہ کافی تھی تمہارے لیے کہ میں تمہارے ممی پاپا کو پسند آ گیا تھا.....؟''

سعد کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''سعد آپ جو پوچھنا چاہتے ہیں سیدھے الفاظ میں پوچھ سکتے ہیں۔ اس سے آپ کو بھی سہولت ہوگی اور میں بھی آپ کا مدعا سمجھ پاؤں گی۔''

وہ اس کے اس رویے سے اُلجھی گئی تھی۔

''سیدھے الفاظ.....؟'' سن لو گی سیدھے الفاظ میں کیا گیا سوال.....؟؟ جواب دے پاؤ گی تم اتنے ہی ''سیدھے الفاظ'' میں.....؟''

انوشے کو محسوس ہوا سعد کچھ تلخ ہو گیا تھا..... اپنے ہاتھوں میں لیا انوشے کا ہاتھ اس نے چھوڑ دیا تھا۔

''جی سعد.....! آپ کے ذہن میں جو اُلجھن ہے۔ جو پریشانی ہے آپ مجھ سے پوچھیں۔ حق ہے آپ کا..... ہماری شادی کو لے کر جو بھی بات یا سوال آپ کے دماغ میں ہے کلیئر کریں..... مجھے بتائیں آپ کیا جاننا چاہتے ہیں.....؟''

انوشے نے نرمی سے کہا..... اُس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

''کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے انوشے؟''

سعد نے اُسی لہجے میں سوال کیا۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ انوشے کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے.....؟''

انوشے نے سعد کو دیکھتے ہوئے پوچھا..... وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا:

''مجھے لگتا ہے تم مجھے دھوکہ دے رہی ہو.....''

سعد کا لہجہ سپاٹ تھا کسی بھی جذبے کسی بھی احساس سے عاری۔ وہ ایکدم جیسے اس ساری گفتگو سے اُکتا گیا تھا۔ اس کا دل جیسے ہر چیز سے اُچاٹ ہونے لگا۔

''سعد آپ مجھ سے ہر وقت بدگمان کیوں رہتے ہیں۔ کیوں ہر وقت غصہ کرتے ہیں؟''

انوشے نے بہت ہمت کر کے پوچھا۔ سعد نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور سخت لہجے میں بولا۔

''تم جاؤ یہاں سے..... میرا سر نہ کھاؤ.....''

''جاؤں.....؟ پر آپ نے ہی تو مجھے روکا تھا.....''

انوشے سعد کے پل میں تولہ پل میں ماشہ رویے پر جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

''ہاں روکا تھا..... اب میں ہی جانے کے لئے کہہ رہا ہوں..... اُس کا لہجہ نہایت بیگانگی لیے ہوئے تھا..... کچھ دیر پہلے نرمی سے باتیں کرتے سعد کی زبان اب شعلے اُگلنے کو تھی..... اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ آج جو نرم رویہ انہوں نے اپنایا تھا اس سے بات کرتے ہوئے وہ ان چند لمحات کو جی بھر کر پھر سے اپنے تصور میں محسوس کرنا چاہتی تھی۔ سعد نے دوبارہ ٹی وی آن کر لیا تھا اور یوں ٹی وی سکرین پر نظریں جمالی جیسے اس سے قابل توجہ اور کوئی چیز ہی نہ ہو..... کچھ دیر وہ ویسے ہی بیٹھی خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھتی رہی پھر نم آنکھیں لیے اُٹھ گئی..... ''شام کو پانچ بجے تک تیار رہنا، بیچ پر جانا ہے احد اور پلوشہ بھابی کے ساتھ۔'' سعد نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے ہی روکھے سے لہجے میں اسے اطلاع دی تھی۔ وہ خاموشی سے سختی اور پر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

******

انوشے غسل سے فارغ ہو کر نکلی ہی تھی کہ ناز دچلی آئی۔

''بی بی جی! احد صاحب آئے ہیں اپنی مسز کے ساتھ۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ بیچ پر اکٹھے جانا ہے۔ ابراہیم کو بھی لائے ہیں۔''

''اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔''

انوشے نے اسے کہا اور خود جلدی سے وارڈ روب کھول کر دیکھنے لگی کہ کیا پہنے..... دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تو وہ سمجھی ناز دہی ہوگی۔

''آ جاؤ ناز دا..... دروازہ کھلا ہی ہے۔''

''میں پلوشہ ہوں انوشے..... کیا میں اندر آ سکتی ہوں.....؟''

باہر سے کہا گیا تھا۔ انوشے نے فوراً وارڈ روب بند کر دی۔ وہ پلٹی تو سامنے ہی پلوشہ کو کھڑے پایا جو ابراہیم کو اٹھائے ہوئے تھی۔ انوشے نے اسے گود میں اُٹھا کر پیار کیا۔

''اُف! کہیں پلوشہ نے دیکھ نہ لیا ہو کہ وارڈ روب میں صرف میرے کپڑے ہیں۔''

''ہمارے درمیان کچھ نہیں..... اس کا اندازہ کسی کو نہیں ہونا چاہیے اور میری دوست کو تو بالکل بھی نہیں۔''

انوشے کے کانوں میں سعد کے الفاظ گونجے تھے۔

''ارے..... تم تیار نہیں ہوئی ابھی تک.....؟''

پلوشہ اسے ایسے ہی کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگی تو وہ اپنے خیال سے چونکی۔ خود وہ بلو جینز اور بلو ہی ڈھیلی سی لانگ شرٹ میں ملبوس تھی۔

''وہ..... میں سوچ رہی تھی کہ کیا پہنوں.....''

انوشے نے سکون کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تھا..... پلوشہ نے کچھ نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ اس سے سوال ضرور کرتی۔

''اس میں سوچنا کیا ہے..... میری طرح جینز شرٹ پہن لو اور کوئی سوٹ ساتھ رکھ لو بھیگنے کے بعد واپسی پر پہننے کے لئے۔''

پلوشہ خوش دلی سے بولی..... انوشے نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''ویسے تم نے مائنڈ تو نہیں کیا۔ میں تمہارے بیڈ روم میں آ گئی۔''

پلوشہ کی کھوجتی نگاہیں بیڈ روم کا جائزہ لیتی اس کے چہرے پر آ ٹکی تھیں..... پلوشہ اس بات پر حیران تھی کہ کمرہ نہایت ہی سادہ سا تھا اور کسی بھی زاویے سے بیرڈ کپل کا بیڈ روم نہیں لگ رہا تھا..... بلاشبہ ہر چیز بہت نفیس تھی مگر پھر بھی کچھ نامکمل سا تھا..... پلوشہ کہ اس کی چھٹی حس کچھ اشارہ دے رہی تھی جسے نظر انداز کرتی وہ انوشے سے آخر پوچھ ہی بیٹھی تھی۔

''ارے نہیں پلوشہ..... اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے.....''

''تم بہت اچھی ہو..... اب جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ تم دونوں۔ سعد بھائی کہاں ہیں نظر نہیں آ رہے؟''

پلوشہ کے پوچھنے پر وہ پریشان سی ہو گئی۔

''واش روم میں ہوں گے۔''

پلوشہ نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ پھر وہ ابراہیم کو اس سے لیتے ہوئے بولی۔

''آ جاؤ بیٹا! آنٹی کو تیار ہونا ہے۔ ہم نیچے چلیں آپ کے پاپا اکیلے بور ہو رہے ہوں گے.....''

پلوشہ مسکراتی ہوئی چلی گئی تو انوشے نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔ وارڈ روب کھولی اور کچھ سوچ کر سفید جینز اور شاکنگ پنک شرٹ نکال کر چینج کرنے چلی گئی..... ہونٹوں پر میک اَپ کے نام پر ہلکی سی لپ اسٹک ہی لگائی تھی اس نے..... پھر بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اس کی نظر شیشے میں نظر آتے سعد پر پڑی تو وہ فوراً پلٹی..... سعد دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا نجانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

سعد کو شروع سے ہی لڑکیوں کے شولڈر کٹ بال پسند تھے۔ اور شادی سے پہلے جب

اسے معلوم ہوا کہ انوشے کے بال لمبے ہیں تو اسے اس پر اعتراض تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ شادی کے بعد انوشے سے کہہ دے گا کہ وہ اپنے بال کٹوا لے کیونکہ مجھے لمبے بال پسند نہیں ہیں۔ مگر اب اُسے انوشے کے یہی لمبے بال بہت اچھے لگا کرتے تھے..... بلاشبہ اس کے بال بہت گھنے اور لمبے تھے۔ ایک عجیب سی کشش محسوس ہوتی سعد کو ان میں۔ اب بھی وہ ایک کام سے انوشے کے بیڈ روم میں آیا تھا..... کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی انوشے پر پڑی جو شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ سیدھے سلکی بالوں کی حرکت کو وہ بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ان کو سنبھال کر سہولت سے چوٹی بنانے میں انوشے کو بہت دقت پیش آ رہی تھی۔ سعد کے لئے یہ نظارہ دلچسپ تھا۔ وہ بنا اسے بلائے خاموشی سے کھڑا رہا۔ شیشے میں نظر آتے سعد کے عکس پر انوشے کی نظر پڑی تو وہ حیرت سے پلٹی۔

''سعد..... آپ یہاں.....؟''

انوشے کی حیرت بجا تھی..... کیونکہ سعد کبھی بلا ضرورت اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔

''میں تمہیں یہی کہنے آیا تھا کہ سوٹ ساتھ رکھ لینا۔ ابھی گھر سے جینز شرٹ پہن لو پانی میں ایزی رہتی ہے۔'' وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

''اور میرا یہ سوٹ اپنے کپڑوں کے ساتھ رکھ لو۔''

سعد نے ہینگر میں لٹکا ٹو پیس اس کی طرف بڑھایا جسے انوشے نے تھام لیا۔ سعد خود بھی آج سفید جینز پر چاکلیٹ کلر کی شرٹ پہنے بہت پیارا لگ رہا تھا۔ وہ ایک نظر انوشے کی آگے کی ہوئی بالوں کی موٹی سے چوٹی پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

******

جب وہ نیچے آئی تو احد اور سعد سب کھانے پینے کا سامان ڈگی میں رکھوا چکے تھے۔ اسے دیکھتے ہی احد بولا..... ارے واہ بھابی..... کیا میچنگ ہے..... لگتا ہے سفید جینز کی صلاح کی ہے آپ دونوں نے.....''

''نہیں ہماری چوائس بہت ملتی ہے۔''

انوشے کی بجائے سعد نے جواب دیا تھا۔ احد اور پلوشہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے جبکہ نازو، سعد اور انوشے کی گاڑی میں بیٹھنے لگی تو پلوشہ نے اسے اپنی گاڑی میں بلا لیا۔

''نازو تم ابراہیم کو بہت اچھی طرح سنبھال لیتی ہو اس لیے تم ہمارے ساتھ ہی آ جاؤ.....''

اور ناز و بھی تو یہی چاہتی تھی کہ بی بی جی اور صاحب کے رشتے میں موجود دوریاں نزدیکیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ انوشے نے فرنٹ ڈور کھولا اور سعد کے مقابل بیٹھ کر سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔ سعد نے خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کی اور احد کی گاڑی کے پیچھے پیچھے گیٹ سے باہر لے آیا..... سگنل پر گاڑی رکی تو ایک پھول بیچنے والا بچہ گاڑی کے اندر جھانکتا ہوا بولا۔

''صاحب میڈم کے لئے پھول لے لو۔''

سعد نے ایک نگاہ اس بچے پر ڈالی اور پھر پھولوں پر..... اس نے گردن موڑ کر انوشے کو دیکھا جو اسی طرف متوجہ تھی۔

''صاحب لے لو ناں.....''

وہ بچہ پھر سے بولا تھا۔ سعد نے شیشہ نیچے کیا اور ہاتھ بڑھا کر پنک گلابوں کا گجرا اٹھا لیا..... انوشے نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا جو اب بچے کو پیسے پکڑا رہا تھا۔ تبھی سگنل نے سبز اشارہ دیا تو سعد نے گاڑی آگے بڑھا دی..... انوشے نے چور نظروں سے گجرے کو دیکھا جو اب سعد کے گھٹنے پر پڑا تھا اور وہ لاتعلق بنا گاڑی چلانے میں مگن تھا..... انوشے نے بہت ہمت کر کے گجرا اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو یکدم اسے ایسے لگا جیسے اس نے بجلی کی تاروں کو چھو لیا ہو..... سعد کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر تھا..... اس نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔''

لہجہ تھا کہ برف کی سل..... انوشے کا دل چاہا فوراً سے پہلے یہاں سے غائب ہو جائے۔ سعد کے ہاتھ کے نیچے اس کا ہاتھ جیسے بے جان سا ہو گیا تھا۔

''تو..... تو پھر.....؟''

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر مقابل نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور گجرا اٹھا کر ڈیش بورڈ پر پھینک دیا اور دوبارہ اپنی توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر لی۔

انوشے نے آنکھوں میں آنے والے اشک چھپانے کے لئے اپنا منہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔

''معلوم نہیں سعد میرے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی مشکل میں ہیں، کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر (Share) کیوں نہیں کرتے۔؟''

''کبھی تو دل چاہتا ہے کہ ان کا گریبان پکڑ کر انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھوں کہ اگر آپ کو بیوی اتنی ہی بری لگتی تھی تو پھر شادی کیوں کی.....؟ یہ کیسا امتحان ہے میرا..... میں نے تو خود کو، اپنی وفاؤں

کو، اپنی چاہتوں کو ہمیشہ بہت سینچ سینچ کر رکھا تھا، اپنے جیون ساتھی کے لئے۔ ہمیشہ خود کو ان کی امانت سمجھا..... جب سعد میری زندگی میں آئے تو میں اس بات پر خوش تھی کہ میں ان کی امانت صحیح سلامت بنا کسی کمی بیشی کے ان تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئی..... میں سرخرو ہو گئی اپنے اس فرض کی ادائیگی میں..... پھر کہاں مجھ سے کوئی کمی رہ گئی جو سعد میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ میرے دل نے پہلی بار محبت کے جس احساس کو محسوس کیا وہ احساس خالصتاً صرف اور صرف سعد کے حق میں آیا..... میری پہلی چاہت، میری محبت، میرے پیار کا پہلا پہلا احساس..... میں نے صرف اور صرف انہی کے لئے تو محسوس کیا۔ پھر کہاں کوئی کوتاہی کر دی میں نے.....''

وہ آنکھوں میں آنسو لیے سوچ رہی تھی۔

''انوشے آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے.....؟ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اسے پیار کرے..... وہ کسی کے دل کی دھڑکن ہو۔ کسی کی آنکھوں کا انتظار ہو۔ چاہے جانا کتنا پیارا احساس ہوتا ہے کہ اس احساس کے سامنے ہر احساس دب جاتا ہے..... اور ایک تم ہو، دنیا کی سب سے عجیب لڑکی۔ اتنے لڑکے تمہارے ایک اشارے کے منتظر رہتے ہیں کبھی تو کسی سے ڈھنگ سے بات کر لیا کرو۔''

اسے لگا جیسے قریب ہی مشی کی آواز گونجی تھی۔

''نہیں مشی۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔''

انوشے نے مدھم آواز میں تردید کی تھی۔

''کیوں انوشے.....؟ تمہیں چاہے جانا کیوں اچھا نہیں لگتا؟''

مشی اس کے جواب پر حیران تھی۔

''میں نے سنا ہے کہ انسان کی قسمت میں جتنی محبت لکھی ہوتی ہے اسے اتنی ہی ملتی ہے۔ نہ اس سے کچھ کم اور نہ کچھ زیادہ۔ مجھے کبھی کبھی بہت خوف آتا ہے مشی..... مجھے نہیں چاہئیں یہ محبتیں..... مجھے صرف اپنے جیون ساتھی کی محبت درکار ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہو جہاں بھی ہو۔ جب بھی میری زندگی کے سفر میں میرے ہمسفر کا روپ دھار کر میرے سامنے آئے تو میں چاہتی ہوں وہ سارا پیار جو میری قسمت میں ہے مجھے اسی سے ملے۔ وہ جیسا بھی ہو، مجھے بے انتہا چاہنے والا ہو..... اس کا پیار سمیٹتے سمیٹتے میرا دامن تنگ پڑ جائے پر اس کی محبت کا بیش قیمت خزانہ ختم نہ ہو۔''

وہ ایک جذب کے عالم میں کہتی تو مشی حیرت سے اسے سنتی رہتی۔

”پر مشی میں بہت خوفزدہ ہو جاتی ہوں......“

انوشے نے مشی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر میں اپنی قسمت کی محبت شادی سے پہلے ہی جی لوں گی تو شادی کے بعد اگر محبت کم پڑ گئی تو......؟ تو کیا ہوگا......؟ میں تو مر ہی جاؤں گی۔“

انوشے نے محبت کے بنا شادی شدہ زندگی کا تصور کر کے جھرجھری سی لی۔

”مریں تمہارے دشمن انوشے......کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہی ہو......؟ بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو احمق لڑکی!......محبت کوئی چینی، نمک ہے جو کم پڑ جائے گی؟ محبت تو ایک ایسا احساس ہے جس کی ڈکشنری (Dictionary) میں نفی کا لفظ نہیں......یہ تو جمع اور ضرب کے اصولوں پر چلتا ہے......ایک سے دو......دو سے چار......چار سے آٹھ......اس لیے تم اپنی فضول سی منطق اپنے پاس ہی رکھو۔“

مشی نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔ مگر پھر بھی اُس کے چہرے پر عیاں پریشانی کم نہ ہوئی۔

”ویسے بھی میری انوشے اتنی معصوم، اتنی پیاری ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہوگا، خود پر قابو ہی نہیں رکھ پائے گا......تم سے محبت نہ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تمہیں جو قریب سے جان لے لازم ہے کہ وہ تمہارے عشق میں مبتلا ہو......پھر وہ جو تمہارا جیون ساتھی ہوگا، ہر وقت تمہارے ساتھ رہے گا۔ تمہاری باتیں، تمہاری عادتیں......کیسے نظر انداز کر پائے گا وہ......قسم سے اگر میں لڑکا ہوتی ناں تو فوراً سے پہلے تم سے شادی کر لیتی۔“

مشی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”تم بہت نائس ہو انوشے!......تمہارا اندر باہر شیشہ ہے۔ شفاف اور پاکیزہ۔ پر تم یوں افسردہ مت ہوا کرو پلیز!“

مشی نے محبت سے مسکراتے ہوئے اس کا گال چھوا تو انوشے بھی مسکرا دی۔

”اسی طرح ہنستی مسکراتی رہا کرو......اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے......“

مشی نے اسے صدقِ دل سے دعا دی اور انوشے کو گلے لگا لیا۔

”شکریہ! مشی اگر تم نہ ہوتی تو میرا کیا ہوتا......میرے بھائی سمیت۔“

انوشے کے شرارت سے آخری فقرہ کہنے پر مشی کھلکھلا کر ہنس دی۔

”گاڑی سے اُتر بھی جایئے اب محترمہ!!“

سعد کی کرخت اور غصے سے بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوبصورت ماضی کو الوداع کرتی تلخ حال میں لوٹ آئی۔ سعد گاڑی کا دروازہ کھولے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ انوشے اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی باہر نکل آئی۔

”کیا ہوا بھابی......آنکھوں میں اتنا پانی کہاں سے آ گیا......؟“

احد دور سے ہی انہیں دیکھتا قریب پہنچا تو اسے دیکھتے ہی دریافت کیا۔

”شاید کچھ پڑ گیا ہے“

انوشے نے بڑی کوشش کر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی تھی۔

”کوئی بات نہیں......ہو جاتا ہے کبھی کبھی......نرمی سے صاف کریں“

”اور تم کہاں رہ گئے تھے......؟ ہم تو کافی دیر سے پہنچے ہوئے ہیں۔“

احد اب پاس کھڑے سعد کی طرف متوجہ ہوا۔

”میں تو سوچ رہا تھا کہ لیلیٰ مجنوں ہم سے جان چھڑا کر کہیں اور سدھار گئے ہیں۔“

اس کی بات پر سعد مسکرا دیا۔

”بھابی اور نازو کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟“

سعد نے گفتگو کا رُخ بدلا تھا۔

”انہیں میں ایک اچھی سی سائیٹ دیکھ کر بٹھا آیا ہوں......تم دونوں کو دیکھنے آیا تھا پارکنگ کی طرف۔“

وہ تینوں بھی اب وہاں چل دیے جہاں پلوشہ اور نازو بیٹھی تھیں۔ ہفتہ بھر مشینوں کی طرح کام کرنے والے لوگ جگہ جگہ تفریح کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے......کوئی پانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا تو کوئی دھوپ کی تمازت کو محسوس کرنے میں مگن تھا۔ بچے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے......خوشی اُن کے چہروں سے عیاں تھی......کچھ ادھیڑ عمر لوگ ناریل پانی پیتے ہوئے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ کر دل بہلا رہے تھے......کچھ نوجوان ریکٹ کھیلنے میں مصروف تھے......غرضیکہ ہر کوئی اپنی عمر اور شوق کے مطابق مگن تھا۔ وہ تینوں چلتے ہوئے نسبتاً خالی گوشے کی طرف آ گئے۔ یہاں اِکا دُکا لوگ ہی چہل قدمی کر رہے تھے......دو لڑکیاں وہاں کچھ فاصلے پر بیڈمنٹن کھیل رہی تھیں۔ وہاں قریب ہی ایک فیملی بڑا سا کپڑا بچھائے کھانے پینے کی چیزیں درمیان میں رکھے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں شاید ان کے ساتھ ہی آئی ہوئی تھیں۔ انوشے کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ سعد کے ساتھ کسی پبلک پلیس پر آؤٹنگ کے لئے آئی تھی۔ زیادہ تر فیملیز آئی ہوئی تھیں جو کچھ وقت ایک ساتھ گزارنے کی غرض سے ہنستے کھلکھلاتے چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کی خوشی میں خوش تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی پلوشہ اپنی

جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"بہت دیر لگا دی آپ لوگوں نے..... انوشے کیسا لگ رہا ہے تمہیں باہر آ کر؟"

پلوشہ نے پہلے سوال کا جواب سننے کی بجائے انوشے سے پوچھا... تو وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوتے بولی۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے..... یہ جگہ خوبصورت ہے جگہ ان ننھے منھے بچوں کی کلکاریوں، بڑوں کی خوش گپیوں اور نوجوانوں کی بھاگ دوڑ نے اس جگہ کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ان زندہ دل، شور و غل کرتے خوشی سے جھومتے مگن لوگوں نے ساحل سمندر کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں پہلے اس جگہ کیوں نہیں آئی۔"

سعد نے حیرت سے اسے اتنے خوشگوار موڈ میں بات کرتے دیکھا۔

"بہت عجیب ہے یہ لڑکی..... میں اسے ڈانٹ کر بھی اتنی جلدی اپنا موڈ بحال نہیں کر پاتا جتنی جلدی یہ ڈانٹ کھا کر نارمل ہو جاتی ہے۔"

سعد جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پیدا کھڑا انوشے کو دیکھ رہا تھا، جو اب پلوشہ کے ساتھ کچھ ہی دور لہروں کے پیچھے بھاگ رہی تھی..... جبکہ پلوشہ آہستہ آہستہ چلتی اس سے دو قدم پیچھے ہی تھی۔ سعد کی خود پر جمی نظروں سے بے خبر وہ پلوشہ کے ساتھ پیچھے مڑ مڑ کر نجانے کیا باتیں کر رہی تھی۔

"سعد! مان لو یار! تمہیں انوشے بھابی سے کوئی ٹھیک ٹھاک قسم کی محبت ہوگئی ہے۔"

احد پتا نہیں کب اس کے قریب آ کر اسے شانوں سے تھام کر بولا تھا۔

"کیا مطلب؟"

سعد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"بھئی مطلب تو صاف ظاہر ہے میرے یار..... کہ تم آہستہ آہستہ اس دنیا کو اور اس میں رہنے والوں کو فراموش کرتے جا رہے ہو..... ارد گرد کا ہوش ہی نہیں رہتا تمہیں۔"

احد مسلسل اسے چھیڑ رہا تھا۔

"ارے چھوڑو احد..... تم بھی کیا ہر وقت میری کلاس لگانے رکھتے ہو..... خود تو جیسے تم بڑے سیدھے ہو۔"

سعد نے مسکراتے ہوئے اسے ٹالا..... وہ جتنا اس موضوع سے کتراتا، احد اتنا ہی اُسے موضوع گفتگو بناتا۔ سعد نے نازو کی گود سے ابراہیم کو اٹھایا اور اسے گدگداتا ہوا بولا۔

"یہ ابراہیم تو بہت پیارا ہوتا جا رہا ہے۔ دیکھنا بڑا ہو کر اتنا ہینڈسم ہو جائے گا کہ تمہارا بیٹا لگے گا ہی نہیں۔"

احد نے اسے گفتگو کا رُخ بدلتے پایا تو سمجھ گیا کہ سعد فی الحال کسی بھی قسم کے مذاق کے موڈ میں نہیں ہے..... وہ اپنے اس پیارے دوست کی عادت سے اچھی طرح واقف تھا..... وہ جب کسی بارے میں بات نہ کرنا چاہتا اسی طرح گفتگو کو نیا موڑ دے دیا کرتا اور پھر چند دن بعد وہی بات بمعہ لوازمات ہر طرح کی تفصیل کے ساتھ خود اسے بتاتا۔ اس لیے احد مطمئن تھا کہ اس کی خاموشی کی وجہ جو بھی ہو آج کل میں اس کے علم میں آ ہی جانی ہے۔ وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران وہاں بیٹھ کر چائے پینے لگے..... نازو نے انہیں چائے کے ساتھ کباب، کوفتے اور سموسے دیے جو وہ گھر سے لائے تھے۔

"پلوشہ تم تھک گئی ہوگی۔"

انوشے کو خیال آیا تو شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"تم اتنا انجوائے کر رہی ہو تو میں نے سوچا ایسا موقع پھر آئے نہ آئے۔"

پلوشہ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات ٹالی تو انوشے بھی مسکرا دی۔

"کیوں نہ آئے ایسا موقع دوبارہ..... اللہ نے تمہیں صحت و تندرستی کے ساتھ ماں کے عہدے پر فائز کیا ہے۔ ہم بار بار یہاں آ کر اسی طرح انجوائے کیا کریں گے ابراہیم کے ساتھ۔"

انوشے نے اس کا ہاتھ تھام کر واپسی کے لیے قدم اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں احد بھائی..... آپ دونوں کیوں اپنی الگ مسجد بنائے بیٹھے ہیں"

انوشے نازو کو دو کپ اور چائے نکالنے کا اشارہ کرتی احد سے بولی تھی۔

"وہاں اتنا مزہ آ رہا تھا۔"

انوشے سعد کے قریب بیٹھتی چہرے پر بچوں جیسی خوشی سجائے کہہ رہی تھی۔

"یہ بیاں چند پل کے لیے دور گئیں تو ہم آزاد فضا میں آزاد پنچھیوں کی مانند اُڑنے کا سنہری موقع کیوں گنواتے.....؟"

احد اپنی بات سے خود ہی سب سے زیادہ محظوظ ہوا تھا۔

"ہم جاتے ہیں اب چائے پینے کے بعد۔" سعد نے کباب منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی ابھی تو نہیں پیوں گا..... کیا خیال ہے کچھ چہل قدمی نہ کر لی جائے؟"

احد نے سعد سے پوچھا۔ سعد نے ابراہیم کو نازو کی گود میں دیا اور چائے پینے کا ارادہ ملتوی کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔ احد جو جانے کے لیے تیار تھا اور اُٹھنے ہی والا تھا کہ پلوشہ نے ہاتھ پکڑ کر بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔

"سوری یار!..... میں کچھ دیر پلوشہ کے پاس بیٹھوں گا..... وہ تھک گئی ہے۔ کچھ ریلیکس ہو جائے

تو ہم جوائن کرتے ہیں..... تم اور انوشے بھابی چلے جاؤ۔"

سعد نے جو ہاتھ اسے اٹھانے کے لئے آگے بڑھایا ہوا تھا احد نے اُسے انوشے کی طرف موڑ دیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"پکڑیے بھابی یہ ہاتھ! اور چل پڑیے اپنے ہمسفر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر۔"

احد نے مسکراتے ہوئے کہا تو انوشے نے جھجکتے ہوئے سعد کے بڑھائے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

"میں بھی تو یہی چاہتا تھا..... تمہیں تو مروت میں آفر کی تھی۔"

سعد نے مسکراتے ہوئے احد کو سنایا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"آیئے مسز سعد حسن رضوی! بندہ اپنے ہاتھ سمیت حاضر ہے۔ اسے تھامیئے اور ہمیں اپنی سنگت میں چند لمحات گزارنے کا موقع دیجئے۔"

سعد نے اپنی کشادہ ہتھیلی اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے بڑے تیکھے لہجے میں کہا تھا اور اس تیکھے پن کو صرف انوشے ہی محسوس کر پائی تھی۔ اس نے احد اور پلوشہ کو دیکھا جو گہری مسکراہٹ لیے ان دونوں کو بڑی بامعنی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انوشے نے اپنا نرم و گداز ہاتھ سعد کے ہاتھ میں دیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

******

وہ چلتے ہوئے دور نکل آئے۔ انوشے کا حنائی ہاتھ ابھی تک سعد کے کشادہ ہتھیلی والے ہاتھ میں دبا تھا..... کیونکہ وہ دونوں جانتے تھے کہ احد اور پلوشہ کی نظروں نے دور تک تعاقب کیا ہوگا۔

پانی کی لہریں اُن کے پاؤں کو پنڈلیوں تک بھگو رہی تھیں۔ جب لہریں انہیں چھو کر واپس پلٹتیں تو انوشے کو گدگدی ہوتی۔ لہروں کی اس شرارت پر وہ بہت پُرجوش ہو رہی تھی۔

"سعد آپ کو سوئمنگ آتی ہے.....؟"

انوشے نے گفتگو میں پہل کی تھی۔

"ہاں"..... مختصر ترین جواب اسے بنا کسی انتظار کی کوفت اٹھائے فوراً مل گیا تھا۔

"مجھے نہیں آتی۔ کبھی سیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا..... آپ سکھائیں گے مجھے.....؟"

انوشے نے خود ہی اپنے بارے میں بتایا اور پھر سوال بھی کر ڈالا۔

"میرے پاس فضول مشاغل کے لئے وقت نہیں ہے۔"

کورا سا جواب پا کر چند ثانیے کو وہ خاموش سی ہو گئی۔ وہ چلتے چلتے کافی دور نکل آئے

تھے۔ سعد نے انوشے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس نے ایک پل کو نظریں اُٹھا کر اپنے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے اس لمبے چوڑے انسان کو دیکھا جسے وہ جنون کی حد تک چاہنے لگی تھی۔ ہر طرح سے ایک آئیڈیل مردانہ وجاہت کا شاہکار یہ شخص بظاہر تو اس کے ساتھ اس کے بہت پاس تھا مگر انوشے اسے کبھی کبھی خود سے اتنے فاصلے پر کھڑا پاتی کہ اسے لگتا اگر وہ صدیوں پر محیط سفر بھی طے کر لے تو بھی اُس تک رسائی نہ پا سکے گی۔ اچانک ایک شٹل کاک ان کے قریب آ کر گری تو وہ چونکی۔ اس کے پیچھے ہی ایک بچہ بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا تھا..... تب تک انوشے شٹل کاک اٹھا چکی تھی۔

"آپی یہ ہماری ہے" وہ بالواسطہ آتے ہی اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"نہیں جی..... یہ اسی کی ہے جس کے ہاتھوں میں آ گئی۔"

انوشے نے اسے ستانے کے لئے کہا۔ بچے کے ماتھے پر کچھ شکنیں پڑی تھیں۔

"آپی آپ ہمیں یہ شٹل کاک دے دیں۔ دوبارہ اس طرف نہیں آنے دیں گے۔"

وہ بچہ بڑے صلح جو انداز میں بولا تو انوشے نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا۔ سعد بھی اب دلچسپی سے ان دونوں کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"ایک شرط پر آپ کو یہ شٹل کاک ملے گی..... میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھیلوں گی....."

انوشے نے اپنی شرط اُس کے سامنے رکھی تو وہ بچہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"آپ.....؟"

"کیوں..... میں نہیں کھیل سکتی.....؟"

انوشے نے شٹل کاک اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر پوچھا تھا۔

"نہیں آپی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آپ کو ہم شامل کر لیتے ہیں اپنے کھیل میں۔"

اس نے نہایت دریا دلی کا مظاہرہ کیا..... پھر پاس کھڑے سعد کو دیکھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں اس کو مخاطب کیا۔

"سر آپ بھی کھیلیں گے.....؟"

سعد نے حیران نظروں سے اس بچے کے انداز تخاطب کو دل ہی دل میں سراہا۔ پھر شفقت بھرے لہجے میں بولا۔

"نہیں بیٹا!..... میں نہیں کھیلوں گا۔"

"پسر!"

وہ بچہ شاید اصرار کرنے کو تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رُک گیا۔

''ٹھیک ہے..... آپی میں آپ کو ریکٹ یہیں لا دیتا ہوں..... آپ دونوں کھیل لیں۔ میرا خیال ہے سر کو میری مداخلت پسند نہیں آ رہی۔''

سعد اور انوشے نے نہایت حیرت سے پہلے ایک دوسرے کو پھر اس نو دس سال کے بچے کو دیکھا۔

''ارے تم بڑے حساس ہو..... اتنے چھوٹے سے ہو پھر اتنی بڑوں والی باتیں کیسے کر لیتے ہو.....''

انوشے اس کے بال ہاتھ سے سنوارتی ہوئی حیرت سے پوچھنے لگی۔

''اب سبھی تمہاری طرح ساری عمر بچے تو نہیں رہتے۔''

سعد نے اس پر چوٹ کی جو انوشے سے زیادہ اس بچے کو ناگوار گزری۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ آپی تو بہت خوش مزاج اور اچھی ہیں.....''

دو ناک چڑھا کر احتجاجاً بولا تو سعد کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''تم انہیں کتنی دیر سے جانتے ہو.....؟ پچھلے پانچ منٹ سے ناں.....؟ اور میں تو صبح شام ان کے ساتھ رہتا ہوں..... اب اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔''

سعد کو اسے چھیڑنے میں مزا آ رہا تھا۔ اس کی بات پر بچے کے ماتھے پر تیوری آ گئی تھی۔ وہ چند ثانیے اپنے سامنے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکرا کر اپنی طرف متوجہ جواب کے منتظر سعد کو گھورتا رہا پھر بولا۔

''میری کوئی رائے نہیں ہے..... میں جو محسوس کرتا ہوں وہی کہتا ہوں..... آپ کو میری بات سے اعتراض ہے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... آپ کو نہیں کھیلنا تو مت کھیلیں..... ہم آپی کے ساتھ کھیل لیتے ہیں۔''

سعد اس کے اتنے تفصیلی جواب پر کھلکھلا کر ہنس دیا..... اسے لگا تھا کہ بچہ بحث کرے گا مگر اس نے تو بات ہی ختم کر دی تھی..... وہ اس کی ذہانت کا قائل ہوتے ہوئے دل ہی دل میں اسے سراہنے لگا۔

''چلیں آپی.....؟''

بچے نے انوشے کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کو کہا تھا۔ انوشے نے اجازت طلب نظروں سے سعد کی طرف دیکھا تو اس نے کندھے اچکا کر فیصلہ اسی پر چھوڑا۔ انوشے چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر بچے کے ساتھ چلی گئی..... اس کے جانے کے بعد سعد وہیں بیٹھ کر انہیں کھیلتے ہوئے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے انوشے کو ان کی فیملی کے ساتھ جا کر بیٹھتے ہوئے دیکھا..... پھر دو

لڑکے اٹھ کر اس کی طرف آتے دکھائی دیے۔

''آپ سعد ہیں.....؟''

انہوں نے قریب پہنچنے پر دریافت کیا۔ سعد اثبات میں سر ہلاتے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں عمر ہوں اور یہ میرے بڑے بھائی ہیں اشعر۔ آپ بھی آیئے ہمارے ساتھ بیٹھیے آ کر۔''

ان میں سے ایک نے تعارف کرایا تھا تو سعد ان سے مصافحہ کرنے لگا۔

''آپ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے ناں.....؟''

اب کی بار اشعر نے پوچھا تھا۔

''ایک ڈیڑھ سال تک جوڑے نئے نویلے ہی کہلاتے ہیں۔'' عمر ہنسا

''جی!''..... سعد نے صرف جی پر ہی اکتفا کیا۔

''بھابی سے ہم نے سب معلوم کر لیا ہے..... وہ اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں کہ ہماری پوری فیملی کا دل موہ لیا انہوں نے چند ہی منٹوں میں۔''

وہ چلتے ہوئے اسے بتا رہے تھے..... قریب پہنچنے پر اسے وہاں احد، پلوشہ اور ناز بھی اس فیملی کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف نظر آئے..... سعد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''یہ بھی ہمارا ہی کمال ہے.....''

ان دونوں لڑکوں میں سے ایک جس نے اپنا نام عمر بتایا تھا..... اس نے ہنستے ہوئے اطلاع دی کیونکہ وہ سعد کی آنکھوں میں حیرت بھانپ گیا تھا..... سعد مسکرا دیا۔

''ارے آؤ سعد!..... یہ بڑے اچھے لوگ ہیں..... ہمیں تو بڑا مزا آ رہا ہے ان کی سنگت میں.....''

احد نے اسے دیکھتے ہی بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی وہیں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''میں تمہارا تعارف کرواتا ہوں..... عمر اور اشعر سے تو تم مل ہی چکے ہو..... یہ ان کی دادی اماں ہیں..... یہ ان کی چھوٹی بہن عافیہ، ان کے ساتھ عمر کی نئی نویلی دلہن ہانیہ، یہ ان کی مما مسز آمنہ احسان ہیں..... اور مسٹر احسان کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے، ان کو کوئی ضروری کام تھا۔''

احد نے سب کا تفصیلی تعارف کروایا۔

''مجھے تو آپ بھول ہی گئے احد بھائی.....''

وہی بچہ جو کچھ دیر پہلے انوشے کے ساتھ کھیل رہا تھا نجانے کہاں سے آ کر بولا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چپس کے پیکٹس تھے۔

''ارے اس چھوٹے استاد کا تعارف تو سب سے اہم ہے۔ سعد یہ نعمان ہے..... اشعر کا بیٹا!

.....سب اسے پیار سے نومی بلاتے ہیں۔

''اشعر کا بیٹا.....؟ پر اشعر تو خود ابھی بہت ینگ ہے۔''

سعد نے حیران ہو کر پوچھا تھا..... سب ہنس دیے۔

''میں سترہ سال کا تھا جب میری شادی ہو گئی تھی..... ایک سال بعد نومی پیدا ہوا تھا..... اب میری عمر ستائیس سال ہے اور نومی نو سال کے.....''

اشعر نے مسکراتے ہوئے تفصیلاً اسے بتایا تھا۔

''گریٹ۔ اشعر یہ نعمان تو بڑا ہو کر تمہارا بیٹا نہیں بھائی لگے گا..... بلکہ ابھی بھی لگتا ہے۔''

سعد کی بات پر سب ہنس دیے۔

''اور تمہاری بیوی.....؟ وہ کیوں نہیں آئیں.....؟''

سعد کے سوال پر اشعر سمیت سبھی خاموش ہو گئے۔

''وہ اب کبھی نہیں آئے گی.....''

اشعر کی مدھم آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''مگر کیوں.....؟''

اب کی بار احد نے حیرانی سے سب کے افسردہ چہروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا..... پلوشہ، انوشے اور ناز و بھی سوالیہ نظروں سے ان سب کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیونکہ میں جو آ گیا ہوں.....!''

نومی نے افسردگی سے کہا تھا اور ماحول مزید بوجھل ہو گیا۔

''نومی! یہاں آؤ میرے پاس۔''

انوشے کو کسی نامعلوم اندیشے نے گھیرا تو اس نے آنکھیں جھکائے بیٹھے نومی کو اپنے پاس بلایا..... وہ آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتا اُس کے پاس آ بیٹھا۔

انوشے نے اسے پیار کیا تو وہ دھیرے سے بولا:

''میں ٹھیک ہوں آپی..... اور میں آیا تو میری ممی کو جانا پڑا، یہی سچائی ہے.....''

''ارے بیٹا! یہ تو ایسے ہی بولتا رہتا ہے..... بس اُس کی زندگی ہی اتنی تھی۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے اشعر کی خوشیوں کو.....''

دادی اماں، دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولی تھیں۔

''اوہ..... سب نے اس سچائی کو سنا تو دلی دکھ محسوس کیا..... جبکہ نومی اٹھ کر اشعر کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''آپ اداس ہیں ناں پاپا.....؟ مجھے آنا ہی نہیں چاہئے تھا..... اگر میں نہ آتا تو آج بھی آپ کے ساتھ ہوتیں۔''

اشعر نے بانہیں پھیلا کر نومی کو سینے سے لگا لیا۔

''ایسے مت کہو میری جان..... تمہاری ممی کو میرے ساتھ بس اُتنا ہی رہنا تھا..... لکھے ہوئے وقت پر اُسے جانا ہی تھا..... یہ تو اُس کا احسان ہے کہ وہ جاتے جاتے مجھے تم جیسا انمول تحفہ دے گئی..... تم نہ ہوتے تو میں کیسے جی پاتا اکیلا.....''

اشعر نے نومی کا ماتھا چومتے ہوئے اسے سمجھایا۔

سبھی نم آنکھوں اور بوجھل دلوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے یار..... ہم یہاں سیر و تفریح کے لئے آئے ہیں..... اداس ہونے نہیں اور نومی بیٹا جب تم ہنستے ہو ناں تو تمہارے پاپا کو اپنا ہر غم بھول جاتا ہے۔ اس لیے تم وعدہ کرو کہ دوبارہ کبھی ایسا کچھ نہیں کہو گے جو تم نے آج کہا..... اب چلو ہم دونوں بیڈمنٹن کی ایک گیم لگاتے ہیں..... میں بھی تو دیکھوں کہ نومی کتنا اچھا کھلاڑی ہے۔''

احد نے ماحول پر چھائی اُداسی کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی..... اشعر نے بھی اپنی نم آنکھیں صاف کیں اور لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

''میرا بیٹا بہت اچھی بیڈمنٹن کھیلتا ہے.....''

''جی پاپا!..... آپ دیکھئے گا میں احد بھائی کو ہراؤں گا۔''

نومی بھی پُرجوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں چلے گئے تو سعد بولا۔

''سوری یار!..... مجھے اگر علم ہوتا تو میں ہرگز نہ پوچھتا۔''

سعد کے کہنے پر اشعر زخمی سی مسکراہٹ لیے بولا:

''یہ تو قدرت کے فیصلے ہیں۔ بھابی بہت پیاری تھیں بہت اچھی..... اشعر بھائی کی لو میرج تھی۔ بہت ضد کر کے انہوں نے گھر والوں کو منایا تھا..... سب ان کو بچہ سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کرتے رہے مگر انہوں نے ثابت قدمی دکھائی اور سترہ سال کی کم عمری میں پسند کی شادی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بھابی تب صرف سولہ سال کی تھیں..... مگر ایک سال جو انہوں نے ہمارے ساتھ گزارا انہوں نے ہر رشتہ بڑی اچھی طرح نبھایا۔ سبھی اُن کے گرویدہ ہو گئے تھے..... خوشیوں نے جیسے ہمارے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ انہیں دنوں ہمیں پتا چلا کہ بھابی اُمید سے ہیں۔ گھر میں تو جیسے ہر وقت جشن کا سماں رہنے لگا..... اشعر بھائی کو سب دنیا کا خوش قسمت ترین انسان کہنے لگے تھے..... پر جانے کس کی نظر لگ گئی..... نومی کی پیدائش میں کچھ ایسی کمپلی

کیلشنز ہو گئیں کہ ڈاکٹرز باوجود کوشش کے بھابی کو نہ بچا سکے..... ہماری تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی..... ایک نومی کا وجود ہی تھا جو اس اندھیرے میں ہمیں روشنی کی کرن بن کر نظر آتا..... اسی کے سہارے سب نے آہستہ آہستہ سنبھلنا سیکھا۔ اس کی معصوم سی کلکاریاں پورے گھر میں گونجتیں تو کچھ رونق سی محسوس ہوتی ورنہ بھابی کے بعد تو موت کا سا سناٹا ہر طرف چھایا رہتا۔"

عافیہ دلگیر لہجے میں بتا رہی تھی..... بھابی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"ہم نے اشعر کو بہت سمجھایا۔ بہت کوشش کی کہ یہ دوسری شادی کر لے..... اپنا گھر دوبارہ بسا لے..... نومی کو ماں کی ضرورت ہے..... مگر ان نو سالوں میں اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی۔"

اشعر کی ماں بولی تھیں۔

"میرا دل نہیں مانتا..... میں نے جتنی محبت زارا سے کی..... کسی اور عورت کو اس کا حق دار کبھی نہیں بنا سکتا..... زارا کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا..... کبھی بھی نہیں..... اور میں نے اپنے اوپر خوشیوں کے دروازے بند تو نہیں کیے..... مجھے بیوی کی ضرورت نہیں ہے..... میں نے زارا کے ساتھ جو ایک سال گزارا وہ بھرپور وقت تھا..... اب میری زندگی کی ساری خوشیاں صرف اور صرف میرے بیٹے سے وابستہ ہیں..... میں اس کے ساتھ بہت خوش ہوں۔"

وہ تھوڑی دور احد کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتے نومی کو دیکھ کر بولا تھا۔

"پر اشعر بھائی!..... جب نعمان بڑا ہو جائے گا..... اس کی شادی ہو گی..... وہ مکمل طور پر اپنی الگ زندگی میں مصروف ہو جائے گا..... تب آپ پھر سے اکیلے ہو جائیں گے..... پھر آپ کو ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہو گی جو آپ کی تنہائی کو بانٹے گی..... بچے کبھی بڑھاپے کی تنہائی کو اس طرح نہیں بانٹ سکتے جیسے ایک شریک سفر۔"

انوشے نے کہا تو وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔

"ہاں اشعر!..... انوشے ٹھیک کہہ رہی ہے..... مرد میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ بار بار محبت کر سکتا ہے..... سچی اور مخلص محبت..... تم زارا بھابی کو نہیں بھلا سکتے یہ سچائی ہے..... اور کوئی یہ چاہتا بھی نہیں کہ تم انہیں بھلا دو..... تمہاری فیملی تو صرف یہ چاہتی ہے کہ تم ایک مرتبہ پھر محبت کرو..... زارا جتنی محبت بھلے ہی نہ کرو مگر کسی کو اپنی زندگی کے سفر میں ہمسفر بنا کر نئی طرح سے جینا سیکھو..... اس طرح نومی کے ذہن میں نقش یہ احساس کہ وہ اپنی ممی کی موت کی وجہ بنا..... اور تمہاری یہ بے رنگ اور اداس زندگی کی وجہ بھی وہ ہی ہے..... یہ احساس مٹ جائے گا۔ اپنے لیے نہیں اپنے بیٹے کے لیے تمہیں پھر سے محبت کرنی ہو گی..... پھر سے ایک خوشیوں بھرے گھر کی

تعمیر کرنی ہو گی۔ میں جانتا ہوں یہ سب کہنا ہمارے لیے جتنا آسان ہے..... عمل کرنا تمہارے لیے اتنا ہی مشکل..... مگر یہ زندگی ہے میرے بھائی..... مکافاتِ عمل کے اصولوں پر چلتی ہے اور ہم کٹھ پتلیوں کی طرح اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں..... ہمیں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں رہنے کے لئے..... اپنے لیے نہیں..... اپنے سے جڑے لوگوں کے لئے تم یہ فیصلہ کر لو..... شادی کر لو اشعر....."

سعد نے اسے نہایت تحمل سے سمجھایا تھا۔ اشعر کی فیملی بڑی پُر امید نظروں سے اشعر کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی..... کہ شاید اس کا فیصلہ اس بار ہاں میں بدل جائے مگر وہ پھر سے ناکام ہوئے تھے۔ اشعر نے بڑا عجیب سا سوال کر کے سعد کو ہی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"سعد اگر خدانخواستہ تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے.....؟ کیا یہی سب کرتے جو تم مجھے کرنے کو کہہ رہے ہو.....؟ کیا تم بھابی کے علاوہ کسی اور لڑکی کے بارے میں سوچ سکتے ہو؟ ان کا جو مقام ہے تمہارے دل میں ہے کیا وہ جگہ تم کسی دوسری لڑکی کے نام کر سکتے ہو؟ بھول سکتے ہو تم بھابی کو.....؟"

سعد کو لگا جیسے اشعر نے انوشے کے بنا جی لینے کا نہیں پوچھا..... اسے سانس لیے بنا جینے کا کہہ دیا ہے..... اس نے اپنے سامنے بیٹھی انوشے کو دیکھا..... جواب بے حد اشتیاق سے اس کے جواب کی منتظر تھی..... سعد نے نظریں چرا لیں۔

"آئی ایم سوری یار!..... میرا مقصد تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں تھا..... میں تو صرف اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش میں تھا۔"

اشعر نے سعد کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

"زارا کو قدرت نے مجھ سے الگ کیا..... مگر اس کی شبیہ، اس کا پیار بھرا لمس، اس کا احساس آج بھی میرے ساتھ ہے۔ میں نے گزرے نو سالوں میں کبھی کوئی ایسا لمحہ نہیں گزارا کہ جس میں وہ میرے ساتھ نہ ہو..... میں نے کبھی اُسے خود سے الگ سمجھا ہی نہیں....."

اشعر خاموش ہوا تو جیسے ہر چیز خاموش ہو گئی..... ہر طرف سناٹا سا چھا گیا۔

"ارے بچو..... چھوڑو یہ بحث..... سعد بیٹا اس سے سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں..... اس نے اپنی زندگی برباد کرنے کی ٹھان رکھی ہے..... یہ ایسے سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے جس کا کچھ حاصل نہیں۔"

دادی اماں نے سعد کو پریشان دیکھا تو بولیں۔

"ہاں سعد بھائی..... اشعر بھائی چلیں کوئی گیم کھیلتے ہیں" عمر نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''انوشے! چلو اٹھو ہم بھی چل کر ذرا کوئی انجوائے منٹ (Enjoyment) کا سامان ڈھونڈیں، پانی میں چلیں.....؟''

عمر کی بیوی جو تب سے خاموش بیٹھی تھی اُس نے بھی انوشے کو مخاطب کیا تو عافیہ بھی اُن کے ساتھ اُٹھتی ہوئی بولی..... پلوشہ آپ چلیں گی.....؟''

''نہیں! میں ابھی آنٹی اور دادی ماں کے ساتھ ہی بیٹھوں گی۔ ابراہیم بھی سو جائے گا تب تک تم لوگ جاؤ.....''

وہ تینوں لہروں کی طرف بڑھ گئیں..... عمر، اشعر اور سعد بھی چند قدم اُن کے پیچھے تھے۔

''میں نے ناریل کا پانی پینا ہے۔''

انوشے کو ناریل والا آدمی نظر آیا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہوتی ہوئی بولی۔ اِن سے چند قدم پیچھے آتے عمر اور اشعر مسکرا دیے جبکہ سعد نے اپنے قدم ناریل پانی والے کی طرف بڑھا دیئے۔ معلوم نہیں اِسے کیا ہوا تھا..... اشعر کی بات سے اِسے لگ رہا تھا جیسے اچانک ہی انوشے اِس کے لیے بہت لازم و ملزوم ہو گئی ہے..... وہ حیران تھا کہ انوشے کے ایک بار کہنے پر اس کے قدموں نے جیسے خود ہی اُس کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنا رُخ ناریل پانی بیچنے والے آدمی کی طرف موڑ لیا تھا۔ سعد جب ناریل لیے واپس آیا تو ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا..... وہ سب کے سب مکمل طور پر بھیگے ہوئے تھے اور پانی میں گھسے ایک دوسرے کو بھگو رہے تھے۔ انوشے نے اپنے ہاتھوں سے پانی عافیہ کی طرف اچھالا..... وہ نیچے بیٹھ گئی اور پانی اس کی سیدھ میں کھڑے سعد کو بھگو گیا۔ انوشے جھجکتی ہوئی پانی سے نکل کر سعد کی طرف آ گئی۔

''آئی ایم سوری!..... وہ میں نے عافیہ پر.....''

وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ عافیہ ہنستی ہوئی آ گئی۔

''ارے انوشے..... سعد بھائی تمہارے لیے ناریل لینے گئے اور تم نے آتے ہی ان کا پانی سے استقبال کیا۔''

انوشے مزید شرمندہ سی ہو گئی..... بھیگی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستی نظریں جھکا گئی۔

''کوئی بات نہیں..... تم یہ لے لو۔''

سعد نے نرمی سے اِسے کہتے ہوئے ناریل پکڑایا اور خود اپنے گیلے ہو جانے والے بالوں کو ہاتھ سے درست کرنے لگا..... عافیہ اِن دونوں کو اکیلا چھوڑ کر واپس مڑ گئی..... انوشے خاموشی سے ناریل پانی کا مزہ لینے لگی۔

اُس نے، بھیگے چہرے کے ساتھ وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے گلاب کے پھول پر شبنم

کے قطرے..... سعد کا دل چاہا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی یہ دلکش شبیہ اپنی آنکھوں میں سما لے..... انوشے نے اپنی بھیگی پلکیں پل بھر کو اُٹھائیں اور سعد کی طرف دیکھا..... وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ گھبرا کر پلٹنے لگی تو سعد نے اِسے شانوں سے تھام کر وہیں ساکت کر دیا۔

''مت جاؤ پلیز!''

انوشے کو لگا جیسے وہ کسی ٹرانس میں بولا تھا..... اُس نے حیرت سے اِسے دیکھا تھا۔ اس کے گیلے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے جن سے بے نیاز وہ بنا پلکیں جھپکائے اِسے دیکھ رہا تھا۔

''سعد کیا ہوا.....؟''

انوشے کو اس کی گہری نظروں سے اب واقعی گھبراہٹ ہونے لگی تھی..... وہ اِسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اس نے شاید اُس کی بات بھی نہیں سنی تھی۔ سعد نے ہاتھ بڑھا کر ہوا کی وجہ سے بار بار انوشے کے چہرے پر آنے والی لٹوں کو پیچھے کیا جو اس کی نظروں اور انوشے کے چہرے کے درمیان بار بار حائل ہو رہی تھیں اور ان کی یہ دخل اندازی سعد کو ناگوار گزر رہی تھی۔ اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا۔ انوشے کے بال جو اسے بہت زیادہ پسند تھے..... آج اُنہی سے اسے رقابت محسوس ہو رہی تھی..... اچانک جینز کی جیب میں پڑے موبائل کی بیپ (Beep) بجنے لگی تو سعد نے چونک کر موبائل نکالا..... سکرین پر چمکتا ایک اجنبی نمبر اجنبی ہونے کے باوجود بھی اپنی پہچان کروا رہا تھا..... جس سے ایکدم ہی اس کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے ایک بے بس سی نظر حیران سی کھڑی انوشے پر ڈالی اور کال ریسیو کرتا دُور نکل گیا۔ انوشے حیرت کے عالم میں اُس کی پشت پر نظریں جمائے وہیں کھڑی سوچنے لگی ''کبھی کبھی کتنا قریب لگتے ہیں اور پھر اچانک ہی حد نظر سے بھی دور..... معلوم نہیں سعد میں کبھی آپ کو اپنا کہہ بھی پاؤں گی کہ نہیں.....؟''

******

پلوشہ اور عافیہ اسے دُور سے اپنے پاس بلانے کے لئے اشارے کر رہی تھیں مگر اس نے کچھ دیر یہیں بیٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے اشارے سے ہی اِن سے معذرت کر لی..... اور وہیں گیلی ریت پر پاؤں پسار کر بیٹھ گئی۔ لہریں بار بار آتیں اور اس کے پاؤں کے نیچے سے ریت کھسکا کر لے جاتیں اور کبھی کوئی سیپی اپنے ساتھ لاتیں اور وہیں چھوڑ کر خود واپس ہو جاتیں۔ قدموں کے نیچے سے ریت کھسکتی تو اسے ہلکی سی گدگدی محسوس ہوتی اور وہ بچوں کی سی معصومیت لیے کھلکھلا اٹھتی۔ کچھ دیر پہلے سعد کے عجیب و غریب رویے سے ہونے والی پریشانی کا ہلکا سا

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی شائبہ اس کے چہرے پر نہ تھا..... یا پھر اس کے اس جھپ چھاؤں رہنے کی وہ عادی ہو چکی تھی..... مگر اب کی بار قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ لہروں کے اس کھیل میں کھلونا بنی اس پنی کی طرح اس کی زندگی! اسے بھی ایک کھلونا بنانے والی تھی۔ مگر اس سب سے بے خبر وہ بار بار اپنے ہاتھوں میں پانی بھرتی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا پانی قطرہ قطرہ اس کے ہاتھوں سے بہہ جاتا اور اس کی ہتھیلی خالی رہ جاتی..... اور وہ دوبارہ اپنی ہتھیلی میں پانی بھرنے لگتی۔ وہ اس مشغلے میں اتنی مگن تھی کہ اسے احساس بھی نہ ہوا..... سعد کافی دیر سے وہاں کھڑا اس کی یہ سرگرمی دیکھ رہا تھا۔

''میں بھی تمہارے لیے اس پانی کی مانند ہوں جو کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ تم لاکھ کوشش کر لو..... ہر صورت تمہارے ہاتھوں سے نکل جاؤں گا..... اور تم اسی طرح بس دیکھتی رہ جاؤ گی۔''

سعد کے دبے دبے غصے سے بھرے الفاظ اور چوٹ کرتا لہجہ انوشے کو ہوش کی دنیا میں لایا..... جہاں اسے اب نجانے کونسے ناکردہ گناہ کی سزا سنائی جانے والی تھی۔ اس نے پانی سے بھری ہتھیلی اُلٹا دی اور وہ چلو بھر پانی بھی سمندر کی لہروں میں شامل ہو کر اپنی پہچان کھو گیا..... وہ اُسے لہروں کا ایک حصہ بنتے۔ اُن میں گم ہوتے بڑے غور سے دیکھتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''مگر میں آپ کو ہتھیلی میں رکھنا چاہتی ہوں سعد کیونکہ اس پوری دنیا میں آپ میرے لیے بہت ہی خاص ہیں اور میں آپ کو اس پانی کی طرح انسانوں کی بھیڑ میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لئے گم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ آپ کو اپنی الگ پہچان کے ساتھ ہمیشہ خاص ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

انوشے اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی کیسے یہ سب کہہ گئی! اسے خود حیرت تھی۔ شاید جو دل میں ہوتا ہے کبھی کبھی اُسے زبان پر لانے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی اور وہ بنا کسی تگ و دو کے الفاظ کی صورت میں خود بخود ادا ہو جاتا ہے۔ سعد چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''الفاظ کا اچھا جال بُن لیتی ہو تم!''

بالآخر وہ بولا تو سارے جہان کی تلخی جیسے خود بخود اس کے لہجے میں آن سموئی تھی۔

''اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بھی تمہاری ان چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنس جاؤں گا تو یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہے..... میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ممی کو تم میں نظر کیا آیا جو انہوں نے تمہیں میرے لیے منتخب کر لیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھیں میری خواہشات سے، وہ جانتی تھیں مجھے کیسی لڑکی اپنی شریک حیات کے طور پر چاہیے۔ پھر..... پھر وہ اتنا غلط فیصلہ کیسے لے سکتی ہیں میرے لیے.....''

سعد نے بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر اسی ہاتھ کی انگلی سے اس کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا:

''اگر ممی پاپا کی ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو..... تو ایک سیکنڈ سے بھی پہلے تمہیں آزاد کر دیتا..... پھر میری زندگی چاہے بے سکون ہی گزرتی۔ کم از کم تمہارے ساتھ تو نہ گزارنی پڑتی.....''

سعد اسی انگلی سے اس کے ماتھے کو جھکیلتا اس پر بم گرا کر پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس سے دور ہوتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا..... اور وہ خالی خالی نظروں سے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے کھڑی رہی..... اس کے ذہن میں صرف ایک ہی لفظ کی بازگشت ہو رہی تھی.....

''آزاد.....؟ آزاد.....؟؟ میں تو سمجھتی تھی کہ جب میں آہستہ آہستہ خود کو سعد کی پسند کے سانچے میں ڈھال لوں گی تو خود بخود سب ٹھیک ہوتا چلا جائے گا..... مگر..... مگر میں غلط تھی..... سراسر غلط!! سعد کو تو مجھ سے نفرت ہے..... اتنی شدید نفرت کہ اگر ممی پاپا کا خوف نہ ہوتا تو وہ مجھے کب کا چھوڑ دیتے۔''

اس سے آگے وہ سوچ بھی نہ پائی تھی..... آنسو لڑیوں کی مانند اس کی آنکھوں سے نکل کر چہرہ تر کرنے لگے تھے..... اس کے ذہن میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔ اسے اپنی شادی شدہ زندگی کی ڈور ڈولتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں آزاد کر دیتا تمہیں..... پھر میری زندگی چاہے بے سکون ہی گزرتی کم از کم تمہارے ساتھ تو نہ گزارنی پڑتی.....''

سعد کی آواز جیسے دوبارہ اس کی سماعتوں میں گونجی تھی..... اسے اب صحیح معنوں میں اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی..... وہ غائب دماغی سے ایک روبوٹ کی طرح قدم اُٹھاتی چلتی جا رہی تھی۔ اس کا سر یکدم چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا..... منظر دھندلاتے گئے پھر اچانک کیا ہوا..... وہ باوجود کوشش کے بھی سمجھنے سے قاصر تھی..... پانی کا شور..... اور پھر بہت زیادہ لوگوں کے بولنے کی آوازیں..... چیخیں..... مگر اس تمام شور و غل میں اس کی ناعتیں جس آواز کے لئے بے چینی سے منتظر تھیں وہ آواز کہیں نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ اسے وہ آوازیں دور ہوتی محسوس ہونے لگیں..... مدھم..... اور مدھم اور پھر آہستہ آہستہ بالکل سناٹا چھا گیا۔

******

اشعر، احد اور عمر، انوشے اور سعد کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر آ نکلے۔

''ڈھونڈو! اس لیلیٰ مجنوں کی جوڑی کو..... ہم سے کئی کترا کر معلوم نہیں کہاں چھپے بیٹھے ہیں۔''

احد ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا جب اس کے ساتھ چلتے اشعر کی نظر انوشے پر پڑی

.....اس کو چند لمحے لگے کنفیوژن کا اندازہ لگانے میں اور جب اصل صورتحال اس کی سمجھ میں آئی اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ انوشے ایک روبوٹ کی مانند پلٹتی ہوئی پانی کی گہرائی میں اترتی جا رہی تھی.....وہ جیسے ایک ٹرانس میں تھی۔

''احد بھائی!.....وہ دیکھیں انوشے بھابی!''

اشعر صرف اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ احد اور عمر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو انہیں اپنی نظروں پر یقین کرنا مشکل ہوگیا.....اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی حالت میں آتے ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی لہر آئی اور انوشے اس میں چھپ گئی۔

''اشعر! عمر بھاگو!''

احد حلق کے بل چیخا تھا.....وہ تینوں سرپٹ بھاگتے ہوئے آندھی، طوفان کی طرح وہاں پہنچے۔ انوشے کو پانی سے باہر نکالا.....احد نے اسے پیٹ کے بل زمین پر لٹا کر اس کی کمر پر دباؤ ڈالا اور سمندر کا نمکین پانی اس کے منہ سے باہر نکل آیا.....وہ بے ہوش تھی.....کافی لوگ وہاں جمع ہوگئے۔ نازو، پلوشہ، عالیہ اور یاسیہ بھی وہاں پہنچ چکی تھیں.....احد نے اسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

''احد کیا ہوا.....انوشے ہوش میں کیوں نہیں آ رہی.....؟''

پلوشہ پریشانی کے عالم میں رونے کو تھی.....

''یہ سعد بھی پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے.....''

احد نے ادھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھا.....پھر پلوشہ سے بولا۔

''ہمیں بھابی کو ہاسپٹل لے جانا پڑے گا.....ان کو فوری طور پر ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔''

احد نے انوشے کو بازوؤں میں اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے آیا.....جسے پلوشہ پہلے ہی جا کر پارکنگ سے نکال لائی تھی.....احد نے اسے پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ تب تک نازو ابراہیم کو لے کر وہاں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ عمر اور اشعر نے سامان اٹھایا ہوا تھا جسے انہوں نے ڈگی میں رکھ دیا۔ احد نے عمر کو سعد کا نمبر دیا اور فوری طور پر اسے ڈھونڈنے کی درخواست کی۔ ان کے ہسپتال پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد ہی انوشے کو ہوش آ گیا تھا.....سب نے سکون کا سانس لیا.....اشعر اور عمر کی فیملی بار بار فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرتے رہے.....اگر کسی کو خبر نہیں ملی تھی تو سعد کی نہیں ملی تھی.....سب اس کے یوں اچانک غائب ہو جانے پر حیران تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حیرانی اب پریشانی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

''بھابی! اب بالکل ٹھیک ہیں.....اور ہم انہیں ابھی گھر لے جا سکتے ہیں۔''

احد نے پلوشہ سے کہا جو پریشانی سے اب بھی بار بار سعد کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر وہ مسلسل آف تھا۔

''احد! بھابی کے پیٹ سے تو کھارا پانی تبھی نکل گیا تھا پھر انہیں ہوش میں آنے میں اتنا وقت کیوں لگا.....؟ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں.....؟''

پلوشہ کے پوچھنے پر احد نہایت سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تمہارا اندیشہ بالکل درست ہے۔ اگر صرف سمندر کا نمکین پانی ہی وجہ ہوتا تو اصولاً بھابی کو ہوش آ جانی چاہئے تھی.....مگر مجھے یہ کہتے ہوئے دُکھ کے ساتھ حیرت بھی ہو رہی ہے پلوشہ کہ بھابی کے بے ہوش ہونے کی وجہ پانی نہیں ہے۔ انہیں کوئی شدید ذہنی دھچکا لگا ہے.....میرا مطلب ہے کچھ تو ایسا ہوا ہے.....کوئی ایسی بات جسے بھابی کا ذہن قبول کرنے سے عاری ہے۔''

''مگر ایسا کیا ہو سکتا ہے۔ سعد بھائی اتنا چاہتے ہیں انوشے کو.....آپ نے دیکھا نہیں وہ دونوں ایک ساتھ کتنے خوش ہیں۔''

پلوشہ نے اُلجھ کر کہا تھا۔ وہ مسلسل روتے ابراہیم کو شانے سے لگائے تھپتھپا رہی تھی۔

احد نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر بامعنی انداز میں بولا۔

''کبھی کبھی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی جھوٹ نکل آتا ہے۔''

وہ اب پریشانی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا.....؟''

پلوشہ نے ابراہیم کو نازو کے ساتھ باہر بھیجا اور حیرانی سے پوچھا۔

''پلوشہ میں سعد کو کافی عرصے سے جانتا ہوں.....میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے بہت مشکوک حرکتیں کرنے لگا ہے.....کچھ پریشان لگتا ہے۔ میں نے ایک دو بار اُسے کریدنے کی کوشش بھی کی مگر وہ ہر بار ٹال گیا۔ اب سچائی کیا ہے یہ تو اُس سے مل کر ہی سامنے آئے گی.....معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ فون بھی بند کر رکھا ہے۔''

احد نے کلائی پر بندھی گھڑی سے وقت دیکھا.....آٹھ بج رہے تھے۔

''تم نے پارکنگ میں سعد کی گاڑی دیکھی تھی.....؟''

اچانک یاد آنے پر احد نے پوچھا تھا۔

''نہیں.....! سعد بھائی کی گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔''

پلوشہ نے یاد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے وہ جان بوجھ کر کسی کو بھی بتائے بنا کہیں گیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے انوشے کو علم ہو..... میں اُس سے پوچھوں.....؟''

پلوشہ نے کہا تھا۔

''نہیں۔ تم بھابی سے فی الوقت ایسی کوئی بات مت کرنا..... خیر جو بھی سچائی ہے اب بہت جلد سامنے آنے والی ہے..... میں گاڑی نکالتا ہوں تم بھابی اور نازو کو لے آؤ..... گھر چھوڑ آئیں انہیں۔ ہوسکتا ہے سعد گھر پہنچ چکا ہو.....''

احد نے کہا تو پلوشہ سر ہلاتی چلی گئی۔ گھر گئے تو ایک عجیب وغریب سی صورتحال ان کے سامنے تھی۔ سوئے ہوئے ابراہیم کو گیسٹ روم میں لٹا کر وہ لوگ انوشے کو لیے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے تو پلوشہ نے نازو کو ان کا بیڈروم کھولنے کو کہا۔ نازو انوشے کے کمرے کی طرف بڑھی تو احد نے اسے روکا۔

''کہاں جارہی ہو.....؟ سعد کا کمرہ تو اس طرف ہے.....''

نازو کے اُٹھتے قدموں کو جیسے بریک لگ گئے۔

''نہیں احد!..... ان کا بیڈروم اُسی طرف ہے۔ میں آج خود گئی تھی انوشے سے ملنے۔''

پلوشہ نے پُریقین لہجے میں کہا۔

''مگر سعد کا بیڈروم اُدھر نہیں اِدھر ہی ہے..... مجھے علم ہے۔ میں ہزار بار یہاں آچکا ہوں اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ کچھ بھی ہوجائے وہ اپنا بیڈروم تبدیل نہیں کرے گا..... اُسے وہ کمرہ بہت پسند ہے۔''

احد کی پُرزور تردید پر پلوشہ حیرت سے خاموش ہوگئی۔ اُن دونوں نے کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ ناسمجھی کے عالم میں سوالیہ نظروں سے پہلے نازو اور پھر انوشے کو دیکھا۔ وہ دونوں نگاہیں جھکائے بس خاموش تھیں..... اور ان کی خاموشی نے ہی بہت کچھ کہہ دیا تھا..... اُنہیں یقین کرنا مشکل ہورہا تھا کہ وہ دونوں ایک کمرہ شیئر کرنے کی بجائے دو الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں۔

''نازو..... تم سعد کا کمرہ کھولو..... انوشے وہیں جائے گی۔''

پلوشہ نے حتمی انداز میں کہا..... نازو ہچکچاتی ہوئی سعد کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ پلوشہ انوشے کو لیے اس کے پیچھے چل دی۔

احد پُرسوچ انداز میں چلتا ہوا نیچے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ یہ انکشاف اس کے لئے ناقابل یقین تھا..... اس نے دوبارہ اپنی جیب سے موبائل نکال کر سعد کا نمبر ملایا..... وہ ابھی بھی بند تھا..... اسے اب سعد پر غصہ آنے لگا تھا۔

''نازو تم انوشے کا کوئی سوٹ لے آؤ یہ گیلے کپڑے چینج کرلے.....''

کمرے میں داخل ہوتے ہی پلوشہ نے کہا تو نازو انوشے کے کمرے سے اس کا سوٹ اُٹھا لائی۔

''انوشے تم چینج کرو۔ تب تک میں اور احد بھی یہ گیلے کپڑے بدل لیں۔''

''بی بی جی! میں نے آپ کے اور احد صاحب کے کپڑے گاڑی سے نکلوا کر گیسٹ روم میں رکھوا دیئے ہیں۔''

نازو کے کہنے پر پلوشہ سر ہلاتی نیچے آگئی۔ انوشے نے بڑی مشکل سے گیلے کپڑے بدلے..... اُس کا سر بھاری ہورہا تھا..... اور بار بار آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا سا چھا جاتا..... وہ صوفے پر نیم دراز ہوگئی تو نازو اس کے گیلے کپڑے اُٹھاتی باہر چلی گئی..... پلوشہ اور احد جب فریش ہوکر آئے تو وہ صوفے پر نیم دراز تھی۔

''ارے! تم یہاں کیوں بیٹھی ہو..... اُٹھو! اُدھر بیڈ پر آؤ.....!''

پلوشہ نے اسے زبردستی اُٹھایا اور بیڈ پر لٹا کر اس پر کمبل اوڑھا دیا۔

''اب کیسا محسوس کررہی ہیں بھابی آپ.....؟''

احد نے اس کی نبض چیک کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''سر بہت بھاری سا ہورہا ہے احد بھائی..... آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا ہے بار بار۔''

انوشے نہایت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ نیند آپ کیلئے بہت ضروری ہے۔''

احد نے سرنج میں نیند کا انجکشن بھرتے ہوئے کہا تھا جسے وہ آتے ہوئے دواؤں کے ساتھ لایا تھا۔

''میں نے نیند کا انجکشن لگا دیا ہے۔ اب آپ کو سونے میں دقت نہیں ہوگی۔''

اور ایسا ہی ہوا تھا انوشے کو پہلے کی طرح سونے کی کوشش نہیں کرنی پڑی تھی..... جلد ہی وہ گہری نیند میں چلی گئی۔

''صاحب جی! پلوشہ بی بی.....! میں نے ڈنر لگا دیا ہے۔ اور ابراہیم کو بھی دیکھا ہے وہ سویا ہوا ہے۔''

احد اور پلوشہ جو کسی گہری سوچ میں گم اس معمے کو حل کرنے کی کوشش میں خاموشی سے وہاں انوشے کے پاس بیٹھے تھے، نازو کی آواز پر چونک گئے۔

''اچھا چلو!''

پلوشہ اُٹھتی ہوئی بولی تو احد بھی اِن کے ساتھ نیچے آ گیا۔

''مجھے تو بھوک نہیں ہے.....نازو ایک کپ چائے مل سکتی ہے.....؟''

احد نے نیچے آ کر کہا تھا۔

''کھانا تو میں بھی نہیں کھاؤں گی.....بھوک ہی اُڑ گئی ہے۔''

پلوشہ بددلی سے بولی:

''تم کچھ کھالو پلوشہ.....ایسے مت سوچنا.....سعد آتا ہے تو اُس سے بات کرتا ہوں میں.....تم اتنی پریشان مت ہو.....''

اَحد نے نرمی سے اِسے سمجھایا اور خود گیسٹ روم میں چلا آیا۔ پلوشہ نازو کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی.....دو چار نوالے لے کر ہی اس نے ہاتھ روک لیا.....نازو تم چائے بنا کر وہیں لے آنا.....ہمیں تم سے بات کرنی ہے۔ وہ ابراہیم کے لیے فیڈر بنا کر گیسٹ روم میں آ گئی۔ نازو جب چائے لے کر گئی تو وہ دونوں بہت سنجیدہ تھے.....احد پھر سے سعد کا نمبر ملا رہا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے صاحب جی.....سعد بابا آج بھی لیٹ ہی آئیں گے۔''

نازو کی بات پر وہ چونکے۔

''آج بھی سے کیا مراد ہے تمہاری.....؟ کیا سعد پہلے بھی یونہی بنا بتائے غائب ہو جاتا ہے؟''

احد نے حیرت سے پوچھا.....پلوشہ جو بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے ابراہیم دوبارہ سلایا تھا۔ نازو نے انہیں سب کچھ بتانے کا ارادہ کر لیا.....جو کچھ آج ہوا اس سے وہ بہت زیادہ سہم گئی تھی.....وہ تو اللہ کا کرم ہوا کہ بروقت ہی اِن کی نظر انوشے پر پڑ گئی ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا.....وہ جانتی تھی کہ سعد بابا احد صاحب کی بات نہیں ٹالتے.....بہت گہری دوستی تھی دونوں کے درمیان.....احد صاحب سے جیسے بھی ہو وہ ہر حال میں اِس معاملے کو سلجھا ہی لیں گے۔

''بولو نازو.....کیا سعد بھائی پہلے بھی گھر لیٹ آتے ہیں.....؟''

پلوشہ نے پوچھا:

''روزانہ دیر سے نہیں آتے۔ جس دن انوشے بی بی سے غصہ ہوتے ہیں.....اُنہیں ڈانٹ کر جاتے ہیں تو بہت دیر سے گھر لوٹتے ہیں.....بی بی کے ساتھ اُن کا رویہ ہمیشہ اُکھڑا ہی رہتا ہے.....ہر بات پر اُنہیں نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی انوشے بی بی کو وہ مقام دیا ہی نہیں جو شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے۔''

احد چائے کی چسکی لیتا لیتا رُک گیا۔

''واٹ.....؟؟ I don't believe it

احد نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نازو یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟ تمہارا کہنے کا مطلب ہے کہ وہ شروع سے ہی الگ الگ کمروں میں.....؟''

پلوشہ نے بے یقینی کے عالم میں اپنی بات ادھوری چھوڑ دی.....کیونکہ نازو کا ہاں میں ہلتا سر اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ بات مکمل کرنا اب بے معنی ہے۔

''اوہ میرے خدا!''.....پلوشہ نے پریشانی سے سر تھام لیا۔

''سعد اس حد تک اپنی بیوی پر ظلم کر سکتا ہے.....میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

احد واقعی بے یقین تھا۔

''مجھے انوشے کی فکر ہو رہی ہے احد.....شادی کے بعد اگر ساتھی پیار کرنے والا، خیال رکھنے والا ملے تو گھر والوں سے دوری کا احساس کم ہو جاتا ہے.....مگر جب ہمسفر ہی اتنا بے درد نکلے تو عورت کو اپنی زندگی جہنم ہی لگے گی.....ایسے حالات میں وہ کیسے اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھ سکتی ہے؟''

پلوشہ کو حقیقتاً بہت صدمہ ہوا تھا۔ اور کم دُکھی تو احد بھی نہیں تھا.....اپنے اکلوتے عزیز ترین دوست کا یہ رُوپ اُس کے لیے بھی کسی شاک سے کم نہ تھا.....اس سب کی بیک سٹوری کیا تھی.....کون ظالم تھا اور کون مظلوم، اس کا فیصلہ اب سعد کے آنے پر اُس سے بات کرنے کے بعد ہی ہونا تھا۔ انہوں نے آج رات یہیں رُکنے کا فیصلہ کیا۔

''ہماری یہاں موجودگی کا علم سعد کو نہیں ہونا چاہیے۔''

احد نے نازو سے کہا اور وہ حامی بھرتی چلی گئی۔

******

رات کے تقریباً سوا ایک کے قریب باہر پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی۔ احد نے گیسٹ روم سے باہر قدم رکھا ہی تھا جب سعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا.....بڑی لائٹس آف تھیں.....زیرو پاور کی مدھم سی روشنی میں سعد کی نظر احد پر نہیں پڑی تھی.....احد پلر کی اوٹ میں کھڑا نہایت توجہ سے اس کی ہر سرگرمی پر نظر رکھے ہوئے تھا.....اس وقت اگر روشنی مدھم نہ بھی ہوتی تب بھی احد کو پورا یقین تھا کہ سعد اردگرد پر غور ہی نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہ بہت اُلجھا اُلجھا بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا۔ وہ آتے ہی وہاں پڑے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں ڈھے

گیا.....اور آنکھیں موند لیں۔ چند لمحے وہ اسی طرح پڑا رہا پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلانے لگا۔ اسے کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ جب سے اس نے وہ کال ریسیو کی تھی اس کی یہی حالت تھی۔ اُس شخص کی باتیں اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں..... اس نے اُکتا کر زور سے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ شاید اس طرح وہ لاشعوری طور پر ان آوازوں سے فرار حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ اُٹھا اور کچن میں پڑی فرج میں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لیے سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا..... احد اس کے پیچھے ہی اوپر آیا۔ سعد نے دروازے کے قریب پہنچ کر بوتل کھولی اور ایک گھونٹ پانی پیا..... اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا..... کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا..... اُس نے لائٹس آن کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ اپنا ماتھا سہلاتا جا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ پانی کی بوتل اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نیچے گر گئی جسے اُٹھانے کی اس نے زحمت نہ کی تھی۔ احد کھلے دروازے سے سب دیکھ رہا تھا۔ مدھم روشنی میں اُس کے چہرے کے تاثرات تو وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا مگر اُس کا یہ خود فراموشی کا انداز اسے مزید اُلجھا رہا تھا۔ سعد کو اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ تھا..... وہ تو خود میں ہی کہیں گم تھا..... جیسے وہ یہ سب نیند میں کر رہا ہو۔

''اُف! سعد اس حالت میں کیسے ڈرائیو کر کے گھر پہنچا ہے.....''

احد نے تشویش کے عالم میں اس کے کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کرتے ہوئے سوچا تو چکرا کر رہ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے سعد کو.....؟ آخر ایسی کیا بات ہے جو وہ مجھ سے بھی ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔''

وہ اپنے ذہن میں اس گتھی کو جتنی سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اتنی ہی اُلجھتی جا رہی تھی..... اس کشمکش میں وہ نیچے گیسٹ روم میں چلا آیا..... پلوشہ کو بیڈ پر بیٹھے دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔

''تم اُٹھ کیوں گئیں.....؟''

''جب آپ باہر گئے تو میری آنکھ کھل گئی تھی..... سعد بھائی آ گئے ہیں.....؟''

پلوشہ نے پوچھا تو وہ اس کے پاس بیٹھ کر سعد کی موجودہ حالت کے بارے میں اسے بتانے لگا.....

''اوہ..... اس کا مطلب ہے سعد بھائی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں.....؟ وہ اتنے بے سُدھ گھوم رہے تھے کہ انہیں اپنے ہی کمرے میں اپنے ہی بیڈ پر کسی دوسرے وجود کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا.....؟؟''

پلوشہ حیرت کے سمندر میں جیسے غوطے کھا رہی تھی۔

''احد مجھے لگتا ہے کہ سعد بھائی کو ضرور انوشے کے ساتھ ہونے والے آج کے واقعے کی خبر ہو گی اور ان کی حالت کی وجہ بھی یہی ہے..... اور کچھ ہو نہ ہو ان دونوں کے درمیان، مگر میں ایک بات دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ سعد بھائی کو انوشے سے محبت ضرور ہے..... ورنہ اُن کی ایسی حالت نہ ہوتی جواب ہے۔''

احد اس کی بات پر چونکا۔

''تم ایسا کیسے..... میرا مطلب ہے کہ کس بنیاد پر کہہ رہی ہو.....؟ حالانکہ جو صورتحال ہمارے سامنے آئی وہ اس سے بالکل برعکس ہے..... اور اُسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ سعد کو انوشے سے محبت ہے..... میرے خیال میں سراسر بے وقوفی ہے..... آج جو بھی انکشافات ہوئے..... اُن سے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے..... اور وہ یہ کہ یہ شادی سعد کی مرضی کے خلاف ہوئی یعنی زبردستی۔ ہو سکتا ہے احد کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں مگر میں اب بھی یہی کہوں گی..... آپ کو کیا لگتا ہے سعد بھائی اب جس طرح اردگرد سے بے نیاز پھر رہے تھے اور جیسے ہشاش بشاش وہ صبح تھے..... یہ دونوں حالتیں.....؟''

پلوشہ کی اُدھوری بات سے ہی احد کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔

''تمہارا مطلب ہے کہ انوشے بھابی کے ساتھ جو بیچ پر ہوا سعد اس سے باخبر ہے.....؟ اور ایسا ہی ہے، تمہیں اس بات پر پورا یقین ہے..... تبھی تم بار بار اس بات پر زور دے رہی ہو.....؟ اور سعد کے کھوئے بکھرے انداز کی وجہ انوشے کے لیے فکرمندی اور پریشانی ہے.....؟''

احد نے تصدیق کرنے کے لیے اس سے تفصیلاً پوچھا تو وہ ہاں میں سر ہلاتے ہوئے بولی:

''مجھے لگتا ہے کہ سعد بھائی کے رویے کی وجہ کوئی اور ہے..... ورنہ اتنی خوبصورت اور سلجھی ہوئی بیوی سے لاتعلقی کیوں.....؟ بظاہر کوئی خامی بھی نہیں انوشے میں.....''

''خامی انوشے بھابی میں نہیں میرے دوست میں ہے..... وہ شروع سے ہی بہت جذباتی ہے..... جو اس کے دماغ میں آتا ہے وہی بولتا ہے اور وہی کرتا ہے۔ معلوم نہیں اب اس کے دماغ میں کیا آن سمایا ہے کہ اسے کھرے کھوٹے کی پہچان سمجھ میں نہیں آ رہی..... بات جو بھی ہو..... میں اُس وجہ کو تلاش کر کے رہوں گا..... میں اپنے دوست کی ازدواجی زندگی کو ناکامی کی دلدل سے نکال کر رہوں گا.....''

احد نے ایک عزم کے ساتھ کہا تھا۔

''اور میں آپ کا ساتھ دوں گی۔''

پلوشہ نے احد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

******

رات کا نجانے کونسا پہر تھا..... وہ غائب دماغی سے بیڈ پر پڑا تھا۔ آنکھوں کے آگے دھندلی چھائی محسوس ہو رہی تھی۔ اور دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا تھا..... آج بیچ پر جو کچھ بھی ہوا..... وہ قطعاً ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے جو منہ میں آیا وہ انوشے کو سناتا گیا..... اپنا سارا غصہ، سارا غبار اس پر نکال کر وہ پارکنگ ایریا کی طرف نکل آیا..... اور بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگا۔ وہ جب بھی حد سے زیادہ مضطرب اور بے بسی کی حد تک بے چین ہوتا تو گاڑی لے کر نکل آتا..... آج بھی بنا سوچے سمجھے انجانی راہوں پر بلا ارادہ ہی گاڑی دوڑاتا جا رہا تھا۔ اس نے کوفت کے عالم میں موبائل بھی آف کر رکھا تھا..... کہ کہیں دوبارہ اُسی شخص کا فون نہ آ جائے..... وہ فی الحال ایسے کسی موضوع پر نہ کوئی بات کرنے کا روادار تھا اور نہ سننے کا..... وہ بے مقصد کراچی کی سڑکیں ناپتا رہا..... مسلسل ڈرائیو کرتے رہنے سے اس کے ہاتھ جیسے سن ہو گئے تھے..... اس نے ایک ہاتھ سے سٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دے کر ریلیکس کرنا چاہا..... شام رات میں بدل گئی تھی اور ہر چیز نے کالی چادر اوڑھ لی تھی۔ وہ درحقیقت اب تھک چکا تھا..... اس نے گاڑی ایک طرف روکی اور ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل پکڑ کر آن کیا ہی تھا کہ بیل ہونے لگی۔ اس نے نمبر دیکھا وہ اجنبی تھا..... سعد نے کال ڈس کنیکٹ کر دی..... وقت، دیکھا اور موبائل دوبارہ آف کرنے ہی والا تھا کہ بجنے والی میسج ٹون نے اسے فوراً ایسا نہ کرنے دیا۔ کچھ سوچ کر میسج پڑھنے کا ارادہ کیا۔

"I am Ashar, plz attend my call it's emergency."

''اشعر.....؟ یہ اشعر کا نمبر ہے..... آخر کیا ایمرجنسی ہوگی۔ یقیناً مجھ سے یوں اچانک غائب ہونے کی وجہ پوچھے گا''

سعد نے سوچا تبھی فون پر بیل ہوئی تو اس نے بددلی سے کال ریسیو کی۔

''سعد کہاں ہو یار.....؟ بنا کسی کو اطلاع کیے غائب ہو گئے اور موبائل بھی آف کر رکھا تھا.....''

وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''کچھ نہیں اشعر..... تم کہو کیا ایمرجنسی ہے.....؟ سب خیریت ہے.....؟''

سعد نے بیزاری سے اس کے سوال کو ٹالا۔

''یار! وہ انوشے بھابی.....''

اشعر کی پریشان آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو سعد کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے

مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

''ک..... کیا ہوا انوشے کو.....؟''

اس نے اپنے ذہن میں آنے والے ہزار خدشات کو جھٹکتے ہوئے سہمے دل کے ساتھ پوچھا۔

''معلوم نہیں اچانک کیا ہو گیا تھا..... وہ پانی میں گہرائی تک چلی گئی تھیں۔ وہ تو اچھا ہوا کہ ہماری نظر اُن پر پڑ گئی ورنہ پتا نہیں کیا ہو جاتا.....''

سعد کا دل تھم سا گیا تھا..... ہر طرف پھیلے جامد سناٹے میں یکدم جیسے اس کے دل نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔

''اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے..... میری کچھ دیر پہلے احد سے بات ہوئی ہے..... وہ بھابی کو ہسپتال سے گھر لے جا رہے تھے..... وہ اب ہوش میں ہیں۔''

اشعر اب تفصیل بتا رہا تھا..... سعد نے مزید کچھ بھی سنے بنا خاموشی سے کال ڈس کنیکٹ کی اور فون دوبارہ آف کر کے ڈیش بورڈ پر پھینک دیا۔ اس کے دل کی دُنیا اتھل پتھل کا شکار تھی۔

''یقیناً یہ سب میرے رویے کا اثر ہے..... میری باتوں کا ردعمل ہے..... اگر انوشے بالکل ویسی ہے جیسی وہ شخص کہتا ہے تو پھر وہ اپنی جان داؤ پر کیسے لگا سکتی ہے.....؟ مگر اُس شخص کی باتیں بھی تو جھٹلائی نہیں جا سکتیں..... اور اگر انوشے پر کسی کی نظر نہ پڑتی تو.....؟''

''مجھے تیرنا نہیں آتا''

انوشے کی آواز اس کے کانوں میں گونجی..... وہ کانپ کر رہ گیا۔

''اگر آج اُسے کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا.....؟ کیا خود کو کبھی معاف کر پاتا..... کیا جی پاتا اُس کے بنا.....؟''

اس کے دھڑکتے دل نے ان سوالات پر سہم کر ایک جھرجھری لی تھی۔

''آخر کیوں وہ لڑکی میرے لیے اتنی اہم ہوتی جا رہی ہے..... کیوں مجھے یہ لگنے لگا ہے کہ میری زندگی کے لئے اس کا زندہ ہونا لازم و ملزوم ہے۔''

وہ جتنا سوچتا جا رہا تھا اُتنا ہی اُلجھ رہا تھا۔

''او میرے خدا!..... مجھے اس سچ اور جھوٹ کی کشمکش سے نکال دے۔ میرے سامنے واضح کر دے کہ کون صحیح اور کون غلط ہے۔ میرے دل و دماغ کو کسی ایک نقطے پر ملا دے میرے مالک! سچائی سے آگاہی دے دے مجھے..... ورنہ یہ حالات پاگل کر دیں گے مجھے..... میں حقیقتاً پاگل ہو جاؤں گا.....''

سعد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ یکدم اس کا دل اس سناٹے سے جیسے اُوبھ سا گیا تھا۔ دل میں ایک عجیب سی بے چینی کی لہر اُٹھی اور اس نے ایک دم بوٹ کی طرح گاڑی سٹارٹ کی اور گھر کے راستے پر ڈال کر پیڈ بڑھا دی۔

''کیسی ہوگی اب وہ.....؟؟''

یہی ایک جملہ تھا جو بار بار اس کے ذہن کی سکرین پر جگمگا رہا تھا..... جیسے کسی نیوز چینل پر کسی خبر کو ہائی لائیٹ کر کے بار بار دکھایا جاتا ہے بالکل اسی طرح۔ وہ جلد از جلد ہر صورت گھر پہنچنے کی کوشش میں گاڑی اندھا دھند بھگا رہا تھا۔ رات کے اس پہر سڑکیں سنسان تھیں۔ اگر نہ بھی سنسان ہوتیں تب بھی شاید وہ اتنی ہی تیز گاڑی چلاتا۔ گھر پہنچ کر اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی..... وہ خود کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ انوشے کو ملنے کی چاہ میں وہ اندھا دھند یہاں پہنچا مگر گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اب وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا..... اسی عجیب حالت میں وہ اپنے کمرے میں پہنچا تھا اور اب اردگرد سے بے نیاز بیڈ پر پڑا تھا..... کروٹ تک نہ لی تھی۔ اسے تو یہ بھی احساس نہ تھا کہ وقت کیا ہوا ہے اور صبح ہونے میں کتنی دیر ہے۔ اس کا دل ایک بار پھر اُس دشمنِ جان کو ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپ اُٹھا۔ اشعر نے بتایا تو تھا کہ وہ اب ٹھیک ہے مگر جب تک وہ خود اُسے دیکھ نہ لیتا اسے چین کہاں آنے والا تھا..... مگر اس کا دماغ اُس شخص کی باتوں نے اُلجھا رکھا تھا۔ اسی دل و دماغ کی ضد میں اس کے اندر شاید توڑ پھوڑ کا عمل جاری تھا..... وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا..... کسی طور سکون نہ تھا..... دل تھا کہ بے چینی کی آخری حدوں تک بے قرار تھا..... کسی صورت جلدی سے وہ دلدار دکھائی دے۔

جھٹ سے وہ تھرتھراتی پلکوں والی معصوم سی آنکھیں اس کے سامنے آ جائیں۔ وہ اداکھ بے وفا سہی..... لاکھ جھوٹی سہی..... اُس کی ایک جھلک دیکھنے کی طلب نے اسے اتنا بے بس کر دیا کہ وہ وقتی طور پر اس کے ہر گناہ، ہر کوتاہی سے منہ موڑنے کو بھی تیار تھا..... وہ اس وقت اپنے غصے، اپنی خفگی سے دستبردار ہونے کو بھی تیار تھا۔ اور بدلے میں اسے صرف ایک نظر، اُس کی ایک جھلک کی خواہش تھی..... اس بات کی تسلی کہ ''انوشے ٹھیک ہے'' اس کا سارا خسارہ بھر دینے کو کافی تھی..... سعد ایک جھٹکے سے اُٹھا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

''اگر احد اور پلوشہ اُسے گھر چھوڑ کر گئے ہیں تو اس وقت یقیناً وہ اپنے کمرے میں ہی ہوگی۔''

اُسے دیکھنے کی چاہ میں اُس نے انوشے کے کمرے کا دروازہ کھولا اور آگے بڑھ کر جلدی سے لائٹس آن کیں..... پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا..... اس کی بے چین نظریں خالی بیڈ دیکھ کر مایوس لوٹ آئیں۔ وہ ٹیرس پر آیا۔ وہ وہاں بھی نہ تھی۔ اس کا دل جیسے بجھ سا گیا۔ اسے لگا

جیسا کہیں کوئی روشنی کی کرن تک نہیں ہے..... وہاں کھڑے کھڑے اس کا دم گھٹنے لگا..... وہ لائٹس آف کرتا شکست خوردہ سا واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا۔

''احد اور پلوشہ اس کی خراب طبیعت کو دیکھ کر یقیناً اسے اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے..... اب تو صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔ معلوم نہیں اس رات کو کیا ہو گیا ہے۔ کیوں تھم سی گئی ہے..... ابھی اور کتنا وقت ہے صبح ہونے میں.....؟''

اس نے موبائل ڈھونڈنے کے لئے اپنے قریب بیڈ پر ہاتھ مارا..... تاکہ وقت کا اندازہ کر سکے۔ دانستہ اس نے کمرے کی لائٹس آن نہیں کی تھیں..... اسے اُس روشنی میں وحشت سی محسوس ہونے لگی تھی جس میں اسے وہی چہرہ دکھائی نہ دے جسے دیکھنے کی چاہ میں وہ اس وقت نشے کی حد تک بے قرار تھا۔ اچانک وہ چونکا..... موبائل کی تلاش میں ادھر اُدھر حرکت کرتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے ساکت ہوا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے سائیڈ لیمپ آن کیا۔ اسے لگا لیمپ آن نہیں ہوا اس کی اپنی آنکھیں چمک اُٹھی ہیں اور پورے کمرے میں روشنی پھیل گئی ہے۔ وہ اپنے ہی بیڈ پر بے خبر سوئی ہوئی انوشے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا..... بے یقینی کے عالم میں وہ ایک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا..... ''کیا وہ واقعی میرے سامنے ہے.....؟ میرے پاس ہے.....؟ جس کی کمی میں اس وقت شدت سے محسوس کر رہا تھا اور جس کی تلاش میں بے بس ہو کر صبح جلدی ہو جانے کی دعائیں مانگ رہا تھا.....؟''

اس نے بنولے سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تاکہ اسے چھو کر اس کی وہاں موجودگی کا یقین کر پائے..... اسے یہ سب صرف اپنی آنکھوں کا دھوکہ محسوس ہو رہا تھا۔

''میں اتنا پارسا، اتنا خوش قسمت کہاں کہ میری دعاؤں کو قبولیت کا شرف نصیب ہو جائے اور وہ بھی اتنی جلدی.....؟ شاید اللہ دُعا کی قبولیت کے لیے دعا کرنے والے کو نہیں بلکہ دُعا مانگنے کے لئے اپنائی گئی عاجزی و انکساری اور اُس کی شدتِ طلب کو مدِ نظر رکھتا ہوگا تبھی اُس نے مجھ جیسے ظالم و گنہگار کی اتنی جلدی سن لی ورنہ میں اس قابل کہاں کہ اس طرح نواز دیا جاؤں۔''

سعد نے نرمی سے انوشے کا نازک ہاتھ اپنے کشادہ ہتھیلی والے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر جیسے خود کو خوش قسمت ہونے کا یقین دلایا تھا۔

''کاش یہ رات طویل سے طویل تر ہوتی جائے..... اور انوشے اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح میرے اتنے ہی قریب رہے..... میرے بالکل پاس۔''

والہانہ اسے دیکھتے ہوئے سعد نے اپنے دل کی صدا پر زیرِ لب آمین کہا تھا..... وہ بھول گیا تھا کہ ابھی چند ساعتیں پہلے وہ اسی رات کے طویل ہونے پر خدا سے شکوہ کناں تھا۔

انوشے اس کی تمام تر بے تابیوں سے بے خبر مکمل نیند کے خمار میں تھی..... خود سے بھی بے خبر بے سدھ پڑی تھی..... سعد کی آنکھیں بھر آئیں..... اپنے آج تک کے رویے پر یا اُن تمام تلخ باتوں پر جو اس نے انوشے کو سنائی تھیں..... یا انوشے کو اتنا زیادہ دُکھ دینے کی تکلیف تھی جسے برداشت کرتے کرتے اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں تھیں..... یا پھر اُسے ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا خوف تھا جو آج اس کے دِل میں بیٹھ سا گیا تھا..... وہ باوجود کوشش کے بھی اصل وجہ کا تعین نہ کر پایا..... وہ صرف اِتنا جانتا تھا کہ اُس کی آنکھیں صرف اور صرف انوشے کے لئے نم ہیں..... آج جب اشعر نے اس سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ انوشے کے بنا جی سکتا ہے، تب اس نے پہلی بار اپنی دھڑکنیں رُکتی ہوئی محسوس کی تھیں..... وہ کونسا ایسا جذبہ تھا۔ اس کو خود اتنی جلدی اس کا تجربہ ہو جائے گا اُسے خبر نہ تھی..... انوشے کو کھو دینے کا احساس اس کے لئے دُنیا کی ہر تکلیف سے شدید تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں چھپے اس کے ہاتھ کو بڑی عقیدت سے اونچا کیا اور اپنے ہونٹوں سے چھو لیا..... ایک آنسو اس عقیدت کے اظہار کے لئے انوشے کے ہاتھ پر گرا تھا..... سعد نے اس کا ہاتھ آہستہ سے اس کے پہلو میں رکھا اور اپنی نم آنکھیں صاف کرتا ہوا اُٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا..... سامنے ہی چمکتا چاند، سیاہی مائل کشادہ آسمان اپنے ستاروں کے جھرمٹ میں روشن تھا..... سعد کو لگا جیسے وہ خوشی سے ٹمٹماتے ہوئے اسے اس رات کے خوبصورت ہونے کا پیغام دے رہا ہو..... اور ستارے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرا رہے ہوں..... وہ کچھ دیر وہیں کھڑا چاند کی طرف دیکھتا رہا پھر واپس آ کر انوشے کے پاس ہی کہنی کی ٹیک بناتا گھٹنوں کے بل بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کے بالوں کی شرارتی لٹوں سے سعد کو پھر رقابت سی محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ انہوں نے انوشے کے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اس نے احتیاط سے اُن لٹوں کو ہٹایا تو اُس کی بے تابانہ نگاہوں نے انوشے کے پورے چہرے کو اپنے حصار میں لے لیا..... گھنی لمبی پلکوں کی جھالر اس کے خوبصورت بیازی گالوں پر سایہ فگن تھی۔ وہ اسے اتنی بیماری لگ رہی تھی کہ وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے تکتا جا رہا تھا جیسے اسے خوف ہو کہ اِدھر وہ پلکیں جھپک کر کھولے گا اُدھر منظر بدل جائے گا..... اور وہ اس منظر کو بدلنا نہیں چاہتا تھا..... وہ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا خود حیران تھا کہ انوشے کب اور کیسے اس کے لئے اتنی خاص اور اس قدر اہم ہو گئی تھی کہ اسے احساس بھی نہ ہوا..... اُس کی قربت اور اس کے بالوں کا لمس سعد کے دِل کو بے قرار کر رہا تھا..... وہ اپنے دِل کی معصوم سی بے ضرر سی خواہش کی نفی نہ کر پایا۔ ہولے سے اس پر جھکا اور اس کی پیشانی پر مہرِ محبت ثبت کر دی۔ جیسے ہی اس نے اپنے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھے! اسے لگا جیسے اس کی ساری تھکن، ساری

بے چینی اور بے قراری کہیں غائب ہو گئی ہو..... اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ وہ ان لمحات کو پوری سچائی کے ساتھ جینا چاہتا تھا محسوس کرنا چاہتا تھا..... وہ وہیں اس کے پاس ہی لیٹ گیا اور اسے کھینچ کر اپنے کشادہ سینے میں چھپا لیا..... اس نے اپنی متاعِ حیات کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر جیسے محفوظ کر لیا تھا..... اس کے پانی کی گہرائی میں جانے کی خبر نے اسے کھو دینے کا جو خوف اس کے دِل میں بٹھا دیا تھا وہ ڈر اب کہیں پس پشت چلا گیا تھا۔ اس کا قیمتی ترین اثاثہ مکمل طور پر اب اس کی تحویل میں تھا اور محفوظ تھا..... سعد کی تمام بے چینیوں کو سکون میسر آ گیا تھا۔ وہ پوری طرح پُرسکون تھا۔ نیند کی دیوی بھی شاید سکون پر عاشق ہوتی ہے جیسے ہی سکون انسان کے پاس آتا ہے وہ بھی دوڑی چلی آتی ہے۔ سعد بھی جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

******

نمازِ فجر کے بعد احد اور پلوشہ باہر لان میں نکل آئے..... وہاں چہل قدمی کے دوران وہ انوشے اور سعد کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے..... اچھا خاصا دن نکل آیا تھا..... ناز و فریش جوس بنا کر ان کو دینے باہر آئی تو وہ لان چیئرز پر بیٹھے تھے۔

''انوشے اور سعد نہیں اُٹھے ابھی.....؟ اور ابراہیم بھی سویا ہوا ہے ناں؟''

پلوشہ نے پوچھا۔

''جی! ابراہیم کو میں دیکھ کر آئی ہوں وہ سویا ہوا ہے مگر انوشے بی بی اور سعد بابا کا معلوم نہیں..... اُن میں سے ابھی کوئی بھی باہر نہیں آیا..... اس کا مطلب ہے وہ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں..... اگر جاگ گئے ہوتے تو اب تک دونوں میں سے ایک لازماً باہر ہوتا۔''

ناز و کی بات پر وہ دونوں مسکراہٹ نہ روک پائے۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... پر تم ایک کام کرو..... انوشے بھابی کا کمرہ چیک کر کے آؤ..... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بھابی اپنے کمرے میں پہنچ گئی ہوں یا دوسرے الفاظ میں پہنچا دی گئی ہوں۔'' احد نے کہا تھا

''ہاں ناز و..... احد کی بات درست ہے..... تم دیکھ آؤ ایک بار.....''

پلوشہ نے بھی کہا تو وہ اندر چلی آئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ چمکتے چہرے کے ساتھ دوبارہ وہاں موجود تھی۔

''انوشے بی بی اپنے کمرے میں نہیں ہیں.....''

وہ خوشی سے بتا رہی تھی..... احد اور پلوشہ نے سکون کا سانس لیا۔

''او جی..... وہ دونوں تو سکون سے محوِ خواب ہیں اور ہم ہیں کہ بے وجہ ٹینشن لے لے کر ایک

خوبصورت رات ضائع کر چکے ہیں۔''

پلوشہ احد کے چبھتے الفاظ کے جواب میں بمشکل مسکرا سکی تھی۔ وہ انوشے کے لئے بہت پریشان تھی..... لاتعلقی اور لاپرواہی عورت کی ذات کا حصہ کم ہی ہوتی ہے..... احد جس طرح اتنے پریشان کن حالات میں بھی اپنی باتوں میں مزاح کا عنصر لے آتے تھے، پلوشہ ایسا نہ کر پائی..... کل کا پورا واقعہ، سعد اور انوشے کے کھوکھلے رشتے کی سچائی، وہ باوجود کوشش کے بھی ذہن سے جھٹک نہیں پا رہی تھی۔

''اللہ کرے آپ کی بات سچ ہو احد..... مگر جو باتیں کل ہم پر کھلی ہیں..... اور ہم نے دیکھا کہ ان دونوں کے کمرے بھی الگ الگ ہیں..... یہ سب ہم کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔''

وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

''تمہاری بات اپنی جگہ بجا ہے..... مگر تم نے ہی تو کہا تھا کہ خوبصورت اور حسین بیوی سے آخر کوئی کب تک دور رہ سکتا ہے۔''

احد نے بامعنی مسکراہٹ لیے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی بات اسی کو لوٹائی تو وہ بھی مسکرا دی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' دونوں نے دل سے دعا کی تھی۔

******

کھلی ہوئی کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے وہ غائب دماغی سے سیلنگ کو گھورتا رہا..... پھر اسے اپنے سینے پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ انوشے اس کے سینے پر سر رکھے بازو اس کے گرد حمائل کیے بڑی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے بال سعد کے بازو پر اور باقی بیڈ اور تکیے پر پڑے تھے..... جس طرح آج اس کی صبح ہوئی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی..... حقیقی معنوں میں اسے لگ رہا تھا جیسے وہ آج ہی شادی شدہ لوگوں کی فہرست میں شامل ہوا ہے۔ ایک پل کے لئے تو اسے یہ سب کچھ سمجھ میں نہ آیا..... پھر یکدم جیسے اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا..... پھر آہستہ آہستہ رات کا پورا واقعہ اس کے ذہن میں ریل کی طرح چلنے لگا..... اسے سب یاد آنے لگا..... کل جو کچھ بیچ پر ہوا..... انوشے کی حالت..... انوشے کا لمس اب اسے غصہ دلا رہا تھا..... سینے پر محسوس ہوتی اس کی مدھم سانسوں کی گرمی اس کا خون کھولانے لگی تھی..... اس نے ایک جھٹکے سے انوشے کو خود سے الگ کیا اور ایک طرف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک نیند کے انجکشن کے زیر اثر تھی۔ تبھی اتنے سخت جھٹکے پر وہ تھوڑا سا کسمسائی پھر گہری نیند

میں چلی گئی۔

''اف..... مجھے کیا ہو گیا تھا۔ کیوں میں کل رات کمزور پڑ گیا..... مجھے خود پر تابو رکھنا چاہئے تھا..... مجھے ہر پل یہ یاد رکھنا چاہئے کہ میں اس لڑکی سے نفرت کرتا ہوں، محبت نہیں۔''

اس نے جیسے ٹھوس لہجے میں خود کو باور کرایا تھا۔ وہ کمرے میں ٹہلتا ہوا کوفت کے عالم میں یہ سب سوچ سوچ کر کڑھ رہا تھا۔ اس کی نظر پُرسکون سوئی ہوئی انوشے پر پڑی تو اسے اپنی بے خودی پر نئے سرے سے غصہ آنے لگا..... اور پھر اس غصے کا رُخ انوشے کی طرف مُڑ گیا۔

''مجھے بے سکون کر کے خود اتنے سکون میں کیسے رہ سکتی ہے یہ۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں میرے بیڈ پر میری ہی موجودگی میں سونے کی..... یہ لڑکی میری زندگی میں تو شامل ہو گئی ہے مگر میں اسے اپنی تنہائیوں میں کبھی شامل نہیں ہونے دوں گا..... اس نے میرے ساتھ جو دھوکا کیا..... اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا..... میں اپنی قربت کے لمحات ہرگز اس کے حصے میں نہیں آنے دوں گا۔''

ایک ہاتھ جینز کی جیب میں ڈالے دوسرا ہاتھ بالوں میں پھیرتا وہ گرے اور بلیک نیٹ کی بنی مسہری کے قریب کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''انوشے.....!''

وہ یکدم دھاڑا تھا..... مگر اس کی نیند کا خمار نہ ٹوٹا..... سعد نے جھکتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ کر اٹھایا..... اس نے گھبرا کر نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولا تھا..... اسے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی..... اس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

''انوشے بند کرو اب یہ ناٹک..... بہت ہو گئی تمہاری یہ ڈرامہ بازی.....''

سعد کی غصے سے بھری کرخت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے زبردستی آنکھیں کھولتے ہوئے اٹھ کر بیٹھنا چاہا..... اس کا دماغ ابھی صورتحال سمجھنے سے قاصر تھا..... سعد نے اسے اٹھنے کی کوشش کرتے دیکھا تو اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر کھینچا اور زمین پر کھڑا کر دیا۔ وہ سنبھل نہ پائی اور چکرا گئی..... سعد کی مضبوط گرفت نے ہی اسے گرنے سے بچایا تھا۔ وہ حیران پریشان ابھی یہ سمجھنے کی کوشش میں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے.....؟ وہ کہاں ہے.....؟ کیوں ہے.....؟ یہ سارے سوال، سوال ہی رہ گئے..... وہ تقریباً کھینچتا ہوا اسے اپنے کمرے سے باہر لایا اور سخت لہجے میں بولا۔

''میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں کان کھول کر سن لو!..... اب کہہ رہا ہوں، دوبارہ نہیں کہوں گا..... اپنی اوقات میں رہو..... تم میرے ممی پاپا کی وجہ سے میری منکوحہ بن کر میرے گھر میں تو

ہو..... مگر میری بیوی بن کر میرے کمرے میں گھسنے کی اجازت "میں" تمہیں نہیں دوں گا..... سمجھی تم.....؟"

زہر آلود لہجے میں وہ اس کی انا، اس کی محبت اور اس کے وقار کی دھجیاں اُڑاتا جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتا واپس پلٹا اور دروازہ وا لاک کر لیا۔ سعد نے اسے اچانک چھوڑا تو وہ چکراتے ہوئے سر کے ساتھ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی۔ خود کو سنبھالنے کے لئے اس نے سیڑھیوں تک جاتی سائیڈ ریلنگ کو تھامنا چاہا مگر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا..... ہر چیز جیسے دھندلا گئی تھی..... احد اور پلوشہ جو نیچے سیڑھیوں کے پاس ہی گھر جانے کے لئے تیار کھڑے تھے سعد اور انوشے کو دیکھ چکے تھے۔ سعد کو انوشے سے اس لہجے میں بات کرتے دیکھ کر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔

احد کو اندازہ تھا کہ انوشے کی حالت ابھی بھی بہتر نہیں ہے..... سعد نے جب انوشے کو جھٹکے سے چھوڑا تو احد دو دو سیڑھیاں پھلانگتا فوراً اوپر پہنچا اور چکراتی ہوئی انوشے کو گرنے سے پہلے ہی سنبھال لیا۔ جبکہ پلوشہ، انوشے کی حالت سے زیادہ سعد کے اس روپ سے حیران، بے یقینی سے وہیں کھڑی رہ گئی..... اسے انوشے پر ترس آ رہا تھا..... جس کمرے سے اُسے اس بے دردی سے نکالا گیا تھا..... یہ اُس شخص کا کمرہ تھا جس کی ہمسفری میں اُسے دیا گیا تھا.....

"قبول ہے..... قبول..... قبول....." ان تین الفاظ کو نبھاتے ہوئے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ اس کے ہمراہ چلی آئی تھی۔ وہی شخص جو اس کا محافظ و غم گسار ہونا چاہیئے تھا وہ خود اس کی خواہشوں اور اُمیدوں کی دھجیاں اُڑاتا اسے اپنے کمرے سے نکال گیا تھا۔ پلوشہ، انوشے کی بے چارگی پر رونے لگی..... اُسے اس کے دُکھ کا احساس تھا کیونکہ وہ خود اتنا چاہنے والا شوہر پا کر بھی اپنوں کی یاد میں آنسو بہایا کرتی تھی تو انوشے کے پاس تو شوہر کی محبت ایک طرف اُس کی کسی نرم بات یا محبت بھرے لہجے کا سہارا بھی نہ تھا..... مزید ستم ظریفی یہ کہ وہ اپنا یہ درد کسی سے بانٹ نہیں رہی تھی۔ پلوشہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی اُوپر آ گئی..... جہاں احد اسے شانے سے تھامے سیدھا کھڑا کیے ہوئے تھا۔

"احد! انوشے کی طبیعت دوبارہ بگڑ تو نہیں رہی.....؟"

پلوشہ نے انوشے کو اپنے ساتھ لگا کر سہارا دیا اور آہستہ سے سنجیدہ کھڑے احد سے پوچھا۔

"نہیں..... ابھی ٹھیک ہیں۔ تم انہیں ان کے کمرے میں لے جاؤ، میں آتا ہوں۔"

احد نے پُرسوچ انداز میں کہا..... تو پلوشہ، انوشے کو آہستہ آہستہ اس کے کمرے میں لے آئی۔ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"تم ٹھیک ہو انوشے.....؟"

"ہاں..... میں ٹھیک ہوں..... بس ذرا سر چکرا رہا ہے۔"

انوشے کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ کل کا تو پورا واقعہ اسے یاد تھا مگر رات.....؟ اس کی یادداشت سے بالکل غائب تھی..... وہ بارہا جو کوشش کے بھی صرف اتنا یاد کر پائی کہ پلوشہ اور احد بھائی نے اسے زبردستی سعد کے کمرے میں سلا دیا تھا..... پھر وہ اس قدر گہری نیند میں سوئی کہ ابھی سعد کے جھنجھوڑ کر اٹھانے کے کافی دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تھے۔ زندگی کی تلخ حقیقت اسے ہوش میں لا چکی تھی۔ احد بھی کمرے میں آ کر صوفے پر براجمان تھا..... ایک عجیب سے دُکھ نے اسے اپنے حصار میں لے لیا..... وہ اپنے عزیز ترین دوست کا یہ روپ دیکھ کر بے یقین تھا..... انوشے نے سر جھکا کر آنکھیں موند لیں..... احد بھائی اور پلوشہ سے نظر ملانے کی وہ ہمت نہیں کر پا رہی تھی..... اپنی شادی کا نام نہاد بھرم رکھنے کے لئے جس ناٹک کو وہ پچھلے کئی مہینوں سے بخوبی نبھاتی آ رہی تھی آج وہی جھوٹ اپنی تمام تر سچائیوں سے سب کے سامنے تھا..... سعد نے جس بات کو راز رکھنے کے لئے کہا تھا آج انجانے میں اسے خود ہی فاش کر چکے تھے..... مگر خود وہ اس بات سے ابھی تک بے خبر تھے کہ احد اور پلوشہ ساری حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں..... آنسو قطرہ قطرہ اس کی بند آنکھوں سے نکل کر اس کی گود میں گرنے لگے تھے..... پلوشہ نے انہیں نرمی سے صاف کیا اور اسے گلے سے لگا لیا..... انوشے کو ایک ہمدرد کندھا میسر آیا تو شدت سے محسوس ہوتا دُکھ آنسوؤں کی شکل میں باہر آنے لگا۔ اتنے بہت سارے دنوں سے وہ جس ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرتی آ رہی تھی اور اپنے خوابوں کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے پر بھی کوشش ضبط میں آنسوؤں کے سیلاب پر جو بند اس نے باندھ رکھے تھے..... آج وہ سب کے سب ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے تھے۔ آج وہ ضبط کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھی۔

پلوشہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے خود بھی رونے لگی۔ اس نے اُسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی..... وہ چاہتی تھی کہ وہ آج جی بھر کر رو لے اور اپنے دل کا سارا غبار آنسوؤں کی نظر کر کے خود ہلکی پھلکی ہو جائے..... انوشے کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں..... صوفے پر آنکھوں میں نمی لیے ہونٹ بھینچے احد پریشان سا بیٹھا تھا..... اور نہایت سنجیدگی سے اب اپنے عزیز ترین دوست کی زندگی کی اس عجیب و غریب گتھی کو سلجھانے کی کوشش میں تھا..... مگر کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا..... اسے یہ پل میں تولہ پل میں ماشہ والی صورتحال سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اب سعد سے براہ راست بات کرنے کا تہیہ کیا۔

انوشے اب خاموش ہو گئی تھی..... آخر آنسو بھی کب تک اس کا ساتھ دیتے۔ اس کا

دُکھ تو صرف اس کا اپنا تھا۔ احد اُٹھ کر بیڈ کے قریب آیا اور وہاں بیٹھی انوشے کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

''میں آپ کے بھائی جیسا ہی ہوں...... میں خود سعد سے بات کرتا ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔''

احد کی شفقت بھری تسلی اور نرم رویہ اسے ولی بھائی کی یاد دلا گیا...... اس کی آنکھیں دوبارہ ڈبڈبا گئیں۔

''پلوشہ ابھی تو میں ہاسپٹل جا رہا ہوں...... تم اگر بھابی کے پاس رُکنا چاہو تو رُک سکتی ہو...... میں شام کو واپسی پر تمہیں اور ابراہیم کو یہیں سے پک کر لوں گا...... اور سعد سے بات میں صبح کروں گا...... مجھے علم ہے ابھی وہ مجھ سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرے گا...... تم بھابی کا خیال رکھنا اور فی الحال سعد کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ ہم پر ساری حقیقت کھل چکی ہے۔''

احد پلوشہ سے کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ پلوشہ نے انوشے کو زبردستی تھوڑا سا کھانا کھلایا اور گرم دودھ کے ساتھ دوا دے کر سلا دیا...... اور خود نیچے لاؤنج میں جا کر نازو سے ان دونوں کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ تقریباً تین گھنٹے بعد سعد اپنے کمرہ سے نکلا...... وہ کلاسک بلیک کلر کے ٹوپیس اور جار کول گرے شرٹ میں ملبوس بلا کا ہینڈسم لگ رہا تھا...... سیڑھیاں اُترتے ہی اس کی نظر سامنے لاؤنج میں بیٹھ کر ابراہیم کا پیمپر بدلتی پلوشہ پر پڑی تو وہ حیرانی سے وہیں رُک گیا...... پھر اُس کے پاس آ کر بڑے خوشگوار لہجے میں بولا:

''ارے! بھابی آپ......؟ آپ کب آئیں؟ اور یہ ننھا شہزادہ بھی آیا ہوا ہے۔''

سعد نے جھک کر ابراہیم کو پیار کیا۔ پلوشہ نے صرف اسے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

''احد نہیں آیا......؟''

سعد اس کی خاموشی کا نوٹس لیے بنا پوچھ رہا تھا۔

''وہی چھوڑ کر گئے ہیں۔''

پلوشہ نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''بڑا بدتمیز انسان ہے۔ مجھ سے ملے بنا ہی چلا گیا۔''

پلوشہ ابراہیم کو پیمپر لگا چکی تو سعد اُسے گود میں اُٹھا کر پیار کرتا خود بھی دوسرے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ کوئی اور حالات ہوتے تو پلوشہ اس کے یوں بے تکلفانہ انداز پر ہنس دیتی...... وہ جانتی تھی احد اور سعد دونوں ہی ایک دوسرے کو اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ خطابات سے نوازا کرتے تھے۔ مگر اب وہ ابراہیم کو گدگداتے سعد کو صرف دیکھ کر رہ گئی۔

''ارے! آپ خاموش ہو گئیں بھابی...... مائنڈ تو نہیں کر لیا کہ میں نے آپ کے مرتاج محترم کو بدتمیز کہا......''

سعد نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا تو وہ بھی بمشکل مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجاتی گویا ہوئی۔

''ارے نہیں سعد بھائی!...... ایسی کوئی بات نہیں...... وہ ہاسپٹل کے لیے نکلے تو میں نے کہا کہ مجھے یہاں ڈراپ کرتے جائیں۔ انوشے کے ساتھ گپ شپ ہی ہو جائے گی۔ ویسے احد ابھی بہت جلدی میں تھے۔ واپسی پر مجھے لینے آئیں گے تو آپ خود نمٹ لیجیے گا اُن سے۔''

''ہاں وہ تو میں نمٹ ہی لوں گا...... آپ آ گئیں بہت اچھا کیا۔ تب سے ایسے ہی بیٹھی ہیں یا کچھ کھایا پیا بھی ہے؟ نازو......!''

سعد نے اُس سے بات کرتے کرتے نازو کو آواز دی تو پلوشہ بولی۔

''میں ناشتہ کر چکی ہوں، نازو ابھی ابھی ایکسی گئی ہے...... انوشے ابھی تک سوئی ہوئی ہے......؟''

اس نے آخر میں جان بوجھ کر انوشے کے بارے میں پوچھا تھا۔ سعد گڑبڑا گیا...... پھر فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے نظریں ابراہیم پر جمائے ہشاش بشاش لہجے میں بولا:

''آپ تو جانتی ہیں بھابی کل نیچ پر جو ہوا اس کے بعد وہ بہت ڈسٹرب تھی۔ اس لیے میں نے اُسے جگایا نہیں۔ میں دیکھتا ہوں اگر اٹھ گئی ہے تو آپ کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوگی۔'' وہ بہانہ کر کے وہاں سے اُٹھ گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں بھابی خود ہی انوشے کے پاس جانے کا ارادہ نہ کر لیں...... جبکہ پلوشہ حیرانی سے اسے جاتے دیکھتی رہی پھر ابراہیم کی طرف متوجہ ہو گئی جسے جاتے ہوئے وہ اس کی گود میں دے گیا تھا۔

''سعد بھائی کتنی صفائی سے جھوٹ بول گئے ہیں۔ اگر مجھ کو معلوم نہ ہوتا تو سعد بھائی کو دنیا کا عظیم ترین شوہر تصور کرتی اور انوشے کی قسمت پر رشک کرتی جسے اتنی محبت کرنے والا ساتھی ملا...... مگر حقیقت اس کے برعکس بہت تلخ تھی۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے سعد بھائی نے خود کو خوش اخلاقی کے جس غلاف میں مقید کر لیا تھا انوشے کے سامنے وہ اس سے نکل آئے تھے۔''

******

وہ انوشے کے کمرے میں آیا تو اُسے بیڈ کی پائنتی سے کمر ٹکائے نیچے قالین پر بیٹھے دیکھا۔ اس نے سر بیڈ سے لگا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں...... بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد حائل کیے وہ سلک کی آف وائیٹ لانگ شرٹ اور گرے ٹراؤزر میں بڑے اُداس سے انداز میں بیٹھی تھی...... آنسوؤں سے تر گالوں پہ سایہ فگن بھیگی پلکیں ساکت تھیں۔ بے ترتیب بالوں اور اردگرد

سے بے خبر وہ سینے سے فوٹو فریم لگائے بیٹھی تھی...... سعد کتنے ہی پل بس کھڑا اُسے تکتا رہا...... اس کے لٹے پٹے حلیے پر اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا...... اپنے تمام تر احساسات کو بڑی بے دردی سے اس نے نظر انداز کر دیا۔

"ہونہہ!...... اس کا ماسٹر پلین میری وجہ سے ناکام ہو گیا۔"

وہ تلخی کی آخری حدوں کو چھوتا اس کی طرف بڑھا اور فوٹو فریم کھینچ کر بیڈ پر پھینکتا ہوا بولا۔

"مسز سعد حسن رضوی! آپ کا شوہر تو ابھی زندہ ہے تو پھر آپ کس بات کا سوگ منا رہی ہیں جو اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے......؟"

انوشے نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور اس کی دل دہلا دینے والی تلخ بات کو تحمل سے سنا۔ فوٹو فریم نرم بیڈ سے اُچھلتا ہوا فرش پر گرا اور ٹکڑوں میں بٹ گیا...... سعد نے دیکھا وہ انوشے کی فیملی پکچر تھی...... صوفے پر بیٹھے ممی پاپا اور ان کے قدموں میں ایک طرف انوشے اور دوسری طرف مشی جبکہ ان دونوں کے درمیان مسکراتے ہوئے ولی بھائی...... سعد نے چور نظروں سے انوشے کو دیکھا جو مڑ کر کرچی کرچی شیشے کے نیچے چھپی تصویر کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یکدم اُسے شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا...... وہ بھی بہت سال اپنی فیملی سے دور رہا تھا...... جانتا تھا اپنوں سے دوری کا دکھ...... مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"اگر میں اسی طرح جذباتی ہو کر سوچتا رہا تو کبھی اس لڑکی سے اپنی بربادی کا بدلہ نہیں لے پاؤں گا...... اس نے میری زندگی تباہ کر دی...... مجھے دھوکا دیا...... اور اس کے لیے میں اسے کبھی بھی معاف نہیں کر سکتا۔ اسے سزا تو دے کر ہی رہوں گا......"

وہ ایک عزم کے ساتھ دوبارہ اپنے خول میں خود کو مقید کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"اگر رونے کا شغل فرما چکی ہو تو اپنا حلیہ درست کر کے نیچے آ جاؤ...... پلوشہ بھابی آئی ہوئی ہیں تم سے ملنے۔"

وہ زہر آلود لہجے میں بولا...... پھر جاتے جاتے مڑا۔

"وہ لاؤنج میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں جلدی وہاں پہنچو...... اور حلیہ درست کر کے آنا!"

تحکمانہ لہجے میں حکم صادر کرتا وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا گیا۔ باہر دیوار سے لگی پلوشہ اس کی نظروں میں نہیں آئی تھی۔ انوشے خالی خالی نظروں سے وہاں دیکھتی رہی جہاں چند ثانیے پہلے وہ کھڑا اس پر انگارے برسا رہا تھا...... پھر وہ اٹھی اور ٹوٹے ہوئے فریم میں سے تصویر نکال کر سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھی اور بکھری ہوئی کرچیاں سمیٹنے لگی۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے وہ صحیح طرح دیکھنے سے قاصر تھی۔ نجانے کیسے ایک نوکیلا شیشہ اس کے ہاتھ کو زخمی کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

گیا...... درد کی لہر سی اٹھی تھی مگر اسے اب کوئی بھی درد، اتنی تکلیف نہیں دیتا تھا جتنا سعد کا رویہ...... شاید اس مقام پر پہنچ چکی تھی جہاں اسے صرف الفاظ ہی زخم لگا سکتے تھے کیونکہ لفظوں کے لگائے گئے گھاؤ زیادہ تکلیف دیتے ہیں اور کبھی کبھی تو یہ گھاؤ بھرنے کی بجائے ناسور بن کر جان روگ کر دیتے ہیں۔ انوشے نے ساری کرچیاں ڈسٹ بن (Dust Bin) میں ڈالیں اور ٹشو لے کر ہاتھ سے نکلنے والا خون صاف کرنے لگی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ پلوشہ سب دیکھ اور سن چکی تھی...... انوشے کی حالت پر وہ لرز کر رہ گئی...... اس نے بمشکل خود کو اندر جانے سے روکا۔

"انوشے کو فی الوقت میری نہیں تنہائی کی ضرورت ہے...... میرا اس وقت اندر جانا اسے مزید شرمندگی سے دوچار کر سکتا ہے۔"

پلوشہ اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتی نیچے آ گئی۔

"بھابی! آپ کہاں تھیں......؟ میں آپ کو ڈرائنگ روم اور گیسٹ روم میں بھی دیکھ آیا......"

یہ پرنس یہاں اکیلا تھا۔ سعد نے ابراہیم کا گال تھپتھپایا اور پلوشہ کے آتے ہی اس سے پوچھا تھا۔

"میں یہیں تھی۔ پانی پینے گئی تھی۔"

پلوشہ نے خود کو نارمل کیا۔

"سعد بھائی مجھے گھر جانا ہے ابھی......"

"ابھی...... مگر کیوں بھابی......؟ انوشے بس آتی ہی ہو گی۔"

سعد نے فوراً جانے پر آمادہ دیکھ کر حیرانی سے کہا۔

"نہیں! اسے آرام کرنے دیں...... مجھے بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ میں پھر آ جاؤں گی احد کے ساتھ۔"

پلوشہ کو بضد دیکھا تو سعد نے اسے رکنے پر مجبور کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"ٹھیک ہے بھابی!...... میں چھوڑ آتا ہوں پھر......"

"نہیں...... آپ تکلیف نہ کریں...... انوشے کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اُس کا خیال رکھیں۔"

پلوشہ کی بامعنی بات کو وہ سمجھ نہ پایا تھا۔ رکھی سی مسکراہٹ سے بولا:

"او کے تو پھر میں ڈرائیور سے کہہ دیتا ہوں کہ آپ کو چھوڑ آئے......"

پلوشہ اب خاموش ہی رہی تھی۔

راستے میں اس نے احد کو فون کر کے ساری روداد سنائی اور اپنے گھر آنے کا بھی بتا دیا......

ٹھیک ہے کہہ کر خاموش ہو گیا۔
اب سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل نکالنے کی ضرورت تھی۔

******

انوشے نہا کر فریش ہوئی..... اس نے ہلکے سُرمئی رنگ کا سوٹ پہنا جس پر ہم رنگ باریک ریشم کا کام تھا۔ یہ رنگ اس کے نازک سراپے پر بہت جچ رہا تھا۔ اس نے میچنگ چھوٹے چھوٹے بندے پہنے اور چھوٹا سا پینڈنٹ جس میں سُرمئی رنگ کا نگینہ جڑا تھا، اس کی صراحی دار گردن میں چمک اُٹھا۔ بالکل ہلکا سا میک اَپ کیے بالوں کو کیچر لگاتی وارڈ روب کی طرف بڑھی اور میچنگ سینڈل نکال کر پہن لیے۔ شیشے میں خود پر مطمئن سی نظر ڈالتی وہ خاموشی سے نیچے آ گئی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا تھا اس کی نظر انوشے پر پڑی تو نظر ہٹا نہ سکا..... بالوں کو سلجھاتی وہ ایک روبوٹ کی مانند ڈرائنگ روم کی طرف جا رہی تھی اور اس کا ہر اُٹھتا قدم اسے حیران کر رہا تھا۔

''میرے اتنا غصہ کرنے کے باوجود ایک بار کہنے پر وہ تیار ہو کر نیچے آ گئی..... کیا اس لڑکی میں بالکل بھی اَنا نہیں.....؟ میں اس کی Self Respect کو اتنی ٹھیس پہنچاتا ہوں پھر بھی یہ میری بات ایسے مانتی ہے جیسے میری حکم عدولی اس کے بس میں ہی نہ ہو یا میرے اشاروں پر چلنا اس کا فرضِ اوّل ہو۔'' وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو وہ چونکا۔ اُٹھ کر اس کے پیچھے آیا..... وہ خالی ڈرائنگ روم کو غائب دماغی سے دیکھ رہی تھی۔ سعد کو تشویش ہوئی۔

''ایک انسان کے ساتھ اگر زیادتی کی جائے تو وہ اپنے حق کے لئے لڑتا ہے۔ چیختا چلاتا ہے۔ منفی رویہ اختیار کرتا ہے مگر یہ لڑکی نارمل انسانوں کی طرح بی ہیو کیوں نہیں کرتی.....؟''

''انوشے.....!'' سعد نے اسے آواز دی تو وہ پلٹی۔

''بھابی چلی گئی ہیں، دوبارہ آئیں گی تم سے ملنے..... ابھی انہیں کوئی کام یاد آ گیا تھا۔''
بلا ارادہ ہی اس کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔

''جی!''

وہ صرف اتنا کہہ کر وہاں سے چل دی۔ سعد کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا..... اس کا خیال تھا کہ وہ اس پر چیخے گی۔ چلائے گی کہ یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ پھر آپ نے مجھے نیچے آنے کو کیوں کہا.....؟ یا یہ کہ آپ نے میری فیملی پکچر کیوں توڑ دی مگر اس کی ''جی'' نے اسے جی بھر کر حیران کیا تھا۔ وہ واپس آیا تو وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جسے وہ چلتا ہی چھوڑ گیا تھا۔ سعد نے انٹر کام سے ناز کو بلایا۔

''ناز! کھانا لگا دو!''

وہ پانچ منٹ میں حاضر تھی۔ اسے دیکھتے ہی سعد نے آرڈر کیا تھا..... اس نے کل دوپہر سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اب اسے شدید بھوک لگ رہی تھی..... ناز کچن میں چلی گئی۔ پندرہ منٹ بعد اُس نے کھانا گرم کر کے لگا دیا جو وہ صبح ہی بنا کر رکھ گئی تھی۔

''صاحب جی! میں اب جاؤں.....؟ کپڑے دھو رہی تھی۔ پھر آ جاؤں گی تب تک آپ دونوں کھانا کھا لیں۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ!''

سعد نے اُٹھتے ہوئے کہا تھا۔ ناز کے جانے کے بعد اس نے ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی انوشے کو دیکھا پھر کچھ کہے بغیر ہی ڈائننگ روم میں آ گیا۔ انوشے نے انہیں جاتے دیکھا تو ایک موہوم سی اُمید جو اس کے دل میں تھی کہ وہ اسے بھی کھانے کے لئے اپنے ساتھ آنے کو کہیں گے، اس اُمید نے دم توڑ دیا۔ اس کی طبیعت قدرے بہتر تھی جس کی وجہ سے اُسے بھی بھوک کا احساس ہوا تھا..... مگر سعد تو اسے کھانے کا کہے بنا ہی چلے گئے تھے..... کم از کم ایک بار ہی ساتھ آنے کا تو کہہ دیتے۔ انوشے کے دل کی معصوم سی خواہش حسرت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ آج وہ ہمیشہ کی طرح خود ہی اپنی اَنا کو روند کر ڈائننگ روم میں نہ جا سکی۔ آج وہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی مگر اپنی اَنا کی تسکین کی خاطر ویسے ہی لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ اُسے اپنا خوبصورت ماضی یاد آ گیا تھا جو بہت دُور تو نہیں مگر نجانے پھر بھی کہیں کھو گیا تھا۔

''امی جلدی کریں..... مجھے بھوک لگی ہے۔''

ایک دن وہ کالج سے واپس آئی تو کھانا ابھی تیار نہیں ہوا تھا۔ ورنہ عموماً تو اس کے آتے ہی ڈائننگ ٹیبل سجا دی جاتی۔ اس نے آتے ہی شور مچا مچا کر پورا گھر سر پر اُٹھا لیا۔ پاپا آج گھر پر ہی تھے۔ خلافِ معمول دلی بھائی بھی جلدی آ گئے۔ اس کا شور سن کر وہ مسکراتے ہوئے کچن میں چلے آئے جہاں مما جلدی جلدی کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔

''آج میری بلی ابھی تک بھوکی کیوں ہے.....؟''

پاپا نے آتے ہی شیلف پر بیٹھ کر شور مچاتی انوشے کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا:

''بلی کو کسی نے روٹی نہیں ڈالی آج.....''

دلی بھائی نے ''ڈالی'' پر زور دیا تھا..... سب ہنس دیئے۔

''کیوں بیگم کتنی دیر ہے کھانا تیار ہونے میں؟''

پاپا کے پوچھنے پر مما ہنستے ہوئے بولیں:

''بس دس منٹ نائس سے......''

''دس منٹ......؟''

انوشے چیخی تھی

''مجھ سے دس سیکنڈ صبر نہیں ہو رہا...... میں کیسے دس منٹ تک انتظار کروں گی......؟''

اُسے ہول اُٹھ رہے تھے۔

''اس سے اچھا ہے میں قریبی ریستوران چلی جاؤں...... تین منٹ کی ڈرائیو ہے دو منٹ میں آرڈر آ جائے گا، کم از کم پانچ منٹ تو کم ہوں گے۔'' وہ چھلانگ لگا کر شیلف سے اُتری اور وہاں کھڑے سیب کھاتے ولی بھائی کے ہاتھ سے سیب چھین کر مما کو پکڑایا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔ مما، پاپا اس کی خالص بچگانہ حرکت پر ہمیشہ کی طرح ہنس دیے۔

''ولی بھائی ایک سیکنڈ گاڑی روکیں۔''

مین روڈ پر پہنچتے ہی اُس نے شور مچانا شروع کر دیا۔

''اب کیا ہے......؟'' وہ جھنجھلا گئے۔

''آپ کی جھنجھلاہٹ کا علاج''

وہ جلدی سے باہر نکلتی ہوئی بولی۔ ولی ناسمجھی کے عالم میں اُسے دوسری طرف کھڑی گاڑی کی طرف جاتے دیکھنے لگا۔ دو سیکنڈ میں اُس گاڑی کا بیک ڈور کھلا اور مشی ہنستی ہوئی باہر نکلی...... ولی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ انوشے نے فرنٹ ڈور کھول کر اُسے ولی کے مقابل دھکیلا اور خود پیچھے بیٹھتے ہی بولی ''چلیے اب جلدی! بھوک کے مارے میرا بُرا حال ہے۔''

''اتنی پھرتی کا مظاہرہ کرتی ابھی یہ بُرے حال میں ہیں۔'' ولی کو انوشے کے بُرے حال پر جی بھر کر ہنسی آئی۔

''تمہیں الہام ہوا تھا کہ ہم لنچ کرنے جا رہے ہیں؟''

ولی نے ساتھ بیٹھی مشی سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''یہی سمجھ لیں!''

ولی نے بھی مسکرا کر ونڈ سکرین پر نظریں جما دیں۔ وہ انوشے کی میسج ٹائپ کرنے کی سپیڈ سے واقف تھے...... فون کی بیل پر وہ چونکی...... سعد کا موبائل سامنے صوفے پر پڑا بج رہا تھا...... اُس نے نمبر دیکھا احد بھائی کا تھا...... اس کا دل اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔

''کہیں احد بھائی سعد سے ہماری شادی کو لے کر تو کوئی بات نہیں کرنے والے...... نا معلوم سعد کس طرح ری ایکٹ کریں...... وہ مجھے موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ اور خواہ مخواہ غصہ بھی کریں

گے کہ میں نے سب کچھ انہیں بتایا ہے......''

انوشے کے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر اب رنگ ہونا بند ہو گئی تھی۔ اُس نے موبائل وہیں رکھ دیا اور خود ٹی وی بند کر کے دیوان پر ہی آنکھیں موند لیں۔

******

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر سعد نے پلیٹ سیدھی کی اور کھانا کھانے لگا۔ شدید بھوک کے باوجود بھی وہ دو تین نوالوں سے زیادہ نہ کھا سکا۔ اُس نے سامنے خالی کرسی کو دیکھا۔ انوشے کے اس گھر میں آنے کے بعد وہ جب جب ڈائننگ ٹیبل پر کھانے کے لئے بیٹھا، تب تب اُس سامنے والی کرسی پر انوشے موجود ہوتی...... آج یہاں اکیلا بیٹھنا اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ حالانکہ شادی سے پہلے وہ بہت مگن انداز میں اکیلا کھانا کھاتا تھا...... مگر آج اس کے حلق سے نوالے نیچے ہی نہیں اُتر رہے تھے۔

''یہ لڑکی مجھے انجانے میں ہی نجانے کس کس بات کا عادی کرتی جا رہی ہے۔ جیسے کوئی کسی کو روزانہ چپکے سے کوئی نشہ آور چیز کھلاتا رہے اور آخرکار وہ ڈرگز اڈکٹر بن جائے۔''

سعد سے وہاں مزید نہ بیٹھا گیا...... وہ کھانا ویسے ہی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا...... جاتے جاتے اس نے لاؤنج میں پڑے صوفے سے اپنا موبائل اُٹھایا اور آنکھیں موندے نیم دراز انوشے کو دیکھ کر گہرا سانس خارج کیا۔ سعد اس سے نظریں چراتا خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس نے احد کی مس کال دیکھی تو کمرے میں جا کر بیک کال کر لی۔

''مجھے تم سے ملنا ہے''

احد نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

''ہاں تو آ جاؤ ناں شام میں گھر! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے......''

سعد نے فوراً کہا تھا۔

''نہیں گھر پر نہیں...... کہیں باہر...... تم ایسا کرو شام میں اگر فری ہو تو ریڈی رہنا میں تمہیں پک کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے!''

سعد نے تعجب سے اس کی بات سنی مگر پوچھا کچھ نہیں...... اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

******

وال کلاک آٹھ بجنے کا اشارہ کر رہا تھا جب گیٹ کے باہر احد کی گاڑی آ کر رکی...... اس نے فون کر کے سعد کو باہر آنے کا کہا۔

''یار تم اندر تو آؤ.....!''

سعد نے حیرت سے کہا تھا۔

''تمہاری انٹری پر پابندی نہیں ہے۔''

''نہیں تم فوراً باہر آؤ..... میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

احد نے انکار کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔

''اوکے۔ آئی ایم جسٹ کمنگ'' (OK I am just coming)

سعد نے مزید اصرار کرنے کی بجائے حامی بھر لی۔

''میں احد کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔''

سعد نے لاؤنج میں بیٹھی انوشے کو اطلاع دی اور اس کے بولنے کا انتظار کیے بغیر ہی باہر آ گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟ تم گھر کیوں نہیں آئے.....؟''

کہیں میرے اغوا برائے تاوان کا منصوبہ بنا کر تو مجھے یہاں سے لے کر نہیں جا رہے.....؟''

سعد نے گاڑی میں اس کے برابر بیٹھتے ہوئے سنجیدہ سے احد کو چھیڑا تھا۔

''اپنی بکواس بند کرو اور چپ کر کے بیٹھو..... میں فی الحال مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

احد نے تنبیہ کی تھی..... سعد نے تحیر سے اسے دیکھا۔

اُس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی سے وہ ٹھٹکا۔

''سم تھنگ سیریس.....؟'' (Something serious...?)

''یس اٹ از.....'' (Yes, it is)

احد نے اسی کے لہجے میں جواب دیا تھا۔ سعد نے مزید اسے نہیں کریدا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ احد کیا بات کرنے والا ہے اور اس وقت وہ کہاں جا رہے ہیں.....؟ اُس نے خاموشی سے ونڈ سکرین پر نظریں جمائیں اور باہر دیکھنے لگا۔ گاڑی جانی پہچانی راہوں پر دوڑتی ہوئی ساحل سمندر کے پارکنگ ایلاٹ میں جا رکی تھی۔ سعد نے سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے احد کو دیکھا تو خود بھی اپنا سیٹ بیلٹ کھولتا ایک معمول کی طرح باہر نکل آیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ساحل پر نکل آئے..... رات کے اس وقت یہاں کہیں کہیں کوئی ذی روح نظر آ رہا تھا..... ہر طرف صرف مدھم مدھم روشنی اور لہروں کا شور تھا..... سارا دن طرح طرح کے لوگوں کے ساتھ گزارنے کے بعد اب سمندر بھی جیسے اُداسیوں میں گھر گیا تھا۔ تمام لوگ روشنیوں میں تو اس کے ساتھ تھے مگر جیسے ہی وقت بدلا اور اندھیرے نے اس کی طرف قدم بڑھائے..... سب مطلبی لوگ ایک ایک

کر کے اسے تنہائیوں کے حوالے کر کے چلے گئے..... سارا دن اپنی لہروں کے رقص اور پانی کے ٹھنڈے ٹھنڈے لمس سے لوگوں کو محظوظ کرنے والا تاحد نظر پھیلا وسیع سمندر اب اُنہی ہرجائیوں کی بے وفائی پر جیسے تڑپ تڑپ کر شور مچا رہا تھا۔

سعد کے اٹھتے قدم خود بخود اُسی جگہ پر آ کر رکے تھے جہاں کھڑے ہو کر کل اُس نے انوشے سے وہ کچھ کہہ ڈالا جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس کا دل یکدم جیسے مضطرب سا ہو گیا..... وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے لہروں کو گھور رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے بالوں کو بے ترتیب کر رہے تھے مگر وہ ان کی گستاخی سے بے خبر، کہیں گم تھا۔ احد تولتی نگاہوں سے مسلسل اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور اس جگہ کا انتخاب اسے بہت کچھ تو نہیں مگر کچھ کچھ تو سمجھا ہی گئے تھے..... یہ وہی جگہ تھی جہاں انوشے بھابی کو انہوں نے پانی کی گہرائی میں اترتے دیکھا تھا۔ ضرور کوئی بہت ہی بڑی بات ہے جو سعد اس حد تک اُلجھا ہوا ہے۔ اس کے دل و دماغ میں کوئی جنگ چل رہی ہے جو اسے پریشان رکھتی ہے..... سعد جان بوجھ کر کچھ نہیں کرتا بلکہ وہ مجبور ہو جاتا ہے، کبھی دل کے ہاتھوں تو کبھی دماغ کے ہاتھوں..... اور کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو مگر ایک بات تو ہے کہ سعد کا انوشے بھابی سے دل کا رشتہ ضرور ہے۔ ورنہ کل رات جو بکھراؤ اس کی ذات میں نظر آیا اور اب بے اختیار ہی اس کا اُس جگہ قدم روک دینا، دونوں عوامل قابل غور ہیں۔

''تم پوچھو گے نہیں کہ میں اس وقت تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں.....؟''

احد نے وہاں پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ سعد نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ پھر دوبارہ اپنی نظریں سمندر پر مرکوز کرتے ہوئے بولا:

''نہیں!''

''کیوں.....؟؟''

احد نے برجستہ دوسرا سوال داغا تھا۔ سعد چند قدم اُٹھا کر اس کے قریب ہی پتھر پر آ بیٹھا۔ اُس نے جھک کر ریت پر پڑے چھوٹے سے کنکر کو اُٹھایا اور پانی میں پھینکتا ہوا بولا:

''کیونکہ بعض سوالات الفاظ کے محتاج نہیں ہوتے۔ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو ظاہر ہے میں جاننا چاہوں گا۔''

احد چند ثانیے اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا..... اس کا چہرہ اب کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا..... وہاں اتنی روشنی تو تھی کہ وہ اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بخوبی پڑھ سکتا تھا۔

''مگر کچھ سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کو الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اُن کے جوابات ہماری زندگیوں کے لئے آکسیجن کی طرح لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔''

''بار پہیلیوں میں مت اُلجھاؤ..... صاف الفاظ میں بات کرو۔''

سعد نے اُس کی بامعنی بات کو سمجھنے کی کوشش کی مگر وہ اُلجھ کر رہ گیا۔

''میں تمہاری اِسی اُلجھن کو سلجھانے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اِسی لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔''

احد نے سعد کو دیکھتے ہوئے کہا جواب انگلی سے پتھر پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہا تھا۔

''سعد کل یہاں پر تم دونوں کے درمیان ایسا کیا ہوا تھا جس نے بھابی کو اس حد تک خود سے بے خبر کر دیا کہ اُنہیں پانی کی گہرائی میں اُترنے کا بھی احساس نہ ہوا۔''

احد نے کل کے واقعے کو ہی سیڑھی بنا کر اس اُلجھن کے پہاڑ کو سر کرنے کی شروعات کی تھیں۔ سعد نے چونک کر اسے دیکھا مگر کچھ بھی بولنے یا کہنے کی اس نے شاید ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

''سعد مجھ سے اب کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کرو۔ میں سب کچھ تو نہیں مگر اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ تمہارا اور انوشے بھابی کا رشتہ جو تعلق تم دونوں سے مانگتا ہے وہ نہیں ہے اور اس کی وجہ جو اب تک میری سمجھ میں آئی ہے وہ تمہارا رویہ ہے۔''

سعد ناگواری سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کچھ نہیں جانتے اسی لیے یہ سب کہہ رہے ہو۔ خیر میں اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا اور اچھا ہوا کہ تم پر خود ہی سب کھل گیا۔ میں بھی اب خوشحال شادی شدہ شخص ہونے کا ڈرامہ کرتے کرتے اُکتا گیا تھا۔''

سعد نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تو احد کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا..... وہ کس طرح یقین کرتا کہ یہ سب اُس کے اسی جگری دوست کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جو کالج کے زمانے میں اِس کے افیئرز کو مذاق کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔

''یار احد! ایک بات تو بتاؤ..... تم اپنی ساری محبت اگر یونہی اِن سب لڑکیوں میں بانٹتے رہو گے تو شادی کے بعد اپنی بیوی کو کیا دو گے.....؟''

احد نے سعد کے اِس طنزیہ سوال کو چٹکیوں میں اُڑا دیا۔

''محبت ہی دوں گا۔''

''تمہیں نہیں معلوم مگر میرے پاس اس قدر محبت کا خزانہ بھرا پڑا ہے کہ میں اِسے جتنا مرضی لٹاتا رہوں یہ کم نہیں پڑے گا۔ میں ایک بیوی تو کیا کئی بیویوں پر بے دریغ محبت لٹا سکتا ہوں۔''

احد شاہانہ انداز میں بولا۔

''مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے مذہب میں صرف چار شادیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے.....''

سعد اس کے شرارتی انداز پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''کیا تم میرے خیالات سے متفق ہو سعد حسن رضوی.....؟''

احد نے اِسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا..... سعد نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''نہیں۔ بالکل بھی متفق نہیں ہوں بلکہ میرا یہ ماننا ہے اور تمہیں بھی میں یہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس طرح کی فضولیات میں کچھ حاصل نہیں ہوتا سوائے وقت اور پیسے کے ضیاع کے..... مزید یہ کہ ہر گرل فرینڈ سے جھوٹے عہد و پیمان ہر وقت ہمارے بائیں کندھے پر موجود فرشتے کو مصروف عمل رکھتے ہیں۔''

سعد نے مسکراتے ہوئے اپنی بات کو شرارت کا لبادہ اوڑھایا تھا۔

''میرا سوال ابھی بھی محفوظ ہے۔''

احد نے اِس کے مشورے کو کسی خاطر میں لائے بنا اپنے سوال کی طرف اس کی توجہ دلائی تھی۔ سعد کھل کر ہنس دیا۔

''میں جو خوبیاں اپنی شریک حیات میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ تمام میں اپنی ذات کا حصہ کیوں نہ بناؤں..... اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ مجھے میری پسندیدہ شریک سفر عطا کریں گے۔ تمہاری طرح میں کئی بیویوں کے خواب نہیں دیکھتا..... میری خواہش میں تو ایک ہی ایسی لڑکی ہے جس پر میں اپنی ساری محبتیں لٹا سکوں، میری محفلوں، میری تنہائیوں میں جو میری ہم نشین ہو۔ میرے تمام تر جذبوں کی امین ہو، جس کے ساتھ میں اپنی خوشی کے لمحات بانٹ سکوں۔ جس کا میں خود سے بھی زیادہ خیال رکھوں، اُس کے ناز اُٹھاؤں، اُس کی ہنسی کے ساتھ ہنسوں اور جب وہ روئے تو اُسے چپ کراؤں۔''

''بس! بس! بس!..... سب کچھ تم ہی کر دو گے تو وہ کیا کرے گی.....؟''

احد نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک کر کہا تھا۔

''وہ صرف مجھ سے محبت کرے گی۔ میرے ساتھ مخلص ہو گی، خوشیوں اور غم کے سبھی موسموں کو میرے ساتھ جھیلے گی۔ ایک اچھی بیوی، اچھی بہو اور اچھی ماں ثابت ہو گی.....''

سعد نے آخری فقرہ شرارت سے کہا تھا۔

''ہائے کاش.....!! میں لڑکی ہوتا تو تم سے ہی شادی کر لیتا بلکہ کرتی.....''

''شکر ہے میرے پروردگار کا کہ تم لڑکی نہیں ہو.....!''

سعد نے آنکھیں موند کر حقیقت میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ پھر آنکھیں کھول کر اس نے شرارت سے مسکراتے احد کو دیکھا تو بولا:

''ویسے اگر خدانخواستہ تم لڑکی ہوتے تو تب بھی میں ''تم'' سے شادی نہ کرتا کیونکہ جتنے تم نے افیئرز چلا رکھے ہیں اور جتنی لڑکیوں سے تم ایک دن میں ملتے ہو اتنے تو شاید میں ایک دن میں اتنے سانس بھی نہیں لیتا..... میں ذرا مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہوں مگر تم جانتے ہو کہ میری بات میں سچائی کا عنصر بہرحال موجود ہے۔ سعد نے سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر احد کے چہرے کے زاویوں کو دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا..... اس ہنسی میں احد کے قہقہے کی گونج بھی شامل ہو گئی تھی۔

''چلو گھر!..... مجھے اگر علم ہوتا کہ تم مجھ سے یہ بات کرنے والے ہو تو میں ہرگز تمہارے ساتھ یہاں نہ آتا..... مجھے اس فضول موضوع پر بالکل بات نہیں کرنی۔''

سعد کا اُکتایا ہوا لہجہ احد کو حال میں واپس لایا..... وہ تعجب سے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے سعد کو دیکھنے لگا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو سعد.....؟''

وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔ سعد اس سے نظریں چرا گیا..... اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے رخ موڑ کر بپھری ہوئی لہروں کو تکنے لگا۔

''اِٹس رئیلی ان بی لیو ایبل.....! (It's really unbelievable...!) جتنا میں تمہیں جانتا ہوں سعد تمہیں اپنی بیوی کو اتنی محبت دینی چاہئے کہ اُس کی جھولی اُسے سمیٹتے سمیٹتے تنگ پڑ جائے۔ مگر تم تو اس کے برعکس بھابی کو.....''

''میں نے کہا ناں کہ تم انوشے کی اصلیت سے ناواقف ہو تبھی مجھ سے سوال و جواب کر.....''

سعد اُس کی بات کاٹتے ہوئے بے اختیار بولا تھا مگر پھر فوراً ہی اس نے خود کو بولنے سے روک دیا۔ انوشے جیسی بھی تھی اس کے نکاح میں تھی..... اور وہ اپنے جگری دوست کے سامنے بھی اپنی منکوحہ کے بارے میں ایسا ویسا کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا..... وہ اپنی بیوی کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتا تھا۔ وہ تو خاموش ہو گیا مگر احد اس کے منہ سے اچانک نکلنے والی اس ادھوری بات میں ہی اٹک کر رہ گیا۔

''کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا سعد.....؟ کیا کہنے والے تھے تم.....؟ میں بھابی کی کون سی اصلیت سے ناواقف ہوں.....؟ تم نے ایسا کیوں کہا.....؟''

''مجھے بتاؤ سعد! کیا چل رہا ہے تمہارے دماغ میں.....؟''

احد اُٹھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور اُسے شانے سے تھام کر اُس کا رخ اپنی طرف کرتا ہوا کچھ سختی سے بولا تھا۔

''احد میں نے کہا ناں کہ مجھے اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا سننا نہیں ہے۔''

سعد نے دھیمے لہجے میں اُسے ٹالا تھا۔

''مگر مجھے کہنا ہے اور سننا بھی ہے..... تمہارے دماغ میں جو خناس بھرا ہوا ہے اُسے باہر اُگلو..... مجھے بتاؤ تم نے ایسا کس بنیاد پر کہا.....؟ تم جانتے بھی ہو تمہاری اس آدھی ادھوری بات کا مطلب کیا نکلتا ہے.....؟ اپنی بات کو کلیئر کرو۔''

سعد نے اُکتا کر اپنا رُخ بدلنا چاہا مگر احد نے اُسے فوراً بازو سے پکڑ کر روک دیا۔

''میں تمہیں ایسے اس بات کو نظر انداز نہیں کرنے دوں گا..... تم نجانے اپنے ذہن میں کیا سمائے بیٹھے ہو اور ایسی فضول قسم کی باتیں منہ سے نکال رہے ہو۔ اب بولو اور بھی جو..... جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو، خاموش کیوں ہو گئے.....؟

اگر سچے ہو تو بتاؤ کیا ہے بھابی کی اصلیت.....؟''

''شٹ اَپ..... جسٹ شٹ اَپ اور کے..... (Shut up, just shut up OK)

And mind it, its my personal matter so kindly stay out of it"...Its none of your business!

سعد یکدم چلایا تھا..... وہ جتنا اس موضوع سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا احد اُتنا ہی اسے کریدے جا رہا تھا..... اس کے اکھڑے اکھڑے لہجے پر احد چند لمحے خاموش رہا پھر تحمل سے بولا:

''دیکھو سعد! تم مجھ سے جو بھی کہہ لو مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے تم بہت عزیز ہو..... میرا اپنا تو کوئی بھائی نہیں مگر تمہاری وجہ سے مجھے کبھی بھی بھائی کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ انوشے اگر تمہاری بیوی ہے تو میں بھی اُسے اپنی بہن مان چکا ہوں..... میں جانتا ہوں یہ تمہاری اپنی زندگی ہے پر یار!

اگر سب کچھ اتنا ہی پرسنل ہوتا تو یہ دوست احباب، رشتے ناطے، سب فضول ہوتے ان کی کیا ضرورت تھی جو اللہ نے انہیں بنایا۔ ان کی اہمیت کو سمجھو سعد۔ مل بیٹھ کر سمجھنے، سمجھانے سے اُلجھنیں سلجھ جایا کرتی ہیں اور زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ مجھے لگتا ہے تمہارے ذہن میں کوئی ایسی بات ہے جو تمہیں نفسیاتی طور پر پریشان کیے ہوئے ہے۔ ساری بات میرے سامنے کھول دو..... میں دوست ہوں تمہارا۔ تم کم از کم مجھ سے تو اپنا مسئلہ ڈسکس کر سکتے ہو.....؟''

احد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے خلوص سے اسے سمجھایا تھا مگر وہ بجھے سے ہی اُکھڑ گیا..... اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کہ میں نفسیاتی مریض ہوں....؟ دماغ خراب ہے میرا.... میں پاگل ہو چکا ہوں....؟ سیدھی طرح ہی کہہ دو گھما پھرا کر کہنے کی کیا ضرورت ہے....؟"

وہ بے دردی سے بولا تھا۔

"ہو گیا کیا ہے تمہیں سعد....؟

تم تو لمحہ بہ لمحہ مجھے اجنبی لگنے لگے ہو.... میں قدم قدم حیران ہوں اور بے یقینی کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہوں.... میرا دوست تو ایسا کبھی نہیں تھا.... تم واقعی پاگل ہو گئے ہو یا پھر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا....."

احد نے افسوس سے سعد کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں!.... ہو گیا ہوں میں پاگل.... جب دل ٹوٹتا ہے، خواب کرچی کرچی ہو کر بکھرتے ہیں، سپنوں کے محل زلزلوں کی زد میں آ کر ہماری آنکھوں کے سامنے زمین بوس ہو جاتے ہیں اور اس پر یہ ستم کہ اس عظیم تباہی پر انسان نوحہ کناں بھی نہ کر سکے تو ایسے میں پاگل نہ ہو تو کیا ہو....؟ ارے میں تو نا کردہ گناہوں کی سزا بھگت رہا ہوں.... اور تم کہتے ہو مجھے کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔"

سعد نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھیر کر اضطراب و بے چینی کو کم کرنے کی کوشش کی تھی.... وہ شکستگی کے عالم میں دوبارہ پتھر پر آ بیٹھا۔ احد نے اُسے درمیان میں نہیں ٹوکا تھا.... اور اب اُس کے خاموش ہونے کے بعد بھی فوراً بولنے سے گریز کیا تھا.... وہ تو بس اس کی اس بے چینی اور اضطراب کی وجہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں تھا۔ وہ پتھر پر بیٹھے سعد کو دیکھتا رہا۔ لہریں اس کے پاؤں چھونے کی خواہش میں دوڑی چلی آتیں مگر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی دو قدم کے فاصلے پر ہمت ہار کر واپس ہو جاتیں۔ مگر کچھ ہی لمحوں میں نئے جوش و جذبے سے پھر اس کے قریب آنے کی کوشش کرتیں مگر ان کے درمیان دوری کو ختم کر کے اس تک پہنچنا ان کی استطاعت سے باہر تھا۔

"سعد خود کو اتنا پُراسرار مت بناؤ کہ کوئی باوجود کوشش کے بھی تمہیں کھوج نہ پائے....."

احد نے ان لہروں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو سعد نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر سر جھکا لیا۔

"پُراسرار میں ہوں یا وہ انوشے.... تم نہیں جانتے کہ اس کے کتنے چہرے ہیں اور کون سا چہرہ اُس کا اصلی ہے۔ اس کا فرق کرنا بہت مشکل ہے، بہت ہی مشکل۔"

سعد نے ہم کلامی کے انداز میں خود سے سرگوشی کی تھی۔ آواز بہت دھیمی تھی.... مگر پھر بھی اس سے چند قدم فاصلے پر کھڑے احد نے اُس کی بات سن لی تھی یا شاید وہ سعد کی طرف اس

حد تک متوجہ تھا کہ اُس کی سوچ بھی پڑھ رہا تھا.... وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں سے اس پر کچھ کچھ خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔ احد نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے بے حد سنجیدہ بیٹھے سعد کو نرمی سے مخاطب کیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں سعد کہ تمہیں انوشے بھابی میں کون سی خامی نظر آتی ہے جس نے تمہیں اس حد تک اُلجھا رکھا ہے، اگر وہ تمہاری پسند کے مطابق نہیں ہیں تو پھر کیوں اپنی اور بھابی کی زندگی برباد کر رہے ہو.... اپنے راستے الگ کر لو"

احد نے جان بوجھ کر ایسی بات کی تھی تاکہ وہ سعد کے دل کی مرضی کا اندازہ لگا سکے.... سعد نے تڑپ کر اسے دیکھا مگر اپنی اس تڑپ کو اُس نے غصے کا لبادہ اوڑھا دیا۔

"احد تم اس معاملے میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہے۔"

"کیوں....؟

کیوں نہ پڑوں....؟ اگر تمہارے بڑے یہاں ہوتے تو خود ہی ساری اُلجھنیں سلجھا لیتے اور تمہارا دماغ درست کرتے مگر اب میرا فرض بنتا ہے۔"

"تو نبھاتے رہو اپنا فرض!"

احد کی بات کاٹتے ہوئے سعد غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا.... اُس نے جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ احد نے اُٹھ کر اُسے روک دیا۔

"تم ایسے نہیں جا سکتے سعد....! تمہیں آج یہ گتھی سلجھانی ہی پڑے گی سنا تم نے....؟؟"

احد کے دبے دبے غصے سے سخت ہوتے لہجے پر سعد چپ ہی رہا.... مجھے یقین ہے کہ تم بھابی کو کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہتے تو اس کا مطلب ہے تمہاری نظر میں اُن کی جو بھی غلطی ہے وہ قابلِ معافی ہے.... تو پھر ساری غلط فہمیاں دور کیوں نہیں کر لیتے....؟ کیوں معاف نہیں کر دیتے....؟"

احد کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

"تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا سعد کہ تم کسی کو ایسے کھوکھلے رشتے میں باندھے رکھو جس کا حق تم ادا نہ کر سکتے ہو.... اگر تم بھابی کو نکاح میں رکھتے ہو تو تمہیں ان کو بیوی کا درجہ دینا ہوگا ورنہ توڑ دو دکھاوے کا یہ جھوٹا بندھن، آزاد کر دو انوشے کو....."

"بس!"

یکدم ہی سعد چلایا تھا۔

"بس کرو اب.... میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔"

''نہیں ہے تمہارا پرسنل معاملہ۔''

سعد کے انداز پر احد بھی بھڑک اٹھا تھا۔

''یہ تمہارا پرسنل معاملہ تب ہوتا جب اس سے صرف تمہاری زندگی جڑی ہوتی تو بھاڑ میں جاتے تم اور تمہارا پرسنل میٹر۔ مگر اب اس سے انوشے بھابی کی زندگی جڑی ہے۔ اُن کا مستقبل جڑا ہے۔ دو خاندان جڑے ہیں۔ اس لیے تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے.....؟''

احد کو اس کی ڈھٹائی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

"What the hell is this needless discussion."

سعد نے کوفت سے کہا تھا۔ احد نے اسی لہجے میں دو بدو کہا۔

"Why the hell not...?"

تو سعد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''تم نے جہنم بنانا ہے تو اپنی زندگی کو بناؤ، انوشے بھابی کو کیوں برباد کر رہے ہو.....؟ تمہارے لیے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ آئی، اپنے ماں باپ، بہن بھائی، گھر، سب کچھ اور تم.....؟''

احد کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسے سمجھائے۔

''شادی کے بعد لڑکی کو زیادہ چاہت، زیادہ محبت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اسے اپنے بیتے دنوں کی یادیں کم ستائیں..... اُس محبت بھری گود کا لمس جس میں اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں، وہ شفقت سے بھرپور ہاتھ جنہیں پکڑ کر اُس نے پہلا قدم اٹھانا سیکھا، وہ گھر جس میں اُس نے اپنی زندگی کے شب و روز گزارے، وہ ساری بہاریں اُسے کم یاد آئیں مگر تم نے ایک بار بھی سوچا کہ تمہارے اس رویے نے بھابی کے لئے ان سب سے دوری کے احساس کو مزید کرب زدہ بنا دیا ہوگا۔ اُن کے پاس تو یہاں کوئی سسرالی رشتہ بھی نہیں جن کے ساتھ مل بیٹھ کر وہ اپنا دُکھ بانٹ لیں۔ سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہیں چاہے تم گھر میں موجود ہو یا باہر ہو..... تنہائی کو ان کا مقدر بنا دیا ہے تم نے..... اور اس پر بھی تمہیں صبر نہیں۔ یہ سب بھی کم لگتا ہے تمہیں.....؟ تبھی تم رہی سہی کسر اپنی کڑوی کسیلی باتوں اور روکھے رویے سے انہیں ذہنی پریشانی میں مبتلا رکھتے ہوئے پوری کرتے ہو.....''

مگر میں یہ سب باتیں تم سے کیوں کر رہا ہوں.....؟ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے کوئی جیئے یا مرے..... تم تو سولہ آنے درست ہو ناں.....؟ کسی بھی طرح کی خامی سے پاک.....''

احد نے لاپرواہ بنے چپ کھڑے گیلی ریت پر پاؤں سے لکیریں کھینچتے سعد کو دیکھا تو اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے..... وہ کئی لمحوں تک کھڑا سعد کو گھورتا رہا مگر اس کے بے فکرے

انداز میں رتی بھر بھی تبدیلی نہ آئی تھی۔

''سعد! میں تم سے مخاطب ہوں..... اس گیلی ریت، ان بپھری لہروں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے باتیں کرنے نہیں آیا میں یہاں.....''

سعد نے ابھی بھی اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

''سعد مجھے سچ میں یقین نہیں آ رہا کہ میرے سامنے تم ہی کھڑے ہو.....؟''

احد نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

''آخر انوشے نے ایک مرد کا دوست حاصل کر ہی لیا..... اسے بھی اپنی معصومیت کے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہو گئی۔''

سعد نے منفی سوچ لیے طنزیہ نظروں سے احد کو دیکھا پھر اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا کہ تم میرے دوست ہو کر میری بجائے انوشے کی طرف داری کر رہے ہو..... حالانکہ مجھے تم سالوں سے جانتے ہو..... کیا تمہارے خیال میں، میں بغیر کسی ٹھوس وجہ کے اپنی ازدواجی زندگی برباد کر سکتا ہوں.....؟''

سعد نے اُلٹا اُسی سے سوال کیا۔

''تو وہ ٹھوس وجہ مجھے بھی تو پتا چلے۔''

احد نے ایک بار پھر کوشش کی تھی۔

''ہو سکتا ہے وقت آنے پر تمہارے علم میں آ جائے یا ایسا بھی ممکن ہے تم اس وجہ سے کبھی آشنا ہی نہ ہو..... خیر دونوں صورتوں میں، میں اپنے منہ سے کچھ بھی بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لیے پلیز تم مجھے مجبور مت کرو۔''

احد نے اس سے مزید کچھ بھی پوچھنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے نگاہیں جھکا دیں۔

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی..... مگر ایک بات کہوں گا انوشے بھابی کو دل سے سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ کبھی کبھی دل، دماغ سے زیادہ بہتر سوچتا ہے۔''

احد نے لاپرواہ بنے سعد کو شکست خوردہ لہجے میں کہا مگر وہ اس کی بات کا اثر لیے بنا انجان بنا کھڑا رہا..... سعد تم میرے بھائیوں جیسے دوست ہو..... تمہاری ہر پریشانی میں تمہارا ساتھ دینا، تمہیں کچھ بھی غلط کرنے سے بچانا میرا فرض ہے۔ میری نظر میں تم بھابی پر ظلم کر رہے ہو۔ انہیں اُن کے شرعی حقوق سے محروم کر کے تمہیں احساس بھی ہے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے..... میں تو صرف تمہیں اس گناہ سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں..... تمہیں بتاؤں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ تو اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! ہم مظلوم کی مدد تو کر سکتے ہیں مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں.....؟''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے اس کا ہاتھ پکڑ لو.....''

(رواہ البخاری، کتاب المظالم:2444)

''میں نے اپنی سی پوری کوشش کر ڈالی۔ آگے تم خود صاحب عقل ہو.....وقت بہت ہو گیا ہے چلو میں تمہیں گھر تک ڈراپ کر دوں.....''

احد نے رسماً اسے اپنے ساتھ آنے کا کہا تھا حالانکہ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ اب ٹیکسی پر چلا جائے گا مگر اس کے ساتھ ہرگز نہیں جائے گا.....اور اُس نے ایسا ہی کیا تھا۔

''نہیں تم جاؤ!.....میں ٹیکسی سے چلا جاتا ہوں۔ تم بروقت گھر پہنچو، بھابی انتظار کر رہی ہوں گی.....میرا کیا ہے.....!''

آخری تین الفاظ اس نے نہایت مدھم آواز میں کہے تھے۔ احد نے اسے پریشانی سے دیکھا۔ پھر اس کا کندھا تھپتھپاتا وہاں سے چل دیا۔

******

انوشے کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔

''معلوم نہیں احد بھائی نے سعد سے کیا بات کی ہوگی اور سعد نے کیسا ردِعمل ظاہر کیا ہوگا.....؟''

کل ساحل سمندر پر جو بھی ہوا وہ اس کے لیے بے تحاشہ تکلیف دہ تھا۔ سعد کی باتیں، اُن کا لہجہ اس سے بھلائے نہ بھول رہا تھا۔

''اُف! اتنی نفرت کرتے ہیں سعد مجھ سے اور میں اب تک یہ سمجھتی رہی کہ وہ شاید مجھ سے کسی وجہ سے ناراض ہیں۔ شاید میں اُن کی سوچ سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ ہر انسان کی ایک الگ سوچ ہوتی ہے اپنے شریک سفر کے لئے۔ میں شاید سعد کی سوچ سے مطابقت نہیں رکھتی پر جب میں آہستہ آہستہ خود کو سعد کی سوچ کے سانچے میں ڈھال لوں گی تو سب ٹھیک ہوتا جائے گا پر ایسا نہیں تھا۔ میری تمام کوششیں مجھے رائیگاں ہوتی محسوس ہونے لگی ہیں۔

جب آپ کا دل نرم و نازک معصوم سے جذبوں کا امین ہو اور دل کی سرزمین محبت کی پھوار سے زرخیز ہو، خوبصورت ارمانوں کی ننھی کلیاں بہار میں چٹک کر رنگ برنگے شگوفے بننے

کو بے تاب ہوں۔ محض تلاش ہو اُس جھرنے کی جو پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں سے رقص کرتا، اچھلتا کودتا آبشار کی شکل میں کسی ندی میں آ گرے اور گنگناتا ہوا دل کی سرزمین کو سیراب کر دے۔ ننھی کلیاں مسکرا کر اپنی پتیاں کھول دیں جیسے بازو پھیلا کر کسی بہت ہی اپنے کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ دل اپنی خوش نصیبی پر ناز کرے۔ آسمان پر چمکتا چاند بھی اسے رشک کی نگاہ سے دیکھے۔ ستارے اس کی نظر اُتاریں۔ دل اپنی ساری خوبصورتی ساری بہاروں سمیت اس آنے والے کو اپنائے اور آپ اس بہت ہی خاص انسان کو دل کے سنگھاسن پر بٹھا کر اپنا سب کچھ اسے سونپ کر بھی ایسے شاداں پھریں کہ جیسے دُنیا جہان کی تمام نعمتیں آپ ہی کے نام کر دی گئی ہوں۔ آپ کی چاہت قدم قدم چلتے ہوئے محبت کی دہلیز پار کر کے عشق کی حدود میں داخل ہو جائے اور پیچھے رہ جانے والی راہ گزر کا نام و نشان بھی مٹ جائے۔ آپ تو بس منزل کی چاہ میں چلتے جائیں.....چلتے ہی چلے جائیں۔ اور.....اور جب منزل پر پہنچیں تو یہ ادراک ہو کہ دل کی سرزمین اپنی بے پناہ زرخیزی کے باوجود، ان معصوم جذبوں کو پروان نہیں چڑھا سکتی کیونکہ آبشار سے گرتا نظر آتا پانی صرف ایک دھوکہ تھا نظروں کا دھوکہ.....اصل میں تو وہ جمی ہوئی برف تھی اور آج تک کبھی برف نے بھی زمینیں سیراب کی ہیں.....؟

بہار کی منتظر ارمانوں کی ننھی کلیاں اپنا انتظار منزل رائیگاں جانے پر شدتِ غم اور قدرت کے اس عظیم حادثے پر حیران و پریشان ہوں.....اُس سے بھی بڑھ کر سانحہ یہ کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی آپ ان سب سے انجان ہوں۔ آپ کو اس بربادی کا احساس تک نہ ہو تو ہونے والی تباہی کا ازالہ ناممکن ہو جاتا ہے اور جب ادراک ہو کہ دل کی سرزمین پر اُگنے والے رنگ برنگے پھول نہیں بلکہ لمبے لمبے نوکیلے کانٹے ہیں، جسے آپ اپنی خوش فہمی میں بہار سمجھتے رہے وہ موسم تو خزاں سے بھی بدتر موسم ہے۔ خزاں کے بعد تو پھر بھی بہار آنے کی اُمید رہتی ہے پر اس موسم کو کیا نام دیا جائے جس کے بعد کوئی دوسرا موسم نہیں آتا اور کوئی دوسرا موسم آ بھی کیسے سکتا ہے دل کی سرزمین تو اپنے حکمران کی بے اعتنائی پر زلزلوں کی زد میں ہے۔ وہ شخص جس کی چاہت میں آپ عشق کی سیڑھی درجہ بدرجہ چڑھتے جا رہے ہوں اگر وہی یہ کہہ دے اُسے آپ سے اتنی نفرت ہے کہ وہ آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا تو.....کیا بیتے گی آپ پر.....؟ اس عظیم دُکھ کو بیان کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنا بے وقوفی ہی ہے اور جس احساس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہ ملیں اسے محسوس کیا جاتا ہے اور ایسا صرف وہی دل کر سکتے ہیں جو محبت کے امین ہوں۔ کتنا برا لگتا ہے جب آپ کسی پر خود سے زیادہ بھروسہ کرتے ہوں، خود کو اس کی ملکیت، اس کی امانت مانتے ہوں اور وہی انسان آپ کی ذات پر ایسے کیچڑ

اُچھالے کہ دل دھڑکنا بند ہو جائے کہ کہیں اس دھڑکن کے شور سے اس نے غلط تو نہیں سنا.....؟ کان اپنی سماعتوں پر یقین نہ کریں اور آنکھیں سب کچھ دیکھتے ہوئے بے یقین سی ہو کر پلکیں نہ جھپکا ئیں.....خود پر یقین نہ کریں کہ انہوں نے جو دیکھا وہ سچ تھا.....

کتنا بُرا لگتا ہے ناں جب آپ صحیح ہوں، مخلص ہوں تب کوئی آپ کو غلط سمجھے ۔کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر آپ سے بدظن ہو جائے اور آپ کو ایک بھی موقع نہ ملے خود کو ثابت کرنے کا.....آپ کو سزا سنا دی جائے اور یہ تک بتانا گوارا نہ کیا جائے کہ آپ کا قصور کیا ہے.....؟ پر میں ایسا نہیں ہونے دوں گی ۔سعد کو بتانا ہوگا انہوں نے ایسا کیوں کہا؟ میں اپنی پاکیزگی، اپنی مخلصی، اپنی محبت کو داؤ پر نہیں لگنے دوں گی ۔میں پوچھوں گی سعد سے.....'' انوشے نے ڈائری بند کر دی اور نئے عزم کے ساتھ آنسو پونچھ لیے ۔اس نے وال کلاک پر نظر دوڑائی 12 بجنے والے تھے۔

''بڑی دیر کر دی ان دونوں نے، خدا خیر کرے ۔''

انوشے نے ذہن میں آنے والے ہزار خدشوں کو پیچھے دھکیلا اور پاس پڑے فون سے سعد کا نمبر ملانے لگی.....وہ آف تھا ۔پھر اس نے کچھ سوچ کر احد کا نمبر ملایا.....دوسری بیل پر ہی اُدھر سے کال ریسیو کر لی گئی ۔

''السلام علیکم! احد بھائی!''

''وعلیکم السلام! بھابی سب خیریت ہے؟''

''جی! معاف کیجیے گا اس وقت تکلیف دے رہی ہوں.....میں نے صرف یہ پوچھنا تھا کہ سعد ابھی بھی آپ کے ساتھ ہیں.....؟''

''جی بھابی! میں ابھی ابھی وہاں سے نکلا ہوں.....وہ کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ جائے گا ۔''

''احد بھائی.....آپ کی کیا بات ہوئی سعد سے.....؟''

انوشے نے اٹکتے ہوئے پوچھا تھا ۔ احد نے ایک گہرا سانس خارج کیا ۔ وہ جانتا تھا بھابی کا اگلا سوال یہی ہوگا مگر وہ ابھی کچھ بھی بتا کر اُنہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا ۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ ۔میں صبح آؤں گا بلوشہ کے ساتھ پھر تفصیلاً بات ہوگی ۔''

احد نے ٹالا تھا ۔انوشے نے نہ چاہتے ہوئے فون بند کر دیا حالانکہ اُس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ فوراً سے ساری باتیں جان لے.....پر احد بھائی کی اپنی بھی تو مصروفیات ہیں.....وہ اور بلوشہ پہلے ہی ان کے لیے اتنی تگ و دو کر رہے ہیں ۔وہ آنکھوں میں نمی لیے اُٹھ کر پیچھے آ گئی.....اس کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی ۔

''احد بھائی نے کہہ تو دیا تھا کہ سعد آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ جائے گا مگر وہ جانتی تھی وہ جلدی گھر

نہیں آئیں گے.....اُن کا مزاج بہت بگڑا ہوگا اور انہوں نے احد بھائی کے ساتھ آنے سے بھی منع کر دیا ہوگا ۔نجانے کب آئیں گے گھر.....؟''

انوشے نے اپنے بے قرار دل کو پُرسکون کرنے کے لئے اپنی ماں کی طرح اپنے خالقِ حقیقی کی طرف رجوع کیا جو تمام دلوں کی بے قراریاں، بے چینیاں اور پریشانیاں بنا کہے ہی سمجھ جاتا ہے پھر وہی سکون بھی عطا کرتا ہے ۔

''بے شک وہ بے قرار کی دُعا سنتا ہے جب وہ دُعا کرے ۔''

تین بجنے والے تھے ۔ وہ اُٹھی اور وضو کر کے وہیں لاؤنج میں ہی جائے نماز بچھا کر تہجد کے نوافل ادا کرنے لگی ۔

******

سعد کافی دیر وہیں ساحلِ سمندر پر بیٹھا رہا ۔دو بجنے کے قریب وہ بے مقصد ہی راہوں پر چلتا رہا.....اُس کی زندگی بھی تو یونہی بنا کسی منزل کے انجانی ڈگر پر چلتی جا رہی تھی ۔ایسی ازدواجی زندگی کا تو اُس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا جیسی وہ جینے پر مجبور تھا ۔

''قہقہوں سے گونجتی فضا، مسکراتے لب، چہچہاتے الفاظ، شائستہ جملے، پُرخلوص من کو چھو جانے والے سچے اور پاکیزہ جذبے، قابلِ بھروسہ معصوم سی محبتوں کی امین شریکِ حیات اور اُس پر اپنی دولت، اپنا وقت، اپنی چاہت، خود اپنا آپ لٹا دینے والا سعد حسن رضوی ۔''

اس ازدواجی زندگی کے خواب دیکھنے والا سعد حسن رضوی اب کیسی زندگی گزار رہا تھا؟ وہ خود پر حیران تھا ۔

''کیا مجھ سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا جو میرے کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے سادہ سے خواب ادھورے رہ گئے.....اُن کی تعبیر ہی جیسے کہیں کھو گئی ہے.....کیا کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں.....؟ تعبیر جن کا مقدر ہی نہیں ہوتی.....اگر ہوتے ہیں تو یقیناً میرے تمام سپنے بھی ایسے ہی ہوں گے ۔''

سعد سڑک کے کنارے سر جھکائے چلتا ہوا کافی دُور آ نکلا تھا.....اس نے دُور سے کیب (ٹیکسی) کو بے اختیار ہی ہاتھ ہلا کر روکا تھا.....پھر ڈرائیور کو گھر کا ایڈریس بتاتے ہوئے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا ۔تین بجے کے قریب ٹیکسی اس کے بنگلے کے سامنے جا رُکی تھی ۔والٹ سے جتنے پیسے اس کے ہاتھ آئے وہ ٹیکسی والے کو پکڑاتا اندر چلا آیا.....چوکیدار پہلے ہی اسے دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا ۔

''ارے صاحب! باقی پیسے تو لیتے جائیں ۔'' ٹیکسی والے نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ اپنے ہاتھ

میں دیکھے تو حیرت سے سعد کو آواز دی مگر وہ سنی ان سنی کرتا گیٹ کراس کر گیا۔ چوکیدار گیٹ بند کر چکا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور چند منٹ شش و پنج میں وہیں کھڑا رہا پھر کندھے اچکا تا ٹیکسی میں آ بیٹھا۔

"واہ میرے مالک! کیسی کیسی مخلوق بنائی ہے تو نے؟ کہاں لوگ مجھ سے پانچ روپوں کے بدلے تکرار بحث کرتے ہیں اور ایک یہ صاحب ہیں، اتنے زیادہ پیسے مجھے تھما کر چلے گئے.....اور پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ اتنی رقم تو آج پورے دن میں نہیں کمائی میں نے.....اللہ خوش رکھے اپنے ایسے بندوں کو۔"

ٹیکسی ڈرائیور خود کلامی کرتا واپس چلا گیا۔

******

رات بھر کے رتجگے اور لاحاصل بحث نے اسے ذہنی اور جسمانی طور سے تھکا ڈالا۔ نجانے کتنی دیر وہ مسلسل پیدل گشت کرتا رہا۔ اسے خود بھی احساس نہ تھا.....ابھی بھی اگر اسے ٹیکسی نظر نہ آتی تو شاید اسے ڈھونڈنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہ آتا.....اب اس کی ٹانگیں شل ہو کر جیسے اکڑ سی گئی تھیں.....اس نے ڈھیلی ٹائی کو ہاتھ سے مزید لوز (Lose) کیا اور گریبان کا پہلا بٹن کھولتے مندی مندی آنکھوں سے اندر قدم رکھا.....سامنے نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انوشے سلک کے ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر شرٹ میں بڑی سی سفید چادر ماتھے تک بڑے سلیقے سے اوڑھے کھڑی کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ جائے نماز پر نظریں جمائے وہ پوری عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے رب سے محو گفتگو تھی۔ نفاست سے تراشے ہوئے گلابی ناخنوں والے ڈودھیا پاؤں گولڈن اور گرے جائے نماز پر دعوت نظارہ دے رہے تھے۔ اپنے خوبصورت ہاتھ سینے پر باندھ کر اس نے چادر کے اندر چھپائے ہوئے تھے۔ لمبی گھنی سیاہ پلکوں کی بھیگی چلمن جھکی ہوئی تھی.....جن کا سایہ اس کے آنسوؤں سے تر پیازی رخساروں پر پڑ رہا تھا.....نرم گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے.....اس نے بڑی سی چادر کو اس طرح اپنے گرد اوڑھ رکھا تھا کہ وہ پوری کی پوری ڈھکی ہوئی تھی۔ اتنا نور، اتنی پاکیزگی اور اتنی دلکشی اسے آج تک انوشے میں محسوس نہ ہوئی تھی.....جتنی وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی ویسے تو ہمیشہ ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرتی تھی مگر آج تو وہ سراپا نور بنی ایک عجیب سی کشش لیے کھڑی تھی.....سعد کو وہ موم کی گڑیا لگی.....یا نہیں۔ وہ اسے شیشے کا ایک ایسا شفاف مجسمہ لگ رہی تھی جس کے آر پار روشنی گزر سکتی تھی اور روشنی کا یہ ریفلیکشن اس مجسمے کو نور کی مانند چمکا رہا تھا.....وہ وہیں کھڑا بس ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا.....رات کے اس پہر اسے لگا جیسے وہ اپنے گھر میں نہیں جنت میں آ نکلا ہو.....جہاں خدا نے اسے نامعلوم کس

عظیم نیکی کے بدلے اس حور کی سربراہی عطا کر دی ہو۔

"مگر مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی میں نے ایسی کوئی نیکی کی ہو۔ میں گنہگار کہاں اس قابل کہ خدا مجھے اس طرح نوازے۔"

سعد نجانے کیا کچھ سوچتا بت بنا بس اسے تکتا جا رہا تھا.....اس کو احساس تک نہ ہوا کہ کب انوشے نوافل ادا کر کے دعا بھی مانگ چکی.....ہاتھ سے آنسو صاف کرنے کے بعد وہ جائے نماز تہہ کرتی اٹھی تو اسے سامنے کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ دعا میں اس نے رو رو کر جس شخص کی سلامتی سے گھر واپسی کی دعائیں مانگی تھیں اس کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ اللہ نے اس کے ایک ایک لفظ کو شرف قبولیت کا درجہ دیا تھا۔ وہ جائے نماز صوفے پر رکھتی اس کی طرف بڑھی.....مگر وہ ابھی تک ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"سعد!"

انوشے نے مدھر آواز میں اسے پکارا تھا.....سعد نے نظریں چرا لیں۔

"اتنی دیر کر دی آپ نے لوٹنے میں.....؟"

انوشے کی آواز میں اس بار آنسوؤں کی نمی تھی.....سعد نے نظریں اٹھا کر اس کی دوبارہ پانیوں سے بھر جانے والی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں..... پانی لاؤں آپ کے لئے.....؟"

انوشے نے نظریں جھکاتے ہوئے پوچھا تھا۔ سعد نے اسے چند لمحے گہری نظروں سے دیکھا جس نے دوبارہ نظریں نہیں اٹھائی تھیں بلکہ وہ مسلسل آنسوؤں کو باہر آنے سے روکنے کی کوشش کرتی تھرتھراتی پلکوں کو جھکائے کھڑی تھی۔ سعد کے لئے اب اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا تھا۔ وہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دیے بنا اس کے چہرے سے زبردستی نگاہیں ہٹاتا بمشکل اپنے قدم اٹھا پایا اور اس سے دور ہوتا ہوتا مڑ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ انوشے کچھ دیر ویسے ہی کھڑی سر جھکائے آنسو بہاتی رہی پھر سارٹی لائٹس آف کرتی وہ بھی اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سعد کمرے میں آیا تو اس کا ذہن عجیب و غریب متضاد سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ تھکاوٹ اور ذہنی پریشانی نے اسے تکلیف میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹا اور آنکھیں موند لیں.....انوشے سفید چادر میں لپٹی جائے نماز پر کھڑی اس کی بند آنکھوں کے سامنے آ گئی.....اس نے گھبرا کر فوراً آنکھیں کھول دیں.....تکیہ کھینچ کر سر کے نیچے رکھا تو اسے انوشے کا رات والا لمس پریشان کرنے لگا۔ اس نے تکیہ ڈور پھینک دیا۔ اپنے بیڈ پر سر رکھے بے سدھ لیٹی انوشے کی شبیہ جیسے اس کی کھلی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگی۔ وہ فوراً اپنے

بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا..... بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اس نے سلیپنگ پلز نکالیں اور ایک گولی پانی کے ساتھ نگل کر وہ صوفے پر آ کر لیٹ گیا۔ احد سے ہونے والی ساری گفتگو اس کے دماغ میں گردش کرنے لگی..... اس کی اپنی تلخی اور کڑوی دل دکھا دینے والی باتیں جو اس نے احد کو سنا ڈالیں اب اسے دکھی کرنے لگی تھیں۔

''میں نے آج پہلی بار، پہلی بار احد سے اس طرح اس لہجے میں بات کی.....''

سعد نے اپنے ہاتھ سے پیشانی کو مسلا۔

''مجھے معاف کر دینا میرے یار، میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو، جو تم نے کہا اور جو کیا صرف اور صرف میرے لیے کیا، میرے مفاد کے لئے کیا..... مگر میں کیا کروں میں مجبور ہوں..... چاہتے ہوئے بھی تمہیں سچائی سے آگاہ نہیں کر سکتا۔''

گولی اپنا اثر کرنے لگی تھی..... غنودگی چھانے لگی تو دل و دماغ کی لڑائی میں وہ نجانے کب نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

******

حنا چودھویں جماعت کی طالبہ تھی..... کالج سے گھر لوٹی تو تایا تائی کو اپنے گھر موجود پایا۔ ساتھ بڑی پھپھو اور منجھلے چاچو بھی تھے..... اس کا دل انہیں دیکھ کر زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''خدا خیر کرے'' وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آہستگی سے سب کو سلام کرتی کمرے میں چلی گئی۔

''پانی پی لو!''

امی اس کے لیے پانی کمرے میں ہی لے آئی تھیں۔ اُس نے خاموشی سے ان کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے گہری نظروں سے ان کو دیکھا تاکہ ان کے چہرے سے کم از کم اسے صورتحال کا اندازہ تو ہو مگر اُن کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ اسے کپڑے بدل کر باہر آنے کا کہتی چلی گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے سہمے دل کو سنبھالتی سب کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔

''بس بھائی صاحب ہم تو یہی چاہتے ہیں۔''

تایا ابو نے خاموشی کو توڑا تھا۔

''ہماری دلی خواہش ہے کہ حنا ہمارے گھر ہی آئے..... اور ہم دونوں بھائیوں میں یہ نیا بندھن ہمارے رشتے کی ڈوری کو مضبوط بنا دے۔''

''ہاں قاسم بھائی اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے جب گھر میں اتنا اچھا لڑکا موجود ہے تو لڑکی باہر کیوں جائے..... اتنی لڑکیاں ہیں خاندان بھر میں پر تبریز کی ضد ہے۔ شادی کروں گا تو حنا سے..... ورنہ نہیں''۔ ''اور ویسے سوچا بھی جائے تو کیا غلط ہے..... بہت اچھی جوڑی لگے گی

دونوں کی۔''

پھپھو نے حنا کی طرف دیکھ کر کہا تھا..... جبکہ حنا تایا ابو اور پھپھو کے رس بھرے لہجے اور میٹھے الفاظ پر جتنا حیران ہوتی کم تھا۔ تایا ابو اور پھپھو ابو کے سوتیلے بہن بھائی تھے۔ بڑی دادی ماں چار سال کے ہاشم اور دو ماہ کی بلقیس کو چھوڑ کر اس دنیا فانی سے رخصت ہوئیں تو دادا ابو کو اپنے دونوں بچوں کی پرورش کی فکر ہونے لگی..... خاندان والوں کے مشورے پر انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ چھوٹی دادی نے کبھی ان دونوں کو سوتیلا نہیں سمجھا تھا..... پر پتا نہیں کہاں کچھ کمی رہ گئی تھی جو تایا ابو اور بڑی پھپھو کبھی بھی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو اپنا نہیں پائے..... ایک سوتیلے پن کی دیوار ہمیشہ ان کے درمیان حائل رہی تھی۔ دادا دادی ہمیشہ تایا ابو کو گھر کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے اپنے ہر کام پر مشورے میں شامل کرتے مگر پھر بھی انہوں نے کبھی کوئی ذمہ داری نہ نبھائی تھی..... بلکہ ان کی جگہ ابو ہی ہمیشہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتے رہے تھے..... آہستہ آہستہ تایا ابو کنارہ کرتے گئے اور گھر کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے جوان کی ذمہ داریاں اور فرائض تھے انہوں نے خود کو ان سے آزاد کر لیا۔ دادا ابو نے اپنی آدھی زمینیں تایا ابو کے حوالے کر دی تھیں۔ خود وہ بیمار رہنے لگے تھے..... ان کی زندگی میں تو تایا ابو گھر کے اخراجات کے لئے ہر ماہ کچھ رقم دیا کرتے تھے پر جیسے ہی دادا ابو نے اس جہان فانی سے کوچ کیا..... تایا ابو نے ہاتھ کھینچ لیا بلکہ اس زمین سے ہونے والی پیداوار کی آمدنی سے بھی انہیں بے دخل کر دیا۔ شوہر کا ساتھ رہا نہیں تھا..... بڑے بیٹے نے بھی اپنا سوتیلا پن دکھا دیا تھا۔

دادی ماں یہ صدمہ برداشت نہ کر پائیں اور بمشکل ایک سال ہی زندگی کی ڈور کو ہاتھ میں رکھ پائیں۔ یہی تایا ابو جو آج اس کو مانگنے آئے تھے انہوں نے ہی کبھی پلٹ کر اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی خبر نہ لی تھی..... والدین کی وفات کے بعد تو بالکل ہی ناطہ توڑ لیا۔ ابو کو اپنی تعلیم چھوڑ کر کام کرنا پڑا..... زمینداری میں چونکہ ابھی ان کا تجربہ تھا نہ وہ فصلوں کی بوائی کٹائی کی اونچ نیچ سے واقف تھے..... انہیں بہت نقصان ہوا پر انہوں نے بھی ہمت نہ ہاری اور محنت، ایمانداری اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ بہت کٹھن وقت تھا چار بہنوں کی شادیاں کیں، تینوں بھائی بیاہے۔ جس تنگی کے دن ابو اور امی نے گزارے یہ وہی جانتے تھے..... پر انہوں نے کبھی گلہ نہ کیا تھا..... تائی امی کے ہر وقت کے طعنوں سے تنگ آ کر ابو نے الگ گھر لے لیا تھا..... باپ کی باقی آدھی جائیداد کو چھوٹے تینوں بھائیوں میں تقسیم کر کے ابو اپنے حصے سے دستبردار ہو گئے تھے۔ بہنوں نے بھی حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا جبکہ تایا ابو پوری آدھی پر اپنا حق جمائے بیٹھے رہے۔

امی ابو ہمیشہ یہ کہہ کر ہر بات بھلا دیتے کہ ان کا اپنا عمل اور ہمارا اپنا..... بس یہی نقطہ

نظر ان کی بیٹی کے مستقبل تک آن پہنچا تھا۔ ابو کو اپنے بہن بھائیوں سے عشق تھا۔ وہ بہت جلد موم ہو جاتے تھے اور تایا جی کے معاملے میں تو وہ شروع سے ہی بہت حساس رہے تھے۔

اسے بس اسی بات کا ڈر تھا کہ کہیں اس کی قسمت اسے اُسی گھر میں نہ لے جائے جس گھر کے تصور سے ہی اسے کئی تکلیف دہ پل یاد آ جاتے تھے۔

''ہم سوچ کر بتائیں گے ہاشم بھائی۔''

ابو نے کچھ وقت طلب کیا تو وہ چلے گئے۔ تایا، تائی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جاتے جاتے اسے بھی ساتھ ہی لے جاتے۔ پیار جو اتنا آ رہا تھا اس پر۔ وہ خود تو چلے گئے مگر اس کے لئے پریشانیوں کا ڈر دا کر گئے۔

''حنا بیٹا! ادھر آؤ میرے پاس۔''

ابو نے اسے پریشان دیکھا تو اپنے پاس بلا لیا..... وہ خاموشی سے اُٹھ کر اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''بیٹا۔ اپنا خون اپنا ہوتا ہے۔ یہ کشش مارتا ہے..... اگر ہم ہزار خامیاں ڈھونڈنے نکلیں ناں اپنوں میں تو ہمیں لاکھوں ملیں گی پر اگر کل کو ہمیں کچھ ہو جاتا ہے تو جو تکلیف ہمارے اپنوں کو ہو گی وہ کوئی دوسرا محسوس نہیں کر پائے گا۔''

ابو نے تمہید باندھی تو اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑک اٹھا۔

''بیٹا! تمہارے تایا تمہیں تبریز کے لئے مانگنے آئے تھے۔ ہمیں تمہاری رائے درکار ہے۔''

ابو نے اس کے چہرے پر کسی انجانے خوف کو محسوس کیا تو دوبارہ بولے۔

''حنا ایک بات یاد رکھنا۔ ہمیں ہمارے خونی رشتوں سے جتنی مرضی شکایتیں ہوں، جتنے گلے ہوں وہ سب ایک طرف اور یہ کہاوت ایک طرف کہ ''اپنے تو اپنے ہی ہوتے ہیں اگر ماریں بھی تو چھاؤں میں ہی پھینکتے ہیں.....'' ہمارے بڑے بزرگ جو بات کہہ گئے اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت تو ہوتی ہے..... اُن کی ساری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں اُن کی ایسی باتیں۔''

ابو اسے سمجھا رہے تھے پر اسے کبھی بھی اس کہاوت سے اتفاق نہ رہا تھا۔

''وہ اپنے ہی کیا جو مار ڈالیں اور اگر مار ہی دیا تو پھر دھوپ میں پھینکیں یا چھاؤں میں کیا فرق پڑتا ہے۔''

وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی صرف سوچ کر رہ گئی۔

''بیٹا اچھے لڑکے بڑی مشکل سے ملتے ہیں آج کل..... تبریز گھر کا بچہ ہے۔ دیکھا بھالا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے پل کر جوان ہوا ہے۔ معاشرے میں ہزاروں برائیاں ہیں..... پر تبریز

کو میں نے آج کل کے لڑکوں کی طرح کبھی آوارہ پھرتے نہیں دیکھا..... اس کا کوئی فضول شوق نہیں ہے نہ ہی کسی قسم کے نشے کا عادی ہے..... خوبصورت اور ذہین ہے..... اس نے خود یہ رشتہ بھجوایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ رشتہ داری کی اہمیت سے آگاہ ہے..... بھائی صاحب سے ہمارے تعلقات شروع سے ہی کشیدہ رہے۔ اگر ان کو دیکھا جائے تو اس رشتے کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ پر اگر وہ اپنے باپ سے ہوئی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی برائی تو نہیں..... نیا رشتہ بنے گا تو پرانی تلخیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔''

''نئی تلخیاں جو جنم لے لیں گی'' حنا نے تلخی سے صرف سوچا ہی تھا کہا نہیں کیونکہ ابو کی بات ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی اور اسے شروع سے ہی تربیت دی گئی تھی کہ بڑوں کی بات کے درمیان میں نہیں بولنا چاہیے یا دوسرے لفظوں میں بڑوں کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولتے۔

''بیٹا مجھے تو اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم ہاں کر دیتے ہیں۔''

ابو کی اس بات پر اس نے تڑپ کر اُن کی طرف دیکھا تھا۔

''بولو حنا۔ ہم ماں باپ ہیں تمہارے۔ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو..... تمہارا بُرا تو نہیں سوچیں گے ہم..... وہ میرے بھائی کا گھر ہے..... تم خوش رہو گی وہاں۔ اور میں بھی سکون سے مر سکوں گا اس اطمینان کے ساتھ کہ تم اپنوں کے درمیان ہو۔''

''ابو..... پلیز ایسا تو نہ کہیں۔''

حنا نے جلدی سے کہا تھا۔

''اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔''

''بیٹا کتنی زندگی بچی ہے..... اور پھر ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہے۔ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو ہم اپنے فرض سے آزاد ہوں..... تبریز میں کوئی خامی نہیں..... ہر لحاظ سے اچھا اور بہت ہی مناسب رشتہ ہے یہ اور ویسے بھی میں اپنے بھائی کو خالی نہیں لوٹانا چاہتا..... پہلی بار مجھے اپنا بھائی مان کر خلوصِ دل سے انہوں نے میری طرف قدم بڑھایا ہے..... میں بڑھ کر اُن کو گلے لگانا چاہتا ہوں..... اگر سوتیلے اور سگے کے فرق کو ختم کرنے کا یہ موقع میں نے گنوا دیا تو قیامت کے دن اپنے والد صاحب کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ میں نے اپنے بھائی سے رشتہ داری نہ نبھائی۔'' وہ اس کے احساسات سے بے خبر کہتے جا رہے تھے۔

''بس بچے..... تم اپنی رائے سے آگاہ کر دو..... ہمیں تمہاری خوشی بھی تو عزیز ہے۔''

''ابو۔ آپ اپنا فیصلہ سنا رہے ہیں یا مجھ سے میری رضا پوچھ رہے ہیں؟''

حنا نے اُلجھ کر پوچھا تو ابو کچھ دیر خاموش رہے پھر نرمی سے بولے۔

"بچے ہمارا تجربہ تمہاری عمر سے بھی دوگنا ہے۔ بس ایک بات یاد رکھنا کہ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو..... تمہاری زندگی کا فیصلہ ہم بہت سوچ سمجھ کر ہی کریں گے..... تمہاری خوشیاں ہماری زندگی ہیں تم غور کرنا میری باتوں پر"

ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اُٹھ کر چلے گئے جبکہ وہ ڈبڈباتی آنکھوں سے امی کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئی اور ان کی گود میں سر رکھ کر بولی:

"امی آپ کچھ کیوں نہیں کہتیں۔ منع کیوں نہیں کر دیتیں تائی کو..... آپ تو جانتی ہیں مجھے اُن کے گھر کے اصول پسند نہیں ہیں اور نہ ہی وہ تبریز۔ میں کہیں بھی شادی کر لوں گی مگر وہ تایا ابو کا گھر نہ ہو۔ امی انہوں نے کم زیادتیاں کی ہیں آپ کے ساتھ، ابو کے ساتھ..... پھر بھی آپ لوگ ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔"

وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ امی کیا کہتیں وہ تو خود پریشان تھیں۔ انہیں اپنی جیٹھانی کے طعنے، کوسنے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے فساد کھڑے کر دینا اب تک یاد تھا۔ وہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ جس جہنم میں انہوں نے اپنی زندگی گزاری اُسی جہنم میں وہ اپنی بیٹی کو جھونک دیں۔ پر جب وہ اپنے شوہر کو دیکھتیں تو انہیں ان کا فیصلہ بھی ٹھیک لگتا۔

"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں..... ظرف کی بات یہ ہوتی ہے کہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا جائے۔ یقیناً ہم سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں جو ہماری نظر میں ٹھیک ہوں پر اُن کی نظر میں کوتاہی ہو ہماری..... وہ بھی تو سب بھلا کر ہمارا ہاتھ تھام لینا چاہتے ہیں۔ انسان بدلی بھی تو جایا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے میری جیٹھانی اب ویسی نہ رہی ہو..... اُن کی باتوں سے تو یہی لگ رہا تھا کہ ان کو رشتوں کا احساس ہو گیا ہے۔"

شوہر اور بیٹی دونوں ہی اپنی جگہ درست تھے۔ بیٹی ماضی کی بنیاد پر فیصلہ کر رہی تھی اور شوہر مستقبل کی اُمید پر..... انہوں نے خاموش رہ کر فیصلہ وقت اور قسمت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا..... اب یہ وقت ہی بتائے گا کہ اللہ نے اِن کی بیٹی کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔

******

اذانِ فجر سے انوشے کی آنکھ کھل گئی..... اُس نے اُٹھ کر وضو کیا اور Prayer Room میں چلی آئی..... اس کی آنکھیں ابھی بھی نیند سے بوجھل تھیں..... رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے اب اس کی آنکھیں جیسے جلنے لگیں تھیں..... سعد کی چپ! اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی..... اس نے اپنی ساری گھبراہٹ اور پریشانی اپنے اللہ کے گوش گزار کی اور نماز کے بعد بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر اپنی شادی شدہ زندگی کے اس عجیب

معمہ کے سلجھ جانے کی دعا کی۔

دعا سے فراغت کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی..... دوبارہ سونے کی بجائے وہ ٹیرس پر نکل آئی..... صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی تازہ ہوا کو اس نے ایک گہرا سانس لے کر پھیپھڑوں میں اُتارا تھا..... کچھ دیر وہ یونہی ٹہلتی رہی پھر جھولے پر آ بیٹھی۔

"معلوم نہیں احد بھائی نے سعد سے کیا کہا ہوگا.....؟ سعد کو دیکھ کر بھی تو میں کسی بات کا اندازہ نہیں لگا پائی تھی....."

انوشے نے پیچھے کمر ٹکا کر پریشانی سے آنکھیں موند لیں اور بند آنکھوں کے سامنے ماضی کی ریل سی چلنے لگی۔

"کیا بات ہے آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں.....؟"

وہ لائبریری میں اپنے سامنے کتاب کھولے بیٹھی تھی مگر اس کی نگاہیں کتاب کی بجائے میز کی سطح پر مرکوز تھیں اور حقیقت میں اس کی توجہ میز پر بھی نہ تھی۔ وہ غائب دماغی سے بیٹھی کہیں اور ہی گم تھی، جب سر ہارون درانی نے اُسے پوچھا تھا۔ یہ صورتحال ان کے لئے حیران کن تھی کیونکہ انہوں نے انوشے کو جب بھی دیکھا بہت ہشاش بشاش، حاضر جواب اور کتابوں کی دیوانی پایا۔ کجا اب کھلی کتاب اس کی نظروں کی منتظر اس کے آگے کھلی پڑی تھی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہ تھی۔ کسی کی سرگوشی پر وہ چونکی اور گردن گھما کر مخاطب کرنے والے کو دیکھا۔ برابر میں بیٹھے سر ہارون پر نظر پڑتے ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"سر آپ.....؟"

وہ بے اختیار بولی تھی..... اور اس کی آواز قدرے بلند تھی..... اِرد گرد بیٹھے سٹوڈنٹس نے نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی.....!!" سر نے منہ پر اُنگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو اسے بھی لائبریری کے خاموش ماحول کا احساس ہوا۔ تمام سٹوڈنٹس دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئے..... انوشے آہستہ سے بیٹھ گئی..... مگر سر نے محسوس کیا وہ اب بھی اُلجھی ہوئی تھی۔

"انوشے آپ میرے ساتھ آیئے..... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ اُسے مدھم آواز میں کہتے اُٹھ گئے..... انوشے نے کتاب بند کی اور خود کو ریلیکس کرتی باہر چلی آئی..... لائبریری کی سیڑھیوں کے پاس سر اس کے منتظر تھے۔ اس کی ہلکی ہلکی سی نمی لیے جھکی پلکیں، اور بجھا بجھا سا انداز دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔

"کیا مسئلہ ہے انوشے.....؟ آپ ٹینس لگ رہی ہیں..... سب خیریت تو ہے ناں.....؟"

انہوں نے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بوکھلا گئی۔

''نن.....نہیں.....سر ایسی کوئی بات نہیں ہے.....میں تو بس ویسے ہی.....''

اس نے لرزتے ہاتھوں سے بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی اس کوشش کو رائیگاں جاتے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''چلیں ٹھیک ہے.....آپ کچھ بتانا نہیں چاہتیں تو اِٹس او کے آئی ول ناٹ مائنڈ (It's OK I'll not mind) مگر ایک بات ضرور کہوں گا۔ انسان کو جھوٹ بولنا نہ آتا ہو تو اُسے کوشش بھی نہیں کرنی چاہئے۔''

انوشے نے بے بسی سے سر کو دیکھا اور بنا کچھ کہے ہی نظریں جھکا لیں۔

''السلام علیکم!''

آریان ہاتھ میں کتاب تھامے لائبریری جا رہا تھا انہیں دیکھ کر چلا آیا۔

''وعلیکم السلام!''

سر ہارون نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تمہیں کیا اب السلام علیکم اسپیشل کارڈ پر لکھوا کر دینا پڑے گا.....؟''

آریان نے خاموش کھڑی انوشے سے کہا تھا۔ سر ہارون نے دلچسپی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''ایکسکیوزمی۔''

وہ صرف ایک لفظ بولی اور مڑ کر تقریباً بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ جبکہ وہ دونوں ہکا بکا اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

''اسے کیا ہوا.....؟''

آریان نے حیرت سے سر ہارون سے پوچھا تو وہ لاعلمی سے کندھے اُچکا کر رہ گئے۔

''میں دیکھتا ہوں سر۔ ایکسکیوزمی۔''

آریان سر ہارون سے اجازت طلب کرتا اُس کے پیچھے بھاگا.....وہ اُسے لان میں ایک بنچ پر بیٹھی نظر آئی، اُس کی آنکھیں نم تھیں اور چہرہ ضرورت سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا.....وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا

''سنو.....میں کینٹین جا رہا ہوں.....چلو گی.....؟''

آریان نے عام سے انداز میں معمول کی طرح آفر کی تھی۔ حالانکہ اُسے پوری اُمید تھی کہ وہ اُسے یہاں سے فوری طور پر دفع ہو جانے کا کہے گی، مگر خلاف توقع وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''انوشے میں تمہارا دوست ہوں، کیا کوئی ایسی بات، ایسی پریشانی ہے جو تم مجھ سے ڈسکس نہیں کر پا رہی.....؟''

آریان نے کولڈ ڈرنک کا ٹین کھولتے ہوئے بڑی نرمی سے پوچھا تھا۔ انوشے نے لمحہ بھر کو اُسے دیکھا پھر چپس کا ٹکڑا منہ میں ڈالتی ہوئی نظریں چُرا گئی۔ آریان کے پُرخلوص انداز پر اُس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ اُس نے چپس کا پیکٹ میز پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مضبوطی سے جکڑتے ہوئے سنجیدہ بیٹھے آریان کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''کیا ہمارے کالج میں علی نام کا کوئی لیکچرار ہے.....؟''

آریان نے انوشے کی حالت اور اس پر اس عجیب سوال کی وجہ سے لمحہ بھر کے لئے تحیر سے اُسے دیکھا پھر سوچتے ہوئے بولا:

''نہیں.....کوئی بھی نہیں ہے۔ مگر تمہاری پریشانی سے اس سوال کا کیا تعلق ہے.....؟''

''ذرا فچر سے سوچو.....ہو سکتا ہے کسی اور ڈیپارٹمنٹ میں ہو.....؟''

انوشے نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ اپنا سوال دہرایا.....مگر کنڈیشن اس مرتبہ کچھ اور تھی۔

''جہاں تک میرے علم میں ہے علی نام کا کوئی بھی آدمی ہمارے کالج کے پورے ٹیچنگ سٹاف میں نہیں ہے۔ "And I am sure about it."

آریان نے حتمی لہجے میں کہا۔

''اگر تمہارا سوال نامہ ختم ہو گیا ہے تو میں یہ پوچھنے کی جسارت پھر سے کروں کہ یہ مسٹر علی کون ہے جسے تم یوں رو رو کر، ریانت کرنے میں لگی ہو.....؟''

آریان نے دوبارہ افسردگی کا لبادہ اوڑھتی انوشے کو اُس کی پل بھر نم ہوتی آنکھوں پر چوٹ کی تھی۔

"Tell me Anoshay what's the problem.?"

اب کی بار آریان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''میرے لیے پرپوزل آیا ہے۔''

انوشے نے دھیمے لہجے میں کہا:

''.....So what میرا مطلب ہے اس میں اِتنا رونے کی کیا بات ہے۔ ہر لڑکی کے پرپوزلز آتے ہیں اس عمر میں۔''

آریان نے بے تکلفی سے اسے چل (Chill) کرنے کی کوشش کی۔

''لڑکا ہمارے ہی کالج میں لیکچرار ہے علی نام ہے اس کا۔''

انوشے نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے ہوئے اُسی دھیرے سے انداز میں بتایا۔

اب چونکنے کی باری آریان کی تھی۔

"What...???"

آریان کو واقعی حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''ہاں آریان۔ اُس نے یہیں مجھے دیکھا اور کالج ریکارڈ سے میرا ایڈریس لے کر اپنی امی اور بہن کو میرے گھر بھی بھیجا...... جبکہ میں جانتی ہوں علی نام کا کوئی بھی لیکچرار ہمارے کالج میں نہیں ہے اور تم نے بھی اِس بات کی تصدیق کر دی۔''

''اوہ...... تو بات تمہارے گھر تک پہنچنے لگی ہے۔''

آریان کو اب انوشے کی اِس قدر پریشانی کی وجہ سمجھ میں آئی تھی۔

''پتا نہیں ہم مرد لوگ عورتوں کے لئے اتنی مشکلات کیوں کھڑی کر دیتے ہیں۔''

آریان نے افسوس سے کہا تھا۔ اُسے اُس وقت اپنی ہی صنف سے تعلق رکھنے والے اُن تمام مرد حضرات پر جی بھر کر غصہ آ رہا تھا جن کی وجہ سے ہزاروں شریف لڑکیاں اپنا حق حاصل نہیں کر پاتیں...... انوشے کا گھرانہ تو پڑھا لکھا ہے۔ اس کے گھر والے بھی باشعور اور باعقل ہیں۔ مگر اچھے خاصے گھرانے بھی اِس لعنت کا شکار ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی پر بُری نظر ڈالے یا تنگ کرے تو اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ لڑکی کو ہی پڑھنے سے روک دیا جاتا ہے...... گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی جاتی ہے...... اور اکثر اوقات تو اپنی غیرت اور عزت و ناموس کو بچانے کے نام پر کسی بھی ایرے غیرے کو پکڑ کر فوری نکاح کر کے رخصت کر دیا جاتا ہے...... ایسے میں اُس مرد کو کوئی کچھ نہیں کہتا وہ دندناتا پھرتا ہے اُسی طرح کسی نئے شکار کی تلاش میں۔ ہاں البتہ اُس بیچاری لڑکی کی پوری کی پوری زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

''اب تم کہاں کھو گئے......؟''

انوشے نے اُسے کسی گہری سوچ میں دیکھ کر پوچھا تو وہ چونک گیا۔

''کہیں نہیں...... بس یہ علی کا معمہ حل کرنے کی کوشش میں ہوں۔''

آریان نے دوبارہ پُرسوچ انداز میں ذہن پر زور ڈالا مگر اِس کے ذہن میں واقعی کوئی علی نام کا پروفیسر نہیں تھا۔ آریان کی نظریں کینٹین میں بیٹھے سٹوڈنٹس پر مرکوز تھیں مگر وہ سوچ کچھ اور ہی رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔ مایوس ہو کر اس نے انوشے کو دیکھا جو اب چپس کھانے کی بجائے میز پر پڑے پیکٹس کو گھورنے میں مصروف تھی۔ آریان کے سامنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

خاموش بیٹھی یہ معصوم اور پیاری لڑکی اس کی عزیز ترین دوست تھی جو نیک نیتی اور صاف دلی سے دوستی کے سفر میں اس کی ہمسفر تھی۔ جو سادگی اور حسن کے خوبصورت امتزاج سے بنا ایک ایسا مجسمہ تھی جس کا ظاہر و باطن پاکیزہ اور شفاف تھا...... اور آج یہی خصوصیات اس کے لئے پریشانی کا باعث بن گئی تھیں...... اور وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے تھی۔

''میں دنیا میں واحد ہوں جسے اللہ نے خوبصورتی جیسی نعمت سے نوازا ہے یا میں صرف اکیلی لڑکی ہوں اس پورے جہاں میں یا پھر دوسری کوئی لڑکی کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ جسے دیکھو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتا ہے...... یہاں کالج میں تو پھر بھی قابل برداشت تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ سب وقت گزاری کے لئے یہ تماشے کرتے پھرتے ہیں...... دھیرے دھیرے سب بھول جائیں گے ایسی بے وقوفیاں۔ مگر اب یہ پتا نہیں کون ہے جو میرے سامنے آئے بنا، مجھے کچھ کہنے کی بجائے سیدھا میرے گھر تک پہنچ گیا ہے۔''

انوشے نے میز پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مسلا تھا۔

''تم بھی تو ہو آریان!''

وہ یکدم میز سے کہنیاں ہٹا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم میرے اِتنے قریبی دوست ہو...... مجھے اچھی طرح جانتے ہو...... میرے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہو...... پھر کیا کبھی تمہیں مجھ میں کشش محسوس نہیں ہوئی......؟ تم بھی تو لڑکے ہو۔ کیا میں کبھی تمہیں اتنی پیاری نہیں لگی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے......؟ اگر مجھ میں واقعی ایسی کوئی بات ہے جو صنفِ مخالف کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری طرف قدم بڑھاتے ہیں تو پھر تم کیوں بچے ہوئے ہو ابھی تک......؟ اگر میں اتنی ہی پُرکشش اور پیاری ہوں تو تم کبھی اس دوستی سے آگے کیوں نہیں بڑھے......؟ تم ہمیشہ مجھے اپنی دوست کہتے ہو...... پھر آج تک تمہیں مجھ سے محبت کیوں نہیں ہوئی......؟''

وہ ایک ہی سانس میں اس سے ایک ہی بات کو ڈھیر سارے سوالات کا لبادہ اوڑھا کر اب اس کے جواب کی منتظر تھی۔ آریان نے نظریں چرا لی...... مگر اُس کے ان سوالات سے وہ چاہ کر بھی منہ نہیں موڑ سکتا تھا...... وہ انوشے سے کیا کہتا کہ وہ واقعی قیامت تھی...... ایک جیتی جاگتی قیامت...... جو صرف دلوں میں آتی اور پھر سب تباہ کر دیتی ہے...... نجانے وہ کونسا خوش نصیب دل ہوگا جس میں یہ قیامت تباہیاں نہیں لائے گی بلکہ وہاں تو پھول کھلائے گی۔ رنگ برنگے مدھر خوشبو والے...... خوشنما پھول۔ مگر آریان جانتا تھا اس کا دل ایسا نصیب لے کر دنیا میں نہیں آیا۔

''وہ کہتی ہے کہ مجھے اُس سے محبت کیوں نہیں ہوئی؟ اب میں کیا بتاؤں کہ میں بھی نہیں

بچا..... محبت نے میرے در پر بھی دستک دی ہے۔ پیار کے رسیلے رس کو میں نے بھی چکھا ہے مگر مجھے تو یہ راس نہیں آیا۔ نجانے کون خوش قسمت لوگ ہیں محبت جن کا مقدر ٹھہرتی ہے..... یا شاید وہ لوگ خود غرض ہوتے ہیں جو اپنی محبت کو پانے کی چاہ میں سب بھول جاتے ہیں..... مگر میں خود غرضی نہیں دکھا سکتا..... میں قطعی نہیں بھلا سکتا کہ میری فیملی کی اُمیدیں اور ان کا مستقبل مجھ سے جڑا ہے..... یا پھر میں بھی محبت کرنے والوں کی طرح بہادری کا مظاہرہ نہیں کر پا رہا..... میں بزدل ہوں جو انوشے کو حاصل کرنے کی خواہش کو بائے اپنی چاہت کا اظہار نہ کر کے خود اُس سے دوری کے اسباب پیدا کر رہا ہوں۔ خیر جو بھی ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ میں سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوا۔ مجھے زندگی میں بہت آگے جانا ہے..... کچھ بننا ہے..... کچھ کر دکھانا ہے..... میں یوں پیار کے چکروں میں پڑ کر اپنے مدار سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ یا پھر اصل خدشہ یہ ہے کہ انوشے سچائی جان لینے کے بعد کہیں مجھ سے دوستی کا رشتہ بھی نہ ختم کر لے..... اور میں اپنی زندگی میں ہر نقصان کا ازالہ کر سکتا ہوں مگر شاید اس خلا کو کبھی پُر نہیں کر پاؤں گا جو انوشے کو کھو دینے سے ہو جائے گا..... میں اپنی محبت اپنی چاہت کو پا لینے کی تگ و دو میں عزیز ترین دوست کو کھونا نہیں چاہتا ورنہ میں نے جب جب انوشے کو دیکھا ہے میرے دل نے تب تب دعا کی ہے کہ:۔

''اے مالک! اس لڑکی کو میرے نام کر دے۔''

آریان نے ایک دُکھتی نظر خاموش بیٹھی انوشے پر ڈالی پھر نورانی نگاہ ہٹالی۔

وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا..... اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے پیار کو بدل لے گا..... دوبارہ سے محبت کرے گا اور اب کی بار کوئی لڑکی اس کی محبوب نہیں ہوگی بلکہ اس کی کتابیں، اس کے گھر والوں کی خواہشات ہوں گی جنہیں وہ خود سے بھی بڑھ کر چاہے گا..... آریان نے اپنی پہلی محبت پر اپنے فرائض کو ترجیح دی اور خود اپنی چاہت کے اور اپنے دل کے خلاف ہو گیا۔ اپنی سوچ بدل ڈالی اور کامیابی کے سفر پر چل نکلنے کا عزم کر لیا۔ اس نے اپنے باغی دل کو ذمہ داریوں کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ لیا اور محبوب کے لئے تڑپتے دل کی معصوم سی خواہشات کو نظر انداز کر کے نفس پر قابو پانا سیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کو شاید اس کی یہ ادا بھا گئی تھی جو اُس نے انوشے اور آریان کی دوستی کے رشتے کو کبھی نہ ٹوٹنے والے دھاگے سے باندھ دیا تھا..... وہ اسی سے بہت خوش تھا۔ بہت ہی زیادہ خوش کہ وہ دونوں ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے مگر انوشے کے آج کے سوالات سے اس کا دل دھڑک اُٹھا تھا۔ یہ پیار کیا چیز ہے۔ میرے جیسے شخص کی زندگی میں عشق و محبت کی گنجائش صرف شادی کے بعد نکلتی ہے اور ویسے بھی مجھے ان جھنجھٹوں میں نہیں پڑنا..... میری منزل اور ہے..... یہ میرا راستہ نہیں ہے جو مجھے میری منزل تک

پہنچنے سے بھٹکا دے۔ آریان نے اپنے کمزور پڑتے دل کو سنبھالا تھا..... اور بڑے حوصلے سے خود کو انوشے کے مخلص دوست کے غلاف میں مقید کر لیا تھا۔

''انوشے تم ان باتوں میں خود کو ہلکان مت کرو..... میں پتا کرتا ہوں کہ یہ کون صاحب ہیں..... اس علی کے سراغ لگانے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور برائے مہربانی ایک بات مانو'' آریان نے اس کی پلکوں سے چھلکتے آنسوؤں کو دیکھا، پھر دوبارہ گویا ہوا:

''میرے سامنے دوبارہ کبھی مت رونا۔ یہ نہ ہو کہ مجھے تم سے محبت ہو جائے کیونکہ یار! تم روتے ہوئے بھی بہت پیاری لگتی ہو۔''

آریان نے شرارت سے کہا تو انوشے اتنی پریشانی میں بھی مسکرا دی۔

''دماغ ٹھکانے لگاؤں گی تمہارا اگر مجھ سے محبت کرنے کا سوچا بھی تو۔''

انوشے نے چپس سے بھرا پیکٹ اس پر اُلٹ دیا تھا۔ آریان اس کے لہجے اور انداز پر ہنس دیا۔

''شکریہ آریان.....؟''

انوشے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''تم سے اس مسئلے کا ذکر کر کے میری آدھی پریشانی ختم ہو گئی..... تم بہت اچھے ہو۔''

''وہ تو میں ہوں..... اچھا بھی اور پیارا بھی۔''

آریان نے شرارت سے اس کی ادھوری بات پوری کی تو وہ کھلکھلا دی۔

******

''بیٹا! کھانا کھالو۔ اور یہ دیکھو شادی کا کارڈ آیا ہے۔ دیکھ کر بتاؤ کہ تاریخ کیا ہے۔''

وہ کمرے میں تھی جب امی نے اسے آواز دی۔ وہ شادی کے کارڈ کا سن کر خوش خوش باہر آئی۔ اسے شادیوں میں جانا بہت پسند تھا۔

''کس کی شادی ہے.....؟''

''وہ تمہاری بڑی پھپھو کے دیور کی۔ دیکھنا ذرا مہندی کس دن ہے۔''

امی نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''ایک ہفتے بعد مہندی ہے اُن کی جمعرات کو، جمعہ کو بارات اور ہفتہ کو ولیمہ..... اور تینوں کی تینوں تقریبات میرج ہال میں ہوں گی۔''

''ہاں بھئی۔ بڑے لوگوں کے بڑے کام۔ اُن کو کونسی کمی ہے پیسے کی۔ اللہ نے بڑا نوازا ہے اُن کو۔''

امی پلیٹوں میں چاول ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ابو بھی آ گئے۔ کھانے کے بعد چائے پیتے ہوئے ابو نے اس سے پوچھا۔

"بتا۔ کیا سوچا پھر تم نے.....؟"

ابو کے سوال کا مطلب سمجھ کر وہ چند ثانیے خاموش ہو کر الفاظ ڈھونڈتی رہی۔ پھر سمجھ داری سے بولی۔

"ابو اگر آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو آپ کی خوشی کی خاطر میں تیار ہوں کیونکہ آپ کی اولاد ہونے کے ناطے میرا فرض ہے آپ کے ہر فیصلے کو ماننا۔"

اس نے اتنا کہہ کر ابو کو دیکھا جو پُرسکون ہو گئے تھے۔

"اور اگر آپ میری رائے جاننا چاہتے ہیں تو میں خوش نہیں ہوں اس رشتے سے..... میں راضی نہیں ہوں..... اس کو میری نافرمانی مت سمجھئے گا کیونکہ میرا حق ہے اپنی رائے کے اظہار کا....."

"پر کوئی وجہ بھی تو ہو راضی نہ ہونے کی"

ابو کے لہجے سے اب نرمی غائب تھی اور چہرے سے اطمینان مفقود۔ حنا اپنی ہمت بحال کرتے ہوئے بولی۔

"دم گھٹتا ہے میرا وہاں پر..... تائی امی کی چبھتی نظریں اور چلتی زبان سے خوف آتا ہے مجھے اور پھر اگر تایا جی کو واقعی بھائی کا اتنا خیال تھا تو پہلے کبھی کیوں احساس نہیں کیا ہمارا۔ جب وہ بُرے وقت میں ہمارا ساتھ نہیں نبھا پائے تو اُن کو کوئی حق نہیں پہنچتا اچھے وقت میں ہمارے قریب آنے کا۔ رشتہ داری نبھانے کا خیال انہیں تب کیوں نہیں آیا جب ہمارے حالات خراب تھے۔ تائی امی تو اپنی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھیں۔ کل تک ہم میں صرف خامیاں تھیں تو آج وہ ساری خامیاں اُن کو اچھائیاں لگنے لگی ہیں کیونکہ مطلب ہے اُن کو ہم سے..... مطلب نکل جائے گا تو وہ پھر ویسی ہی ہو جائیں گی..... ابو آپ جانتے تو ہیں اُن کی عادت پھر بھی آپ....."

"بس..... بس کر دحنا۔ یہ کوئی ٹھوس وجوہات نہیں ہیں۔ اپنی سوچ میں کشادگی پیدا کرو۔ دوسروں کو معاف کرنا سیکھو..... وہ جیسے بھی ہیں ہمارے اپنے ہیں۔ ہمیں اپنے رویوں میں لچک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔"

ابو اس کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں بولے تو وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"اس کی پوری بات تو سن لیں۔"

امی نے اس کی طرف داری کی تھی۔

"کیا سن لوں اس کی بات..... سنا ہے ناں کیا کہہ رہی ہے یہ..... ہر بار اسے سمجھایا ہے کہ جو وقت گزر گیا سو گزر گیا اس کی وجہ سے اپنا مستقبل کیوں داؤ پر لگا رہی ہے یہ۔ بھائی بھابی نے اپنا دل صاف کر کے ہماری دہلیز پار کی ہے۔ انہوں نے ہمارے اور اپنے درمیان حیثیت کے

فرق کو بھی نہیں دیکھا..... اتنی زمینیں ہیں بھائی صاحب کی۔ ماشاء اللہ اتنی بڑی حویلی ہے اُن کی اور چوپائے تو پورے گاؤں میں اُتنے کسی کے پاس نہیں جتنے اُن کے ہیں..... پھر بھی دیکھو ذرا تکبر نہیں اُن میں۔ کتنی عاجزی سے وہ رشتہ جوڑنے آئے۔ ہمارے پاس کیا ہے یہ 10 مرلے کا گھر اور ایک کنال زمین کا ٹکڑا بس.....؟ پھر بھی ہماری اکڑ بہت ہے۔ میں مانتا ہوں یہ دولت، جائیداد، پیسہ سب آنی جانی چیزیں ہیں پر اس کے ہونے اور نہ ہونے سے زندگیاں بہت متاثر ہوتی ہیں۔ لوگوں کے خون سفید ہو جاتے ہیں۔ بیٹا باپ کو نہیں پہچانتا جب دولت کا پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے تو سگے پرائے بن جاتے ہیں۔ پر میرے بھائی نے تو کتنے بڑے ظرف کا مظاہرہ کیا ہے۔"

ابو تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تیار ہی بیٹھے تھے۔ اس سے رہا نہ گیا۔

"ابو یہ بھی تو دیکھیں کہ وہ امیر کیسے ہوئے.....؟ دادا ابو کی آدھی جائیداد وہ اکیلے ہڑپ کر گئے ہیں اور ابھی بھی اُن کا دل نہیں بھرا..... آپ کی محنت سے کی گئی کمائی سے خریدی زمین اور اس گھر پر بھی اُن کی نظر ہے۔ اگر سچ میں ہی انہیں رشتوں کی اہمیت کا احساس ہو گیا ہے تو پھر چھوٹی پھپھو کی ارم کو مانگیں ناں..... وہ بھی تو اتنی پیاری ہے اور پڑھی ہوئی بھی ہے..... پر وہ اُسے نہیں مانگیں گے۔ پھپھو کے پاس تو جہیز دینے کی بھی توفیق نہیں ہے..... تبھی تو وہ ہمارے....."

پٹاخ.....!!!

ابو نے ہاتھ میں پکڑا کپ زمین پر پٹکا تھا اور اس کے ٹکڑے دُور تک لڑھکتے گئے تھے۔ یہ اُن کے غصے کا اظہار تھا۔ وہ اُٹھ کر چلے گئے جبکہ وہ بھول گئی کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اس سے بھی وہاں بیٹھا نہ گیا۔ اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

******

حنا کو اپنے مستقبل کی ناؤ مسلسل ڈانواں ڈول ہوتی دکھائی دے رہی تھی..... وہ اسے کسی صورت ڈوبتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تبریز سے اسے بچپن سے ہی چڑ تھی..... اور اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی شعور کی آگاہی نے اسے ناپسندیدگی میں بدل دیا تھا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا تبریز کو اپنے اردگرد پایا تھا۔ اکٹھے رہنے کی وجہ سے وہ اس کی تمام عادتوں سے واقف تھی۔ وہ شروع سے ہی اسے اپنی ملکیت سمجھتا آ رہا تھا۔ ہمیشہ اس پر حکم چلاتا۔ اور وہ بے چاری اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کے چکر میں ہمیشہ ہی اپنا نقصان کر لیا کرتی تھی۔ کسی کو بھی کام کے لئے منع نہ کرنے کی عادت اسے ماں سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور اسی بات کا فائدہ تبریز ہمیشہ اُٹھایا کرتا۔ کبھی وہ کہتا میری ریزرگم ہو گئی..... تم مجھے اپنی ریزردے دو اور وہ خاموشی سے اسے دے دیا کرتی..... کبھی سکول سے واپسی پر وہ اپنی کوئی کتاب نکال کر اس کے بیگ میں ڈال دیتا

اور وہ چپ چاپ اس کے حصے کا بھی بوجھ اٹھا لیتی...... کبھی وہ بڑی شان سے اسے اپنی ہوم ورک کی کاپی پکڑا کر کہتا...... حنا پہلے میرا ہوم ورک کر دو...... اور وہ کسی قسم کی حیل و حجت کیے بنا اپنی کاپی ایک طرف کر کے اس کی نوٹ بک پر لکھنے لگتی اور وہ اس کے پاس نوابوں کی طرح بیٹھا رہتا...... جب وہ اس کا سارا ہوم ورک مکمل کر دیتی تو وہ اسے شکریہ کہنے کی بجائے اس کی چوٹی کھینچ کر بھاگ جاتا اور وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگ کھڑی ہوتی...... اسی بھاگ دوڑ میں وہ اکثر اپنا ہوم ورک کرنا بھول جاتی...... جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ اسے سکول میں مار کھانی پڑتی۔ جب اس نے شعور کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو تائی ماں کی شکی طبیعت سے اسے ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا...... اس نے عام بچوں کے مقابلے میں بہت ہی محتاط بچپن گزارا تھا۔ اسے اپنے بچپن کے دن یاد آنے لگے...... آئے دن تائی ماں کوئی نہ کوئی ایسی بات ڈھونڈ لیتیں جس کو بنیاد بنا کر گھر میں خوب جھگڑا ہوتا اور آخر میں ہمیشہ اس سارے ہنگامے کا الزام امی پر ڈال دیا جاتا۔ اسے سب یاد تھا وہ کچھ نہیں بھولی تھی...... صرف اس آس پر اس نے خاموشی سے وہ دن گزارے تھے کہ ان کا مستقبل اس جہنم سے الگ ہی ہوگا اور اب جب وہ ان تمام بکھیڑوں سے دور اپنی دنیا میں مگن تھے تو تائی ماں سے یہ بھی برداشت نہ ہوا تھا۔ ایسا بالکل نہیں تھا کہ اسے رشتہ داری کا پاس نہ تھا یا وہ اپنے خاندان والوں سے نفرت کرتی تھی...... اس کی اس رشتے میں ناخوشی کی سب سے بڑی وجہ تائی ماں کا رویہ ہی تھا...... اسے اگر ایک فیصد بھی اس بات کا یقین ہوتا کہ تائی ماں جھگڑے کروانے کے اپنے پسندیدہ مشغلے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گی تو وہ شاید سوچتی بھی...... مگر اسے سو فیصد یقین تھا کہ تائی ماں کبھی نہیں بدلیں گی۔ اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ اس گھر میں جو عزت اس کے ماں باپ کی ہونی چاہئے تھی انہیں نہ کبھی پہلے ملی تھی اور نہ ہی آگے ملنے کا امکان تھا۔ وہ سوچتے سوچتے نجانے کب سو گئی اسے خبر بھی نہ ہوئی۔

"حنا۔ اٹھ جاؤ...... کالج نہیں جانا آج تم نے......؟"

امی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا تو اسے ہوش آیا۔ گھڑی پہ نظر پڑی تو وہ اچھل کر بستر سے نکلی۔

"اوہ...... اتنا وقت ہو گیا۔"

وہ جلدی سے تیار ہو کر باہر آئی۔

"ارے...ناشتہ تو کرتی جاؤ۔"

"نہیں امی مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ میں کالج میں کچھ کھا لوں گی۔"

اس نے عجلت کے عالم میں چادر اوڑھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور سنو۔ آج کالج سے جلدی آ جانا آدھی چھٹی لے کر۔ یاد ہے ناں آج مائیوں ہے۔ ہم سب

کو جانا ہوگا...... تیری پھپھو کے سسرال کا معاملہ ہے۔ اگر ہم نہ گئے تو اسے ہزار باتیں سنائیں گے وہ لوگ۔"

امی کی آواز نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا اور وہ جی اچھا کہتی چلی گئی۔ امی ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں۔ انہیں ہر وقت دوسروں کی ہی فکر رہتی اور ہر کسی کا خیال رکھتیں اور ان کی خوشی کے لئے سوچتیں مگر اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر وہ کیوں کوئی قدم نہیں اٹھا رہیں۔ وہ کالج بس میں بیٹھی سارا راستہ اسی طرح کی سوچوں میں گھری رہی۔ اس نے امی سے تو گھر جلدی آنے کا کہہ دیا تھا مگر اس کا شادی پر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہاں اس کے ددھیال کے سبھی لوگ مدعو تھے۔ تبریز بھی آیا ہوگا...... وہ تو پہلے ہی اتنی ہٹ دھرمی سے اس کے ساتھ پیش آتا تھا جیسے وہ اس کی غلام ہو...... اور اب تو ویسے بھی ان کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ ایسے حالات میں وہ کسی صورت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ اسے تقریبات میں جانا بہت پسند تھا...... اور شادیوں کی ساری رسومات وہ بہت انجوائے کیا کرتی تھی۔ مگر یہ ایسی واحد شادی تھی جس میں وہ شامل ہونا نہیں چاہتی تھی اور وجہ تھی تبریز کی وہاں موجودگی۔ اس نے کالج سے جلدی چھٹی نہیں لی تھی بلکہ اطمینان سے تمام کلاسز لے کر گھر آئی۔ امی ابو تیار بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"تم سے کہا تھا جلدی آ جانا۔"

امی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"وہ امی...... پیریڈز لیتے وقت کیسے گزر گیا خیال ہی نہیں رہا۔"

"اچھا بچے اب جلدی سے کھانا کھا لو اور تیار ہو جاؤ تاکہ ہمیں مزید دیر نہ ہو۔"

ابو نے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اسے شادی میں ساتھ لے جانے کی خوشی میں ان کے مابین ہونے والی تکرار کی ساری خفگی بھلائے بیٹھے ہیں۔

"جی ابو......!"

وہ بددلی سے حامی بھرتی باورچی خانہ میں آ گئی۔

"کیسے منع کروں ابو کو...... کیا بہانہ بناؤں...... یا اللہ کوئی ایسا معجزہ ہو جائے کہ مجھے شادی میں نہ جانا پڑے...... تنویر بھائی کی شادی ہی کینسل (Cancel) ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر میں اور کسی معجزے کی التجا نہیں کرتی۔"

وہ اپنی طرف سے بڑی عاجزی سے مانگی گئی اس دعا پر خود ہی ہنس دی۔

"تو...... پھر کیا کروں میں......؟"

وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی...... اس کی نظر ایک کونے میں پڑے پتھر کے بڑے سے

گلدان پر پڑی تو اس کے ذہن میں شادی میں نہ جانے کا ایک حل آیا..... کام تو تکلیف دہ تھا مگر مستقبل کی تکلیف سے زیادہ نہیں۔ سو وہ گلدان کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے گلدان کو زور لگا کر اپنی طرف اُلٹایا اور وہ پھولوں سمیت اس کے پاؤں پر آ گرا..... درد کی شدید لہر اس کے وجود میں دوڑی تھی۔ اس کی چیخ سے پورا گھر گونج گیا..... امی ابو بھاگتے ہوئے کچن میں آئے۔ وہ درد سے کراہ رہی تھی..... ابو نے وزنی پتھر کا گلدان اُٹھا کر اس کا پاؤں اس کے نیچے سے نکالا جو لہولہان تھا۔

''ارے حنا بیٹا یہ کیسے گر گیا.....؟''

امی اسے دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھیں۔ ابو نے اسے کمرے میں لے جا کر بیڈ پر بٹھایا اور فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔

''بچی کو بیرونی چوٹ زیادہ آئی ہے جس کی وجہ سے خون زیادہ بہا ہے..... ہڈی میں مائنر (Minor) سا فریکچر ہوا ہے ایک ہفتے کی بیڈ ریسٹ سے یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ بیٹا آپ نے پورا ایک ہفتہ چلنا بالکل نہیں ہے اور پاؤں کو زیادہ ہلانا جلانا بھی نہیں۔''

ڈاکٹر تو گویا اس کے کانوں میں رس میں گھلے شیریں الفاظ اُتار رہا تھا۔ بظاہر رونی صورت بنائے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی حنا کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے..... اس کا دل اب خوشی سے ناچنے کو چاہ رہا تھا۔

''اوہ..... بیٹا اب تم تو شادی پر نہیں جا سکو گی..... اور تمہیں اس حالت میں ہم کیسے چھوڑ کر چلے جائیں..... تمہاری پھپھو کے سسرال کا معاملہ ہے۔''

ابو کشمکش میں پڑ گئے تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں ابو..... ڈاکٹر نے کہا تو ہے کہ پاؤں ایک ہفتے میں بالکل ٹھیک ہو جائے گا..... اور رہی شادی کی بات تو آپ اور امی چلے جائیں۔ میں بھی ضرور جاتی مگر اب یہ.....''

حنا خوشی سے جھومتے دل کو چھپا کر چہرے پر دنیا جہان کی اُداسی سجائے ایسے کہہ رہی تھی جیسے اِسے شادی میں نہ جا سکنے پر دلی صدمہ پہنچا ہو۔ ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھتے کمرے سے نکل گئے تو امی اسے گھورنے لگیں۔ ''یہ کیا بیوقوفی کی حنا.....؟ تم نے جان بوجھ کر گلدان اپنے پاؤں پر گرایا.....؟''

''وہ تو شکر ہے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوا..... اگر زیادہ چوٹ لگ جاتی تو.....؟''

''م..... امی..... آپ کو..... کیسے پتا چلا.....؟'' وہ ہکلائی۔

''ماں ہوں تمہاری..... دو سال سے وہ گملہ وہیں پڑا ہے آج سے پہلے تو کبھی نہیں گرا۔''

''ارے واہ امی..... آپ تو بڑی جینئس ہیں۔ کس طرح فوراً آپ نے میری چوری پکڑ لی..... آپ کو تو سی آئی ڈی (CID) کی ٹیم کو جوائن کر لینا چاہیے۔''

حنا نے مسکراتے ہوئے ماں کو داد دی۔

''تم بھی کم جینئس نہیں ہو..... ٹوٹ جاتا ناں پاؤں تو لنگڑی ہو کر بیٹھی رہتی۔ پھر کبھی رشتہ لے کر نہ آتے تمہارے تایا تائی۔''

امی نے خفگی سے کہا تھا۔

''نہیں امی..... وہ پھر بھی آتے..... لنگڑی بہو بھی اگر 10 مرلے کا گھر اور ایک کنال زمین بمعہ جہیز لائے تو وہ ایسی بہو کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے۔''

امی نہایت پریشانی میں بھی اس کی بات سن کر مسکرا دیں۔ پھر امی ابو اسے ڈھیروں ہدایات دیتے چلے گئے۔ پڑوس کی شازیہ کو امی نے بلا کر اس کے پاس رہنے کو کہہ دیا تھا اور رات کو شازیہ کی امی آنٹی فردوس نے ان کے ہاں آ کر رہنے کی حامی بھر لی تھی۔

امی ابو مطمئن ہو کر چلے گئے۔

******

''انوشے یار چلو ناں..... بہت مزا آئے گا..... آریان بھی تو آ رہا ہے ہمارے ساتھ اور مجھے دیکھو تمہاری خاطر، صرف اور صرف تمہارے لیے میں نے مری جانے کا پروگرام بنایا ہے ورنہ تم تو جانتی ہو تمہارے بھائی سے ایک دن کی بھی دوری مجھ سے برداشت نہیں، کجا کہ اب پورا ایک ہفتہ انہیں دیکھ نہیں پاؤں گی۔''

مشی نے انتہائی بے ڈھنگے انداز میں افسردہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''تو مت کرو برداشت..... نہ جاؤ میرے بھائی سے دور..... میں تو کہہ رہی ہوں کہ یہ مری جانے کا پروگرام نہ بناؤ..... میرا بالکل دل نہیں کر رہا کہیں بھی جانے کا.....''

انوشے نے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتے ہوئے کہا..... اس کی بے قراری اور پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی..... اس علی نام کے شخص کا معمہ اسے پوری طرح اُلجھائے ہوئے تھا..... علی کی ممی کئی بار فون کر کے اس کے مما، پاپا کو اپنے گھر بلا چکی تھیں اور یہی بات اس کے لیے باعث تشویش تھی۔

اگلے ہفتے ان کے کالج کا ٹور مری جا رہا تھا..... آریان اور مشی بضد تھے کہ وہ جائیں گے اور انوشے کو بھی لازماً ان کے ساتھ جانا پڑے گا تاکہ وہاں کی دل موہ لینے والی خوبصورتی انوشے کے پیارے سے چہرے پر ٹھہر جانے والی اُداسی کو ختم کر سکے مگر اسے راضی کرنا کوئی

آسان کام نہ تھا۔

"السلام علیکم سر.....!"

سر ہارون درانی وہاں سے گزرے تو مشی نے فوراً سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!"

سر مسکرائے۔

"تو ٹور پر جانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں.....؟"

سر نے ایکسائیٹڈ سی مشی سے پوچھا تو اس نے افسردگی سے منہ لٹکائے بیٹھی انوشے کو دیکھا۔

"آہ۔ منصوبے..... ہماری خوشیوں کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ آ رہی ہے سر..... میرا تو دل کرتا ہے اُس کا جا کر گلا دبا دوں یا اپنے ہاتھوں سے زہر پلا دوں..... اس کی وجہ سے ہماری انوشے مری جانے سے انکاری ہے..... میرا بس چلے تو میں اس ع....."

"مشی..... مشی بس اس سے آگے کچھ مت بولو۔"

آریان نے فوراً مداخلت کر کے مشی کی بیچ اگلتی زبان کو روکا تھا جو نان سٹاپ چلتی ہی جا رہی تھی..... انوشے نے بھی مشی کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

"اُف! کیا کریں اس مشی کا..... ابھی یہ سر کو علی کے بارے میں بتا دیتی اور وہ نجانے کیا سمجھتے.....؟ وہ تو شکر ہوا آریان نے ٹوک دیا۔"

انوشے نے سکون کا گہرا سانس خارج کیا تھا۔

"کیوں.....؟ انوشے آپ نہیں جا رہیں.....؟ اور کس کی وجہ سے نہیں جائیں گی.....؟ مشی کس کی بات کر رہی ہیں.....؟"

سر ہارون نے تجسس سے کریدا تھا۔

"کسی کی وجہ سے نہیں سر..... میرا دل نہیں کر رہا جانے کو تو میں نہیں جا رہی۔"

انوشے نے روکھے لہجے میں کہا..... سر کا یوں پوچھنا اسے ناگوار گزرا تھا۔

"میری مرضی میں ٹرپ پر جاؤں یا نہ جاؤں اور وجہ جو بھی ہو میرا پرسنل معاملہ ہے۔ ضروری تو نہیں سر کو باخبر کیا جائے۔"

"سر!" مشی، انوشے کے دل کی ہی بات کر رہی تھی..... اسی دل کی وجہ سے تو وہ جانے سے انکار کر رہی ہے..... پر ہم اس کی مانیں گے اور نہ ہی اس کے دل کی..... انوشے مری ضرور جائے گی۔"

آریان نے مسکرا کر انوشے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جواباً انوشے نے غصے سے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ پرواہ کیے بنا اس کی طرف جھکتے ہوئے۔ گہری نما انداز

میں بولا:

"ہمارے ساتھ جاؤ گی تو یہ جو آج کل منہ پہ بم پھٹا رہتا ہے ناں اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔"

"کیا بکواس کر رہی تھی تم سر سے.....؟"

سر ہارون چلے گئے تو انوشے نے توپوں کا رخ مشی کی طرف موڑا تھا..... وہ گڑبڑا گئی۔

"اور تم آریان..... جب میں نے کہہ دیا کہ مجھے نہیں جانا تو پھر تم نے سر سے یہ کیوں کہا کہ میں ضرور جاؤں گی.....؟"

انوشے کو اب واقعی اس ٹاپک سے چڑ ہونے لگی تھی۔

"اگر میرا موڈ نہیں ہو رہا اس طرح کی کسی بھی قسم کی سیر و تفریح کا تو آپ دونوں مجھے زبردستی کیوں لے جانا چاہ رہے ہو.....؟"

آریان نے گہری نظروں سے اس کے اُکتائے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

"انوشے ہم جانتے ہیں تم پریشان ہو مگر یاریوں منہ پھلائے بیٹھے رہنے سے مسئلہ حل تو نہیں ہو جائے گا..... علی جو بھی ہے اُسے ایک نہ ایک دن سامنے آنا ہی ہے۔ تم صرف انتظار کرو، کہ کب وہ خود تم سے براہِ راست بات کرتا ہے.....؟ ایک ہی کالج میں ہوتے ہوئے آخر وہ کب تک خود کو چھپا پائے گا.....؟"

"ہاں انوشے! آریان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پر مجھے تو لگتا ہے وہ یہاں پڑھتا ہوگا اور اپنے گھر والوں سے جھوٹ کہلوایا کہ وہ یہاں لیکچرار ہے..... سبھی ڈیپارٹمنٹس میں جتنے بھی نئے اساتذہ آئے ہیں کسی کا بھی نام علی نہیں اور نہ ہی پرانے کسی لیکچرار کا۔"

مشی نے اپنی رائے دی تھی۔

"ہاں.....! یہ بھی ممکن ہے..... خیر جو بھی ہو انوشے ہم دونوں نے مری جانے کا پروگرام صرف اور صرف تمہارے لیے بنایا ہے۔ تم جانتی ہو میں فضول خرچی کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس طرح کی تفریحات افورڈ کر سکتا ہوں۔ مگر اس ٹور پر میں ضرور جانا چاہوں گا تم دونوں کے ساتھ..... یہ ہمارا آخری سال ہے اور ایک ساتھ کہیں جا کر موج مستی کرنے کا آخری موقع بھی، جسے میں ہرگز گنوانا نہیں چاہتا..... میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر بہتر محسوس کرو گی..... اور اُداسی کی گرد جو تم نے اپنی ذات پر جما رکھی ہے وہ صاف ہو جائے گی..... انوشے! بعض دفعہ خوش رہنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے..... ہر مرتبہ خوشی کو "وجہ" نصیب ہو جائے ایسا کب ہوتا ہے۔"

آریان کے لہجے میں نجانے کیا تھا، انوشے اور مشی دونوں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"آریان.....؟؟؟"

انوشے نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے پاؤں سے زمین پر لکیریں کھینچتے آریان کو ٹٹولتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پھر اُٹھ کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ صرف تم دونوں کے کہنے پر چل رہی ہوں۔"

انوشے نے بولے سے کہا تو وہ دونوں خوشی سے ٹمٹماتے چہروں سے مسکرا دیے۔

"بی بی جی!"

نازو نے اِس کا بازو ہلا کر آواز دی تو وہ چونکی۔

"ہاں۔ کیا بات ہے نازو.....؟"

انوشے نے گہرا سانس لے کر اُٹھتے ہوئے اُس سے پوچھا جواب نہایت حیرانی سے انوشے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے آپ کو اتنی آوازیں دیں مگر آپ نے ایک بھی نہیں سنی.....؟"

نازو کے پوچھنے پر انوشے نے بالوں کو ہاتھ سے سلجھایا اور اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟ آج سعد بابا بھی نہیں اُٹھے۔ جوگنگ پر بھی نہیں گئے..... آفس جانے کے آثار بھی کم ہی لگتے ہیں۔"

سوال پوچھ کر جواب جانے بنا ہی نازو نے پوری تفصیل سے ساری رُوداد سنا دی تھی۔

"اچھا تم جاؤ میں دیکھتی ہوں۔"

انوشے اُٹھ کر فریش ہونے چلی گئی۔ پیچ کر کے بالوں میں برش کر کے جب وہ سعد کے کمرے کی طرف آئی تو دروازہ لاکڈ نہیں تھا۔ اس نے بنا آواز کیے آہستہ سے کمرے میں جھانکا۔ سعد بیڈ کی بجائے دیوان پر نیم دراز تھا..... کمرے میں جانے کے لئے اِسے بہت زیادہ ہمت مجتمع کرنی پڑی۔ وہ چند ثانیے وہاں کھڑی رہی اُس بات کی یقین دہانی کرنے کے لئے کہ سعد سوئے ہوئے ہیں.....؟ ورنہ اُن کے جاگتے اس کمرے میں قدم دھرنا اُس کے لئے ممنوع ہی تھا۔ جب اِسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ وہ مکمل نیند کے خمار میں ہیں، اس نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ اس کے قریب ہی میز پر سلیپنگ پلز کی ڈبیا پڑی تھی اور پانی کا آدھا گلاس بھی۔

"اوہ..... تو موصوف نیند کی گولی کھا کر سوئے ہیں تبھی اب تک بے فکری کی نیند کا مزہ لیا جا رہا ہے۔"

انوشے کو جیسے ان کے نیند میں ہونے کا ثبوت مل گیا تھا اور اس کا دل جو سعد کے کسی بھی وقت اُٹھ جانے کے خوف سے زور و شور سے دھڑک رہا تھا وہ آہستہ آہستہ اپنے معمول پر

آنے لگا..... اس کی دھڑکن میں اب ایک عجیب سی لے شامل ہونے لگی تھی۔ وہ دیوان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہیں سعد کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

"شاندار وجاہت کا مالک یہ شخص میرا ہے..... جس کو دیکھ کر لڑکیاں مر مر جاتی ہیں۔ نجانے کتنی لڑکیوں کے دل دھڑکتے ہوں گے انہیں دیکھ کر مگر خدا نے اس شخص کو میرے نام کر دیا۔ میرا نصیب اس کے سنگ لکھ دیا۔ کون کہتا ہے کہ صرف صنفِ نازک ہی حسن و شباب کی مثال ہے اور شعر و شاعری کا اہم ترین موضوع بھی..... شعراء صنفِ نازک کی خوبصورتی کو بیان کرنے کے لئے گلاب کی پنکھڑیوں، جھیلوں، جھرنوں اور نجانے قدرت کی کن کن حسین تخلیقات کا سہارا لیتے ہیں..... اُردو ادب میں اعلیٰ سے اعلیٰ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں مگر بہت کم شاعری ایسی ہوگی جس کا مدار مرد کی ذات ہو..... اور وہ بھی مرد کی خوبصورتی کو موضوع بنانے کی بجائے اس کی بے وفائی پر لکھی ہوئی ملے گی۔ یا پھر اس ہرجائی سے دُوری یا اُس کی یاد میں بیتے ہوئے لمحوں کو عنوان بنایا گیا ہوگا..... اس وقت جو مکمل مردانہ وجاہت کا شاہکار شخص میری نگاہوں کے سامنے ہے کیا اس کے علاوہ بھی شعراء کو خوبصورتی پر غزل لکھنے کے لئے کچھ اور درکار ہو سکتا ہے.....؟؟؟"

انوشے سوئے ہوئے سعد کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اس نے سعد کی کشادہ پیشانی پر بکھرے بالوں کو دیکھا پھر جھک کر اپنے نازک ہاتھ سے انہیں سنوارا..... مگر وہ سعد کی طرح ہی ضدی تھے دوبارہ وہیں آ گئے۔ انوشے کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"سعد مجھے اس قدر عزیز ہو گئے ہیں کہ ان کی کوئی زیادتی مجھے زیادتی لگتی ہی نہیں۔ تلخ لہجہ، کڑوی باتیں، روکھا انداز یہ سب ایسے شاندار بندے کا حق ہو جیسے اور اس بات سے شاید سعد بخوبی آگاہ ہیں تبھی وہ اپنا حق سود سمیت وصول کیا کرتے ہیں اور بن رات میں مجھے ڈانٹنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔"

انوشے نے گہری ہوتی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبایا اور گھٹنوں کے بل قالین پر بیٹھ کر نرمی سے اس کے شوز اُتارنے لگی..... بڑی احتیاط سے اس نے سعد کی جرابیں اُتاریں..... اُن کے خوبصورت مردانہ پاؤں کو آہستہ سے چھوا۔

"یہ پاؤں میری مخالف سمت میں اُٹھتے ہوئے ہمیشہ ہی بہت چھرتی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں.....؟"

انوشے نے نظر بھر سعد کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے نجانے خود سے یہ سوال کیا

تھایا سعد سے۔ مگر اس کے لب خاموش ہی رہے تھے۔ وہ اُٹھ کر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

سعد کی آنکھیں جو اس کی توجہ کا مرکز تھیں، خود میں گہرے راز چھپائے پھرتی ہیں جیسے سمندروں کے سینے میں موجود سیپیاں اپنے اندر سیپ دبائے ہوتی ہیں جن تک پہنچ پانا ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

"نجانے میں کب ان کی آنکھوں میں چھپے رازوں سے واقف ہو پاؤں گی......؟ یا پھر ان کی گہرائی کو ماپ لینے کی خواہش حسرت بن کر ہمیشہ کے لئے مجھ میں دفن ہو جائے گی۔ اور میں یونہی اپنے گناہ سے انجان کسی ناکردہ غلطی کی سزا بھگتتی رہوں گی۔"

ایک اور سوال اس کے ذہن کی سکرین پر نمودار ہوا تھا مگر وہ بھی جواب نہ پا کر اُلجھن بن گیا تھا۔

خوبصورت عنابی ہونٹ خاموش تھے۔

ایک عجیب سی کشش، ایک انوکھا سا احساس تھا جو انوشے سعد کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ وہ اس کا شوہر تھا، جو اب اتنا محبوب ہو گیا تھا کہ وہ دیوانگی کی حد تک اس کی دیوانی تھی۔ قانونی و شرعی حق رکھتی تھی اس پر، وہ پورے کا پورا اس کا تھا صرف اور صرف اس کا......کئی بار اس کے دل نے خواہش کی کہ وہ اسے چھو ئے، اس کے لمس کو محسوس کرے، اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔ کئی بار دل نے اس کے قرب کی خاموش خواہش کی تھی۔ وہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ سعد کی قربت کا احساس کیسا ہے..؟ مگر وہ اسے موقع ہی کب دیتا تھا۔ ہر وقت منہ پھلائے اجنبی بنا رہتا۔ اپنا ہونے کا احساس ہی کب ہونے دیتا تھا......عجیب پرایوں جیسا سلوک روا رکھتا تھا اس سے، مگر اس وقت سویا ہوا اس قدر پیارا لگ رہا تھا کہ وہ اس کی تمام زیادتیاں اور تلخ باتیں بھول بھال گئی......اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ سعد میرے پاس ہیں۔ اور یہی احساس اسے بے اختیار کر گیا اور وہ خود کو ایک معصوم سی شرارت کرنے سے نہ روک پائی۔ ہولے سے جھکی اور ہاتھ سے ان کی پیشانی پر آئے بال پیچھے کر کے اپنے ہونٹوں سے ان کی پیشانی کو چھو لیا۔

یہ بے خودی میں لگائی گئی پہلی مہر تھی جو اس کی محبت کی عکاس تھی۔ وہ اپنی محبت کی شدتوں سے خود بھی ناواقف تھی......جنہیں سعد نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ اس کے لمس کو محسوس کر کے ہلکا سا کسمسایا۔ انوشے کا دل یکبارگی جیسے اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ وہ فوراً سیدھی ہو گئی۔

"اگر سعد جاگ گئے تو......تو اب کی بار وہ بنا کسی تاخیر کے مجھے اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیں گے کیونکہ ویسے تو وہ کئی بار مجھے کمرے سے نکال چکے ہیں اب صرف ایک یہی طریقہ بچا تھا اور

سعد سے بعید بھی نہ تھا وہ ایسا کر ہی گزریں۔"

وہ سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گئی۔ اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے کلاک کو دیکھا جسے سعد کچھ دن پہلے لائے تھے اور جلدی سے قدم اُٹھاتی اس طرف بڑھ گئی۔ چار منٹ بعد کا الارم لگایا اور اسی تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی سعد نے آنکھیں کھول دیں......وہ سویا نہیں تھا جاگ رہا تھا......جب انوشے نے کمرے کے اندر جھانکا تو اس نے آنکھیں موند لیں اور سونے کا تاثر دیا۔ نجانے کیوں وہ اسے کمرے میں آنے دینا چاہتا تھا......اگر انوشے کو بھنک بھی پڑ جاتی کہ وہ جاگ رہا ہے تو وہ کبھی اندر نہ آتی......سعد نے صرف اور صرف دل کی مانی تھی۔

جب اُس نے اپنے نازک ہاتھ سے اس کے بال سنوارتے، اس کے پاؤں کو چھوا تب اسے بالکل بھی غصہ نہیں آیا تھا اور نہ بُرا لگا بلکہ وہ نہایت دلچسپی سے اس کی ساری کارروائی سے محظوظ ہو رہا تھا اور بند آنکھوں سے سب محسوس کر رہا تھا......مگر جب اس کے نرم ہونٹوں نے پیشانی کو چھوا تو اس کا دل اس انداز سے دھڑکا کہ جیسے وہ اپنی دھڑکن کا شور اپنے کانوں سے سننے لگا ہو......اسے اس بات کا خوف ستانے لگا کہ اگر انوشے یونہی اس کے اتنے قریب رہی تو اس کی دھڑکن کی آواز اس تک بھی پہنچ جائے گی۔

اس ڈر سے وہ تھوڑا سا ہلا مگر پھر جی بھر کر پچھتایا......انوشے ذرا پیچھے ہٹ گئی......اور پھر مُڑ کر الارم لگا کر کمرے سے چلی گئی تھی......اس کے جاتے ہی سعد نے کھلی آنکھوں سے کمرے کو دیکھا جو اب خالی خالی لگنے لگا تھا۔ اسی کمرے کو چند ثانیے پہلے وہ بند آنکھوں سے بھرا بھرا اور پُر رونق محسوس کر رہا تھا مگر اب انوشے کے جاتے ہی ساری رونق جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ سعد نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنے ماتھے کو چھوا جہاں انوشے کے ہونٹوں کا لمس ابھی بھی دھک رہا تھا......اس کے دل کی دھڑکن ابھی تک اعتدال میں نہیں آ رہی تھی اور آتی بھی کیسے اس نے انوشے کے محبت بھرے لمس سے جن شدتوں کو محسوس کر لیا تھا اُن کا شاید خود انوشے کو بھی اندازہ نہ تھا۔

"کیا یہ لڑکی سچ میں مجھ سے اس حد تک محبت کرنے لگی ہے کہ میں سعد حسن رضوی اس کی بے قراریوں کو محسوس کرنے لگا ہوں......میرے دل کی دھڑکنیں یوں بے ترتیب ہو کر اُس کے تمام جذبوں کی سچائیوں کا اعتراف کرنے لگی ہیں۔"

سعد بے چین ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا......بیڈ پر آ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ٹیبل سے کلاک اُٹھا کر الارم بند کیا کیونکہ اُس کی اب ضرورت نہ تھی۔ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے وہ دوبارہ انوشے کے بارے میں سوچنے لگا......مگر دل جو انوشے کی محبت بھرے احساس کو محسوس کرنے میں مگن تھا اور

دماغ سے اپنی دشمنی کو وقتی طور پر بھلا چکا تھا..... اسی بات سے فائدہ اٹھا کر دماغ نے اپنا وار کیا جس سے دل بے چارہ بچ نہ سکا اور دماغ کے دیے گئے دلائل سے تڑپ کر رہ گیا۔

"مجھے اپنے دل کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بننا۔"

سعد نے جیسے خود کو باور کرایا تھا۔ وہ بار بار انوشے کے ہونٹوں کے محسوس ہوتے لمس کو ذہن سے جھٹکتا اُٹھ کر واش روم میں چلا آیا۔

******

انوشے ناشتہ بنا کر ڈائننگ ٹیبل پہ سجائے سعد کی منتظر تھی مگر کافی دیر تک جب وہ نہیں آئے تو وہ سیڑھیاں چڑھتی اُن کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دو مرتبہ دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو وہ اندر چلی آئی، کمرہ خالی تھا..... ڈریسنگ روم میں بھی سعد نظر نہ آئے البتہ واش روم کا دروازہ بند تھا..... وہ واپسی کے لئے مڑی مگر پھر ڈریسنگ ٹیبل پر نظر پڑتے ہی اس کے ذہن میں جھما کا ہوا..... وہ مسکرا کر اس طرف بڑھی۔

کافی دیر شاور لینے سے سعد فریش ہوا..... اس نے آفس جانے کا ارادہ کیا اور آف وائٹ تھری پیس نکال کر پہنا..... شوز پہن کر جب اُس نے ڈریسنگ مرر کی طرف نظر اُٹھائی تو چونک گیا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارے لگ رہے ہیں، اللہ نظر بد سے بچائے۔"

ڈارک براؤن روشنائی سے لکھا گیا یہ فقرہ سعد کو اپنی طرف متوجہ کر گیا۔

"یہ حرکت ضرور انوشے کی ہے..... اُف یہ لڑکی کبھی نہیں سدھرے گی۔"

انوشے کی اس بے ضرر معصوم سی شرارت پہ سعد لبوں پر در آنے والی بے اختیار مسکراہٹ کو روک نہ پایا تھا..... تبھی فون کی بیل ہوئی تو اس نے کال ریسو کی۔ مقابل کی آواز سنتے ہی اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے..... وہ ہونٹ بھینچے اسے سنتا رہا۔ فارغ ہو کر وہ خاموشی سے سیڑھیاں اُترتا ڈائننگ روم کی طرف آیا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں.....؟"

انوشے نے ڈائننگ روم میں آتے ہوئے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ سعد کا گلاس کی طرف بڑھتا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا اور نگاہیں جو ایک بار انوشے کی آواز پر اُٹھی تھیں دوبارہ جھکنا بھول گئیں۔ وہ آف وائٹ ساڑھی میں ملبوس ڈارک براؤن بلاؤز پہنے ہلکے ہلکے میک اَپ میں جیولری کے نام پر ایک سفید چمکتے دمکتے نگینے والا نازک سا پینڈنٹ پہنے قیامت ڈھا رہی تھی۔

"سعد بتائیں یہ ساڑھی جچ رہی ہے ناں مجھ پر.....؟"

اس نے اپنا پلو ہوا میں لہرا کر پوچھا تھا۔ سعد حسن رضوی اس چکاچوند سے چند پل کے لئے تو مبہوت سا رہ گیا۔ دعوت نظارہ دیتے لمبے بالوں سے نظریں چرا کر اس نے خود کو ناشتے کی طرف متوجہ کرنا چاہا تو انوشے نے اس کے پیچھے آ کر جھکتے ہوئے اس کے گلے میں اپنے بازو حمائل کر دیے۔

"مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں۔"

سعد کے کان کے قریب سرگوشی ہوئی تھی۔

"میں اب ہر پل آپ کے لئے یونہی بنی سنوری رہا کروں گی تا کہ آپ کی نظریں کسی اور نظارے کی طرف مائل ہو ہی نہ سکیں۔"

وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی مگر سعد تو اس کے کلون کی ہلکی ہلکی مسحور کن مہک ہی میں اُلجھا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے فون پر اس شخص سے ہونے والی گفتگو اس کے ذہن میں لفظ بہ لفظ گونجنے لگی تھی..... سعد نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ مجھے اِتنے اچھے لگتے ہیں کہ آپ کے بنا جینے کا تصور بھی میرے لیے سوہانِ روح ہے۔"

انوشے کی سرگوشی نے اس کے ذہن میں اُس شخص کی آواز کو جیسے چیرا تھا۔ ضبط کی آخری حدوں کو چھوتا سعد بمشکل خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔

"سعد میں آپ کی پسند کے سانچے میں ڈھل جانا چاہتی ہوں..... بالکل ویسی بن جانا چاہتی ہوں جیسی آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں..... تب آپ کو بھی مجھ سے محبت ہو جائے گی۔"

وہ بڑے ربط میں بول رہی تھی..... اس کے گال سعد کے گال سے چھوئے تو جیسے قیامت آ گئی۔ کم از کم انوشے کو تو ایسا ہی لگا تھا۔ سعد کا صبر جواب دے گیا تھا اور وہ اُبلتے ہوئے لاوے کی طرح پھٹ پڑا۔

"بس..... بند کرو تم اپنی بکواس..... کیا بدتمیزی ہے یہ.....؟"

سعد نے غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے اِسے ایک طرف کھڑا کر دیا۔

"اپنی حد میں رہنا سیکھ لو تم..... ایسی واہیات حرکتیں "میں" اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا..... سمجھی تم.....؟"

سعد حد سے زیادہ طیش کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ وہ کیا سمجھتی.....؟ بس ہکا بکا اُسے دیکھتی رہی۔ سعد ایک نظر بھی اس پر ڈالے بنا جھٹکے سے اُٹھا تو کرسی پیچھے کو لڑھک گئی۔ انوشے اسے جاتا دیکھ کر اس کی طرف لپکی اور اپنے نازک ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے روکتے ہوئے بولی۔

"سعد آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ بات کلیئر کر کے جائیں۔ آخر کیا کمی ہے مجھ میں……؟ آپ کیوں ہر وقت مجھ سے اُکھڑے اُکھڑے رہتے ہیں……؟ اور آپ کن واہیات حرکتوں کی بات کر رہے ہیں……؟ آپ میرے شوہر ہیں۔ اگر میں آپ کے قریب آتی ہوں تو اس میں واہیات کیا ہے……؟ آپ کو آج بتانا ہی پڑے گا کہ ایسا کیا راز، ایسی کیا رکاوٹ ہے جو آپ کو میرے قریب آنے سے روکے ہوئے ہے……؟"

انوشے نے آج ناؤ آر یا پار لگانے کا تہیہ کر لیا تھا…… جبکہ سعد اس کی ہمت پر حیرت زدہ تھا۔ اس کے نرم ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیکھ کر طنزیہ بولا۔

"ان ہاتھوں سے کتنے ہاتھ جکڑ چکی ہو اب تک……؟"

سعد کی شعلہ بار نگاہیں انوشے کے چہرے پر گڑی تھیں اور اسے اپنا پورا وجود جیسے آگ کی لپیٹ میں دہکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا…… اس کا سلگتا لہجہ زہریلے تیر کی طرح انوشے کے دل میں پیوست ہو گیا تھا…… وہ اس کی بات کا مطلب و مقصد تو سمجھ نہ پائی تھی مگر اس کے ہاتھوں کی گرفت سعد کے ہاتھ پر ڈھیلی پڑ گئی۔ سعد نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑاتا باہر چل دیا۔

"آج اگر سعد ایسے ہی چلے گئے تو مجھے اپنے گناہ کا کبھی علم نہیں ہو پائے گا۔ مجھے آج سچائی جاننی ہی ہے۔"

انوشے نے اُلٹے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے اور بھاگ کر سعد کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ اسے مجبوراً اپنے اُٹھتے ہوئے قدموں کو روکنا پڑا۔

"سعد کیا یہ شادی آپ کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے……؟"

انوشے نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے حوصلے سے پوچھا تھا۔ سعد خاموش رہا۔

"کیا آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں؟"

انوشے نے ایک اور سوال کیا تھا اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے باہر گالوں پر لڑھک آئے تھے…… سعد نے تڑپ کر اُسے دیکھا تھا۔

"محبت……؟ اگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانے کا نام محبت ہے تو ہاں یہ بے درد لفظ میری زندگی میں بھی شامل ہو چکا ہے…… مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ سعد حسن رضوی کے دل کی سب سے بڑی غلطی ہے جو وہ انوشے کبیر سے محبت کر بیٹھا ہے…… اور خود اپنی تباہی کا سامان اکٹھا کر رہا ہے…… اگر محبت آج تک سسّی پنوں، سوہنی ماہی وال، ہیر رانجھا، رومیو جولیٹ اور ایسے ہی

عظیم چاہنے والوں کو راس نہیں آئی تو پھر ایک سعد حسن رضوی کو بھی یہ محبت نگل جائے تو کیا فرق پڑے گا……" سعد نے اس سے نظریں چرا کر نکل جانا چاہا مگر اس نے اس بار بھی روکا تھا۔

"ہٹو میرے راستے سے۔"

سعد نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں…… میں آپ کو تب تک نہیں جانے دوں گی جب تک آپ مجھے بتا نہیں دیتے کہ میرا قصور کیا ہے…… آپ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہیں۔"

وہ ضدی لہجے میں بولی تھی…… سعد بس اسے دیکھ کر رہ گیا…… وہ رو رہی تھی اور اس کا ایک ایک آنسو جیسے سعد کو مجرم بناتا جا رہا تھا۔

"میں تھکتی جا رہی ہوں سعد…… مجھے آپ کی ضرورت ہے مگر آپ کا رویہ مجھے جینے نہیں دیتا…… آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں مگر میرا وجود ان کی چوٹوں سے چھلنی ہو جاتا ہے…… مجھے آپ کی زندگی میں زبردستی شامل کر دیا گیا ہے یا پھر مجھے لے کر کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں آپ……؟ میری اس اُلجھن کو سلجھا دیجیے سعد پلیز……!"

وہ روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں میرا راستہ چھوڑ دو…… کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے تم نے صبح صبح…… اور یہ سب تو تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے تم خود سے اجنبی ہو…… اپنے بارے میں ہر بات سے لاعلم ہو……؟ میں کچھ بھی دہرانا نہیں چاہتا…… ہٹو پیچھے……!"

سعد نے اسے ایک طرف جھٹکا اور خود آگے بڑھ گیا۔ انوشے اس کے پیچھے سے اسے لپٹ گئی۔

"میں ہمت ہار گئی ہوں سعد…… اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا…… آپ کی باتیں، آپ کی نفرت میں اور برداشت نہیں کر سکتی…… میرا دل پھٹ جائے گا کسی دن…… مجھے خود سے الگ مت رکھیں۔"

وہ اب شدت سے رو رہی تھی۔

"انوشے! میرے ضبط کو اتنا مت آزماؤ کہ میں کچھ غلط کر جاؤں یا وہ کہہ بیٹھوں جو میں اپنی زبان سے ادا نہیں کرنا چاہتا۔"

سعد نے اسے خود سے الگ کیا اور پلٹ کر اسے دونوں شانوں سے تھام کر بڑے تحمل و برداشت سے کہا تھا۔

"آپ کہیں سعد جو آپ کے دل و دماغ میں ہے…… ساری غلط فہمیاں دُور کریں…… یوں چپ رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صرف ہمارے درمیان دُوریاں بڑھتی جائیں گی اور میں اُس

وقت سے ڈرتی ہوں جب یہ فاصلے بڑھتے بڑھتے کبھی نہ ختم ہونے والے بنتے ویران صحرا مانند ہو جائیں اور ہم دونوں تنہا تنہا اس میں ہمیشہ کے لئے بھٹک جائیں اور پھر باوجود چاہنے کے بھی دوبارہ کبھی مل نہ پائیں۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔"

انوشے نے سعد کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ سعد نے اس کے ہاتھوں کو جھٹک دیا پھر سخت لہجے میں بولا۔

"کن فاصلوں کے بڑھ جانے سے ڈرتی ہو تم.....؟ ہمارے درمیان کبھی بھی ایسا کوئی تعلق نہیں رہا جو ہم دوریوں اور قربتوں کا حساب کتاب رکھیں۔ تمہارے ساتھ نہر کے دوسرے کنارے کی مانند چلنا تو میری مجبوری ہے مگر ایک بات تم بھی اپنے ذہن میں بٹھا لو..... کہ کشتی چاہے جتنے بھی چکر لگا لے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھر بھی وہ دونوں کو قریب نہیں لا سکتی اس لیے تم بھی یہ کوشش کرنا چھوڑ دو۔"

سعد نے دم سادھے کھڑی انوشے کے سازھی میں لپٹے سراپے پر ایک چبھتی نگاہ ڈالی پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"تم جیسیوں کے لئے مسجدوں جیسے گھر نہیں ہوتے بلکہ کوٹھوں پر بیچ سجائی جاتی ہے..... مجھے بعض دفعہ تم سے اس حد تک نفرت محسوس ہوتی ہے کہ میرا من کرتا ہے تمہیں فوراً سے پہلے اپنے گھر سے۔ اپنی زندگی سے نکال باہر کروں بالکل اسی طرح جیسے لاعلمی میں چلتے چلتے پاؤں میں چبھ جانے والے تکلیف دہ کانٹے کو نکال دیا جاتا ہے..... وقتی طور پر کچھ تکلیف تو ہوتی ہے پھر بعد میں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

الفاظ تھے یا کوئی بم، جو انوشے کے حواسوں پر پھٹا تھا..... اس کا من چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے..... اتنی ذلت، اتنی نفرت..... اس کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا اور ہونٹ خشک ہو کر سفید پڑنے لگے تھے..... آنکھیں حیرت و دکھ سے کھلی تھیں..... اور وہ ساکت سی ایک ٹک سعد کو تکے جا رہی تھی..... اس کی سماعتوں میں صرف ایک ہی جملے کی گونج تھی.....

"تم جیسیوں کے لئے مسجدوں جیسے گھر نہیں بلکہ کوٹھوں پر بیچ سجائی جاتی ہے۔"

وہ پتھر بنی کھڑی تھی..... سعد پل بھر کو اس کی حالت پر ٹھٹکا، پھر مزید ایک پل کی بھی تاخیر کیے بنا اس کے چہرے سے نظریں چراتا وہاں سے چلا گیا۔ اسے اپنے الفاظ کی حد سے زیادہ سنگینی اور بے دردی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ بلاشبہ اس نے بے حد سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا یہ سوچے بنا کہ مقابل پر اس کے الفاظ کیسی قیامت لے کر ٹوٹیں گے۔

انوشے کافی دیر ویسے ہی بے جان مجسمے کی طرح ساکت کھڑی رہی پھر یکدم ہی ریت

کی دیوار کی طرح ڈھے گئی۔ وہیں کارپیٹ پر میں ہی فرش پر بیٹھی اپنے حواس بحال کرنے کی تگ و دو کرنے لگی..... اس کا سر چکرانے لگا تھا اور ہر چیز اسے گردش میں محسوس ہونے لگی تھی بالکل اس کی اپنی زندگی کی طرح۔

"یہ..... یہ سعد کیا کچھ کہہ گئے ہیں..... اتنا سب سن لینے کے بعد بھی میں اب تک زندہ کیوں ہوں..... میری سانسیں ابھی تک رواں کیوں ہیں.....؟"

انوشے کی آنکھوں سے آنسو اب موتیوں کی لڑیاں بن بن کر گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔

"میں..... انوشے کبیر..... میں نے ہمیشہ خود کو سنبھال کر رکھا ہے، خیالات تک کو کسی غیر انسان کی سوچ سے آباد نہیں کیا۔ میرے تمام جذبے ان چھوئے ہیں..... میری چاہت، میری محبت سب پاکیزہ اور شفاف ہے..... اور اب مسز انوشے سعد بننے کے بعد میں نے یہ سب ایک امانت کی طرح سعد کو سونپا چاہا تو کیا گناہ کیا.....؟ مجھ سے ایسی کونسی کوتاہی ہو گئی میرے مالک! کہ میرا شوہر مجھے اخلاقیات کی بلندیوں سے ایسے گرا کر چلا گیا کہ میری عزتِ نفس، میری انا، میرا کردار تک ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگا ہے..... میرے اللہ.....! تُو تو واقفِ حال ہے..... میرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے..... مجھے حوصلہ دے کہ میں اپنے شوہر کی نظروں میں خود کو مقبول کر سکوں..... ان کے ذہن و دل میں جو شکوک و شبہات، جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کر سکوں..... میری مدد فرما میرے اللہ.....!"

انوشے نڈھال سی اپنے رب سے اپنا دربیان کرنے میں مصروف تھی..... بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ ہے۔ ہر چیز سے ہر بات سے واقف ہے مگر دکھ اور تکلیف کے عالم میں عاجزی اور انکساری کے ساتھ خدا سے اپنا حالِ دل کہنے میں جو سکون ہے وہ دنیا کی کسی اور جگہ کہاں.....؟

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی اپنے بندے کی آہ و زاری جس انداز میں سنتا ہے اگر انسان اس سے باخبر ہو جائے تو کبھی بھی اس دکھ سے نکلنے کی دعا نہ کرے..... ہمیشہ اسی کرب میں بلبلاتا رہے..... خدا کو اپنا حالِ دل سناتا رہے..... روتا رہے اور گڑگڑاتا رہے۔

******

فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی مگر ٹی وی پر لگی فلم کے ایک رومینٹک سین میں کھوئی شازیہ اُٹھنے کو تیار نہ تھی۔

"شازی اگر مجھ سے خود اُٹھا جاتا تو تمہیں قطعی زحمت نہ دیتی..... کب سے بیل ہو رہی ہے جا کر فون سیٹ یہاں میرے پاس لا کر رکھ دو تاکہ سین چھوٹ جانے کی تکلیف تمہیں بار بار نہ اُٹھانی پڑے۔"

حنا نے ملگجی سی شازیہ سے کہا تو وہ بُرے بُرے منہ بناتی فون اس کے پاس اُٹھا لائی۔

''السلام علیکم!''

اس نے ریسیور اُٹھا کر لاپرواہی سے کہا تھا۔

''تم شادی میں کیوں شریک نہیں ہوئی؟''

نہ سلام نہ سلام کا جواب۔ سیدھی مطلب کی بات۔ تبریز کے علاوہ کون ہو سکتا تھا..... حنا کا خون کھول اُٹھا۔

''میں نے پوچھا تم شادی میں کیوں نہیں آئی.....؟''

اس کی خاموشی مقابل کو تاؤ دلا رہی تھی۔

''تمہیں میرے خاموش رہنے پر غصہ آ رہا ہے یا میرے شادی میں نہ آنے پر.....؟''

حنا نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

''دونوں پر''۔

جواب حاضر تھا..... وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''اب بولو بھی۔''

تبریز کا لہجہ ضد لیے ہوئے تھا۔

''میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اس لیے میں نہیں آ سکی''

حنا نے اپنی طرف سے بات ختم کی تھی۔

''بتایا چاچا، چاچی نے مجھے۔ مگر تمہیں شادی میں ضرور آنا چاہیے تھا۔'' وہ بولا تھا۔

''واہ! سبحان اللہ۔''

حنا نے تلخی سے سوچا۔

''میں یہاں پاؤں تڑوا کر بیٹھی ہوئی ہوں اور موصوف کو ابھی بھی مجھے شادی میں بلوانے کی پڑی ہے۔ میں اگر لنگڑی بھی ہو جاتی تب بھی اُسے کہاں پرواہ ہوتی تھی۔''

''میں اپنی منگیتر سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں۔ دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں اور تم ہو کہ چوٹ لگوا کر گھر پر بیٹھی ہوئی ہو۔''

وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

''منگیتر نہیں ہوں میں تمہاری۔''

وہ غرائی تھی۔ حنا کو اس کا یوں اتنے دھڑلے سے اسے اپنی منگیتر کہنا تاؤ دلا گیا۔

''نہیں ہو تو ہو جاؤ گی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑے پُرسکون انداز میں جواب آیا تھا۔ وہ کھول کر رہ گئی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا..... سنا تم نے.....؟''

حنا غصے سے بولی تھی۔

''نہیں..... تم سنو..... ایسا بہت جلد ہوگا۔ ایک بات اور..... تم نے آج مائیوں مہندی کا فنکشن تو برباد کر ہی دیا۔ اس کے لئے میں تمہیں معاف کرتا ہوں مگر صبح تمہیں ہر حال میں شادی والے گھر پہنچنا ہے۔ سمجھی تم..... مائی ڈیئر کزن.....؟''

وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس پر اپنا حق جتاتا رعب جماتا اسے زہر لگ رہا تھا۔

''ہاں..... کیوں نہیں..... ایک عدد وہیل چیئر اور دو عدد بیساکھیوں کا انتظام کروا کر ایمبولینس سمیت بھیج دینا..... میں آ جاؤں گی۔''

حنا نے چڑ کر کہا اور غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''ہونہہ..... پتا نہیں اس گھونچو میں ابو کو نظر کیا آتا ہے۔ صرف شکل ہی تو کافی نہیں ہوتی عقل کی بھی تو ضرورت پڑتی ہے کبھی کبھی۔''

وہ غصے سے پیچ و تاب کھاتی بڑبڑا رہی تھی۔

''کس کا فون تھا حنا.....؟''

سین ختم ہوا تو شازی نے اس کے غصے سے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

''تمہیں کیا..... تم دیکھو اپنے پسندیدہ عمران ہاشمی کا وحشیانہ رومانس۔''

''اب ایسا تو مت کہو۔''

شازی کو اپنے پسندیدہ ہیرو کے بارے میں حنا کا یہ تبصرہ قطعی نہ بھایا تھا۔

''ایسا نہ کہوں تو پھر کیسا کہوں.....؟ وہ جانوروں کی طرح ہی تو.....''

''اچھا..... بس بس..... تم نہیں بتانا چاہتی تو مت بتاؤ کہ کس کا فون تھا مگر عمران ہاشمی کے بارے میں میں ایک بھی بُرا لفظ نہیں سنوں گی..... وہ تو اپنی ہیروئن سے اتنا پیار کرتا ہے کہ پوچھو ہی مت۔''

شازی کو وہ کچھ زیادہ ہی پسند تھا۔

''ہاں۔ اتنا پیار کا سین کرنا بھی تو ہمت والیوں کا کام ہے۔''

حنا نے اب جان بوجھ کر اسے چڑانے کے لئے کہا تھا۔ جواباً وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

ابو باوجود کوشش کے بھی شام تک واپس نہ آ سکے۔ امی نے فون پر شازی کی ماں ''خالہ فردوس'' کو اس کے پاس آ کر سونے کو کہہ دیا۔

''تم تسلی رکھو بہن اور شادی کا مزہ لو..... میں اور شازیہ حنا کے پاس..

!ادھر کی فکر چھوڑ دو۔"

فردوس خالہ نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔ انہوں نے مطمئن ہو کر فون رکھ دیا۔ صبح شازی اپنے گھر سے ہی اس کے لئے ناشتہ لے آئی۔

"شازی میرا کوئی سوٹ تو نکال دو۔ کل سے یونیفارم میں ہی ہوں۔ ابھی ڈاکٹر راؤنڈ چیک کرنے آ جائے گا..... اس سے پہلے میں کپڑے تبدیل کرلوں۔"

حنا نے برتن سمیٹتی شازی سے کہا تھا۔ کپڑے بدلوانے کے بعد شازی اس کے بالوں میں برش کرنے لگی۔

"ماشاء اللہ حنا..... تمہارے بال پہلے سے زیادہ بھاری ہو گئے ہیں..... تم بڑی قسمت والی ہو جو تمہارے بال اتنے پیارے اور لمبے ہیں۔"

شازی ہمیشہ سے اُس کے بالوں پر فدا تھی۔ وہ اس کے بالوں کی چٹیا بنا کر اس کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھتی ہوئی بولی:

"تم دلہن بن کر کتنی پیاری لگو گی....."

"تمہیں مجھ پر اتنا پیار کیوں آ رہا ہے.....؟"

حنا مسکرا کر بولی تھی۔

"پیار تو مجھے تب سے آتا ہے تم پر جب سے تم لوگ یہاں ہمارے ہاجرہ میں شفٹ ہوئے ہو۔ ایمان سے اگر میرا بھائی چھوٹا نہ ہوتا تو تمہیں ہی میں اپنی بھابھی بناتی۔"

شازی کے کہنے پر حنا ہنس دی۔

****

سعد انوشے کو انتہائی بے دردی سے سب سنا تو آیا تھا مگر اب اُس کا دل تڑپ رہا تھا۔ جو نشتر اس نے انوشے کے دل میں اُتارے تھے اُن کا درد وہ خود محسوس کر رہا تھا۔

"میں کیسے اس لڑکی کو اتنی اذیت میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جو میری پہلی محبت بن چکی ہے۔"

"پہلی محبت.....؟"

اِس نے جیسے خود سے ہی پوچھا تھا۔

"ہاں..... ! میں سعد حسن رضوی آج بقائمی ہوش و حواس یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے انوشے سے محبت ہے..... یقیناً یہ کوئی حیرت انگیز انکشاف نہیں مگر حیران کن حقیقت یہ ہے کہ بیک وقت مجھے انوشے سے اس قدر شدید نفرت بھی ہے کہ اُس کا وجود مجھے اپنے گھر میں برداشت نہیں ہوتا..... کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں کہ ایک ہی لڑکی سے مجھے محبت بھی ہے اور نفرت بھی۔ اور دونوں

مخالف جذبے اپنی تمام تر سچائیوں سمیت مجھ پر حاوی ہوتے ہیں..... اور میں دونوں صورتوں میں بے بس ہو جاتا ہوں۔"

سعد گھر سے تو نکل آیا تھا مگر آفس جانے کو اس کا اب بالکل ہی دل نہیں کر رہا تھا..... مگر آج وہ چھٹی نہیں کرنا چاہتا تھا..... کام کا پہلے ہی کافی ہرج ہو چکا تھا۔ وہ بادلِ نخواستہ آفس آیا اور پچھلے تمام ہفتے کے ریکارڈز چیک کرنے لگا۔ جلد ہی وہ مصروف ہو گیا اور انہماک سے فائلز کی سٹڈی کرنے لگا۔ فائلز کا کام ختم ہوا تو اسے بھوک کا احساس ستانے لگا۔ کل رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھی ایک بج گیا تھا۔ اس نے لنچ آفس میں ہی منگوا لیا..... ابھی وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ سیکرٹری ایک پیکٹ لیے اندر آیا۔

"سر یہ آپ کے لئے کوریئر آیا ہے۔"

"کس نے بھجوایا ہے.....؟"

سعد نے پیکٹ پکڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"معلوم نہیں سر..... ایک آدمی آیا تھا لے کر، میں نے پوچھا تو کہنے لگا کہ تمہارے سر کا خیر خواہ ہوں۔"

"اوکے۔ یو مے گو۔" (OK. You may go.)

سیکرٹری کے جاتے ہی سعد نے وہ لفافہ کھولا۔

پل بھر کے لئے تو اس کی پوری کی پوری دنیا ہی گھوم گئی تھی۔ تبھی اس کے موبائل کی بیپ بجی۔ اس نے بمشکل خود کو نارمل کرتے ہوئے کال ریسیو کی۔

"کہیں سعد صاحب..... کیسی لگیں تصاویر.....؟ کیسرے کا رزلٹ کافی اچھا ہے ناں.....؟"

وہ اپنی بات کے اختتام پر اپنا مخصوص بے ہودہ قہقہہ لگانا نہیں بھولا تھا۔

"یہ..... تصاویر تم نے کر گئے ہو.....؟"

سعد نے ضبط کے عالم میں پوچھا تھا..... ہاتھ میں پکڑی تصاویر کو اس نے میز پر رکھ دیا..... مگر نظریں بدستور انہی پر مرکوز تھیں۔

"ہاں جی..... میں نے سوچا کہ کہیں آپ مجھے جھوٹا ہی نہ سمجھتے ہوں اسی لیے اپنی سچائی کا ایک چھوٹا سا ثبوت آپ تک پہنچا ہی دوں۔"

اس نے دوبارہ قہقہہ لگایا تھا۔

"یہ تصاویر تمہارے پاس کیسے آئیں.....؟"

سعد کو اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ آم کھائیں..... پیڑ کیوں گنتے ہیں.....؟ ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ آپ کی

مسز کی تصاویر بہت پیاری آتی ہیں....."

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔(Shut up. Just shut up!)"

سعد بے اختیار چلایا تھا۔ مقابل سے دوبارہ قہقہے کی آواز ابھری تو اس نے موبائل سامنے دیوار پر پٹخ دیا۔

"اینی پرابلم سر.....؟"(Any problem, Sir.)

شور کی آواز سن کر سیکرٹری بھاگتا آیا.....اُس نے سعد کے غصے سے سُرخ اور عجب سی توڑ پھوڑ کے عکاس چہرے کو دیکھتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔ سعد نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کمر پیچھے کرسی کی بیک سے ٹکا دی۔

"سر.....؟"

"وِل یو لیو می الون.....؟"(Will you leave me alone.)

سیکرٹری نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سعد نے آنکھیں کھول کر بڑے درشت انداز میں اُسے مزید کچھ پوچھنے کا موقع دیے بنا کہا تو وہ خاموش ہو کر چند ثانیے پریشانی کے عالم میں سعد کو دیکھتا رہا پھر جھک کر فرش پر بکھرے پڑے موبائل کو اٹھایا اور سعد کی میز پر رکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ وہ تین سال سے سعد کے سیکرٹری کے طور پر کام کر رہا تھا مگر آج جتنا پریشان اور الجھا الجھا اُس نے انہیں پایا تھا اس بات نے اُسے بھی پریشان کر دیا تھا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب کمپیوٹرائز کیا گیا ہو۔ آج کے دور میں کیا ممکن نہیں۔"

سعد کے وِل نے ایک صفائی دی تھی۔

سب کچھ جانتے ہوئے بھی وِل مانا نہ تھا۔

نجانے ہم اعتبار کے کس مرحلے میں تھے۔

سعد نے دوبارہ اُن تصاویر کو اٹھایا اور ایک ایک کر کے دیکھنے لگا۔ اچانک ایک تصویر پر وہ ٹھٹکا تھا۔ انوشے کے بائیں ہاتھ پر تل کا نشان تھا جو اس تصویر میں نمایاں ہو رہا تھا۔

"تو.....یہ سب تصاویر کوئی فراڈ نہیں ہیں بلکہ انوشے کی اصلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔"

سعد نے بے یقینی کے عالم میں زیرِ لب کہا تھا.....جیسے خود کو باور کرا رہا ہو۔

"کاش میں سچائی جان جانے کی خواہش ہی نہ کرتا۔"

بے چینی سے اس نے ساری تصاویر کو لفافے میں ڈالا اور دراز میں رکھ کر لاک کر دیا۔ میز سے گاڑی کی چابیاں اور کرسی کی بیک سے کوٹ اُٹھاتا وہ آفس سے باہر نکل آیا۔ سیکرٹری اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں جا رہا ہوں تم سب سنبھال لینا.....اور آج کی تمام میٹنگز کینسل کر دو۔"

"او کے سر.....مگر ایک میٹنگ آپ کی مسٹر کاشان اوبرائے کے ساتھ متوقع ہے۔ میں نے بتایا تھا ناں آپ کو کہ مسٹر کاشان اوبرائے ایک بہت ہی بڑی لیدر میڈ پروڈکٹس کے ایمپائر کے مالک ہیں.....انگلینڈ، ہانگ کانگ، دبئی اور انڈیا سے لیدر کی چیزیں امپورٹ کرتے ہیں۔ بڑی کامیابی سے اپنا بزنس کر رہے ہیں.....مگر اب پاکستان آئے ہیں۔ وہ پاکستان میں بننے والی لیدر جیکٹس اور بیگز کو بہت پسند کرتے ہیں اور اسی سلسلے میں وہ یہاں کی لیدر گارمنٹس فرمز کا وزٹ بھی کر چکے ہیں.....ہمارے سٹینڈرڈ سے وہ کافی امپریس ہیں.....پوری ہسٹری (Histry) کھنگال چکے ہیں اور ہماری کامیابیاں اور کام دونوں نے ہی انہیں مجبور کر دیا کہ انہوں نے خود رابطہ کر کے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اگر وہ ہمارے کام کرنے کے طریقے اور ڈیزائنز سے مطمئن (Satisfied) ہوئے تو کئی کروڑ کا آرڈر مل سکتا ہے۔"

سعد کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ تفصیلاً بتا رہا تھا۔

"او کے۔ میٹنگ کب ہے.....؟"

سعد نے گاڑی تک پہنچ کر پوچھا تھا۔

"ہو سکتا ہے کل یا پھر آج ہی.....مسٹر کاشان کا سیکرٹری فون کر کے انفارم کرے گا۔ یہ کچھ فائلز ہیں، میٹنگ سے پہلے آپ انہیں سٹڈی کر لیں۔"

سیکرٹری نے اپنے ہاتھ میں تھامی فائلز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے.....تم انہیں گاڑی میں رکھ دو میں گھر جا کر دیکھ لوں گا۔"

سعد نے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھتے ہوئے بڑے کاروباری انداز میں کہا تھا۔ سیکرٹری نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر فائلز سعد کے مقابل رکھ دیں۔

سعد نے معروف سے انداز میں گلاسز لگائے اور سیکرٹری کے Good bye کہنے پر سر ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

****

وہ وقت گزاری کے لئے کتاب پڑھ رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تو وہ سمجھی شازیہ آ گئی ہے جو ایک گھنٹہ پہلے کسی کام سے اپنے گھر گئی تھی۔

"تمہیں دستک دے کر آنے کی کیا ضرورت ہے.....آ جاؤ.....!!"

وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بنا بولی تھی۔ آنے والے نے بڑی خاموشی سے اندر قدم رکھا تھا۔

"کیا ہوا شازی تم گھر سے چپ شاہ کا روزہ رکھ کر آئی....."

حنا نے کچھ دیر اُس کے بولنے کا انتظار کیا۔ پھر نظر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا تو باقی بات مکمل کرنا بھول گئی۔ سامنے ہی مسکراتا ہوا تبریز کھڑا تھا۔

''میں کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

حنا نے اپنے ہاتھ پر خود ہی چٹکی لی تھی۔

''کیسی ہو تم ڈیئر کزن.....؟''

وہ بڑی دلچسپی سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

حنا کو اس کی نظر خود پر چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''تم.....؟ تم یہاں کیوں آئے ہو.....؟ اور میرے کمرے میں یوں منہ اٹھائے چلے آنے کا حق کس نے دیا ہے تمہیں.....؟''

وہ دانت پیستی ہوئی ناگواری سے بولی تھی۔

''ابھی ابھی تم نے ہی تو کہا کہ'' مجھے دستک دے کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔''

وہ تفاخر سے مسکرایا۔ اور اس کی یہی مسکراہٹ حنا کو زہر لگ رہی تھی۔

''ویسے میں اکیلا نہیں آیا تمہاری ہونے والی نند بھی آئی ہے اُسے میں نے باہر لاؤنج میں بٹھا دیا ہے اور تمہاری پیاری دوست شازیہ اُس کو کمپنی دے رہی ہے۔''

وہ جیسے اپنا بہت بڑا کارنامہ اُس کے گوش گزار کر رہا تھا۔

''تو خود بھی وہیں بیٹھے رہتے ناں..... میرے کمرے میں آنے کی تکلیف کیوں کی۔''

حنا کی زبان پھسلی تھی۔ تبریز اس کے سرد الفاظ اور برف لہجے پر ٹھٹکا پھر سر جھٹک کر چند قدم چلا اور کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

اس کی اس حرکت پر حنا کی سانسیں تھمنے لگیں..... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ جبکہ وہ بڑی گہری نظروں سے اُسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ حنا کو کوفت ہونے لگی۔

''آ..... آج تو بارات تھی ناں تو تم لوگ یہاں کیسے.....؟''

حنا نے اُس کی نظروں سے بچنے کے لئے اُس کا دھیان بٹانے کو کہا تھا۔

''آہ..... بارات''

تبریز نے گہرا سانس لیتے ہوئے آہ بھری۔

''بارات تو ہے آج مگر میری دلہن تو یہاں تھی اسی لیے میں چاچا چاچی سے اجازت لے کر یہاں چلا آیا..... چونکہ بارات اسی شہر آنی تھی اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ جب بارات واپس جائے گی ہم بھی چلے جائیں گے..... کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ ہم کہاں گئے تھے۔''

''کیا.....؟ کہا تم نے..... تم ابو کی اجازت سے یہاں آئے ہو.....؟''

حنا نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔ تبریز نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ پاس پڑا فون بج اٹھا۔ حنا نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

ابو کی ہشاش بشاش آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''ٹھیک ہوں ابو.....''

''جی! وہ دونوں پہنچ گئے ہیں۔''

اس نے دو چار رسمی باتوں کے بعد ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''ابو کو اپنے بھتیجے پر کچھ زیادہ ہی اعتبار ہے۔ خواہ مخواہ اُسے یہاں آنے کی اجازت دے دی..... اس سے اچھا تو میں شادی میں ہی چلی جاتی..... کم از کم ایک جگہ بیٹھ کر اسے برداشت تو نہ کرنا پڑتا۔ ابو کا بھی کیا قصور..... ساری غلطی تو میری ہے۔ یہ خیال میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا کہ وہ یہاں بھی آ سکتا ہے۔ اس کا یہاں آنا ممنوع نہیں ہے۔''

وہ خود کو دل ہی دل میں کوستی حالت مجبوری میں وہاں بیٹھی تھی۔ بیڈ کی نوک سے کمر ٹکائے ٹانگوں پر کمبل لیے وہ گود میں رکھے ہاتھوں کو آپس میں مسلتی ہوئی اس کی خود پر جمی نظروں پر کوفت زدہ تھی۔ تبریز دلچسپی سے اُس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

خوبصورت مخروطی انگلیوں والے نازک ہاتھ اب اُس کی توجہ کا مرکز تھے۔ وہ کئی پل انہیں دلچسپی سے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اُس کے متحرک ہاتھوں پر رکھ کر ان کو ساکن کر دیا۔ حنا کو لگا جیسے اُس کے ہاتھوں پر انگارہ آ گیا ہو۔ اُس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے ہاتھوں کو اس کے مضبوط ہاتھ کے نیچے سے نکالنا چاہا مگر تبریز کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''تبریز یہ کیا بدتمیزی ہے..... چھوڑو میرے ہاتھ.....''

''میں نے ایک ہاتھ سے پکڑے ہیں تمہارے دونوں ہاتھ..... چھڑوا سکتی ہو تو چھڑوا لو۔''

وہ شوخ انداز میں اُس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اُسے چیلنج کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی..... جس سے خوفزدہ ہو کر وہ نظریں چرا گئی۔

''ہائے..... تمہاری حیا..... میں بچپن سے ہی دیوانہ ہوں تمہاری ان اداؤں کا..... اور تمہارے یہ بال ہمیشہ میرے حواسوں پر چھائے رہتے ہیں۔ ان لمبے خوبصورت بالوں کی چھاؤں پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔''

وہ دوسرے ہاتھ سے اُس کے ماتھے پر آئی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے بولا تھا۔

''شٹ اَپ..... بند کرو تم اپنی یہ بکواس..... میرے ہاتھ چھوڑو..... اور جاؤ یہاں سے..... تمہارا

"مجھ پر کوئی حق نہیں ہے...... سمجھے تم......؟"

وہ اس کی اتنی ہمت پر غصے سے چلائی تھی...... وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے تم سے محبت ہے حنا...... یا شاید محبت نہیں عشق ہے مجھے تم سے۔"

حنا نے اسے دیکھا وہ واقعی بہت سنجیدہ تھا...... چند لمحات پہلے والی شوخی ندارد تھی۔

"مجھے تم اس حد تک عزیز ہو کہ تمہاری ساری کڑوی باتیں، تمہارا بدتمیزانہ رویہ، ساری خفگی، میں ہنس کر ٹال جاتا ہوں، مگر مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی ہے جب تم میری محبت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی...... کبھی محسوس کرنے کی کوشش تو کرو......"

وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ حنا کے ہاتھ جو اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکلنے کی مسلسل کوشش میں تھے...... تھم سے گئے۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں...... میری ہمیشہ سے ایک ہی خواہش تھی کہ میں تمہارے ان خوبصورت ہاتھوں کی ایک لکیر بن جاؤں...... تمہاری قسمت بن جاؤں، تمہارا مقدر ہو جاؤں......"

وہ اپنے ہاتھوں میں اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں سیدھی کر کے لکیروں میں کہیں گم تھا۔

"تم مجھے بچپن سے ہی بہت پسند ہو...... جب میرے دوست مجھے کہتے کہ تمہارے چچا کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ ہمارے چچاؤں کی بیٹیاں اتنی پیاری کیوں نہیں تو مجھے بڑا فخر محسوس ہوا کرتا۔ میں تم سے اپنا ہوم ورک اس لیے کروایا کرتا تھا تاکہ میں پاس بیٹھ کر تمہیں دیکھ سکوں۔ تم لکھنے میں مصروف ہوتی اور میں تمہارے ہاتھوں کی حرکت میں کھویا رہتا...... یہ سب ایسے ہی چلتا رہتا اگر چاچا جی شہر نہ آ جاتے۔"

وہ چند ثانیے خاموش رہا پھر گویا ہوا۔

"میں نے تمہاری کتنی شدت سے خواہش کی ہے، تمہیں بتانے سے قاصر ہوں۔ میری بہت تگ و دو کے بعد امی ابو نے اس رشتے پر رضامندی ظاہر کی...... اب مجھے منزل قریب محسوس ہونے لگی ہے تو میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا...... مگر تم...... نجانے کیوں ہر وقت مجھ سے اکھڑی اکھڑی رہتی ہو...... میں تمہارے حصول کے لئے دُنیا سے تو لڑ سکتا ہوں...... تم سے کیسے لڑوں حنا......؟"

وہ حنا کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے بولا تھا۔ حنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے۔

"ایک بات میں تم پر واضح کر دوں حنا...... اگر تمہیں پانے کے لئے مجھے تم سے بھی لڑنا پڑا تو میں لڑوں گا...... میرا بس چلے تو میں تمہیں خود میں کہیں مقید کر لوں تاکہ میرے علاوہ کوئی اور تمہیں نہ

دیکھ سکے نہ چھو سکے۔"

وہ اس کے ہاتھ چھوڑ کر دانستہ کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بولا تھا۔

"میں تم پر اپنی مرضی تھوپنا نہیں چاہتا...... میری تم سے ایک ہی گزارش ہے خود کو مجھ سے دور مت کرنا......"

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے...... مجھے صرف یہ آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ چہرہ چاہئے۔"

وہ کھوئے ہوئے انداز میں اس کے نقش دیکھتے ہوئے بولتا حنا کو ابنارمل لگ رہا تھا۔

"اس کے دماغ کی چولیں حقیقت میں ہلی ہوئی ہیں تبھی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اُف میرے خدا...... اس فلمی ہیرو سے میں کیسے جان چھڑاؤں......؟"

حنا اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھتی دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب ہوئی تھی۔ تبریز کب سے خاموش ہو چکا تھا مگر وہ اب بھی غائب دماغی سے اسی طرح بیٹھی تھی جیسے نہایت غور سے اس کی باتیں سن رہی ہو۔

تبریز کو وہ بچپن والی حنا ہی لگی جو دھیان سے سن رہی ہو کہ اسے اس کا کتنا ہوم ورک کرنا ہے۔ بچپن کی یاد نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلا دی تھی...... اسے حنا پر جی بھر کر پیار آیا۔ "پگلی...... ابھی تک ویسی ہی ہے...... بالکل نہیں بدلی۔ لیکچرشپ کر لینے سے انسان بدل تو نہیں جاتا۔"

وہ ابھی تک ویسے ہی بیٹھی تھی جیسے بچپن میں بیٹھا کرتی تھی۔ وہ بھی بچپن والا تبریز ہی بن گیا۔ اس کے ماتھے پر دوبارہ آ جانے والی لٹ کو کھینچ کر بھاگنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا...... اور حنا بھی چونک کر بچپن کی طرح بنا سوچے سمجھے "تبریز کے بچے" چلاتی اس کو پکڑنے لپکی تو ہڈی کی ٹیس جیسے اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ جو شاید اس بات کی یاد دہانی تھی کہ وہ دونوں بچپن سے نکل آئے ہیں...... اب بڑے ہو گئے ہیں۔ تبریز جو اتنے سالوں بعد بچپن کی اس شرارت کو دہراتے ہوئے بے حد خوش تھا، اس کی تکلیف پر واپس اس کے پاس چلا آیا۔

"معاف کرو یار...... میرے بالکل ذہن سے ہی نکل گیا کہ تمہیں چوٹ لگی ہے اور تم اب پہلے کی طرح میرے پیچھے نہیں بھاگ سکتی...... مجھے دھیان نہیں رہا مگر تمہیں تو خیال رکھنا چاہئے تھا۔"

وہ پریشانی میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ جو درد کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی تھی۔

"زیادہ دُکھ گیا ہے......؟ میں سہلا دوں......؟"

تبریز نے اس کی نم آنکھیں دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نہیں...... اب ٹھیک ہے۔"

وہ فوراً بولی تھی۔

"اچھا تو پھر رو، تو مت...... مجھ سے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھے نہیں جاتے۔"

وہ بلا ارادہ بولا تھا۔

"تمہیں یہ لائن ابھی تک یاد ہے......؟"

حنا نے تلخی سے کہا تھا۔ معلوم نہیں تبریز نے اس کے طنز کو محسوس ہی نہیں کیا تھا یا دوسری بہت سی باتوں کی طرح نظر انداز کر گیا تھا، وہ اندازہ نہیں کر پائی تھی۔ مگر وہ بولا تو لہجہ انتہائی نرمی لیے ہوئے تھا۔

"نہیں حنا...... یہ کوئی لائن نہیں ہے میرے دل کی آواز ہے اور دل اب بھی وہی ہے جو بچپن میں میرے پاس تھا۔"

تبریز نے اپنی بات کا خود ہی مزا لیا تھا۔

"اف...... اس سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔"

حنا نے کوفت زدہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔ اسے ابھی تک یاد تھا جب تبریز اس سے جھگڑتا یا کوئی شرارت کرتا تو تائی ماں تبریز کو کچھ کہنے کی بجائے اسے ڈانٹا کرتیں...... اور اکثر و بیشتر ایک زناٹے دار تھپڑ بھی جڑ دیا کرتیں...... اور تبریز پاس کھڑا خوش ہوا کرتا مگر جب وہ رونے لگتی تو وہ فوراً اس کا ہمدرد بن جایا کرتا...... اسے چپ کرانے کے لیے ہر ممکن کوشش کر ڈالتا حتیٰ کہ کانوں کو پکڑتے ہوئے آئندہ کبھی یوں تنگ نہ کرنے کا وعدہ بھی کرتا...... پر تب بھی وہ چپ نہ ہوتی تو منہ بنا کر بڑے رعب سے کہتا۔

"اب چپ بھی کر جاؤ...... مجھ سے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھے نہیں جاتے۔"

تبریز کے موبائل کی بیپ بجنے لگی تو وہ موبائل جیب سے نکال کر فون سننے لگا...... وہ کسی سے بات کرتے ہوئے اُٹھ کر بیڈ سے کچھ دور جا کھڑا ہوا۔ حنا نے بڑے غور سے اس کا جائزہ لیا۔

لمبا قد گرے شلوار کرتے میں اور بھی واضح ہو رہا تھا...... بین اور پٹی کے ساتھ ساتھ کالی ریشم کی کڑھائی والے کلف زدہ کرتے میں وہ بہت بارعب لگ رہا تھا۔ سیاہ چمکتے ہوئے بال بڑی نفاست کے ساتھ سنوارے گئے تھے...... سفید بے داغ رنگت دمک رہی تھی...... عنابی ہونٹ گھنی مونچھوں تلے آہستہ آہستہ مل رہے تھے۔ سیدھی لمبی انگلیوں اور کشادہ ہتھیلی والے خوبصورت ہاتھ میں پکڑے موبائل کو کان سے لگائے وہ کمرے میں ٹہل ٹہل کر فون سن رہا تھا۔ حنا نے اس کی آنکھوں کو دیکھا...... ایک عجیب سی گہرائی لیے ہوئے گہری براؤن آنکھیں، جن کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

چمک اسے دیکھ کر کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی اور یہی چمک اسے ہمیشہ تبریز کا سامنا کرنے سے خوف زدہ بھی کرتی تھی۔ تبریز فون سن چکا تو موبائل جیب میں رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف اتنی محویت سے دیکھتی پا کر مسکرا دیا۔

"کیا دیکھ رہی ہو ڈیئر کزن......؟"

وہیں کھڑے کھڑے اس نے بازوؤں کو سینے پر باندھ کر گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا...... اس کی آنکھوں میں چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی اور ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

"وہ...... شہلا' تب سے وہیں بیٹھی ہے اُس نے مجھ سے نہیں ملنا کیا......؟"

حنا نے نظریں چراتے ہوئے بات کا رُخ بدلا تو وہ جو کسی انوکھے سے جواب کی امید کر رہا تھا اس کے یوں بات بدلنے پر کھل کر ہنس دیا۔

"پہلے میں تو مل لوں۔"

تبریز ایک ہی پل میں بات دوبارہ وہیں لے آیا تو حنا پہلو بدل کر رہ گئی۔ تبریز اس کے یوں جھنجلانے پر قہقہہ نہ روک پایا۔

"میرا وقت بھی تو کبھی آئے گا...... فی الحال میں شہلا کو بلا کر لاتا ہوں۔"

تبریز اس کے گھبرانے کا نوٹس لیے بنا معنی خیز لہجے میں کہتا باہر چلا گیا اور وہ غصے سے کھولتی ویسے ہی بیٹھی رہی۔

وہ دونوں شام پانچ بجے تک وہیں رہے۔ فردوس خالہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ وہ حنا کو کمپنی دینے آئے ہیں...... تبریز شازیہ کے ساتھ کافی فری ہو گیا تھا...... سارا دن مذاق اور ادھر اُدھر کی دنیا جہان کی باتیں ہوتی رہیں۔ حنا زیادہ تر خاموش ہی رہی...... اسے ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والے سوبر اور سنجیدہ سے لڑکے پسند تھے مگر تبریز اس کے بالکل برعکس تھا...... وہ لڑکیوں پر اپنی دھاک جمانے میں ماہر تھا...... اور لڑکیاں اس کی لچھے دار باتوں اور غضب کی مردانہ وجاہت پر فدا ہو جاتی تھیں۔ ہر محفل میں، ہر جگہ وہ لڑکیوں سے گھرا ہوتا۔ چاہے وہ خاندان میں کوئی شادی بیاہ کا پروگرام ہوتا یا محفل میلاد کا۔ تبریز لڑکیوں کے جھرمٹ سے ہی برآمد ہوتا۔

حنا ناپسندیدگی کا تاثر لیے شازیہ کو دیکھ رہی تھی جو اب تبریز کی کسی بات پر ہنستے ہوئے پاس بیٹھی شہلا پر گری جا رہی تھی۔ انہوں نے جانے کے لیے محفل برخاست کی تو شہلا شازیہ کو لے کر پہلے باہر چلی گئی۔ حنا نے سوالیہ نظروں سے تبریز کو دیکھا جو ابھی تک صوفے پر ہی براجمان تھا۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے تبھی بیٹھا ہوں۔''

تبریز اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر ہونٹوں پر ذرا آنے والے گہرے مسکراہٹ لیے کہتا حنا کو دنیا کا ذہین ترین انسان لگا۔

''ابھی بھی بات کرنے کو کچھ رہ گیا ہے.....؟''

وہ جب سے آیا تھا مسلسل بول رہا تھا.....ابھی کچھ دیر پہلے تک بھی وہ شازیہ سے نجانے کون کون سے موضوعات پر نان سٹاپ اپنا اظہار خیال کرتا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا حنا کا اشارہ اسی طرف ہے اسی لیے اس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے جواباً ایک اعلیٰ قسم کا سوال حنا کی طرف اچھالا۔

''میں شازیہ سے محو گفتگو رہا.....تمہیں برا لگا کیا.....؟''

حنا اس کے اس بے تکے سوال پر دل مسوس کر رہ گئی۔

''تمہیں جلن ہو رہی تھی.....میں دیکھ رہا تھا تم سارا وقت منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔''

تبریز نے اسے مزید چڑانے کے لئے کہا تھا۔

''فضول بکواس کرنے کی بجائے وہ کیوں نہیں کہتے جو کہنے کے لئے تم ابھی تک یہاں موجود ہو.....؟''

حنا نے اب اس کی پرسکون نشست پر چوٹ کی تھی۔

تبریز کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''تم بچپن میں تو اتنی بدلحاظ نہیں تھیں.....تمیز سے بات کرو.....ایک تو میں تم سے پورے 5 سال بڑا ہوں اور دوسرا یہ کہ مہمان ہوں اس وقت تمہارا اور تیسری اور سب سے اہم بات کہ میں مستقبل قریب میں تمہارے شوہر نامدار کے عہدے پر فائز ہونے والا ہوں۔''

آخری جملے پر اس نے جان بوجھ کر زور ڈالا تھا۔ حنا کلس کر رہ گئی۔ تبریز نے اسے خاموش دیکھا تو خود بھی سنجیدہ ہوتا ہوا بولا:۔

''تم جانتی ہو ناں کہ تمہارے اور میرے رشتے کی بات چل رہی ہے۔''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہوا پھر نظریں فرش پر مرکوز کرتا ہوا دوبارہ بولا۔

''تم سے شادی کرنا میری دلی خواہش ہے۔ تم وہ پہلی لڑکی ہو جس کی شبیہ شادی کا نام لیتے ہی میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ میری خواہش اس حد تک شدت اختیار کر گئی ہے کہ میں دستبردار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم اتنی خوبصورت، اتنی پیاری ہو کہ میں اپنے لیے کسی دوسری لڑکی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔''

''تو تم مجھ سے اس لیے شادی کرنا چاہتے ہو کہ میں خوبصورت ہوں.....؟''

حنا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ تبریز چند ثانیے کے لئے نظریں اٹھائے اسے دیکھتا رہا پھر نرمی سے بولا۔

''تم جو چاہو کہہ سکتی ہو.....میں خوبصورت ہوں تو خوبصورتی کی خواہش رکھنے میں کیا برائی ہے.....تمہیں حاصل کرنا چاہتی آنکھوں سے دیکھا ہوا میرا ایسا خواب ہے جس کی من چاہی تعبیر پانے کے لئے میں چاچی کو منا کر رہوں گا، چاہے اس کے لئے مجھے کتنے ہی جتن کرنے پڑیں۔''

''وہ تو بانے منائے ہیں۔''

حنا نے دکھ سے سوچا تھا۔

''کیا شادی کے لئے صرف لڑکے کی پسند درکار ہوتی ہے.....لڑکی کی نہیں.....؟''

وہ افسردگی سے سوچتی نظریں جھکا گئی۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو.....یہ دیکھو میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں۔''

تبریز نے اسے خاموش بیٹھی دیکھا تو جیب سے ایک خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کے پاس آ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں کل سنار کی دکان پر امی کے آرڈر کیے ہوئے کنگن لینے گیا تھا تب میری نظر اس بریسلیٹ پر پڑی تو مجھے تمہاری نازک سی کلائی یاد آ گئی.....میں نے اسے خرید لیا۔''

حنا نے تبریز کے ہاتھ میں تھامے گولڈ کے نازک بریسلیٹ کو دیکھا پھر حیرت سے تبریز کو۔

''اتنا قیمتی تحفہ.....؟''

''میں ہی بے وقوف ہوں جو اسے کم عقل سمجھتی رہی.....یہ تو بہت شاطر ہے.....مچھلی کو جال میں کس طرح پھانسا جاتا ہے تبریز اس فن سے بخوبی آگاہ ہے۔ مگر میں اس کی ان حرکتوں اور لچھے دار باتوں میں نہیں آؤں گی.....مجھے نہ کل اس سے کوئی سروکار تھا اور نہ آئندہ ہوگا۔''

حنا نے تلخی سے سوچا تھا اور اس کی کسی بھی سوچ سے بے خبر تبریز نے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

''لاؤ کلائی ادھر کرو.....میں تمہیں یہ پہنا دوں۔''

''نہیں.....میں نہیں پہنوں گی.....مجھے نہیں چاہئے یہ بریسلیٹ۔''

حنا نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے دونوں ہاتھوں کو کمبل کے اندر کرتے ہوئے کہا تھا۔

''مگر کیوں حنا.....؟''

تبریز کا نرم لہجہ دنیا جہاں کی حیرت لیے ہوئے تھا۔

''حنا بول دو...... آج تو وہ خود پوچھ رہا ہے پھر نجانے اپنی بات کہنے کا موقع ملے نہ ملے۔ کہہ دو اس سے سب کچھ...... کچھ مت چھپاؤ...... وہ سمجھ جائے گا تمہاری بات کو...... اتنا چاہتا ہے تمہیں، تمہاری خوشی سے بڑھ کر اس کے لیے کیا ہوگا۔''

حنا کے دماغ نے اُسے اُکسایا تھا۔

وہ دھڑکتے دل سے اپنا مدعا تبریز کے سامنے رکھنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگی۔

''بتاؤ حنا...... تم یہ بریسلیٹ کیوں نہیں پہنو گی......؟''

تبریز نے شائستہ لہجے میں دوبارہ پوچھا تھا۔

''تبریز مجھے...... میں وہ......''

حنا نے خوف زدہ نظروں سے اس کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی تبریز کا غصہ بہت خطرناک ہے۔ نجانے یہ سن کر کس طرح ری ایکٹ کرے۔

''بولو یار...... مجھ سے بات کرنے کے لئے اتنا کیوں سوچ رہی ہو......؟ جو دل میں ہے کہہ ڈالو...... مجھ سے دل کی بات کہنے کی عادت ڈال لو۔ مجھ سے نہیں کہو گی تو کس سے کہو گی۔''

وہ پورے کا پورا سماعت بنا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''تبریز مجھے تم سے شادی نہیں کرنی...... یہ رشتہ مجھے منظور نہیں ہے...... پلیز تم انکار کر دو۔ تمہاری بات کوئی نہیں ٹالے گا۔''

حنا نے جلدی سے بات ختم کی اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ تبریز کے ہاتھ سے بریسلیٹ چھوٹ کر کمبل پر گر گیا تھا...... وہ شاک کے عالم میں پوری آنکھیں کھولے حنا کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دو تبریز...... میں جانتی ہوں کہ میں تمہارا دل دُکھا رہی ہوں۔ مگر میں تمہیں کسی غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتی۔ میں جھوٹ بول کر یا چپ رہ کر تمہاری زندگی میں شامل ہو کر بددیانتی نہیں کر سکتی تم سے......

جب تم سے شادی کرنے کو میرا دل ہی نہیں مانتا...... میرا دماغ اس رشتے کو قبول ہی نہیں کرتا تو میں کیا کروں تبریز...... میں خود سے، اپنے اور تمہارے گھر والوں سے خاص کر تم سے دھوکہ نہیں کر سکتی...... میں......''

حنا کی نظر تبریز کے چہرے پر پڑی تو خاموش ہو گئی۔ وہ بالکل ساکت تھا...... حنا کے خاموش ہونے کے بعد پورے کمرے میں ایک جامد سناٹا چھا گیا تھا۔ حنا اس کے کچھ کہنے کا انتظار کرتی رہی مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بولا تھا۔ اس کی بے یقین نظریں حنا پر جمی تھیں۔ حنا نے بہت ہمت کر کے اُسے دوبارہ مخاطب کیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''تبریز تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات......؟ تم انکار کر دو گے ناں......؟ تم خود اس شادی سے سب کو منع کر دو گے ناں......؟''

حنا بڑی اُمید لیے اُسے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں!''

وہ یکدم اس کے قریب سے اُٹھتا ہوا چلایا تھا۔ حنا نے خوفزدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ وہ بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتا بہت مضطرب سا کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت، بے یقینی، دُکھ، پریشانی اور غصے کے ملے جلے تاثرات کا عکس تھا۔ اُس نے ایک بے چین سی نظر حنا پر ڈالی اور بولا۔

''نہیں...... حنا! میں ایسا بالکل نہیں کروں گا۔ میں کسی صورت اس شادی سے انکار نہیں کروں گا...... تم میری ہو، صرف اور صرف میری...... تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ تبریز ہاشم کبھی حنا قاسم کے لئے انکار کر سکتا ہے۔''

حنا نے اس کی اس قدر خود غرضی پر تڑپ کر اُسے دیکھا۔

''ایک اور بات دھیان سے سن لو اور ذہن میں بٹھا بھی لو کہ میں تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا بلکہ ہونے ہی نہیں دوں گا۔''

وہ سخت لہجے میں اُسے تنبیہ کر رہا تھا۔ حنا کو اس کی ہٹ دھرمی پر شدید غصہ آیا...... وہ پھٹ پڑی۔

''زبردستی ہے کیا......؟ جاگیر نہیں ہوں میں تمہاری جو تم میرے انکار پر اتنا سیخ پا ہو رہے ہو...... تم مجھے پسند نہیں ہو...... سنا تم نے......؟''

تبریز نے غصے سے بولتی حنا کی پوری بات بڑے تحمل سے سنی تھی۔ کتنے ہی پل، وہ اپنے سامنے بیٹھی اس نازک سی لڑکی کو دیکھتا رہا جس کے منہ سے نکلے سفاک الفاظ ابھی تک اس کو اپنے گرد چکراتے محسوس ہو رہے تھے اور یہ لڑکی جو اس کی کزن بھی تھی اُسے اتنی عزیز تھی کہ اسی کے منہ سے اپنے لیے ایسے الفاظ سننا اس سے زیادہ تکلیف دہ احساس اور کیا ہو سکتا تھا مگر پھر بھی اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولا۔

''تمہیں کوئی اور پسند ہے......؟''

تبریز بہت ہمت کر کے اس سوال کو اپنی زبان پر لایا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

''بولو حنا...... کسی اور کو چاہتی ہو تم......؟''

تبریز نے نگاہیں جھکائے خاموش بیٹھی حنا سے دوبارہ پوچھا تھا۔

"نہیں!"

وہ اس کے جواب پر چونکا۔ حنا کی مدھم سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی مگر انجانے خدشات سے سہما ہوا دل جھوم اُٹھا..... اِسے حنا کی آواز میں یہ "نہیں" سننا شادیانے سے کم نہ لگا تھا۔

"مجھے کوئی اور بھی پسند نہیں ہے مگر میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی..... تم ضد پر کیوں اڑے ہوئے ہو......؟"

حنا نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"ضد تو میں کروں گا..... جب تمہیں کوئی اور بھی پسند نہیں، ایسے میں تم کبھی تو کسی نہ کسی سے شادی کرو گی ہی تو پھر وہ "میں" کیوں نہیں......؟"

وہ دوبدو بولا تھا۔ حنا خاموش رہی۔

"تمہاری شادی ہوگی تو صرف مجھ سے ہی ہوگی۔"

اب کی بار اس کا لہجہ پُرعزم تھا۔

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ خود کو ذہنی طور پر اس رشتے کے لیے تیار کر لو۔ اور یہ بریسلیٹ....."

تبریز جھک کر کمبل پر گرا بریسلیٹ اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"یہ تو تمہاری کلائی کی ہی زینت بنے گا وہ بھی میرے ہاتھوں سے..... یہ تبریز ہاشم کا وعدہ رہا ہے......"

وہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔ حنا کے کانوں میں گویا دھماکے ہوئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس دروازے کو دیکھتی رہی جہاں سے تبریز ابھی نکل کر گیا تھا۔ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ ایک بار اگر کسی بات کا تہیہ کر لیتا تو اُسے پورا کر کے رہتا۔ وہ جو کہتا تھا کسی کی بھی سنے بنا کر گزرتا تھا۔ بچپن سے ہی وہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ اپنی بات منوانے پر آتا تو منوا کر ہی رہتا چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ حنا نے سوچا تھا کہ وہ اس کی بات مان لے گا۔

"میری خواہش کی خاطر وہ اس شادی سے انکار کر دے گا مگر..... وہ تو..... اوہ..... میرے خدا......!"

حنا کانپ کر رہ گئی۔ اس نے بے بسی سے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ آنسو اس کی آنکھوں کو بھگوتے اس کی گود میں گرنے لگے تھے۔

****

انوشے کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا..... سعد کے منہ سے ادا ہوا ایک ایک لفظ تیر کی مانند جیسے اس کی رگ رگ میں پیوست ہو چکا تھا اور وہ درد کی شدت سے بلبلا رہی تھی۔ اس کرب سے نجات حاصل کرنے کے لئے تو وہ موت کی دُعا بھی نہیں مانگ سکتی تھی۔

"اے میرے اللہ......! بے شک تو واقف حال ہے..... میں اس قدر شدید تکلیف میں ہوں کہ اگر ہمارے مذہب میں خودکشی کی اجازت ہوتی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنی چلتی ہوئی سانسوں کو ہمیشہ کے لئے روک دیتی۔"

انوشے جتنا سوچتی اُتنا ہی اُلجھتی جا رہی تھی..... تھک ہار کر وہ رونے لگی۔ ماضی نے پھر سے دستک دی تھی۔

"ارے یہ کیا انوشے..... یہ بھی کوئی رونے والی بات ہے۔"

آریان نے اس کی آنکھوں کو نم ہوتے دیکھا تو اس کے قریب ہی بینچ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"بھئی یہی تو ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس "مسٹر علی" کا سراغ مل جائے..... اب اگر وہ خود تم سے مری میں ملنے کے لئے بضد ہے تو اس میں مسئلہ کیا ہے..... تمہیں اب تو ضرور ہی ٹور پر چلنا چاہئے۔"

آریان نے اُسے سمجھایا تھا..... جو کالج کے لان میں قدرے سنسان گوشے میں بیٹھی آنسو بہانے میں مصروف تھی اور وجہ یہ تھی کہ مسٹر علی نے اپنی بہن سے فون کروا کر یہ کہلوایا تھا کہ انوشے لازماً ٹرپ پر جائے کیونکہ وہ وہاں جا کر اس سے ملے گا۔

"ہاں یار انوشے، آریان نے بالکل ٹھیک کہا..... مجھے تو بہت اشتیاق ہو رہا ہے علی سے ملنے کا..... اب جلد از جلد ہم جائیں اور اس علی نامی راز کا بھانڈا پھوٹے..... ہم بھی تو دیکھیں موصوف کو، جو ہماری انوشے پر دل و جان سے فدا ہو چکا ہے۔"

مشی نے نیچے گھاس پر بیٹھتے ہوئے پُرشوق لہجے میں کہا تھا۔

"وہ تم سے نہیں انوشے سے ملنے کا خواہاں ہے۔"

آریان نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی تھی۔

مشی نے اس کی تصحیح پر ناگواری سے منہ چڑایا تو انوشے مسکرا دی۔

"ہاں تم دونوں درست کہہ رہے ہو..... مجھے خوفزدہ یا حیران ہونے کی بجائے خود کو اس علی کی دُرگت بنانے کے لئے تیار کرنا چاہئے جس کی وجہ سے میں اتنی پریشانی سے گزر رہی ہوں۔"

انوشے نے پُرعزم انداز میں آنسو پونچھ کر کہا تو آریان اور مشی نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ انوشے جیسے بھی سہی پر آخرکار مری جانے کے لئے مان گئی تھی۔

"وہ علی جو بھی ہے مگر اُس نے ایک کام بڑا اعلیٰ کیا ہے جو ہم بھی نہیں کر پا رہے تھے۔"

مشی نے شرارتی انداز میں آریان کو دیکھا۔

''اُس نے ہماری انوشے کو مری جانے پر رضامند کر دیا ہے۔''

آریان نے مشی کی بات کو مکمل کیا تو انوشے ہنس دی۔

''ہاں..... یہ تو ہے..... میں تم لوگوں کے کہنے پر قطعی نہ جاتی۔''

''اوئے ہوئے..... ابھی سے علی کی بات اتنی مانی جا رہی ہے..... آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔''

مشی نے اُٹھ کر انوشے کی ناک کو چھوا تو انوشے باوجود چڑنے کے اس کی شرارت پر پھر ہنس دی۔

''نہیں یار..... میں تم دونوں کے کہنے پر جا رہی ہوں ورنہ صرف علی کے کہنے پر شاید نہ جاتی۔'' وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔ آریان نے اپنے دل میں ایک عجیب سی کسک محسوس کی تھی جسے نظر انداز کر کے وہ مسکرا دیا۔

****

شام کے آٹھ بجے تھے کالج کے گیٹ سے اندر پاؤں دھرتے ہی انوشے کے دل کی دھڑکن ڈھیل رفتار سے چلنے لگی تھی۔

''وہ علی میرا منتظر ہوگا۔''

بار بار ایک ہی خیال اس کے دماغ میں گھومتا جا رہا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

''نامعلوم مجھے علی کے خیال سے ہی گھبراہٹ کیوں ہونے لگتی ہے.....؟ آخر لڑکا ہی ہے کوئی جن بھوت تو نہیں۔ آ جائے سامنے..... میں نمٹ لوں گی اور اس کی اچھی خاصی خبر لوں گی..... سمجھتا کیا ہے خود کو۔''

انوشے نے اپنے ہینڈ بیگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے سوچا تھا۔

''کب تک روانگی ہے تم لوگوں کی.....؟''

ساتھ چلتے ولی بھائی نے دریافت کیا تو وہ چونکی۔

''نو بجے کے قریب۔''

مشی نے جواب دیا تھا۔

''ولی بھائی اسے اور مشی کو چھوڑنے آئے تھے اور انہیں سامنے پا کر مشی ایسے افسردہ ہو رہی تھی جیسے وہ ایک ہفتے کے لئے نہیں ایک سال کے لئے ان سے دور جا رہی ہو۔ پورا راستہ وہ خاموش رہے، مشی نے بھی ان سے کوئی بات نہ کی..... انوشے کو آریان نظر آیا تو وہ اس کی طرف بڑھ

گئی۔ مشی نے خاموش کھڑے ولی کو دیکھا تو خود ہی گویا ہوئی۔

''ولی کتنا اچھا ہوتا اگر آپ بھی ساتھ چل سکتے۔''

وہ اس پل ساری شوخی، سارا شوق و اشتیاق بھلائے صرف اس بات پر افسردہ تھی کہ وہ پورے ایک ہفتے کے لئے ولی سے دور جا رہی ہے..... ویسے تو روزانہ ہی انہیں دن میں ایک بار تو کسی نہ کسی طرح دیکھ ہی لیا کرتی تھی اور اب ایسے سات دن اس کے سامنے تھے جب اس کی نظریں جن نظاروں کو دیکھیں گیں ان میں ولی کی صورت نہیں ہوگی۔

''یہ تمہاری ہی ضد تھی کہ لازماً مری جانا ہے اب کیا ہوا.....؟''

ولی نے اس کے اترتے چہرے کو دیکھ کر شرارت سے کہا تھا..... اس نے چڑ کر رخ موڑ لیا۔

وہ مسکرا کر دوبارہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''دیکھ لو مجھے دھیان سے..... تاکہ اگلے پورے ہفتے تک تمہارا گزارہ ہو پائے۔''

ولی کی پُرتکلف مسکراہٹ پر وہ جل بھن گئی تھی۔

''میں آپ سے دور جا رہی ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہے ہیں۔''

ولی نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ مجھے اداس ہونا چاہیے تو میں ہو جاتا ہوں۔''

ولی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے چمکتی آنکھوں سے مشی کو دیکھا تھا۔

''صرف مجھے لگتا نہیں ہے..... آپ کو اداس ہونا چاہیے۔''

مشی نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر ولی کے سینے پر ہلکی سی ضرب لگائی تو ولی نے اس کا بند انگلیوں والا ہاتھ تھام لیا۔

''میں تمہیں فون کروں گا..... میسج بھی اور تم جب چاہو وقت کی کسی بھی قسم کی قید کے بنا مجھے فون کر سکتی ہو..... وہاں اس طرح کا اداس منہ بنائے مت پھرنا..... بس انجوائے کرنا..... اور جلدی واپس آنا۔ یہ نہ ہو وہاں کی خوابناک فضاؤں میں کھو کر ان نظاروں کی ہی ہو کر رہ جاؤ۔''

نہایت سنجیدگی سے کہتے کہتے وہ اچانک پٹڑی سے اتر گیا تو مشی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا جو پورے دھیان سے ایک محویت کے عالم میں اسے سن رہی تھی۔ ولی اس کی حرکت پر ہنسی نہ روک پایا۔

''اب چلیں مستقبل کی مسز ولید چوہدری.....! کوچز آپ کی منتظر ہیں۔''

ولی کے کہنے پر وہ دونوں اس طرف بڑھ گئے جہاں انوشے اور آریان کھڑے تھے۔

آریان، انوشے اور مشی نے اپنا سامان اوپر کروایا تو ولی بھائی واپسی کے لئے نکل گئے۔

''اب تک وہ علی بھی پہنچ چکا ہوگا ناں!''

اپنے سیکشن کی بس کی طرف آتے ہوئے انوشے نے ہولے سے کہا تھا..... آریان اور مشی چونکے۔

''یار تم نے کیوں اُسے اس حد تک اپنے حواسوں پر سوار کر رکھا ہے.....؟''

آریان نے بس کے قریب پہنچ کر رُکتے ہوئے انوشے سے کہا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تم ایسا کرو۔ یہیں کھڑی رہو۔ میں اور مشی کوچ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ تمہیں ایسے ہی کھڑی دیکھ کر جو بھی علی ہوگا خود بخود تم تک چلا آئے گا۔''

آریان نے ایک تجویز پیش کی تھی جو ان دونوں کو بہت پسند آئی۔

تقریباً سبھی سٹوڈنٹس بیٹھ چکے تھے اور جو رہتے تھے وہ بھی جلد از جلد اس تگ و دو میں تھے کہ انہیں اُن کی مطلوبہ نشست تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ اپنے اس یادگار سفر کا باقاعدہ آغاز کرسکیں۔

آریان کوچ میں بیٹھا تھا مگر اس کی نگاہیں باہر کھڑی علی کی منتظر انوشے پر جمی تھیں۔

وہ بلیک جینز اور بلیک جیکٹ میں لیمن کلر کی ہائی نیک پہنے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بالوں کو فولڈ کرکے کیچر میں قید کرنے کی ناکام سی کوشش کی گئی تھی..... کسی بھی قسم کی جیولری اور میک اپ سے بے نیاز اپنی تمام تر معصومیات سمیت وہ ایک شانے پر شولڈر بیگ لٹکائے ہاتھ میں موبائل تھامے کھڑی تھی۔ اُس کی نگاہیں کسی اجنبی کی منتظر تھیں اور آریان کی نگاہیں بے چینی لیے اس پر جمی تھیں۔

''انوشے ابھی تک یہاں کھڑی ہیں۔ بس میں بیٹھ کیوں نہیں رہیں.....؟''

سر دانش نے حیرت سے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا..... سر ہارون بھی اُن کے ساتھ تھے..... انوشے نے اردگرد دیکھا، کوئی سٹوڈنٹ اب باہر نظر نہیں آرہا تھا۔

''چلیں بیٹا..... جلدی سے بس میں سوار ہو جائیں۔ مزید کسی تاخیر کے بغیر ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔''

سر دانش کے نرم لہجے پر وہ بددلی سے بس میں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔

''سبحان اللہ! کیا بے تابیاں ہیں؟''

مقابل بیٹھی مشی نے اس کے اُترے ہوئے چہرے پہ چوٹ کی تھی..... حالانکہ اپنے منصوبے کی ناکامی کا افسوس اُسے بھی ہو رہا تھا۔ اتنی بے تاب تو انوشے بھی نہ تھی جتنا اُسے علی کو دیکھنے کا اشتیاق تھا۔

سر دانش اور سر ہارون درانی ان سے اگلی والی نشست پہ براجمان تھے۔ ایک کے پیچھے ایک بس اپنے اس شاندار سفر کے آغاز کے لیے کالج کے گیٹ سے نکل رہی تھیں اور سٹوڈنٹس کا شور بڑھنے لگا تھا۔ سر ہارون نے اُٹھ کر بمشکل سب کو خاموش کرایا اور انہیں اپنی

طرف متوجہ کرتے ہوئے بولے۔

''یہ ایک ہفتہ جو ہم سب مل کر اکٹھے گزارنے والے ہیں جس کے شروعاتی لمحات سے ہم سب بہت دلکش طریقے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، یہ آنے والے سات دن اور ان میں اَن گنت خوشگوار لمحات آپ سب کو باہیں پھیلائے ویلکم کرتے ہیں..... یہ ایک ہفتہ جو ہمارے سامنے ہے یہ صرف آپ کا ہفتہ ہے..... آپ کے نام ہے..... خوب مزا کریں، مستی کریں مگر اپنی تربیت مت بھولیے گا..... اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ آپ کس کالج سے Belong کرتے ہیں۔ موج مستی اپنی جگہ مگر اپنی ایتھکس اور رولز اپنی جگہ..... ان دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے آپ نے! اس پورے وقت میں ہم آپ کے اساتذہ کم اور دوست زیادہ ہیں۔ کوئی پریشانی یا کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تو ہمارے پاس آئیے ہم حاضر ہیں..... آپ بلاجھجک ہر بات ہم سے کرسکتے ہیں۔ ہم صبح سحری کے وقت مری پہنچ جائیں گے۔ راستے میں کلر کہار ایک گھنٹے کا سٹے (Stay) کیا جائے گا۔ اب آپ جس طرح چاہیں اس سفر کو انجوائے کرسکتے ہیں..... اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے جس سے ہمارے کالج کے نام پر کوئی حرف آئے۔''

سر ہارون درانی نے اپنی بات کے اختتام پر مسکرا کر سب کے چمکتے چہروں کو دیکھا تو سبھی نے شور مچا کر حامی بھر لی۔

****

سحری کے وقت وہ لوگ مری میں اپنے مطلوبہ ہوٹل پہنچے..... تھکاوٹ اس قدر ہوگئی تھی جیسے کالج سے مری تک وہ پیدل سفر کرکے آئے ہوں..... اپنے رومز کی چابیاں لے کر وہ کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے کمروں میں آگئے۔ پہلے دو فلورز پر لڑکیوں کے کمرے تھے جبکہ اُوپر چار فلورز لڑکوں کے لیے مختص تھے۔

انوشے، مشی اور آریان ایک ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر سیکنڈ فلور پر پہنچے تھے۔

''اوکے گرلز! Take some rest...!''

آریان نے ان کے روم تک انہیں چھوڑا اور خود سیڑھیاں چڑھتا تیسری منزل پہ آگیا۔ وہاں اسے کمرہ الاٹ کیا گیا تھا۔

''واؤ..... کیا کمرہ ہے۔''

دروازہ کھول کر اندر قدم دھرتے ہی بے اختیار مشی کے منہ سے نکلا تھا۔ انوشے نے بھی ستائشی نظر پورے کمرے پر ڈالی۔

کشادہ اور روشن، صاف ستھرا کمرہ ان کا منتظر تھا..... سیکنڈ فلور پہ بنا یہ کمرہ جس کی

بیرونی دیوار گلاس کی بنی تھی اور پردے بڑی نفاست سے دونوں اطراف میں باندھے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کے سادہ مگر نفیس سے سٹینڈ پر ٹی وی پڑا تھا۔ کشادہ ڈبل بیڈ پر ہلکے سُرمئی رنگ کی بے شکن چادر بچھی تھی۔ بڑی خوبصورتی سے سجائے گئے کشن اور تکیے جیسے تھکے ماندے سردی سے ٹھٹھرے لوگوں کو سکون فراہم کرنے کے لیے اپنی طرف بلا رہے تھے...... بیڈ کی دوسری جانب میچنگ صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ اٹیچ صاف ستھرا باتھ روم، اس کے ساتھ ہی دیوار گیر آئینہ اور بڑی سی الماری سمیت ڈریسنگ ٹیبل رکھا گیا تھا...... بیڈ کی پائنتی کی طرف ایک ہیٹر جل رہا تھا جس نے کمرے کو کافی حد تک گرم کر دیا تھا۔

ویل فرنشڈ صاف ستھرا ہلکے ہلکے ایئر فریشنر سے مہکتا کمرہ ان کا منتظر تھا...... انوشے تو سیدھی نرم بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں آ بیٹھی...... جبکہ مشی نے گاؤن وال کے کرٹنز کھول دیے اور بیگ میں سے کپڑے نکالنے لگی۔

"بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے۔"

انوشے نے جھک کر شوز اتارتے ہوئے کہا۔

"ہاں اتنا لمبا سفر تھا...... تم پہلے چینج کر لو۔"

مشی نے سادہ سا گرم سوٹ اس کی طرف بڑھایا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ فریش ہو کر وہ فوراً کمبل میں گھس گئی۔ "ابھی فجر کی نماز میں کچھ وقت ہے تب تک میں سو جاؤں۔ تم بھی یہ سب چھوڑو مشی اور تھوڑی دیر آرام کر لو۔"

انوشے نے ابھی تک بیگ کھولے بیٹھی مشی کو دیکھا جو الماری میں کپڑے سیٹ کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"تم سو جاؤ۔ میں یہاں سونے نہیں آئی۔" مشی نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں...... پیار پڑنے آئی ہو...... ہے ناں......؟"

انوشے نے چڑ کر کہا اور لحاف منہ تک اوڑھ لیا...... اسے خبر بھی نہ ہوئی کب اسے نیند کی دیوی نے اپنی بانہوں کے حصار میں لیا۔

اس کے موبائل کا الارم جو اس نے سونے سے پہلے لگایا تھا، بجا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اُٹھا کر الارم بند کیا اور گردن موڑ کر اپنے ساتھ لیٹی مشی کو دیکھا...... وہ بے خبر سو رہی تھی۔

"ضرور ولی بھائی سے بات کی ہو گی اور ولی بھائی جو مما کے اتنی بار اٹھانے پر بمشکل اُٹھتے ہیں آج مشی کی ایک کال پر جاگ گئے ہوں گے۔"

انوشے نے مسکراتے ہوئے موبائل اور ریموٹ اُٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اُس پر اچھی طرح کمبل اوڑھاتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اُف اتنا ٹھنڈا پانی؟"

اس کا ہاتھ جیسے سُن ہو گیا تھا۔

"میں کیسے وضو کر پاؤں گی اس سے۔"

انوشے نے چند ثانیے سوچا پھر گرم چادر اپنے گرد لپیٹتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ پورا کاریڈور سنسان پڑا تھا۔ سرد ترین پُرنم ہوا اس کے نتھنوں سے ہو کر جیسے پل بھر میں پورے جسم میں سرائیت کر گئی تھی۔ وہ چادر میں خود کو چھپاتی سیڑھیاں اُتر کر ریسپشن کی طرف چلی آئی۔ وہاں دو سرخ و سفید پٹھان بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا جبکہ دوسرا فون پر مصروف تھا۔ ان کے علاوہ اور کوئی وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کچھ چاہیے آپ کو......؟"

چائے کا سپ لیتے ہوئے پٹھان کی نظر انوشے پر پڑی تو وہ مگ ایک طرف رکھتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جی۔ ہمارے روم میں گرم پانی کب تک آئے گا......؟"

"سات بجے تمام کمروں میں گرم پانی کھول دیا جاتا ہے...... آپ بے فکر رہیں۔ ابھی تو پانچ بجے ہیں۔"

اس بھرے بھرے جسم والے پٹھان نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی سے وقت دیکھ کر کہا تھا۔

"سات بجے......؟ پھر تو بہت دیر ہو جائے گی۔"

"کیا ہوا انوشے آپ اتنی صبح یہاں......؟ کوئی مسئلہ ہے......؟"

سر ہارون درانی جو ریسپشنسٹ کو گرم پانی کھولنے کا کہنے آئے تھے، اسے وہاں کھڑے دیکھ کر حیران ہوئے۔

"کس بات کی بہت دیر ہو جائے گی......؟"

انوشے نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ غالباً اس کے آخری الفاظ سن چکے تھے۔

"وہ سر میں نے وضو کرنا تھا اور پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ گرم پانی سات بجے کھلے گا۔"

انوشے کی بات پر سر ہارون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اتنی تھکاوٹ کے باوجود بھی اتنی سردی میں یہ لڑکی نماز کے لئے اُٹھی ہے جبکہ اس کی تمام ہم عمر لڑکیاں بڑے سکون سے گہری نیند کے مزے لے رہی ہیں۔"

"Interesting, very interesting."

"سر کیا گرم پانی سات بجے سے پہلے نہیں کھل سکتا......؟"

انوشے نے گرم کالی چادر شانوں پر ڈالے گرے شلوار کرتا پہنے گرے سویٹر میں ملبوس تھکاوٹ سے سرخ ہوتی آنکھوں اور ماتھے پر بکھرے بالوں سمیت کھڑے سرہارون سے پوچھا تو وہ مسکرا دیے۔

"آپ کمرے میں جائیے گرم پانی ابھی کھل جائے گا اور بے فکر رہیے ہم نماز قضا نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ سر ہلاتی سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں آ گئی اور باتھ روم کا نل کھول دیا۔ دس منٹ بعد گرم پانی آنے لگا تھا۔ وضو کر کے وہ بیگ میں سے جائے نماز نکالنے لگی جو وہ ساتھ لانا نہیں بھولی تھی۔

****

وہ نماز سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس کم اِن" (Yes, come in)

اس نے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے کہا۔

"روم سروس۔ میم" (Room service Ma'm)

ایک نوجوان پٹھان سر پر پٹھانی ٹوپی پہنے ہاتھ میں ٹرے لیے نمودار ہوا۔

"یہ آپ کے لیے۔"

ایک مگ میں بھاپ اڑاتا گرم دودھ اور پلیٹ میں رکھے بسکٹ دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"صرف میرے لیے.....؟"

"جی میم.....! آپ کے ٹیچرز نے نماز کے بعد اسی سے ناشتہ کیا اور کہا کہ آپ کو بھی دے آؤں۔"

انوشے نے اسے ٹرے میز پر رکھنے کو کہا اور خود جائے نماز تہہ کرنے لگی..... پھر اس نے گلاس وال کے پردے باندھے اور مڑ کر گرم دودھ کا مگ وہیں اٹھا لائی۔

دونوں اطراف میں بندھے کرٹنز ایک فریم کی مانند لگ رہے تھے..... صبح کی پو پھوٹ چکی تھی جس کی مدھم روشنی میں شیشے کی شفاف دیوار سے اس پار برف سے ڈھکے درخت، پہاڑ اور آنکھوں کو خیرہ کرتا دلکش منظر کسی خوبصورت سینری کا تاثر دے رہا تھا، جس میں قدرت نے خوب خوبصورت رنگ بھرے تھے۔ وہ کافی دیر وہاں کھڑی باہر کے نظارے سے محظوظ ہوتی رہی۔

انٹر کام کی بیل پر وہ چونکی۔ مشی نے مندھی مندھی آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔

انوشے وہیں کھڑی رہی۔

"تم کب سے اٹھی ہوئی ہو.....؟"

مشی نے کال ریسیو کرنے کے بعد اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے انوشے سے پوچھا تو وہ اس کے قریب آ کر بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"نماز کے لئے اٹھی تھی..... دوبارہ نیند ہی نہیں آئی"

ریسپشنسٹ نے بتایا ہے کہ آٹھ بجے ناشتہ ہے..... ہمیں تیار ہو کر وہاں پہنچنا ہے۔"

مشی نے بال سمیٹ کر پونی میں قید کیے اور اٹھ کر فریش ہونے چلی گئی جبکہ انوشے نے ٹی وی آن کر لیا۔ کمرے میں ہیٹر آن تھا مگر خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ باہر کا موسم خراب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ دھند گہری ہونے لگی تھی..... انوشے نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور آریان کا نمبر ڈائل کرنے لگی..... دوسری بیل پر ہی اس کی ہشاش بشاش آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"ارے پرنسز کیسی ہو..... تھکاوٹ اتری یا نہیں.....؟"

"میں فریش ہوں اب..... مگر سردی بہت لگ رہی ہے..... عجیب سی خنکی ہے ہر طرف۔"

انوشے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"آریان ہمارے ساتھ جو ٹیچرز آئے ہیں سبھی سے ہم بخوبی واقف ہیں..... ان میں سے کوئی بھی علی نہیں۔"

انوشے نے سنجیدہ ہوتے ہوئے بار بار ذہن میں آنے والی بات کو آریان سے شیئر (Share) کیا تھا۔

"ہاں انوشے..... یہ بات میں بھی سوچ رہا تھا مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے ضد کر کے تمہیں یہاں بلایا اور خود نہیں آیا.....؟ خیر جو بھی ہے مجھے لگتا ہے وہ ہمارے ساتھ آیا ضرور ہے..... یہ بھی ممکن ہے وہ سٹوڈنٹ ہو اور تمہاری فیملی سے جھوٹ کہا ہو کہ وہ لیکچرار ہے..... خیر جو بھی حقیقت ہے ہم پر خود بخود ظاہر ہو ہی جائے گی۔ تم دونوں پونے آٹھ ریڈی رہنا ہم اکٹھے ناشتے کے لئے چلیں گے۔"

آریان کی بات پر انوشے بھی مطمئن ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہی تو کہا ہے آریان نے کہ جو سچائی ہے ہم پر کھل ہی جائے گی..... اور میں اب منتظر ہوں کب اصل بات سامنے آتی ہے۔"

انوشے نے فون بند کیا اور اپنی نظریں ٹی وی پر مرکوز کر دیں۔

****

حنا بے بسی سے کمرے میں مقید تھی۔ وہ اپنے سارے حربے استعمال کر چکی تھی حتیٰ کہ اُس نے کئی بار تبریز سے منت کی تھی کہ وہ اس شادی کو روک دے..... مگر اسے ہر بار منہ کی کھانی پڑی تھی۔

"شادی پر تمہیں اعتراض ہے تو تم خود جو کر سکتی ہو کر کے دیکھ لو..... میں تو اس رشتے پر بہت خوش ہوں پھر میں کیوں انکار کروں۔"

تبریز کی خود غرضانہ ضد اسے مزید بے بس و لاچار لوگوں کی فہرست میں شامل کر گئی تھی۔ بس پھر وہی ہوا جو تبریز نے چاہا تھا۔ حنا نے لاکھ دُہائیاں دیں، روئی، گڑگڑائی، دلیلیں دیں حتیٰ کہ کھانا پینا بھی چھوڑا، تبریز کی منتیں کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بڑے چچا عاصم جن کی وہ لاڈلی تھی بس ایک وہی تھے جو اس کے درد کو سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے بھائیوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ جس طرح اس رشتے میں تبریز کی خوشی ضروری ہے ویسے ہی حنا کی رضامندی بھی لازم ہے۔ مگر ان کی بھی کسی نے نہ سنی۔

شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ایک ہفتہ پہلے وہ گاؤں پہنچ گئے جہاں تینوں چچا اور تایا جی ایک بڑی سی حویلی میں رہتے تھے..... یہ حویلی خاندانی حویلی تھی جس میں الگ الگ پورشنز (Portions) بنائے گئے تھے..... تایا جی کا کہنا تھا کہ شادی کی تمام رسومات خاندانی حویلی میں ہی ہوں گی سو وہ اپنے امی ابو کے ساتھ یہاں موجود تھی۔ ہفتہ پہلے ہی پوری حویلی کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا..... ڈھولک کی تھاپ سرِ شام ہی ہر طرف گونجنے لگتی۔ ہر طرف جیسے جشن کا سماں رہتا..... سب مہمان ابھی سے آ گئے۔ اسی طرح مہندی کا دن آ پہنچا۔ حنا کلیوں والی پیلی فراک اور گہرے ہرے رنگ کے چوڑی دار پاجامے میں پیلا دوپٹہ اوڑھے سب کے درمیان گم سم بیٹھی تھی..... پھولوں کا زیور پہنے، ہری اور پیلی چوڑیوں سے کلائیاں لیے وہ بمشکل اپنے آنسو روکے ہوئے تھی۔ ڈھولک کی تھاپ بھی اس کے دل میں کوئی مدھر سا احساس نہ جگا سکی تھی..... عاصم چچا جو آتے جاتے اسے دیکھ رہے تھے اس کے دل کی حالت سمجھ سکتے تھے۔ وہ اپنی سب سے لاڈلی اور پیاری بھتیجی کے لئے باوجود کوشش کے بھی کچھ نہ کر پائے تھے۔ حنا کے گھر والے عاصم چچا کے پورشن میں ہی ٹھہرے تھے اور یہیں سے اس کی ڈولی ہاشم تایا کے پورشن جانی تھی۔

"حنا بیٹا..... اِدھر آؤ تمہاری دوست کا فون ہے۔"

عاصم چچا نے اسے بلایا تو سب نے اسے جانے دیا ورنہ تو جب تک فنکشن ختم نہ ہوتا اس کی یہاں سے ہلنے پر پابندی تھی۔

"کس کا فون ہے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کسی کا نہیں..... تم میرے ساتھ چھت پر آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

عاصم چچا نے اسے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چھت پر آ گئی۔ تیسری منزل کی چھت پر بھی ڈھولک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی مگر پھر بھی یہاں نیچے جتنا شور نہیں تھا۔ کھلا آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا جیسے حویلی کی طرح اس کو بھی سجا دیا گیا ہو۔ چاچو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم اتنی خاموش ہو..... بیٹا کچھ تو کہو۔ تمہیں ایسے دیکھ کر تو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

حنا نے ڈبڈباتی آنکھوں سے چاچو کو دیکھا۔ اُن کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"اِدھر آؤ میری بچی۔"

چاچو نے اسے سینے سے لگا لیا تو وہ کھل کر رو دی۔

"مجھے یہ شادی نہیں کرنی چاچو..... میں یہاں خوش نہیں رہ سکتی۔ اس شادی کو روکیں پلیز آپ ابو کو سمجھائیں۔ وہ مجھے کیوں جیتے جی مار دینا چاہتے ہیں۔"

حنا کب سے ضبط کیے بیٹھی تھی۔ ہمدرد کندھا میسر آیا تو پھٹ پڑی۔

چاچو کیا کہتے..... بے بسی ہی بے بسی تھی وہ بس اس کے بال سہلاتے رہے۔

"آپ اچھی طرح واقف ہیں تائی ماں کی عادت سے، اُن کے گھر کے ماحول سے..... سبھی جانتے ہیں پھر بھی کوئی ابو کو کیوں نہیں سمجھاتا.....؟ وہ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟"

حنا اب شدت سے رونے لگی تو عاصم چاچا سے اس کی حالت دیکھی نہ گئی۔

"میں ایک بار پھر سے کوشش کرتا ہوں..... بھائی صاحب سے بات کرتا ہوں ابھی۔"

"انہوں نے جی کی نہیں مانی تو....."

"نہیں بیٹا ایسے بدظن نہیں ہوتے۔"

چاچو نے اسے سمجھایا تھا۔ حنا جانتی تھی کہ وہ بھی اس کی طرح اُڑنے کے لئے پر پھڑپھڑا کر رہ جائیں گے مگر کٹے ہوئے پر بھی کبھی اُڑنے کے کام آ سکتے ہیں..... اُس نے رُخ موڑ کے کھڑے چاچو کو دیکھا جو دونوں ہاتھ ریلنگ پر ٹکائے کہیں خلا میں نظریں جمائے کھڑے تھے۔

"میں نے تبریز سے بات کی تھی چاچو..... وہ ضد میں آ کر مجھ سے شادی کر رہا ہے..... ابو بھائی کی محبت میں بہت بڑی غلطی کرنے جا رہے ہیں اور اس بات کا انہیں احساس تک نہیں ہے۔ میں اس بات سے انکاری نہیں ہوں کہ بڑوں کے فیصلے دُور رس ہوتے ہیں، اُن کا تجربہ ہوتا ہے، وہ معاملے کو سمجھتے ہیں، پرکھتے ہیں اور پھر کسی درست فیصلے پر پہنچتے ہیں۔ مگر اگر کوئی فیصلہ غلط نکل آئے تو بڑی تباہیاں پھیلاتا ہے..... میں اکلوتی اولاد ہوں اُن کی پھر وہ کیوں جہنم میرا نصیب لکھ

رہے ہیں؟''

''میرا دم گھٹنے لگتا ہے یہ سوچ سوچ کر کہ میرے اپنے ابو میرے ساتھ ایسا.....''

آنسوؤں کا ایک گولہ اس کے گلے میں پھنسا تھا، وہ بات مکمل نہ کر پائی۔

چاچو ویسے ہی خاموش، رُخ موڑے، ہونٹ بھینچے کھڑے تھے..... وہ اسے جی بھر کر بولنے دینا چاہتے تھے۔ کم از کم اُس کے دل کا بوجھ ہی کسی قدر کم ہو جائے اور کچھ نہیں تو وہ اتنا تو اُس کے لیے کر ہی سکتے تھے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر گویا ہوئی۔

''آپ کو علم ہے ناں چاچو کہ تائی ماں کا رویہ امی کے ساتھ کیسا تھا اور خود ابو کے ساتھ بھی تو کتنی بدتمیزی سے پیش آیا کرتی تھیں..... ابو وہ سب کیسے بھلا سکتے ہیں؟ وہ کیسے اس بات کو نظر انداز کر سکتے ہیں کہ اُن کا یہی بھائی جب بیٹا ہونے کا فرض نہیں نبھا سکا، بھائی ہونے کا حق کبھی ادا نہیں کر پایا..... ایک عقلمند شوہر کی طرح بیوی کی چلتی زبان پر قابو نہیں پا سکا، ایک اچھے باپ کی طرح اولاد کی تربیت نہیں کر سکا وہ اس نئے رشتے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے.....؟ تایا جی نے خود کبھی تصویر کا اصل پہلو دیکھنے کی کوشش نہیں کی..... جس زاویے سے تائی ماں نے دکھایا بس اُسی رُخ سے دیکھا۔ خود وہ کبھی بھی معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچتے..... نہ انہوں نے خود سے کبھی غلط اور درست کا فیصلہ کیا..... کل کلاں اگر تبریز نے کوئی غلطی کی تو وہ خاک سمجھائیں گے اپنے بیٹے کو..... وہ تو.....''

''چناخ''

حنا کے منہ پر زور دار طمانچہ پڑا تھا۔ الفاظ خود بخود اس کی دسترس سے دور چلے گئے..... تو اسے خاموش ہونا پڑا۔ چاچو جو بڑی توجہ سے اسے سن رہے تھے چونک کر پلٹے۔ ابو غصہ سے سُرخ ہوتا چہرہ لیے اس کے سر پر کھڑے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

''بولو..... خاموش کیوں ہو گئی.....؟ میں بھی تو سنوں کہ کتنا زہر بھرا ہے تم میں اپنوں کے خلاف..... مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے کہ تم میری بیٹی ہو.....؟ قاسم مبین کی بیٹی..... جس نے ساری عمر اپنے بہن بھائیوں کے خلاف بولنا تو دور کی بات ایسی بات کبھی ذہن میں بھی نہیں آنے دی۔''

حنا نے بے یقینی سے ابو کو غصے سے بپھا ہوتے دیکھا۔

''میری ایک بات تم کان کھول کر سن لو..... تمہاری شادی ہو گی تو تبریز سے ہو گی اور تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ بڑوں کے فیصلوں میں دخل اندازی کرو اور اُن میں غلطیاں نکالتی پھرو..... اگر تمہارے خیال میں میرا یہ فیصلہ غلط ہے تو تم مر گئی آج سے میرے لیے..... مت کرو یہ شادی..... بھائی صاحب کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لوں گا میں اُن سے۔''

ابو غصے سے دھاڑ رہے تھے..... اُسے زمین و آسمان گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا مگر غصے سے کھولتے ابو کی شبیہ اس کی آنکھوں کے سامنے ساکت تھی۔

''واہ تائی ماں..... آپ نے تو مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا..... میرے ابو جن پر مجھے بڑا مان تھا کہ وہ کبھی بھی مجھ سے دُور نہیں ہو سکتے..... آپ نے اُن کو ہی اجنبی بنا کر میرے سامنے لا کھڑا کیا..... میری کل کائنات ہی چھین لی آپ نے اور میں خالی دامن رہ گئی۔''

وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اپنے سامنے کھڑے ابو کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے ایک لمحے میں اسے پرایا کر دیا تھا۔

''پلیز ابو..... آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میرے لیے آپ ہی سب کچھ ہیں..... ایسے تو نہ کہیں''

باپ کے الفاظ سے جو تکلیف پہنچی تھی اُس درد کی شدت سے وہ بلبلا رہی تھی..... ابو کا تو پتہ نہیں پر چاچو تڑپ اُٹھے۔

''آپ اپنی ضد چھوڑ دیں بھائی صاحب..... بچوں کی زندگیوں کے اتنے اہم فیصلے یوں جذباتی پن سے نہیں کیے جاتے۔ آپ کیوں زبردستی پر اُتر آئے ہیں.....؟''

''تم وکالت مت کرو اس کی..... تمہاری شہہ سے ہی یہ آج باپ کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔''

ابو نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکتے ہوئے درشت لہجے میں کہا تھا۔

اور خود جانے کے لئے پلٹے تو حنا پیچھے سے ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

''نہیں ابو..... ایسا مت کریں..... مجھے دوبارہ اُس جہنم میں مت دھکیلیں جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا..... تب تو اُجالے کی آس تھی مگر..... اگر اس کے بعد تو ساری اُمیدیں ہی گل ہو جائیں گی۔''

حنا نے روتے ہوئے کہا تھا۔ ابو نے غصے سے اسے الگ کیا اور اس کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

''باپ ہوں میں تمہارا..... تم اتنی عقلمند نہیں ہو گئی کہ میرے سامنے بولو..... میرے فیصلے کو رد کرتی پھرو..... مجھے مجبور مت کرو سختی کرنے پر!''

''میں مر جاؤں گی ابو! آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں.....؟ میرا دل نہیں مانتا..... یہ رشتہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔''

حنا نے ان کا بازو تھام کر کہا تھا۔

''رشتہ داری میں سودے بازی صرف تمہارے ذہن کی خرافات ہی ہو سکتی ہے..... میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں کہ بہن بھائیوں کی محبت کو نفع و نقصان کے ترازو میں تولوں۔''

ابو نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

"ابو! آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں.....؟ میں آپ کی حنا ہوں، آپ کی بیٹی..... کیا بھائی کی محبت میں آپ اپنی اکلوتی اولاد کی قربانی کر کے دادا دادی کے سامنے سرخرو ہو جائیں گے؟ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ غلطی پر....."

ابو نے اسے ایک اور تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا مگر اُن کے ہاتھ کو اب کی بار کسی نے ہوا میں معلق کر دیا تھا۔

حنا نے دیکھا..... وہ تبریز تھا۔

"تبریز..... پلیز تم ہی انکار کر دو..... تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میری خاطر اس شادی سے انکار کر دو..... مجھے یہ شادی نہیں کرنی..... تم سب لوگ مل کر میری زندگی برباد مت کرو..... مجھے جیتے جی زندان میں مت ڈالو۔ اس شادی کو روک دو۔"

حنا نے روتے ہوئے اک آخری کوشش بھی کر ڈالی۔ ابو غصے سے اس کی طرف بڑھے جو اب گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی فریاد کر رہی تھی۔

تبریز نے انہیں روک دیا۔

"نہیں قاسم چچا..... آپ اتنا غصہ نہ کریں۔ حنا مان جائے گی۔ ایک بار شادی ہو گئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے اب بھی اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں ہے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ حنا ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہے۔"

تبریز نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"میرے لیے یہی بہت ہے کہ میں دونوں گھروں کے افراد کو پھر سے قریب لے آیا ہوں۔ دلوں میں بڑھتی دوریاں اب آہستہ آہستہ قربتوں میں تبدیل ہو جائیں گی بس آپ ذرا نرمی سے کام لیں۔"

تبریز نے بڑے پُرتاثیر لہجے میں کہا تھا۔

"سن لو..... اس بچے کی سوچ اور صبر پر میرا دل خوش ہو جاتا ہے..... تم تو خوش نصیب ہو کہ تبریز جیسا نوجوان تم سے شادی کا خواہاں ہے..... چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے نکلیں تو ایسا لڑکا نہ مل پائے گا۔"

ابو اپنے بھتیجے کو فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ حنا پور پور بے یقین سی بس انہیں دیکھتی جا رہی تھی۔ چاچو سے یہ سب برداشت نہ ہوا۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں بھائی صاحب..... اسلام میں جبر کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپ....."

"تم چپ کرو..... وہ میری بچی ہے..... اس کے لئے غلط اور درست کا فیصلہ مجھے کرنا ہے اور اگر میری تربیت صحیح ہے تو اسے رضامندی دینی ہی پڑے گی۔"

ابو بے درد لہجے میں کہتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ چاچو نے خاموشی سے ان دونوں کو دیکھا پھر بے بسی سے سر جھکائے وہ بھی وہاں سے چلے گئے۔

"کیا یہ میرے ابو تھے.....؟"

حنا شاک کے عالم میں ویسے ہی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ تبریز نے گہری نگاہوں سے ساکت کھڑی حنا کو دیکھا۔ پیلے اور ہرے رنگ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی..... کلیوں اور پھولوں کا زیور اس پر خوب جچ رہا تھا..... ڈھیلی سی چٹیا کے بکھرے سلجھے بالوں سے بے نیاز سرخ ہوتی آنکھوں اور آنسوؤں سے تر گالوں کے ساتھ وہ اسے بے خود کرنے لگی تھی۔ اس کا بس سب کچھ بھلائے صرف اسی ایک خوشی پر بے تحاشہ خوش تھا کہ یہ مکمل حسن کا شاہکار صرف اور صرف اس کی ہونے والی تھی..... اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے..... اسے تو بس حنا چاہیے تھی..... جو اسے مل ہی رہی تھی۔ اپنے قیامت خیز سراپے سمیت، اور اپنی اس کامیابی پر وہ بے تحاشہ شاداں تھا۔

حنا کا خود سے لاپروائی کا یہ عالم تھا کہ اس کا دوپٹہ جانے کب سے کندھے سے پھسل کر نیچے گر چکا تھا۔ تبریز محویت سے اسے دیکھ رہا تھا وہ اس سے بھی لاعلم تھی..... چھت پر اب وہ دونوں اکیلے رہ گئے تھے۔ حنا کو اگر احساس ہوتا تو وہ ایک لمحہ بھی نہ لگاتی یہاں سے جانے میں!

تبریز آگے بڑھا، جھک کر اس کا دوپٹہ اٹھایا، ہاتھ سے اس کے بکھرے بال چہرے سے ہٹائے اور پلو پھیلا کر اس کے سر پر ڈال دیا..... اس کے ماتھے پر کلیوں کی بندیا کو سیدھا کر کے اس نے اسے شانوں سے تھام کر بڑے غور سے دیکھا۔

"تم دلہن کے روپ میں کتنی پیاری لگو گی حنا..... میں تو بس بے صبری سے اس پل کے انتظار میں ہوں جب تم میری دلہن بن کر میرے سامنے ہو گی۔"

تبریز نے محبت بھرے لہجے میں نرمی سے کہا تھا۔ مگر حنا نے حرکت تک نہ کی، نہ پہلے کی طرح چیخی چلائی، وہ قدم بڑھا کر مزید اس کے قریب ہو گیا..... اتنا قریب کہ حنا کو اپنے ماتھے پر اس کی سانسوں کی گرمی محسوس ہونے لگی تھی..... مگر وہ جذبات بھی اس کے اندر زندگی کی رمق نہ جگا سکی..... تبریز نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیا اور اپنے ہونٹوں سے اس کی پیشانی کو چھو لیا۔

"یہ میری محبت کی پہلی خیر ہے حنا جو پورے خلوص سے تمہیں لوٹاتے ہوئے سرشار ہوں کہ تمہاری اس امانت میں، میں نے کبھی بھی خیانت نہیں کی..... آج تک کئی لڑکیاں میرے اردگرد رہیں مگر

میں نے اپنے اتنے قریب آنے کا حق صرف اور صرف تمہیں سونپا۔''

وہ اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خمار کے عالم میں بول رہا تھا۔ حنا بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی..... تبریز کی باتیں اس کے کسی احساس کو جگانے کی بجائے انہیں مزید برف کرتی جارہی تھیں۔

''یہ چاند، ستارے اور یہ خوبصورت رات کا سماں یہ سب اس لمحے کے گواہ ہیں کہ میں نے دل و جان سے تمہیں اپنایا ہے..... تمہاری تمام تر تلخیوں سمیت..... مجھے معاف کر دینا حنا..... تمہاری محبت اور تمہیں پانے کی چاہ نے مجھے اس حد تک خود غرض بنا دیا ہے کہ میں اس شادی سے انکار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے اب اس پل کا شدت سے انتظار ہے جب تم میرے نام سے منسوب ہو جاؤ گی..... میری کہلاؤ گی..... تبریز ہاشم تمہاری پہچان ہوگا..... اور تم اور میں ''ہم'' ہو جائیں گے۔''

تبریز نے تھوڑا سا جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ پھر ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ سجائے اس کے اس روپ کو نظروں میں سماتا اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے گال تھپتھپاتا چلا گیا۔

حنا بت بنی ویسے ہی کھڑی رہی۔ پھر اس کے حواس نے بھی اس کے ابو کی طرح اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر پڑی۔

****

وہ تینوں ناشتہ کر کے ہوٹل سے باہر آئے ہی تھے کہ انوشے کا موبائل بجنے لگا۔

''ولی بھائی کی کال۔''

انوشے نے رُکتے ہوئے کہا تھا۔ مشی نے کان کھڑے کیے تو انوشے سمیت آریان بھی مسکرا دیا۔ انوشے فون سن کر آئی تو اُلجھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا.....؟ تمہارا منہ کیوں اُترا ہوا ہے.....؟ سب خیریت تو ہے.....؟''

مشی نے بے تابی سے اسے پوچھا تھا۔ آریان بھی سوالیہ نظروں سے اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''ولی بھائی پوچھ رہے ہیں کہ مجھے علی کیسا لگا۔''

انوشے کی بات پر مشی نے گہرا سانس لیا۔

''توبہ ہے انوشے..... منہ تو ایسے لٹکا کر آئی تھی تم جیسے نجانے کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو..... میری تو جان ہی نکل جاتی پریشانی کے عالم میں۔ ولی نے پوچھا ہی تو ہے۔ بتا دیتی کہ وہ علی آیا ہی نہیں

مری، نور پاک کہیں کا..... تمہارا سا سنا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ہوگی اُس کی۔''

مشی اپنی عادت کے مطابق تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔

''ولی بھائی نے کہا کہ پانچ منٹ پہلے اُس علی نے کال کی تھی اور کہا کہ ہم مری میں اکٹھے ہیں۔ ''انوشے اس وقت میرے سامنے ہے اور یہ بھی کہ میں بلو جینز اور وائیٹ ہائی نیک پر بلو جیکٹ میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔''

"What...???"

وہ دونوں بیک وقت جیسے حیرت سے چیخے تھے۔

''یہ علی کوئی جن ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔''

آریان نے تحیر آمیز لہجے میں کہا تھا۔ علی کی یہاں موجودگی کی خبر خاص کر آریان کے لئے عجیب تھی کیونکہ وہ ذاتی طور پر ٹور پر آنے والوں کی جانچ کروا چکا تھا مگر اس کے دوستوں نے ہی رپورٹ دی تھی کہ جو علی اسے مطلوب ہے وہ موجود نہیں ہے۔ دو تین لڑکوں کے نام علی ہیں مگر وہ اتنا دل گردہ نہیں رکھتے تھے کہ اس طرح انوشے کے لئے رشتہ بھجواتے۔

''اس کا مطلب ہے علی نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ بھی آیا ہوا ہے اور موقع کی تاک میں ہے۔ جلد یا بدیر وہ تم سے بات کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ تم صرف اس کے سامنے آنے کا انتظار کرو۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو..... مجھے کیا جلدی پڑی ہے اُسے سامنے لانے کی۔''

مشی نے اسے سمجھایا تو اس نے اِدھر اُدھر متلاشی نظریں دوڑانے کی سرگرمی چھوڑتے ہوئے کہا۔ درحقیقت وہ واقعی اُلجھی ہوئی تھی۔

صبح سے ہی موسم شدت اختیار کرنے لگا تھا۔ دھند چھٹنے کی بجائے گہری ہوتی جارہی تھی۔ انہوں نے ایوبیہ جانے کی تیاری باندھی تو برف باری شروع ہو گئی جس کے رُکنے کے انتظار میں شام ہونے کو آئی تھی..... مگر یہ کم ہونے کی بجائے لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔ برف باری کی شروعات کی خبر جیسے ہی ٹی وی نیوز چینل پر آئی ملک بھر سے گروہ در گروہ سیاح مری کی طرف روانہ ہونے لگے..... ہر کوئی برف باری کی وجہ سے ایکسائٹڈ ہو رہا تھا۔ ان تینوں نے بھی جی بھر کر مستی کی مگر اب تھکاوٹ اور سردی سے سن ہوتے پاؤں مزید چلنے سے قاصر تھے۔ سڑکوں پر برف کی موٹی تہہ جم گئی تھی جس میں پاؤں دھنستے جارہے تھے۔ مگر مشی اب شاپنگ کرنے کی ضد لیے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس کی ہٹ دھرمی سے واقف تھے تبھی بلا چوں چرا کیے اس کے ہمراہ مال روڈ کی ایک دکان سے دوسری دکان پر اور دوسری سے تیسری تک بمشکل خود کو گھسیٹ رہے تھے۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہے مشی..... ہم دونوں کو کیوں خوار کر رہی ہو.....؟ ایک جیسی چیزیں ہیں تقریباً ہر دکان پر..... اب جو خریدنا ہے خرید بھی لو.....''

انوشے نے اسے چھٹی دکان کا رخ کرتے دیکھا تو پھٹ پڑی۔

''چپ کر کے آؤ میرے ساتھ..... میں بھی تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ہوں صبح سے پھر بھی چل ہی رہی ہوں..... میرے پاؤں کی جگہ پہیے نہیں لگے ہوئے..... انسانوں کی طرح آؤ۔''

وہ مشی ہی کیا جو سیدھی طرح بات مان جائے۔ وہ دونوں بھی سیڑھیاں اُتر کر اندر گراؤنڈ مارکیٹ میں چلے آئے۔

''یہاں کم از کم برف سے سر سفید تو نہیں ہوں گے۔''

آریان نے ہیٹ اُتار کر برف جھاڑی اور دوبارہ پہن کر دونوں ہاتھوں کو جیکٹ کی جیبوں میں ڈال لیا۔

''مل گئی مجھے مطلوبہ دکان!''

مشی ایک جیولری شاپ میں گھستی ہوئی انہیں بھی آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو مشی زور و شور سے پٹھان دکاندار سے بحث میں مصروف تھی۔ وہ دونوں پہلے تو بددلی سے انہیں سنتے رہے مگر چند ہی پلوں میں اُس پٹھان دکاندار اور مشی کی بحث میں اُن کی دلچسپی بڑھنے لگی۔ وہ دونوں محظوظ ہوتے ہوئے خود بھی اس بارگیننگ میں کود پڑے اور انوشے اور مشی نے اُس دکان سے کافی زیادہ جیولری خریدی۔ یہاں تک کہ آریان نے بھی اپنی بہنوں کے لئے شاپنگ کی۔

انہیں اب بحث و تکرار میں مزا آنے لگا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی مگر مال روڈ پر ابھی بھی دن کا سماں تھا۔ ہر طرف جگ مگ کرتی روشنیاں اور کھلکھلاتے چہرے ایک بہار کا سا سماں پیش کر رہے تھے۔ دونوں اطراف بنی دکانیں جیولری، گرم کپڑے اور جوتوں سے بھری پڑی تھیں..... دنیا کی ہر سوغات وہاں موجود تھی..... انوشے نے اپنے لیے پٹھانی طرز کا بنا ہوا سوٹ، مما کے لئے شال اور دلی بھائی کے لئے دو ٹی شرٹس خریدیں جبکہ مشی نے اپنے لیے جینز شرٹ اور دلی کے لئے گرم چادر خریدی..... آریان نے اپنی امی کے لئے شال اور اپنے لیے جیکٹ لی۔

''اتنی زیادہ شاپنگ کر لی ہم نے۔''

آریان نے ہاتھ میں پکڑے بیگز کو دیکھ کر کہا تو وہ دونوں ہنس دیں۔

''آج کے لئے بس یار..... باقی صبح پر چھوڑ دو۔''

انوشے نے بھی ریڈ سگنل دکھا دیا تھا۔

''اچھا چلو مان لیتی ہوں تم دونوں کی بات کیا یاد کرو گے۔''

مشی نے کمال دریا دلی کا ثبوت دیا تھا جو آریان اور انوشے کو ذرا نہ بھایا۔

''کیا یاد کریں گے..... اتنا تو خوار کیا تم نے ہمیں۔ ویسے ایک بات ہے پٹھانوں سے بحث و تکرار میں مزہ بہت آیا۔''

انوشے نے شرارت سے کہا تو وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''اب میں تو چلا ہوٹل واپس۔ کچھ دیر آرام کروں گا پھر ڈنر کے لئے آیا تو دوستوں نے بارہ بجے سے پہلے جان نہیں چھوڑنی..... تم لوگوں نے جانا ہے تو اکٹھے چلتے ہیں۔''

آریان نے کہا تو مشی فوراً بولی۔

''نہیں۔ ہم ابھی ہوٹل نہیں جائیں گی۔''

''او کے۔ تو پھر یہ بیگز مجھے دے دو۔ میں اپنے روم میں ہی رکھ لوں گا۔ تم لوگ یہاں ساتھ لے کر تو نہیں گھوم سکتیں۔''

آریان نے ان کے ہاتھوں سے بیگز لیتے ہوئے کہا تھا۔

وہ دونوں کچھ دیر ستانے کی خاطر وہاں بنے چھوٹے سے لان میں آ بیٹھیں جہاں ان کے کالج کے کچھ سٹوڈنٹس اور اساتذہ پہلے سے ہی موجود تھے۔ برف باری کا سلسلہ کم ہوتے ہوئے ختم ہو چکا تھا اور سارا دن روئی کی مانند گرتی برف سے لطف اندوز ہونے والے لوگ اب کیفے ٹیریا اور ہوٹلز کا رخ کرنے لگے تھے تاکہ وہ رات کو مال روڈ پر شاپنگ کرنے کے لئے دوبارہ سے انرجی اکٹھی کر سکیں۔ وہ کچھ دیر کے لئے وہاں بیٹھنے آئی تھیں لیکن اب انہیں وہاں ٹیچرز کے ساتھ بیٹھے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا..... انوشے نے کلائی پر بندھی گھڑی کو شاید دسویں بار دیکھا تھا..... اور اب وہ مزے سے گپیں ہانکتی مشی کو باقاعدہ طور پر گھور رہی تھی۔ مگر مشی بھی معصومیت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے انجان بنی ہوئی تھی۔

''توبہ ہے..... یہ مشی بھی ناں..... چپک ہی گئی ہے۔ کب سے اُٹھنے کے اشارے کر رہی ہوں مگر مجال ہے میرا ایک بھی اشارہ سمجھی ہو۔

''اے خدا! اب تو ہی کوئی معجزہ کر دے کہ یہ مشی کی بچی کو یہاں سے اُٹھنے کا خیال آئے۔''

انوشے نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر سوچا۔

''انوشے..... شکر ہے تم نظر تو آئیں۔ اتنا ڈھونڈا تمہیں۔''

ماہی پھولے ہوئے سانس سمیت آتے ہی بولی تھی۔ عظمی، زیبی اور ماہ رخ بھی اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ شاید بھاگتی ہوئی آئی تھیں تبھی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا..... ایسے ہانپ کیوں رہی ہو تم لوگ.....؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

انوشے نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ارے سب ٹیچرز بھی یہیں ہیں۔ السلام علیکم سر، السلام علیکم میم......!''

اُن کی نظر اب ٹیچرز پر پڑی تھی۔

''وعلیکم السلام''...... ٹیچرز بھی مسکرا دیے۔

''سر وہاں اتنا مزہ آ رہا ہے کہ کیا بتائیں۔ سب اتنی مستی کر رہے ہیں۔ ماہ رُخ نے پُرجوش لہجے میں بتایا۔

''انوشے چلو تم ہمارے ساتھ۔ وہاں سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔''

ماہین عرف ماہی نے انوشے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو مشی نے بھی کان کھڑے کیے۔

''کہاں جا رہی ہو تم لوگ......؟''

''مشی ڈیئر...... تم continue رکھو۔ ہم تمہیں ساتھ آنے کا کہہ کر ڈسٹرب نہیں کریں گے۔''

انوشے نے کہا تو مشی اس کا مطلب سمجھ کر ہنستی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھئی میں تو تمہارا ہی خیال کر کے بیٹھی ہوئی تھی کیا خبر وہ مسٹر علی بھی یہاں ہی ہو۔''

مشی نے ہولے سے بامعنی سرگوشی کی۔ انوشے اُسے بس گھور کر رہ گئی۔ جب وہ یہاں پہنچیں تو کافی زیادہ لڑکیاں لڑکے موجود تھے جو زیادہ تو اپنے کالج کے تھے مگر کچھ چہرے انجان تھے۔

''یہ اپنے کالج کے تو نہیں لگتے۔'' انوشے نے ہولے سے کہا۔

''اپنے کالج کے ہیں بھی نہیں۔ لاہور سے ٹور آیا ہے کافی تنگ کر رہے تھے سوچا ان کو مزہ چکھائیں۔ عجیب و غریب ڈیئرز (Dares) دے رہے ہیں۔ کبھی یہ کرو تو مانیں۔ کبھی وہ کرو تو...... جانیں کتنا دم ہے آپ کے کالج کی تربیت میں۔ صرف نصابی سرگرمیوں میں ٹاپ کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ہم بھی تو دیکھیں بیسٹ کالج کے بیسٹ سٹوڈنٹس میں کتنا دم ہے۔''

ماہ رُخ نے جوش سے بتایا تو انوشے کو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔

''نہیں رُخ میرا بالکل موڈ نہیں ہے اور پھر میں ہی کیوں؟ یہ کام تو ہمارے کالج کا کوئی بھی سٹوڈنٹ کر سکتا ہے۔''

انوشے نے دامن بچایا۔

''لڑکوں کی بات ہوتی تب ناں۔ مگر یہ ڈیئرز (Dares) تو کسی لڑکی کو پوری کرنی ہے۔ اور ظاہر ہے ہم سب میں سے تم ہی ہو جو ہر قسم کا چیلنج قبول کر سکتی ہو۔ جہاں تک بات ہے دوسری لڑکیوں کی تو آدھی تو ان کی پرسنیلٹیز (Personalities) سے ہی امپریس ہوئی بیٹھی ہیں۔''

ماہ رُخ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''دیکھو انوشے اب انکار مت کرنا...... بات ہمارے کالج کی عزت کی ہے اور ہم اُن سے کہہ چکے ہیں کہ جو تم کہو گے ہم کر سکتے ہیں۔''

زیبی نے بھی اسے منانے میں حصہ لیا۔

''ایسے کاموں سے کالج کی عزت کم یا زیادہ نہیں ہوتی زیبی۔ وہ لوگ صرف انجوائے منٹ اور ٹائم پاس کے لیے تم لوگوں کو کالج کے نام پر پمپ کر رہے ہیں ورنہ کون نہیں جانتا کہ ہمارے کالج کے سٹوڈنٹس نہ صرف نصابی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ہمیشہ ٹاپ پر رہے ہیں پھر چاہے وہ کوئی کوئز کمپیٹیشن ہو، شعر و شاعری کا مشاعرہ ہو یا دوڑ کا مقابلہ، کرکٹ، فٹ بال یا باسکٹ بال، بائیک ریس ہو یا کوئی اور مقابلہ، ہمارا کالج ہمیشہ پہلا انعام جیت کر لایا ہے اور ابھی کچھ دنوں پہلے ہی تو لاہور کے ہی کالج سے سوئمنگ کمپیٹیشن جیتا ہے ہم نے۔''

اس نے اِن کو دیکھا۔ پھر بولی۔

''جہاں ہمیں خود کو ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی وہاں کریں گے ثابت۔ چلو مشی۔''

انوشے نے انہیں سمجھاتے ہوئے مشی سے چلنے کا کہا۔

''پر انوشے...... ہماری بات......''

ماہی منمنائی...... اُسی نے ہی تو بڑے فخر سے کہا تھا ہمارے کالج کی ایک لڑکی ہے جو تم لوگوں کو ٹکر دے سکتی ہے۔ پر انوشے نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا تھا جبکہ اس کا خیال تھا کہ وہ جھٹ سے ان کا چیلنج قبول کر لے گی۔

''تو ان محترمہ کو لائی تھیں آپ جو ہمیں دیکھتے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہیں۔''

وہ ابھی چند قدم ہی چلی تھیں کہ پیچھے سے ایک لڑکے کی طنزیہ آواز آئی۔ مگر وہ دونوں رُکی نہیں۔

''یہی سکھایا ہے تمہارے کالج نے تمہیں کہ زندگی میں جب بھی کوئی تمہیں چیلنج کرے تو مختلف قسم کے دلائل گھڑ کر اس سے فرار حاصل کر لو۔''

اس بار انوشے کے اُٹھتے ہوئے قدم رُک گئے۔

''اگر واقعی آپ لوگ ہمارے کالج کی طرف سے چیلنج قبول کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو بتا دیں کم از کم آپ کی بہادری کے نہیں تو سچائی کے تو قائل ہو ہی جائیں گے۔ کیوں دوستو......؟ ٹھیک کہا نا میں نے اتنے نامی گرامی کالج کی ہونہار طالبات سے......؟''

وہ اب اپنے دوستوں کے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر ہنس رہا تھا۔ انوشے نے پلٹ کر اِن سب کو دیکھا۔ وہ لڑکا جو سب سے زیادہ بول رہا تھا کافی ہینڈسم اور پُرکشش تھا۔ اور بقول

ماہی...... "لاہور کے لڑکے ہینڈسم نہیں ہوں گے تو کہاں کے ہوں گے......؟"

جبکہ انوشے کا خیال اس کے برعکس تھا۔ اُس کا نظریہ یہ تھا کہ خوبصورتی تو اللہ کی دین ہے جس کو چاہے نواز دے۔ یہ کسی خاص شہر یا جگہ کے لوگوں کے لئے مختص تو نہیں۔ ہاں فرق صرف اتنا سا ہے کہ کسی جگہ کی ثقافت یا ماحول وہاں کے لوگوں پر بہت اثر کرتا ہے۔ کچھ لوگ اپنے ذہن اور حیثیت کے مطابق ایک جگہ کا ماحول بناتے ہیں اور نئے آنے والے اُس ماحول کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔ اور ویسے بھی جس کے پاس پیسہ ہے وہ اپنے بڑے بڑے عیب چھپا کر خوبصورت ہی دکھتا ہے۔

"ہم میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

مشی اُن سے مخاطب تھی۔

"انوشے قبول کرو ان کا چیلنج اور بتاؤ انہیں ہمارے کالج نے زندگی میں چیلنجز کے ساتھ نمٹنے کا کیا طریقہ سکھایا ہے۔"

"ہاں ہاں انوشے......اب تم جا نہیں سکتی۔ تم ایکسیپٹ کرو ان کی Dare......ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

اس کے باقی کالج فیلوز بھی بولے تھے۔ انوشے نے ایک نظر سب کو دیکھا۔ پھر گردن موڑ کر مشی کو...... مشی کے اشارے پر انوشے نے کچھ سوچا پھر مسکرا دی۔ چند قدم چل کر اُن لڑکوں کے پاس آئی۔

"OK...tell me مجھے کیا کرنا ہے......؟"

اُس کی ہاں کے ساتھ ہی اُن کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

"میں منان ہوں اور یہ میرے دوست!"

وہی لڑکا چیلنجنگ مسکراہٹ کے ساتھ آگے آیا تھا۔

"میں انوشے ہوں اور اب آپ اصل بات کی طرف آیئے۔"

وہ اس کے گرد گھوما پھر اس کے سامنے رُکتا ہوا بولا۔

"تو مس انوشے ہم جو چیلنج کرنے والے ہیں، آپ جیسی دھان پان سی لڑکی کے لئے کچھ مشکل سا نظر آتا ہے۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ میری مانیے ایک بار پھر سوچ لیجیے۔ کیونکہ ایک مرتبہ چیلنج سن لینے کے بعد آپ انکار نہیں کر سکتیں۔"

"آپ کو کیا نظر آتا ہے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ چیلنج کچھ بھی ہو میں قبول کر چکی ہوں۔"

"اور بات نبھانا اپنا اصول ہے۔" مشی نے انوشے کی بات مکمل کی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"OK......دو لڑکیوں کا گروپ دیکھ رہی ہیں آپ......؟"

اُس نے تقریباً تیرہ چودہ لڑکوں کے گروپ کی طرف اشارہ کیا جو کچھ ہی دور کھڑے تھے۔

"یہ لاہور کے ہی ایک کالج کے سٹوڈنٹس ہیں۔ ہم سے بہتر ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ پچھلے دو تین سالوں سے یہ ایک ہی کلاس میں ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے کالج میں صرف ایڈمیشن لینا ضروری ہے پاس ہوں یا نہ ہوں اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ بڑی بڑی پارٹیز میں لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ ہم یہ پڑھ رہے ہیں یا یہ کر رہے ہیں۔ یہ ہر مرتبہ مری ٹور پر ضرور آتے ہیں۔ یہ سمجھئے کہ سب کے سب بگڑے امیر زادے ہیں۔ کسی بھی طرح سے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں اور نہ فکر۔ ان میں سے کسی کا باپ جانا پہچانا وکیل ہے تو کوئی ایم این اے ہے۔ کوئی سیاستدان ہے تو کسی نے بزنس کی دنیا میں جھنڈے گاڑے ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ امیر اور معروف ترین والدین کی لاڈلی اور بگڑی ہوئی اولادیں ہیں۔ اُن کے پاس بچوں کو دینے کے لئے وقت تو نہیں پر وہ ان پر پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ اور اسی پیسے کے گھمنڈ اور والدین کے اسٹیٹس کے رعب نے ان کی نظروں میں عام آدمی کو کھلونا بنا دیا ہے۔ کوئی بھی آج تک ان سے ٹکرایا ہو اور رُسٹ پایا ہو، کم از کم میرے علم میں تو نہیں ہے۔ ہاں ایک مرتبہ ایک ایماندار اور فرض شناس پروفیسر نے ہمت دکھائی اور انہیں ڈانٹ دیا۔ نتیجتاً اس پروفیسر پر نشہ کا کیس کروا کر اندر کروا دیا گیا اور اس طرح اس کا کیریئر جو تباہ ہوا سو ہوا، رہائی کے بعد کسی کالج نے بھی اُسے جاب نہ دی۔ اُس کے بعد ایسی جرأت کا مظاہرہ کرنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔

ان کی عیاشیوں کا اندازہ اس سے لگا لیجیے کہ ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ صرف چائے کا ایک کپ پینے کے لئے اسے ڈھیروں شاپنگ کرواتے ہیں۔ اچھی بھلی کانفیڈنٹ لڑکیاں ان کے سامنے آتے ہی پزل ہو جاتی ہیں۔ آنے جانے یا کسی قریب سے گزرنے والے پر ان کی نظر پڑے اور یہ اُسے اپنی شرارت کا نشانہ نہ بنائیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لڑکیاں کیا ان سے تو مرد حضرات بھی دامن بچا کر گزرتے ہیں۔ جو انہیں جانتے ہیں، انہیں دیکھ کر راستہ تبدیل کر لینے میں ہی عافیت جانتے ہیں۔"

منان مسلسل ان کے بارے میں بولتے ہوئے چند لمحوں کے لئے سانس لینے کو رُکا۔

تمام حاضرین بہت غور سے اسے سن رہے تھے اور نظریں اُسی گروپ کی طرف تھیں۔ دو لڑکے آئس کریم کھاتے ہوئے اُس گروپ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک اس وقت اُس گروپ میں سے ایک نے اپنا پاؤں پیچھے کی طرف موڑ دیا۔ وہ دونوں اس اچانک ٹھوکر پر سنبھل

نہ پائے اور منہ کے بل گرے۔ ہاتھوں میں پکڑی آئس کریم ان کے چہروں پہ لگ گئی جس سے سچوایشن خاصی مضحکہ خیز ہوگئی تھی۔ باوجود کوشش کے بھی انوشے اپنی مسکراہٹ نہ روک پائی۔

"اوہ سوری بھائی صاحب...... مجھے علم نہ تھا آپ گزر رہے ہیں۔"

وہی لڑکا لہجے میں معصومیت سموتے ہوئے اب معافی مانگ رہا تھا۔ جبکہ وہ دونوں اُٹھ کر خاموشی سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی پورا گروپ قہقہے لگانے لگا۔ انوشے نے اُلجھ کر منان کو دیکھا جواب مسکراتا ہوا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے ابھی جو کچھ کہا تھا، مثال آپ کے سامنے ہے۔"

اس نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا۔

"معاف کیجیے گا اس سارے قصے میں باوجود کوشش کے بھی میں یہ اخذ نہیں کر پائی کہ مجھے کرنا کیا ہے۔"

انوشے نے کچھ بیزاری سے کہا۔

"ہماری ڈیمانڈ یہ ہے کہ آپ کو ان کے ساتھ صرف 10 منٹ بات کرنی ہے۔"

وہ اتنا کہہ کر مزے سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔ انوشے نے گردن گھما کر اُس گروپ کو دیکھا جواب شاید نئی شرارت کے لیے اپنے نئے شکار کے منتظر تھے۔

"اور یہی نہیں مس انوشے، آپ کو نہ صرف اُن سے بات کرنی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی چیز لے کر آنی ہے اس صورت میں کہ وہ آپ کو خود دیں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ انوشے نے مشی کو دیکھا اور پھر باقی سب کو۔ وہ سب اس سچوایشن میں بہت زیادہ انوالو (involve) لگ رہے تھے اور انوشے کے جواب کے منتظر تھے۔

"انوشے تمہیں نہیں لگتا کہ یہ کچھ رسکی ہے۔"

مشی نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"ہم یہاں پکنک منانے آئے ہیں کسی سے جھگڑنے یا خود کو خطرے میں ڈالنے نہیں۔ وہ لاأبالی سے بگڑے امیر زادے ہیں اُن سے کچھ بعید نہیں۔"

مشی کے انداز میں اب فکرمندی تھی۔

"پر میرے خیال میں ہر قسم کی سچوایشن فیس کرنے کا حوصلہ ہونا چاہیے، خاص کر کے لڑکیوں میں۔ اور مجھے پورا یقین ہے انوشے اس چیلنج کو بخوبی نبھا سکتی ہے۔ ہمیں منع نہیں کرنا چاہیے۔ اور پھر ہم ہیں، گارڈز بھی تو ہیں کوئی ایسی ویسی سچوایشن ہوئی تو سنبھال لیں گے۔ حالانکہ مجھے لگتا ہے انوشے ایسی کوئی سچوایشن کری ایٹ ہونے نہیں دے گی۔"

ان کے کلاس فیلو احتشام نے کہا تو انوشے مسکرا دی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

گروپ کو دوبارہ دیکھا۔ ابھی جو کچھ منان نے بتایا ان کے حلیے ان ساری باتوں کی تصدیق کر رہے تھے۔ کوئی بھی دیکھتے ہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ مغربی دنیا کے دلدادہ بگڑے رئیس زادے ہیں۔

"کیوں محترمہ۔ کہاں کھو گئیں......؟"

منان نے اس کے سامنے چٹکی بجائی۔

"کیسے قبول ہے ہمارا چیلنج......؟ ہے اتنا کانفیڈنس......؟"

انوشے چونکی پھر اسے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"یس...... آف کورس...... اور رہی کانفیڈنس کی بات تو وہ کردار کی مضبوطی سے آتا ہے۔"

انوشے اتنا کہہ کر پلٹی پھر اچانک رُک گئی۔ منان جو اس کی بات کا مزہ لے رہا تھا وہ اس کے رُکنے پہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مگر ایک بات" انوشے منان کی بجائے اس کے دوستوں سے مخاطب تھی۔

"اگر میں یہ چیلنج پورا کر لیتی ہوں تو آپ کے دوست کو وہ کرنا ہوگا جو میں کہوں گی......"

انوشے نے انگلی سے منان کی طرف اشارہ کیا۔

اس کی بات سن کر منان چونکا پھر مسکرا دیا، دوستوں کو دیکھا اور کالر جھاڑتا ہوا بولا۔

"او کے...... ڈن (Done) مجھے آپ کی شرط منظور ہے۔"

انوشے کھل کر مسکرا دی۔

احتشام، مشی اور پورے گروپ نے اسے اشارے سے بیسٹ آف لک کہا۔

انوشے نے سر سے ٹوپی اُتاری اور دوسرے ہاتھ سے بال سیدھے کرتی ہوئی اُس گروپ کی طرف چل دی۔ ان کے قریب پہنچ کر انوشے نے ٹوپی وہاں گرا دی۔

"ایکسکیوزمی ڈول (Doll) یہ آپ کا ہیٹ (Hat)۔ ان میں سے ایک لڑکا اسے فوراً مخاطب کرتا ہوا بولا تو وہ ایسے چونک کر پلٹی جیسے واقعی لاعلم تھی۔ اس لڑکے نے جھک کر ہیٹ اٹھایا اور انگلی پر گھمانے لگا۔

"اوہ تھینک یو...... آپ نے بتا دیا ورنہ یہ......"

"ڈونٹ وری بے بی ہم ہیں ناں!"

دوسرا گلاسز گھماتے ہوئے ایک ادا سے بولا تھا۔

"آپ کافی فرینڈلی ہیں۔"

انوشے نے شروعات کی۔

"ہماری یہ خصوصیت صرف خوبصورت لڑکیوں کے لیے مخصوص ہے۔"

وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو باقی سب ہنس دیے۔

''بہت اچھی بات ہے۔ اپنی یہ خصوصیت کبھی لڑکیوں پر بھی ظاہر کیجئے گا، زیادہ بہتر محسوس کریں گے۔''

انوشے نے اسی کے لہجے میں بات لوٹائی۔ ان سب نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے اس کے گرد دائرے میں چلنے لگے۔ انوشے کو ان کے انداز سے کوفت ہونے لگی۔

''جی آئندہ اس پر بھی غور کریں گے مگر فی الحال تو ''مشورہ دینے والی'' غور طلب ہے۔''

وہ اس پر نظریں جما کر بولا تھا۔

''ضرور غور کیجئے ورنہ یونہی راہ چلتے صرف لڑکیوں پر مہربانیاں کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں ناں حالات کتنے خراب ہیں۔''

انوشے نے اپنی بات کا خود ہی جی بھر کر مزہ لیا تھا۔

جبکہ اس کے گرد متحرک گھیرا ساکن ہو گیا۔ وہ سب اس کے کانفیڈنس اور ترکی بہ ترکی جوابات سے حیران تھے۔ چند لمحے ایسے ہی گزر گئے۔ انوشے کو خود ہی پہل کرنی پڑی۔

''اوہ...... گائیز...... اگر آپ بغور جائزہ لے چکے ہوں تو میں کچھ کہوں......؟''

اس کی بات پر شرمندہ ہونے کی بجائے وہ سب قہقہے لگا کر ہنس دیے۔

''جی...... جی...... ضرور۔ بیوٹی فل ینگ لیڈی...... ہم آپ جیسی حسیناؤں کی کوئی بات ٹالا نہیں کرتے۔''

اُن میں سے ایک اپنا دایاں آئی ابرو چڑھا کر اُس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا...... تو پل بھر کے لئے انوشے نے نظریں جھکا لیں۔

''ویسے اگر آپ ہم پر بھی غور کریں تو ہم بھی کسی سے کم نہیں۔''

وہ شریر مسکراہٹ لیے ''بھی'' پر زور دیتا ہوا بولا تھا۔ پھر وہ ایک دوسرے کے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر ہنس دیے جبکہ ایک تو باقاعدہ گنگنانے لگا تھا۔

''اک دل ہے میرے پاس اور لڑکیاں ہزار۔ جی چاہے دل کے ٹکڑے کر دوں، سب میں بانٹ دوں......''

وہ پھر قہقہے لگانے لگے۔

''اینی وے پرنسز آپ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔ فرمایئے...... ہمارے کان آپ کی سُریلی آواز سننے کو بے قرار ہیں۔''

''آپ سب اتنے قہقہے کیوں لگاتے ہیں......؟ حالانکہ بات اتنی بھی فنی نہیں ہوتی۔''

انوشے کی بات پر ان کا قہقہہ جاندار تھا۔

''کیونکہ ہم دل والے ہیں۔ مس...... جی ہیں۔''

جواب اس کے حسب توقع تھا۔

''پر میرے علم کے مطابق تو بے وجہ بے حد ہنسنے والوں کے دل مردہ ہوتے ہیں۔''

اس کے فوراً جواب پر وہ سب ایک لمحے کو چپ سے ہو گئے۔ ''یہ لڑکی ابھی تک ٹکی ہوئی ہے وہ بھی ان کے سامنے۔''

''واؤ سویٹ ہارٹ۔ تم تو باتیں بھی بڑی سویٹ کرتی ہو بالکل اپنی طرح۔''

وہ شاید ان کے گینگ کا لیڈر تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ابھی تک انوشے کی ٹوپی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ کی انگلی سے وہ اس کے بالوں کی لٹ کو انگلی سے اُچھالتا ہوا بولا۔ تو وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے اس کی حرکت پر غصہ تو آیا مگر ضبط کرتی ہوئی بولی۔

''بہت بُری بات ہے۔ ہاتھوں سے باتیں نہیں کرتے کیونکہ باتوں کے لئے اللہ نے منہ میں زبان دی ہے۔''

وہ سبھی اس کے غیر متوقع جواب سے حیرت میں ڈوب گئے جبکہ ان کا خیال تھا کہ وہ گھبرا کر بھاگنے کی کرے گی یا پھر رونے لگے گی۔ مگر وہ تو جم کر ان کو ٹکر دے رہی تھی۔ انہوں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ بلاشک وشبہ وہ بے حد حسین تھی۔ انوشے ان کی نظروں میں حیرت بھانپ کر مسکرائی۔

''میری نظروں میں بھی آپ کے لئے ایسے ہی ستائش ہوتی اگر آپ سب بھی جتنے خوبصورت ہیں ویسی ہی خوبصورت باتیں بھی کرتے۔''

وہ سمجھ نہ سکے کہ وہ تعریف کر رہی ہے یا اُسلٹ!

''ہم خوبصورت ہیں یہ صرف ہم نہیں کہتے دیکھنے والے کہتے ہیں۔ لڑکیاں فدا ہیں ہم پر۔ ہمارے پیار سے بولے گئے چند الفاظ سننے کو ترستی ہیں۔ ہمارا دیا ہوا چند ہزار کا بریسلیٹ ان کے لئے دنیا کے تمام تحائف سے بڑھ کر ہوتا ہے۔''

وہ نہایت تفاخر سے اسے بتا رہا تھا۔ انوشے مسکراتی ہوئی ایک ایک کے پاس جاتی ہوئی گویا ہوئی۔

''یہ آنکھیں، یہ پیشانی، یہ چہرہ، یہ جسم اگر خوبصورت ہیں تو ان پر غرور کیسا......؟''

''ایسا تو سب کہتے ہیں کہ ہم خوبصورت ہیں...... تم بھی تو یہی کہہ رہی ہو...... صرف الفاظ اور لہجے کا ہی تو فرق ہے۔''

ان میں سے ایک بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''اور ہم خوبصورت ہیں تو ہیں..... لڑکیاں فدا ہیں ہم پر..... ہماری اِک نظر کو ترستی ہیں..... تم بھی تو اسی اٹریکشن میں کھنچی چلی آئی ہو ناں!''

وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا تفاخر سے بولا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''خوش فہم ہونا اچھی بات ہے مگر زیادہ خوش فہمی انسان کو برباد کر دیتی ہے.....''

وہ جہاں اس کی مسکراہٹ سے حیران ہوا وہیں اس کے انداز نے اسے خاموش کر دیا۔

''ایک اور بات، میں تم لوگوں کے پاس کسی اٹریکشن میں نہیں آئی بلکہ تم لوگوں کی خامیاں کھینچ لائی ہیں..... اور میں باتیں کرنے نہیں تمہاری غلطی کا احساس دلانے آئی ہوں۔''

وہ چند لمحے خاموش رہی مگر اُن میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ انوشے اِن کے اُلجھن زدہ چہرے دیکھ کر مسکراتی ہوئی دوبارہ بولی۔

''اُلجھومت..... جس حسن اور جس خوبصورتی کی تم بات کرتے ہو اور فخر سے اکڑتے ہو اس میں تمہارا ہاتھ ہے کیا.....؟''

وہ سوالیہ نظروں سے ان سب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اگر وہ ذات جس نے تمہیں خوبصورت بنایا، امیر بنایا..... بدصورت بنا دیتا یا غریب بنا دیتا..... تب تم کیا کر لیتے.....؟ تمہیں تمہارے خوبصورت یا امیر ہونے پر کوئی اختیار نہیں اور جس بات پر اختیار نہ ہو..... جس کام کے ہونے میں خود کا ہاتھ نہ ہو..... جو چیز سرے سے ہمارے بس میں ہی نہیں اس پر غرور کیسا.....؟ فخر کیسا.....؟ بلکہ ایسی صورت میں تو لمحہ لمحہ شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اُس ذات کا جس نے ہمیں ہماری اوقات سے بڑھ کر نوازا..... لمحہ فکریہ، یہ ہونا چاہیے کہ ہم سے کہیں جانے انجانے میں کوئی ایسی کوتاہی سرزد نہ ہو جائے جو اُس ذات کی ناراضگی کا سبب بنے..... اور وہ غضب کے عالم میں یہ سب ہم سے واپس لے لے۔''

اس نے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔ کچھ پل ان کے ری ایکشن کا انتظار کیا مگر وہ اب بھی خاموشی سے اسے صرف گھورنے میں مصروف تھے۔

''اب یہی مثال لے لو..... میں اگر تم لوگوں سے بدتمیزی کرتی..... تمہیں لوفر، بدمعاش یا نالائق کہتی تو کیا اچھی لگتی تم لوگوں کو.....؟ حالانکہ شکل وصورت تو وہی ہے جسے تم دیکھتے ہی تعریفی نظروں سے سراہ چکے۔''

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہولے سے مسکرائی..... ان سب کے تاثرات سے عاری چہروں کو دیکھا۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ انسان اگر ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اپنا مَن اور اپنا کردار بھی

خوبصورت بنا لے تو وہ ایک مکمل حسن کی شکل لے لیتا ہے..... اور ہر شخص اس کی طرف ایک اَن دیکھی ڈور سے کھنچا چلا آتا ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر واپسی کے لیے مڑی پھر کچھ خیال آنے پر رُکتے ہوئے بولی۔

''ایک اور بات ضرور کہنا چاہوں گی..... ابھی کچھ دیر پہلے تم لوگوں نے جن دو لڑکوں کو گرایا یہ ہرگز مت سمجھے گا کہ وہ بدلہ نہیں لے سکتے تھے..... یا وہ اس بات سے لاعلم تھے کہ انجانے میں آپ سے غلطی نہیں ہوئی بلکہ تم لوگوں نے جان بوجھ کر انہیں گرایا۔ اُن کو بھی غصہ آیا تھا مگر وہ خود پر قابو رکھنا جانتے تھے تبھی انہوں نے بات کو بڑھاوا نہیں دیا اور یہی اُن کے مَن کی خوبصورتی تھی ناکہ تم لوگوں کا ڈر.....''

وہ بات مکمل کر کے پلٹی۔

''سنو.....! تم ایسے نہیں جا سکتی۔''

اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی تھی۔

''تم ہوتی کون ہو ہمیں صحیح اور غلط بتانے والی.....؟ ہمارا جو دل کرے گا ہم وہی کریں گے۔''

وہ غصے سے سُرخ چہرہ لیے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

''او کے..... فائین۔ جو چاہے کرو۔ ویسے بھی آپ لوگ کافی کچھ پہلے ہی اپنی مرضی سے کر چکے ہیں۔ یہ بڑھائے ہوئے پونی میں قید بال، آئی بروز اور ٹھوڑی پر کروائی گئی پیرسنگ، بازوؤں پر بنوائے گئے ٹیٹوز، گلے میں چینز (Chains)، ہاتھوں میں انگوٹھیاں، کلائیوں میں رنگ برنگے بریسلیٹ، گھٹنوں سے کٹس لگی پینٹس، کانوں میں بالیاں..... اس سب کے علاوہ اور کیا دل کرتا ہے اپنی مرضی سے کرنے کا اور کیا کسر باقی رہ گئی ہے.....؟ اگر بُرا نہ لگے تو میں کچھ مدد کر دوں.....؟ اس پینٹ کی جگہ سکرٹ پہنا کرو اور پونی کی بجائے پراندہ ڈالا کرو۔ بال جلدی لمبے ہو جائیں گے۔ بریسلیٹ کی بجائے چوڑیاں پہن لیا کرو سستی ملتی ہیں اور.....''

''شٹ اپ..... جسٹ شٹ اپ..... یو.....؟''

وہ یکدم غصے سے ہاتھ اُٹھا تا دھاڑا تھا۔ انوشے نے اس کا اُٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی روک دیا۔

''بی ہیو یور سیلف..... میں نے کچھ غلط نہیں کہا جو تم یوں آگ بگولہ ہو رہے ہو..... بلکہ میں نے تو صرف تمہیں آئینہ دکھایا ہے۔''

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی غصے سے بولی تھی۔

''ویسے ایک بات سے اطمینان ضرور ہوا کہ تم لوگ لاکھ اپنا حلیہ لڑکیوں سے مشابہہ کر لو، آخر ہو تو لڑکے ہی ناں..... اور میری باتیں تمہاری مردانگی کو ضرب لگا رہی تھیں جو تمہیں گوارہ نہیں اور اسی

کے اظہار کے لئے تم نے ہاتھ اُٹھایا..... مگر شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ میں نے چیلنج نہیں کیا تمہاری مردانگی کو بلکہ تم لوگوں نے خود اپنے آپ کو چیلنج کیا ہوا ہے۔ میں نے تو صرف آئینے میں تم لوگوں کو تمہارا عکس دکھانے کی گستاخی کی۔"

انوشے طنزیہ مسکراہٹ لیے غصے سے بھری نگاہیں اُن پر گاڑے بولی تو وہ سب نظریں جھکا گئے۔

"اور رہی بات کہ میں کون ہوتی ہوں تم لوگوں کو غلط یا درست بتانے والی تو وہ سامنے اُن سٹوڈنٹس کو دیکھ رہے ہو.....؟ وہ میرے کالج فیلوز ہیں اور ان کے ساتھ جو لڑکوں کا گروپ ہے وہ لاہور کے کالج کے سٹوڈنٹس ہیں۔ انہوں نے مجھے چیلنج کیا تھا کہ میں تم لوگوں سے بات کروں۔ نہ صرف چند منٹ تک تم لوگوں سے گفتگو کو طویل کروں بلکہ تم سب سے تمہاری کوئی بھی ایک ایک چیز لے کر آؤں.....

مگر میں اب کچھ بھی نہیں لوں گی تم لوگوں سے کیونکہ انہوں نے لڑکوں کے گروپ سے ایک ایک چیز اُتروا کر لانے کو کہا تھا مگر معاف کیجئے گا خلیے سے تو تم سب مجھے....."

انوشے نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور ان میں سے کسی کی طرف بھی دیکھے بنا واپسی کے لئے مڑی..... وہ اس ساری گفتگو کے بعد ان کے چہروں کے تأثرات نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے ابھی قدم بڑھایا ہی تھا کہ ان میں سے وہی لڑکا جو سب سے زیادہ طیش میں تھا اُس نے اس کو کلائی سے تھام کر روک دیا تھا۔

"ایسے نہیں جانے دیں گے تمہیں، بدلہ لیں گے ہم تم سے اپنی اس انسلٹ کا"

وہ دانت پیستا ہوا بولا تھا..... انوشے نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی مگر اُس کی مضبوط گرفت کی وجہ سے وہ بُری طرح ناکام ہوئی تھی۔

"ہم تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا ہیں۔"

اُن میں سے ایک اور لڑکا آگے بڑھا تھا..... انوشے کو لگا اُس شخص کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے خوفزدہ ہوئی مگر اس نے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا اور گھبرانے کی بجائے اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

"اوکے..... تو پھر بتاؤ کہ تم کیا ہو.....؟" "اپنی باتوں سے نہیں اپنے حلیے سے ظاہر کرو تو یوں ہر کسی کو پکڑ پکڑ کر نہ کہنا پڑے کہ "ہم لڑکے ہیں..... اپنے والدین کے پیسوں پر عیاشی کرتے ہو..... لڑکیوں کو کھلونا سمجھتے ہو..... ہوتی ہوں گی کچھ..... جو کھلونا بن بھی جاتی ہوں گی مگر اس بار تم لوگ غلطی کر گئے ہو۔ تم سب لاکھ کوشش کر لو..... مجھے کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔"

"اوکے میڈم..... ہم بتاتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا کیا کر سکتے ہیں۔"

وہ لڑکا جس نے ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا اور اذیت کے باوجود کوشش کے اپنا ہاتھ چھڑا نہ پائی تھی..... اس کا ہاتھ اپنے منہ کی طرف لاتے ہوئے بولا تھا۔ اس کے ہونٹوں نے ابھی اس کا ہاتھ چھوا نہیں تھا کہ انوشے کا دوسرے ہاتھ کا زوردار تھپڑ اس کے گال کو سرخ کر گیا..... دوسرے لڑکے غصے سے یکدم آگے بڑھے تو اُس لڑکے نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا۔

اردگرد کے لوگ متوجہ ہونے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ سیکورٹی گارڈز بھی متوجہ ہوتے انوشے ہر حال میں وہاں سے نکلنا چاہتی تھی..... وہ کسی بھی قسم کا تماشا کری ایٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اچانک اور غیر متوقع تھپڑ سے انوشے کی کلائی پر اُس لڑکے کی گرفت لمحہ بھر کو ڈھیلی ہوئی جس کا بروقت فائدہ انوشے نے اُٹھایا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"اپنے غصے کو کنٹرول کرو تم لوگ اور ٹھنڈے دماغ سے سوچنا ضرور..... اگر ضمیر نام کی کوئی چیز ہوگی تو احساس ضرور ہوگا کہ بدتمیزی کس نے کی۔"

انوشے سخت لہجے میں پھنکاری تھی مگر اس نے اپنی آواز حتی الامکان دھیمی ہی رکھی۔

"Any Problem Mam?"

دو سیکورٹی گارڈز جو وہاں گشت پر تعینات تھے، انہیں یہاں کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا تو چلے آئے۔ وہ سب وقتی طور پر گھبرائے تھے..... کیونکہ اگر انوشے اُن گارڈز سے کچھ کہہ دیتی تو ان کا پورے کا پورا گروپ جیل جاتا..... یہ الگ بات تھی کہ انہیں وہاں صرف تب تک ہی رُکنا پڑتا جب تک اُن کے والدین کو علم نہ ہو جاتا..... اور یہ اُن کے لئے معمولی سی بات تھی۔ کئی بار ایسا ہو چکا تھا..... مگر فی الوقت وہ لوگ جیل کی ہوا کھانے کے موڈ میں قطعی نہ تھے سو خاموش ہی رہے..... انوشے نے ایک گہری نظر ان سب پر ڈالی اور پھر گارڈز سے مخاطب ہوئی۔

"No Problem, Thank you."

"اوکے میم، سوری (Sorry) ہمیں لگا یہ لوگ آپ کو تنگ کر رہے ہیں۔"

انوشے مسکرائی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ مجھے نہیں البتہ میں ان کو تنگ کر رہی تھی یہ پوچھ کر کہ اتنی زیادہ جیولری جو یہ اپنے اوپر لادے پھر رہے ہیں اُسے اُتار کر دیکھیں کہ اصلی شکلیں کیسی لگتی ہیں۔"

اس کی بات پر گارڈز مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ ایسی نوک جھونک تو یہاں معمول کا حصہ تھی۔ گارڈز کے جانے کے بعد انوشے غصہ ضبط کرتی ہوئی ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اگر میں چاہوں تو ابھی اسی وقت اپنے کالج کے گارڈز کو بلوا لوں۔ انہوں نے تمہارے جسموں میں کوئی ہڈی سلامت نہیں رہنے دینی..... پھر چاہے تم لوگ ایم۔ این۔ اے کی اولادیں ہوں یا کسی سیاستدان، وکیل یا کمشنر کی..... کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔"

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو..... تمہاری ان ساری باتوں کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہونے والا۔ ہمیں سمجھانے کی آج تک کسی نے ہمت نہیں کی۔ اور تم نے یہ کارنامہ سرانجام دے ہی دیا ہے تو اب دیکھنا تمہیں یہ کتنا مہنگا پڑتا ہے۔"

وہ لڑکا نہایت طیش کے عالم میں انوشے کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

انوشے ایک پل تو اسے دیکھ کر اندر تک کانپ گئی مگر پھر بھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔

"یہ نفسا نفسی کا دور ہے۔ کوئی کسی کے بارے میں سوچتا بھی نہیں اور اگر سوچتا ہے تو اس میں اس کا اپنا مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔ مگر میرا یہ ماننا ہے کہ اگر کسی کو غلطی پر دیکھو تو اسے کم از کم صحیح راستے کی نشاندہی ضرور کراؤ وہ عمل کرے یا نہ کرے، یہ اُس کا اپنا فیصلہ..... مگر تم لوگوں کے معاملے میں مجھے اس وجہ سے زیادہ انوالو ہونا پڑا کیونکہ تمہاری غلطیاں دوسروں پر بلواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں، دوسروں کو پریشان کرتی ہیں۔ ہر سامنے والے انسان کو تنگ کرنا تمہارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ شریف اور معصوم لڑکیاں تمہارے گروپ کو دیکھ کر راستہ تبدیل کر لیتی ہیں۔ ایک بات ہمیشہ ذہن میں تازہ رکھنا تم لوگ کہ برائی اور برے کام دیمک کی طرح ہوتے ہیں۔ بظاہر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی مگر اندر سے سب مٹی ہو جاتا ہے۔ ویسے میں یہ سب آپ سے کیوں کہہ رہی ہوں؟ آپ لوگ تو امیر ہیں، خوبصورت ہیں اور سب سے بڑی بات کہ لڑکے ہیں..... پھر آپ غلطی پر کیسے ہو سکتے ہیں.....؟"

انوشے طیش میں آ کر بولی تو بولتی چلی گئی۔

"مجھے ہمیشہ ان لمحات کا افسوس رہے گا جو میں نے تم لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے گزارے۔ اچھا ہوتا اگر میں تم لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا چیلنج قبول نہ کرتی۔"

وہ سب غصے سے سرخ ہوتا چہرہ لیے بولتی اس دھان پان سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

"تم لڑکوں کو اپنی جسمانی طاقت پر بڑا مان ہوتا ہے ناں..... جس کا تم اکثر بے دریغ استعمال بھی کر جاتے ہو۔ مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے تم جیسے مردوں کو کہ اگر قدرت نے مرد کو جسمانی طور پر لڑکیوں سے زیادہ قوت و طاقت دی تو عورت ذات کو بھی نسوانیت کا غرور بخشا۔ لڑکے اگر طاقت ور ہوتے ہیں تو ایک مضبوط کردار کی لڑکی کئی لڑکوں پر بھاری ہے اور تم جیسے اپنی طاقت،

حیثیت پر غرور کرنے والے اُس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"

وہ انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی اور پھر باقی مٹھی کی شکل میں بند انگلیاں کھول کر اس کے سامنے ہاتھ ہوا میں لہراتی پلٹ کر بھاگتی ہوئی سب کے درمیان میں سے گزر گئی..... جبکہ وہ سب کے سب ہکا بکا اسے جاتی ہوئی دیکھتے رہے۔

"سوری بوائیز میں چونکہ آدھا چیلنج پورا کر پائی ہوں اور ان سب کی کوئی بھی چیز اُتروا کر نہیں لا پائی اس لیے میں بدلے میں آپ سے کچھ بھی کرنے کو نہیں کہوں گی۔"

انوشے نے واپس آ کر منان اور اس کے دوستوں سے کہا تھا جبکہ وہ پوری کی پوری آنکھیں کھولے بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں مس انوشے! آپ نے تو کمال کر دیا۔ ایسا تو آج تک نہیں ہوا۔ آپ نے جس طرح انہیں ہینڈل کیا، بلاشبہ یہ اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی بالکل نہیں تھا۔ "You are great" منان نے تالی بجا کر اسے داد دی تھی۔

"واہ انوشے تم اتنی بہادر ہو مجھے پہلے سے اندازہ تو تھا مگر آج تو یقین ہو گیا۔" ماہ رُخ اُس کے گلے لگتی ہوئی بولی تھی۔

"ہاں! تم نے ثابت کر دیا کہ ہمارے کالج کے سٹوڈنٹس ہر امتحان میں میدان مار سکتے ہیں۔" ماہی نے بھی فرضی کالر جھاڑ کر تفاخر سے کہا تھا۔

"انوشے تم ٹھیک ہو.....؟"

مشی نے اس کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہولے سے پوچھا تھا۔

انوشے نے صرف اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

"ویل ڈن انوشے ہمیں تم پر فخر ہے۔"

وہ سب کی سب اسے گھیرے میں لیے کھڑی تھیں۔ وہ جھلائی۔

"افوہ.....! کیا کر دیا میں نے۔ وہ سب لڑکے ہی تھے۔ کسی اور مخلوق سے تعلق نہیں تھا اُن کا..... جو تم لوگ مجھے یوں پروٹوکول دے رہی ہو"

اُس کے اُکتاہٹ بھرے انداز کو وہ کسی خاطر میں نہ لائی تھیں..... اُن سب کو تو اسی بات پر بے تحاشہ خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ لاہور کے لڑکوں سے شرط جیت گئی تھیں۔ اور وہ سب کے سب اب ان کے کالج سے بہت امپریس ہو چکے تھے اور پرستائش نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے مرعوب ہو رہے تھے۔ جبکہ انوشے کا دل جیسے یکدم ہی اس ہنگامے سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ اس شور و غل سے دُور بہت دُور بھاگ جانا چاہ رہی تھی۔ نجانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی

اتر رہی تھی۔

''شکر ہے اللہ کا کہ کچھ نہ انہیں ہوا ورنہ یہ اشرف المخلوقات سے تعلق رکھنے والا انسان جب اپنی کمینگی پر اُترتا ہے تو خطرناک ترین جانوروں سے بھی زیادہ خوفناک درندہ بن جاتا ہے۔''

"Anoshay Everything is Okay?"

مشی جو تب سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی دوبارہ اس سے پوچھنے لگی۔

"Let me go now." ''مجھے ہوٹل جانا ہے۔''

اس نے مشی سے کہا تو اس کا سرخ چہرہ اور نم آنکھیں دیکھ کر مشی گھبرا گئی۔

''کیا ہوا انوشے.....؟ سب.....''

''میں ٹھیک ہوں تم فکر نہ کرو۔''

انوشے اس کا سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی بولی تھی۔

''اگر ٹھیک ہو تو پھر رُکو ناں.....ابھی تو بارہ بجنے میں کافی وقت ہے۔''

مشی نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

انوشے کو احساس ہوا کہ مشی ابھی واپس نہیں جانا چاہتی اس نے اپنا موڈ بہتر کرتے ہوئے کہا۔

''او کے.....! تم انجوائے کرو میں چلی جاتی ہوں۔'' انوشے نے بمشکل اسے یقین دلایا کہ وہ ٹھیک ہے۔تب جا کر مشی نے اسے ہوٹل جانے کی اجازت دی۔وہ اس ہجوم سے نکلی ہی تھی کہ سردانش،سر ہارون اور سر رضا پر اس کی نظر پڑی جو اسی طرف آرہے تھے۔

''انوشے بیٹا آپ ٹھیک ہو.....؟ ہمیں ابھی معلوم ہوا۔''

سردانش نے نہایت نرمی اور شفقت سے اسے پوچھا تھا۔اس کی آنکھوں میں نمی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

''جی سر میں ٹھیک ہوں۔''

اُس نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

''آپ نے ان لڑکوں کو خوب ٹکر دی.....پر یہ ضرور کہوں گا کہ آپ نے رسک لیا.....خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی ورنہ ایسے بگڑے لڑکوں سے کچھ بھی بعید نہیں.....آئندہ احتیاط کرنا بیٹا.....!''

سر رضا اسے سمجھا رہے تھے۔اس نے ''جی سر'' کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا.....نم اور جھل چلکیں اس نے دانستہ جھکا رکھی تھیں.....اس کے باوجود اسے سر ہارون کی گہری کھوجتی نظریں

چہرے پر گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔

''ایکسکیوزمی سر مجھے ابھی ہوٹل جانا ہے۔''

اس نے سردانش کو دیکھتے ہوئے اجازت لینا چاہی تو اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی سے اس کی پانیوں سے بھری نم آنکھیں چمک چمک گئیں۔

''میں جاؤں سر.....؟''

وہ پوچھ رہی تھی۔

''جی جی ضرور.....!''

سردانش نے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی تو وہ پلٹ کر تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوٹل کی طرف بڑھ گئی.....وہ جلد از جلد اپنے روم میں پہنچنا چاہتی تھی۔کچھ لمحے پہلے ہونے والا واقعہ اسے بُری طرح ڈسٹرب کر رہا تھا۔اس کی آنکھیں چھلک اُٹھی تھیں اور کافی دیر سے روکے گئے آنسو قطرہ قطرہ اس کے گلابی گلابی گالوں پر لڑھک آئے تھے۔اردگرد سے گزرتے لوگوں کی نظریں اس کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔مگر وہ نظر انداز کرتی باقاعدہ اب بھاگ رہی تھی۔سر ہارون کی نظریں دُور تک اس کا تعاقب کر رہی تھیں.....تبھی اُن کی نظر ان بگڑے لڑکوں کے گروپ پر پڑی جو وہاں ایک دکان کے باہر کھڑے تھے اور اب وہاں سے گزرتی انوشے اُن کی توجہ کا مرکز تھی۔ہارون کو کسی گڑبڑ ہونے کا اندیشہ ہوا تو وہ سردانش اور رضا سے ہوٹل جانے کا کہتا تیزی سے انوشے کے پیچھے بھاگا۔اُن لڑکوں کی نظر دُور سے آتی اس لڑکی پر پڑی جو کچھ دیر پہلے ان کی اچھی خاصی عزت افزائی کر گئی تھی.....وہ کچھ قریب آئی تو وہ جی بھر کر حیران ہوئے۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ابھی جو انہوں نے اس کا روپ دیکھا تھا وہ بس حیرت سے اُسے وہاں سے گزرتے دیکھتے رہے جبکہ وہ کسی کی طرف بھی متوجہ ہوئے بنا بھیگی پلکوں اور تر آنکھوں کے ساتھ ان کے قریب سے گزر گئی تھی۔ان لڑکوں کے لیڈر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہیٹ (Hat) کو دیکھا جو اسی لڑکی کا تھا جسے شاید وہ واپس لینا بھول گئی تھی اور نہ انہیں اسے واپس لوٹانے کا خیال رہا تھا۔پھر اُس نے دُور جاتی انوشے کو دیکھا.....ایک قدم اُس کی طرف بڑھایا مگر دوسرا اُٹھتا قدم روک کر چند لمحے اُسے جاتے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر اپنے گروپ کی جانب بڑھ گیا تو ہارون نے سکون سے گہرا سانس لیا.....وہ اب انوشے سے کچھ ہی فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔آگے اب ڈھلوان تھی اور روشنی بھی قدرے کم تھی.....یہاں سے ہوٹل ایریا شروع ہوتا تھا۔مال روڈ پر ہی رش زیادہ تھا جبکہ یہاں اکا دُکا لوگ ہی تھے.....وہ بہت احتیاط سے گیلی ڈھلوان سے نیچے اتر رہی تھی۔

کم روشنی اور قدرے سنسان جگہ کی وجہ سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو صاف کیا اور اگلا قدم رکھا ہی تھا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا۔ سر ہارون جو اس کے قریب پہنچ چکے تھے انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر سہارا دیا..... انوشے کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا..... خوف کے مارے اس کا سانس اٹک گیا۔ اسے لگا کہ وہی لڑکا پہنچ گیا ہے جسے اس نے تھپڑ مارا تھا۔ یہ سوچ ذہن میں آتے ہی اس کی بینائی گم ہو گئی۔

"سنبھل کر انوشے۔"

سر نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا تھا۔ ان کی آواز پہچان کر انوشے نے دھیرج سے انہیں دیکھا۔

"سر آپ.....؟"

وہ کانپتی آواز میں بولی تھی..... اس کی گھبراہٹ کو سر نے بھی بھانپ لیا تھا۔ سر کو سامنے دیکھ کر اسے حوصلہ ہوا اور کچھ دیر پہلے والا خوف آنسوؤں کی شکل میں باہر نکل آیا۔

"ارے ارے کیا ہوا.....؟"

سر اسے روتے دیکھ کر پریشانی سے پوچھنے لگے۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ پائی۔

"کیا ہوا انوشے.....؟ کچھ تو بتایئے.....؟ آخر معاملہ کیا ہے.....؟ اگر آپ کے یوں رونے کی وجہ.....؟"

سر بچوں کی طرح اس سے نہایت نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

"I am fine Sir... مجھے لگا کہ شاید وہی لڑکے آ گئے ہیں۔"

اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"کمال ہے..... وہاں تو آپ انہیں چاروں خانے چت کر آئیں اور اب اتنے سے خیال سے گھبرا گئیں۔"

"وہ..... میں بہت ڈر گئی تھی"..... انوشے کی آواز ابھی بھی سہمی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"آپ بہت اچھی ہیں انوشے اور اچھے لوگوں کے ساتھ اللہ کبھی بھی کچھ برا نہیں ہونے دیتا"

سر نرمی سے اسے بچوں کی طرح بہلا رہے تھے۔

"چلیں اب.....؟"

سر نے اسے چلنے کا کہا تو انوشے نے احتیاط سے ان کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔ ہوٹل پہنچنے تک نہ سر نے اس سے کوئی بات کی اور نہ ہی انوشے نے کچھ کہا۔ ہوٹل آ گیا تھا۔ اپنے کالج کے اکا دکا سٹوڈنٹس نظر آ رہے تھے۔ مگر اس وال کے اس پار ریسپشن پر دو آدمی بیٹھے چائے پی

رہے تھے۔ وہ گلاس ڈور کھولے اندر چلے آئے..... سر نے ان کو اپنے اور اس کے روم کا نمبر بتا کر چابیاں لیں اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کاریڈور میں آ گئے۔ اس کے کمرے کی چابی اسے دیتے ہوئے ان کی نظر جب اس کے چہرے پر پڑی تو وہ چونک کر رک گئے۔

"کیا ہوا سر.....؟" وہ بھی اپنے اٹھتے قدم روکتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"انوشے۔ مجھے آپ کی طبیعت کچھ بہتر نہیں لگ رہی۔"

انہوں نے اس کے ضرورت سے زیادہ سرخ چہرے، بھیگی پلکوں اور سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں سر.....! بس تھکاوٹ ہے۔ کچھ دیر آرام کروں گی تو فریش ہو جاؤں گی۔"

"Are you sure...?"

انہوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے بکھری سلجھی لٹوں سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے پوچھا تھا..... جو اسے اور بھی پُرکشش بنا رہی تھیں۔

"Yes, Sir."(یس سر!)

انوشے نے ہاتھ سے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے..... یہ آپ کے روم کی چابی۔"

سر نے بحث میں پڑنے کی بجائے چابی اس کی طرف بڑھائی جسے انوشے نے ہاتھ بڑھا کر ان کی ہتھیلی پر سے اٹھا لیا۔ اس کی انگلیوں کی پوریں سر کی ہتھیلی سے مس ہوئیں تو انہیں اس احساس نے مزید چونکا دیا کہ اتنی زیادہ سردی میں بھی اس کی انگلیوں کا لمس گرم تھا۔ انہوں نے گہری نظر اس پر ڈالی..... جبکہ وہ دروازہ کھول کر اپنے روم میں چلی گئی تو کچھ سوچ کر سر پھر نیچے چلے آئے۔

****

انوشے نے سر سے تو کہہ دیا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر حقیقت میں اسے بھی اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی..... اچانک ہی اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا جو اب بڑھتا جا رہا تھا..... اس نے بددلی سے منہ ہاتھ دھویا اور ڈھیلا ڈھالا آف وائٹ سلک کا ٹراؤزر شرٹ پہنا اور بالوں میں ہاتھ پھیرتی بیڈ پر لیٹ گئی..... کمرے میں پہلے سے ہیٹر آن تھے جن کی وجہ سے سردی کا احساس قدرے کم تھا مگر انوشے کو پھر بھی ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اردگرد برف کی سلیں پڑی ہوئی ہیں..... اس نے کپکپاتے ہوئے لحاف میں اپنے آپ کو پوری طرح چھپا لیا۔ اس وقت اسے ایک مگ گرما گرم چائے کی شدت سے طلب ہو رہی تھی مگر اس میں اتنی ہمت نہ

تھی کہ روم سروس کو کال ہی کر لے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو اسے لگا مشی آ گئی ہے۔

''آ جاؤ مشی..... دروازہ کھلا ہی ہے۔''

انوشے نے لحاف میں چہرہ چھپاتے ہی اسے اندر آنے کو کہا تھا مگر جب کچھ دیر تک اسے کسی کے بھی اندر آنے کا احساس نہ ہوا تو اس نے لحاف چہرے سے ہٹایا اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے لحاف سینے تک اوڑھ لیا۔

اس نے دوبارہ مشی کو آواز دی:

''مشی اندر آ جاؤ یار.....!''

اس نے ایک ہاتھ سے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے آواز دی تھی۔ ہلکی سی آواز سے دروازہ کھلا اور پھر کسی نے اندر قدم رکھتے ہی کہا تھا۔

''آیئے ڈاکٹر۔''

سر ہارون کی آواز کانوں میں پڑتے ہی اس نے چٹاخ سے آنکھیں کھول دیں جنہیں وہ بند کیے بیٹھی تھی۔ ماتھا سہلاتا اس کا ہاتھ ساکن ہو گیا۔

سامنے ہی سر ہارون کے ساتھ ایک ڈاکٹر موجود تھا۔

''سر آپ.....؟''

انوشے نے حیرت سے پوچھتے ہوئے اٹھنا چاہا مگر سر نے اسے بیٹھے رہنے کا حکم دے کر روک دیا۔

''ڈاکٹر صاحب..... ان کا چیک اَپ کیجیے۔''

انہوں نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا تو وہ اس کی نبض چیک کرنے لگے۔

''ان کو بہت تیز بخار ہے جو شاید سردی اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ ان کو باہر مت جانے دیجیے گا..... میں دوا دے دیتا ہوں۔ کھانے کے بعد گرم دودھ سے کھلا دیں۔ صبح تک انشاءاللہ یہ بالکل ٹھیک ہوں گی۔''

ڈاکٹر نے اپنے ساتھ لائے بریف کیس میں سے کچھ گولیاں نکالتے ہوئے پاس کھڑے سر ہارون کو ہدایات دیں..... اور دوا کا پیکٹ سر کی طرف بڑھاتے ہوئے پلٹے۔

''تھینک یو ڈاکٹر..... آیئے میں آپ کو نیچے تک چھوڑ آؤں۔''

سر ہارون نے ڈاکٹر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیے۔ پھر انوشے پر نظر ڈال کر بولے۔

"No, Its OK" میں چلا جاؤں گا۔ آپ زحمت نہ کریں۔ وقت پر انہیں دوا کھلا دیں اور پھر یہ

پوری نیند لیں۔ صبح دوبارہ میری ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔''

ڈاکٹر صاحب چلے گئے تو انوشے بولی۔

''سر آپ نے خواہ مخواہ ہی ڈاکٹر کو بلانے کی تکلیف اُٹھائی..... میں نے کہا تو تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں..... ریسٹ کروں گی تو.....''

''جی.....! آپ بالکل ٹھیک ہیں..... اس کی تصدیق ڈاکٹر صاحب کر تو گئے ہیں.....''

سر ہارون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو انوشے ان کا مطلب سمجھتی ہوئی نظریں جھکا گئی۔ اس کے سائیڈ ٹیبل پر پڑے روم سیٹ سے سر نے روم سروس کا نمبر ملایا اور ایک گلاس دودھ، ایک کپ چائے، ایک سینڈوچ اور کچھ بسکٹس کا آرڈر دیا اور خود کچھ فاصلے پر پڑے صوفے پر بیٹھ گئے۔ انوشے نے کن اکھیوں سے ان کی طرف دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ صوفے پر بازو رکھے ہاتھ کا گولا سا بنا کر ہونٹوں پر ٹکائے وہ فرش کو گھورنے میں مصروف تھے..... بلیک ٹو پیس، سکن ہائی نیک اور بلیک ہی شرٹ میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہے تھے..... ڈارک براؤن بالوں نے ان کی کشادہ پیشانی کو چھپا رکھا تھا۔ اسے وہ معمول سے زیادہ سنجیدہ لگے..... ٹانگ پر ٹانگ رکھے کسی گہری سوچ میں کھوئے وہ جیسے اس کی موجودگی سے بھی بے خبر ہو گئے تھے۔

دیئر نے دروازے پر دستک دی تو اپنی اپنی جگہ وہ دونوں چونکے۔

''یس کم اِن'' (Yes, come in)

سر ہارون نے اُسے اندر آنے کا کہا تو وہ ٹرے اُٹھائے اندر چلا آیا..... اس کے جانے کے بعد سر نے سینڈوچ اس کی طرف بڑھایا..... انوشے نے بددلی سے پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے لی..... حالانکہ اس کا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے آدھا سینڈوچ کھایا۔

''سر! میں اور نہیں کھا سکتی..... میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا کھانے کو۔''

انوشے نے بے چارگی سے کہا..... سر نے اس سے پلیٹ لے کر واپس میز پر رکھی اور گولیاں نکالتے ہوئے بولے۔

''اپنی ہتھیلی پھیلاؤ۔''

انوشے نے اپنا نازک سا ہاتھ اُن کے آگے پھیلایا تو سر نے دو گولیاں اس کی ہتھیلی پر رکھیں اور دوسرے ہاتھ میں اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے آتی لہجے میں آرڈر دیا۔

''پہلے انہیں پانی کے ساتھ نگل لو پھر یہ نیم گرم دودھ پی لینا۔''

انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے کہا تو وہ بنا کچھ بولے پانی کے ساتھ گولیاں نگل گئی۔

''جلدی سے دودھ ختم کرو اور سو جاؤ..... میں مشی سے کہہ دوں گا کہ آج رات وہ کہیں اور ایڈجسٹ کر لے تاکہ آپ کو ڈسٹربنس نہ ہو۔''

وہ سنجیدگی سے چائے پینے کے دوران اسے ہدایت کر رہے تھے۔ جب تک انہوں نے چائے پی انوشے دودھ کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ سر نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ٹرے میں رکھا اور بولے۔

''اب آپ سو جائیے۔ صبح تک بخار اتر جائے گا۔''

انہوں نے واپسی کے لئے قدم اٹھایا پھر جاتے جاتے رُکے اور تحکمانہ لہجے میں بولے:

''اپنا موبائل آف کیجئے۔''

''پر سر!''

انوشے نے اس بار حیل وحجت کرنے کی کوشش کی مگر سر نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل اٹھایا اور آف کر کے واپس وہیں رکھ دیا۔

''اول تو اس وقت کوئی کال آئے گی نہیں۔ اور بالفرض اگر گھر میں سے کسی نے کال کرنی ہوئی تو مشی سے خیریت دریافت کر لیں گے۔''

وہ مسکراہٹ دباتے اس کی بے بسی سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے تھے۔ پھر اسے ریسٹ کرنے کا کہتے لائیٹ آف کرتے چلے گئے۔

****

وہ پل بھی آ ہی گیا جب وہ دلہن بنی تبریز کے کمرے میں اس کے بیڈ پر براجمان تھی۔ سبھی کہہ رہے تھے حنا کو خوب روپ چڑھا ہے..... بالکل پریوں جیسی لگ رہی ہے..... آسمان سے اتری کسی حور کی شبیہ لیے وہ یخ بستہ جذبات کے ساتھ وہاں بیٹھی تھی..... بناؤ سنگھار اور بھاری زیورات نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ آج نہ ہی وہ روئی تھی نہ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری چہرے کے ساتھ چپ چاپ تمام رسمیں نبھاتی رہی..... نہیں نبھائی تو اس نے ایک رسم نہ نبھائی اور وہ تھی رخصتی کے وقت ساری دلہنوں کی طرح روئی نہ تھی..... خشک آنکھیں لیے سب سے ملی اور ڈولی میں جا کر بیٹھ گئی۔ بارات چونکہ حویلی کے ایک پورشن سے دوسرے پورشن میں جانی تھی اس لیے ڈولی کا انتظام کیا گیا تھا۔ تمام رسومات کے بعد اب وہ تبریز کے کمرے میں موجود تھی۔ قدموں کی چاپ دروازے کے باہر آ

کر رُک گئی تھی۔ پھر تمام کزنز کا شور اس کی سماعتوں میں گونجنے لگا۔ وہ شاید تبریز کو کمرے میں نہیں آنے دے رہی تھیں۔ نیگ لینے کی رسم نبھانے کے بعد تبریز دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس نے مالا اتار کر سائیڈ پر رکھی اور اس کا پھیلا لہنگا اٹھا کر اپنے لیے جگہ بناتا اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''آخر کار تم مل ہی گئی مجھے.....!!!''

پہلا فقرہ جو حجلۂ عروسی میں حنا نے اس کی زبان سے سنا تھا۔ خوشی اور اسے پا لینے کی سرشاری تبریز کے لہجے سے ہی عیاں تھی۔

''حنا میں تمہارا یہ روپ دیکھنے کے لئے بے تاب ہوں مگر پہلے مجھے تمہاری امانت لوٹانا چاہتا ہوں۔''

تبریز نے جیب سے وہی بریسلیٹ نکالا جو اس نے اس کے لئے خریدا تھا مگر تب حنا نے اسے لینے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ یہ بریسلیٹ میں خود تمہاری کلائی میں پہناؤں گا..... آج وقت بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔''

وہ نفاخر لیے بولا تھا۔ پھر اس نے حنا کے یخ ہاتھوں کو تھاما تو وہ سر سے لے کر پاؤں تک کانپ کر رہ گئی..... وہ آج بھی اپنا ہاتھ کھینچ لینا چاہتی تھی مگر وہ خود یہ حق اسے دے چکی تھی، چاہے مجبوراً ہی سہی مگر وہ اب اس کی ملکیت میں آ چکی تھی..... وہ جیسا چاہتا اس کے ساتھ سلوک روا رکھ سکتا تھا۔ حنا نے اپنے اندر گرتے آنسوؤں کو چپکے سے پی لیا۔ تبریز نے اس کی کلائی میں بریسلیٹ پہنانے کے بعد اس کا گھونگھٹ اٹھایا تو مبہوت رہ گیا۔

لرزتی جھکی پلکوں کے نیچے گھبراہٹ سے گلابی ہوتے گال اسے سرشار کرنے کو کافی تھے۔ ہمیشہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ اگر کبھی وہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو وہ بھڑک اٹھتی تھی مگر آج حیا سے جھکی پلکیں لیے گھبراہٹ کے عالم میں ہولے ہولے کانپتی وہ تبریز کو بہت ہی پیاری لگی۔ آج اس کے چھونے پر حنا کے نرم ہونٹوں نے حرکت میں آ کر تلخ باتوں کو نہیں اگلا تھا..... اس کا یہ نیا روپ اسے مسحور کر رہا تھا..... ملکیت کا احساس اور نئے رشتے کا خیال آیا تو وہ برسوں کی خواہش کو دبا نہ سکا۔ اس کی طرف جھکا تو وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

''پلیز تبریز!''

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی مگر پھر فوراً ہی اس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر خود

کو خاموش کرلیا۔ تبریز نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔ احساسِ توہین سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"حنا کیا تم نے ابھی بھی اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا.....؟ اب تم صرف کزن نہیں ہو میری جو میں تمہاری ذوری پر کڑھتا رہوں۔ بیوی بن چکی ہو تبریز ہاشم کی اور میں پورا حق رکھتا ہوں تم پر.....اب میری خواہش کا احترام کرنا لازم ہوتا ہے تم پر.....بچی نہیں ہو کہ تمہیں سمجھانا پڑے۔"

وہ اپنے غصے کو دباتا دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ حنا کی جھکی لرزتی پلکوں سے دو آنسو اس کی گود میں گرے تھے۔ تبریز نے اسے دیکھا تو فاصلے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا ہرگز نہیں تھا.....میں مانتا ہوں تم اس شادی کے خلاف تھی اور یہ رشتہ تم نے دباؤ میں آکر قبول کیا.....مگر تمہاری نفرت میری محبت کے آگے ہار گئی.....تم اتنی شدت سے مجھ سے نفرت کر ہی نہیں پائی جتنی شدت سے میں نے تمہیں چاہا.....اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی ہار مان لو۔"

وہ چند لمحے اس کی پلکوں سے قطرہ قطرہ ٹپکتے آنسوؤں کو دیکھتا رہا پھر اس کے قریب ہو کر اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چنتا ہوا بولا۔

"مجھے تکلیف دینے کے لیے میری یہی کمزوری تمہارے ہاتھ آتی ہے کیا.....؟ تم جانتی ہو تمہارے آنسو مجھے بے چین کر دیتے ہیں۔"

حنا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرایا۔

"بڑی قسمت والی ہو جو تمہیں اتنا خوبرو شوہر ملا ہے.....اب خود اپنی ہی نظر نہ لگا لینا۔"

تبریز کی شرارت بھری بات پر وہ دوبارہ نظریں جھکا گئی۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا مگر کہیں ڈھونڈنے سے بھی کوئی خوشی کی کرن پھوٹتی محسوس نہ ہوئی تھی۔

تبریز نے اس کے دھواں دھواں چہرے کو پڑھ لیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹس کر رہا تھا جہاں اسے سوائے مجبوری اور ناخوشی کے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور یہی بات اب اس کی برداشت سے باہر تھی۔

"میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کو اپنی کمزوری بنا کر ساری عمر جدائی کا روگ سہتے رہتے ہیں.....میں تمہیں اس شادی کا سوگ منانے یا دوسرے الفاظ میں تمہارے اس رشتے کو دل سے قبول کرنے کے انتظار میں ان حسین دنوں کو گنوانے کی بے وقوفی ہرگز نہیں کروں گا.....میری محبت کی شدتیں خود اپنے آپ کو منوا لیں گی.....میں تمہاری نفرت کو محبت میں بدل کر رہوں گا اور دیکھنا تم ایک ایسا دن بھی آئے گا جب تم میرے لیے میری تمنا میں اسی طرح روؤ گی جس طرح تم مجھ سے دور رہنے کے لئے اب روتی ہو۔"

تبریز نے اس پر جھکتے ہوئے مدھم آواز میں سرگوشی کی اور اب کی بار اس کے آنسوؤں کو ہونٹوں سے چنا تھا۔ حنا کو اب اس رشتے کو نبھانے کے لیے جینا تھا۔ ایک ان چاہے ساتھی کے ہمراہ اپنی زندگی کا سفر طے کرنا تھا۔ اپنی خواہشات کو مار کر دل کی دہائیاں نظر انداز کرنا تھیں۔ اس نے اس زبردستی کے ساتھ کو قبول کرلیا تھا وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی.....اس کے تمام اپنوں نے کوئی دوسرا راستہ نہ چھوڑا تھا۔ ماں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ "کیا ہوا، کیسے ہوا اس سے فرق نہیں پڑتا، جو ہونا تھا ہو چکا۔ تبریز تمہارا شوہر ہے۔ اس کا گھر تمہارا ہے اور وہاں ہی تمہیں جینا مرنا ہے۔ شوہر کو خوش رکھنا اور سسرالیوں کی خدمت کرنا، اسی میں تمہاری ماں کا سکون ہے۔ اپنی ماں کو شرمندہ مت کرنا حنا۔"

وہ خاموشی سے ماں کی نصیحت سن گئی تھی.....ماں، باپ کو دیکھا اور خود کو فنا کر ڈالا، وہ سب بھول گئی.....اپنی انا، اپنی ذات، اپنی پسند ناپسند، اپنی خوشیاں سب کچھ.....اس نے یاد رکھا تو صرف اتنا کہ وہ بیوی ہے، بہو ہے، بھابی ہے.....وہ اب صرف اور صرف مسز حنا تبریز ہاشم تھی اور کچھ نہیں۔

****

وہ صبح اٹھی تو کافی فریش تھی۔ رات کے ٹمپریچر اور تھکاوٹ و پریشانی کا ہلکا سا احساس بھی نہ رہا تھا۔ بے سدھ سوئی مشی پر نظر ڈال کر اس نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ پانی چیک کیا مگر وہ کل کی طرح ہی بہت ٹھنڈا تھا.....اس نے صوفے پر پڑی اپنی جیکٹ اٹھائی اور پہن کر باہر نکل آئی.....سر پر ٹوپی اچھی طرح جمائی اور ریسپشن پر جانے کی بجائے ٹیرس پر نکل آئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا تھا.....کل پورا دن برف باری ہوتی رہی تھی جس کے نتیجے میں ماحول میں خنکی کئی گنا بڑھ گئی تھی.....وہ اتنا کچھ پہنے ہوئے تھی پھر بھی سردی کا احساس کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ باہر ابھی اندھیرا تھا.....وہ تین چار منٹ سے زیادہ وہاں رک نہ پائی.....جیکٹ کا کالر کھڑا کر کے وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر واپسی کے لئے مڑی تو سر دانش اور سر ہارون کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"السلام علیکم سر.....!"

اس نے دونوں کو سلام کیا تو وہ مسکرا دیے۔

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹا آپ کی.....؟"

سر دانش نے نرمی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

"بخار اتر گیا ہے سر"

انوشے نے آہستہ سے کہا تو ساتھ کھڑے سر ہارون کھل کر مسکرائے۔

"شکر ہے آپ نے ایڈمٹ تو کیا کہ آپ کو بخار تھا ورنہ مجھے لگا آپ اب بھی یہی کہیں گی۔"

"میں ٹھیک ہوں سر۔"

سر دانش، سر ہارون کی بات پر ہنس دیے۔

"ویسے آپ اتنی صبح یہاں کیوں کھڑی ہیں......؟ دوبارہ بیمار ہونے کا ارادہ ہے کیا......؟"

سر ہارون نے باہر پھیلی دھند پر نظر ڈالتے ہوئے اسے پوچھا تھا۔

"ایکچوئلی سر...... پانی آج بھی......"

"اوہ اچھا...... آپ کمرے میں جائیں۔ روزانہ اسی وقت گرم پانی کھل جایا کرے گا۔"

سر ہارون نے کہا تو وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

آج راؤنڈ کی باری سر عبدل اور میم کنول کی تھی...... رات 7 بجے وہ ان کے کمرے میں آئے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سوتی ہوئی مشی نے آنکھیں کھول کر لحاف سے باہر منہ نکالا...... اور میم کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اب کیسی ہیں انوشے آپ......؟ سر ہارون بتا رہے تھے کہ آپ کو ٹمپریچر ہے۔"

میم کنول نے ہیٹر کے قریب کھڑی انوشے سے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔"

انوشے نے ہاتھ سینکتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کا ناشتہ آٹھ بجے اسی ہوٹل میں ہے جہاں کل ارینج کیا گیا تھا۔ اب وقت پر وہاں پہنچنا آپ کا کام ہے......"

سر عبدل نے دروازے میں کھڑے بتایا تھا۔

"اور پوری تیاری کے ساتھ آئیے گا کیونکہ ہم وہیں سے ایوبیہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔"

میم کنول بھی ہدایت کرتیں چلی گئیں۔ اُن کے جاتے ہی انوشے الماری سے کپڑے نکالنے لگی تو مشی نے آ کر اسے روک دیا۔

"تم رہنے دو۔ میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔ کچھ دیر ریسٹ کر لو۔ پھر تو پورا دن بھاگ دوڑ میں گزر جائے گا...... ایسے میں کہیں تمہیں وہاں ٹمپریچر نہ ہو جائے۔"

انوشے نے بکھرے بالوں اور سلوٹ زدہ سوٹ میں ملبوس اس کے لئے فکرمند مشی کو دیکھا جس کی آنکھیں ابھی بھی نیند سے بوجھل تھیں اور وہ اسے بڑی بی کی طرح آرام کرنے کی نصیحت کر رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو......؟؟"

مشی نے اپنی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی انوشے کو گھورا تو وہ ہنس دی۔

"کبھی کبھی تم مجھے بالکل اپنی بھابی لگتی ہو۔"

انوشے نے شرارت سے کہا تو مشی کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اور تم مجھے بالکل اپنی نند۔"

وہ انوشے کی سردی سے سرخ ہوتی ناک چھو کر بولی اور اسے لا کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"اب یہاں سے ہلنا مت جب تک میں نہ کہوں۔"

اور انوشے کو ماننا پڑا...... وہ لحاف اوڑھے ٹی وی دیکھتی رہی۔ اتنی دیر میں مشی نے فریش ہو کر کپڑے نکال لیے۔ پھر وہ دونوں تیار ہو گئیں۔

انوشے نے آج سفید جینز وائٹ کلر کی ہائی نیک اور سفید اوور کوٹ پہنا تھا۔ ماتھے سے کٹنگ والے بال چھوڑ کر اوپر کے بالوں کو لپیٹتے ہوئے اس نے اونچا کیا اور وائیلٹ کلر کی پونی میں قید کر کے نیچے کے بالوں سے ملا کر کھلا چھوڑ دیا...... کھلے بالوں کو مشی نے تھوڑے کرل (Curl) ڈال دیے جس سے اس کے بال لیئرز (Layers) میں آ کر کمر پر جھولنے لگے تھے۔ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ہم رنگ بندے پہن کر وہ ہونٹوں پر لپ گلوز لگاتی بالکل تیار تھی۔

"اوہ! آٹھ بج گئے۔"

مشی نے تیزی سے اپنے بالوں میں برش چلاتے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی تو چیخ پڑی۔

"ہاں...... ابھی ہوٹل پہنچنے میں بھی 10 منٹ لگ جائیں گے۔"

انوشے نے موبائل کی بیپ پر آریان کا نمبر سکرین پر جگمگاتے دیکھا تو مسکرا دی۔

"آریان بھی باہر ہمارے انتظار میں ہے۔"

انوشے نے سائیڈ ٹیبل سے کمرے کی چابیاں، اپنا والٹ اور گلاسز اٹھائے اور دیوار گیر آئینے میں خود پر ایک فائنل نظر ڈالتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

مشی نے اس کی تائید میں کمرے سے باہر قدم رکھا تو وہ دروازہ لاک کر کے اس کے ہمراہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی جہاں آریان ان کا منتظر تھا۔

"ہیلو گرلز۔"

انہیں دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"کیسی ہو اب انوشے......؟"

آریان کے پوچھنے پر انوشے ٹھٹکی۔

"تو یہ ہے۔ سر ہارون نے تو جیسے منادی کرا دی ہے۔ ہر کسی کو بتا دیا میری طبیعت کی خرابی کا۔" انوشے نے چڑ کر سوچا تھا۔

"کل رات کتنا کہا میں نے تم دونوں بھی ہوٹل جا کر آرام کر لو مگر نہیں......اب ہو گئی ناں بیمار......"

آریان نے دانستہ انوشے سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں مگر تم کس خوشی میں شرمسار ہو رہے ہو......؟"

انوشے نے اس کی چوری پکڑ لی تھی۔ آریان نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔

"کچھ نہیں یار......بس تمہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ رہا کہ کہیں میری نظر ہی نہ لگ جائے۔"

انوشے نے حیرت سے اُسے دیکھا جو اسی طرح لاپرواہی سے سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔

وہ تھا ہی ایسا......یونہی ہمیشہ اتنی ہی سادگی سے صاف گوئی کا مظاہرہ کر دیا کرتا تھا۔ کسی بناوٹی لہجے یا نقلی و دوغلے الفاظ کا اُس نے کبھی سہارا نہ لیا تھا یا شاید اسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔

"تم بہت سادہ ہو...... ہمیشہ ایسے ہی رہنا۔"

انوشے نے گلاسز ماتھے پر لگاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو آریان نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر محسوس ہونے والی سردی کا احساس کم کرتے ہوئے ہونٹوں پر در آنے والی گہری مسکراہٹ چھپا کر سر ہلا دیا۔

"یعنی تم چاہتی ہو کہ میں ہمیشہ تمہاری تعریف کرتا رہوں......کیوں مشی انوشے کی بات کا یہی مطلب نکلتا ہے ناں......؟"

آریان نے چمکتی آنکھیں لیے اپنے ساتھ مشی کو بھی انوالو کرنا چاہا جو اس پوری گفتگو سے صرف خاموش رہ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ انوشے، آریان کی اس شرارت پر کھلکھلا کر ہنس دی......اور وہ ایک بار پھر نگاہیں چرا گیا کیونکہ بلاشبہ وہ ہنستی ہوئی بھی بہت پیاری لگتی تھی۔

"ویسے انوشے ایک بات بتاؤ......تمہیں بخار سردی اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہوا تھا یا وجہ وہ تھی جو مجھے مشی نے بتائی۔"

آریان نے دانستہ موضوع گفتگو بدلا کیونکہ اس کا دل اب بے قابو ہونے لگا تھا جس کی زنجیریں کسنا اب لازم ہو گیا تھا۔

"کیا وجہ بتائی مشی نے تمہیں، اور کب......؟"

انوشے نے مشی کو گھورتے ہوئے آریان سے سوال کیا تھا۔

"کل رات جب تم دوا کھا کر سو گئی تھیں تب مشی نے باقاعدہ فون کر کے مجھے بلایا اور ساری روداد تفصیلاً میرے گوش گزار کی کہ کس طرح تم نے اُن لڑکوں کو ٹکر دی۔"

آریان نے جزبز ہوئی آنکھیں نکال کر چپ رہنے کے اشارے کرتی مشی پر دھیان دیے بنا بتایا تھا۔

"واہ......مشی نے کیا قصہ سنایا تمہاری بہادری کا پر یار تم بھی کمال کرتی ہو......ایک لڑکے کو تھپڑ مار کر بخار چڑھا لیا تم نے......ایسی کب سے ہو گئی ہماری انوشے......؟"

آریان نے باقاعدہ ہنستے ہوئے جیسے اپنے سوال کا مزہ لیا تھا۔ مشی بھی اس کے سوال کے انداز سے ہنس دی۔

"اب تم دونوں مذاق تو مت اُڑاؤ میرا۔"

انوشے نے بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے شکایتی انداز میں کہا تو وہ دونوں قہقہہ لگا اُٹھے۔

"مشی کی بچی تمہیں تو چھوڑوں گی نہیں میں......مجال ہے جو ایک بات بھی تمہارے پیٹ میں رہ جائے۔"

وہ اب مشی پر چڑھ دوڑی تھی۔

****

ایوبیہ کے لئے وہاں کی جتنی بسز ہائیر کروائی گئی تھیں......انوشے کھڑکی سے باہر کے مناظر میں کھوئی ہوئی تھی......ایک طرف آسمان کی بلندیوں کو چھوتے پہاڑ اور دوسری طرف اتنی گہری کھائیاں کہ نظر کی حد سے بھی آگے۔ گولائی میں پہاڑ تراش کر بنائی گئی گیلی ڈھلوانوں والی سڑک پر ایک کے پیچھے ایک بس اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی......انوشے دم سادھے ان بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ آگے دیکھو تو سڑک نظر نہیں آتی، پیچھے دیکھو تب بھی سڑک غائب، صرف دیو ہیکل پہاڑ دکھائی دیتے۔

"اوہ میرے اللہ! اگر میں یہاں سے صحیح سلامت واپس اپنے گھر پہنچ گئی تو شکرانے کے نوافل ضرور ادا کروں گی مگر بچ کر گھر واپس جانا شرط اول ہے۔"

انوشے نے آنکھیں موند کر دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیاں بڑی انگلیوں پر چڑھاتے ہوئے کراس کی شکل بنا کر باآواز بلند دعا کی تھی۔ برابر کی سیٹ پر بیٹھا آریان اور اس سے اگلی سیٹ پر براجمان سر دانش اور سر ہارون درانی نے مسکرا کر اسے دیکھا جبکہ اس کے ساتھ

بیٹھی ہنسی با قاعدہ ہنس رہی تھی۔ جب وہ لوگ اوپر پہنچے تو مبہوت رہ گئے۔ ہر طرف پھیلی سفید برف والا یہ علاقہ سفید پہاڑوں کا علاقہ کہلاتا ہے۔ ہزاروں فٹ اونچے درخت جن کے پتوں نے سفید برف کی شالیں اوڑھی ہوئی تھیں، بڑی شان سے تنے کھڑے تھے جیسے فخریہ گردنیں اٹھائے سر اٹھائے اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ اس قدرت کے حسن و جمال کے عظیم مظاہر اور جنت کی مثال اس علاقے کے وہ مکین ہیں۔ اونچی نیچی چھوٹی بڑی پہاڑیوں پر کئی کئی فٹ جمی برف نے انہیں پوری طرح ڈھانپا ہوا تھا۔ ہر سال ان پہاڑوں پر برف باری کے موسم میں اتنی برف جم جایا کرتی ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج کی تپش سے پگھل پگھل کر آبشاروں اور ندیوں کی صورت پانی بن بن کر بہتی ہے مگر پھر بھی پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے سفید ہی رہتی ہیں اور دوبارہ برف باری کا موسم آن پہنچتا ہے.....

نرم نرم روئی کی مانند چمکتی ہوئی سفید برف قدرت کی ایسی عطا بن کر اس علاقے میں گرتی ہے جس سے پورے کا پورا ماحول اک عجب سی پاکیزگی کا تاثر دیتا ہے۔ سفید رنگ میں چھپی مسحور کر دینے والی جادوگری یہاں پوری طرح عیاں تھی۔ اوپر نظر اٹھاؤ تو دامن پھیلائے حدِ نظر سے بھی آگے تک پھیلا نیلگی لئے ہوئے وسیع آسمان اور اطراف میں پھیلی برف ہی برف۔ انوشے جتنی مرتبہ بھی یہاں آئی اسے ہر دفعہ اس علاقے میں ایک انجانی سی کشش محسوس ہوئی..... قدرت کے نظارے یہاں بکھرے پڑے تھے..... اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا یہ حسن ہر ایک کے لبوں پر ستائشی الفاظ بکھیر دیتا تھا۔

"اُف..... مشی! یہ علاقہ، یہ خوبصورتی میرے حواسوں پر چھانے لگی ہے....."

انوشے بانہیں پھیلا کر آہستہ سے گھومی۔

"دل کرتا ہے یہ تمام حسن ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں میں مقید کر لوں کہ یہ سحر زدہ ماحول میری آنکھوں میں ٹھہر جائے اور پھر تا حیات قطرہ قطرہ میرا اب کرتا رہے۔" انوشے نے آنکھیں بند کر کے جیسے دل سے سب محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔

"Be Careful Miss Anoshay!"

سر ہارون کی سرزنش کرتی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"شاید آپ اس بات سے لاعلم ہیں کہ خوبصورتی اکثر دھوکہ دے جاتی ہے تبھی تو حسین لوگ اکثر بے وفا نکلتے ہیں۔"

"جی؟؟؟"

انوشے نے ناسمجھی کے عالم میں حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہ مسکرا دیے۔

"میرا مطلب ہے یہ علاقہ خوبصورت ضرور ہے مگر اتنا قابل بھروسہ ہرگز نہیں کہ یوں آنکھیں بند کر کے بھیانی اور لاپروائی کا مظاہرہ کیا جائے..... برف سے ڈھکی گہری کھائی یا خطرناک ڈھلوان ہمیں کسی بھی وقت اس دنیا سے دوسری دنیا کا باسی بنا سکتی ہے۔"

سر ہارون کب سے اس کی بچگانہ حرکتوں کا نوٹس لے رہے تھے اس لیے انہوں نے اسے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔ انوشے نے خجل سی ہو کر سر ہلا دیا اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

****

"چلو۔ میں چیئر لفٹ کی ٹکٹس لے آیا ہوں۔"

آریان نے آتے ہی ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا تھا۔ تقریباً سبھی سٹوڈنٹس چیئر لفٹ پر بیٹھ کر جا چکے تھے اور جو اکا دکا رہ گئے تھے وہ لائن میں کھڑے تھے۔ یہ چیئر لفٹ انہیں پہاڑ کی چوٹی پر لے جانے والی تھی جہاں پیدل جانا ناممکن تھا۔

"انوشے! پرنسپل سر کا فون ہے آپ کے لئے..... وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

چیئر لفٹ پر بیٹھنے کی باری انوشے اور مشی کی تھی جب سر ہارون نے اسے بلایا تھا۔

"مجھ سے.....؟ مگر میں تو....."

اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا جہاں سے گھوم کر آتی لفٹ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"تم جا کر فون سن لو..... آریان میرے ساتھ بیٹھ جائے گا۔"

مشی نے کہا تو وہ آریان کو جگہ دیتی خود پیچھے ہٹ گئی۔

"پرنسپل سر ہولڈ پر ہیں۔"

سر ہارون نے موبائل اس کی طرف بڑھایا اور وہ چیئر لفٹ پر بیٹھ کر ہاتھ ہلاتے آریان اور مشی کو ہاتھ سے بعد میں آنے کا اشارہ کرتی موبائل لے کر سائیڈ پر چلی آئی۔

پرنسپل سر سے بات کرتے اسے کچھ وقت لگ گیا۔

وہ بابا کے بہت کلیز فرینڈ تھے اور ویسے بھی انوشے جتنی قابل سٹوڈنٹ تھی اگر وہ ان کے عزیز دوست کی بیٹی نہ بھی ہوتی تو تب بھی وہ اسے اتنی ہی ویلیو (Value) دیتے جتنی اب دیتے تھے۔ وہ کرخت ضرور تھے مگر صرف اصول و قوانین کی پابندی کی حد تک ورنہ اچھے سٹوڈنٹس کی وہ بہت قدر کیا کرتے تھے۔ یہی تو وہ انمول جواہرات تھے جو ان کا سرمایہ حیات تھے۔ یہ انوشے کا خیال تھا جو سو فیصد درست تھا۔ فون بند کر کے جب وہ واپس آئی تو سر ہارون درانی اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اسے دیکھتے ہی بولے۔

"اب چلیں.....؟ ٹکٹ تو ہے ناں آپ کے پاس.....؟"

''اوہ..... آئی ایم سوری سر..... ٹکٹ تو مشی کے پاس تھا۔''

انوشے نے افسردہ لہجے میں کہا تھا۔

''پلیز کوئی بات نہیں آپ آئیں میرے ساتھ۔''

سر ہارون نے عجلت کے عالم میں چیئر لفٹ کی طرف قدم بڑھائے تو وہ بھی کندھے اُچکا کر ان کے پیچھے چل دی..... مگر اس کی نگاہیں اِدھر اُدھر کسی کی متلاشی تھیں۔ نجانے کیوں پرنسپل سر سے بات کرنے کے دوران اس کی چھٹی حس اسے اشارہ کرتی رہی تھی جیسے علی کہیں آس پاس ہی ہے..... وہ خود کو کسی کی نظروں کے حصار میں محسوس کرتی رہی تھی مگر اس نے اس احساس کو جھٹک دیا۔

''اگر علی یہاں میرے قریب ہوتا تو مجھے بلانے کی کوشش ضرور کرتا..... شاید وہ میرے اکیلے ہونے کا منتظر ہو کیونکہ جب سے ہم مری آئے ہیں کوئی نہ کوئی ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے۔ اب اوپر جا کر میں اُسے ضرور موقع دوں گی کہ وہ سامنے آ پائے..... کم از کم یہ پہیلی تو سلجھے کہ وہ موصوف ہیں کون.....؟''

چیئر لفٹ کے لئے لائن میں سر کے پیچھے کھڑی وہ مسلسل ذہن میں پلان بنا رہی تھی

اب لفٹ پر بیٹھنے کی باری اُن کی تھی..... وہ دونوں آگے بڑھے اور مخصوص جگہ پر جا کھڑے ہوئے۔ لفٹ کے قریب آتے ہی وہاں کھڑے ہیلپرز (Helpers) نے سیفٹی کے لئے لگایا گیا لوہے کا فریم اوپر اٹھایا اور وہ دونوں ایسے بیٹھے جیسے صدیوں سے اسی کے منتظر کھڑے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی فریم گرا دیا گیا اور چیئر لفٹ بلند ہونا شروع ہو گئی۔ وہاں برف پر بلا گلا کرتے لوگوں کے سروں کے اوپر سے گزرتی لفٹ اونچائی پر جانے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ لوگوں کی تعداد نیچے کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔ چیئر لفٹ مسلسل اونچائی پر پہنچتی جا رہی تھی اور ابتدائی پوائنٹ سے کافی آگے کا سفر طے کر رہی تھی اس لیے یہاں نیچے صرف اور صرف برفیلے میدان، کھائیوں میں اُگے ہزاروں فٹ لمبے درختوں سے بھی اونچی جاتی چیئر لفٹ بہت حسین مناظر دکھا رہی تھی..... پرندے فضاؤں میں اُڑتے رہنے کی کوشش میں بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ بھی شاید ایسے ہی نظاروں سے محظوظ ہوتے ہوں گے جو اس وقت انوشے انجوائے کر رہی تھی۔ اُسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے اچانک ہی اُس کے پر نکل آئے ہوں اور وہ فضا میں جتنی چاہے بلندی پر اُڑتی چلی جا رہی ہو..... آسمان لمحہ بہ لمحہ اسے خود سے قریب تر محسوس ہونے لگا تھا اور وہ تصور میں خود کو پری کی طرح اس حسین وادی میں بادلوں پر بیٹھ کر سیر کرتا محسوس کر رہی تھی۔ اچانک ہی اس کی نظر دائیں طرف سے واپس آتی چیئر لفٹ پر پڑی تو اس کی تو جیسے جان

ہی ہوا ہو گئی..... اس نے غور سے دیکھا لفٹ کے اوپری حصہ پر مٹھی کی مانند ایک لوہے کا قبضہ لگا ہوا تھا جو اُس موٹے تار سے جڑا ہوا تھا اور چیئر لفٹ کا پورا دارومدار اسی چھوٹے سے قبضے پر تھا۔

''اگر یہ لوز (Loose) ہو جائے تو.....؟''

اس کے آگے وہ خوف کے مارے کچھ سوچ بھی نہ پائی..... ایک پل میں اسے ممی، بابا اور ولی بھائی یاد آ گئے۔

''اگر خدانخواستہ.....'' ''نہیں! نہیں!''

اس نے جھرجھری سی لی اور اپنے ڈر سے لرزتے دل کو دلاسہ دیا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں اکیلی تو نہیں، سر بھی میرے ساتھ ہیں۔''

اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے آگے لگے ڈنڈے کو تھاما تو اس کا ہاتھ سر کے ہاتھ پر آ گیا۔

''اُف..... پتا نہیں ساری بے وقوفیاں سر کے سامنے ہی کیوں ہوتی ہیں۔''

اس نے خود کو کوسا اور شرمندگی سے فوراً اپنا ہاتھ اُٹھانا چاہا مگر یہ کیا.....؟ وہ حیرت میں ڈوب ڈوب گئی۔ سر نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر اس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا جو بڑی گہری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ نظریں ملیں تو اس کا دل یکبارگی ایسے دھڑکا جیسے اُچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ اس کے ہاتھ کے نیچے بھی سر کا ہاتھ تھا اور اوپر بھی..... فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا اور ایسی صورتحال میں اسے کس طرح ری ایکٹ (React) کرنا چاہئے۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی سعی کی مگر سر کے ہاتھ کا دباؤ اس کی ہر کوشش کو ناکام بنا رہا تھا۔ چیئر لفٹ اب کافی بلندی پر پہنچ چکی تھی..... انوشے نے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اوپر نیلا آسمان اور نیچے برفیلے پہاڑ، دائیں طرف واپس جاتی چیئر لفٹ بھی تقریباً اب خالی ہی گزر رہی تھی کیونکہ ابھی لوگ وہاں جا رہے تھے۔ حسین ہونے کی شروعات تھیں اور وہاں سے جلد واپسی کا کسی کا ارادہ نہ تھا۔ انوشے کا من چاہا یہاں سے فوراً غائب ہو جائے مگر یہ اُس کے اختیار میں نہ تھا۔ وہ انوشے تھی پری نہیں جو پر لگا کر سچ میں اُڑ جاتی۔

''سر.....!''

اُس نے کانپتی آواز کو مضبوط بناتے ہوئے انہیں پکارا اور ایک مرتبہ پھر اپنا ہاتھ نکالنے کی ناکام کوشش کی تھی..... سر کا یہ روپ اُسے پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ اس کی سانسیں تھمنے لگی تھیں۔ اسے پہلے تو سر پر جی بھر کر غصہ آیا مگر ہر گزرتا پل اسے خوفزدہ کرنے لگا تھا..... ابھی تقریباً 15 منٹ کا فاصلہ چیئر لفٹ کو طے کرنا باقی تھا اور یہاں تو ایک لمحہ گزارنا اس کے لئے دوبھر ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک طرف سرکنے کی کوشش کی مگر چیئر لفٹ ایسی تھی کہ دو

لوگ جُھک کر ہی بیٹھ سکتے تھے۔ اس نے خود کو نا چاری کی حد تک بے بس محسوس کیا۔

''ویری نائس کیپل۔''

دائیں طرف سے واپس آتی چیئر لفٹ پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ برابر سے گزرتے ہوئے انہوں نے اپنے کمنٹس (Comments) دیے تھے۔ سر نے چونک کر آگے بڑھتی چیئر لفٹ میں انہیں دیکھا اور مسکرا دیے۔

انوشے کو اس وقت وہ زہر لگ رہے تھے۔ عجیب عجیب سے متضاد خیالات اس کے دماغ میں آنے لگے تھے..... اور دل مسلسل اپنی دھڑکن کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔

''کاش یہ چیئر لفٹ بھی دل کی طرح ہوتی اور یہ اسی رفتار سے آگے بڑھتی جتنی تیزی سے میرا دل دھڑک رہا ہے۔''

انوشے نے بے بسی سے سوچا اور سر کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی دوبارہ کوشش کی جسے وہ باقاعدہ طور پر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام چکے تھے۔ اس بار بھی اس کی کوشش رائیگاں گئی تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ایسی بے بس وہ زندگی میں پہلی بار ہوئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی تھی جب تک چیئر لفٹ اپنی منزل پر پہنچ نہیں جاتی۔ اُس کی آنکھوں سے دو آنسو باہر نکلنے کو بے تاب تھے مگر وہ بمشکل خود کو رونے سے روکے ہوئے تھی۔ سر بڑی گہری نظروں سے اسے مسلسل نوٹس کر رہے تھے..... اس کی پریشانی اور گھبراہٹ کو بھانپ رہے تھے۔ وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکے اور مدھم مسکراہٹ سے گویا ہوئے۔

''کیا ہوا انوشے.....؟ کہاں گئی آپ کی بہادری.....؟ ویسے تو آپ لڑکوں کو سولی پر لٹکائے رکھتی ہیں اب تُمہارا غصہ ہوا ہو گیا.....؟''

وہ اس کی بے بسی کا مزا لے رہے تھے۔ اس نے اپنے اتھل پتھل ہوتے دل کو سنبھالا اور سخت لہجے میں بولی۔

''آپ مجھے یوں بے بس کر کے کیا سمجھتے ہیں کہ جو دل میں آئے گا مجھے سنا لیں گے.....؟ اگر ہمت تھی تو سب کے سامنے ایسی حرکت کرتے، یوں چیئر لفٹ کا سہارا نہ لیتے۔''

انوشے کے سخت لہجے پر وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیے۔

"Interesting...very interesting!..... مجھے تو محسوس ہونے لگا تھا کہ آپ اب رونے ہی والی ہیں۔''

''آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو.....؟''

وہ غرائی تھی۔

''ایک بار چیئر لفٹ سے اُتر جانے دیجئے..... پھر میں آپ کو سبق سکھاؤں گی کہ ایک اُستاد۔شاگرد کے رشتے کی حد پار کر کے آپ نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ چٹکیوں میں اس نام نہاد رشتے سے ہمیشہ کے لئے آزاد کروا دوں گی آپ کو۔ پھر ساری عمر آپ کو اس شعبے میں آ کر اس کا تقدس پامال کرنے کا موقع ہرگز نہیں ملے گا کیونکہ آپ پر ایسی دفع لگواؤں گی کہ سر پکڑ کر روئیں گے اس پل کو۔''

وہ گہری ہوتی مسکراہٹ سے اس کے غصے سے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے نہایت توجہ و دھیان سے اسے سن رہے تھے..... اس کی بات کے اختتام پر انہوں نے قہقہہ لگایا تھا۔

''اگر آپ ایسا کریں گی تو اپنا ہی نقصان کریں گی کیونکہ پھر میرے ساتھ ساتھ آپ کو بھی رونا پڑے گا۔''

انہوں نے ہنستے ہوئے اپنی بات کا مزا لیتے۔ انوشے نے چبھتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''مجھے آپ سے اسی ردِعمل کی اُمید تھی۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک رو رہی ہوتی۔ اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے منتیں کر رہی ہوتی مگر انوشے کبیر کوئی عام لڑکی تو نہیں۔ میرے لیے یہ دلچسپ ہے کہ آپ بخوبی جانتی ہیں۔ یہ پندرہ منٹ میرے ہیں اور ان کے گزرنے تک میں کچھ بھی کر سکتا ہوں بھلے ہی بعد میں آپ میرا جو بھی حشر کریں یا کروائیں مگر یہ پندرہ منٹ آپ بے بس ہیں۔ پھر بھی آپ مجھے سنا تی جا رہی ہیں..... آپ کو ڈر نہیں لگ رہا.....؟''

وہ گہری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''نہیں..... کیونکہ ڈر آپ کو لگنا چاہئے۔ کیونکہ ان پندرہ منٹس کے بعد جو ہوگا وہ قطعی آپ کے حق میں بہتری نہیں لائے گا۔ اس لیے ان پندرہ منٹس کو ذہن کی بتی جلا کر سوچتے سمجھتے ہوئے نہایت احتیاط سے برتیے گا۔''

انوشے نے بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ چند ثانیے وہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھتے رہے پھر اس کا ہاتھ اپنے دل کی جگہ رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔

''اصولاً تو آپ کا ہاتھ مجھے اپنے دل پر نہیں دماغ پر رکھنا چاہیے تھا کیونکہ میرے دماغ نے آپ کو چُنا مگر دماغ چونکہ دھڑکن سے محروم ہے اس لیے وہ میرے احساسات کو خاموشی سے آپ تک پہنچانے سے قاصر ہے کیونکہ اُسے الفاظ کے سہارے کی ضرورت ہے اور کچھ صدق احساسات ایسے ہوتے ہیں جو خاموشی کی زبان میں ہی سامنے والے تک پہنچائے جائیں تو انہیں محسوس کرنا اُس سامنے والے کے لئے سہل ہو جاتا ہے۔''

انوشے کا ہاتھ سر کے سینے پر دل کی جگہ ساکت تھا اور وہ ان کے تیزی سے دھڑکتے دل کی اُچھل کود محسوس کر رہی تھی..... مگر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں کیونکہ سر کی بے ترتیب دھڑکنیں اسے جو بات سمجھا رہی تھیں وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھی۔

''سر..... آپ.....؟؟''

بے یقینی سے اس کے لب ہلے تھے۔ سر نے اس کے ساکت ہاتھ کو دیکھا اور گہرا سانس لیتے ہوئے ہولے سے چھوڑ دیا۔

''میری دھڑکنیں جو آپ کو سمجھانا چاہ رہی تھیں وہ سمجھ چکیں مگر کچھ معاملات اور کچھ گتھیاں ایسی ہیں جنہیں صرف زبان ہی اپنے الفاظ کے ذریعے کھول سکتی ہے۔''

بلیک جینز اور بلیک ہی جیکٹ میں میرون ہائی نیک والی شرٹ پہنے ہوا سے بے ترتیب بالوں کے ساتھ اِردگرد کے تحیر زدہ ماحول سے بے نیاز وہ پوری طرح انوشے کی طرف متوجہ تھے۔ چہرے پر سنجیدگی لیے وہ بڑے تحمل سے اس سے مخاطب تھے۔

''میرے اس رویے کو لے کر آپ کی حیرت بجا ہے انوشے..... اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت آپ میرے بارے میں جو سوچ رہی ہوں گی وہ یقیناً اچھا نہیں ہوگا۔''

انہوں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا جیسے اپنی بات کی تصدیق چاہتے ہوں تو انوشے حیرت کے عالم میں ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھ رہی تھی نظریں چُرا گئی۔

''میں نے جب پہلی مرتبہ آپ کو کالج میں دیکھا تو آپ مجھے سر پھری سی، بات بات پر جھگڑنے والی عجیب سی لڑکی لگی تھیں جو اتنا بولتی تھی کہ مقابل کو اپنی رائے دینے کا موقع تو درکنار سوچنے تک کا وقت نہیں دیتی۔ مگر پھر آپ نے مجھے اجنبی کو بلانے کے طریقوں پر لیکچر دیا تو میں حیران تھا۔ میرے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا کیونکہ آپ سے پہلے مجھ میں کسی لڑکی نے کبھی بھی کوئی خامی نہیں نکالی بلکہ میری ہر عادت ہر بات کو سٹائل کا نام دے کر لڑکیاں فدا تھیں مجھ پر..... کالج اور یونیورسٹی میں لڑکیوں کے انتخابِ اول میں رہا..... مگر ایک لیکچرار کی حیثیت سے کالج میں رکھا گیا میرا پہلا قدم ہی ایک ایسی تاریخ ثابت ہوا اور میری ہی شاگرد نے وہ کر دیا جو آج تک نہیں ہوا تھا۔ اپنی ہی سٹوڈنٹ سے ڈانٹ کھانا، یہ میرے لیے بالکل نیا تجربہ تھا۔ مجھے پہلے تو آپ پر غصہ آیا مگر پھر اس ساری گفتگو میں میری دلچسپی بڑھنے لگی اور میں اس صورتحال سے محظوظ ہونے لگا۔''

وہ اپنی بات کے درمیان رُکے اور بڑے دلکش انداز میں مسکرائے۔ وہ دم سادھے انہیں سن رہی تھی۔

''آپ کے علاوہ کالج کی تقریباً ہر سٹوڈنٹ کا میں فیورٹ سر بن گیا مگر ایک آپ تھیں جو ہر

ملاقات میں میری خامیاں گنوا جاتیں۔ یہ سوچے بنا کہ میں ٹیچر ہوں۔ آپ کو جو بُرا لگتا فوراً کہہ دیتیں۔ کبھی یہ کہ میری ڈریسنگ ٹیچرز جیسی نہیں، کبھی یہ کہ اجنبی کو کیسے بلایا جاتا ہے..... آپ کو علم نہیں مگر جب سے آپ ملی ہیں میں نے اپنی ذات سے کئی خامیوں کو ڈور کر لیا ہے جن کو اس سے قبل میں اپنا سٹائل سمجھتا تھا..... انوشے! میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

سر نے خاموش بیٹھی انوشے کو دیکھا جو اب سامنے خلا میں دیکھتے ہوئے انہیں سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت، پریشانی، خوف، غصہ اور کئی انجانے متضاد سے آثار تھے۔ وہ عجیب کشمکش میں تھی..... دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے چیئر لفٹ سے ٹیک لگائے وہ اب سامنے دیکھتے ہوئے بہت سنجیدگی سے انہیں سن رہی تھی۔

''آپ نجانے کیا سوچتیں میرے بارے میں اسی لیے میں نے آپ کی بجائے آپ کے گھر والوں سے رابطہ کیا۔''

انوشے نے چونک کر انہیں دیکھا..... وہ اب سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ہاں انوشے میں نے اپنی والدہ اور بہن کے ہاتھ آپ کے لئے پرپوزل بھجوایا تھا..... اُن دونوں کو تو آپ اتنی پسند آئیں کہ مجھ سے بھی زیادہ وہ بے قرار ہیں آپ کے لئے۔''

انہوں نے کچھ لمحے توقف کیا اور انوشے کے کچھ کہنے کا انتظار کیا مگر وہ خاموش ہی رہی۔

''میں بہت عجیب انسان ہوں۔ میرے والد چونکہ بہت ہی کامیاب بزنس مین ہیں شاید اُن کی یہ خوبی مجھے وراثت میں ملی ہے کہ میں ہمیشہ اُس انسان اور اُس چیز کے قریب جاتا ہوں جس سے میرا مائنڈ ملے۔ میرا ذہن جس سے مل جائے میں اُسی کا ہو جاتا ہوں..... اور آج تک میرے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے ذہن کے انتخاب پر میرے دل کو اعتراض ہوا ہو

مجھے ذہانت بہت متاثر کرتی ہے اور آپ کے پاس تو نسوانیت کا غرور بھی ہے جو ہر لڑکی کا اثاثہ ہوتی ہے مگر افسوس آج کل ماڈرن ازم کے نام پر ایسا دور آ گیا ہے کہ لڑکیاں بہت کم ایسی سوچ ایسا کردار رکھتی ہیں جیسی میں نے آپ کو پایا۔ مجھے آپ جیسی ہی مضبوط کردار کی حامل، باشعور اور پُراعتماد شریک حیات چاہیے تھی..... یہ وقتی فیصلہ نہیں ہے میں نے بارہا سوچا۔ آپ کو پرکھا اور ہر بار ایک خوشگوار حیرت نے میرا استقبال کیا۔ آپ میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو میری آئیڈیل گرل (Ideal girl) کی ملکیت ہیں..... میں قطعی کوئی غلط راہ کا انتخاب نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے وہ راستہ اختیار کیا جو قانونا اور شرعاً درست تھا..... آپ کے والدین سے آپ کو مانگا۔ مگر انجانے میں ہی آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا..... میں آپ کو اس پریشانی سے نکالنا چاہتا تھا اسی لیے ٹور کے ساتھ آنے پر فورس کیا۔''

وہ نرمی سے اپنا مدعا بیان کر رہے تھے اور انوشے حیرت کے سمندر میں ڈوبی اپنی سماعتوں پر بے یقین تھی۔

"انوشے...... آپ کچھ کہیں گی نہیں......؟"

سر ہارون نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا تھا وہ اس کے منہ سے کچھ الفاظ سننے کے منتظر تھے جن سے وہ اس کے خیالات کی سمت کا اندازہ لگا پاتے کیونکہ اس کا چہرہ اب کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری تھا سوائے حیرت کے تاثر کے۔ اس لیے باوجود کوشش کے بھی وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ انوشے کا ردعمل کیا ہوگا۔

"بتایئے انوشے...... کیسا لگا آپ کو علی......؟"

سر ہارون اس کی طرف ہلکا سا جھکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولے تھے۔

"علی......؟" "تو آپ نے نام بدل کر میرے لیے پروپوزل بھجوایا تاکہ میں پہچان نہ سکوں......؟ آپ کو اندازہ بھی ہے اس ساری صورتحال میں پچھلے پندرہ دن سے میں کتنا پریشان رہی ہوں...... آپ نے جان بوجھ کر مجھے بے وقوف بنایا۔"

انوشے کو اپنی حالت اور پریشانی یاد آ گئی۔ پچھلے پندرہ دن اس نے جس عذاب میں گزارے اس کی وجہ یہ شخص تھا جو اس کے ساتھ بیٹھا تھا تو وہ کیوں نہ حساب مانگتی۔

"آئی ایم سوری انوشے...... میرا مقصد آپ کو ہرٹ (Hurt) کرنا یا پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا اور نہ ہی میں نے نام بدلا ہے۔ بس تھوڑی سی مس کمیونیکیشن کی وجہ سے آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہیں...... اصل معاملہ یہ ہے کہ ہارون درانی میرا آفیشل (Official) نام ہے...... میرے والدین نے رکھا مگر میرے دادا جی کو علی نام بہت پسند تھا...... گھر میں مجھے سب علی بلاتے ہیں۔ میرے خاندان میں میرا نام علی ہی ہے مگر چونکہ کاغذات میں شروع سے ہارون درانی درج ہے اسی لیے میرے دوست، کولیگ سبھی ہارون ہی کہتے ہیں...... وہ علی سے ناواقف ہیں۔ غلطی صرف یہ ہوئی کہ میری امی اور بہن یہ بات گھر والوں سے کلیئر کرنا بھول گئیں اسی وجہ سے یہ سارا مسئلہ ہوا...... اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں۔ بخدا جان بوجھ کر میں نے کچھ نہیں کیا اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ تھا۔"

وہ اب وضاحت کرتے ہوئے معذرت بھی کر رہے تھے...... سارا سیکرٹ اوپن ہو چکا تھا۔ علی والی گتھی بھی سلجھ گئی تو انوشے نے ایک لمبا سانس خارج کیا اور دوبارہ کمر چیئر لفٹ سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ وہ بند آنکھوں سے بھی جیسے سب دیکھ رہی تھی...... سر بظاہر ایک طرف دیکھنے لگے تھے مگر وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے...... ان کی جیکٹ سے مینز کلون

کی ہلکی سی مہک ہوا کے ساتھ اس کے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی اور اس کے بال اڑ اڑ کر شانوں پر بکھرے ہوئے تھے...... کبھی سر کے شانوں اور کبھی بازو کو چھو کر آتے مگر سر ان شرارتوں سے لاپرواہ بنے اب خاموش بیٹھے تھے۔

"اف یہ چیئر لفٹ کا سفر ختم کیوں نہیں ہو رہا...... سر اتنا قریب بیٹھے ہیں وہ بھی ایسی گفتگو کے بعد۔"

وہ علی کے منظر عام پر آنے کی اپنی دعا پر اب جی بھر کر پچھتا رہی تھی۔ اس نے اپنے شرارتی بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے نیچے دیکھنے لگی۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گی......؟"

سر ہارون نے اس کی طرف گردن موڑ کر بڑی نرمی سے پوچھا تھا۔ وہ انہیں ایک نظر دیکھ کر رہ گئی...... ابھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے یا اسے کیا کہنا چاہئے۔ سو وہ خاموش ہی رہی...... چیئر لفٹ رواں دواں تھی اور منزل قریب آنے ہی والی تھی۔

"اگر آپ کو یہ سب برا لگا تو میں......"

"نہیں سر۔ میری سمجھ میں......"

وہ بے اختیار بولی مگر پھر فوراً ہی اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ہاں...... ہاں...... کہیے جو کہنا ہے۔ آپ چپ کیوں ہو گئیں......؟"

سر نے نرمی سے کہا تھا مگر وہ ہاتھوں کی انگلیاں مسلتی رہی۔

"آپ کے گھر والوں کی رضامندی کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی رضامندی بھی درکار ہے انوشے۔ میں جواب کا منتظر ہوں۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے اور ان کی یہی سنجیدگی انوشے کے ہونٹ سیئے ہوئے تھی۔ سامنے لوگ نظر آنے لگے تھے...... چیئر لفٹ اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ چکی تھی۔ چاک و چوبند کھڑے ہیلپرز نے فوراً فریم اٹھایا اور وہ دونوں اپنی اپنی طرف بھاگ کر اتر گئے۔

چیئر لفٹ آگے نکل گئی تو سر بھاگ کر اس طرف آ گئے۔

"مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ بس ایک بات ذہن میں رکھیے گا میرے لیے آپ کی رضا بہت اہم ہے۔ کسی بھی قسم کے دباؤ کے بغیر میں آپ کو آپ کی خوشی سے اپنانا چاہتا ہوں۔"

انہوں نے اس کے قریب آ کر سرگوشی کی تھی۔ وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"انوشے اتنی دیر...... تم فون سننے میں گئی تھی یا پرنسپل سر نے سپیشل چیک کرایا تھا صرف تم سے بات کرنے کے لئے۔"

مشی آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی تھی۔ وہ اور آریان کب سے اس کے منتظر تھے۔

''سوری یار..... چیئر لفٹ کے لئے لائن میں کھڑا ہونا پڑا..... ہماری باری بہت لیٹ آئی۔''
انوشے نے ذرا جاتے سر سے نظریں ہٹا کر عذر پیش کیا اور خاموشی سے دوسری طرف نکل آئی۔
''او۔ ہیلو..... مانا کہ تم دوبارہ اُس علی کے خیالوں میں گم ہونے کو بے تاب ہو مگر محترمہ ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں..... ذرا نظرِ مہربان ہم پر بھی ڈال دیجئے بڑی عنایت ہوگی ہم ناچیز حقیر دوستوں پر۔''

مشی اور آریان اس کے پیچھے لپکے جبکہ مشی کی زبان بھی اتنی ہی تیزی سے چل رہی تھی جتنی تیزی سے اس کے پاؤں انوشے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ ساتھ چلتا آریان مسکراہٹ نہ روک پایا۔ اُن دونوں کی شرارتوں اور چھیڑ چھاڑ سے اُس کا موڈ قدرے بہتر ہو گیا تھا مگر اس پر جو انکشاف ہوا تھا وہ اتنی جلدی اُسے ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔ اُس نے پورا دن حتی الامکان خود کو سر سے دُور ہی رکھا تھا اور اس کی پوری کوشش رہی کہ وہ سر کی نظروں کے حصار میں نہ آئے..... اس نے بارہا کوشش کی کہ آریان اور مشی کو بتائے کہ سر ہارون ہی علی ہیں مگر ہر بار کوئی نہ کوئی آ جاتا۔ شام چھ بجے دو سب واپس ہوٹل پہنچے..... آٹھ بجے ڈنر تھا اور ان کے پاس دو گھنٹے تھے جس میں وہ فریش ہو کر کچھ آرام کر سکتے تھے..... انوشے کو عجب سی بے چینی اور بے قراری نے گھیرا ہوا تھا وہ جلد از جلد اپنا بوجھ مشی اور آریان کے ساتھ بانٹ کر ہلکا کر لینا چاہتی تھی مگر وہ دونوں تھکاوٹ اُتارنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ بھی بددلی سے روم میں چلی آئی۔ فریش ہو کر اس نے گرم شلوار سوٹ پہنا۔ آف وائٹ جرسی پہن کر وہ بیڈ پر ریسٹ کرنے کی بجائے شال اپنے گرد لپیٹی باہر نکل آئی..... ٹیرس پر کوئی نہیں تھا..... اور کوئی پاگل تو نہیں تھا جو اس بلا کی سردی میں شام کے پھیلتے اندھیروں میں اس وقت ٹیرس پر نکل آتا۔ مری کی ٹھٹھرتی شام اپنے عروج پر تھی..... انوشے کو نخ ہوا اپنے اندر تک سرایت کرتی محسوس ہونے لگی تھی مگر وہ ڈھیٹ بنی وہاں کھڑی رہی۔ سر ہارون نے آج اس سے جو بھی کہا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ مگر اس کے لئے یکدم انہیں ایک اُستاد کی حیثیت سے نہیں ایک بالکل ہی مختلف انداز میں سوچنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وہ ان کے حق میں فیصلہ کرنا تو درکنار فی الحال انہیں ایک اُستاد کے لیبل کے ساتھ تصور کرنے سے بھی قاصر تھی۔ موبائل کی بیل پر وہ سوچوں سے چونکی۔ سکرین پر جگمگاتا ولی بھائی کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی۔ سب کچھ بھلائے اُس نے آج ایوبیہ جانے اور وہاں انجوائے کرنے کی ساری رُوداد سنا ڈالی..... گھر کی خیریت دریافت کی۔ ممی بابا کا حال احوال جانا اور اپنی شاپنگ کے بارے میں بھی بتایا..... ڈھیر ساری باتوں میں اچانک ولی بھائی نے علی کے بارے میں استفسار کیا تو اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی..... اسے لگا جیسے الفاظ

سے اس کا کبھی کوئی ناطہ ہی نہ رہا تھا یا اگر تھا بھی تو اب ان کی کمی واقع ہو گئی تھی..... ولی بھائی کے سوال کا جواب دینے کے لئے اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ندارد تھا۔ وہ بول پائی تو صرف اتنا ہی۔
''علی.....؟''
بس اس سے آگے جیسے اسے الفاظ کا استعمال ہی بھول گیا تھا۔
''بولو انوشے..... علی کیسا لگا تمہیں۔ ہم سب تمہاری رائے کے منتظر ہیں۔''
ولی بھائی کی آواز اس کی سماعتوں میں دوبارہ گونجی تھی۔ اور اس نے ''ہیلو ہیلو سگنلز پرابلم آ رہا ہے بھائی آپ کی آواز سنائی نہیں دے رہی..... ہیلو ہیلو'' کر کے فون دور کیا اور پھر کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ گہرا سانس لے کر وہ پلٹی تو اس کا دل اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔
''سر آپ.....؟''
سر ہارون درانی بالکل اس کے مقابل کھڑے اسے بڑی تولتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے تھوک نگلا۔
''فون کیوں بند کر دیا آپ نے بہانہ کر کے.....؟''
وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہے تھے۔ انوشے کو سانسیں سینے میں اٹکتی محسوس ہونے لگیں۔
''کب تک ٹالتی رہیں گی..... فیصلہ تو آپ کو سنانا ہی پڑے گا۔''
وہ بڑی دلکش مسکراہٹ لیے اسے مشکل میں ڈال رہے تھے۔ انوشے ایکسکیوزمی کہتی اپنے کمرے میں چلی آئی اور پھولی ہوئی سانسیں ہموار کرنے کے لئے صوفے پر آ گری۔

****

تبریز کی خواہش تھی کہ حنا ہمیشہ اس کے لیے یونہی سنوری رہا کرے مگر اس کے لیے وقت درکار تھا جو حنا تبریز کے پاس ندارد تھا..... پھر بھی وہ کوشش کرتی کہ تبریز کے گھر آنے سے پہلے وہ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کر لے اور اکثر اوقات وہ ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگا لیا کرتی۔ تبریز تو خوش ہو گیا تھا مگر تائی ماں کو مزید مواقع مل گئے تھے اسے باتیں سنانے کے۔
''سارا دن سجنے سنورنے میں لگا دیتی ہے..... شوہر گھر ہو تب بھی مانوں مگر اب کیا ہمسایوں کو لبھانا ہے۔ رات کو میک اپ کا فائدہ ہی کیا۔ سونا ہی تو ہوتا ہے، خواہ مخواہ پیسے اور وقت کا ضیاع''
پہلے کیا کم طعنے کوسنے تھے جو اب ایک گرما گرم بحث تائی کے ہاتھ لگ گیا تھا..... حنا، تبریز کی خوشی کی خاطر سب خاموشی سے برداشت کرتی جا رہی تھی مگر کبھی کبھی وہ اُکتا جاتی..... اس کا دل کرتا ابھی جا کر اپنے باپ کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دے مگر وہ ایسا کبھی نہ کر پائی تھی..... چاہتی تھی ابو کے سامنے بھائی بھاوج کا جو بھرم ہے وہ قائم رہے تو بہتر ہے ورنہ

وہ اندر سے ٹوٹ کر رہ جاتیں مگر۔اس نے کبھی کوئی بات میکے جا کر نہ بتائی اور وہ میکے جاتی ہی کب تھی...... شادی کے بعد صرف ایک بار گئی وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے...... اس کے بعد جب تبریز کا موڈ ٹھیک ہوتا فون پہ حال احوال دریافت کرلیا کرتی...... امی ابو تو نثار تھے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے کہ ان کی بیٹی اپنے گھر اتنی خوش ہے کہ میکے آ کر رہنے کو اس کا من ہی نہیں کرتا اور حنا نے کبھی ان کو اس خوش فہمی سے نکالنے کی کوشش نہ کی تھی۔اس نے خود کو اپنے سسرال کی امیدوں کے سانچے میں ڈھال لیا...... تائی ماں کے سامنے اُف تک نہ کی...... جو تبریز نے چاہا اس نے وہی کیا خواہ اس میں اس کی رضا شامل رہی ہو یا نہیں۔وہ پوری کی پوری ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گئی جس کے نہ احساسات تھے نہ جذبات۔اسے نہ کسی چیز کی خواہش تھی اور نہ ضرورت...... وہ تو بس اس گھر کے مکینوں کے اشاروں پر ناچنے آئی تھی...... سو ناچ رہی تھی بنا کسی بدلے کے مگر صرف ایک بات تھی جو وہ دل و جان سے چاہتی تھی اور وہ یہ کہ اس کی زندگی جس ڈگر پر چل نکلی ہے اس کی خبر اس کے والدین کو نہ ہو۔اس کی نام نہاد خوشحال شادی شدہ زندگی کا بھرم قائم رہے اور وہ اس بات سے کبھی باخبر نہ ہوں کہ اُن کا فیصلہ کس حد تک غلط ثابت ہو رہا ہے۔جیسے تیسے کھینچا تانی میں دن گزرتے جا رہے تھے کہ عید آ گئی...... شادی کے بعد اس کی پہلی عید تھی۔بہت دل چاہا کہ وہ امی ابو کے پاس جائے ، اُن کے ساتھ عید منائے بالکل پہلے کی طرح...... اس نے پہلی بار کسی خواہش کا اظہار کیا...... امی ابو سے ملنے جانے کا عندیہ لے کر وہ تائی ماں سے اجازت طلب کرنے گئی مگر وہ سنتے ہی طیش میں آ گئیں۔

''کان کھول کر سن لو لڑکی...... جو بہوئیں ہمیشہ سسرال میں من لگائے رکھتی ہیں کامیاب رہتی ہیں۔ میکے کے گیت الاپنے چھوڑ دو...... اور اس گھر پر دھیان دو۔اور خبردار جو دوبارہ کبھی مجھ سے اس قسم کی فضول باتیں منوانے آئی تو...... جاؤ جا کر چاول چنو کل دیگ پکوا کر غریبوں میں بٹوانی ہے۔

میرے بیٹے کی شادی کی پہلی عید ہے...... صدقہ خیرات کرنا لازمی ہے۔کسی کی نظر نہ لگے میرے تبریز کو ورنہ خود تو اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اپنی زندگی برباد کرلی شریکوں کے آگے جھک کر۔''

تائی ماں اشاروں کنائیوں میں اسے اور اس کے ماں باپ کو سنا رہی تھیں۔وہ خاموشی سے آنکھوں میں آنسو لیے باہر آ گئی...... چھت پر بنے برآمدے میں چارپائی پر چادر ڈال کر وہ چاول چننے میں مصروف تھی جب زید نے آ کر اطلاع دی۔

''بھابی چاچا چاچی آئے ہیں۔''

وہ اس کا اکلوتا دیور تھا...... تبریز سے چھوٹا اور شہلا سے بڑا...... بس ایک وہی تھا جو

WWW.PAKSOCIETY.COM

سسرال میں اس کا اکلوتا غم گسار تھا مگر وہ کام کے سلسلے میں اسلام آباد ہوتا تھا...... اُسے زمینوں سے لگاؤ تھا نہ کاشتکاری میں دلچسپی۔اس لیے وہ تعلیم حاصل کرنے شہر چلا گیا۔MBA کے فوراً بعد اسے اسلام آباد میں جاب مل گئی اور وہ وہیں چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے کر سیٹل ہوگیا۔عید منانے گھر آیا تھا تو مہینے بھر کی چھٹیاں لے آیا۔

''امی ابو آئے ہیں......؟''

وہ خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ اُچھل پڑی اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے بھاگی۔برآمدے میں بچھے تخت پر وہ دونوں براجمان تھے...... پاس پڑے موڑھے پر تائی ماں ناک بھوں چڑھائے بیٹھی تھیں۔وہ امی کے گلے لگی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔وہ ابو سے مل رہی تھی مگر امی کی ٹٹولتی نگاہیں مسلسل اس پر جمی رہیں...... لٹا پٹا سوٹ ، بکھرے بال ، مرجھایا ہوا چہرہ اور پھیکی پڑتی رنگت ، نہ کلائیوں میں چوڑیاں نہ ہاتھوں پر مہندی اور نہ ہی کوئی بناؤ سنگھار...... یہ تو ان کی حنا نہیں تھی اور لگتا ہی نہ تھا 5 ماہ پہلے اس کی شادی ہوئی ہے...... نئی نویلی دلہنیں تو سال سال بھر نئے نویلے کہلاتے ہیں۔

''بیٹا تو خوش تو ہے ناں......؟''

امی نے دوبارہ اسے گلے لگایا تھا۔اور اس کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا تھا۔

وہ بمشکل مسکرائی اور نظریں چراتی کچن میں چلی آئی۔

''شہلا چائے بنا دیتی مگر وہ ذرا سہیلی کی طرف گئی ہوئی ہے۔''

اس کے کانوں میں تائی ماں کی آواز پڑی تھی وہ سر جھٹکتی کچن میں آئی تو خوشگوار حیرت نے اس کا استقبال کیا۔

''ارے...... تم کیا کر رہے ہو......؟''

حنا نے بڑی مہارت سے چائے بناتے زید کو دیکھا تو حیران ہوئی۔

''بھئی میرے چاچا چاچی آئے ہیں اُن کے لیے چائے بنا رہا ہوں...... آپ کو کوئی اعتراض ہے......؟''

اس نے شرارتی لہجے میں کہا تھا اور ٹرے میں ایک ماہر شیف کی طرح برتن سجانے لگا۔

''کیک ، بسکٹ ، مٹھائی ، نمکو ، سموسے اتنا سب تم لائے ہو......؟''

حنا نے تفصیلی نظر اس کی تیاری پر ڈالی تھی۔

''جی بھابی۔اب امی کو تو اتنا چاؤ نہیں کہ وہ منگواتی پھریں۔''

اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ حنا کی آنکھیں بھر آئیں۔ براؤن ٹراؤزر اور بلیک ٹی شرٹ میں گہری براؤن آنکھوں والا زید بھی تبریز کی طرح ہی دلکش پرسنیلٹی کا مالک تھا فرق صرف اتنا تھا کہ تبریز کی آنکھیں کالی تھیں اور زید کی براؤن..... تبریز کا رنگ سفید تھا اور زید کا کھلتا ہوا سانولا..... تھے تو وہ دونوں اوپر تلے کے بھائی مگر ایک دوسرے سے عادات و اطوار میں بالکل مختلف۔ اس کی نظر حنا کی نم آنکھوں پر پڑی تو کپ پرچ میں رکھ کر بولا۔

"ارے بھابی یہ آنسو نہیں پلیز..... مجھے علم ہے اپنے گھر والوں کا۔ جانتا ہوں امی کی عادت..... شاید میں بھی ایسا ہی ہوتا مگر شروع سے ہی گھر سے باہر رہا ہوں تو شاید ان کا رنگ نہیں چڑھا مجھ پر۔"

وہ عام سے لہجے میں بات کو شرارت کا رخ دیتا ہوا بولا تو وہ مسکرا دی۔

"ارے میرے پیارے بھائی۔ تم ایسی باتیں مت کیا کرو..... اور چھوڑو یہ سب کام لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔ ہٹو تم..... میں کرتی ہوں۔"

حنا نے اسے شانے سے پکڑ کر سائیڈ پر دھکیلا تو وہ فوراً احتجاج پر اتر آیا۔

"نہیں بھابی۔ اسلام آباد میں بھی تو میں خود ہی کرتا ہوں..... وہاں کون سا کوئی لڑکی آ کر کر جاتی ہے۔"

اس کے معصومیت بھرے جواب میں چھپی شرارت کو حنا بھانپ گئی تھی..... قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"اوہ..... تو سیدھے سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ بہانے بہانے سے سمجھا رہے ہو کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔"

حنا نے اسے چھیڑا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"اوہ میری پیاری بھابی..... ارادہ ایسا ہو جائے تو میری تو لاٹری نکل آئے پر افسوس صد افسوس چچا چچی نے میرے بارے میں سوچا ہی نہیں..... صرف تبریز بھائی اُن کے لاڈلے ہیں۔ اگر میں بھی اُن کو پیارا ہوتا تو وہ ایک اور بیٹی ضرور..... آ..... اُف..... بھ..... بھابی..... میرا کان۔"

حنا نے اس کا کان اتنی زور سے پکڑا کہ وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر چلانے لگا۔

"میں نہیں چھوڑوں گی، تمہارے کان کھینچنے والے ہوئے ہیں..... کتنا فضول بولتے ہو تم..... میری بہن پر ڈورے ڈال رہے ہو۔"

وہ بھی اب اس کی شرارت سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"ارے..... کون سی بہن..... کس کی بہن..... آہ..... بھابی آپ تو اکلوتی ہیں۔ پھر میں کیسے آپ

کی بہن پر ڈورے ڈال سکتا ہوں۔"

اس نے اپنی آواز میں اُداسی کا تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا تو حنا کے ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑنے لگے۔

"شرارتی ہو تم ایک نمبر کے..... کیا کہہ رہے تھے کہ امی ابو صرف تبریز کو لاڈلا سمجھتے ہیں.....؟"

حنا نے اس کا کان چھوڑ کر اس کی بات اسی کو لوٹائی تو وہ خجالت سے بولا۔

"تو اور کیا بھابی۔"

"زید.....!"

حنا نے خشمگیں نظروں سے گھورا تو وہ ہاتھ اُٹھاتا ہوا ہنس دیا۔

"معافی چاہتا ہوں..... منہ سے نکل گیا۔ آخر دکھی دل کے پھپھولے کبھی کبھی تو زبان کے راستے الفاظ بن کر ظاہر ہونے ہی ہوتے ہیں۔"

کپ میں چائے ڈال کر اس نے حنا کو پکڑاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی..... ایک گھونٹ بھر کر بولی۔

"ارے واہ میرے بھائی۔ چائے تو بڑی اچھی بنائی ہے تم نے ماشاء اللہ بہت شگھڑ ہو۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔"

حنا نے بزرگوں کی طرح دعا دی تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"ویسے بھابی ایک بات کہوں..... اب آپ میرے دل کی خواہش بوجھ ہی چکی ہیں تو ایک بات اور جان لیں لڑکی آپ کی پسند کی ہونی چاہیے مگر شرط یہ ہے کہ وہ آپ جیسی ہو۔"

"کرتی ہوں بات تمہارے بھائی سے کہ اب اپنا زید بڑا ہو گیا ہے۔"

وہ ہنس دیا۔

چائے بمعہ لوازمات تیار تھی۔ وہ دونوں ایک ایک ٹرے اُٹھائے باہر آ گئے۔

"لیں جی گرما گرم چائے حاضر ہے۔"

میز پر برتن سجاتے زید نے خوشگوار انداز میں کہا تو تائی کو ذرا نہ بھایا تھا۔

"جاؤ زید تبریز کو فون کر دو جا کے..... اُسے بولو کہ ساس سسر آئے ہیں اس لیے جلدی گھر آئے۔"

تائی ماں نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر اسے ٹوکا تھا۔

"ساس سسر کیوں..... چاچا چاچی ہیں ہمارے۔"

وہ زید ہی کیا جو اپنی زبان روک کے..... اور فکرا لگانا بھول جائے۔ تائی کی بوکھلاہٹ پر حنا نے بمشکل

مسکراہٹ دبائی جبکہ تائی ماں پہلو بدل کر رہ گئیں۔

تایا جی اور تبریز اکٹھے ہی آئے۔ حنا کچن میں دوپہر کے لئے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ تبریز وہیں چلا آیا۔

"کیا پکا رہی ہو؟"

اس نے آتے ہی ایک لمبا سانس لے کر خوشبو اندر اتاری اور پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر بڑے خوشگوار موڈ میں پوچھا تھا۔ حنا مسکرا دی۔

"آج ان کا مزاج خوشگوار ہے، تائی ماں کو آج موقع نہیں ملا ناں پیار جتانے کا۔"

وہ گوندھنے کے لئے آٹا نکالنے لگی تو وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حنا نے حیرت سے اُسے دیکھا جو بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا ہوا......؟"

حنا نے آہستہ سے پوچھا تو تبریز نے کچھ بھی کہنے کی بجائے اس کے ہاتھ سے آٹے والا باؤل لے کر پرے رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ حنا نے نظریں جھکا لیں جو بھاری پلکوں کا بوجھ اُٹھانے سے قاصر ہونے لگی تھیں...... اسے وہ پہلے والا تبریز بہت دن بعد لگا تھا ورنہ وہ تو جیسے کہیں کھو ہی گیا تھا کسی خول میں چھپ گیا تھا اور کبھی کبھی اس خول سے باہر آتا تو پھر پہلے کی طرح ہی بے لوث اور انتہا محبت اس پر لٹاتا بالکل دیوانوں جیسی۔ کاش تبریز ہمیشہ ایسا ہی رہا کرے جیسا اب تھا تو تائی ماں کی ہر زیادتی وہ ہنسی خوشی برداشت کر لیا کرے بنا کسی دُکھ کے بنا آنسوؤں کے اور اس گھر میں رہنا اس کے لئے سہل ہو جائے۔

"حنا!"

تبریز کی گھمبیر آواز نے اسے سوچوں سے نکالا۔ اُس نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا جس کی گہری نگاہوں میں اسے اپنے لیے ٹھاٹھیں مارتا پیار ہی پیار نظر آیا...... اُس کے ہاتھوں کا لمس بھی محبت اور جذبوں کا غماز تھا۔ اور اس کی زبان اس کے لئے شہد کی مانند میٹھے الفاظ ادا کر رہی تھی۔ حنا جیسے ایک سحر کے عالم میں کھڑی اُسے تکتی رہی کہ ایسا موقع اسے کبھی کبھی ہی نصیب ہوتا تھا۔ اس نے تبریز کے الفاظ کو زندگی کا سفر طے کرنے کے لئے زادِ راہ کے طور پر سمیٹنا شروع کر دیا جو کہہ رہا تھا۔

"تم ہمیشہ میرے پاس رہو میرے قریب رہو میں یہی چاہتا ہوں...... میں تم سے اتنا پیار کرتا ہوں کہ خود غرضی دکھانے لگتا ہوں۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں حنا...... مگر کبھی کبھی مجھے خود پر غصہ آنے لگتا ہے کہ میں اپنی محبت میں اندھا ہو کر تمہارے احساسات کا دھیان بھی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھتا...... تم کیا سوچتی ہو، تم کیا چاہتی ہو، میرے لئے یہ کبھی اہم نہیں رہا...... مجھے تو صرف اور صرف تم چاہیے تھی اور میں نے تمہیں اپنا بنا لیا...... میری چاہت، میری خواہش پوری ہو گئی اور میں اپنے جنونی پیار کو منزل دے کر بہت خوش ہوں بے انتہا خوش۔"

وہ اب اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بڑی عقیدت سے تھامے اپنے دل کی باتیں بڑی صاف گوئی سے اس کے گوش گزار کر رہا تھا۔ حنا اس سچائی سے واقف تھی۔ تبریز نے شروع سے ہی اپنی محبت میں انتہا کی چھوٹی خود غرضی دکھائی تھی۔ اس کے لئے تو یہ بات قابلِ حیرت تھی کہ وہ کمال بہادری سے اس خود غرضی کا اعتراف کیا کرتا تھا اور برملا اس کا اظہار کرتا بنا کسی شرمندگی کے۔

"حنا جس طرح میں اپنے والدین سے پیار کرتا ہوں تم بھی کرتی ہو گی ناں اپنے امی ابو سے......؟"

وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔ حنا نے نگاہیں جھکا لیں۔

"چاچا چاچی تمہیں لینے آئے ہیں۔"

وہ چند لمحے اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر سر جھٹک کر گویا ہوا۔

"میں چاہتا ہوں پہلی عید تم میرے ساتھ مناؤ مگر میں تمہیں جانے سے روکوں گا نہیں...... تم اگر اُن کے ساتھ عید منانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو۔"

حنا نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اسے صرف پیار، اپنے لیے بیقراری اور بے تابی نظر آ رہی تھی۔

اسے یکدم ہی پوری دنیا حسین لگنے لگی۔ ہر طرف جیسے پھولوں کی مہک نے ماحول کا احاطہ کر لیا تھا۔ رنگ ہی رنگ پوری کائنات میں بکھر گئے تھے اور کانوں میں جیسے رس گھل رہا تھا۔

"جی...... میں جانا چاہتی ہوں مگر......"

"مگر......؟"

تبریز نے بجھے بجھے سے انداز میں پوچھا تھا۔ وہ تو اس کے جانے کے احساس سے ہی بدمزہ ہو گیا تھا۔

"مگر آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

حنا نے نظریں جھکاتے ہوئے بڑی آس سے کہا تھا۔

"میں نہیں جا سکتا...... گھر کا بڑا بیٹا ہوں اور عید کے روز گھر ہونا ضروری ہے۔"

تبریز کی بات پر وہ کچھ دیر تو بے بسی سے اُسے دیکھتی رہی پھر دھیمے سے بولی۔

"تو پھر میں بھی نہیں جاتی۔"

"کیا......؟ کیا کہا تم نے......؟ ذرا پھر سے کہنا......؟"

تبریز کو تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا اپنی سماعتوں پر۔

"مجھے بھی نہیں جانا پھر۔ شادی کے بعد ہماری پہلی عید ہے ہمیں ساتھ منانی چاہئے۔"

اس نے افسردگی سے کہا تھا مگر تبریز تو اس قدر خوش ہو گیا تھا کہ اس کے چہرے پر پھیلی اُداسی اُسے نظر ہی نہ آئی تھی یا پھر جان بوجھ کر نظر انداز کر کے ہمیشہ کی طرح خودغرض بن گیا تھا۔

"اوہ حنا۔"

بے تحاشہ خوشی کے احساس سے مرعوب ہو کر اس نے اُسے گلے سے لگا لیا اور حنا نے آنکھیں موند کر باہر نکلنے والے آنسوؤں کو بمشکل روکا تھا۔

"ارے ارے...... یہ کیا ہو رہا ہے......؟ میں نے کچھ نہیں دیکھا...... بخدا میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا، سچی۔"

اپنے ہی دھیان میں کچن میں آتے زید کی نظر ان پر پڑی تو آنکھوں پر ہاتھ رکھے بمشکل ہنسی روکتا ہوا بولا تھا۔ وہ دونوں چونک کر الگ ہوئے۔

"تم......؟ یہاں کیا کر رہے ہو......؟"

تبریز نے خجلت مٹانے کو کہا تو وہ ہنس دیا۔

"جاسوسی کر رہے تھے ہماری بے شرم...... ٹھہرو میں خبر لیتا ہوں تمہاری۔"

تبریز اس کی شرارت بھری ہنسی پر مسکراہٹ دباتا اس کی طرف بڑھا تو وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں بھائی......! قسم لے لیں۔ میری کیا مجال کہ جاسوسی کروں وہ بھی اپنے اتنے پیارے پیارے بھائی بھابی کی...... میں...... میں تو بس یہ دیکھ رہا تھا کہ بیڈ روم کے کام کچن میں کیسے کیسے جاتے ہیں۔"

وہ شرارت سے کان کھجاتا ہوا بولا تو تبریز کے تیور دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا جبکہ تبریز اس کے پیچھے۔ حنا ان دونوں کو دیکھ کر ہنس دی۔

"شرارتی...... جب سے آیا ہے...... یہ رونق لگائے رکھتا ہے ورنہ تو یہاں کسی کو ہنسنے بولنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔"

پھر وہ دونوں عید کے دن تو نہیں البتہ اگلے روز امی ابو کے ہاں گئے...... شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب حنا نے وہاں رات رکی تھی...... صبح ہوتے ہی وہ

PAKSOCIETY.COM

دونوں واپس آ گئے۔

****

"کیا ہوا انوشے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو......؟"

مشی جو کب سے اسے اُلجھن زدہ محسوس کر رہی تھی آخر پوچھ بیٹھی...... انوشے باہر سے آئی، آتے ہی صوفے پر ڈھے گئی۔ جب کافی دیر تک اسے اُسی طرح بیٹھے پایا تو اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے دریافت کرنے لگی...... مگر انوشے بدستور آنکھیں موندے پڑی رہی۔

"میں تم سے مخاطب ہوں"

مشی نے اسے جھنجھوڑا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور اُٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں ایک خاص بات ہے جو تم دونوں سے ڈسکس کرنی ہے۔"

اس نے وارڈروب سے موٹی سلک کی نائٹی نکالی اور بیڈ پر رکھ کر خود جھکتی ہوئی جوتے اتارنے لگی۔

"کیا بات ہے جو تم اتنی پریشان ہو......؟ سب خیریت ہے ناں......؟"

مشی نے تجسس و فکرمندی سے پوچھا۔

انوشے چند لمحے اسے خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"سب خیریت ہے مگر بات نہایت اہم ہے...... صبح تم دونوں کو اکٹھے ہی بتاؤں گی...... فی الحال تو بہت نیند آ رہی ہے...... میں چینج کر کے سونا چاہوں گی۔"

انوشے نائٹی اٹھاتی ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی تو مشی بھی بیڈ پر لیٹ گئی اور لحاف اوڑھ لیا۔ اس کا من تو چاہ رہا تھا کہ ابھی سب معلوم کر لے مگر انوشے کی سرخ ہوتی آنکھوں اور تھکے تھکے لہجے پر اس نے بادل نخواستہ صبح کا انتظار کرنا مناسب سمجھا اور آنکھیں موند لیں۔

اسے کب نیند کی دیوی نے اپنی آغوش میں لے کر سلا دیا اسے خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ کب انوشے آ کر لیٹی وہ اس سے بھی بے خبر تھی۔ تبھی اس کی آنکھ جلد کھل گئی مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ انوشے ابھی تک سو رہی تھی ورنہ تو وہ صبح منہ اندھیرے ہی اُٹھ جایا کرتی نماز کے لئے مگر آج سات بج گئے اور وہ اُٹھی نہیں۔

"انوشے۔"

اس نے اس کے بازو کو پکڑ کر ہلایا تھا۔

"کیا ہے مشی سونے دو...... کیوں نیند میں خلل ڈال رہی ہو۔"

اس نے کروٹ بدلی اور لحاف منہ پر ڈال لیا۔

"یار آٹھ بجے ناشتہ ہے..... اُٹھ جاؤ!"

مشی نے لحاف ایک طرف کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوتے ہوئے کہا مگر انوشے نے کمبل کھینچ کر دوبارہ منہ پر ڈال لیا۔ مشی واش روم سے فریش ہو کر آئی تو اسے ویسے ہی سوتی دیکھ کر سلگ گئی۔

"اُف..... ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی..... کبھی تو آدھی رات کو اٹھ کر نماز کے لئے چکر لگا رہی ہوتی ہو اور کبھی اتنا جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھانے پر بھی مجال ہے جو جوں تک بھی تمہارے کان پر رینگ جائے۔"

"جوں نہیں جوں۔"

انوشے نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا۔

"جو بھی ہے۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"اُٹھ جاؤ! اللہ کی بندی! کیا رات میں سارے گدھے گھوڑے بیچ گئے تھے تمہارے جواب بھی تان کر سوئی ہو کیا اُٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔"

مشی تنگ آ چکی تھی اس کی ہٹ دھرمی سے۔

"ہاں۔ بیچ گئے تھے..... تمہارے رہتے ہیں تم بیچ لو مگر مجھے تو سونے دو۔"

انوشے نے کمبل سے منہ نکال کر کہا اور دوبارہ سو گئی۔

"بھاڑ میں جاؤ۔"

مشی نے چڑ کر کہا تھا اور خود کپڑے نکال کر تیار ہونے لگی۔

مس مریم اور سر ہارون درانی کی آج وزٹ کی باری تھی اور ناشتے میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا..... وہ دونوں تمام کمروں میں سٹوڈنٹس کو یاددہانی کرانے کے لئے آٹھ بجے وہاں پہنچنے کی تاکید کر رہے تھے..... زیادہ تر سٹوڈنٹس مال روڈ پر نکل چکے تھے، جو رہ گئے تھے وہ بس تیار ہی تھے۔

ان کے دروازے پر دستک ہوئی تو صوفے پر تیار بیٹھی مشی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"گڈ مارننگ میم..... گڈ مارننگ سر..... آئیے۔"

مشی نے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

سر ہارون دروازے میں ہی کھڑے رہے جبکہ میم مریم اندر چلی آئیں۔

"بچے آپ کو علم ہے ناں کہ ناشتے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے..... آپ فوراً وہاں پہنچیں تاکہ بعد

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں ہم وقت پر وہاں سے کہیں آؤٹنگ کا پروگرام بنا سکیں۔"

"جی میم مگر یہ انوشے اُٹھے تب ناں!"

"کیا..... انوشے ابھی تک سوئی ہوئی ہے.....؟"

انہوں نے کمبل پر دھیان دیا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی..... کہیں دوبارہ ٹمپریچر تو نہیں ہو گیا۔"

انوشے کا نام سن کر سر ہارون بھی دہلیز کے اندر تک آ گئے تھے۔ میم نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اطمینان سے مسکرا دیں۔ بالوں کی شرارتی لٹیں ایک طرف کر کے میم نے اس کا گال تھپتھپایا تو وہ کسمسائی۔

"انوشے..... اُٹھ جاؤ!!"

انہوں نے آہستہ سے اسے پکارا تو ان کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں..... فوراً سے آنکھوں کو مسلا اور دھیان سے دیکھا۔ وہ میم مریم ہی تھیں..... انوشے یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کھلے بال شانوں اور کمر پر بکھر گئے اور کچھ چہرے پر آ گئے تھے جنہیں وہ ہاتھوں سے کانوں کے پیچھے اڑستی نظریں جھکا گئی۔

"کیا ہوا..... طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟"

"Yes Mam, I am fine!!"

"تو اُٹھ جائیے! ناشتے کے لئے ریڈی ہوں۔"

"جی میم!" وہ کمبل ایک طرف کرتی اُٹھ کھڑی ہوئی..... اس کے بنا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

"اُف ساڑھے سات ہو گئے..... آج میں اتنا سوئی..... مشی تم نے اٹھایا کیوں نہیں....."

وہ واقعی حیران تھی اپنی نیند پر۔

"اتنا اُٹھایا تھا مگر تم پر اثر ہو تب ناں!"

مشی نے جل کر جواب دیا تھا۔

میم مریم مسکرا کر کمرے سے باہر کی طرف چل دیں تو ان کے تعاقب میں انوشے کی نظریں دروازے پر کھڑے سر ہارون درانی پر پڑیں..... حیران نظروں سے اپنی طرف دیکھتی سفید ڈھیلی ڈھالی سلک کی نائٹی میں کھلے بالوں کے ساتھ اپنی تمام تر معصومیت لیے وہ انہیں گڑیا لگ رہی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ۔"

انوشے نے فوراً پلٹ کر اپنا رخ موڑ لیا..... جبکہ مشی جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

''کیا تھا یہ سر سے سلام لے لیتی..... بدتمیز لڑکی۔'' مشی اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی۔

سر ہارون ورانی انوشے کی خالص بچگانہ ادا پر دل سے مسکرا دیے۔ اُس کی معصومیت بھری خوبصورتی اور اس پر اس کا لاابالی پن انہیں مشکل میں ڈال گیا۔ پہلے ہی وہ اتنی بے باکی سے انوشے کو دیکھنے سے خود کو باز نہیں رکھ پائے تھے اور اب ان کی نظروں کی تپش سے انوشے بھی پشیمان ہو گئی تھی تبھی تو اس نے گھبرا کر رُخ موڑ لیا..... ''میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ سے خائف رہنے لگے۔ ویسے بھی مجھے ابھی محبت تو نہیں ہوئی اور پسندیدگی نظروں کی حد تک ہی تو ہے پر ملتا ہے بہت جلد دل تک پہنچ جائے گی۔''

انہوں نے اندر کے دلکش نظارے سے نظریں چرائیں اور کاریڈور میں نکل آئے۔ جبکہ مشی میم مریم کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے پلٹی تو انوشے واش روم میں گھس چکی تھی..... وہ جانتی تھی مشی اس کے رویے کی وجہ پوچھے گی اور صبح صبح ہی ہزار سوالات کے جواب دینا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

****

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ لوگ مال روڈ پر ہی ٹہلنے لگے..... کچھ ہی دیر میں سب نے یہاں سے نتھیا گلی روانہ ہونا تھا..... مال روڈ حسب معمول لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

خوشیاں قہقہے اور شرارتیں ہر طرف جیسے رقصاں تھیں..... ماحول میں موجود خنکی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی..... آسمان ابر آلود تھا اور یخ بستہ ہوائیں اندر تک سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ لوگ کافی سے زیادہ گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے پھر بھی انوشے نے اپنے سن ہوتے ہاتھوں کو کوٹ کی جیبوں میں گھسا کر گہرا سانس خارج کیا تھا..... وہ ماحول کی خوشگواریت سے بالکل انجان، نجانے کیوں معمول سے ہٹ کر سنجیدہ سی تھی..... ساتھ چلتے مشی اور آریان نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔

''کافی پیئیں؟''

آریان نے کافی شاپ کے سامنے رُک کر پوچھا تھا اور انوشے کو واقعی اس کی بہت زیادہ ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

''انوشے رات کو تم نے کہا تھا کہ ہم دونوں سے کچھ کہنا چاہتی ہو تم؟''

مشی نے ٹیبل پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی گلاس وال سے باہر دیکھتی خاموش سی انوشے کو مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

''تم کچھ پریشان ہو..... سب خیریت ہے ناں؟''

ویٹر کافی کے مگ رکھ کر گیا تو آریان نے اپنا مگ پکڑتے ہوئے انوشے سے دریافت کیا تھا۔ وہ سر جھٹکتی مسکرا دی۔

''ہاں فی الحال تو سب ٹھیک ہی ہے..... مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ علی کون ہے؟ میں کل اس سے ملی تھی۔''

انوشے نے دھیمے سے کہہ کر مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اب چونکنے کی باری ان دونوں کی تھی۔

''کون ہے وہ؟ اور تم کل کس وقت ملیں اُس سے؟ سارا وقت تو ہم تمہارے ساتھ ہی تھے؟''

آریان نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''سر ہارون ہی علی ہیں۔''

انوشے نے گویا دھماکہ کیا تھا۔ کم از کم ان دونوں کو تو ایسا ہی لگا تھا۔

''واٹ؟؟''

وہ دونوں بیک وقت چلائے تھے۔ انوشے مسکرا دی۔

''مجھے بھی ایسے ہی شاک لگا تھا جب سر نے مجھے بتایا تھا۔ کل چیئر لفٹ پر ہماری بات ہوئی تھی..... اصل میں ان کا آفیشل نام ہارون ورانی ہے جبکہ ان کے دادا جی کو علی نام بہت پسند تھا اس لیے ان کے گھر اور فیملی میں انہیں علی کے نام سے ہی جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے ان کا رشتہ بھی اس نام سے آیا۔''

انوشے نے تفصیل بتائی تھی وہ دونوں حیرت سے سب سن رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سر ہارون ہی علی ہو سکتے ہیں۔

''انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایسا نہیں کہ وہ مجھ سے کوئی جنونی قسم کی محبت کرنے لگے ہیں۔ میں بس انہیں پسند آئی ہوں اور انہیں لگتا ہے کہ انہیں مجھ سے محبت ہو سکتی ہے۔ وہ مجھے میری رضامندی سمیت اپنانا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ فیصلہ میں خود کروں اور تو اور اپنے فیصلے سے انہیں خود آگاہ کروں اسی ٹور کے دوران ہی..... اور میری سمجھ میں بالکل کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟''

انوشے واقعی بہت اُلجھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز اس کے چہرے سے ہی ہو رہا تھا۔

''اوہ..... یہ سب کتنا عجیب سا لگے گا ناں کہ تمہاری سر ہارون سے شادی ہو جائے گی اور وہ ہمارے رشتہ دار بن جائیں گے۔''

مشی اب بے تحاشہ ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔ آریان اور انوشے نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ ہنس دی۔

''یار..... یہ تو خوشی کی بات ہے۔ ہمیں جس علی سے ملنے کا کریز (Craz) تھا آخر کار وہ منظر عام

پڑا ہی گیا...... کم از کم تجسس تو ختم ہوا ناں اور انوشے اس میں اتنا الجھنے والی کیا بات ہے اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم سر کے ساتھ اچھی زندگی گزار سکتی ہو تو ہاں کہہ دو اور اگر تمہیں ایسا نہیں لگتا تو منع کر دو...... سمپل (So simple)۔"

مشی نے آخر میں انوشے کو مخاطب کر کے مشورہ بھی دے دیا تھا۔

مگر انوشے کے لئے یہ سب اتنا آسان (Simple) نہ تھا جتنا مشی نے کہا تھا۔ اسے تو ایک ہی پریشانی کھائے جا رہی تھی۔

"سر ہارون تو ہمارے اُستاد ہیں اور میں انہیں اسی نظر سے دیکھتی ہوں اور اب بالکل الگ طرح سے انہیں دیکھنا، انہیں سوچنا بہت عجیب لگے گا۔ میرا مطلب ہے آج تک وہ میرے اُستاد تھے اور اب اگر میں یہ پرپوزل ایکسپٹ (Accept) کر لیتی ہوں تو ایکدم ہی میرا اور ان کا رشتہ بدل جائے گا...... تم دونوں سمجھ رہے ہو ناں۔ یہ نہایت مشکل ہے میرے لئے سر کو اس طرح سے سوچنا۔"

انوشے کے بے ربط جملے اس کی ذہنی کشمکش کو ظاہر کر رہے تھے۔

"تم یہ فضول کی اُلجھن میں مت اُلجھو...... سر اچھے ہیں ہر لحاظ سے...... میری مانو تو اپنے والدین کی طرح تم بھی اپنا فیصلہ سنا دو...... اور جب رشتہ بن جاتا ہے تو سوچیں خود بخود اس راہ پر چل نکلتی ہیں...... اس لئے فی الحال صرف یہ سوچو کہ تمہیں سر ہارون کا پرپوزل ایکسپٹ کرنا چاہیے یا نہیں۔"

آریان نے مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ انوشے نے سر ہلا دیا۔

"اچھا۔ اب جلدی کافی ختم کرو...... سر ہارون تمہارا بے صبری سے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

مشی نے اسے چھیڑا تھا۔

"مشی باز آ جاؤ، پٹو گی تم مجھ سے۔"

انوشے نے اسے گھورا تھا مگر مجال ہے اُسے اثر ہوا ہو۔

"دیکھا آریان اُس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا...... ہمارے سامنے شرما رہی ہے۔"

مشی ہنس رہی تھی۔ ایک ٹیس سی آریان کے دل میں اٹھی تھی۔ وہ اپنے کافی کے مگ پر جھک گیا۔

****

آریان کو جب سے علم ہوا تھا کہ سر ہارون ہی علی ہیں نجانے کیوں بار بار اس کی رشک بھری نگاہیں سر ہارون کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ یہ وہ شخص تھا جسے ابھی انوشے سے محبت بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی وہ یہ بازی بنا لڑے جیت گیا تھا اور خود آریان جس کے دل پر صرف انوشے کی حکومت تھی لڑائی کے لیے تو وہ بھی میدان میں نہ اترا تھا مگر اسے یقین تھا اگر وہ ایسا کرتا تب بھی

ہارنا ہی اس کا مقدر ہوتا کیونکہ بعض دفعہ ہار جیت کا فیصلہ کھیل کھیلنے پر منحصر نہیں ہوتا...... وہ اپنی سوچوں کے تانے بانے بن رہا تھا جب انوشے اور مشی اس کے پاس آئی تھیں۔

"تم کیوں اتنے الگ تھلگ بیٹھے ہو یہاں؟"

انوشے نے آتے ہی دریافت کیا تھا۔ وہ قدرے سنسان گوشہ تھا۔ سڑک کے بائیں طرف ڈھلوان اتر کر چھوٹا سا ایریا گرل لگا کر کور کیا گیا تھا جہاں دو بینچ نصب تھے...... سڑک پر چلتے عموماً اس جگہ پر نظر نہیں پڑتی تھی۔ نجانے ان دونوں نے کیسے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ آریان نے اپنی نگاہیں ہزاروں میل گہری کھائی سے ہٹا کر انہیں دیکھا۔ پھر اس نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ ریلنگ کے ساتھ سینے پر بازو باندھے وہ حد سے زیادہ سنجیدہ کھڑا تھا۔

"آریان۔"

انوشے نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دوبارہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جتنا اس سے دور بھاگتا دل اتنا ہی اس کی طرف ہمکتا تھا۔ آریان نے بہت گہری نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا تم کچھ بول کیوں نہیں رہے؟"

انوشے کو اب تشویش ہونے لگی تھی۔

سنو! مجھے اچھا نہیں لگتا
کرے جب تذکرہ کوئی
تمہاری ذات کو کھوجے
تمہاری بات کو سوچے
مجھے اچھا نہیں لگتا
تمہاری ایک آہٹ پر
ہزاروں دل دھڑکتے ہوں
تمہاری ایک مسکراہٹ پر
ہزاروں لوگ مرتے ہوں
کسی کا تم پر یوں مرنا
مجھے اچھا نہیں لگتا

آریان کے سنجیدہ لہجے میں ایک سحر تھا...... وہ اپنی نگاہیں انوشے کے حیران چہرے پر گاڑے پوری نظم سنا رہا تھا۔ مشی اور انوشے دم بخود سی تھیں۔ آریان دوبارہ گویا ہوا۔

"لکھنے والے بھی کیا خوب الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے جذبوں کو انہوں نے محسوس کیا ہو، جیسے ہمارے خواب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں یا پھر جیسے ہماری محبت کو انہوں نے جیا ہو اور محبت کرنے والوں کے دل اُن شاعروں کے سینوں میں دھڑکتے رہے ہوں شاید تبھی تو وہ ایک ایک لفظ کو احساسات کی شیرینی میں ڈبو کر ہمارے لیے بچار کھتے ہیں۔"

آریان کی سنجیدگی تاہنوز دائم تھی، اُس کی آنکھوں میں عجب سا کرب تھا جس سے اُس کی روح کے دُکھ جھلک رہے تھے۔

"آریان یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

مشی نے آریان کو شانے سے تھام کر اس کا رُخ اپنی طرف موڑا تھا۔ آریان نے ایک زخمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر سر جھکا لیا...... چند لمحے لگے اِسے خود کو نارمل کرنے میں اور پھر جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو ایک شرارتی سی ہنسی نے اس کی زخمی مسکراہٹ کی جگہ لے لی تھی۔

"اپنے چہرے دیکھو تم دونوں...... ضرورت سے زیادہ کھلی آنکھیں لیے بالکل کارٹون لگ رہی ہو......"

آریان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"یہ نظم کل پڑھی تھی میں نے تو مجھے لگا تم دونوں کو سنا کر دیکھتا ہوں بھول تو نہیں گئی۔"

"اوہ!" انوشے نے کب سے رُکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔

"مجھے لگا تم......"

انوشے نے بات ادھوری چھوڑ کر آریان کی شرارت سے بھری آنکھیں دیکھی تھیں۔

وہ ہنس دیا۔

"ہاں تمہیں لگا ہوگا مجھ پر بھی تمہارا جادو چل گیا ہے...... ویسے ایک بات یاد رکھو۔ میں محبت نہیں کر سکتا یہ فارغ لوگوں کا مشغلہ ہے۔ دلوں کی تجارت مجھ جیسے ذمہ داریوں کے نیچے دبے انسانوں کے بس کی بات نہیں......"

آریان نے بات کو مزاح کا رنگ دے کر انوشے کو مطمئن کر دیا تھا مگر مشی اب بھی بہت غور سے آریان کو دیکھ رہی تھی۔ انوشے کا فون بجنے لگا تو وہ چلی گئی۔

"تم کیوں مجسمہ بنی کھڑی ہو؟ آؤ ہم بھی اوپر چلتے ہیں۔"

آریان نے مشی سے نظریں چراتے ہوئے اپنے لہجے کو قدرے خوشگوار بنایا تھا۔

"آریان تم نے جھوٹ کیوں بولا......؟"

مشی نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

آریان ٹھٹکا پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے ہنس دیا۔

"بتایا تو ہے کہ نظم......"

"میں وہ جاننا چاہتی ہوں جو تم چھپانے کی کوشش کر رہے ہو...... کیا تم انوشے کو چاہنے لگے ہو؟"

مشی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے مشی، ایسا کچھ نہیں۔"

"نہیں...... یہ سچ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو بلکہ سچ وہ ہے جو تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں۔"

مشی ٹھوس لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تم کیا کہہ رہی ہو اور کیا سمجھ رہی ہو...... میری مانو تو چھوڑو یہ سب......"

آریان نے رُخ موڑ کر ریلنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے حدِ نظر تک گہری کھائی کو دیکھا جہاں قد آور ہزاروں میٹر لمبے درخت بڑی شان سے کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ انوشے بھی تو انہی کی طرح اس کے دل کی گہرائیوں میں پناہ گزیں تھی۔

"تم انوشے کو اپنے اس جھوٹ سے بہلا سکتے ہو مجھے نہیں...... میں محبت کو برت چکی ہوں...... تمہاری نگاہوں میں تیرتی محبت کی نمی میں نے پہچان لی ہے آریان...... اس لیے کم از کم میرے سامنے تو یہ سچائی قبول کرلو کہ انوشے تمہاری پہلی چاہت بن چکی ہے۔"

آریان نے اب کی بار مشی کی نفی نہیں کی تھی۔ وہ کر ہی نہیں پایا تھا۔ نجانے کیوں اِسے اپنے جذبے منت کرتے نظر آئے تھے کہ ایک بار صرف ایک بار ہی سہی ہمارے ہونے کا اعتراف تو کر دو اور وہ اس بار ان کی صدا نظر انداز نہیں کر پایا تھا...... وہ پلٹ کر وہاں نصب بنچ پر بیٹھ گیا۔ مشی چند لمحے اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہی پھر دوسرے بنچ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"تم اس سے کہہ کیوں نہیں دیتے آریان؟"

"نہیں کہہ سکتا میں"

وہ پھٹ پڑا تھا۔

"کیوں نہیں کہہ سکتے؟"

مشی نے اس کے ٹوٹتے بکھرتے وجود کی کرچیاں سمیٹنا چاہی تھیں مگر وہ بکھرتا چلا گیا۔

"ٹھیک ہے تم نہیں کہہ سکتے تو پھر میں کہہ دیتی ہوں جا کر...... اسے علم ہونا چاہیے آریان کہ تم......"

مشی یکدم اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ آریان فوراً اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"نہیں مشی تم ایسا کچھ نہیں کرو گی...... انوشے مجھے اپنا مخلص دوست سمجھتی ہے۔ اس کا یہ مان قائم

رہنے دو..... ہماری دوستی کا بھرم نہ توڑو..... میں اس کے قابل نہیں ہوں..... حالات ایسے ہیں کہ میں فی الحال اس کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتا اور جب تک میں اس قابل ہوں گا تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ تم نے سمجھ جانا ہے تو بھول جاؤ مشی..... اسے میرے احساسات کی خبر مت ہونے دینا..... ایک دوست کی حیثیت سے مجھے اس کے دل میں رہنے دو۔ میں اپنی فیلنگز اسے بتا کر اس مقام کو کھونا نہیں چاہتا۔"

"پر آریان....."

مشی نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھ سے وعدہ کرو مشی تم اس راز کی حفاظت کرو گی۔"

آریان نے التجائی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ مشی نے نم آنکھیں لیے اثبات میں سر ہلا کر چہرہ جھکا لیا۔

****

شادی کو چھ ماہ ہونے کو آئے تھے..... حنا اس دوران صرف دو تین مرتبہ ہی میکے گئی ..... اس کے بعد نہ اس نے خود جانے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی سسرال میں کسی کو اس بات کا خیال آیا..... دن رات بس وہ ہوتی اور نہ ختم ہونے والے کام۔ وہ تائی ماں کو خوش رکھنے کی ہزار کوششیں کرتی مگر ان کے کوسنے طعنے پھر بھی جاری رہتے..... وہ سارا دن اگلے پچھلے تمام حساب چکتا کرتی رہتیں..... حنا نے کبھی جواب میں کچھ نہیں کہا وہ خاموشی سے سب سن لیتی کہ یہی اب اس کا مقدر تھا اور اسے اسی گھر میں رہنا تھا۔

وہی تایا جی جو ابو سے اپنی لاڈلی بھتیجی کو مانگ کر بہو نہیں بیٹی بنا کر لائے تھے اب تائی ماں کی باتوں کو سولہ آنے درست گردانتے اور ان کے عتاب کا نشانہ بھی حنا ہی بنتی کیونکہ باتوں کا قصوروار حنا کو ٹھہرا کر تائی ماں ہمیشہ سچی بن جاتیں..... ہر وقت گھر میں تائی ماں نے شور مچایا ہوتا اور تایا ابو کہتے کہ جب سے تبریز کی شادی ہوئی ہے حنا کی موجودگی سے اس گھر کا چین سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے..... حنا بس اندر ہی اندر گھٹتی رہتی..... اس کی واحد آس اور اُمید تبریز سے وابستہ ہوتی۔ ایک وہی تو تھا جو اسے محفوظ پناہ مہیا کر سکتا تھا۔ مگر ان تین ماہ میں اس کی تقریباً ساری اُمیدیں اپنا سامنہ لے کر رہ گئی تھیں..... اُسے تبریز کی ذات میں کبھی بھی پناہ نہیں ملی تھی۔ اکلوتی نند شہلا کا تو ہر وقت مزاج ہی بگڑا رہتا۔ چلی کئی طنزیہ باتیں ہمہ وقت اس کی منتظر رہتیں..... شروع شروع کے دنوں میں اُس نے شہلا کے ساتھ باتیں کرنے اور اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی کوشش کی تھی مگر اُس نے محسوس کیا کہ اس کی یہ کوشش شہلا کو ناگوار گزرتی

ہے۔ اُس نے کئی بار اسے اشاروں کنایوں میں خود سے دُور رہنے کا کہہ دیا تھا..... حنا نے پھر ایسا کرنا چھوڑ دیا ویسے بھی کاموں کا سارا بوجھ اس پر آن پڑا تھا تو اسے وقت ہی نہ ملتا۔ تینوں چچا کے پورشنز ساتھ ساتھ تھے مگر وہ اُن کے ہاں جانے تک کا وقت نہ نکال پاتی۔ تبریز الگ شکایت کرتا کہ تم جان بوجھ کر کاموں کو سر پر سوار کیے رکھتی ہو تا کہ مجھے تمہارے ساتھ وقت گزارنے کا موقع نہ ملے..... تبھی تو تم خود کو مصروف رکھنے کے بہانے ڈھونڈتی ہو تا کہ مجھ سے دُور رہ پاؤ..... تبریز صبح کا گیا شام کو گھر آتا۔ سارا دن گھر میں کیا ہوتا اسے کچھ خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی تو اتنی جتنی اسے دی جاتی اور یہ نیک کام تائی ماں سب سے پہلے کرتیں۔

"السلام علیکم!"

تبریز نے آتے ہی برآمدے میں بچھے تخت پر براجمان تائی ماں کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام پتر!"

تائی ماں نے کراہنے کے انداز میں جواب دیا۔

"امی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟"

تبریز پریشانی سے وہیں اُن کے پاس ہی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے میری طبیعت ہی کیا میری تو قسمت بھی خراب ہے..... تمہارے کہنے پر اُسے بہو بنا کر گھر میں لے تو آئی ہوں مگر تب سے ایک دن بھی سکون کا نصیب نہیں ہوا۔ 16 سال کی تھی میں جب بیاہ کر اس حویلی میں آئی۔ شبھی میرے ساتھ ہی آ گئی تھی اس کی ماں بھی بیاہ کر..... ساری عمر مجھے سوئی پر لٹکائے رکھا اب بیٹی آ گئی..... رہی سہی کسر پوری کرنے۔ ساری زندگی ایسے ہی کاٹ دی میں نے..... اب میری صحت بھی ساتھ نہیں دیتی مگر پھر بھی پورا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہوں کاموں میں..... ابھی چند منٹ پہلے بیٹھی ہوں آ کر..... ہائے میری کمر"

تائی ماں کمر پر ہاتھ رکھے کراہتے ہوئے اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف ہو چکی تھیں۔

"ارے او شہلا! مجھے ریت گرم کر کے لا دے گرما ہٹ پہنچے گی تو کمر درد میں کچھ افاقہ ہوگا۔ تمہیں ہزار مرتبہ کہا ہے کہ رات کو پڑھ لیا کرو۔ دن میں ہزار کام ہوتے ہیں۔ میں اکیلی جان اب کیا کیا سنبھالوں۔"

تائی ماں شہلا کو بلانے لگیں پھر پاس بیٹھ کر پاؤں دباتے تبریز سے دوبارہ گویا ہوئیں۔

"امتحان سر پر ہیں شہلا کے..... اس لیے پڑھتی رہتی ہے مگر سو بار اُٹھنا پڑتا ہے اُسے۔ کل کلاں فیل ہو گئی تو ہم نے ہی کوسنا ہے اُسے..... خیر جو اللہ کی مرضی..... ہائے میری کمر....."

"حنا کہاں ہے.....؟"

تبریز نے پوچھا تو تائی ماں نے سنی ان سنی کر دی۔

"حنا.....؟؟"

تبریز نے اسے خود ہی آواز دی۔

وہ جو کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی تبریز کی آواز پر دوڑی چلی آئی۔

"تبریز آپ کب سے آئے ہوئے ہیں.....؟"

وہ چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

"چلو ان کے پاس بیٹھنے کے بہانے تھوڑی دیر آرام کر لوں گی۔"

مگر یہاں تو صورتحال ہی مختلف تھی۔

"حنا امی کی کمر میں درد ہے..... دیت گرم کر کے لاؤ اور انڈے ابال کو چائے کے ساتھ دو..... دھیان رکھا کرو ان کا۔"

تبریز اُس کی بات کو نظر انداز کرتا خشک لہجے میں بولا تھا۔

"خاک دھیان رکھے گی میرا..... اسے تو شادی کا سوگ منانے سے ہی فرصت نہیں۔"

تائی جان کی اس بات نے تابوت میں آخری کیل کا کام دیا تھا۔

حنا نے تبریز کے چہرے پر غصے کے تاثرات دیکھے تو خاموشی سے آنسو پیتی کچن میں آ گئی۔ یہ تو معمول تھا..... مگر حنا ابھی بھی خود کو اس بات کا عادی نہ بنا پائی تھی۔ اس نے اس حویلی میں آنے کے بعد خود کو سر سے پاؤں تک بدل ڈالا تھا۔ اس ساری گفت و شنید کے دوران شہلا جو امتحان کی تیاری کے بہانے کمرے میں بیٹھ کر ناول پڑھ رہی تھی کندھے اُچکا کر دوبارہ سے مصروف ہو گئی۔

رات کو فارغ ہوتے اور کچن سمیٹتے اسے روز کی طرح 10 بج گئے۔

وہ تھکن سے چور بدن لیے پلو سے گیلے ہاتھ صاف کرتی کمرے میں آئی تو تبریز ٹی وی لگائے بیٹھا تھا۔ وہ اُس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی:۔

"کیسا رہا آپ کا آج پورا دن.....؟"

"تم میرے دن کی چھوڑو اپنی کہو..... مل گئی فرصت تمہیں میرے لئے.....؟"

تبریز نے سرد لہجے میں کہا تو حنا نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"تبریز آپ تو جانتے ہیں میں....."

"ہاں جانتا ہوں یہ کام، یہ مصروفیت، یہ سب صرف مجھ سے دُور رہنے کے بہانے ہیں۔ تم جان بوجھ کر دیر سے کمرے میں آتی ہو تا کہ تمہارے آنے تک میں سو جاؤں۔"

تبریز اُس کی بات کاٹتا ہوا درشت لہجے میں اس پر نظریں جماتے بولا تو وہ بے بسی

سے صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تبریز ایسا کچھ نہیں ہے۔"

وہ کمزور آواز میں بولی۔

"ایسا ہی ہے۔"

تبریز نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"ایسا ہی ہے مسز حنا تبریز کہ تم نے آج تک اس رشتے کو دل سے قبول کیا ہی نہیں ہے۔"

وہ اسے شانوں سے تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سختی سے بولا تھا۔ حنا نے بے یقینی و بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے بھر آنے والی آنکھوں کو اس نے جھکا لیا۔

"آپ اس بات کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک دیں تبریز اور مان لیں کہ میں نے ہمارے رشتے کو سچے من سے اپنا لیا ہے اور میں اسے پورے خلوص سے نبھاؤں گی..... میرے لیے اب یہی میرا گھر ہے اور آپ ہی میرے سب....."

"اچھا۔ اچھا ٹھیک ہے..... یہ تمام باتیں صرف منہ سے کہنے کی نہیں بلکہ عمل سے ثابت کرنے کی ہوتی ہیں..... اور میں کیا اندھا ہوں.....؟"

وہ یکدم ہی غصے میں آ گیا تھا۔ حنا خاموشی سے نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسو وہ باوجود کوشش کے بھی روک نہ پا رہی تھی۔ یہ تین ماہ اس نے وہ تمام جتن کر کے دیکھ لیے تھے کہ جس سے وہ سب کو خوش رکھ پاتی۔ پورا دن کام کرتی مگر تائی ماں پھر بھی راضی نہ تھیں..... شہلا کا تو مزاج ہی عجیب تھا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر لی مگر سب بے سود تھا۔ تبریز، جس کے لئے وہ یہ سب کر رہی تھی وہی اس سے خوش نہ تھا۔

ٹی وی دیکھتے تبریز کی نظر پاس بیٹھی خاموش آنسو بہاتی حنا پر پڑی تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا..... گود میں دھرے ہاتھوں پر نگاہیں جمائے قطرہ قطرہ گرتے آنسوؤں سمیت یہ لڑکی جو اس کے مقابل بیٹھی تھی جسے اس نے بے پناہ چاہا تھا..... اتنا کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف اپنا بنا کر لایا تھا..... اب وہ اس کی وجہ سے رو رہی تھی۔ حنا سے جب آنسوؤں کی روانی نہ رُکی تو وہ اُٹھ کر باہر آنے لگی مگر تبریز نے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے روک دیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اُس نے ریموٹ پکڑ کر ٹی وی بند کیا پھر اس کی طرف منہ کر کے پوری طرح متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"حنا پلیز رونا بند کرو۔"

اس کے انتہائی نرم رویہ پر اس کا دل مزید بھر آیا۔

"اوہ یار..... میرے سامنے مت رویا کرو..... نا معلوم تمہارے ان آنسوؤں میں کیا ہے جو براہ

راست میرے دل پر اثر کرتا ہے۔"

تبریز نے دونوں ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"حنا تم مجھے بہت عزیز ہو..... میں تمہیں اپنے گھر میں اس لیے نہیں لایا کہ تم سے بات کرنے کو تمہیں دیکھنے کو ترستا رہوں..... پورا دن گھر سے باہر ہوتا ہوں..... تمہارے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے جتنے چاہے کام کیا کرو، مگر جب میں گھر آؤں تو تمہارا پورا وقت میرے نام ہونا چاہیے۔"

حنا نے خاموشی سے سنا تھا۔

"میں کیا کروں تبریز میں بہت کوشش کرتی ہوں تائی ماں کو تایا ابو کو اور آپ کو خوش رکھنے کی..... مگر..... مجھ سے نہیں ہو پا رہا..... میں تھکتی جا رہی ہوں۔"

حنا پھر سے رو دی تھی۔ تبریز اس کے یوں رونے پر تڑپ اٹھا تھا۔

"حنا..... میری جان..... میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہے مگر دھیرے دھیرے تم سب سیکھ جاؤ گی..... صرف ایک کام جو فوراً تمہیں سیکھنا ہوگا لازماً وہ یہ کہ تم رویا مت کرو..... تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے تم سے دوری کا تصور میرے لیے سوہانِ روح ہے۔"

تبریز نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا..... پھر اسے خود سے قریب کرتا ہوا اس کے یخ ہاتھوں کو تھام کر بولا۔

"میں دن بھر کی مصروفیات کے بعد جب شام کو گھر آتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ تم تک سک سے تیار میرا انتظار کر رہی ہو..... ایوان پر براجمان امی کی پائنتی پر بیٹھ کر تمہارے ہاتھ کی گرما گرم چائے پیوں تو دن بھر کی ساری تھکن ہوا ہو جائے مگر اس کے برعکس میرے گھر واپسی پر شکوے شکایتوں سے بھرپور استقبال سے میرا دماغ گھوم جاتا ہے..... اور تم بھی تو کہیں نظر نہیں آتی مجھے....."

تبریز کی آواز مدھم ہوتے ہوتے سرگوشی میں بدل گئی۔ اس کا سارا غصہ اور خفگی اب محبت کے خمار میں ڈھلنے لگی تھی۔ رات نے بانہیں پھیلا کر انہیں اپنی پناہ میں لے لیا اور ہر طرف جیسے مذہر سا سناٹا چھا گیا۔

****

حنا بڑے سے صحن میں پرتاروں پر کپڑے پھیلا رہی تھی جنہیں کل ہی اس نے زید سے سوایا تھا مگر ایک تار کچھ زیادہ ہی اونچی ہو گئی تھی اور اسے دقت ہو رہی تھی۔ کپڑے کافی اکٹھے ہو گئے تھے اس لیے اس نے اپنے جہیز کی مشین بھی نکال کر لگا لی تھی تاکہ وہ مشینوں سے جلدی

فارغ ہو جائیں۔ صبح ناشتہ کروا کر کچن سے فارغ ہوتے ہی اس نے جلدی جلدی پورے گھر کی صفائی کی اور ساتھ ساتھ کپڑے مشینوں میں ڈالتی رہی..... جنہیں اب وہ دھو کر پھیلا رہی تھی..... اسے ہر صورت دوپہر کے کھانے کی تیاری کے لئے وقت پر یہ کام نمٹانا تھا..... تائی ماں چھت پر چارپائی بچھائے سو رہی تھیں اور نند صاحبہ حسب معمول انگیزیز کا بہانہ بنا کر اندر کمرے میں ہیٹر جلائے رضائی میں گھسی ناول پڑھ رہی تھی، تایا ابو کھیتوں پر چلے گئے تھے جبکہ زید کو بھی آج ان کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ تبریز کو کسی کام سے اچانک لاہور جانا پڑا، وہ صبح صبح ناشتہ کیے بنا ہی نکل گیا تھا۔

"افوہ! یہ تار بھی زیادہ ہی اونچی ہے۔"

حنا نے تیسری مرتبہ اچھل کر شرٹ تار پر ڈالنی چاہی مگر ناکام رہی۔

"یا خدا..... کتنا وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

حنا نے ایک بار پھر کوشش کی مگر یہ کیا.....؟ تار تو خود بخود اس کی ہاتھوں کی پہنچ میں آ گئی تھی۔

"میں کوئی جنت میں تو نہیں کہ جس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاؤں وہ خود میری طرف بھاگی چلی آئے۔"

حنا نے حیرت سے شرٹ تار پر ڈالی اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"ہیلو۔"

وہ جو کوئی بھی تھا، شرارتی مسکراہٹ سے بولا تھا۔ حنا کا منہ حیرت سے مزید کھل گیا کیونکہ وہ اس اونچے لمبے پرسنیلٹی بندے کو جانتی نہ تھی جو اس کے سامنے سوٹ بوٹ پہنے تن کر کھڑا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ ایکچوئلی میں کب سے دیکھ رہا تھا کہ آپ اردگرد سے بے نیاز اس تار پر شرٹ ڈالنے کی کوشش میں ہیں تو میں نے سوچا آپ کی مدد کر دوں تاکہ آپ کی مشکل آسان ہو جائے..... کسی اور طرف دھیان کرنے کی فرصت ملے تو مہمان کی آمد سے باخبر ہوں۔"

اس خوبرو انسان نے تفصیلاً بات کی تھی اور تار جو ابھی تک اس نے پکڑی ہوئی تھی چھوڑ دی۔

حنا کو اس کی وضاحت میں رتی بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ناگواری سے بولی۔

"آپ کون ہیں..... اور یہاں کیا کر رہے ہیں.....؟"

"ارے۔ آپ کو بتایا تو ہے کہ مابدولت اس گھر کے مہمان ہیں اور آج ہی اسلام آباد سے آئے ہیں۔ ہوٹل میں سامان رکھ کر اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اب یہاں موجود ہیں آپ کے سامنے۔ پر آپ.....؟..... آپ کون ہیں؟ ویسے عموماً تو میں لوگوں کو پہچاننے میں دیر نہیں لگاتا

کیونکہ الحمدللہ میری میموری (Memory) بڑی فوٹوجینک (Photogenic) ہے۔ مگر آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے کیونکہ یہاں اس وقت آپ کی موجودگی میرے لیے نہایت ہی خوشگوار احساس ہے جو اس گھر میں داخل ہوتے وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔"

وہ اب باقاعدہ اس کا سر سے پیر تک تفصیلی جائزہ لے کر بولا تھا۔ حنا کو وقت ہونے لگی کیونکہ مقابل گہری نظروں سے نہ صرف اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ باتونی بھی واقع ہوا تھا یا ہوسکتا ہے وہ اتنی ہی تفصیلی بات چیت کا عادی ہو مگر حنا جیسی کم گو لڑکی کو بہرحال یہ گراں گزر رہا تھا۔

"کمال ہے..... آپ میرے گھر میں آ کر مجھ ہی سے سوال کر رہے ہیں..... ورنہ اصولاً تو آپ کو اپنا تعارف کروانا چاہیے..... بلکہ اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جو کوئی بھی ہیں اور جہاں سے بھی آئے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ آپ غلط گھر میں آ گئے ہیں اس لیے برائے مہربانی یہاں سے چلتے پھرتے نظر آئیں۔"

حنا نے اسی کی طرح تفصیلاً گفتگو کرنے کے بعد گہرا سانس خارج کیا۔ اتنی لمبی بات کرنے کی وہ عادی نہ تھی مگر سامنے والے سے اگر اسی کے لب و لہجے اور انداز میں بات کی جائے تو اس کا خیال تھا کہ وقت بھی بچتا ہے اور بات بھی کارگر رہتی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پٹپٹائے اُسے تکنے لگا تھا جبکہ حنا کا خیال تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا۔

"I don't believe it."

وہ حیرت سے چلایا۔

"ارے آنٹی..... آپ..... آپ اتنی جوان اور خوبصورت کیسے ہو گئیں؟ کیا کوئی الہ دین کا چراغ مل گیا تھا آپ کو.....؟"

وہ چہرے پر دنیا جہان کی حیرت سجائے شرارت سے چمکتی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا بکواس ہے؟"

حنا کو اس بے مطلب کی بحث پر اب غصہ آنے لگا تھا۔

"بکواس نہیں ہے..... میں نصرت آنٹی کے گھر آیا ہوں..... آپ نے ابھی ابھی کہا کہ یہ آپ کا گھر ہے۔ اس کا مطلب آپ نصرت آنٹی ہوئیں مگر آنٹی آپ اتنی حسین کیسے ہو گئی ہیں؟"

وہ گھر کا مہمان کہہ رہا تھا۔ بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولتا حنا کو زہر

لگا۔ اس کا دل چاہا اسے اس کے بے ڈھنگے مذاق سمیت اُٹھا کر باہر پھینک دے مگر وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے دانت پیس کر بولی۔

"میں نے کہا یہ میرا گھر ہے مگر یہ نہیں کہا کہ میں آپ کی آنٹی نصرت ہوں اور تائی ماں کے سبھی رشتہ داروں سے واقف ہوں اور پہچانتی بھی ہوں..... آپ یہ بتائیں آپ کون ہیں؟"

"تائی ماں۔"

اُس نووارد کو شاید پورے فقرے میں یہی معلومات درکار تھیں۔ وہ مسکرا دیا۔

"اوہ..... تو نصرت آنٹی آپ کی تائی ہیں اس لحاظ سے تو آپ انکل ہاشم کی بھتیجی ہوئیں..... بہت اچھا لگا آپ سے مل کر۔"

"اوہ..... یہ تو تایا جی کو بھی جانتا ہے۔"

حنا چٹپٹائی۔

"ویسے تبریز، زید اور شہلا کہاں ہیں اور آنٹی نصرت اور انکل ہاشم بھی نظر نہیں آ رہے۔ کمال ہیں سب لوگ۔ مہمان کو کام پر لگا کر خود کہاں فرار ہیں؟"

اس نے صحن کے ایک طرف سے باتھ روم کے ساتھ دو مشینوں کو اور سارے صحن میں تاروں پر پھیلے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اوہ گاڈ..... یہ تو سب کو جانتا ہے۔ ضرور تائی ماں کے میکے سے ہوگا اور میں نے اسے اتنی سنا دیں۔ اگر اس نے شکایت کر دی تو تائی ماں تو میرا بھرتا بنا کر کھا جائیں گی اور ڈکار بھی نہیں لیں گی۔"

تائی ماں کو اپنے میکے اور میکے والوں سے ایسی ہی محبت تھی۔ اس نے تھوک نگلا۔

"یا خدا..... تائی ماں کے قہر سے بچا لینا۔"

"مانا کہ آپ مہمان ہیں مگر گھر والوں کی طرح کام کر سکتی ہیں تو مہمان کو کہیں بٹھا کر چائے پانی کا بھی تو پوچھ سکتی ہیں۔"

وہ اب باقاعدہ اسے ڈھیٹ کہہ رہا تھا۔ وہ بوکھلا گئی۔

"اوہ..... معاف کیجیے گا..... آیئے۔ ویسے کیا آپ کو واقعی اپنی گھر میں آنا تھا؟"

حنا نے ایک مرتبہ پھر تسلی کرنا چاہی تو وہ اُچھل پڑا۔

"لاحول ولا قوۃ..... یعنی آپ کی نظر میں ابھی تک میں مشکوک ہوں۔ بھئی اس گھر کا پورا شجرہ نسب تو گنوا چکا ہوں۔ اب اور کیا ثبوت پیش کروں کہ میں اسی گھر کا مہمان ہوں..... ویسے ایک پل کے لئے تو مجھے بھی یہی لگا تھا کہ میں نے غلط گھر میں انٹری مار دی ہے کیونکہ اتنی صفائی، اتنا

سلیقہ اور اتنی خوبصورتی پہلے تو اس گھر کا حصہ نہیں تھی۔"

وہ اردگرد نظر دوڑا کر آخر میں اس پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے سخت خیزی سے بولا تو حنا جز بز ہو کر رہ گئی۔

"میں..... میں تائی ماں کو بلاتی ہوں۔"

اسے برآمدے میں چھوڑ کر وہ سیڑھیاں چڑھتی چھت کی طرف لپکی۔ جبکہ وہ وہاں پڑے تخت پر بیٹھ کر دوبارہ اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ہر چیز صاف ستھری کھلی سنائی پڑی تھی۔ اسے اپنی سال بھر پہلے کی آمد یاد آ گئی جب وہ یہاں آیا تو بمشکل ایک دن رُک پایا تھا اور صبح ہوتے ہی پہلی فرصت میں یہاں سے نکلنے کی کی تھی۔ بے ترتیبی اور گندگی اس کی صفائی پسند طبیعت کے خلاف تھی اور بد سلیقگی اور پھوہڑ پن سے تو اس کا اینٹ پتھر کا بیر تھا..... آج بھی جب کام کے سلسلے میں اسے کچھ دنوں کے لئے اس شہر میں آنا پڑا تو اس نے ہوٹل میں رہنے کا انتظام کیا تھا کیونکہ یہاں رُکنے کے خیال سے ہی اسے کوفت ہونے لگی تھی۔ وہ تو یہاں آنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر مام (Mom) نے سختی سے تاکید کی تھی جسے وہ ٹال نہیں سکا تھا۔ اس لیے صرف گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے ہی آیا تھا مگر یہاں آ کر اس کی حیران ہونے کی جس کس کس طرح حیران ہوئی تھی یہ وہی جانتا تھا۔

اس گھر میں تو ایک سال میں ہی اتنا خوشگوار انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں بیٹھا تھا جب آنٹی نصرت خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئیں۔ وہ اب ٹانگوں کا درد بھول چکی تھیں جسے بہانہ بنا کر آرام سے دھوپ کے مزے لے رہی تھیں۔

"سنبھل کر تائی ماں۔"

حنا کو فکر ہوئی کہ کہیں گر ہی نہ جائیں۔

"ارے کیسے سنبھلیں آنٹی..... میں جو آیا ہوں ان کا چہیتا بھتیجا۔"

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آنٹی کے پیچھے آتی فکرمندی لڑکی کو اپنی حیثیت کا احساس دلایا جس نے اتنی دیر اُسے صحن میں ہی روکے رکھا تھا۔ حنا خاموش ہی رہی۔

"ارے۔ ارمغان بچے تو آیا ہے، کیسا ہے میرا لاڈلا، میری تو آنکھیں ترس گئیں تیری موہنی صورت دیکھنے کو۔ سال بھر ہو گیا مگر تجھے اپنی بوا کا خیال نہیں آیا۔"

تائی ماں اُس کا ماتھا چومتے ہوئے فرطِ محبت سے بولی تھیں۔ حنا محبت و وارفتگی کے اس عظیم مظاہرے کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ بے خیال ہیں آنٹی..... تبھی تو ملنے چلا آیا ہوں۔"

وہ ان کے دھڑا دھڑ ماتھا چومنے پر بوکھلا کر بولا تھا اور پیچھے ہٹ کر اپنے بال درست کرنے لگا جو اس دوران تائی ماں اچھی طرح بکھیر چکی تھیں۔

"یہ کیا فرنگیوں جیسی زبان بولنے لگا ہے۔ مانا کہ باہر سے پڑھ کر آیا ہے مگر 3 سال ہو گئے پاکستان آئے..... پلا بڑھا بھی تو یہیں ہے۔ مگر چند سال گھر سے باہر رہ کر تجھے اُن موئے انگریزوں کا رنگ چڑھ گیا۔ خبردار! جو آنٹی کہا تو..... بوا کہا کرو مجھے، ماشاءاللہ کتنی مٹھاس ہے اس لفظ میں، دل کو سکون مل جاتا ہے۔"

تائی ماں نان سٹاپ بول رہی تھیں..... حقیقت میں وہ اب ارمغان کی بوا ہی لگ رہی تھیں..... حنا نے بُرے بُرے منہ بناتے ارمغان کو دیکھ کر بمشکل ہنسی روکی تھی۔

"اب معلوم ہوا محترم ارمغان صاحب کہ باتونی مخاطب کی بے سروپا باتوں کو تحمل سے سننا کتنا مشکل کام ہے۔"

"تم کیوں یہاں مجسمہ بنی کھڑی ہو..... جاؤ کچھ کھانے کے لئے لاؤ..... بچہ اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔"

تائی ماں نے ایسے کہا تھا جیسے وہ اسلام آباد سے یہاں تک پیدل آیا ہے۔

"نکمی کہیں کی..... مجھے ہی تمام کاموں کے لیے اُلجھنا پڑتا ہے..... خود تو تمہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ کیا کام کس وقت کرنا ہے۔ ہائے میں ٹھیک ہوتی تو تیری خاطر مدارت خود کرتی مگر مجھے تو ٹانگوں کے درد نے بے جان کر دیا ہے۔"

اُسے ڈانٹ کر اب وہ حیران کھڑے ارمغان سے بولی تھیں جبکہ وہ اُس مہمان لڑکی کی دوسرے مہمان کے سامنے اس عزت افزائی کو ہضم کرنے میں لگا تھا سو آنٹی کو ابھی کچھ پل پہلے سیڑھیاں پھلانگتے آنا یاد نہ کرا سکا۔ حنا جلدی سے کچن میں چلی آئی۔

"وقت وقت کی بات ہے۔ ایک دن تائی ماں کو مجھ پر بھی بڑا پیار آیا تھا جب وہ میرا رشتہ لے کر گئی تھیں..... اللہ تمہاری حفاظت فرمائے جو تائی ماں کو اتنا پیار آ رہا ہے تم پر مسٹر ارمغان۔"

حنا پُر سوچ انداز میں گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ پہلے سادہ پانی دے آتی ہوں..... پھر آ کر چائے بناؤں گی..... بے چارہ اتنا بولتا ہے پیاس تو لگ ہی جاتی ہوگی۔ حنا گلاس لیے برآمدے میں چلی آئی..... تائی ماں اُس کے قریب ہی تخت پر بیٹھی نجانے کیا کچھ پوچھ رہی تھیں، وہ بے دلی سے بس ہوں ہاں کر رہا تھا۔ حنا کو بے چارے پر ترس آنے لگا۔

"پانی"

اس نے ٹرے میں رکھا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ..... تھینک یو.....!''

اسے دیکھ کر وہ کھل اُٹھا۔

''ارے۔کہاں جا رہی ہیں آپ..... بیٹھیے ناں ہمارے ساتھ۔''

اُس نے اسے پلٹتے دیکھ کر بے اختیار روکا تھا۔

''بوا۔آپ نے ان کا تعارف نہیں کرایا..... یہ کون ہیں، کیا نام ہے ان کا.....؟''

اس نے اسے روکنا چاہا تھا، کم از کم آنٹی کی باتوں سے تو جان چھوٹے گی۔

''میں چائے بنا لاؤں''

اس سے پہلے کہ تائی ماں کو اپنے اظہار خیال کا موقع ملتا وہ وہاں سے ٹل گئی۔

''ارے ارمغان کن فضول باتوں میں اُلجھ رہے ہو..... میں شہلا کو بلاتی ہوں بڑی خوش ہوگی تجھے دیکھ کر۔''

تائی ماں اس کا دھیان بٹانے کو اُٹھتے ہوئے بولی تھیں جس کی نظریں ابھی تک کچن کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جہاں ابھی وہ گمنام روپوش ہوئی تھی۔

''کیوں..... میں کوئی جوکر ہوں۔''

ارمغان نے جل کر کہا تھا۔

''آئے ہائے..... ارمغان بچے تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ دہائی خدا کی اگر جوکر اتنے خوبرو ہونے لگیں تو لوگ خوش شکل لوگوں کی قدر ہی نہ کریں۔''

بوا نے گویا اس کے جوکر نہ ہونے کی دلیل دی۔ اور سامنے والے کمرے میں گھس گئی تھیں۔

تو وہ دوبارہ اس انجان لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔

''وہ کون ہے۔ بوا کو تائی ماں کہتی ہے اس لحاظ سے مہمان ہوئی مگر وہ کہتی ہے یہ اُس کا گھر ہے پر بوا کے اس کے ساتھ رویے سے تو یہ دونوں باتیں نہیں لگتیں۔''

''السلام علیکم ارمغان جی!''

ایک جناتی لہجے نے اس کی سوچ کے تسلسل کو توڑا تھا۔ سامنے ہی شہلا ایک شانے پر دوپٹہ جھلائے پنک لپ سٹک لگائے بڑے سٹائل سے کھڑی تھی۔

''اوہ گاڈ..... ایک اور مصیبت۔''

ارمغان پہلو بدل کر بڑبڑایا تھا۔

''کچھ کہا جی آپ نے.....؟''

شہلا نے مسکراتی پلکیں جھپکا کر ایک ادا سے دریافت کیا تھا۔

''نہیں..... بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آیئے بیٹھیے ناں۔''

ارمغان نے بمشکل چہرے پر کوفت و بیزاری کو ظاہر ہونے سے روکا تھا۔

''آپ کو احساس بھی ہے کہ میں آپ کو کتنا مس کرتی ہوں۔''

اس نے تخت پر اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے ناول میں کچھ دیر پہلے پڑھے ہوئے ڈائیلاگ کا استعمال بڑی بے دردی سے کیا تو ارمغان نے لاشعوری طور پر کچھ دور کھسکتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا.....؟''

وہ بے چارہ بس یہی ایک لفظ زبان پر لا سکا تھا۔ اور جواب میں وہ اس شدت سے شرمائی کہ وہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

''بہت بہت شکریہ۔ پر مس تو اُسے کیا جاتا ہے جس کے ساتھ ہم نے بہت سا اچھا وقت گزارا ہو اور وہ کہیں چلا جائے آپ کو چھوڑ کر تو آپ کو اس کی کمی محسوس ہو۔''

ارمغان نے اصلاح کی کوشش کی تھی۔

''اوہ..... آپ بھی کتنے فنی ہیں۔''

شہلا کے اس ڈائیلاگ پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

وہ یونہی وقتاً فوقتاً بے موقع ڈائیلاگ پر ڈائیلاگ بولتی جا رہی تھی۔ ارمغان کو کبھی ہنسی آتی، کبھی غصہ، کبھی حیرت مگر اس نے ہر طرح کے جذبے کا تاثر چہرے پر آنے سے روکا تھا تاکہ مقابل بُرا ہی نہ مان جائے مگر وہاں تو شاید ایسی کوئی حس سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

''اس سے تو اچھا تھا آنٹی ہی رہتیں۔''

ارمغان نے کوفت سے اس کے بالوں میں لگی رنگ برنگی پنوں کو دیکھا۔ وہ اتنا اُکتا گیا تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا اُٹھ کر باہر کی طرف دوڑ لگا دے اور ہوٹل پہنچ کر دم لے۔

''مام (Mom) کو بھی پتا نہیں اپنی نند میں نظر کیا آتا ہے۔ نند بھاوج کا رشتہ اپنی جگہ مگر اب ایسی بھی کیا محبت و بے تابی کہ اپنے بیٹے کو مجبور کر کے یہاں بھیج دیں خیر خیریت دریافت کرنے..... اب ضروری ہے کہ جتنی مرتبہ بھی کام کے لیے اس شہر آؤں یہاں آ کر ضرور بور ہوں اور اپنی صبر و برداشت کی حس کو آزماؤں۔''

ارمغان نے کوفت سے پہلو بدلا تھا۔

''شہلا..... جا چائے لے آ!!''

آنٹی نجانے کہاں سے وارد ہوئی تھیں۔ نان سٹاپ بولتی شہلا اور بے زار سے بیٹھے

ارمغان کو دیکھ کر معاملہ بھانپ گئیں..... تبھی شہلا کو بہانے سے اُٹھانا چاہ رہی تھیں۔

''نہیں امی..... مجھے کچن میں نہیں جانا۔ آپ کو نہیں پتا چولہے کے پاس جانے سے رنگت پھیکی اور کالی ہو جاتی ہے..... حنا ہی لے آئے گی۔''

شہلا کے پیلے چہرے پر فیس پاؤڈر (Face Powder) کی جمی تہہ کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سن کر ارمغان کے لیے ہنسی روکنا محال ہو گیا۔ آنٹی اپنی بیٹی کی ناعقلی پر کھول کر رہ گئیں۔ تبھی وہ نفیس سی لڑکی سہج سہج قدم اُٹھاتی ہاتھ میں چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرے لیے آتی نظر آئی تو اس نے شکر ادا کیا۔

''تھینکس گاڈ۔ اس گھر میں کوئی تو میرے ذوق کا بندہ موجود ہے..... بندہ نہیں بندی۔''

اس نے خود ہی اپنی سوچ کی تصحیح کی اور کھل کر مسکرا دیا۔

''کتنی الگ ہے یہ..... اس ماحول میں بالکل اَن فٹ (Unfit) ہے۔''

ارمغان نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ سلیقے سے اوڑھا گیا دوپٹہ، بالوں کی لمبی سی چوٹی جو دوپٹے کے نیچے تک جھول رہی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے سادے سے صاف ستھرے کپڑے جو شکنوں کے باوجود اُسے پُروقار بنا رہے تھے۔

جھکی پلکوں، خاموش ہونٹوں اور نکھرے نکھرے چہرے کے ساتھ چلی آ رہی تھیں۔

ارمغان نے اس کا اور شہلا کا نظر ہی نظروں میں موازنہ کیا تھا۔ وہ اب تک لاعلم تھا کہ وہ کون ہے مگر شہلا نے اسے حنا کے نام سے بلایا تھا۔ اُس نے ٹرے میز پر رکھی اور چائے کا کپ پرچ میں رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''لیجیے!''

''شکریہ!''

ارمغان نے اس کے ہاتھ سے چائے لے لی۔

''تائی ماں آپ پئیں گی.....؟''

وہ اب آنٹی کی طرف متوجہ تھی۔ ارمغان نے دل ہی دل میں اس کے نرم لہجے اور دلکش آواز کو سراہا تھا۔

''ہاں دے دو!''

آنٹی کی کرخت آواز پر اُس نے سر جھٹک کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''واہ! آپ نے بہت اچھی چائے بنائی ہے۔ آپ کو میں 10 میں سے 20 مارکس دیتا ہوں۔''

''شکریہ!''

اُس نے مدھم مسکراہٹ سے صرف اتنا ہی کہا تھا۔ وہ اب شہلا کو چائے پکڑا رہی تھی۔

دونوں مشینوں کے دھل ہونے لگے تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ چائے نہیں پئیں گی.....؟''

اس نے اسے پھر روکنا چاہا تھا۔

''نہیں۔ آپ پیجیے!''

وہ نرمی سے کہتی صحن کی طرف بڑھ گئی جبکہ ارمغان خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اسے مشین سے کپڑے نکالتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ آیا تو گھنٹے ڈیڑھ کے لئے تھا مگر اب رُکنا چاہ رہا تھا۔

''تبریز، زید اور انکل کہاں ہیں؟''

اس نے ایسے ہی آنٹی سے دریافت کیا تھا حالانکہ وہ پوری طرح حنا کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے پہلے کسی کو یوں دو دو واشنگ مشینز لگائے کپڑے دھوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے آنٹی کا جواب بے دھیانی سے سن رہا تھا جو اسے اُن تینوں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

''بیٹا تم آرام کرو اب۔''

تائی ماں نے چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ارمغان سے کہا تھا۔ وہ وہیں تخت پر لیٹ گیا۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں برآمدے میں دھوپ بھی بھلی لگ رہی ہے۔''

اس کے کہنے پر آنٹی جو اسے کمرے میں آنے کا کہنے لگی تھیں وہاں بیٹھی شہلا سے بولیں۔

''جاؤ..... ارمغان کو کمبل یہیں لا دو۔''

''نہیں۔ میں نے کچھ دیر پہلے نیل پالش لگائی تھی ابھی ٹھیک سے سوکھی نہیں ہے۔ کمبل اُٹھاؤں گی تو خراب ہو جائے گی۔''

اس نے اپنے لمبے ناخنوں والے ہاتھوں کو ہوا میں لہرایا تھا۔ جبکہ ارمغان نے بمشکل خود کو ہونٹ چبانے سے روکا کہ یہ کیسی نیل پالش ہے جو پچھلے گھنٹے سے ابھی تک نہیں سوکھی..... کیونکہ گھنٹہ تو اسے ہو ہی گیا تھا یہاں بیٹھے ہوئے۔ آنٹی غصے سے شہلا کو گھور کر رہ گئیں مگر اُسے پروا کہاں تھی۔ حنا کپڑوں سے بھری ٹوکری چھت پر لے جانے لگی تو تائی ماں نے اسے روکا۔

''ارمغان کو کمبل لا دو پہلے..... کپڑے بعد میں پھیلا لینا۔''

اور وہ خاموشی سے ٹوکری سیڑھیوں پر رکھ کر پلو سے گیلے ہاتھ صاف کرتی کمرے میں چلی گئی۔

''میں بھی ذرا کمر سیدھی کر لوں۔ اس جوڑوں کے درد نے تو بیٹھنا تک مشکل کر رکھا ہے۔''

آنٹی کمر پر ہاتھ رکھے اندر چلی گئیں۔ شہلا بھی اُن کے پیچھے ہی اُٹھ کر چلی گئی۔ حنا نے کمبل لا کر تخت پر رکھ دیا۔

''آپ کمرے میں آرام کر لیتے…… یہاں تو ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔''

''دھوپ بھی تو ہے اور ہوا کا انتظام اس کمبل نے کر دیا ہے۔''

ارمغان نے کمبل اوڑھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ وہ ٹوکری اُٹھائے چھت پر کپڑے پھیلانے چلی گئی۔ صحن کی تمام تاریں بھر چکی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دوبارہ کپڑے نکال رہی تھی۔ ارمغان کو نیند تو نہ آئی مگر وہ حنا کو اِدھر اُدھر کام کرتے دیکھتا رہا۔ وہ اسے سوتا سمجھ کر اپنے کاموں میں مگن تھی۔ تمام کپڑے دُھل گئے تو اس نے دونوں مشینوں کو صاف کیا۔

''ابھی تو ساڑھے دس ہوئے ہیں…… 12 بجے بھی شروع کروں گی تو ایک ڈیڑھ بجے تک دوپہر کا کھانا بن جائے گا۔''

حنا نے گھڑی دیکھی اور پھر کمرے سے اپنا جوڑا نکال لائی۔

نہا کر نکلی تو پورے صحن میں دھوپ ہی دھوپ تھی…… جس کی وجہ سے سردی کا احساس قدرے کم ہو گیا تھا…… وہ وہیں چارپائی ڈال کر کچھ دیر کے لئے بیٹھ گئی۔ صبح سے ہی ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھی جواب سُرخ ہو رہے تھے۔ اس نے انہیں آپس میں رگڑ کر گرم کیا۔

''سردیوں کی دھوپ بھی کتنی مہربان ہوتی ہے۔''

اس نے آنکھیں موند کر پوری طرح اس کی تمازت کو محسوس کیا تھا۔ بال خشک ہوئے تو انہیں پونی میں سمیٹ کر وہ کچن سے پیاز اور سبزی دیگر لوازمات کے ساتھ وہیں لے آئی۔ وہ اپنے دھیان میں سبزی بنانے میں مگن تھی اور ارمغان اسے دیکھنے میں۔ اس کے نازک نازک ہاتھ بڑی پھرتی سے لہسن چھیل رہے تھے۔

''بیوٹیشنز کا کہنا ہے کہ لہسن کا پانی نکال کر ناخنوں پر لگایا جائے تو یہ مضبوط اور چمکدار ہوتے ہیں۔ اور جو ہاتھ صبح شام ان کو چھیلتے ہوں اُن کو تو یہ فائدہ پہنچتا ہی ہے۔ کام کا کام اور بیوٹی ٹپس پر عمل الگ۔ صبح صبح اتنے ڈھیر سارے کپڑے دھونے والے انسان کو ورزش کی کیا ضرورت اور تازہ پانی سے غسل جسم میں تازگی بھر دیتا ہو گا پھر ہیٹر تاپنے کی بجائے قدرتی دھوپ کی تمازت میں بیٹھنا بھی آرٹیفیشل سکن برن کے اصولوں کی چھٹی کرا دیتا ہے جو ہماری نام نہاد ماڈرن زندگی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں…… وہاں امریکہ میں تو لوگ خاص طور پر دھوپ میں بیٹھتے ہیں مگر یہاں زیادہ لوگ دھوپ میں نکلنے سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں ان کی رنگت سیاہ نہ ہو جائے۔ ہم لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قدرت نے اس نظام کائنات میں موجود ہر چیز

ہمارے فائدے کے لئے ہی بنائی ہے۔ جس طرح ہوا، پانی، مٹی، آگ ہماری زندگی کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اسی طرح سورج کی دھوپ بھی اپنا بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اللہ نے ہماری باڈی (انسانی جسم) میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ سورج کی روشنی میں یہ وٹامن ڈی خود بخود بنا لیتا ہے جو ہمارے جسم کے لئے نہایت اہم ہے۔ قدرت کے بنائے اصولوں پر چلنے سے ہمیں طبی اور روحانی ہر طرح کے فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہم لاکھ خود کو ماڈرن ازم کے نام پر آرٹیفیشل چیزوں کا عادی بنائیں مگر کبھی بھی سو فیصد فائدہ حاصل نہیں کر پائیں گے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ فائدہ کم اور سائیڈ ایفیکٹس (Side effects) کے نام پر ہمیں بہت زیادہ اور بڑی بڑی مہلک بیماریاں تحفہ کے طور پر مل جاتی ہیں ایک سرپرائز پیکج کی شکل میں۔''

ارمغان نجانے کن کن طبی اور روحانی رسالوں میں بارہا پڑھے جانے والے صحت کے اصولوں کو ذہن ہی ذہن میں دہرا رہا تھا۔

''ارے کام چور۔ تو ابھی تک یہیں بیٹھی دھوپ سینک رہی ہے کھانا پکانے کا کوئی ہوش نہیں کیا۔ دہائی خدا کی 12 بجنے کو ہیں اور محترمہ ابھی تک سبزی بنانے کے بہانے آرام فرما رہی ہیں…… اپنی تو خیر تھی پر اب گھر میں مہمان آیا ہوا ہے کم از کم اسے تو وقت پر کھانا ملنا چاہئے۔''

تائی ماں کے اچانک چلانے پر سوچوں میں گم ارمغان اور سبزی بناتی حنا دونوں چونکے تھے۔

''جی تائی ماں سبزی تو بس بن ہی چکی ہے۔''

حنا کی مدھم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''اچھا! بس بس! یہ ساتھ والی پروین کے چھٹکو کو بھیجا ہے میں نے تازہ گوشت لانے…… چھت سے ہی پیسے پھینک دیئے تھے میں نے اُن کے ہاں، وہ لا دے تو جلدی سے ہانڈی چڑھا دو۔''

تائی ماں آرڈر دے کر دوبارہ کمرے میں غائب ہو گئی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو حنا نے دروازہ کھولا۔

''باجی یہ گوشت منگوایا تھا خالہ نے۔''

آٹھ دس سالہ بچہ وہاں موجود تھا۔

''اپنی امی کو سلام کہنا میرا۔''

حنا نے اُس سے گوشت لیتے ہوئے کہا تھا وہ سر ہلاتا چلا گیا۔ اس نے سب کچھ سمیٹ کر کچن کا رُخ کیا تو صحن میں اب کوئی قابل توجہ چیز نہ رہی تھی ارمغان کے لیے اس لیے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ دھوپ اب برآمدے تک پہنچ چکی تھی اس نے کمرے میں جھانکا جہاں آنٹی گئی تھیں۔ آنٹی رضائی اوڑھے لیٹی تھیں۔ پاس ہیٹر جل رہا تھا۔ اُن کے اُٹھنے کے ابھی کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

ارمغان کے سونے کی وجہ سے وہ بھی بے فکر ہو کر پڑی تھیں..... ساتھ والے سنگل بیڈ پر شہلا سو رہی تھی۔ جس خاموشی سے وہ اندر گیا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا آیا۔ کچن سے مسالحہ بھونے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلنے لگی تھی۔ وہ کچن کی طرف چلا آیا۔ دروازے پر ہی رُک کر وہ دلچسپی سے حنا کو دو چولہے جلائے کام کرتے دیکھنے لگا۔ قریب بیٹھ کر وہ سلاد بنا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وقتاً فوقتاً باری باری دونوں چولہوں پر چڑھی ہانڈیوں میں چمچ بھی چلا رہی تھی۔ وہ سلاد بنا کر اُٹھی تو اس کی نظر دروازے میں ایستادہ ارمغان پر پڑی..... اسے متوجہ پا کر وہ اندر چلا آیا۔

''آپ..... آپ یہاں کیوں چلے آئے۔؟''

وہ باوجود کوشش کے اپنی گھبراہٹ نہ چھپا پائی تھی۔

''ایسے ہی!''

ارمغان نے اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے لاپروائی سے کہا اور اس کے ہاتھ میں سلاد والی ٹرے میں سے گاجر کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ حنا نے فوراً ٹرے قریبی شیلف پر اس کے پاس رکھ دی اور خود ہنڈیا میں چمچ چلانے لگی۔ ارمغان چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر کھیرے کا ٹکڑا اُٹھاتے ہوئے بولا۔

''ایک بات تو بتائیں حنا، دو دو چیزوں سے کام کرنا آپ کی Hobby ہے کیا، میرا مطلب ہے صبح آپ دو دو واشنگ مشینز لگا کر کپڑے دھو رہی تھیں اب دو چولہوں پر کھانا پکا رہی ہیں۔''

وہ اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا انداز اتنا بے تکلف اور دوستانہ تھا کہ حنا مسکرا دی۔

''نہیں Hobby تو نہیں ہے۔ ویسے اس طرح کم وقت میں زیادہ کام ہو جاتا ہے۔''

''میں آپ سے متفق ہوں بھی اور نہیں بھی۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جب زیادہ لوگوں کا کام ایک شخص کو کرنا پڑے تو پھر زیادہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔''

اُس نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کتھارسس کیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''خیر آپ یہ بتائیں کہ کیا پکا رہی ہیں۔ خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔ ایمان سے میری تو بھوک چمک اُٹھی.....''

اُسے دوبارہ پریشان دیکھ کر ارمغان نے بات بدل دی۔

''ارے ارمغان بچے کہاں ہو تم.....؟''

تائی ماں کی آواز سے حنا مزید گھبرا گئی۔

''آپ جائیں..... یہاں نہیں آنا چاہیے تھا آپ کو۔''

حنا نے پریشانی سے کہا تھا۔

''ہاں پر آپ اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں؟''

ارمغان حیران تھا کہ آخر اس کے کچن میں آنے میں اتنی گھبراہٹ اور پریشانی والی کونسی بات ہے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو ارمغان؟''

تائی ماں کچن کے دروازے پر کھڑی خشمگیں نظروں سے حنا کو گھور رہی تھیں جبکہ سوال انہوں نے ارمغان سے کیا تھا۔

''کچھ نہیں ہُوا..... میں تو پانی پینے آیا تھا۔''

ارمغان نے بات بنائی۔ اس کا خیال تھا اس جواب سے آنٹی مطمئن ہو کر چلی جائیں گی مگر اس کے بالکل برعکس آنٹی کا ردِعمل تھا جس سے وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

''اُف کیا کروں میں اس لڑکی کا اتنی پھوہڑ ہے احساس تک نہیں کہ مہمان کی خاطر داری کیسے کرتے ہیں..... بھلا پانی تو رکھتی بچے کے پاس..... سوتے ہوئے پیاس تو لگ ہی جاتی ہے۔''

آنٹی کی بمباری حنا کی طرف تھی۔ ارمغان کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''اوہ ہو..... لسن ٹو می (Listen to me)..... مجھے اتنی بھی پیاس نہیں لگی تھی۔ میں تو بس ایسے ہی چلا آیا..... یہ اکیلی تھیں تو میں نے سوچا گپ شپ ہو جائے گی اور ان کو کمپنی بھی مل جائے گی..... آپ سو رہی تھیں اس لیے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

ارمغان نے انہیں شانوں سے تھام کر پیار جتایا تو وہ حنا کو گھورنے کا کام چھوڑ کر اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

''میرا لاڈلا، کتنی فکر ہے تمہیں اپنی ہوا کے آرام کی..... تم آؤ میرے ساتھ، بھلا مردوں کا کچن میں کیا کام!''

تائی ماں اسے لیے باہر چلی گئیں تو حنا نے کب سے روکا ہوا سانس بحال کیا اور آٹا نکالنے لگی۔

****

اَن کو مری آئے آج پانچواں روز تھا مگر وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی..... وہ مسلسل سر ہارون کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی تھی..... اب بھی وہ اکیلی ناشتے کی میز پر بیٹھی انگلیاں مسل رہی تھی۔ مشی اور آریان ناشتہ کر کے نیچے جا چکے تھے اور وہ ان کے پُرزور اصرار پر بھی نیچے نہ گئی اور وجہ تھی ''سر ہارون کی سیڑھیوں کے پاس موجودگی۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے مخاطب کریں کیونکہ ان کا پہلا سوال یقیناً یہ ہوگا کہ ''اس نے کیا فیصلہ کیا۔''

سر رضا اُن کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو ان دونوں کو گفتگو میں مشغول دیکھ کر انوشے نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"انوشے۔"

وہ ابھی آدھی سیڑھیاں اُتری تھی جب سر ہارون کی آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

"جی سر!"

وہ منمنائی تھی کیونکہ سر اس سے تیسری سیڑھی پر کھڑے تھے۔

"آپ کہیں جایئے گا مت...... میں دس منٹ تک نیچے آتا ہوں۔"

وہ اندر ہی اندر اس کی بے بسی سے محظوظ ہوتے ہوئے بظاہر سنجیدہ لہجے میں بولے تھے۔ وہ مرے مرے قدم اُٹھاتی نیچے آ گئی۔

سر یقیناً میری رائے جاننا چاہتے ہیں۔ مگر میں تو ابھی تک خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی تو پھر سر سے کیا کہوں گی۔

وہ وہاں ٹہلتے ہوئے مسلسل سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آپ کی تنہائی میں مخل ہونے کی جسارت کریں؟"

مشی اور آریان اس کے قریب آئے تھے۔ مشی نے آتے ہی اسے مخاطب کیا تو وہ چڑ گئی۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے جبکہ میری یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"کیا ہوا؟"

اب کی بار آریان نے دریافت کیا تھا۔

"سر مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

انوشے نے قدرے ہراساں لہجے میں بتایا تھا۔

"تو؟"

وہ دونوں حیران ہوئے تھے۔

"تم کب سے لڑکوں سے پریشان ہونے لگی؟"

مشی نے دونوں ہاتھوں میں تھامی آئس کریم کی کونز میں سے ایک انوشے کی طرف بڑھائی جسے بے دھیانی میں ہی انوشے نے تھاما تھا۔

"پریشانی ہی اس بات کی ہے کہ سر "لڑکا" نہیں ہیں۔"

"کیا واقعی؟؟؟"

مشی نے ہونقوں کی طرح منہ کھول کر دریافت کیا تھا۔ آئس کریم اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔ انوشے کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے جبکہ آریان کا قہقہہ جاندار تھا۔

"میرا مطلب تھا کہ وہ ہمارے استاد ہیں کافی ڈیسنٹ اور محترم ہیں۔ اگر مجھے ذرا سا بھی شائبہ ہوتا کہ وہ یہ سب وقت گزاری کے لئے کر رہے ہیں تو میں ایک سیکنڈ بھی نہ لگاتی اور ان کی ایسی دُرگت بناتی کہ......"

"اچھا بس! بس!......"

مشی نے ہاتھ اُٹھا کر اسے درمیان میں ہی ٹوکا۔

"میں سمجھ گئی کہ تمہیں سر ہارون اچھے لگنے لگے ہیں۔"

مشی نے اس کا گال تھپتھپا کر کہا تو آریان نے یکدم چونک کر انوشے کو دیکھا۔ اسے لگا جیسے اُس کا دل اُس ایک پل میں دھڑکا نہیں، تڑپا تھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے مشی۔"

انوشے نے پُرزور احتجاج کیا تھا۔

"تو پھر کیسا ہے؟ کچھ تو سوچا ہی ہوگا ناں تم نے...... آخر کوئی فیصلہ تو کرنا ہی ہے...... جتنی جلدی کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ گی اتنا ہی بہتر ہے۔"

مشی نے اب کی بار سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ہاں مشی تم درست کہتی ہو...... مگر میں شش و پنج میں مبتلا ہوں...... نہ تو سر کو دیکھ کر میری دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں نہ بات کرتے کوئی جھجک محسوس ہوتی ہے...... نہ انہیں پانے کی خواہش ہے اور نہ ہی کھونے کا خوف راتوں کی نیندیں اُڑاتا ہے...... تو پھر یہ محبت تو نہ ہوئی...... میں نے تو ایسا ہی سنا ہے کہ یہ ساری علامتیں محبت جیسے مرض کی ہیں۔ ان کی مجھ میں عدم موجودگی اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ میں ابھی اس بیماری سے محفوظ ہوں...... ایسے میں کسی کو منتخب کرنے کا فیصلہ میرے لیے نہایت ہی مشکل اَمر ہے...... میں کنفیوزڈ ہوں...... اور فی الحال تو مجھے اس بات کی پریشانی لاحق ہے کہ سر نے میری رائے مانگی تو میں کیا کہوں گی...... جبکہ میں خود ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی۔"

انوشے فکرمند تھی اور مشی اس سے زیادہ فکرمند نظر آنے لگی تھی جبکہ آریان اس سب سے قطعی بے نیاز بنا آس پاس سے گزرتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آریان تم بھی تو کچھ کہو...... سنو! مجھے سر ہارون سے اکیلے میں نہیں ملنا بس۔"

انوشے نے حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ وہ زخمی سا مسکرا دیا۔

''بچوں جیسی باتیں مت کروانوشے..... اگر سر تم سے ملنا چاہتے ہیں تو ضرور انہیں تم سے کچھ کہنا ہوگا..... اتنے دنوں سے تم کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تو وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ تم کنفیوز ہو..... اس لیے مل کر تمہیں اس گرداب سے نکالنا چاہتے ہوں گے..... بات کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارا دل ابھی کورا کاغذ ہے اگر وہ اپنی چاہت کے دو لفظ اس کاغذ پر اُتارنے کے متمنی ہیں تو کیا بُرا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے اس قابل ہیں۔''

آریان نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

''مگر آریان.....''

''اگر مگر چھوڑو اور سر سے ملو..... جو تمہارے ذہن میں آئے ان سے کہہ دو..... اگر وہ تمہارے لیے مخلص ہیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا..... اللہ تعالیٰ جوڑیاں آسمانوں سے بنا کر بھیجتا ہے..... جو تمہارے نام کا لیبل ماتھے پر چسپاں کیے اس دنیا میں آیا ہے وہی تمہارا ہمسفر بنے گا کوئی دوسرا کبھی بھی نہیں۔ اس لئے اللہ کی حکمتوں پر بھروسہ رکھو اور جو تم محسوس کرتی ہو بلا جھجک سر سے کہہ دو۔ باقی سب اللہ کے سپرد..... سمجھی؟؟؟''

آریان نے اس کے سر پر چپت رسید کی تھی، وہ مسکرا دی۔

''سمجھ گئی!''

پاس کھڑی مشی نے بظاہر مسکراتے آریان کو دیکھا پھر نظریں چرا گئی۔ اسے اس دکھاوے کی مسکراہٹ کے پیچھے بین کرتے دُکھی دل کی صدائیں بے چین کر گئی تھیں۔

''اللہ تمہیں اس قربانی کا اجر دے آریان۔''

مشی نے خاموش دُعا کی تھی۔

سیڑھیوں سے اُترتے سر ہارون کی نظر دوسری طرف سامنے کھڑی انوشے پر پڑی..... وہ کئی پل وہاں کھڑے اُسے دیکھتے رہے..... مشی اور آریان کے ساتھ باتیں کرتی وہ اِردگرد سے بالکل بے نیاز تھی..... ہاتھ سے بال کانوں کے پیچھے اڑستی وہ اپنی چمکدار آنکھوں پر گھنیری پلکوں کی چلمن اٹھاتی جھکاتی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ یہ نرم و نازک لڑکی اِن بدن انہیں اپنے حواسوں پر چھاتی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ کبھی بھی صنف نازک سے اس حد تک متاثر نہیں ہوا تھا مگر انوشے کے معاملے میں اس نے اول روز سے خود کو بے بس پایا تھا۔ اس کی خوبصورتی سے زیادہ وہ اس کی ذہانت اور خود اعتمادی کا دلدادہ تھا اور اس کی سوچ نے اس کی شخصیت کو مزید چار چاند لگا دیے تھے، وہ واقعی انمول تھی..... اس کے بارے میں وہ جتنا جانتا جا رہا تھا اتنا ہی اس کا دماغ زور دیتا جا رہا تھا کہ یہ

لڑکی ہمسفر بنے گی تو زندگی کا سفر سہل ہو جائے گا..... ہارون درانی نے سر جھٹک کر اپنی سوچوں سے پیچھا چھڑایا اور انوشے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''چلیں؟''

وہ اس کے قریب آ کر بولا تھا۔

''جی!''

انوشے نے بس اتنا ہی کہا اور شرارت سے مسکراتی ہوئی مشی کو گھورا۔ آریان کے چہرے پر بھی مسکان تھی۔ وہ لوگ چلتے چلتے قدرے سنسان سڑک پر نکل آئے تھے۔ یہاں اکا دکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے جو گلے میں کیمرے لٹکائے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھے۔ سر نے ایک اونچائی کی طرف جاتی راہ پر قدم بڑھائے تو انوشے نے خاموشی سے ان کی تقلید میں قدم بڑھا دیے۔ برف سے اٹا یہ بڑا سا پتھر سڑک کے کچھ اوپر کی طرف ایک چھوٹی سی گھاٹی کی طرح تھا جس کے کناروں پر ریلنگ نصب کر کے اسے ایک محفوظ جگہ بنا دیا گیا تھا۔ نیچے ہزاروں میل گہری کھائی میں اُگے قد آور درختوں کا منظر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے براہِ راست ان سے ٹکرانے لگے تھے..... دور حدِ نظر تک پھیلا آسمان انہیں اس وقت یہاں سے اپنے مخالف نظر آ رہا تھا جیسے سامنے والی گھاٹی پر اتر آیا ہو۔ ایسی مسحور کر دینے والی کشش تھی اس منظر میں کہ کافی دیر وہ دونوں بس قدرت کے شاہکاروں میں ہی کھوئے رہے..... اور انوشے کو تو ویسے ہی نیچر سے بے انتہا لگاؤ تھا۔ وہ اکثر اوقات قدرتی مناظر پر بنائی گئی پینٹنگز کی نمائشوں میں جایا کرتی تھی اور مصوروں کے کینوس پر اُتارے گئے رنگوں میں اسے بے پناہ کشش محسوس ہوتی، آج تو اس کا سامنا اس ذاتِ باری تعالیٰ کے جیتے جاگتے کینوس پر بکھرے سانس لیتے رنگوں سے ہوا تھا، اس کی دیوانگی عروج پر تھی۔ وہ نجانے کب تک اس منظر کے حصار میں رہتی کہ سر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''مجھے علم تھا یہ منظر آپ کو بھی تسخیر کر لے گا۔''

وہ مسکرائے تھے۔

''میں بھی جب پہلی بار اس جگہ آیا تھا تو بے اختیار اللہ کی حمد و ثنا میری زبان پر بکھر گئی تھی..... اور آنکھیں تشکر کے احساس سے بھیگ گئی تھیں کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے کیسی کیسی عنایات تشکیل دے رکھی ہیں..... کہ صرف ایک جھلک ہی اندر تک تازگی بھر دیتی ہے۔''

سر ہارون ایک جذب میں بول رہے تھے۔ ان کا ایک ایک لفظ انوشے کو سچ میں بھیگا محسوس ہوا تھا کیونکہ اس کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں سر...... مجھے نہیں خبر تھی کہ ہم اتنی دور نکل آئیں گے...... بہت کم ٹورسٹ اس طرف کا رُخ کرتے ہیں۔ ہم یہاں پہنچ گئے خبر ہی نہ ہوئی۔''

انوشے نے حیرت سے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔ ایک گھنٹہ تک وہ چلتے رہے تھے وہ واقعی حیران تھی۔

''اس کا مطلب ہے میں اچھا ہم سفر ثابت ہوا ہوں۔''

سر ہارون اب باقاعدہ ریلنگ سے کمر ٹکا کر اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے تھے اور اب شرارت سے اس کی جوابی کارروائی کے منتظر تھے۔ ان کی اس طرح باتوں سے بات نکالنے پر وہ گڑبڑا گئی...... سر اس کی گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے......

''اچھا تو آپ گھبراتی بھی ہیں عام لڑکیوں کی طرح؟؟؟؟''

''میں عام سی لڑکی ہوں سر......!''

وہ خود پر قابو پا چکی تھی اس لیے قدرے اعتماد سے بولی۔ سر مسکرا دیے۔

''آپ کی یہی باتیں تو آپ کو خاص بناتی ہیں۔ خیر میں یہاں آپ کو اس لیے لایا ہوں کہ آپ مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کریں...... میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کی میرے پرپوزل کے بارے میں کیا رائے ہے؟'' ''میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں انوشے۔''

اسے خاموش دیکھ کر سر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''پر سر......!''

وہ یکدم ان کی طرف پلٹی مگر جیسے ہی ان کے چہرے پر نظر پڑی اس نے نگاہیں جھکا کر ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''ہاں ہاں بولیے انوشے...... آپ رُک کیوں گئیں...... جو بھی آپ کے دل و دماغ میں ہے کہہ دیجئے...... یوں چپ رہنے سے فیصلے نہیں ہوا کرتے۔''

''سر میرے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں مجھ سے بہتر میرے والدین جانتے ہیں بھلے ہی وہ میری رائے کے منتظر ہیں یا فیصلے کا اختیار مجھے سونپا ہے۔ پھر بھی میری خواہش ہے کہ فیصلہ وہی کریں۔''

انوشے نے بہت ہی دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ سر ہارون نے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

''شکر ہے آپ کچھ بولیں تو سہی!''

انوشے نے ان کے مسکراتے لبوں سے نظریں چرالیں تو اُن کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آئے اور دونوں ہاتھوں کو جیکٹ کی جیب میں ڈال کر اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''جانتی ہو مجھے ہمیشہ سے ہی ذہین اور پُراعتماد لڑکیاں اٹریکٹ کرتی تھیں مگر میں کبھی بھی اتنا متاثر نہیں ہوا کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لوں...... آپ میں کچھ تو ایسی خاص بات ہے کہ میرے ذہن نے آپ کا چناؤ کیا۔ مجھے آپ سے کوئی جنونی قسم کا عشق نہیں ہوا۔ ہاں مگر مجھے جیسے ہم سفر کی تلاش تھی وہ تمام خوبیاں آپ میں موجود ہیں۔ شریک حیات کا مطلب سمجھتی ہیں آپ......؟ ایک ایسا انسان جو آپ کی زندگی کو آپ کے ساتھ بانٹتا ہے۔ آپ کی رواں دواں سانسوں کا ہر ایک لمحہ جسے آپ زندگی کا ضامن سمجھتے ہیں وہی لمحہ اُس شخص کی سانسوں کا بھی امین ہوتا ہے۔ ہر خوشی، ہر غم، ہر تکلیف، زندگی کی راہگزر کی ہر کٹھنائی، ہر انعام اگر ایک کو ملے تو دوسرا نفس خود بخود اس کا ساجھی بن جاتا ہے...... ایک کا دُکھ دوسرے کی آنکھ سے آنسو بن کر نکلتا ہے...... ایک کی خوشی دوسرے کے لبوں پر مسکراہٹ بن کر کھل اُٹھتی ہے۔ اور میرا یہ ماننا ہے کہ ایسا تبھی ہوتا ہے جب ہمسفر پسندیدہ ہوں۔ ہر انسان کی پسند کا ایک معیار ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بہت ماڈرن لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔ کچھ ڈھکے چھپے معصوم چہروں کو مگر میں اپنی بات کروں تو میرا آئیڈیل ہمیشہ سے ایک سلجھی ہوئی باشعور اور پُراعتماد لڑکی رہی ہے۔ آپ ہر لحاظ سے میری آئیڈیل ہی ہیں مگر میں خواہشمند ہوں یہ جاننے کا کہ کیا میں آپ کے آئیڈیل کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہوں؟''

وہ اب براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے اور انوشے جو ایک ٹک انہیں دیکھتے ہوئے بڑے غور سے ان کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی، دھیرے سے مسکرا دی۔

''اصل میں سر میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا اس لیے آئیڈیل بھی کوئی نہیں۔ میرا یہ ماننا ہے کہ جوڑیاں آسمانوں سے بن کر آتی ہیں۔ میرا نصیب جس کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے وہ میرا ہی رہے گا۔ مجھے اپنے اللہ کے فیصلے پر بھروسہ ہے۔ رہی بات آپ کے پرپوزل کی تو اس ایک ہفتے کے دوران میں نے اس نہج پر سوچنے کی بہت کوشش کی...... مگر''

انوشے نے متجسس کھڑے سر کو دیکھا۔

''مگر کیا؟''

سر ہارون بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

''مگر سر اتنا سوچنے پر بھی مجھے آپ سے محبت نہیں ہوئی۔''

وہ کہہ گئی تھی۔ سر ہارون اس کی بات پر چونکے جس کا اس نے نوٹس لیے بنا اپنا سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''میرا مطلب ہے کہ آپ ہر لحاظ سے اچھے ہیں۔ مما بابا کو بھی پسند ہیں حتیٰ کہ دی بھائی، شمی اور آریان کا بھی یہی خیال ہے کہ آپ کا پرپوزل ایکسپٹ کر لینا چاہئے۔ آپ خود اس بات کے

خواہش مند ہیں۔ مجھے بھی آپ ناپسند نہیں ہیں تو پھر مرا ایسی صورت میں تو مجھے آپ سے محبت ہو جانی چاہیے تھی اب تک...... پھر کیوں نہیں ہوئی؟...... یہی بات میری تشویش کا باعث ہے۔''

وہ بھی اب اس مسئلے سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ اب تو آر یا پار لگ جانی چاہیے۔ جب سر خود اس سے اس کے دل کی رائے پوچھ رہے ہیں تو پھر بات صاف کر لینے میں کیا حرج ہے۔ مگر وہ بات صاف کرنے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی صاف گوئی سے کام لے گئی تھی۔ اس کا احساس اسے بعد میں ہوا تھا...... تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے دھیرے سے سر کے چہرے کی طرف نگاہ اٹھائی تا کہ ری ایکشن کا اندازہ لگا سکے مگر وہ جی بھر کر حیران ہوئی...... اسے اپنی طرف تحیر سے دیکھتے پا کر وہ قہقہہ لگا اُٹھے۔

''اوہ مائی گاڈ...... آئی ڈونٹ بیلیو اٹ......'' (اوہ میرے اللہ! مجھے یقین نہیں آ رہا)۔'' وہ بے اختیار ہنس رہے تھے۔

''آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آیا تو اس میں اتنا خوش ہونے والی کیا بات ہے......؟''

انوشے ان کے ہنسنے پر بُری طرح چڑی تھی۔ ان کا قہقہہ جاندار تھا۔

''میرے خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس لیے پریشان ہیں کہ آپ کو ابھی تک مجھ سے محبت کیوں نہیں ہوئی حالانکہ آپ کے خیال میں ہو جانی چاہیے تھی۔''

وہ ابھی بھی مزہ لے رہے تھے۔ ان کی شرارت کو سمجھ کر وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔ اس کا خفت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔

''سوری انوشے! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں آپ کی صاف گوئی سے متاثر ہوا ہوں...... مجھے اچھا لگا کہ آپ نے کسی لگی لپٹی کے بنا اپنے محسوسات مجھ تک پہنچا دیے۔ مجھے آپ سے یہی توقع تھی...... آپ یقین مانیے آپ کی اس بات نے میرے سارے سوالات کے جوابات دے دیے۔ اگر ہمارا ساتھ اس ذات نے لکھ رکھا ہے تو محبت بھی ہو جائے گی۔ اب مجھے آپ کے والدین کی طرف سے کسی فیصلہ کن جواب کا انتظار ہے...... حالانکہ آپ نے ابھی بھی حامی نہیں بھری۔''

وہ مطمئن سے انداز میں مسکرائے تھے۔

''چلیں؟''

انوشے نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''منہ میٹھا کریں گی آپ؟''

واپسی پر سر ہارون نے دو چ[illegible] لیں [illegible] ہتھیلی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے سہولت سے ایک چاکلیٹ اٹھائی۔

''منہ میٹھا کروا رہے ہیں یا بھاڑا ڈال رہے ہیں؟''

انوشے اب شرارت کے موڈ میں تھی۔ سر کا بے اختیار قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

''نہیں! میں جانتا ہوں تم صرف چاکلیٹس کی خاطر تو مجھ سے شادی ہرگز نہیں کرو گی، مجھے کچھ اور کرنا پڑے گا۔''

وہ اس کی شرارت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے تھے۔

****

ایک بجے زید اور تایا جی آ گئے۔ ارمغان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''حنا چائے بنا لاؤ۔''

وہ چاولوں کو دم دے رہی تھی جب تایا جی کی آواز آئی...... یہ اس گھر کا معمول تھا کہ چائے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا...... جس وقت دل چاہتا جتنی مرضی مرتبہ چائے پی جاتی ہو اس نے خاموشی سے سب کے لئے چائے چڑھا دی۔ کھانے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ وہ جب چائے لے کر گئی تو سبھی وہاں موجود تھے...... حنا نے وہاں پڑے میز پر چائے کی ٹرے رکھی اور سب کو کپ پکڑانے لگی...... وہ خاموشی سے سب کو چائے دے کر چلی گئی...... ارمغان دیکھ رہا تھا کسی نے بھی اُسے یہاں سب کے ہمراہ بیٹھ کر چائے پینے کی پیش کش نہیں کی۔

''یہ لڑکی آپ نے کام کاج کے لیے منگوائی ہے؟ یقیناً اس کے ماں باپ بہت غریب ہوں گے ورنہ یہ کوئی زمانہ ہے کہ جوان اور خوبصورت لڑکی یوں اس طرح کہیں بھیج دیں سوائے کسی بہت بڑی مجبوری کے۔''

ارمغان جب سے یہاں آیا تھا سب کے رویے کو دیکھ کر وہ یہی اخذ کر پایا تھا کہ وہ یہاں کام کے لئے بلوائی گئی ہے اور کام کرنے والیاں بھی تو جس گھر میں مستقل رہتی ہوں انہیں اپنا ہی کہتی ہیں...... اس لیے تصدیق کے لئے پوچھ بیٹھا...... مگر سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اور کسی کا تو پتا نہیں مگر زید کا چہرہ ضبط کرتے کرتے سرخ ہو گیا تھا۔

''تو کیا ابھی تک حنا بھابی کا کسی نے تعارف نہیں کرایا اور نہ شاید ضروری سمجھا۔ جس طرح کا اُن کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے کوئی بھی یہی سمجھے گا کہ انہیں کام کروانے کے لیے رکھا گیا ہے جس کی نہ کوئی عزت ہے نہ احساسات۔ بس کام ہونے چاہئیں سب کے وقت پر بنا کسی تاخیر کے...... اور حد تو یہ کہ ابھی بھی کسی نے ارمغان بھائی کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

زید نے چائے کا کپ میز پر پٹخا اور خود اٹھ کر کچن میں چلا آیا۔

"بھابی!"

وہ آہستہ سے اس کے قریب ہی بولا تو حنا نے چونک کر آنسو صاف کیے..... زید کا سر شرمندگی سے جھک گیا اور دل دکھ سے بھر گیا۔

"کیا یہ بات غمناک نہ تھی کہ ان کے گھر کی عزت کو انہی کا ایک رشتہ دار ان کے منہ پر ایک نوکر کہہ گیا اور گھر میں کسی نے بھی اس کی تصحیح ضروری نہ سمجھی۔ کم از کم میں ان سب کا حصہ نہیں بن سکتا۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر حنا کی کلائی تھامی۔

"بھابی! آئیں میرے ساتھ۔"

وہ اٹل لہجے میں بولا تھا۔

"کہاں زید.....؟ مجھے ابھی کہیں نہیں جانا۔"

حنا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"وہیں جہاں آپ کو اس وقت ہونا چاہیے تھا۔ بھابی آج حد ہو گئی۔ اب تو کم از کم آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس گھر میں آپ کو اپنا حق پانے کے لئے لڑنا پڑے گا۔ یہ لوگ ناقدرے ہیں جو آپ کی اہمیت سے منہ موڑے بیٹھے ہیں..... گھر میں گوہر نایاب لا کر اُسے سجانے سنوارنے کی بجائے کچرے میں شامل کر دیا انہوں نے..... انہیں احساس ہو گا بھابی ایک دن آنکھیں کھلیں گی اُن کی مگر تب تک شاید بہت دیر ہو چکی ہو..... تب کوئی بھی اُس خسارے کی تلافی کرنے کے قابل نہ رہے گا جو ان کا مقدر ہو جائے گا۔"

وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ حنا نے پشیمان سے زید کو دیکھا جو اس سے عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود اسے سمجھا رہا تھا۔

"کتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہو تم۔"

وہ اکثر اسے کہتی تھی اور وہ ہنس کر کہتا۔

"آپ کو امپریس کرنے کے لئے کہتا ہوں تاکہ آپ جلد از جلد میرے لیے بھی اپنی جیسی کوئی پرنسز ڈھونڈ لائیں۔"

حنا کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے تھے۔

"امی ابو..... مجھے اس گھر میں آ کر اور کچھ ملا ہو یا نہیں مگر مجھے ایک بہت اچھا بھائی ضرور مل گیا ہے۔"

اس نے سوچتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

"آپ بہت اچھی ہیں بھابی..... یقیناً چچی بھی ایسی ہی ہوں گی جنہوں نے آپ کی پرورش کی۔ جب بھی زیادتی ہماری امی کی ہی ہوتی ہو گی مگر وہ ہماری ماں ہیں ہم اُن کو غلط نہیں کہہ سکتے پر چچی کو صحیح تو کہہ سکتے ہیں۔"

وہ حنا کو خاموش دیکھ کر دوبارہ بولا تھا۔

"شکریہ۔ زید مجھے حوصلہ دینے کا۔"

حنا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"پر تم تائی ماں سے بدظن مت ہو..... وہ تم لوگوں سے بہت محبت کرتی ہیں اور....."

"جانتا ہوں..... آپ سے بہتر جانتا ہوں اُن کو، ماں ہیں میری وہ، مگر میں تبریز نہیں ہوں جو ماں غلط بھی کہیں گی تو سچائی جاننے کی بجائے اُن کو صحیح ہی سمجھوں گا..... میں درست کو درست اور غلط کو غلط ہی کہوں گا..... اتنا حوصلہ ہے مجھ میں کہ سچائی کو پرکھ سکوں۔"

زید نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"بس بھابی..... اب آپ کچھ بھی نہیں کہیں گی۔"

اس نے ہاتھ اُٹھا کر حنا کو روک دیا جو دوبارہ اسے کچھ کہنے والی تھی۔

"آپ میرے ساتھ چلیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر کو چل دیا تو اسے بھی اس کے ساتھ قدم اُٹھانا پڑے..... اگلے ہی پل وہ اسے لیے سب کے سامنے موجود تھا۔

"ارمغان بھائی!..... شاید آپ سے کسی نے ان کا تعارف کرانا ضروری نہیں سمجھا اس لیے یہ نیک کام میں ہی کر دیتا ہوں۔"

ارمغان نے اسے دیکھا جو خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑی حنا کا ہاتھ تھامے اس سے مخاطب تھا۔

"یہ حنا ہیں، ہماری بھابی، اس گھر کی بہو اور تبریز بھائی کی بیوی مسز حنا تبریز۔"

زید نے حنا کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے ارمغان کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا تھا۔ تائی ماں نخوت سے پہلو بدل کر رہ گئیں۔ تایا ابو خاموشی سے چائے کی چسکیوں کا مزہ لینے میں مصروف تھے اور شہلا بھی ایسے لاپرواہ بنی بیٹھی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جبکہ چائے ارمغان کے حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔

"بھا..... بی"

"تبریز بھائی کی بیوی مسز حنا تبریز" زید کے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ چائے پینا

دشوار ہو گیا، اس نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھ دیا۔

"بیٹھیے بھابی! میں آپ کے لیے چائے ڈالتا ہوں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائے پئیں باقی کام تو ہوتے رہیں گے۔ سب کچھ تو کر ہی لیا ہے آپ نے اور جو رہ گیا ہے وہ شہلا کر لے گی۔"

اس نے اُسے ایک طرف بٹھایا اور چائے کپ میں اُنڈیل کر اس کو پکڑائی۔

"ارے شہلا کیسے کرے گی۔ اس کے پیپر ہیں۔"

تائی ماں نے ناگواری سے کہا تھا۔

"میں نے تو کبھی اسے پڑھتے نہیں دیکھا..... ہمیشہ ناولوں اور ڈائجسٹوں میں اُلجھی رہتی ہے۔ اور جب کھانے کے لئے وقت نکل سکتا ہے تو پکا پکایا دسترخوان پر سجانے کے لئے کیوں نہیں..... چلو اُٹھو!..... جو رہتا ہے وہ نمٹاؤ جا کر اور کھانا لگاؤ۔"

آخر میں اُس نے شہلا سے کہا جو اس کو انکار تو نہ کر سکی تھی البتہ غصے کے اظہار کے طور پر چائے کا کپ چائے سمیت میز پر پٹخ کر پاؤں پٹختی کچن میں چلی گئی۔

"بچی کو چائے تو پی لینے دیتے۔"

تائی ماں نے دہائی دی جسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے زید ساکت بیٹھے ارمغان سے مخاطب ہوا۔

"ارمغان بھائی! بھابی نے آپ کی بات سن لی تھی۔ مجھے ازحد افسوس ہے کہ کسی نے بھی ان کو آپ سے متعارف نہیں کرایا۔"

زید کی بات سے وہ جو حیرانی میں غرق بیٹھا تھا شرمندگی کے دریا میں غوطہ زن ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیجئے حنا..... آپ کی دل آزاری میرا مقصد نہیں تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔"

ارمغان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیسے اپنی گستاخی کا ازالہ کرے۔ حنا نے خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"بوا!..... آپ نے بتایا کیوں نہیں، تبریز کی شادی ہو گئی اور کسی کو خبر ہی نہیں۔"

وہ اب خود کو سنبھال چکا تھا اس لیے بوا سے شکوہ کرنے لگا۔

"بس بیٹا جلدی میں سب ہو گیا..... تبریز کو بھی سادگی سادگی کی پڑی تھی..... شادی میں صرف میرے سسرالی رشتہ دار تھے۔ بھابی اور بھائی ان دنوں حج پر گئے ہوئے تھے۔"

تائی ماں نے اُس کے امی ابو کا ذکر کیا۔

"ہاں مگر بعد میں تو بتاتیں آپ..... مام کو کتنا افسوس ہو گا اس بات کا وہ تو تبریز کی شادی پر اپنے دل کے ارمان پورے کرنا چاہتی تھیں..... میں نے جب بھی آنے کو کہا ہمیشہ یہی کہتیں کہ تبریز کی

شادی پر جاؤں گی نصرت سے ملنے۔"

ارمغان شکووں کی پٹاری کھول کر بیٹھا تو تائی ماں پریشان ہونے لگیں۔ اب وہ کیا بتاتیں کہ انہوں نے میکے میں کسی کو خبر اس لیے نہ ہونے دی کہ کیا منہ دکھاتیں انہیں اور کیسے بتاتیں کہ جن ماں باپ کو انہوں نے کبھی ایک ٹکے کی حیثیت نہ دی تھی آج انہیں کی بیٹی کو بہو بنا کر لے آئی اپنے ہونہار لاڈلے بیٹے کی ضد کی وجہ سے۔

"ارے۔ تیری ساری باتیں ٹھیک پتر..... میں منا لوں گی بھابی کو۔"

تائی ماں سے اور کوئی بات نہ بن پڑی تو بس اتنا ہی کہہ پائیں۔ ارمغان نے ایک نظر دوبارہ گم صم حنا پر ڈالی جو اتنی دلجمعی سے چائے پینے میں مشغول تھی جیسے اس وقت اس سے زیادہ ضروری اور توجہ طلب کام اور کوئی تھا ہی نہیں دنیا میں۔ اسے حقیقتاً افسوس ہوا تھا سب جان کر..... حنا کے اس گھر میں مقام کا تو اسے اندازہ ہو ہی گیا تھا۔ بلاشبہ یہ اُس کے ساتھ ظلم تھا۔ اسے اب سمجھ میں آ گیا تھا کہ آنٹی کا نام سنتے ہی وہ اس قدر کیوں گھبرا گئی تھی اور فوراً ہی اس کا رویہ نرم ہو گیا تھا..... اور کچن میں اس کی آمد سے بھی وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اسے ایک بات اچھی لگی تھی کہ زید نے اسے اس کی اہمیت و عزت دی تھی جس کی وہ حق دار تھی۔ پتا نہیں تبریز کا رویہ کیسا ہو گا اس کے ساتھ..... اصولاً تو اُسے حنا کی حیثیت اس گھر میں مستحکم کر دینی چاہیے تھی اب تک۔"

وہ گہری سوچوں میں گم بلا ارادہ ہی کافی دیر تک اسی نہج پر سوچتا رہا۔

****

"ارمغان بیٹا تو رہے گا ناں اب کچھ دن.....؟"

تائی ماں منہ میں چھالیہ دباتے ہوئے بولی تھیں۔ ان کے قریب تخت پر بیٹھے موبائل پر میسج پڑھتے ارمغان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ارے نہیں بوا..... میں تو گھنٹہ ڈیڑھ کے لئے آیا تھا..... دن بھر رُک گیا۔ اب تو شام ہونے کو آئی مجھے دوبارہ ہوٹل جانا ہے۔"

ارمغان نے ایک بار پھر موبائل پر نظریں جماتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں بیٹا۔ اب آئے ہو تو چند دن رُک کر جاؤ..... بلکہ چند دن ہی کیوں جتنی دیر تم کام کے سلسلے میں اس شہر میں ہو یہاں ہی رہو..... جب اپنا گھر ہے تو غیروں کی طرح ہوٹلوں میں کیوں مارے مارے پھرنا..... پچھلی مرتبہ بھی رات رو کر ہی بھاگ گئے تھے مگر مہینہ بھر اس شہر میں رہے۔ مجھے تو بعد میں علم ہوا مگر اس مرتبہ میں جانے نہ دوں گی ہاں۔"

بوا نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے روکنے پر زور دیا تھا۔ انکل نے بھی بوا کی تائید کی۔

"مگر انکل!..... میں....."

"ارمغان بھائی اب ایسی بھی کیا غیریت کہ آپ رکنا نہیں چاہتے یا کوئی اور بات ہے۔"

زید نے اس کی ناں کرنے کی آخری کوشش بھی ناکام بنا دی تھی۔

"بس تو پھر ہم ابھی چلتے ہیں اور ہوٹل سے آپ کا سامان لے آتے ہیں۔"

ارمغان کے کندھے پر زید نے ہاتھ رکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا..... سال بھر پہلے جیسی حالت ہوتی اس گھر کی تو وہ کبھی نہ مانتا مگر اب وہ رُک سکتا تھا۔ ایک صرف اسی لڑکی کا وجود ہے اس گھر میں جس کی وجہ سے میں یہاں اتنے دن رُکنے کا تصور کر سکتا ہوں ورنہ گھر کے باقی افراد کے ساتھ تو رہنے کا خیال بھی اس کے لئے سوہانِ روح تھا۔

"یا اللہ کیا قسمت ہے اس گھر کے افراد کی جو اس لڑکی کی وجہ سے یہ گھر رہنے کے قابل بن گیا۔"

ارمغان نے حنا کو دیکھ کر دل ہی دل میں خدا کو مخاطب کیا۔ پھر ڈنر کرتے ہی وہ اور زید ہوٹل کے لئے نکل آئے ارمغان کا سامان لینے۔

"ایک بات تو بتاؤ زید پلیز مائنڈ مت کرنا میں ویسے ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ حنا جیسی سلجھی ہوئی لڑکی تم لوگوں کے ہاتھ کیسے لگی.....؟"

ہوٹل پہنچ کر ارمغان نے کب سے ذہن میں کھلبلاتی بات کو مذاق کا رنگ دے کر دریافت کیا تھا۔ زید مسکرا دیا۔

"یہ بھائی کا نصیب اور ہماری خوش قسمتی کا کھیل ہے ارمغان بھائی۔"

وہ سنجیدگی سے دوبارہ بولا۔

"مگر حقیقت تو یہ ہے کہ میرے گھر والے اس بات سے لاعلم ہیں اُن کو احساس ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اُن کو چھپڑ پھاڑ کر نوازا ہے اور کس چیز سے نوازا ہے۔ اگر ان کو احساس ہو جائے ناں تو پلکوں پر اُٹھائے پھریں بھابی کو۔"

"میرا اندازہ بھی یہی ہے پر زید پچھلے سال جب میں آیا تو تبریز کی شادی کا کوئی ذکر نہ تھا اور اب میرا مطلب ہے اتنی جلدی شادی وہ بھی نخیال کو خبر کیے بنا۔"

ارمغان نے ہوٹل کے کمرے سے اپنا سامان اکٹھا کرتے ہوئے کہا تھا جسے اس نے آتے ہی سیٹ کر دیا تھا کیونکہ اس کا ارادہ کافی دن یہاں رُکنے کا تھا۔

"یہ تو لمبی کہانی ہے ارمغان بھائی!"

زید نے الماری سے ارمغان کے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے..... پھر اس کا بیگ لے کر بیڈ پر ہی بیٹھ گیا..... اور بیڈ کراؤن سے کمر ٹکا کر اس نے ارمغان کی سوالیہ نظروں کو پڑھ لیا تھا

جو اب زید کے پکڑائے بیگ میں اپنے کپڑے رکھنے لگا تھا۔ لمبا سانس خارج کرتے ہوئے زید نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر سر کے نیچے رکھتے ہوئے نیم دراز ہو کر کچھ دیر چھت کو گھورا پھر مناسب الفاظ کی تلاش کا ارادہ ترک کرتا ہوا بولا۔

"مختصر بتاؤں تو حنا ہماری کزن ہے۔ قاسم چچا کی اکلوتی اولاد جس سے تبریز بھائی کو جنونی قسم کا عشق ہو گیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ حنا انہیں بچپن سے پسند تھی اسی لیے جب گھر میں اُن کی دلہن لانے کا ذکر ہوا تو اُنہوں نے فوراً حنا کا نام لیا اور پھر اس پر ایسا ڈٹے کہ امی کی ناراضگی اور ابو کا غصہ بھی انہیں روک نہ پایا..... اُلٹا انہوں نے دن رات کی بحث و تکرار سے امی اور ابو کو راضی کر لیا..... یہ گتھی آج تک نہیں سلجھ پائی کہ امی کیسے راضی ہو گئیں اور نہ اس بات کا سراغ مل پایا کہ انہیں چچی سے ہمیشہ کس بات کا عناد رہا..... ساری زندگی اُن کا دل نہیں ملا اُن سے۔ اسی لیے شاید وہ اُن کی بیٹی کو اپنے جیتے اور لاڈلے بیٹے کے لئے لانا نہیں چاہتی تھیں مگر تبریز بھائی ایسا ضد پر اڑے کہ اپنی منوا کر ہی دم لیا..... امی مان گئیں یہ اُن کے لیے معجزہ ہی تھا..... اُس رات بہت بحث ہوئی مگر امی کی ناں ہاں میں نہ بدلی مگر صبح ہوتے ہی وہ اچانک چچا چچی سے حنا کا رشتہ لانے کو تیار بیٹھی تھیں..... سبھی حیران تھے..... ابو کی کیا مجال جو اب انکار کرتے..... چاچا چاچی تو بھاوج کو اپنے گھر دیکھ کر خوشی کے مارے پاؤں ہی زمین پر نہ ٹکا پا رہے تھے..... وہ بے حد خوش تھے کہ وہ نئے رشتے بنانے آئے ہیں۔ مگر کہانی میں ٹوئسٹ تب آیا جب حنا بھابی نے انکار کر دیا۔"

زید کی باتوں کو دھیان سے سنتے ہوئے ارمغان نے یکدم چونک کر اُسے دیکھا..... بیگ میں کپڑے رکھتے اُس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رُک گئے تھے۔ زید مزید بتا رہا تھا۔

"حنا کو اس رشتے سے ایک نہیں بہت سارے اعتراضات تھے اور انہوں نے جی بھر کر مخالفت بھی کی..... روئیں، چلائیں، کھانا پینا چھوڑا حتیٰ کہ تبریز بھائی سے بھی کہا کہ انہیں یہ رشتہ منظور نہیں، اس لیے وہ خود انکار کر دیں اس طرح دونوں بھائیوں کے رشتہ میں دراڑ نہیں پڑے گی مگر تبریز بھائی نے صاف انکار کر دیا اور حنا سے شادی کرنے کو اپنی ضد بنا لیا..... نتیجہ وہی عورت ذات پر جبر، ظلم، دباؤ..... اس طرح حنا ہماری بھابی اور تبریز بھائی کی دلہن بن کر آ گئیں..... ایک مرد نے اپنی خواہش کی خاطر ایک عورت کے دل کی تمام خواہشات اور تمناؤں کو ہمیشہ کے لئے حسرتوں کے تابوت میں ڈال کر دفن کر ڈالا..... حنا کی جگہ مسز حنا تبریز نے لے لی۔ اب بس یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف ہمارے گھر کی بہو ہے، تبریز بھائی کی بیوی اور ہماری بھابی۔ باقی تمام رشتے ختم ہو گئے حتیٰ کہ وہ یہ بھی بھول گئی ہیں کہ اُن کی اپنی کوئی شخصی حیثیت بھی ہے..... اُن کی اپنی کوئی مرضی ہے نہ خواہش..... وہ تو بس اب سسرالیوں کی خدمت اور شوہر کی جی حضوری کے لئے زندہ

ہیں اس سے آگے اس لڑکی کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں..... اور تبریز بھائی جنہیں حنا سے عشق کا دعویٰ تھا اور سر پر اُسے پانے کی ایسی دُھن سوار تھی کہ خود حنا کی مخالفت بھی اُن کے قدم پیچھے نہ ہٹا پائی تھی اب وہی اُن سے بدگمان رہنے لگے ہیں۔ یہی بات جس سے پہلے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا وہی انہیں کھٹکتی ہے کہ حنا اُن سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی..... وہ سمجھتے ہیں کہ حنا نے اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا اور نہ ہی وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہے اور ماں، اُن کے اچانک مان جانے کی وجہ بھی اب میری سمجھ میں آنے لگی ہے وہ اس طرح چچی کو اذیت دینے کے لئے اپنی رہی سہی کسر پوری کر رہی ہیں..... ایک عورت اپنے ساتھ تو ہر زیادتی برداشت کر سکتی ہے مگر اپنی بیٹی کا دُکھ برداشت نہیں کر سکتی..... بس یہی دُکھ دینا چاہتی ہیں وہ چچی کو..... دن رات ماضی کے قصوں کو موضوع بنا کر بھابی کو ستاتی رہتی ہیں..... پر بھابی ابھی تک بُجھی ہوئی ہیں، منہ سے کچھ نہیں کہتیں..... جب دل بھر جاتا ہے تو رو کر خود ہی آنسو پونچھ لیتی ہیں۔"

زید کے لہجے کا اُتار چڑھاؤ اس کے دلی دُکھ کا غماز تھا۔

"جانتا ہوں میں ارمغان بھائی کہ اپنی امی کے بارے میں بولتے ہوئے کچھ تلخ الفاظ استعمال کر گیا ہوں وہ بیشک ماں بہت اچھی ہیں مگر یہ بھی سچائی ہے کہ وہ ساس بہت بُری ثابت ہوئی ہیں..... اور حقیقت سے کم از کم میں تو منہ نہیں موڑ سکتا۔ آپ یقین کر سکتے ہیں ارمغان بھائی کہ ایک لڑکی کو ایک اُن چاہے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے جسے ٹھکرانے کا حق اُسے مذہب نے بھی دیا ہو مگر پھر بھی وہ اپنے حقوق سے منہ پھیر کر فرائض کو نظر میں رکھ کر وہ اُن چاہا ساتھی قبول کر لے اور جب وہ دل سے اس سفر کی خواہاں ہو جائے تو اُس کے خلوص پر شک کیا جائے..... دن رات اُسے یہ احساس دلایا جائے کہ اُس کی یہاں کوئی حیثیت نہیں جہاں وہ آنا ہی نہیں چاہتی تھی..... اس رشتے میں اُس کے لئے کوئی امان کوئی پناہ نہیں ہے جو اس پر تھوپا گیا جس میں اسے اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی باندھ دیا گیا۔ اور جسے اُس نے اپنا نصیب سمجھ کر قبول بھی کر لیا۔ کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں اُس لڑکی کے احساسات کا جو نہ تو ماں باپ کا مان توڑ سکتی ہے اپنی خواہشات کا اظہار کر کے، اپنے حق کے لئے لڑ کے اور نہ ہی اُنہیں یہ باور کرا سکتی ہے کہ اُن کا فیصلہ اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے کتنا غلط تھا۔"

زید بولا تو روانی میں بولتا ہی چلا گیا جبکہ ارمغان ساکت بیٹھا سب سن رہا تھا۔

"لیکن زید اگر تمہارے چچا کو معلوم تھا کہ حنا راضی اور خوش نہیں اس رشتے کو لے کر تو انہوں نے اُس پر ظلم کیوں کیا.....؟"

ارمغان نے حیرت سے پوچھا تھا۔ زید سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"چچا یہ سمجھتے رہے بلکہ ابھی تک سمجھتے ہیں کہ یہ رشتہ جوڑ کر وہ بھائی کی محبت کا قرض ادا کر چکے، رشتہ جڑنے سے پرانی تلخیاں مٹ گئی..... اب وہ روزِ قیامت مرحوم دادا دادی کے سامنے سرخرو ہوں گے اور تایا کا گھر حنا کا دیکھا بھالا ہے مزید یہ کہ تبریز اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ وہ جب اس کے لئے گھر والوں سے لڑ سکتا ہے، وہ رشتہ پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے جس کا ہونا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا تو وہ حنا کو خوش بھی رکھ سکتا ہے..... مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے اپنی حنا کو کس جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ اپنے بھتیجے کو سمجھنے میں اُن سے بھول ہو گئی۔ اگر میں تبریز بھائی کی جگہ ہوتا تو کبھی حنا کے ساتھ زیادتی نہ ہونے دیتا..... جب بھائی دل کے ہاتھوں مجبور کو کر خود غرضی دکھا گئے ہیں تو میرے حساب سے انہیں اس پر ثابت قدم رہنا چاہئے..... حنا کو اُس کے تمام حقوق اور خوشیاں دینی چاہئیں اور اپنے گھر والوں سے اُسے وہ عزت بھی دلوانی چاہئے جس کی وہ مستحق ہے۔ ساری غلطی ہی بھائی کی ہے..... میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ والدین کے خلاف ہو جائیں مگر کم از کم اپنی شریک حیات پر اعتماد تو کرنا سیکھیں۔"

زید بہت اُلجھا ہوا تھا..... ارمغان نے اس کا شانہ تھپتھپا کر اُسے ریلیکس کرنا چاہا۔

"تم تبریز کو سمجھاتے کیوں نہیں۔"

"کیا سمجھاؤں ارمغان بھائی..... وہ خود میری سمجھ سے باہر ہیں۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ اب ایسے مزاج کے بندے کو کیا سمجھایا جائے..... آپ صبح مل ہی لیں گے اُن سے خود دیکھ لیجئے گا۔"

زید نے ہولے سے کہا تھا۔

"اوہ..... اتنا وقت گزر گیا باتوں میں احساس ہی نہیں ہوا۔"

زید کی نظر گھڑی پر پڑی تو چونک گیا۔ انہوں نے جلدی سے بیگ اُٹھائے اور چابی ریسپشنسٹ (Receptionist) کے حوالے کر کے باہر نکل آئے..... ٹیکسی میں بیٹھ کر پورا راستہ ارمغان کا دماغ سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا..... گو کہ وہ جتنے بھی سال باہر رہا اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ وہاں روایتی قسم کی زور زبردستی نہ ہوتی تھی..... مردوں کی طرح عورت بھی آزاد تھی اور خود مختار..... یہاں کی طرح نہیں صرف زبانی کلامی ڈھنڈورا پیٹتے ہیں عورت مرد کی برابری کے حقوق کا..... انہیں بازاروں کی زینت بنا کر آفسز، ہسپتال، بینک، ہوٹلز ہر جگہ شوپیس کے طور پر انہیں بٹھا کر ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا فرض پورا ہو گیا مگر حقیقت میں تو ہم عورتوں کے معاملے میں ہمیشہ تنگ دل تھے اور تنگ نظر ہی رہیں گے۔

مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے یا وہ فوقیت رکھتے ہیں اس کا مطلب ہمارے ہاں یہی نکالا جاتا ہے کہ عورتوں پر حکم چلا لیا، اپنے فیصلے صادر کر دیے کبھی باپ بن کر کبھی بھائی بن

کہ، کبھی شوہر اور کبھی بیٹا بن کر..... ایک مرد کو اپنا من چاہا ساتھی چننے میں حق بجانب سمجھا جاتا ہے جبکہ یہی حق جب ایک عورت استعمال کرے تو اسے باغی، زبان دراز، بدلحاظ، بے شرم اور بدتمیز جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ اسے تعلیم دلوانے کو اپنی سب سے بڑی غلطی تصور کیا جاتا ہے..... خود کو، معاشرے کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ لڑکی کو پڑھا لکھا دیا اس لیے بے لگام ہو گئی..... ایک مرد جب خاندانی روایتوں کے پیش نظر گھر والوں کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو اپنی پسند سے دوسری شادی کا حق رکھتا ہے کہ چلو اس نے ماں باپ کی عزت تو رکھ لی اب اپنی پسند بھی لے آئے۔ مگر عورت ناپسند رشتے کو مان بھی لے پھر بھی اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اس سے گناہ ہوا ہے اور گناہ بھی ایسا جو اصل میں اس کا حق تھا مگر اس کے برعکس اس کی پوری زندگی تباہ کر دی جاتی ہے۔ آخر کیوں ہمارا معاشرہ یہ بھول جاتا ہے کہ عورت بھی انسان ہے۔ ایک جیتا جاگتا نفس جس کی آنکھوں میں خواب بستے ہیں، جو احساسات رکھتی ہے، اس کی زندگی بھی انمول ہے جس کا کوئی مقصد خاص ہو سکتا ہے..... وہ دماغ رکھتی ہے، کچھ بننا چاہتی ہے۔ وہ صرف باپ کی عزت کی خاطر خود کو قربان کرنے، بھائی کی خدمت کرنے، شوہر کی غلامی کرنے ہی اس دنیا میں نہیں آئی۔

شادی تو دو انسانوں کا مل کر ایک گھر بنانا ہے جس میں جتنا کردار عورت کا ہے اتنا ہی مرد کا۔ پھر عورت ہی کیوں قدم قدم پر قربانی دے، اپنی خواہشات کو دبائے، اپنا کیریئر تباہ کرے۔ وہی خود کو سر سے لے کر پاؤں تک بدلے، ماں باپ بہن بھائی سب کو بھول جائے، دوست احباب چھوڑے..... کیوں وہ اتنی قربانیاں دے اور اگر دے بھی تو بدلے میں اسے کم از کم سکون بھرا گھر تو ملنا ہی چاہیے..... محبت بھرے چند الفاظ تو اس کے حصے میں آنے ہی چاہئیں، اپنے شریک سفر کا اعتماد تو اسے حاصل ہونا ہی چاہیے۔

ارمغان بہت زیادہ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ حنا کا چہرہ بار بار اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا..... زید بھی پورا راستہ خاموش ہی رہا۔ گھر پہنچتے ہی ارمغان سب سے معذرت کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سر درد کی گولی کھا کر وہ سکون کی غرض سے لیٹا تو کب سو گیا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

ملگجا سا اندھیرا ہوتے ہوتے گہری رات کی چادر اوڑھ چکا تھا جب ارمغان کی آنکھ کھلی..... دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھی گیارہ بجنے والے تھے..... اسے بھوک کا احساس ہوا تو اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر شانوں پر گرم چادر لپیٹتا باہر نکل آیا..... برآمدے کی لائٹ جل رہی تھی..... اس نے زید کے کمرے میں جھانکا وہ لحاف اوڑھے گہری نیند میں تھا۔ اس کی بچپن سے ہی عادت تھی لائٹ جلا کر سویا کرتا۔ بچے، نئے ہوتے وہ لوگ

ان کے ہاں آیا کرتے تو ان کی اکثر اسی بات پر لڑائی ہوا کرتی تھی۔ ارمغان کی ضد ہوتی کہ لائٹ بند کر کے سویا جائے اور زید کی ضد کہ اسے اندھیرے میں خوف آتا ہے اور نیند نہیں آتی..... ایسے میں تبریز درمیان کا راستہ نکالتا..... جب تک زید نہ سوتا لائٹ جلتی رہتی..... وہ ان دونوں سے چھوٹا تھا جلدی سو جاتا..... اس کے بعد یہ دونوں روشنی گل کر دیا کرتے تھے۔

''کچھ عادتیں کبھی نہیں بدلتیں۔''

ارمغان بچپن کو یاد کر کے مسکراتا ہوا واپس برآمدے میں چلا آیا۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے بھوک کے احساس سے مغلوب ہو کر اس طرف قدم بڑھائے مگر پھر فوراً ہی حنا کا گھبرایا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا گیا۔

''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

اس کی آواز کی بازگشت جیسے اس کے قریب ہی ہوئی تھی۔

''ویسے بھی رات کے اس پہر ڈسٹرب کروں اچھا نہیں لگتا۔''

وہ واپس پلٹ گیا۔

''ارمغان صاحب!''

نہایت ہی نرم لہجے نے اس کے پاؤں جیسے تھام لیے تھے اس نے مڑ کر دیکھا سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے حنا وہاں موجود تھی۔

''تائی ماں نے کہا تھا جب آپ اٹھ جائیں تو کھانے کا پوچھ لوں..... میں آپ کے جاگنے کا ہی انتظار کر رہی تھی..... میں کھانا لاتی ہوں۔''

وہ شائستگی سے کہتی پلٹنے لگی تو ارمغان نے شرمندہ ہو کر منع کر دیا۔

''نہیں پلیز..... آپ تکلف نہ کریں..... معاف کیجئے گا میری وجہ سے آپ کو اتنی دیر تک جاگنا پڑا۔''

''نہیں تکلف کیسا اور بھوک تو یقیناً لگی ہو گی..... میں کھانا لاتی ہوں۔''

ہاں ایک بات اور.....''

وہ جیسے کچھ یاد آنے پر چونکی تھی۔

''آپ تبریز کے کزن ہیں اس لحاظ سے آپ مجھے بھابی بلا سکتے ہیں۔ اپنے صبح والے رویے پر میں معذرت کرتی ہوں آپ سے..... اصل میں، میں نے آپ کو پہلے دیکھا نہیں ہوا تھا اس لیے پہچانا نہیں۔''

''کوئی بات نہیں..... میں انٹر کے فوراً بعد ابروڈ چلا گیا تھا شاید اس لیے کبھی آپ کی نظر میں نہیں آیا۔''

ارمغان نے اتنے سچے سچے الفاظ میں ادا، بولتی حنا سے دل ہی دل میں متاثر ہوتے

ہوئے وضاحت کی تھی۔

''شاید یہی وجہ ہو..... میں نے آپ کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا کہ آپ نے تائی ماں کو کچھ نہیں بتایا ورنہ وہ بہت غصہ کرتیں کہ میں نے اُن کے لاڈلے بھتیجے کو گھر سے نکل جانے تک کا کہہ دیا۔''

اس کی بات پر ارمغان مسکرا دیا۔

حنا کھانا لائی تو ارمغان وہیں تخت پر بیٹھ گیا۔ گو کہ برآمدے میں سردی کا احساس بہت زیادہ ہو رہا تھا مگر ارمغان نے کمرے میں کھانا منگوانا مناسب نہ سمجھا تھا اور شاید حنا بھی ہم خیال ہی تھی۔

''آپ نے کھانا کھالیا.....؟''

وہ پانی کا جگ رکھ رہی تھی جب کسی خیال کے تحت ارمغان نے اچانک پوچھا تھا۔

حنا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جب سے اس گھر میں آئی تھی کبھی کسی نے اس سے یہ سوال نہ کیا تھا..... حتیٰ کہ تبریز نے بھی کبھی یہ جاننے کی کوشش نہ کی تھی کہ اُس نے کھانا کھایا یا نہیں..... وہ منتظر رہتی کہ وہ آئے گا تو اکٹھے کھانا کھائیں گے مگر تبریز آتا، تائی ماں کے پاس بیٹھ کر کھانا لانے کو کہتا..... حنا اپنے اور اس کے لیے کھانا لے کر جاتی مگر وہ نہ اسے کھانے کی آفر کرتا اور نہ ہی یہ پوچھتا کہ وہ لوگوں کا کھانا کیوں لائی ہو؟

وہ بس خاموشی سے کھانا کھاتا اور باقی لوٹا دیتا..... حنا کبھی آنکھوں میں نمی لیے کچن میں اکیلی بیٹھ کر کھاتی یا بددلی سے دو چار نوالے بمشکل نگل کر اُٹھ جاتی۔ اور اب تو وہ قدرے عادی ہو گئی تھی..... اس نے کچھ بھی محسوس کرنا ترک کر دیا تھا مگر ارمغان نے پوچھا تو اس کی تمام تر حسرتیں جاگ اُٹھی تھیں..... آنکھوں میں بڑھ جانے والی نمی کو چھپانے کے لئے وہ فوراً ہی بنا کوئی جواب دیے کچن میں چلی آئی جبکہ ارمغان وہیں بیٹھا خلا میں دیکھتا رہ گیا جہاں چند لمحے پہلے وہ کھڑی تھی۔

****

وہ تینوں کافی دیر سے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول تھے مگر مشی سے اب مزید صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''انوشے..... بتا بھی..... تیری کیا بات ہوئی سر سے.....؟''

اس نے تجسس سے اسے اصل موضوع کی طرف لانے کی کوشش کی تو آریان اور انوشے دونوں مسکرا دیے۔

''مسکراؤ نہیں..... بتاؤ..... تم نے سر کو ہاں کی یا منع کر دیا۔''

مشی کو کچھ زیادہ ہی بے چینی تھی یہ جاننے کی کہ آخر انوشے نے کیا فیصلہ کیا ہے اور بے چین تو آریان بھی تھا۔

''اچھا بابا..... بتاتی ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ اگر تمہیں فوراً نہ بتایا گیا تو تجسس کے مارے تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہو جانا ہے۔''

انوشے کی بات پر وہ بجائے ڈھیٹ ہونے کے ہنس دی۔

''ہاں تو پھر بول ناں جلدی سے۔''

وہ واقعی فوراً سے پہلے سب جان لینا چاہتی تھی۔

''میں نے سر سے کہہ دیا ہے کہ مجھے اُن سے محبت.....''

''کیا.....؟؟؟ تمہیں سر سے محبت ہو گئی ہے.....؟؟؟''

مشی ہمیشہ کی طرح انوشے کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی درمیان میں چلائی تھی۔ آریان بھی لمحہ بھر کو ٹھٹکا۔

''مروتم..... مشی..... مجھے یقین ہو چلا ہے اگر میرے پیارے ولی بھائی کبھی رنڈوا ہوئے تو یقیناً تمہاری اسی جلد بازی کی وجہ سے ہوں گے اور تمہاری موت کی وجہ ڈاکٹرز یہی بتائیں گے..... معاف کیجئے گا لیکن مریض کو شدید تجسس کا مرض لاحق تھا جس کا ابھی تک علاج دریافت نہیں ہو سکا۔''

انوشے نے اپنی بات کاٹے جانے پر چڑ کر کہا..... غصے اور سردی سے سرخ ہوتی ناک چڑھا کر منہ پھیر لیا تو اس کے اس انداز اور الفاظ پر مشی اور آریان ہنسی نہ روک پائے۔

''سوری انوشے..... رئیلی سوری۔ اب کی بار درمیان میں نہیں بولوں گی..... پکا.....!''

مشی نے اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر اپنے دونوں کان بھی پکڑ لیے..... انوشے نے آریان کی طرف دیکھا تو اُس نے سر کے اشارے سے اسے معاف کر دینے کو کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''او کے..... او کے معاف کیا۔''

''او مائی سویٹ انوشے۔''

مشی خوش ہو کر اس کے گلے لگ گئی۔ پھر فوراً ہی الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''تو پھر اب پوری بات بتاؤ جلدی سے''

مشی کے یوں کہنے پر آریان اور انوشے کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔ جبکہ اب ناراض ہونے کی باری مشی کی تھی۔

''اڑا لو میرا مذاق تم دونوں...... جاؤ نہ بتاؤ۔''

مشی کو ان کی ہنسی بے وقت لگی سو وہ بُرا مان گئی۔

''او...... ہو...... اب منہ تو مت بگاڑو...... بتا تو رہی ہوں۔ لیکن پلیز پہلے میری پوری بات سن لینا پھر کسی نتیجے پر پہنچنا۔''

انوشے نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو مشی نے بمشکل خود کو بولنے سے روکا اور سر ہلا کر اوکے کا سگنل دیا تو انوشے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''میں نے سر سے کہہ دیا ہے کہ مجھے اُن سے محبت نہیں ہوئی۔''

''واٹ......؟؟؟''

مشی اور آریان چونک کر یک زبان بولے تھے۔ انوشے نے سر جھکا لیا۔

''تو...... تو پھر سر نے کیا کہا......؟''

آریان نے چند لمحوں بعد پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں''۔

انوشے نے کندھے اُچکائے۔

''پر انوشے...... اگر تمہیں سر سے محبت نہیں ہوئی تو پھر کس سے ہوئی ہے؟''

مشی نے نہایت اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔ انوشے کچھ دیر خاموشی سے آریان کے ہاتھ میں پکڑے کپ میں سے اُٹھتی بھاپ کو دیکھتی رہی پھر نہایت سنجیدہ لہجے میں ہولے سے بولی۔

''آریان سے!!!''

مشی آنکھیں پھاڑے بے یقینی کے عالم میں انوشے کو دیکھتی رہ گئی جو اب مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ جبکہ آریان بالکل ساکت رہ گیا تھا۔ انوشے کا جواب اتنا واضح تھا کہ وہ اسے اپنی سماعت کا دھوکہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا اور اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ کچھ پل کے لئے سانس تک لینا بھول گیا۔

انوشے نے کچھ دیر ان دونوں کے ری ایکشن کا انتظار کیا مگر وہ دونوں بنا کچھ بولے ابھی تک شاک میں کھڑے تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ نظر اُٹھا کر باری باری اُن دونوں کو دیکھا۔ مشی حیرت کے مارے ابھی تک کچھ بولنے کی کنڈیشن میں نہ آئی تھی ورنہ اتنی دیر وہ خاموش رہے...... ناممکن...... لیکن یہ آریان...... نہیں بولا کچھ۔ وہ اب آریان کی طرف متوجہ ہوئی مگر اس کی غیر معمولی سنجیدگی اور چہرے پہ معمول سے زیادہ سرخی سے ٹھٹکی تھی...... ''یہ سرخی سردی کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے۔'' اور اس کے اس اندازے پر تصدیق کی مہر تب لگی جب آریان نے ہاتھ

میں پکڑا کپ چائے سمیت سائیڈ پر لڑھکا دیا...... اور اس کی طرف جارحانہ انداز میں قدم بڑھائے۔ بالکل غیر ارادی طور پہ انوشے بھی اتنے ہی قدم پیچھے ہٹی تھی۔ لیکن آریان نے دو ہی قدموں میں وہ دوری مٹا دی تھی۔ وہ اس کے بے حد قریب کھڑا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے اس کے اندر کا سب حال جان لینا چاہتا ہو۔ انوشے نے گھبرا کر نظریں جھکائیں اور اس سے دور ہٹنا چاہا مگر اس نے اُسے شانوں سے تھام کر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔

انوشے نے حیرت سے آریان کے اس بدلے ہوئے روپ کو دیکھا وہ اس کی آنکھوں میں بھری حیرت اور چہرے پر جھلکتی گھبراہٹ کو نظر انداز کرتا خشک لہجے میں بولا۔

''پھر کہو......!''

سخت لہجہ، سخت گرفت، سخت انداز...... یہ آریان کا کون سا روپ ہے۔

''آ...... آریان...... کیا ہو گیا ہے تمہیں...... تم...... تم اس طرح کیوں بی ہیو کر رہے ہو؟''

وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولتی خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی...... مگر آریان کی گرفت مضبوط تھی۔

''میں نے کہا پھر بولو۔'' وہ گرجا تھا۔

''ک ک...... کیا بولوں میں......؟؟؟ آریان تم پاگل ہو گئے ہو چھوڑو مجھے۔''

''انوشے ابھی جو تم نے انکشاف کیا...... اُسے دہراؤ...... میں سننا چاہتا ہوں...... پھر سے کہو۔''

انوشے نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ حد سے زیادہ سنجیدگی سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''اوہ...... تو تم بار بار وہ سننا چاہ رہے ہو...... یوں کہو ناں...... اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی خوامخواہ...... میری تو روح ہی فنا ہو گئی تھی۔''

انوشے کو لگا وہ شرارت کے موڈ میں ہے سو وہ بھی ساری گھبراہٹ کو ایک سائیڈ پر رکھ کر شوخ لہجے میں بولی۔

''مجھے آریان سے محبت ہو گئی ہے۔ I love Aaryaan...... کچھ دیر پہلے میں نے یہ ہی......''

انوشے کو اپنی بات ادھوری چھوڑنا پڑی کیونکہ اس کے بازوؤں پر آریان کی گرفت مزید سخت ہو گئی تھی۔

''تمہیں...... تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟؟؟''

وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے وہ اس سے سرزد ہو جانے والے کسی بہت ہی بڑے گناہ کا اعتراف مانگ رہا ہو۔

”ہاں……ظاہر ہے……ایک تم ہی تو آریان ہو جسے میں جانتی ہوں اور محبت بھی تم سے ہی……“

”شٹ اپ……جسٹ شٹ اپ انوشے“

آریان نے اس کی بات پوری سنے بنا ہی چلاتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تو وہ لڑکھڑا گئی۔ اسے یقین کرنا پڑا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔ وہ سیریس تھا بہت زیادہ سیریس۔ غصے کو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔ جبکہ مشی سفید پڑتے چہرے کے ساتھ ساکت کھڑی بس ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تب سے اب تک ایک لفظ بھی نہ بولی تھی……اور نہ ہی وہ آریان کے اس عجیب و غریب انداز پر اس طرح حیران ہوئی تھی جیسے انوشے ہو رہی تھی۔

”مشی……آریان……یہ اچانک تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟“

انوشے کو مشی کی خاموشی اور آریان کی غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

”انوشے……تم……تم مجھ سے کیسے محبت کر سکتی ہو……؟“

آریان نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اتنی سخت لہجے میں کہا تھا۔

”We are just friends. اور ہمیں دوست ہی رہنا چاہئے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے……“

چند لمحوں کے وقفے کے بعد آریان پھر بولا مگر اب کی بار اس کی آواز دھیمی اور شکست خوردہ تھی اور الفاظ بھی جیسے بے روح سے تھے۔ آریان کے لہجے میں کچھ تو تھا جس نے انوشے کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ کافی دیر سنجیدگی سے آریان کو دیکھتی رہی جو جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بہت مضطرب سا کھڑا تھا۔ انوشے کو جیسے سارا معاملہ سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اسے لگا تھا کہ وہ اس کے چڑ کر دیے گئے جواب کو سمجھ گیا ہے اور اب اس کے ساتھ مذاق میں شامل ہو کر مشی کو ستا رہا ہے……پر حقیقت تو یہ تھی کہ مشی کی طرح وہ بھی اس کے مذاق کو سچ ہی سمجھا تھا۔

”Of cource we are friends. اور ہم ہمیشہ دوست رہیں گے آریان…… I was joking……مجھے لگا تم بھی شرارت کے موڈ میں ہو……اور میرے ساتھ مل کر مشی کو تنگ کر رہے ہو۔“

آریان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نجانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں، انوشے نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔ اسے اپنے مذاق کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ I am sorry Aaryaan… [illegible]aly sorry!!! تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

آریان بے یقینی سے [illegible] دیکھتا رہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”تم جانتی ہی ہو ناں یہ مشی کی بچی پوری بات سنے بنا ہی نتیجے اخذ کر لیتی ہے۔ اس کے سوالات سے عاجز آ کر چڑ کر کہہ دیا میں نے……اب تم خود ہی سوچو……میں نے کہا کہ مجھے مر سے محبت نہیں ہوئی تو بھلا اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ مجھے کسی اور سے محبت ہوئی ہے……In fact میں تو تم دونوں کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ مجھے ابھی تک کسی سے بھی پیار نہیں ہوا……اکھ سوچنے پر بھی مر سے محبت نہیں کر پائی……میں تو اس پیار محبت کی فیلنگز سے انجان ہوں بالکل……مجھے نہیں پتا پیار ہو جانے پر انسان کیا محسوس کرتا ہے۔ کیسا لگتا ہے جب اسے کوئی پسند آ جاتا ہے……یہی بات جب میں نے مر سے کہی تو وہ بولے کہ زندگی کے سفر میں ساتھ چلیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی……اور سچ تو یہ ہے کہ میں ان کی اس بات سے متفق ہوں……اور اسی لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مما بابا کو اپنی طرف سے گرین سگنل دے دوں……انہیں مر پسند ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں……شادی تو کرنی ہی ہے…… محبت اگر اب نہیں ہوئی تو بعد میں ہو جائے گی، سمپل۔“

انوشے نے ہلکے پھلکے انداز میں اپنی بات مکمل کر کے ان دونوں کو دیکھا……جو اب نظریں برف پر گاڑے نہایت سنجیدہ اور خاموش کھڑے تھے۔

”آریان معاف کر دو ناں پلیز……مجھے لگا تھا تم سمجھ جاؤ گے کہ میں مذاق میں کہہ رہی ہوں……پر مجھے کیا پتا تھا کہ میں اتنی اچھی ایکٹرس ثابت ہوں گی کہ میرے اپنے بہت اچھے دوست ہی میرے مذاق کو اس حد تک سیریس لے لیں گے۔

“It was just for fun“

انوشے پوری کوشش کر رہی تھی اس غلط فہمی کو دور کرنے کی۔

“Just for fun...???“

آریان ایکدم ہی چلایا تھا۔

”یہ سب جسٹ فار فن تھا انوشے……؟؟؟“

انوشے نے دیکھا وہ واقعی بہت زیادہ اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

”ہاں آریان یہ سب مذاق ہی تھا……مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم ہرٹ ہو گے۔ تم میرے بہت اچھے دوست ہو اور ہماری اس دوستی کو لے کر تمہاری فیلنگز کو میں جانتی ہوں، میں قدر کرتی ہوں اس رشتہ کی، میں جانتی ہوں سب کہ……“

”نہیں……تم کچھ نہیں جانتیں۔“

آریان اس کی بات کاٹتے ہوئے الجھے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''جھوٹ کہتی ہو تم...... تم نہیں جانتی کچھ بھی انوشے...... نہ مجھے، نہ میری فیلنگز کو۔ تمہارے مذاق سے مجھ پر کیا گزری تم نہیں جانتی...... میں جان ہی نہیں سکتی...... اور...... اور اگر یہ واقعی مذاق تھا تو بہت گھٹیا تھا...... ایسا مذاق پھر کبھی مت کرنا۔''

آریان عجیب سے انداز میں کہتا وہاں سے چل دیا۔ جبکہ انوشے زدم زدم حیرت میں ڈوبی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ وہ اس کے الفاظ میں چھپے گہرے مفہوم کو باوجود کوشش کے بھی سمجھ نہ پائی تھی۔

''ارے...... یہ کیا کہہ گیا ہے......؟ ایسے تو آریان نے پہلے کبھی بھی ری ایکٹ نہیں کیا۔''

''تم نے بھی تو ایسا مذاق پہلے کبھی نہیں کیا۔''

کب سے خاموش کھڑی مشی سنجیدگی سے بولی تھی۔ انوشے نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''میرا مطلب ہے کہ تم نے اس طرح وہ سب کہا کہ ایک لمحہ کے لئے تو مجھے بھی یہی لگا کہ سچ میں تمہیں آریان سے محبت ہو گئی ہے۔''

مشی کی وضاحت پر انوشے مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو مان گئے ناں مجھے اور میری ایکٹنگ کو؟''

''آریان ناراض ہو کر گیا ہے اور تمہیں اب بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔''

مشی نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

''اس کی فکر مت کرو...... اسے منا لوں گی میں...... بہت اچھا ہے ہمارا دوست، مان جائے گا۔''

''انوشے تم نے انجانے میں ہی سہی پر بہت زیادتی کر ڈالی آج بہت ہرٹ ہوا ہے وہ۔''

مشی نے آنکھوں میں نمی لیے دکھی لہجے میں کہا۔

''جانتی ہوں مشی...... آج جتنا دکھی میں نے آریان کو کیا ہے شاید اس کا ازالہ میں کبھی بھی نہ کر پاؤں...... لیکن یہ تو ثابت ہو گیا کہ میرے دونوں دوست انمول ہیں۔''

انوشے نے بھی نم آنکھوں کے ساتھ کہا اور مشی کو گلے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

****

رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے وہ دن چڑھے تک سوتا رہا...... اسے کسی نے اٹھایا بھی نہ تھا مبادا اس کی نیند میں خلل پڑنے کا خدشہ ہو۔ گھر میں کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی...... وہ کچھ دیر ویسے ہی لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر باہر آ گیا۔

''گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے۔''

برآمدے میں بھی کوئی نہ تھا اس نے ایک کے بعد ایک سارے کمرے دیکھ لیے۔

''سب گھر والے کہاں چلے گئے۔''

وہ حیران سا سوچ رہا تھا۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے اور سورج کی دھوپ پورے صحن اور برآمدے میں پھیل چکی تھی۔ کچھ سوچ کر وہ کچن میں آیا۔ وہ بھی کسی ذی روح کی موجودگی سے محروم تھا البتہ ہر چیز کٹی ہوئی اور چمک رہی تھی...... فرش ابھی گیلا تھا۔ یعنی کچھ دیر پہلے ہی دھویا گیا تھا اور دھونے والی حنا ہی ہو سکتی تھی۔

''مگر وہ ہے کہاں...... اور باقی افراد بھی نجانے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔''

اس نے پُرسوچ انداز میں قدم باہر کے دروازے کی طرف بڑھائے۔ لکڑی کا بڑا سا دروازہ جو اس پورشن کو باقی چچاؤں کے پورشنز سے الگ کرتا تھا اندر سے مقفل زدہ تھا۔

''اس کا مطلب ہے گھر میں کوئی تو موجود ہے مگر کہاں......؟''

وہ بڑا سا صحن عبور کرتا سیڑھیوں کی طرف چلا آیا...... اس نے آدھی سیڑھیاں عبور کی تھیں جب سسکیوں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ ہولے سے قدم بڑھاتا اوپر آ گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''یہاں تو کوئی بھی نہیں پھر رو کون رہا ہے۔''

کوئی بھی تو موجود نہیں تھا مگر سسکیوں کی آواز بدستور جاری تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے غور سے آواز کی سمت کا تعین کیا اور پھر اس کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں جس طرف سے یقیناً رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے بالکل دائیں طرف بڑا سا مٹی کا گملا پڑا تھا...... وہ اتنا بڑا تھا کہ ایک پورا آدمی اس کے پیچھے چھپ سکتا تھا...... وہ اس کی طرف بڑھا تو اسے کسی لڑکی کے پاؤں نظر آئے۔ پھر دو قدم آگے بڑھنے پر وہ حیرانی سے وہیں رُک گیا۔ وہ جو بھی تھی گملے سے کمر ٹکائے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔

''اوہ یہ تو حنا ہے۔''

بالوں کی لمبی چوٹی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو وہ چونک گیا۔

''حنا...... حنا بھا...... بی!''

اس نے کمزور سی آواز میں جھجکتے ہوئے اسے بلایا تھا۔ نجانے کیوں لفظ ''بھابی'' پر اس کی آواز لڑکھڑا سی گئی تھی۔ حنا نے چونک کر سر اٹھایا تو ارمغان پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے بھیگی پلکوں میں بے پناہ حیرت لیے اس نے اسے دیکھ کر فوراً ہی ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے تھے۔

''آ.....آپ رو کیوں رہی ہیں.....؟''

اس نے شاید پہلی بار کسی لڑکی کو روتے ہوئے اتنا قریب سے دیکھا تھا اور یہ تجربہ اسے کچھ پسند نہ آیا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ فوراً سے کچھ ایسا جادو کرے کہ لمحہ بھی نہ لگے اور اس لڑکی کا دکھ اور تکلیف ختم ہو جائے اور وہ کھلکھلا کر ہنس دے..... ورنہ ٹی وی پر اس نے ہزار بار لڑکیوں کو روتے دیکھا تھا اور وہ اُن کی بے وقوفی پر ہنس دیا کرتا تھا۔

''ہونہہ..... انہیں تو بس رونے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔''

وہ بات بات پر آنسو بہانے والی لڑکیوں کو ٹی وی سکرین پر دیکھ کر کوفت سے چائنیل چینج کرتے ہوئے سوچتا مگر حقیقت میں جب ایسی صورتحال سے سامنا ہوا تو اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسی طرح اس کا درد چُن لے..... تاکہ وہ دوبارہ کبھی نہ روئے۔

''بتائیں ناں کیا ہوا..... اور باقی سب کہاں ہیں.....؟''

وہ پریشانی سے بولا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تو اسے بھی اُٹھنا پڑا۔

''تائی ماں شہلا کے ساتھ بازار گئی ہیں اور زید چچا جان کے ساتھ کھیتوں پر..... وہ بارہ بجے تک آ جائے گا..... آپ کو لینے کے لئے۔ صبح آپ سو رہے تھے تو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔''

وہ نظریں جھکائے بتاتے ہوئے اس کے سوال کا اصل مقصد بہت صفائی سے نظر انداز کر گئی تھی۔

''لیکن بھابی..... آپ رو کیوں رہی تھیں؟''

وہ ابھی بھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔

''میں آپ کے لئے ناشتہ بناتی ہوں آپ نیچے آ جائیں۔''

وہ اتنا کہہ کر نیچے چلی گئی تھی۔ وہ بھی اُلجھا ہوا سا اس کے پیچھے چلا گیا۔

''کمال ہیں بوا بھی..... کل مجھے کچن میں حنا کے ساتھ دیکھ کر وہ بھڑک گئی تھیں اور اب اتنے بڑے گھر میں اکیلے چھوڑ گئی ہیں..... آخر ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی بازار جانے کی جو وہ آج کا دن جانا پوسٹ پون نہ کر سکتی تھیں۔''

''صبح چلی جاتیں جب میں اپنے کام کے سلسلے میں باہر چلا جاتا۔''

صبح سے اس نے کام کا آغاز کرنا تھا جس سلسلے میں وہ اس شہر آیا تھا۔

حنا سرخ چہرے کے ساتھ اس کے سامنے ناشتہ لگا رہی تھی..... اس کی پلکیں ابھی بھی نم تھیں۔

''سنیں حنا۔''

وہ جانے کو تھا ارمغان نے اسے بلایا تھا۔

''جی کچھ چاہیے؟''

اُس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آپ رو کیوں رہی تھیں.....؟''

وہ اس کی بات نظر انداز کرتا ہوا بولا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔

''میں جانتا ہوں یہ آپ کا پرسنل معاملہ ہے مگر میں خود کو روک نہیں پا رہا..... آپ کے آنسوؤں نے مجھے ڈسٹرب کر دیا ہے..... میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آئے۔''

حنا نے آنکھوں میں ذرا آنے والی نمی کو بمشکل پیچھے دھکیلا تھا۔

''کچھ نہیں ارمغان بھائی..... میری معمولی معمولی بات پر رونے کی عادت ہے..... آپ پریشان نہ ہوں۔ ناشتہ کر لیں۔ زید آپ کو لینے آتا ہی ہوگا۔''

وہ کہتے ہی وہاں سے چلی آئی۔ زید گھنٹہ بھر بعد میں آیا تھا..... ارمغان جو ٹی وی لگائے وقت گزاری کر رہا تھا اسے دیکھ کر کھل اُٹھا۔

''کیا یار مجھے یہاں بلا کر خود سب گھر والے غائب ہو گئے۔ اس سے اچھا تو ہوٹل میں رہ جاتا کم از کم یہ احساس تو نہ ہوتا کہ سب مجھے اکیلا چھوڑ گئے ہیں..... کب سے اس کمرے میں'' بے چارے ''ٹی وی کے ساتھ'' بے چارہ میں'' بور ہو رہا ہوں۔ کوئی پاس ہی نہیں آیا جیسے مجھے اچھوت کی کوئی بیماری لاحق ہے۔''

''اللہ نہ کرے ارمغان بھائی۔''

اس کے شکوے بھرے انداز پر ہول کر زید نے اسے ٹوکا تھا۔

''آپ کو سوتے میں اُٹھایا نہیں..... سوچا تھا جب تک آپ اُٹھیں گے میں جلدی لوٹ آؤں گا مگر ہمارے گھر والے..... کسی کے نیک خیالات پورے ہونے ہی نہیں دیتے۔'' زید کے لہجے میں چھپی افسردگی کا تاثر ارمغان کے نوٹس میں آ گیا تھا۔

''کیوں..... کیا ہوا؟''

بلآخر اس نے پوچھا تھا۔

''وہی..... جو ہوتا آیا ہے آج تک۔ خیر آپ یہ بتائیں کہ بھابی تو گھر پر ہی تھیں۔ آپ ان سے گپ شپ لگاتے..... اگر ذرا بھی بور ہوتے تو مجھے پکڑ لیتے..... ایمان سے بڑی پیاری ہیں میری بھابی اور باتیں بھی بالکل دیسی ہی کرتی ہیں پیاری پیاری۔''

"تم سے کرتی ہوں گی..... مجھے تو گھاس نہیں ڈالی۔"

ارمغان نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔ زید ٹی وی بند کرتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"ارے..... تو آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا..... ابھی پوچھتا ہوں بھابی سے کہ آپ کو ابھی تک بھوکا رکھا ہوا ہے۔"

زید نے شرارت سے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"زید کھانا کھاؤ گے.....؟"

حنا نے کمرے کے دروازے پر رک کر پوچھا تھا..... وہ ابھی بھی بجھی بجھی سی تھی۔

"نہیں بھابی..... بھوک نہیں ہے..... آپ آئیں ناں اندر..... ہمارے پاس آ کر بیٹھیں۔"

زید نے اسے آفر کی تھی۔

"اچھا..... میں چائے بنا لاؤں۔"

وہ وہیں سے واپس ہو لی تھی۔

"مجھے بہت غصہ آتا ہے تبریز بھائی پر مگر میرا بس نہیں چلتا ورنہ ٹھیک کر کے رکھ دوں سب کے سب کو....."

حنا کے جانے کے بعد زید نے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر مارتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا ہوا ہے..... پھر کوئی نئی بات ہو گئی.....؟

صبح جب میں اٹھا تو حنا رو رہی تھیں..... میں نے پوچھا بھی مگر وہ ٹال گئیں۔"

ارمغان نے اسے بتایا۔

"صبح تبریز بھائی آ گئے تھے۔"

زید نے آہستہ سے بتایا۔

"تو اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے۔"

ارمغان نے اچنبھے سے دریافت کیا تھا۔ زید بے اختیار مسکرا دیا۔

"رونے والی بات ابھی میں نے بتائی ہی نہیں۔"

"اچھا۔"

ارمغان اپنی جلد بازی پر خجل سا ہوا۔

"ایکچوئلی..... تبریز بھائی وہاں سے بھابی کے لئے گولڈ کے کنگن لائے تھے..... شادی کے بعد پہلی بار وہ بھابی کے لئے کوئی گفٹ لائے ہیں..... مگر وہ امی کو دکھا بیٹھے..... بس امی نے تو اچھی

خاصی جھاڑ پلا دی فوراً ہی۔

بیوی کو سونے سے لاد دو..... بہن کا خیال نہ کرنا کہ کل کلاں اس کی شادی کرنی ہے اسے بھی تو زیور کی ضرورت پڑے گی..... یہ کنگن تو میں شہلا کے لئے رکھوں گی..... حنا پہن کر کیا کرے گی جہاں آنا تھا آ چکی..... بہن کو دو گے تو اس کا بھلا ہو جائے گا..... وغیرہ وغیرہ۔

آدھے گھنٹے کی تقریر سننے کے بعد جب تبریز بھائی بولے تو امی کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا لاڈلا اور فرمانبردار بیٹا قائل ہو گیا ہو گا مگر یہ ان کی خام خیالی ہی تھی..... بھائی نے کہا کہ وہ یہ کنگن حنا کے لئے لائے ہیں اور وہی پہنے گی..... شہلا کے لئے وہ نئے بنوا دیں گے۔ انہوں نے امی سے کنگن لے کر بھابی کو دے دیے..... تب تو امی خاموش ہو گئیں مگر بعد میں نجانے کیا کہہ کر وہ کنگن انہوں نے بھابی سے لے لیے..... اور تبریز بھائی، بھابی سے ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے..... ابھی تک نہیں لوٹے..... ان کے جاتے ہی امی شروع ہو گئیں بھابی کو برا بھلا کہنے کہ وہ بھائی کو انگلیوں پر نچا رہی ہے..... ماں باپ سے دور کر رہی ہے اور نجانے کیا کیا..... مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں بھابی کی حمایت میں بول پڑا۔ امی کی توپوں کا رخ میری طرف ہو گیا تو میں بھابی کو بعد میں آنے کا اشارہ کرتا گھر سے نکل گیا۔ ابھی آ رہا ہوں تو پتا چلا کہ امی اور شہلا تبھی بازار چلی گئی تھیں اور ابھی تک نہیں لوٹیں۔"

زید کو خاموش ہونا پڑا۔ حنا چائے لیے چلی آ رہی تھی۔ ارمغان بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بھابی اپنے چھوٹے دیور کی تو بڑی خدمتیں کرتی ہیں مگر ایک ہم ہیں..... مہمان ہونے کے باوجود اس شرف سے محروم ہیں۔"

ارمغان نے بلا کی بے چارگی چہرے پر سجاتے ہوئے کہا تھا، حنا بے اختیار مسکرا دی۔

"بھابی سے بنا کر رکھنی پڑتی ہے..... آخر کل کلاں دیورانی بھی تو انہی نے لانی ہے۔"

زید نے کالر اکڑاتے ہوئے کہا تو حنا ہنس دی۔

"ہاں یہ تو لالچ میں یہ سب کرتا کراتا ہے..... اگر آپ کو بھی خواہش ہے تو بندی حاضر ہے..... اور آج سے ہی ایک کی بجائے دو عدد دیورانیاں ڈھونڈنے کے کام کا آغاز کر دے گی۔"

حنا نے ارمغان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ قہقہہ لگا اٹھا..... وہ وقتی طور پر ساری پریشانیوں سے نکل آئی تھی..... زید سے وہ جب بھی بات کرتی وہ اپنی شرارتوں بھری نوک جھوک سے اسے ہنساتا رہتا تھا اور آج تو ارمغان بھی اس سے دو ہاتھ آگے کھڑا تھا۔

"اب چائے پی لو..... ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

حنا نے اُن کی توجہ چائے کی طرف مبذول کرائی۔

''ویسے بھابی..... ایک بات تو بتائیں..... امی نے آپ سے وہ کنگن کیا کہہ کر وصول کیے؟''

چائے میں سے اُٹھتی بھاپ کے اُس پار حنا کو دیکھتے ہوئے زید نے اچانک سوال کیا تو وہ جو ارمغان کو کپ پکڑا رہی تھی گڑبڑا گئی۔

''چھوڑو، اس ٹاپک کو مت لے کر بیٹھ جانا اب..... وہ ماں ہیں اور تبریز کی کمائی پر سب سے زیادہ حق انہی کا ہے۔''

حنا نے اِسے ٹالا تھا اور اپنا کپ اُٹھالیا۔

''اور آپ کا کوئی حق نہیں ہے جس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔''

زید دوبدو بولا تھا۔ وہ خاموش رہی۔ ارمغان کے سامنے اسے اس موضوع پر بولنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''بولیں بھابی آپ چپ کیوں ہیں۔''

زید نے اسی لہجے میں کہا تھا۔

''زید ضد مت کیا کرو۔ اور ضروری ہے کہ ہم اسی وقت اس بات پر اُلجھیں۔''

حنا نے سخت لہجے میں اِسے ٹوکا تھا۔ ارمغان خاموشی سے چائے پینے میں مصروف رہا..... اُس نے درمیان میں بولنا مناسب نہ سمجھا تھا حالانکہ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی حنا سے سچائی دریافت کرے۔

''ٹھیک ہے..... بالکل بھی ضروری نہیں ہے..... میں بھائی کو بتا دوں گا کہ امی نے خود آپ سے کنگن لے لیے ہیں نا کہ آپ نے دیے ہیں۔''

زید کہہ کر مزے سے چائے پینے لگا۔

''نہیں تم ایسا کچھ بھی تبریز سے نہیں کہو گے..... خواہ مخواہ وہ تائی ماں سے بدظن ہو جائیں گے۔''

اس نے فوراً کہا

''ایک شرط پر۔''

زید نے اپنی کامیابی پر مسکرا کر کہا۔

''اگر آپ مجھے سچائی سے آگاہ کر دیں تو.....''

حنا نے بے چارگی سے اِسے دیکھا۔ وہ جانتی تھی وہ صرف خالی خولی بات ہی نہیں کر رہا وہ واقعی تبریز سے یہ بات کر دے گا اور تبریز تائی ماں سے اُلجھنے کی بجائے زید ہی کو سنائے گا۔ نتیجہ دونوں بھائیوں کی بحث، تکرار..... تائی ماں کے کوسنے دوگنی رفتار سے اسے اپنی سمت آتے

ابھی سے دکھائی دینے لگے تھے۔

''تائی ماں نے بالکل ویسے ہی کنگن شہلا کے لئے بنوانے تھے اس لیے بطور سیمپل وہ انہیں سنار کو دکھانے کے لئے لے کر گئی ہیں..... اس میں کیا حرج ہے بھلا..... تبریز نجانے کیا سمجھے ہیں..... تم تو جانتے ہو اپنے بھائی کو..... پوری بات جانے بنا غصہ کرنے لگتے ہیں..... وہ آئیں گے تو میں سمجھا دوں گی انہیں مگر تم اُن سے اس سلسلے میں کوئی بات مت کرنا۔''

''لیکن بھابی۔''

زید کے متحیر لہجے نے حنا کو پل بھر کو چونکایا ضرور مگر اُس نے اپنی حسیات کا دھوکہ جان کر نظر انداز کرتے ہوئے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

''آپ جانتی بھی ہیں کہ امی نے تبریز بھائی سے کیا کہا ہے.....؟''

زید نے اس کے پُرسکون لہجے اور انداز پر چڑ کر سوال کیا تھا۔ حنا نے ایک نظر خاموشی سے چائے پیتے ارمغان پر ڈالی جو خود کو اس ساری گفتگو سے لاتعلق ظاہر کیے ہوئے تھا مگر وہ جانتی تھی وہ ضرور انہی کی طرف متوجہ ہے اور اس کا ذہن کیلکولیشن میں مصروف ہے کہ کون صحیح اور کون غلط ہے..... جو بھی ہو وہ اس گھر کا مہمان تھا چاہے کتنا ہی خاص مگر ان کے نہایت پرسنل سے ایشو کو اس کے سامنے ڈسکس کرنا حنا کو معیوب لگ رہا تھا اور یہ زید نجانے کیوں ارمغان کی موجودگی کو فراموش کیے بیٹھا ہے۔

''مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

حنا نے لاپرواہ بنتے ہوئے سکون سے کہا مگر اس کا یہ سکون کچھ زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ زید کہہ رہا تھا۔

''آپ کو ضرورت ہے بھابی..... اندھا اعتماد انسان کو برباد کر دیتا ہے اور آپ انجانے میں خود ہی اپنی بربادی کا سامان کر چکی ہیں..... امی نے تبریز بھائی سے کہا ہے کہ حنا نے یہ کنگن واپس کر دیے ہیں کیونکہ اُسے پسند نہیں آئے..... تمہیں واپس کرتی تو تم بُرا مان جاتے اسی لیے مجھے دے گئی ہے۔''

زید نے سپاٹ لہجے میں کپ کو گھورتے ہوئے معمول کے لہجے میں بتایا تھا جبکہ حنا کے ہاتھ میں پکڑا کپ لرز اُٹھا..... اس نے اُسے ٹرے میں رکھا اور کمزور لہجے میں بولی۔

''نہیں زید..... تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے..... تائی ماں تبریز سے جھوٹ کیوں کہیں گی.....؟''

''میں نے جو سنا وہ بتا دیا..... آگے آپ کی مرضی یقین کریں یا اندھوں کی تقلید میں اپنی آنکھیں بند کیے کنویں میں جا گریں۔''

زید نے حیرت سے اپنی طرف بڑھتی حنا سے کہا تھا۔ وہ چند ثانیے متحیر سی وہاں بیٹھی رہی جیسے حقیقت کو بدل دینا چاہتی ہو مگر سانس روک لینے سے وہ سب بدل تو نہیں جائے گا جو ہو چکا تھا۔ اس نے بے چارگی سے اپنی سونی کلائی کو دیکھا جس میں صبح ہی تبریز نے اپنے ہاتھوں سے کنگن پہنائے تھے۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھابی آپ کی چائے۔''

ارمغان نے اسے پیچھے سے آواز دی مگر وہ سنی اَن سنی کرتی وہاں سے نکل آئی۔ دل بوجھل تو پہلے ہی تھا۔ اتنا بڑا انکشاف مزید بوجھ بڑھا گیا تھا۔ اب وہ کس طرح تبریز کو بتائے گی کہ سچائی وہ نہیں جو اسے بتائی گئی ہے۔ اور اگر بتا بھی دے تو کیا وہ یقین کر لے گا.....؟ یقیناً نہیں..... اُس شخص نے شدت سے محبت تو کر لی مگر اتنی ہی شدت سے وہ اس پر اعتماد نہیں کر سکا..... کبھی تو وہ اس کے احساسات کو بھی اہمیت دیتا، کبھی تو اس کے ننھے سے دل کے لئے کسی خوشی کا سامان کرتا..... جتنی سچائی سے وہ اس پر اپنی محبتوں کو نچھاور کرتا ہے کاش کبھی اس پر اس کا بیسواں حصہ ہی سہی لیکن اعتماد بھی ظاہر کرتا..... تب دیکھتا وہ کیسے اس کے اعتماد کو قائم رکھنے کے لئے دل و جان سے قربان ہو جاتی..... خیر قربان تو وہ اب بھی ہو ہی رہی تھی مگر کتنا ہی اچھا ہوتا جب وہ یہ قربانی اپنی خوشی سے دیتی۔ آنسو اس کے تکیے کو بھگو رہے تھے اور اس کا دماغ بہت ساری سوچوں کی آماجگاہ بنا اس کے نازک سے دل کو مستقبل کے خدشات اور آثار سے ڈرا رہا تھا۔

****

''تبریز میری بات تو سنیں میں نے وہ کنگن.....''

''کچھ نہیں سننا مجھے..... تمہیں میں پسند ہوں نہ ہی میری دی ہوئی کوئی چیز..... اس گھر میں، میری زندگی میں تم مجبوری کے تحت موجود ہو..... کوئی دلی لگاؤ نہیں ہے تمہیں مجھ سے اور نہ ہی میرے گھر سے۔''

وہ غصے سے آتش فشاں بنا ہوا تھا..... سب شام کا کھانا کھا چکے تھے جب وہ گھر آیا اور آتے ہی اپنے کمرے کی راہ لی تھی..... حنا بھی چپکے سے اُس کے پیچھے چلی آئی..... مگر یہاں صورتحال کافی سے زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔

''تبریز میں اس شادی کے خلاف ضرور تھی مگر آپ یقین کیجئے اب جبکہ میرا رشتہ آپ سے جڑ گیا

ہے تو میں پورے خلوص سے اسے نبھانا چاہتی ہوں اور نبھا رہی ہوں..... آپ اپنا ذہن اس طرف سے صاف کر لیجئے..... میرے لیے اب آپ اور یہ گھر ہی میری دنیا ہے..... میں''

''بس حنا..... میں یہ تقریر بار ہا سن چکا ہوں اور تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ یہ سب باتیں کہنے کی نہیں عمل سے ثابت کرنے کی ہیں۔''

تبریز اُکھڑے لہجے میں کہتا بیڈ پر جا بیٹھا..... حنا اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھ کر چند ثانیے اُسے دیکھتی رہی پھر نرم لہجے میں بولی۔

''اِدھر دیکھئے تبریز میری طرف، میں وہی حنا قاسم ہوں جسے آپ چاہتے تھے..... اتنا کہ اُسے پانے کے لئے آپ سب سے لڑ گئے یہاں تک کہ خود مجھ سے۔ میرے مخالف لڑ کر آپ نے مجھے جیتا..... کیا اب آپ مجھ سے ویسی محبت نہیں کرتے.....؟''

تبریز نے اسے دیکھا وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ اُس کے چونک کر دیکھنے پر بھی وہ خاموش نہ ہوئی تھی۔

''آپ کو یاد ہے شادی سے پہلے آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ''تمہاری شادی ہوگی تو صرف مجھ سے ہی ہوگی''..... تبریز جب آپ اُس وقت اتنے پُر امید اور پُر یقین تھے کہ میں صرف آپ کی ہوں اور آپ کی ہی بنوں گی تو اب جبکہ میں آپ کے نکاح میں ہوں، قانوناً اور شرعاً آپ کی کہلانے کی حقدار ہوں، میں خود، اس بات کی خواہاں ہوں کہ یہ تعلق بندھا تو کچے دھاگے کی ڈور سے ہے مگر یہ کچا دھاگہ اس قدر مضبوط ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہ پائے تو پھر کیوں اب آپ اتنے بے یقین ہیں.....؟ میرے جو دل میں ہوتا ہے، میں جو محسوس کرتی ہوں اور جو چاہتی ہوں، سب پر واضح کر دیتی ہوں اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کوشش کرتی ہوں۔ یہی میں نے شادی سے پہلے کیا اور اب بھی یہی کر رہی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب میری خواہش آپ سے شادی نہ کرنا تھی اور اب میری خواہش ہماری شادی کو بچانا ہے، آپ کی بن کر رہنا ہے۔

جب میں نے اُس وقت اکیلی ہونے کے باوجود اپنی پوری کوشش کی تھی تو اب جبکہ آپ میرے ساتھ ہیں تو میں اب کیوں اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کوشش نہ کروں۔''

حنا نے خاموش ہو کر تبریز کے کچھ کہنے کا انتظار کیا مگر جب کافی دیر تک وہ کچھ نہ بولا تو وہ دوبارہ گویا ہوئی..... اب کی بار اس کا لہجہ بڑی اُمید اور اپنائیت لیے ہوئے تھا۔

''جو ہو گیا سو گزر گیا، ہمیں آج میں جینا ہے، اپنے آنے والے کل کو سوچ کر قدم سے قدم ملا کر ایک ساتھ چلنا ہے۔ ہم نے مل کر ایک خوشیوں بھرا گھر بنانا ہے جس کی بنیاد اعتماد، بھروسہ اور محبت

ہو نہ کہ بدگمانیاں، غصہ اور شک..... آپ مجھے اس راہ پر چلا کر خود راستہ نہیں بدل سکتے۔"

حنا نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔ وقت کی چند معصوم سی گھڑیاں سرک سرک کر خاموشی کے سرد سمندر میں جا گری تھیں۔ حنا کا دل سہما ہوا تھا۔ تبریز نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لیے..... اس کی کلائی میں تبریز کا دیا ہوا بریسلیٹ جگمگا رہا تھا۔ وہ چند ثانیے اُسے، دیکھتا رہا پھر اس کی دوسری کلائی سونی دیکھی تو گہرا سانس لے کر بولا۔

"تم نے وہ کنگن ماں کو کیوں دے دیے..... اگر تمہیں اُن کا ڈیزائن پسند نہیں آیا تھا تو مجھ سے کہتی میں بدلوا دیتا۔"

اُس کے لہجے میں چھپی ہلکی سی خفگی کے تاثر نے محبت سے بھرپور جذبوں کے ساتھ مل کر حنا سے معصوم سی شکایت کی تھی۔

"مجھے معاف کر دیجئے..... اصل میں تائی امی کو یہ کنگن شہلا کے لئے بہت پسند آئے تھے تو میں نے اُنہیں دے دیئے یہ سوچ کر کہ آپ سے کہہ دوں گی جو کنگن آپ شہلا کے لئے بنوانے ڈالے ہیں وہ میرے لیے بنوالیں۔ تائی ماں انکار نہ کر دیں لینے سے اس لیے میں نے کہہ دیا کہ ان کا ڈیزائن مجھے پسند نہیں آیا..... اب مجھے کیا خبر تھی کہ آپ میرے بتانے سے پہلے ہی جان جائیں گے اور اس قدر خفا ہوں گے۔"

حنا نے بہانہ بنایا کہ وہ اسے سچائی بتاتی تو تائی اماں سے بدظن ہو جاتا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے صبح چلنا میرے ساتھ کنگن لینے....."

وہ اسے نیچے سے اُٹھا کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں..... آپ اپنی پسند سے ہی لا دیں..... آپ کی پسند بہت اعلیٰ ہے۔"

حنا نے اپنی طرف اشارہ کرتے آخری فقرہ شرارت سے کہا تو تبریز اس کی چالاکی پر ہنس دیا۔

****

چلتے چلتے آریان کی ٹانگیں سُن ہو چکی تھیں..... سردی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ برف باری اگرچہ اب تھم چکی تھی پر ہر طرف روئی کی طرح نرم برف کی چادر بچھ گئی تھی۔ رات کی آمد کا پتہ، بیتا اندھیرا ہولے ہولے ہر طرف پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے اندر بھی تو اندھیرا ہی اندھیرا اُتر چکا تھا۔ کالی سیاہ رات جیسا اندھیرا۔ جہاں صرف ایک لمحہ کے لئے چمکدار سنہری سورج نکلا تھا..... اور دل کی سرزمین پر جیسے اُجالا کھرا دن نکل آیا تھا۔ جیسے چار سُو روشنیوں کا سیلاب اُمڈ آیا

ہو..... کلیاں کھل اُٹھی تھیں اور ننھی ننھی کلیاں شگوفے بن کر مہک اُٹھی تھیں..... ہر طرف جیسے بہار نے ڈیرہ جما لیا تھا..... اور دل..... دل کسی خوبصورت جھرنے میں گرتے آبشار کی دلنشین آواز کی مانند دھڑک دھڑک کر گنگنا اُٹھا تھا..... اسے لگا جیسے اس کے اندر اُتری گہری کالی رات میں لاکھوں کروڑوں جگنو اُتر آئے ہوں مگر..... مگر یہ سب صرف ایک پل کے لئے تھا..... صرف ایک پل..... اور وہ پل تھا جب انوشے نے کہا تھا۔

"آریان سے..... مجھے آریان سے محبت ہو گئی ہے۔"

وہ کتنی آسانی سے کہہ گئی تھی اور یہی تو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا کہ مشکل سے مشکل بات بھی وہ بڑی خوبصورتی اور بڑی آسانی سے کہہ دیا کرتی تھی..... اُس نے نہایت شگفتہ لہجے میں اس کے کانوں میں جیسے رس گھولا تھا..... جبکہ وہ خود تو کئی پل سانس تک نہ لے پایا تھا۔ اور پھر اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ وہ کانپ اُٹھا..... پورے جسم میں جیسے دل ہی دل دھڑکنے لگا تھا۔ ہاتھوں میں دل، انگلیوں میں دل، ہر جگہ دل تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی چائے چھلک گئی تھی اور وہ بے یقین سا انوشے کو، دیکھ رہا تھا۔

"کیا..... کیا زندگی مجھ پر مہربان ہو گئی ہے..... کیا زندگی نے مجھے زندگی دے دی؟..... کیا محبت..... محبت میرا نصیب بن گئی..... کیا خدا نے میرا نام ان خوش نصیبوں میں لکھ دیا جو اپنا پیار پا لیتے ہیں۔"

آریان کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔ سینے میں اُچھل کود کر رہا تھا..... بچوں کی طرح معصوم سی اٹھکیلیاں کر رہا تھا..... وہ اپنے دل کی خوشی میں بے تحاشہ خوش تھا لیکن دماغ نے اسے آئینہ دکھانا ضروری سمجھا۔

"اگر انوشے کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے تو مجھے اسے روک دینا چاہئے..... اس سے پہلے کہ وہ اس راہ پر چلتے چلتے بہت دُور تک پہنچ جائے جہاں سے پھر نہ واپسی ممکن ہو اور نہ ہی وہاں سے آگے کی کوئی راہ نکلتی ہو۔"

"نہیں میں اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔ میں اُس کا پیار نہیں ٹھکرا سکتا۔ محبت میں فائدہ نقصان نہیں ہوتا صرف خلوص ہوتا ہے، چاہت ہوتی ہے..... اور مجھ سے بڑھ کر اس دنیا میں انوشے کو کون چاہ سکتا ہے..... میری یہ بے غرض، بے لوث اور معصوم محبت اُس کا حق ہے اور میں اُسے اُس کے حق سے کیسے محروم کر سکتا ہوں۔"

اس کے دل نے سہم کر دہائی دی تھی لیکن دماغ دل کی دہائی کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس

نے ایک اور دلیل پیش کی۔

"میں اپنی محبت میں خود غرض نہیں ہو سکتا...... میں کیا دے سکتا ہوں انوشے کو...... ساری زندگی پیار کے سہارے نہیں کٹ سکتی...... ہاں یہ سچ ہے کہ محبت اُس کا حق ہے...... وہ اتنی اچھی، اتنی پیاری اور اتنی معصوم ہے کہ کوئی بھی شخص اُس سے مجھ سے زیادہ محبت کر سکتا ہے۔ میں اُسے خود سے دور کر کے اپنی محبت سے محروم نہیں کر رہا بلکہ اُسے ان محبتوں کی طرف لوٹانا چاہتا ہوں جو اُس کے قابل ہیں۔"

دل، دماغ کی اس دلیل پر تڑپ اُٹھا تھا۔

"اور اُس کا دل، اُس کا پیار، اُس کی فیلنگز...... ان سب کا کیا۔ میں اسے ٹھکرا دوں گا تو اس کا محبت پر سے ہمیشہ کے لئے اعتبار اُٹھ جائے گا...... وہ ایک لڑکی ہو کر اپنی چاہت کا اظہار کر سکتی ہے تو میں کیوں چھپاؤں اپنا پیار اس سے...... مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں اُس کے دل میں محبت کے نازک سے پودے کو تناور درخت بننے سے پہلے ہی جڑ سے اُکھاڑ دوں...... وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے جس سے چاہے محبت کرے...... اور پھر اگر اُسے مجھ سے محبت ہو گئی ہے تو میں اُسے کیوں نا اُمید کروں جبکہ جواب میں میرے پاس بھی اُس کے لئے پیار کا بیش قیمت اور انمول خزانہ موجود ہے...... نہیں میں اُسے انکار نہیں کر سکتا۔ کبھی نہیں کر پاؤں گا ایسا"

"نہیں!...... مجھے ایسا کرنا پڑے گا...... انوشے کے مستقبل کے لئے...... اس کی خوشیوں کے لئے۔"

دماغ نے پھر دل کی نفی کی تھی۔

"میں اُسے کیا دے سکتا ہوں سوائے محبت کے...... پانچ بہنوں کی ذمہ داری ہے میرے سر پہ...... اُن کے فرائض بھلا کر میں سہرا سجانے چلا ہوں...... کیا منہ دکھاؤں گا اپنے مرحوم والد کو قیامت کے دن۔"

"لیکن یہ ذمہ داریاں تو انوشے کے ساتھ رہتے بھی نبھائی جا سکتی ہیں۔"

دل نے آخری بار پھر سے کوشش کی تھی۔

"یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں اپنی نام نہاد محبت کے لئے انوشے کو اپنے ساتھ ان ذمہ داریوں کی بھٹی میں جلاؤں۔"

دماغ نے دل کی آخری کوشش بھی بُری ... نا کام کر دی۔

"میرے پاس تو ڈھنگ کا ذریعہ معاش بھی نہیں ہے اور یہ بھی تو کنفرم نہیں کہ پڑھائی مکمل ہوتے ہی اچھی جاب بھی فوراً ہی مل جائے...... ایسے میں کیا کر پاؤں گا میں انوشے کے لیے...... جس

ماحول میں وہ بچپن سے رہتی آ رہی ہے وہ تمام لگژریز میں افورڈ نہیں کر سکتا...... صرف محبت ہی کافی نہیں زندگی کے لئے...... یہ بات انوشے بھی سمجھ جائے گی۔ سرکا پرپوزل مجھ سے ہزار گنا زیادہ اچھا ہے...... وہ ویل سیٹلڈ ہیں، اتنا بڑا بزنس ہے اُن کا...... ٹیچنگ تو صرف شوق کی خاطر کرتے ہیں...... انوشے کو پسند بھی کرتے ہیں...... انوشے کے گھر والوں کو بھی پسند ہیں، وہ ہر لحاظ سے اُس کے لیے پرفیکٹ ہیں۔ انوشے کا فیوچر برائٹ ہے اُن کے ساتھ...... میں اپنی وجہ سے اُسے مشکل راستہ کیوں چننے دوں...... مجھے اپنی فیلنگز چھپانی ہوں گی اُس سے...... وہ کیا سمجھتی ہے کہ وہ میرے ساتھ خوش رہ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔"

آخر کار دماغ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اسے انوشے پر غصہ آنے لگا۔

"کیوں کی اس نے مجھ جیسے انسان کے ساتھ محبت...... کیوں کر دیا اظہار...... اس کے اظہار سے مجھے کتنی تکلیف ہوئی اُسے اندازہ تک نہیں...... مجھے اسے روکنا ہوگا۔ جو فیصلہ میں نے لیا ہے وہی ٹھیک ہے۔"

اس نے دل کی دہائیاں نظر انداز کر دی تھیں...... خود سے لڑتے لڑتے اور اپنی فیلنگز کو قابو کرتے کرتے وہ بے حال تھا۔ اور خود پر قابو پاتا بھی کیسے وہ دشمنِ جاں بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے محاذِ محبت پر ڈٹی ہوئی تھی اور اس کا اقرار آریان کی ہمت سے کھڑی کی ہوئی ضبط کی چار دیواری کو ریزہ ریزہ کر کے مٹی کا ڈھیر بنا رہا تھا۔ وہ بے بس تھا بہت ہی زیادہ بے بس...... دل تو چاہ رہا تھا بڑھ کر اسے خود میں سما لے اور سب بھول جائے۔ اس کے اور اپنے اسٹیٹس کا فرق، اپنی بے بسی، اپنی ذمہ داریاں، اپنی بے چینیاں، جدائی کا خوف اور پھر دوبارہ کبھی نہ مل سکنے کا خوف، سب کچھ بھلا دے اپنا...... وہ اپنا سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا کیونکہ انوشے اور انوشے سے جڑی کوئی بھی بات یا کوئی بھی لمحہ بھلانا اس کے اختیار سے باہر تھا...... مگر وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر پایا تھا...... وہ ایک حقیقت پسند انسان تھا۔ خواب تو دیکھتا تھا کیونکہ ان پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا پر وہ خوابوں میں رہتا نہیں تھا...... فیصلہ مشکل تھا، گھڑی کٹھن تھی... ایک طرف دل تھا، جان سے بڑھ کر پیاری اور عزیز یہ نازک سی لڑکی تھی جس کی محبت سے آریان نے پہلی بار دل کی سرزمین کو سیراب کیا تھا، جس کے دم سے اسے دنیا رنگین لگا کرتی تھی اور جس سے دوری کا سوچ کر ہی اس کی سانسیں اکھڑنے لگتی تھیں...... اس کا سکون، اس کی نیند اور اس کے معصوم ان چھوئے جذبات تھے اور دوسری طرف اس کا دماغ تھا، اس کی فیملی تھی، اس کی بیوہ ماں کی اتنے سالوں کی ریاضت تھی۔ اس کی بہنوں کی امیدوں بھرے مستقبل کی ڈور تھی۔ اس کی ذمہ داریاں،

اس کے فرائض تھے۔ اس نے اپنے سکون، اپنی نیند، اپنی محبت کے بدلے قسمت سے اپنی بہنوں کے روشن مستقبل اور ماں کی مسکراہٹ کا سودا کر لیا تھا اور بہت خاموشی سے اپنی چاہت، اپنے پیار سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا..... وہ یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ اپنے حقوق سے زیادہ اس کے لیے اپنے فرائض اہم ہیں..... وہ اگر آج کمزور پڑ گیا اور فیصلہ نہ کر پایا تو پھر شاید کبھی نہ کر پائے گا۔ وہ مصمم ارادہ کر چکا تھا مگر قدرت نے ابھی کچھ اور زخم بھی اس کے حصے میں ڈال رکھے تھے جنہیں بہرحال اسے برداشت کرنا ہی تھا۔

انوشے نے کہا وہ مذاق کر رہی تھی۔ یہ سنتے ہی اس کے دل کی سرزمین جیسے زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی۔ اس کے شیشے جیسے شفاف خوابوں کا محل چھناکے سے زمین بوس ہوا تھا۔ چمکدار سنہری سورج جیسے ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا تھا۔ سارے جگنو جیسے اپنی روشنی کھو چکے تھے۔ ننھی کلیاں شگوفہ بننے سے پہلے ہی مرجھا گئی تھیں۔ خوبصورت پیار کا موسم پل بھر میں ہی ایسی خزاں میں بدل گیا تھا جس کے بعد کبھی بہار آنے کی اُمید ہی نہ بچی تھی..... سارے چراغ بجھ گئے اور دل گہرے کالے اندھیروں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا سہم کر جیسے ختم سا گیا تھا۔ آنکھوں میں درد لہو بن کر اُتر آیا تھا۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ دل کی دہائیاں اس سے برداشت نہ ہو رہی تھیں۔

''ان چند لمحوں کے کھیل نے میری پوری کی پوری دنیا اتھل پتھل کر کے رکھ دی اور وہ کتنی آسانی سے کہہ گئی کہ یہ سب مذاق تھا۔''

وہ بے یقینی سے بُت بنا بس اُس کے ہلتے گلابی ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ اپنی صفائیاں پیش کر رہی تھی مگر اس کے کانوں میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ کچھ سن نہیں رہا تھا..... یا سننا نہیں چاہ رہا تھا۔ اتنی تذلیل میرے معصوم جذبوں کی..... وہ مذاق کر رہی تھی اور میں.....؟ میں نے کیا کچھ سوچ لیا..... اتنی بڑی بات، اتنی سنجیدگی سے کہہ دی اُس نے اور اب کہہ رہی ہے کہ مذاق تھا.....؟''

آریان نے خود کو نارمل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا۔

''مجھے ہر صورت انوشے سے اپنی فیلنگز چھپانی ہوں گی..... میں تو پہلے بھی اپنی محبت کو اظہار کی چادر نہیں اوڑھنے دینا چاہتا تھا لیکن اب تو ہرگز، ہرگز نہیں!''

انوشے کے الفاظ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے وہ ضبط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنے کی کوشش میں نڈھال تھا۔ وہ انوشے سے کیا کہتا جو بن پڑا تو نے مضطرب لہجے

میں منتشر الفاظ کو بمشکل جوڑ کر جملے بناتا وہ نجانے کیا کہہ کر آیا تھا اسے خبر نہ تھی۔ اس کے پاس وہ الفاظ نہیں تھے جو اس کی تکلیف کو بیان کر پاتے، اس کے دُکھ کی گہرائی کو ناپ پاتے..... اس کے دروں کی تمام تر شدتیں خود بخود اس کے لہجے میں آن سموئی تھیں..... اور وہ خونزدہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ مزید ایک پل بھی وہاں رُکا تو حقیقت چھپانا اس کے لئے محال ہو جائے گا۔ اور وہ قطعی یہ نہیں چاہتا تھا کہ انوشے اس کی محبت سے آشنا ہو جائے۔ وہ وہاں سے تو نکل آیا تھا مگر تب سے اب تک یونہی بے مقصد چل رہا تھا۔ نہ منزل کی خبر، نہ راستوں کا شعور، نہ خود کا ہوش اور نہ ہی اردگرد کی خبر۔ برف سے ڈھکی سفید پہاڑیوں پر کبھی ڈھلوان اُترا، کبھی چڑھائی چڑھا، تھک گیا تو کچھ پل بیٹھ گیا۔ دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ نہ بھوک کا احساس تھا اور نہ پیاس لگی تھی۔ دل کسی کھنڈر کی مانند ویران سا تھا۔ بس کبھی دل میں درد کی کوئی ٹیس اُٹھتی تو اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوتا۔ ویسے بھی اب اس کے زندہ ہونے کا ثبوت ایک یہی درد تو رہ گیا تھا۔ اس کا قیمتی ترین اثاثہ..... اور بچا ہی کیا تھا اس کے پاس.....؟ اس نے نہایت کرب کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان کی بے پناہ وسعتوں کو دیکھتے ہوئے اسے اپنی ذات ایک ذرے سے بھی حقیر تر محسوس ہوئی۔

''اے میرے مالک.....! میں تیرا گنہگار بندہ..... ایک ذرے جتنی اوقات نہیں میری لیکن تو نے ہمیشہ مجھے میری اوقات سے کروڑوں اربوں گنا زیادہ نوازا..... کتنے ظرف والی ذات ہے تیری..... اور میں.....؟ مجھے ایک محبت نہ ملی تو میرا یہ حال ہے۔ میں اتنی بڑی آزمائش کے قابل نہیں ہوں۔''

آریان آنکھوں میں نمی لیے پتھر پر بیٹھا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

''اے میری زندگی اور موت کے مالک.....! تو ہی تو کہتا ہے کہ تو کسی پر بھی اُس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا..... میں شکوہ نہیں کر رہا تو جانتا ہے دلوں کا حال..... اور..... اور میرے ظاہر و باطن سے مجھ سے بھی بہتر آگاہ ہے..... پھر بھی آج یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ میں فیصلہ کر چکا تھا پہلے ہی..... تو..... پھر یہ سب ہونا لازمی تھا.....؟ ایک تیری ہی ذات نظر آتی ہے جس کے سامنے میں رو سکتا ہوں، گڑگڑا سکتا ہوں، اپنا درد بیان کر سکتا ہوں۔ میں اس وقت کس کرب میں مبتلا ہوں..... میری تکلیف کو سوائے تیرے کوئی سمجھ نہیں سکتا..... میرے کرب کا اندازہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ تو نے ہی میرے دل میں انوشے کی محبت ڈالی..... تو نے ہی میرے دماغ میں درست فیصلہ کرنے کی سوچ کو پیدا کیا۔ اب تو ہی مجھے اس فیصلے پر ثابت قدم رہنے کا حوصلہ بھی دے.....

تو دلوں کے حال بہتر جاننے والا ہے..... میرے دل کو سکون عطا فرما اور انوشے کے سامنے میری دوستی کا بھرم قائم رکھنا۔"

آریان بڑی عاجزی سے اپنے مالک، اپنے اللہ کے سامنے حاضر تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر چہرے پر لڑھک آئے تھے..... مگر وہ اپنے اللہ سے اپنے درد کو بانٹنے میں اتنا محو تھا کہ اردگرد کو بالکل ہی فراموش کیے بیٹھا تھا۔

****

وہ دونوں کچن میں تھے..... تبریز کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ آج بہت دنوں بعد وہ حنا کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھا رہا تھا مگر تائی ماں سے یہ سب برداشت نہ ہوا۔

"تبریز! کھانا کھا لیا ہے بیٹا تو ذرا میرے پاس بھی آ کر بیٹھ جاؤ، تمہاری ناں تو ترس گئی تمہیں پاس بٹھا کر لاڈ کرنے کو، ہر وقت بیوی کے چونچلوں میں رہتے ہو ماں کا خیال نہیں رہتا تمہیں۔ بڑی جان ماری ان بوڑھی ہڈیوں نے تمہاری پرورش کرنے میں۔"

تائی ماں برآمدے کے تخت پر بیٹھی اونچی آواز میں مسلسل دہائیاں دے رہی تھیں۔ ماں کے لاڈلے تبریز نے کھانا اٹھایا اور ماں کے پاس تخت پر جا بیٹھا۔ حنا جو پانی لینے کے لیے اٹھی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ دکھ اسے تبریز کا تائی ماں کے پاس جانے پر نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی ناقدری کا ہوا تھا۔

"کیا تھا جو تبریز مجھے بھی کہہ دیتے کہ آؤ حنا ماں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔"

وہ پانی لے کر برآمدے میں آئی اور تبریز کو دے کر دوبارہ کچن میں آ گئی۔ رات کے برتن دھو کر اور کچن کا بکھیڑا سمیٹ کر جب وہ فارغ ہوئی تو روزانہ کی طرح 10 بج چکے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ حیران ہوئی۔ روزانہ کی طرح آج تبریز ٹی وی لگائے اس کا منتظر نہ تھا بلکہ وہ تو کمرے میں ہی موجود نہ تھا۔

"حیرت ہے تبریز ابھی تک کمرے میں نہیں آئے عموماً تو وہ کھانا کھاتے ہی بیڈ روم کا رخ کرتے ہیں تو آج.....؟"

وہ الٹے قدموں واپس آئی۔ زید کے کمرے میں جھانکا وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھنے لگا۔

"بھابی..... آپ اس وقت..... یہاں..... خیریت.....؟"

"ہاں..... تم پڑھو میں تو تبریز کو دیکھنے آئی تھی..... شاید تائی ماں کے کمرے میں ہوں میں دیکھ

لیتی ہوں۔"

وہ اس طرف چلی آئی۔ اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی مگر دروازہ بند ہونے کی وجہ سے واضح طور پر سننا مشکل تھا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں..... ویسے بھی اس نے چھپ کر سننے کی کوشش بھی نہ کی..... دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔ تبریز وہیں موجود تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ تائی ماں کے ساتھ ساتھ شہلا بھی جاگ رہی تھی۔ وہ آج تائی ماں کے کمرے میں سونے والی تھی کیونکہ تایا ابو آج کی رات زمینوں پر رکنا تھا۔ اس نے ایک اور بات جو محسوس کی وہ یہ تھی کہ اس کے آتے ہی باتوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اور ان کی جگہ بامعنی خاموشی نے لے لی تھی۔ شہلا نے اپنے منہ پر رضائی اوڑھ لی تھی۔ تائی ماں نے نظریں پھیر لی تھیں جبکہ تبریز نے تو اس کی آمد پر اس کی طرف دیکھنا بھی ضروری نہ سمجھا تھا یعنی حاظرین نے اپنے تئیں اپنے اپنے انداز میں اسے جتا دیا تھا کہ اس کی آمد انہیں ناگوار گزری ہے مگر حنا اسے صرف اپنی سمجھ کا دھوکہ جان کر آگے بڑھ آئی اور تائی ماں کی پائنتی کی طرف بیٹھتے ہوئے سب سے سلام لی۔ جواب صرف تائی ماں کی طرف سے ہی موصول ہوا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی تائی ماں..... گھٹنوں کا درد کم ہوا؟"

اس نے نرمی سے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔"

مقابل سے صرف اتنا ہی جواب آیا تھا۔

حنا نے ایک نظر بے زاری تائی ماں پر ڈالی۔

"تبریز اتنی دیر ہو گئی ہے تائی ماں کے سونے کا وقت ہے آپ کی وجہ سے وہ بھی جاگ رہی ہیں..... آیئے انہیں آرام کرنے دیجیے۔"

اس نے خاموش اور لاتعلق سے بنے بیٹھے تبریز کو مخاطب کیا تھا مگر اس کی بجائے تائی ماں فوراً بولیں۔

"ارے بہو تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں تو خوش ہوں کہ میرا بچہ میرے پاس بیٹھا ہے ورنہ جب سے شادی ہوئی ہے ماں سے دور ہوتا جا رہا ہے بن بدلن۔ تم فکر نہ کرو آ جائے گا..... اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے کسی پرائے کے پاس نہیں کہ وقت کا لحاظ کرے..... ہاں تم جا کر سونا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔"

تائی ماں نے اسے یہاں سے دفع ہونے کا سگنل دیا تھا وہ خاموشی سے اٹھ آئی۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے عشا کی نماز ادا کی اور پھر وقت گزاری کے لئے کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ دن بھر کی تھکاوٹ اور صبح جلدی اُٹھ جانے کی وجہ سے اسے اب نیند آ رہی تھی مگر وہ زبردستی خود کو جگائے ہوئے تھی۔ رات کا ایک بجنے کو تھا مگر تبریز ابھی تک کمرے میں نہ آیا تھا..... وہ بیڈ کراؤن سے کمر ٹکا کر ٹانگوں پر لحاف لیے گود میں کتاب بھرے پڑھتی پڑھتی کب نیند کی دیوی کے جھانسے میں آ گئی اسے خبر تک نہ ہوئی۔ ہوش تو تب آیا جب تبریز نے اس کی گود سے کتاب جھپٹی تھی..... حنا نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور تبریز کو دیکھ کر بیڈ سے اُتر آئی۔

''سو جاؤ!..... اُٹھ کر کھڑی کیوں ہو گئی ہو؟ یہی تو چاہتی ہو تم کہ میں کمرے میں آیا ہی نہ کروں تاکہ تمہاری نیند میں خلل نہ پڑے۔''

تبریز کے اُکھڑے لہجے اور تیر انداز الفاظ پر وہ حیران نہ ہوئی تھی وہ تائی ماں سے مل کر آ رہے تھے..... ایسا انداز تو ہونا ہی تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ پہلے تو آپ کبھی اتنی دیر تک نہیں جاگے''

اُس نے قریب آ کر ملائمت سے اس کی ماتھا چھو کر پوچھا تھا۔ وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

''دُور رہو مجھ سے تم اس وقت۔''

وہ یکدم چلایا تھا۔ حنا سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''لیکن تبریز آخر ہوا کیا ہے؟''

وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

ابھی شام کو ہی تو اتنی مشکل سے ان کا موڈ بحال کیا تھا اب دوبارہ ایسی کیا بات ہو گئی کہ!

''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟''

وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

''نہیں غلطی تو مجھ سے ہوئی ہے وہ بھی بہت بڑی۔''

وہ دوبدو بولا تھا۔

''مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔ تم اسی وقت کمرے سے چلی جاؤ۔''

تبریز نے دروازے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ حنا سُن ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

''جاؤ!..... سنا نہیں تم نے۔ میں کہہ رہا ہوں نکلو میرے کمرے سے، بلکہ کمرے سے ہی کیا میرے گھر سے بھی نکل جاؤ!.....''

وہ دھاڑا تھا۔

''رات کے اس وقت؟''

''حنا میرا سر نہ کھاؤ۔ دُور چلی جاؤ میری نظروں سے ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔''

وہ اتنے غصے سے بولا تھا کہ حنا بے بسی سے ہوٹ کاٹتی، کانپتی ٹانگوں سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس وقت اس نے یہی بہتر سمجھا تھا ورنہ تبریز زور زور سے چلا کر پورا گھر سر پر اُٹھا لیتا اور وہ اتنی رات کو کسی قسم کا تماشہ نہیں چاہتی تھی۔ خاص کر جب ایک مہمان بھی گھر میں موجود ہو..... وہ کچھ دیر کے لئے باہر آئی تھی تاکہ وقتی طور پر تبریز کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو تو وہ اس کی کوئی بات سننے پر آمادہ ہو..... کچھ کہے تھی تو اُن کے اس قدر غصے کی وجہ جان پائے۔ باہر سردی اپنے عروج پر تھی اور موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہو چکی تھیں..... آج بھی دوپہر سے ہی بادل ٹولیوں کی شکل میں اِدھر اُدھر منڈلاتے رہے تھے جیسے برسنے کے لیے جگہ کے متلاشی ہوں۔ اب ایسا لگتا تھا جیسے سب نے متفقہ رائے سے اپنی تلاش ختم کر ڈالی تھی اور آسمان پر ایک جگہ جمع ہو کر برسنے کا تہیہ کر لیا تھا..... کچھ ہی لمحوں میں کن من کن من ننھی ننھی بوندیں زمین پر ٹپکنے لگی تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل ہونے لگی..... ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بارش کی پھوار کو برآمدے تک لے آ رہے تھے۔ سردی کا احساس لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا تھا۔ حنا نے اپنا دوپٹہ اپنے گرد لپیٹ کر اس احساس کو کم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی..... اس کے لیے یہاں رکنا مشکل ہو گیا تھا۔

''میں کہاں جاؤں اس وقت، تائی ماں اور شہلا کے کمرے میں..... نہیں۔ تائی ماں ناراض ہوں گی۔''

ویسے بھی وہاں دو ہی بیڈ تھے۔ زید بھی اپنے کمرے میں تھا جبکہ ایک کمرہ جس میں شہلا سوتی تھی وہ ان دنوں ارمغان کے زیر استعمال تھا۔ ان کے علاوہ باقی کمروں کی چابیاں تائی ماں کے پاس ہوتی تھیں۔ باقی بچا برآمدہ تو یہاں صرف تخت بچھا تھا وہ بادل نخواستہ یہیں بیٹھ گئی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سیدھے یہیں آ رہے تھے جو بارش کی پھوار بھی اپنے ساتھ لے آتے۔

''یا اللہ! یہ کیسا امتحان ہے؟''

وہ آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتی بولی تھی۔

''امی ابو آپ نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا ہے..... ابو آپ کو اتنا بھروسہ تھا اپنے بھائی کی اولاد پر، اپنی بیٹی سے بھی زیادہ.....؟ دیکھئے آ کر آپ کی بیٹی اپنے گھر میں کتنی خوش ہے۔ آپ کا بھتیجا کتنا چاہتا ہے اُسے..... اسی چاہت اور انہی خوشیوں کے بھروسے پر آپ نے مجھے اس زبردستی کے رشتے میں باندھا تھا..... مجھ سے اپنی پرورش کا صلہ مانگا تھا۔ رکھ لیا میں نے آپ کی پرورش کا بھرم ابو۔ اپنا سب کچھ گنوا کر رکھ لی میں نے آپ کی عزت۔''

وہ گھٹنوں میں سر دے کر سسکی تھی۔

''کتنی پُرسکون نیند آیا کرتی تھی کبھی اپنے گھر میں اور وہ بستر کتنا نرم لگا کرتا تھا۔''

''اپنا گھر؟'' وہ چونکی تھی۔

''کیا وہ میرا گھر تھا.....؟''

اس نے جیسے خود سے سوال کیا تھا۔

''نہیں وہ میرا گھر نہیں تھا۔ امی تو کہتی تھیں تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو میکہ کبھی یاد بھی نہیں آئے گا۔''

اس نے امی کے الفاظ یاد کیے۔

''مطلب وہ میرا گھر نہیں تھا وہ تو میکہ ہے میرا.....تو.....تو پھر کیا یہ میرا گھر ہے.....؟''

''نکل جاؤ میرے کمرے سے.....کمرے سے ہی کیا میرے گھر سے بھی.....''

تبریز کا جملہ اس کی سماعتوں میں گردش کر گیا تھا۔

''نہیں یہ بھی میرا گھر نہیں ہے۔''

اس نے سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ یہ تو تبریز کا گھر ہے.....اگر یہ میرا بھی گھر ہوتا تو میں اتنی بے مایہ نہ ہوتی۔ ''کیا اپنے گھر میں انسان ایسے رہتا ہے جیسے میں یہاں زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں؟''

حنا نے جیسے خود سے سوال کیا تھا۔

''تائی ماں کہتی ہیں جب سے یہ گھر میں آئی ہے گھر کا سکون چین غارت ہو گیا ہے۔ یہ میرا گھر کیسے ہو سکتا ہے جہاں قدم قدم پر مجھے پرائی ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ جب سے میں یہاں آئی ہوں ایک رات بھی ایسی نیند نہیں آئی جیسی شادی سے پہلے آیا کرتی تھی.....اگر میں واقعی اپنے گھر میں آ گئی ہوں تو مجھے ایسا محسوس کیوں نہیں ہوتا۔''

وہ پھر سے گھٹنوں کے گرد بازو حمائل کر کے سکڑتی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

''تو پھر آخر کونسا ہے میرا گھر.....؟ میں کسے اپنا گھر کہوں؟''

وہ جیسے آج یہاں اپنا احتساب کرنے بیٹھی تھی مگر جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو اس کی سوچوں کا دھارا بدلا۔

''یا اللہ.....یہ کیسی رات ڈھلی ہے آج نجانے کیا ہوا ہے تبریز کو۔ جب میں نے اس رشتے کو قبول کر ہی لیا ہے تو پھر یہ آزمائش کیوں.....؟ کیوں ہر رات ہر دن میرے لیے ایک نیا امتحان بن کر آتا ہے۔ میں ایسا کیا کروں کہ تبریز کو میرے خلوص پر یقین آ جائے۔ اے اللہ! تُو تو سب

جاننے والا ہے۔ اس ٹوٹے رشتے کو بچا لے، میری تمام تر مشکلات اور پریشانیوں کو اپنی رحمت سے بہتری کی طرف موڑ دے۔''

وہ اللہ کے حضور گڑگڑا رہی تھی۔ بجلی اتنی زور سے کڑکی تھی کہ وہ اندر تک لرز کر رہ گئی.....اسے شروع سے ہی بجلی کے گرجنے سے بہت خوف آیا کرتا تھا مگر آج تو اس سے بھی زیادہ خوفناک حال اس کے سامنے تھا.....سردی اور خوف سے اسے اپنے ہاتھ پاؤں سُن ہو کر بے جان لگنے لگے تھے۔ وہ اپنے کمرے کی طرف گئی مگر تبریز نے شاید کمرہ اندر سے لاک کر رکھا تھا اس کی دستک پر بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ مایوس وہیں دیوار کے ساتھ کمر ٹکا کر ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی.....دوپٹے کو اس نے اپنے گرد اور سختی سے لپیٹ لیا تھا مگر وہ اس کو گرماہٹ پہنچانے اور سردی سے تحفظ دینے سے قاصر تھا۔ دوبارہ بجلی زور سے کڑکی تھی اور اس کے ساتھ ہی لائٹ آف ہو گئی.....ساتھ ہی اس کا خوف دوگنا ہو گیا۔ وہ شروع سے دو چیزوں سے خوفزدہ تھی۔ ایک بجلی کی کڑک اور دوسرا گھپ اندھیرا اور آج ان دونوں سے اس کا سامنا بڑی بے دردی سے ہوا تھا۔ اس نے مارے خوف کے آنکھیں زور سے میچ لیں۔

''ابو کیا یہ وہ خوشیاں تھیں جن کی اُمید بلکہ یقین پر آپ نے مجھے اس گھر کے مکینوں کے حوالے کیا تھا؟.....اگر آپ یہ سب دیکھ لیں تو.....نہیں! میں.....میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی.....یہ بھرم قائم ہی رہے تو بہتر ہے کہ میں سسرال میں اس قدر خوش ہوں کہ میکے کی کبھی یاد ہی نہیں آئی.....ساس سسر سے اتنا پیار ملا کہ ماں باپ کی دُوری نے کبھی پریشان نہ کیا۔ میں یہ بھرم قائم رکھوں گی جب تک ہو سکا میں آپ کو کبھی یہ احساس نہیں دلاؤں گی کہ آپ کا فیصلہ کتنا غلط تھا اور میرے خدشات کتنے درست تھے۔ یہ سب شاید میری قسمت کا لکھا تھا اور میں نے اسے قبول کیا۔''

وہ سسکیوں کو دباتی بیٹھی تھی کہ اسے اپنے قریب ہی آہٹ کا احساس ہوا۔

''مجھے اندھیرے اور بجلی کی کڑک سے ڈر لگتا ہے اس بات سے تبریز واقف ہیں۔ یقیناً وہی باہر آئے ہیں مجھے کمرے میں لے جانے کے لئے.....اتنا پیار کرتے ہیں مجھ سے کیسے زیادہ دیر تک خفا رہ سکتے ہیں۔''

حنا نے خوش ہو کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ اندھیرے میں بجلی چمکی تو اسے اپنے سامنے کھڑا تبریز نظر آیا۔ وہ خوشی سے اُٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

''شکر ہے تبریز آپ آ گئے باہر.....مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ میں جانتی تھی آپ ضرور باہر آئیں گے۔''

وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لیتے ہوئے بول رہی تھی خوف اور سردی کے مارے

کپکپاتے وجود میں اب ہچکیوں کا ارتعاش بھی نمایاں تھا۔ اچانک ہی لائٹ آ گئی تھی۔

''حنا!''

تبریز کی غصے سے کھلبلی پکار پر حنا نے چونک کر اپنا بھیگا چہرہ اٹھایا تھا اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ تبریز نہیں بلکہ ارمغان تھا۔ وہ جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی اور اپنے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑے خونخوار نگاہوں سے گھورتے تبریز کو دیکھ کر اس کی سانسیں تھمنے لگیں..... اس سے چند قدم کے فاصلے پر زید ہاتھ میں پانی کی بوتل تھامے ساکت کھڑا تھا۔

تبریز بجلی کی سی تیزی سے حنا کی طرف لپکا تھا۔ وہ اسے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس جارحانہ انداز میں اپنی طرف آتا دیکھ کر سر سے لے کر پاؤں تک کانپ کر رہ گئی..... اس سے پہلے کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ایک زور کا طمانچہ حنا کے گال کو سرخ کر گیا تھا۔ وہ پورے قدموں سے ہل گئی۔

''آخر اُتر ہی آئی تم اپنی اوقات پر۔''

تبریز کے اُلٹے ہاتھ کا ایک اور طمانچہ اس کے دوسرے گال پر پڑا تو وہ دُور جا گری۔

زید اور ارمغان بے یقینی سے ساکت کھڑے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل زید کے ہاتھ سے گر چکی تھی۔ تبریز دوبارہ حنا کی طرف بڑھا تو ارمغان کے جامد وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے تبریز کا بازو تھام کر اسے روکا۔

''تبریز میرے بھائی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ایسا کچھ نہیں تھا جو تم سمجھے ہو۔ بھابی تو.....''

''تم چھوڑ دو مجھے، اور اس بے حیا کی حمایت مت کرو۔ تم اسے نہیں جانتے۔''

تبریز نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑانا چاہا مگر ارمغان نے اسے اور سختی سے پکڑا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو تبریز!..... ٹھنڈے مزاج سے کام لو..... لڑکی پر ہاتھ اُٹھا رہے ہو..... بیوی ہے یہ تمہاری۔''

ارمغان کو اس کی ہٹ دھرمی پر شدید غصہ آ رہا تھا جسے دباتے ہوئے وہ بمشکل بولا تھا۔

''یہی تو دُکھ ہے اسے کہ یہ میری بیوی ہے۔''

تبریز جھٹکے سے بازو چھڑاتا دھاڑا تھا۔ وہ ایک بار پھر حنا کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا بازو تھام کر اسے اُٹھایا اور کھینچتا ہوا برآمدے میں لے آیا۔

''اسی وجہ سے تم خاموشی سے بنا کوئی ردِعمل ظاہر کیے باہر آ گئی تھی ناں کہ میرے کمرے سے نکال

دینے سے تو تمہیں بہرحال فائدہ ہی ہوا۔''

تبریز کی زبان زہر اُگل رہی تھی۔ حنا کا دل چاہا کاش وہ غائب ہونے پر قادر ہوتی تو فوراً یہاں سے غائب ہو جاتی۔ کم از کم اپنے ہی شوہر کے ہاتھوں اپنے کردار پر یوں کیچڑ اُچھلتا تو نہ دیکھ پاتی۔ وہ اب بھی نجانے کس طرح اس کی ذات، اس کی عزت اور خودداری کے بخیے اُدھیڑ رہا تھا۔ وہ خاک وجود لیے وہاں کھڑی تھی۔

''سب کچھ ختم ہونے والا ہے..... سب ختم ہو جائے گا سب.....''

اُس کے ذہن نے ایک ہی راگ الاپنا شروع کر دیا تھا۔ تبھی اسے اپنے گال پر ایک دہکتا انگارہ لپکتا محسوس ہوا تھا۔ تبریز نے ایک اور زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تھا وہ لڑھکتی ہوئی وہاں پڑے تخت سے ٹکرا کر نیچے گری۔ تخت کا ایک کونہ اس کے سر میں ننھا سا زخم کر گیا اور گرم گرم خون کے قطرے اسے اپنے ماتھے پر رِستے محسوس ہونے لگے تھے۔

مگر درد.....؟ وہ تو اسے محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے اپنے ماتھے سے رستے خون کو چھوا پھر وہ ہاتھ آنکھوں کے سامنے پھیلایا تو خون دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ اُسے واقعی چوٹ لگی تھی۔ خون بہہ رہا تھا مگر درد کو محسوس کرنے سے وہ خود کو قاصر پا رہی تھی۔ تبریز اسے پھر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ہونٹ صرف ہل کر رہ گئے..... وہ اسے پاؤں سے ٹھوکریں مارنے لگا تھا اور وہ اپنے بچاؤ میں کچھ بھی نہ کر رہی تھی..... ایک بے جان ربڑ کے وجود کی طرح وہ بے حس و حرکت یہ ٹھوکریں برداشت کرتی جا رہی تھی۔

''بس!''

ایک زوردار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور ساتھ ہی تبریز کا پاؤں بھی ساکت ہو گیا جو اگلی ضرب لگانے کو تیار تھا..... تبریز نے مُڑ کر دیکھا وہ زید تھا۔

''بس کریں بھائی..... بہت ہو گیا۔''

وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

''ارے کیا شور مچایا ہوا ہے اتنی رات کو تم لوگوں نے.....؟''

تائی ماں نیند سے بوجھل آنکھیں لیے کمرے سے نکلی تھیں۔ ان کے پیچھے آنکھیں ملتی شہلا بھی تھی۔ ان دونوں کو نظر انداز کرتا زید ایک مرتبہ پھر بولا تھا۔

''آج تو آپ نے حد ہی کر دی..... مجھے شرم آتی ہے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے۔ آپ تو اس لائق ہی نہیں ہیں کہ کسی لڑکی کی زندگی، اس کا ہمسفر بن کر شیئر (Share) کریں.....''

''کیا بکواس ہے یہ؟ اور یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم مجھ سے؟ بڑا بھائی ہوں تمہارا..... تمیز کے دائرے میں رہ کر اپنی چونچ کھولو.....''

تبریز نے کھولتے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔

''ہونہہ تمیز!!؟''

زید نے تمسخر اُڑایا۔

''تمیز کی بات آپ کر رہے ہیں؟ جسے اپنی بیوی کی عزت کرنا نہیں آیا وہ شخص تمیز کی بات کر رہا ہے..... آپ نے بھابی پر ہاتھ اُٹھایا کیا یہی ہے آپ کی تمیز؟''

زید نے اس کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا تھا۔

''میں نے آپ کو بھابی پر حکم چلاتے ہی دیکھا، غصہ اور ناراضگی لٹاتے ہی دیکھا، کبھی اُن کی سنی آپ نے.....؟ کبھی خود سے بھی سچائی جاننے کی کوشش کی کہ سچ کیا ہے؟ تصویر کا ایک پہلو دیکھ کر اپنی رائے قائم کر دینے والا انسان کبھی بھی تصویر کے اصل تک نہیں پہنچ سکتا۔''

زید نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تھا اور بے بسی کی انتہا کو چھوتے ہوئے اپنے ہاتھ مسلنے تھے۔

''تم غلط بیانی کر رہے ہو..... میں نے اسے اتنی شدت سے چاہا ہے مگر اس نے کبھی میری محبت کو سمجھا ہی نہیں۔''

تبریز نے زید کی نفی کی تھی۔

زید تنفر سے مسکرا دیا۔

''کیسی چاہت؟ کون سی محبت.....؟؟ کوئی حق نہیں پہنچتا ایک ایسے انسان کو محبت کرنے کا جو اپنے پیار کو تحفظ نہ دے پائے۔ صرف پا لینا ہی محبت نہیں ہوتی بلکہ اُس شخص کو عزت و وقار دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ آپ تو خود بھابی کی عزت نہیں کرتے تو آپ کے گھر والے خاک دیں گے ان کو وہ مقام جس کی وہ حق دار ہیں.....؟ آپ نے خود ان پر ہاتھ اُٹھایا تو کسی دوسرے کو کیا روکیں گے؟ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے شادی ہی کیوں کی جبکہ آپ پہلے سے آگاہ تھے کہ بھابی اس رشتے سے راضی نہیں ہیں۔ انہوں نے جھوٹ نہیں کہا تھا، بتا دیا تھا آپ کو مگر آپ نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا جسے محبت کا نام دے کر آپ نے اپنی من مانی کی..... اگر اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب سے لڑ کر ان سے شادی کی تھی تو اس شادی کو نبھانے کے لئے بھی تو لڑنا چاہئے تھا۔ بھابی شادی کے لئے راضی نہ تھیں جب اُس وقت آپ کو اس سچائی

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو اب کیوں پڑ رہا ہے..... تب حنا کو پانا اور آج اس کی محبتیں وصول کرنا آپ اپنا حق سمجھتے ہیں تو اپنے فرائض پر بھی دھیان دیجئے۔ حقوق تو سارے ازبر ہیں آپ کو فرض ایک بھی یاد نہیں۔''

زید آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ تبریز کا بازو تھام کر اس نے اشارہ کر کے اسے حنا کی طرف متوجہ کیا۔

''دیکھئے اس لڑکی کو بھائی! جس سے محبت کا آپ دعویٰ کرتے ہیں اور جسے اپنے زورِ بازو پر بیوی بنا کر لائے ہیں۔ دیکھئے کس حال کو پہنچا دیا ہے آپ کی اس so-called محبت نے اسے؟ کیا آپ پہچان سکتے ہیں کہ یہ وہی حنا ہے؟''

زید نے خون سے بھری پیشانی اور آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ فرش پر بیٹھی حنا کی طرف اس کی توجہ دلائی..... اس کی آنکھیں وحشت زدہ تھیں۔ ان میں اس وقت صرف کسی انہونی کے گھٹ جانے کے جان لیوا خدشات نظر آ رہے تھے۔ جن آنکھوں میں سہانے سپنے تیرنے چاہییں اُن میں بے بسی اور لاچاری نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا..... وہ اس وقت ایسے زرد پتے کی مانند تھی جسے سخت طوفان کی منہ زور ہوا نے درخت سے جدا کر دیا تھا اور اب اُسے دربدر کر کے راہوں میں رول رہی تھی۔ اس کا ٹھکانہ کیا ہوگا اور ہوگا بھی کہ نہیں وہ پتہ اس سے بے خبر تھا وہ تو بس بے بسی اور لاچاری سے اس آندھی میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ زید کا دل حنا کی حالت دیکھ کر کٹ کر رہ گیا۔

''چاہتے جانا تو ''خوش قسمتی'' ہوتی ہے بھائی! مگر آپ نے اس لڑکی کی ''قسمت'' کے ساتھ ''خوش'' کی جگہ ''بد'' کا لفظ لگا دیا ہے..... آپ کی محبت، محبت کی گردان الاپنے سے کیا ہوگا جب آپ نے خود اس کے احساسات، خواب، خواہشات اور خود اسے برباد کر ڈالا۔''

زید بولا تو بولتا چلا گیا جبکہ تبریز مٹھیاں بھینچے بمشکل یہ سب سن رہا تھا۔

''بھابی کو ازمغان بھائی کے گلے لگتے تو دیکھ لیا آپ نے اور یہ بھی ہم نے مانا کہ آپ نے اس کا جو مطلب لیا وہ صحیح تھا مگر میں پوچھتا ہوں آپ نے کمرے سے نکالا ہی کیوں بھابی کو.....؟ جب آپ نے انہیں کمرے سے نکال ہی دیا تو پھر وہ جہاں مرضی جس کے ساتھ مرضی ہوں اس سے آپ کو کیا.....''

''زید!''

تبریز یکدم چلایا تھا۔

"نام مت لیں میرا۔"

زید اس سے بھی اونچی آواز میں بولا۔

"اب میں نے کہا تو غیرت آ گئی آپ کو اور خود جو مرضی کہتے اور کرتے رہیں۔"

زید کا تمسخرانہ انداز تبریز کو اندر تک کھولا گیا۔

"آپ کو اپنی بیوی پر بھروسہ کیوں نہیں ہے۔ وہ لڑکی جو آپ کی کزن ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی منگیتر ہونے کے باوجود شادی سے پہلے آپ سے فون پر بھی بات نہیں کرتی تھی آج وہ آپ کی بیوی ہو کر آپ کے کزن کے ساتھ کسی قسم کا تعلق کیسے رکھ سکتی ہے.....؟"

زید نے اب کی بار لہجہ قدرے نرم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم جو دل میں آئے کہہ لو مگر میں اُسی پر یقین کرتا ہوں جو آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔"

تبریز نے اُکھڑے لہجے میں کہا تو زید کا خون کھول اُٹھا۔

"کیا دیکھا آپ نے.....؟ کاش دیکھنے کے ساتھ ساتھ سن بھی لیا ہوتا۔ بھابی ارمغان بھائی کو "آپ" سمجھی تھیں۔"

زید کو اپنے بھائی کی سمجھ پر افسوس ہوا تھا۔

"ہاں تبریز! لائٹ آف ہوئی تو زید جو کتاب پڑھ رہا تھا موم بتی لینے نکلا تو میں بھی اپنے کمرے سے نکل آیا مجھے پیاس لگ رہی تھی..... زید کچن میں میرے لیے پانی کی بوتل لینے گیا تو میں موسم دیکھنے برآمدے میں چلا آیا..... تب مجھے سسکیوں کی آواز سنائی دی تو میں خود کو اس طرف آنے سے روک نہیں پایا..... بجلی چمکی تو اُس کی روشنی میں مجھے احساس ہوا کہ بھابی وہاں بیٹھی رو رہی تھیں..... پھر اچانک وہ مجھے تبریز سمجھ کر....."

"رہنے دو ارمغان بھائی! ان کو سمجھانا پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے۔ یہ وہی کریں گے جو ان کے من کی ہوگی۔"

زید نے وضاحت کرتے شرمندگی میں ڈوبے ارمغان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دکھ سے کہا تھا۔

"بس تم تو رہنے ہی دو زید!"

تبریز نے چڑ کر کہا تھا۔

"تم تو ویسے بھی جب سے گھر آئے ہو حنا کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہو۔ مجھے ایک بات بتاؤ تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے کہ تم اس کی حمایت میں اپنے بڑے بھائی کے سامنے

زبان درازی کر رہے ہو۔ یہ سب واقعی بھابی کے رشتے کے حوالے سے ہے یا کوئی اور وجہ....."

"بھائی!"

زید نے غصے سے تبریز کو کالر سے تھاما تھا۔

"اگر یہ بات کوئی اور کرتا تو منہ توڑ دیتا میں اُس کا کہ وہ دوبارہ ایسے گھٹیا الفاظ منہ سے نکالنے کے قابل ہی نہ رہتا....."

زید نے خونخوار نظروں سے تبریز کو دیکھا اور جھٹکے سے کالر چھوڑ کر اس پیچھے دھکیلا۔

"آپ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ سے کسی بھی رشتے کے حوالے سے عزت کی توقع کی جائے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ اس حد تک گر کر سوچ سکتے ہیں۔"

"زید! تبریز! اب بس بھی کرو تم دونوں"

اس سے پہلے کہ تبریز کچھ بولتا تائی ماں درمیان میں کود پڑی تھیں۔

"تم دونوں پاگل ہو گئے ہو؟ کیوں اس بالشت بھر کی لڑکی کے لئے دونوں بھائی آپس میں جھگڑ رہے ہو..... شرم کرو۔ اس بڑھاپے میں میرا جینا کیوں مشکل کرتے ہو.....؟ میں تو شکر کرتی ہوں تم لوگوں کا باپ گھر پر نہیں ہے ورنہ تمہیں یوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے دیکھ کر نجانے کیا کر بیٹھتا..... کہا تھا میں نے تم سے تبریز! کہ اس فسادن کی بیٹی کو گھر میں مت لاؤ..... اب دیکھ لیا ناں چند ماہ میں ہی ورائٹی ڈال دی دونوں بھائیوں میں..... ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اس منحوس نے..... کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں مگر تم بضد تھے۔ اب دیکھ لیا نتیجہ۔ ایک دوسرے کے گریبان تک پکڑ لیے۔ ہائے! میں تو کوستی ہوں اُس دن کو جب میں اس چڑیل کو بیاہ کر گھر لے آئی۔"

تائی ماں تخت پر بیٹھ کر اب باقاعدہ بین کرنے لگی تھیں۔

"امی کچھ خوف کریں خدا کا..... آپ تو خوش قسمت ہیں کہ حنا جیسی بہو ملی جس نے آپ کی ہر زیادتی ہر کڑوی بات کو سر جھکا کر برداشت کیا ہے، آپ کے ہر حکم کو خندہ پیشانی سے قبول کیا ہے، کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ آپ کیوں کر رہی ہیں بھابی کے ساتھ یہ سب.....؟ بھائی کو سمجھانے کی بجائے آپ اُلٹا انہیں شہہ دے رہی ہیں۔"

"ارے زید! بچے! یہ تم نہیں بول رہے تمہارے منہ میں اس فسادن کی زبان چل رہی ہے۔ میرے ایک بیٹے کو تو مٹھی میں کر ہی چکی ہے اس سے گزارہ نہیں ہوا اس کا، جو اب دوسرے پر بھی....."

''امی اللہ کے غضب سے ڈریں۔ کیوں ایسے کلمات منہ سے نکال رہی ہیں۔ مجھے مجبور مت کریں کہ میں ماں کا لحاظ بھول جاؤں..... اتنا گھٹیا الزام مت لگائیں۔ یاد رکھیں! خدا کی لاٹھی بے آواز ہے وہ کسی بھی وقت ظالم کی پکڑ کر سکتا ہے..... خود کو ظالموں کی فہرست میں شامل نہ کریں اللہ کے عذاب سے ڈریں۔ آپ کی بھی بیٹی ہے اسے بھی بیاہنا ہے کم از کم اسی کا سوچ کر اپنی بہو سے زیادتی نہ کریں۔ کل کلاں اگر آپ کی اپنی بیٹی کے ساتھ یہی سب ہو جو آپ اپنی بہو کے ساتھ کرتی ہیں تو تب کیا کریں گی آپ.....؟''

زید نے اپنی ماں کو آئینہ دکھایا تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔

''ہائے دیکھو!..... میری اولاد مجھے ہی طعنے دے رہی ہے..... میری مت ماری گئی تھی جو شریکوں کے گھر سے لڑکی بیاہ لائی۔ اس نے تو میری ہی اولاد کو میرا دشمن کر دیا ہے۔ دیکھو ارمغان! میرا اپنا بچہ مجھ سے کیسے بات کر رہا ہے..... اپنی ماں جائی بہن کو بددعائیں دے رہا ہے۔ تبریز نے اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کے کرتوت دیکھ لیے اس میں بھی میرا ہی قصور ہے۔''

تائی ماں اونچی اونچی بین کرنے لگی تھیں۔ زید نے بے بسی، دکھ اور غصے کے ملے جلے جذبات کو مٹھیاں بھینچ کر ضبط کرنے کی بہت کوشش کی مگر ماں کی مسلسل ناقابل برداشت باتیں اس کا خون کھولانے لگیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سختی سے لب بھینچ لیے..... کچھ کہنے، سننے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس نے ایک نظر حنا پر ڈالی..... اک ہوک سی اٹھی تھی اس کے سینے میں۔ بڑی بہنوں جیسی بھابی سے اسے کتنا پیار تھا اور کتنی عزت دیتا تھا وہ انہیں اور اس کے گھر والوں نے اس کو کتنا غلط رنگ دے دیا تھا..... وہ کھولتا ہوا برستی بارش میں باہر نکل گیا۔

''زید! زکو اتنی بارش میں باہر مت جاؤ۔ بہت سردی ہے جیکٹ تو پہن لو.....''

ارمغان نے اسے برآمدے کے آخری سرے تک روکا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتا چلا گیا۔ تائی ماں نے زور و شور سے حنا کو کوسنا شروع کر دیا تھا..... شہلا بھی وہیں تخت پر بیٹھ گئی۔ ارمغان نے حنا کو دیکھا جو سر جھکائے کسی مجرم کی طرح ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھی..... ماتھے سے نکلنے والا خون اس کے گال تک آ کر جم گیا تھا۔ اس نے تبریز کو دیکھا جو غصے سے شعلہ بنا کھڑا اپنی ماں کو سنتے ہوئے خونخوار نظروں سے حنا کو گھور رہا تھا۔ ارمغان کی نظریں ایک بار پھر حنا پر آ ٹکیں۔ باہر مسلسل گرج چمک کے ساتھ برستی بارش ماحول کو مزید سرد بنا رہی تھی۔ گھر کے اندر موجود نفوس بھی ایسے ہی سرد مزاج تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں پر بے حسی اور سرد مہری کی برف کی بھاری سلیں رکھ کر جذبات کی گرماہٹ کو دبا ڈالا تھا۔ اور جو ایسا نہیں کر پایا تھا اُسے اس کا بھاری

خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔ ارمغان نے آگے بڑھ کر حنا کو اٹھانا چاہا مگر دوسرے ہی قدم پر اس نے خود کو روک لیا۔

''میری دخل اندازی حنا کے لئے مزید مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گی..... بہتر یہی ہے میں اُسے اس کے عزیزوں کے درمیان اُس کے حال پر چھوڑ دوں۔ اس طرح کم از کم میری ذات کی وجہ سے اُس پر مزید کیچڑ تو نہ اُچھالا جائے گا۔''

وہ نظریں جھکا گیا پھر بمشکل قدم اُٹھاتا اپنے کمرے میں آ گیا..... آنٹی کی آواز اسے یہاں تک صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ساری عمر اس کی ماں نے مجھے سولی پر لٹکائے رکھا اب بیٹی آ گئی میرے سینے پر مونگ دلنے..... یہ تو ماں سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی..... جمعہ جمعہ آٹھ دن نہ ہوئے اسے آئے اور تباہ کر ڈالا میرے گھر کو اس نے..... بھائیوں کو دشمن بنا دیا..... کیسے طوفانی موسم میں میرا بچہ باہر نکل گیا۔''

تائی ماں مسلسل سینہ پیٹ رہی تھیں۔

''ارے تبریز! اب تم کدھر چل دیئے.....؟ سنو بیٹے! بہت سردی ہے باہر اوپر سے اتنی شدید بارش.....''

تائی ماں کی بات سے اسے اندازہ ہوا کہ تبریز بھی گھر سے نکل گیا ہے۔ ارمغان نے گہرا سانس لیا اور خود پر لحاف اوڑھ لیا۔

''نیند خراب کر کے رکھ دی اس خواہ مخواہ کے ڈرامے نے..... میں سونے جا رہی ہوں اور میری مانیں تو آپ بھی یہ رونا دھونا چھوڑیں اور آ کر سو جائیں۔ بھائی کو بھی بڑا شوق تھا اس مصیبت کو گھر لانے کا تب کسی کی مانی نہیں اب پچھتا رہے ہیں۔''

شہلا کی بیزاری آواز بھی بخوبی اس کی سماعتوں تک پہنچی تھی۔

''کیسی بے حس لڑکی ہے۔ اسے کسی کے دُکھ کا احساس تو دُور کی بات اس کے پاس تو چار میٹھے الفاظ تک نہیں کسی کے لئے..... یہ ہے نصرت پھپھو کا گھرانہ.....؟ یقیناً یہ لوگ حنا کے لائق نہ تھے۔''

باہر یکدم سے شور ہونے لگا تھا جس نے ارمغان کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا..... پہلے تو اسے کسی بات کی سمجھ نہ آئی پھر دھیرے دھیرے اس کا ذہن سماعتوں سے ٹکرانے والے الفاظ کو مفہوم پہنانے لگا تھا۔

''اب تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اتنے سکون سے؟ میرے دونوں بچے اتنے خراب موسم میں تمہاری وجہ سے باہر نکل گئے..... کاش تمہارا سسر آج گھر ہوتا تو دیکھ لیتا تمہارے لچھن..... اپنی آنکھوں

سے اپنے خاندان کی لڑکی کے کرتوت دیکھتا تو یقین آ جاتا۔ اُسے۔ بڑی تعریفیں کرتا ہے کہ میرے بھائیوں نے اپنے بچوں کی تربیت بہت بھلی کی..... آج کھل گئے اچھی تربیت کے بھی راز..... شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اس گھر کی بہو مہمان کے ساتھ آدھی رات کو..... توبہ توبہ..... میری تو زبان سے بھی الفاظ ادا نہیں ہو رہے..... اور وہ ارمغان..... میں صدقے جاؤں اتنا شریف بچہ ہے کب رکنا چاہتا تھا یہاں وہ تو میں ہی تھی بھتیجے کی محبت میں زبردستی اسے یہاں ٹھہرا لیا..... کیا علم تھا کہ تم اس پر بھی ڈورے ڈالنے چل نکلو گی..... کیا سوچتا ہوگا ارمغان کیسی ہے بوا کی بہو..... تم نے تو ناک کٹوا دی میری، میرے میکے کے سامنے..... کیا منہ دکھاؤں گی میں اپنی بھرجائی کو..... چھوڑوں گی نہیں میں آج تمہیں..... مار ڈالوں گی اور پاک کر دوں گی اپنے گھر کو تمہارے غلیظ وجود سے۔"

نصرت پھپھو مسلسل بولتے ہوئے حنا کو پیٹ رہی تھیں۔ ارمغان نے بے چینی سے اُٹھ کر کھڑکی بند کر دی..... یہ سب ظلم اس کی برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔ اگر وہ اس ظلم کے خلاف سٹینڈ لیتا تو حنا کے لئے مزید مشکلات کھڑی ہو جاتیں..... اُس کے کردار کو مزید بُرا کہا جاتا۔ وہ بے بسی سے ہاتھ ملتا کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ باہر سے اب صرف آنٹی کے بولنے کی آواز ہی آ رہی تھی حنا کے رونے کی آواز بہت ہی مدھم سنائی دے رہی تھی۔ آنٹی کا ہائیوم اتنا تھا کہ وہ اب بھی بخوبی ان کی ہر بات سمجھ رہا تھا۔ وہ بمشکل خود کو اس کمرے میں روکے ہوئے تھا۔ کچھ دیر بعد اسے آوازیں دُور ہوتی محسوس ہونے لگی تھیں اور پھر اتنی مدھم ہو گئیں کہ بہت غور سے بھی سننے پر وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آنٹی کیا کہہ رہی ہیں۔ پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا..... کسی ذی روح کی آواز اس کی سماعتوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ صرف برستی بارش اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی گرجنے کی آواز تھی جو اس جامد سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ آج رات جو بھی ہوا وہ اس کے صبر کی بہت بڑی آزمائش تھی..... دل تو اس کا بارہا چاہا تھا سب تہس نہس کر دے مگر اس نے خود کو سب برداشت کرنے پر مجبور کر لیا تھا حنا کے لئے۔ وہ اسے تحفظ تو نہ دے سکتا تھا مگر اپنی وجہ سے اس پر مزید کوئی آنچ نہیں آنے دی تھی۔ اگر دن ہوتا تو وہ خراب موسم کو خاطر میں لائے بنا یہ گھر چھوڑ دیتا مگر اس وقت گاؤں میں کوئی کنوینس ملنے کا کوئی امکان نہ تھا سو یہ رات بہرحال وہ یہاں ہی گزارنے پر مجبور تھا۔

****

آج صبح سے ہی موسم گرم تھا..... ایسا لگ رہا تھا جیسے سورج اپنے وقت سے پہلے نکل

آیا ہو اور مشرق سے مغرب تک کا سفر جلدی میں طے کرنے کی تگ و دو میں اُس نے دوڑ لگائی ہوئی ہو..... سردیاں اختتام پذیر ہو گئی تھیں اور گرمیوں کا آغاز ہی اس قدر تپش لیے ہوئے تھا۔

"اس بار تو لگتا ہے خوب گرمی پڑے گی۔"

انوشے نازد کو ساتھ ملا کر گرم کپڑے اور لحافوں کو دھوپ میں پھیلاتے ہوئے بولی تھی۔ چھت پر قالین بچھا کر اُن دونوں نے گھر بھر کے کمبل اور گدے یہاں اکٹھے کر دیے تھے۔ وہاں سے فراغت پا کر وہ ان کے کپڑے نازد کو پریس کرنے کے لئے دینے کے بعد سعد کے کمرے میں آ گئی۔ اُن کے کپڑے بھی ڈرائی کلین اور کچھ پریس ہو کر آ چکے تھے۔ وہ ان کی وارڈ روب گرمیوں کی مناسبت سے سیٹ کر رہی تھی جب ایک پیکٹ اس کے پاؤں میں آ کر گرا۔ اُس نے اُٹھا کر دیکھا۔

"شاید تصاویر ہیں کسی کی....."

"انوشے بی بی کپڑے پریس ہو گئے ہیں آپ کے....."

اس سے پہلے کہ وہ لفافے میں سے تصاویر نکالتی نازد کی آواز پر چونک گئی۔

"ہاں۔ چلو سعد کی وارڈ روب سیٹ ہو گئی ہے۔"

اس نے لاپروائی سے اینویلوپ وہیں رکھ کر وارڈ روب بند کر دی۔ جب تک اس نے اپنی الماری میں کپڑے سیٹ کیے نازد سعد کے کمرے کے کشن اور تکیوں کے غلاف، بیڈ کی چادر اور پردے سب پریس کر چکی تھی۔ وہ دونوں ایک مرتبہ پھر سعد کے کمرے میں موجود تھیں۔ تین دن پہلے ہی اس نے بڑی ضد کر کے دیواریں دوبارہ پینٹ کروائی تھیں۔ ہفتہ بھر وہ سعد کو مناتی رہی تھی مگر وہ بضد تھے کہ گھر دوبارہ پینٹ نہیں ہوگا۔

"سعد یہ کلرز بہت گہرے ہیں..... اور گرمی کے موسم میں یہ کوفت کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے موسم کی مناسبت سے ہلکے رنگ ہونے چاہئیں۔"

"انوشے۔ فضول کی بحث مت کرو..... میں نے کہا ناں کہ وال پینٹس تبدیل نہیں ہوں گے..... مجھے یہ کلر کمبی نیشن (Combination) بہت پسند ہے۔"

اب کی بار سعد نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں انہی کلرز کی لائٹ ٹون کروا لیتے ہیں۔ رنگ وہی ہوں گے بس ذرا موسم کی مناسبت سے لائٹ اور سوبر سا ٹچ آ جائے گا۔"

اور اب کی بار سعد نے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد اجازت دے دی تھی۔ اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اگلے ہی دن کام شروع کروادیا۔فرنیچر کو سفید پالش کرایا گیا تھا۔انوشے نے بیڈ رومز کے پردے اور بیڈ کورز کی شاپنگ بھی کی.....اس کا جو دل چاہا اس نے خریدا.....سعد کے کمرے کے لئے اس نے بطور خاص شاپنگ کی تھی.....وہ کافی سے زیادہ شاپنگ کر چکی تھی اور اس میں اس نے بہت پیسے بھی خرچ کروائے مگر سعد سے مانگنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی انہوں نے خود ہی کافی بڑی رقم کا چیک اس کے حوالے کر دیا تھا اور الگ سے کیش (Cash) بھی دیا تھا۔اور اس کا کریڈٹ کارڈ الگ سے بنوادیا تھا تاکہ کیش کی عدم موجودگی سے اسے پریشانی نہ ہو۔

شام تک ان دونوں نے سارا کام نبٹا لیا تھا۔اس نے ڈنر کی تیاری کی اور سعد کے آنے سے پہلے تیار بھی ہوگئی۔اب اُسے سعد کا بے صبری سے انتظار تھا۔اور یہ جاننے کی خواہش تھی کہ انہیں اپنا کمرہ اور سٹڈی روم کیسا لگتا ہے.....اور باقی کا سارا گھر بھی۔سعد نے حسب معمول گھر میں قدم رکھا تو سب کچھ بہت نکھرا نکھرا لگا۔ہر چیز چمک چمک رہی تھی.....کچن سے انوشے کی آواز آرہی تھی۔سعد نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھادیے.....جیسے ہی اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا وہ مبہوت رہ گیا.....سعد کے کمرے کی کلر سکیم تو بلیک اینڈ گرے تھی۔ایک دیوار اس نے story blue رنگ کی پینٹ کروائی ہوئی تھی جس پر پینٹنگز (Paintings) لگائی ہوئی تھیں۔

انوشے نے story blue کے شیڈ کو لائٹ کرنے کے لئے Blue Horizon رنگ کا استعمال کرایا تھا جبکہ اس کے ساتھ Phantam violet اور Fodded violet رنگ کے امتزاج سے نہایت ہی ٹھنڈا سا احساس آنکھوں کو تازگی بخش رہا تھا.....سفید چمکتے ہوئے فرنیچر اور کھڑکیوں دروازوں پر بھی سفید پینٹ بہت جچ رہا تھا.....بیڈ پر Violets کے ہلکے شیڈز کی بیڈ شیٹ اور اسی کے ہم رنگ ہلکے اور کچھ کچھ گہرے کشنز کے ساتھ سفید تکیے اس کی شوبھا بڑھا رہے تھے۔

سعد کے کمرے کا سارا فرنیچر پہلے کالے رنگ کا تھا اور بلیک اور گرے رنگ کی ٹونز اس کے پورے کمرے کی کلر سکیم تھی.....مگر اب تو ہر چیز جیسے انوکھی ہی لگ رہی تھی.....سچ کہا ہے کسی نے کہ رنگ بولتے ہیں.....رنگوں کو بدل دینے سے ہی ہر چیز کا تاثر تبدیل ہوگیا تھا۔

اس کے پسندیدہ ایئر کنڈشنر کی دھیمی دھیمی مہک پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی.....سفید روؤں والے نرم قالین میں اس کے آدھے آدھے شوز دھنس گئے تھے۔اسے محسوس ہوا جیسے وہ بادلوں کے سفر پر نکل آیا ہو اور اطراف میں ہلکا نیلا آسمان ہو۔

کمرے میں موجود ہر چیز اسے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہہ رہی تھی۔سارے دن کی تھکن اور بڑھتی ہوئی گرمی کی کوفت جیسے اس ماحول سے پل بھر میں اَن چھو ہوگئی تھی.....اتنا سکون اور طمانیت بھرا احساس اسے پہلے کبھی اپنے کمرے میں محسوس نہ ہوا تھا۔جب اس نے خود اسے ڈیکوریٹ کروایا تھا تب بھی نہیں.....حقیقت میں وہ خود بھی اپنے لیے مکمل اپنی پسند کا کمرہ نہ بنا پایا جسے ایک لڑکی نے کر دکھایا تھا.....اسے لگا جیسے وہ سب بالکل ایسا ہی تو چاہتا تھا.....ہمیشہ کی طرح اسے کمرے میں آتے ہی اے سی کا تھرموسٹیٹ بڑھانا نہیں پڑا تھا جو گرمیوں میں اس کا معمول بن جاتا تھا۔اس نے دیوان پر نیم دراز ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔جھٹ سے انوشے اس کی بند آنکھوں میں اتر آئی۔

''میں ہوں سعد صرف میں جس کی وجہ سے آپ کو اپنا کمرہ، اپنا گھر جنت لگنے لگا ہے.....میں نے آپ کے گھر کو جنت بنایا ہے۔''

وہ تفاخر سے کہہ رہی تھی۔سعد نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یہ کیا ہوگیا ہے مجھے.....جاگتے میں انوشے کے خواب دیکھنے لگا ہوں۔''

سعد نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر گہرا سانس لیا.....اور ایک بار پھر کمرے نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا.....اب کی بار اس کی نگاہوں کا مرکز تازہ پھول تھے۔سفید اور نیلے پیلے پھولوں سے سجے گلدستے نے پورے کمرے میں تازگی بھر دی تھی۔ان معصوم پھولوں نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔اسے لگا جیسے وہ اس سے ہم کلام ہوں۔بلکہ کمرے کی ہر چیز اسے خود سے مخاطب محسوس ہونے لگی تھی.....ہر چیز گنگنانے لگی تھی۔سعد نے تین دن سے اپنے کمرے میں قدم نہ رکھا تھا۔وہ گیسٹ روم میں شفٹ ہوگیا۔اسے پینٹ کی سمیل (Smell) سے الرجی تھی۔آج صبح ناشتہ کے وقت انوشے نے اسے کہا تھا کہ وہ آج سے اپنے کمرے میں شفٹ ہوسکتا ہے۔شام تک سب کام ختم ہو جائے گا.....سعد نے ظاہر تو نہ کیا تھا مگر اب اسے اپنے کمرے میں جانے کی جلدی تھی.....پورا دن اس نے اسی جلدی میں گزارا تھا مگر وقت کو تو اپنی رفتار سے ہی چلنا ہوتا ہے.....پورے دن کے پُر اشتیاق انتظار کے بعد بالآخر وہ اپنے پسندیدہ کمرے میں موجود تھا۔دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے چونک کر اُدھر دیکھا.....اُدھ کھلے دروازے سے انوشے جھانک رہی تھی۔

''میں اندر آسکتی ہوں؟''

وہ اجازت مانگ رہی تھی۔سعد کو کچھ شرمندگی کے احساس نے آگھیرا.....شاید یہ

انوکھی بات ہی تھی ناں کہ بیوی کو اپنے شوہر کے کمرے میں اجازت لے کر آنا پڑے..... سعد کتنی ہی مرتبہ اسے بے دردی سے کمرے سے نکال چکا تھا۔ اسی لیے وہ اب خاصی محتاط ہو گئی تھی..... اس کی موجودگی میں کم ہی آتی اور جب بھی آتی اجازت لے کر آتی اور اکثر تو سعد اسے آنے سے منع کر دیتا تو وہ خاموشی سے واپس چلی جاتی..... اب ان دونوں کے درمیان بحث بہت کم ہوا کرتی تھی۔ پہلے کی طرح آئے دن بلکہ روزانہ ہی ہونے والی تلخ کلامی تقریباً ختم ہو چکی تھی..... سعد بہت کم اسے ڈانٹتا تھا اور اس میں سارا کمال انوشے کا ہی تھا..... وہ شاید اس کو جان چکی تھی..... حتی الامکان کوشش کرتی کہ ایسی صورت حال ہی پیدا نہ ہو کہ سعد کا مزاج اور موڈ بگڑے۔

"آ جاؤ!"

خلاف توقع اور خلاف معمول سعد نے نرمی سے اسے اندر آنے کو کہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

"میں آپ کے لیے فریش جوس لائی ہوں۔"

اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا..... ایک گلاس اسے پکڑا کر دوسرا خود لیے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیسا لگا آپ کو اپنا کمرہ؟"

وہ چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر سر جھٹک کر خود ہی پوچھنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ سوچ کر آئی تھی کہ خود سے کچھ نہیں پوچھے گی۔ وہ بس خاموشی سے گھونٹ گھونٹ جوس پیتا رہا۔

"آپ کو پتا ہے مما کے گھر میں تمام پینٹنگز میری مرضی اور پسند کے ہوا کرتے تھے۔ اور ساری سیٹنگ بھی میں ہی کروایا کرتی تھی..... سبھی کو پسند تھا میرا گھر سجانا۔"

وہ گلاس کو ہاتھوں میں آہستہ آہستہ گھماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سعد کی نظروں میں وہ لمحات گھومنے لگے جب وہ نکاح کے بعد ایک بار اپنے سسرال گیا تھا۔ تب رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ممی کو انوشے کے کپڑے سلوانے کے لئے اس کا سائز درکار تھا..... وہ خود آ نہیں پائی تھیں اسی لیے اسے بھیج دیا..... گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں..... سفید چمکتا فرش، سفید وال پینٹنگز اور سفید ہی کھڑکی دروازے رنگ کیے گئے تھے..... سفید بے داغ صوفے اور قالین، گلدانوں میں تازہ سفید گلاب بہت انوکھا اور جاذب نظر تاثر دے رہے تھے۔ پل بھر کو اس کے قدم ٹھہر سے گئے تھے۔ اسے لگا کہ اگر وہ آگے بڑھا تو یہ شفاف جگہ میلی ہو جائے گی..... ممی (ساس) کے کہنے پر وہ جھجکتا ہوا صوفے پر بیٹھا تھا کہ اس کے بھی میلا ہونے کا

خدشہ ہو۔

"اچھا چلیں یہ بتائیں کہ آپ کو یہ پینٹنگ تو پسند آئی ہے ناں۔"

انوشے نے ایک مرتبہ دوبارہ اسے مخاطب کیا تھا۔ سعد نے چونک کر پہلے اسے اور پھر سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر بنا چھوٹا سا خوبصورت دیدہ زیب گھر سفید پتھروں سے بنا اور اطراف سے رنگ برنگے پھولوں سے گھرا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی برف کی تہہ اس پر جمی بہت دلکش تاثر دے رہی تھی۔ ایک طرف سے پہاڑ پر سے جھرنا بہہ رہا تھا اور آبشار کی شکل میں اس کا پانی نیچے ندی میں گرتا دکھایا گیا تھا۔ ایک کنارے پر پتھر پر بیٹھی سفید کپڑوں میں ملبوس لڑکی جھک کر اپنی ہتھیلی میں پانی لے رہی تھی اور اس پر کسی پری کا گمان ہو رہا تھا..... بنانے والے نے کمال کا شاہکار بنایا تھا..... پینٹنگ ہر لحاظ سے اچھوتی اور بے مثال تھی اور کمرے میں جادوئی سماں پیش کر رہی تھی۔

"میں نے ایسی پینٹنگ آج تک نہیں دیکھی جس پر حقیقت کا گمان ہونے لگے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اس دیوار سے جھرنا بہتے ہوئے باہر نکل آئے گا اور یہ لڑکی ابھی ہتھیلی میں پانی بھر کر پلٹے گی اور ہمیں دیکھ کر مسکرا دے گی۔"

سعد نے انوشے کو دیکھا جو نہایت توجہ سے اس پینٹنگ کا کتھارسس کرنے میں محو تھی..... سفید ڈھیلے ڈھالے کرتے اور سفید چوڑی دار پاجامے میں ہم رنگ بڑا سا دوپٹہ بے پروائی سے شانوں پر ڈالے اپنی سیاہ گھنی پلکوں کی باڑ اٹھائے چمکتی آنکھیں اس پینٹنگ پر گاڑے بیٹھی تھی..... سفید سینڈل میں اس کے نازک سے پاؤں بہت خوبصورت لگ رہے تھے..... چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈ ایئر رنگز پہنے اور ایسا ہی پینڈنٹ اس کی صراحی دار گردن میں چمکتا ہوا دعوت نظارہ دے رہا تھا..... بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا بنائے وہ سعد کو اسی پینٹنگ والی پری جیسی ہی لگی..... وہ اس کی نظروں کے حصار میں تھی مگر جتنی محویت سے وہ پینٹنگ کی طرف متوجہ تھی اتنی ہی محویت سے سعد اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو یہ گھر بہت پیارا لگا پھولوں میں گھرا ہوا اور یہ پانی بھی..... آپ کو کیا زیادہ اچھا لگا اس پینٹنگ میں۔"

وہ پوچھ رہی تھی۔

"پری جیسی لڑکی"

سعد کے لب بے اختیار ہلے تھے۔ انوشے نے چونک کر سعد کو دیکھا تو وہ جواسے

دیکھ رہا تھا نظریں چرا گیا۔ اس نے ایک گھونٹ میں باقی کا جوس ختم کیا اور گلاس ٹرے میں رکھ کر اُٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

''ارے واہ۔ آج تو کمال ہو گیا۔ میں نے ڈھیر ساری باتیں کر ڈالیں اور مسٹر سعد حسن رضوی کو غصہ نہیں آیا..... اور تو اور ہمیشہ کی طرح دفعان ہونے کا حکم نہیں دیا مجھے بلکہ خود ہی اُٹھ کر چلے گئے۔''

انوشے مسکراتے ہوئے جوس پینے لگی..... اور ٹرے اُٹھائے نیچے آ گئی۔

****

ڈنر کے لئے ڈائننگ ٹیبل سجا کر وہ سعد کو بلانے دوبارہ اُوپر گئی تھی۔ وہ کمرے میں نہیں تھا اور نہ ہی ڈریسنگ روم میں..... کچھ سوچ کر وہ سٹڈی روم میں چلی آئی..... وہ وہیں موجود تھا۔

''سعد ڈنر ریڈی ہے۔''

انوشے نے دروازہ ناک کرنے کے بعد وہیں کھڑے کھڑے اطلاع دی تھی۔

''اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔''

''اتنا سیدھا اور نرم جواب'' انوشے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''کیا ہوا؟''

سعد نے اسے حیرت سے کھلی آنکھوں سے اپنی طرف دیکھتا پا کر پوچھا تو وہ اپنے کانوں کو انگلی سے صاف کرنے لگی..... مبادا اس نے کچھ غلط تو نہیں سنا۔

''آ..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

وہ اندر آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ہاں..... مجھے کیا ہوا۔''

سعد نے اطمینان سے اپنے سامنے پڑی کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں..... مجھے ایسا نہیں لگ رہا..... ضرور کوئی گڑ بڑ ہے۔''

''کیا مطلب.....؟؟''

اُس نے اُلجھ کر پوچھا تھا۔ انوشے رائٹنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جہاں کرسی پر سعد بیٹھا تھا۔

''آپ کو معلوم ہے آپ کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے سعد کی طرف دیکھ کر دریافت کیا۔ سعد نے

اپنے سامنے کھلی کتاب کو دیکھا۔

''اسے پڑھنے میں ایسی کیا قابل اعتراض بات نکل آئی۔''

اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر وہ مسکرا دی۔

''میں اس کتاب کی بات نہیں کر رہی..... اسے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔''

''تو.....؟؟''

سعد نے ابرو اُچکا کر سوال کیا۔

''تو یہ کہ میں آپ کو یاد دلا رہی ہوں کہ آپ مجھ سے ہم کلام ہیں۔ پھر بھی اتنے شائستہ اور نرمی لیے ہوئے رویے کو اپنائے ہوئے ہیں..... اس بات کا احساس ہے ناں آپ کو.....؟ آئی مین کہ آپ انوشے سے بات کرتے ہوئے اتنی شائستگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مجھے کچھ ہضم نہیں ہو رہا یہ سب؟''

وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔ سعد نے اس پر سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ ابھی بھی خاموش تھا حالانکہ انوشے کو پورا یقین تھا کہ وہ بھڑک اُٹھے گا۔ وہ سنجیدگی سے چند لمحات اسے دیکھتی رہی پھر اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے گھٹنوں پر رکھے ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''روٹین سے ہٹ کر کوئی بھی بات کوئی بھی کام ہو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے..... اگر گھر کی رینوویشن کی وجہ سے آپ کا موڈ ٹھیک ہے تو یہ بات میرے لیے باعث مسرت ہے لیکن کوئی اور وجہ ہے تو آپ مجھ سے ڈسکس کر سکتے ہیں مجھے اچھا لگے گا۔''

سعد نے تعجب سے اسے دیکھا..... یہ لڑکی جو اس وقت اس کے قدموں میں بیٹھی تھی اس کی جگہ تو اس نے اپنے دل کے سنگھاسن پر متعین کر رکھی تھی..... مگر وہ اسے اُس جگہ کی نشاندہی کبھی نہ کرا پایا تھا..... پھر بھی یہ دن بدن اسے خود سے قریب تر ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

''اسے نہ تو میرا غصہ مجھ سے بدظن کرتا ہے اور نہ میری ڈانٹ ڈپٹ..... بلکہ شاید اُس نے میرے اس اکھڑ اور تلخ رویوں اور کڑوی باتوں کو اس حد تک اپنا لیا ہے کہ میرا نرم رویہ میٹھی باتیں اسے تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔''

انوشے کے نرم ہاتھوں کے لمس سے اس کا دل دھڑکنے لگا تھا اور یہ دھڑکنیں ان تمام دھڑکنوں سے مختلف ہوا کرتی تھیں جو روٹین میں زندہ رہنے کا سبب ہیں۔ انوشے نے نظریں سعد کے چہرے سے ہٹا لیں اور پلکیں گراتی ہوئی بولی۔

''میں جب اس گھر میں آئی تھی تو بہت سارے خواب سجا کر لائی تھی..... میری ڈھیروں خواہشیں اور ارمان میرے ساتھ اس گھر کی دہلیز پار کر کے آئے تھے مگر میں نے آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اُن کو کھو دیا..... پہلے پہل مجھے ان محرومیوں نے بہت رُلایا مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ اُن سب میں سے بڑی خواہش کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوئی..... اور وہ خواہش تھی میرا گھر..... میں اسے سجا سکتی تھی جس طرح چاہتی سنوار سکتی تھی..... بھرپور جنت کی طرح مگر میری اس جنت میں آپ کا کمرہ اور سٹڈی روم کبھی شامل نہ ہو پائے۔ آپ نے مجھے پورے گھر کا اختیار دیا سوائے ان دونوں کے۔ مگر میں آج بہت خوش ہوں..... بے تحاشہ خوش..... آج میں نے آپ کے کمرے کو سجایا۔ آپ کے سٹڈی روم کی ہر کتاب کو اپنے ہاتھوں سے صاف کر کے لگایا..... مجھے میری کل کائنات دے دی آپ نے..... آپ نے مجھے جو خوشی دی ہے میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پر سعد انسان کو جب کوئی چیز مل جائے تو وہ اور..... اور کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ اس کی حسرتیں ایک ایک کر کے تمنائیں بننے لگتی ہیں..... میں بھی ایک ایک کر کے اس سیڑھی کو پار کرنا چاہتی ہوں..... آپ تک پہنچنا چاہتی ہوں۔''

وہ نظریں جھکائے لفظ لفظ اس کے کانوں میں اُتار رہی تھی..... کتنی خوبصورتی سے وہ اسے اِسی سے مانگ رہی تھی..... سعد کا دل چاہا وہ لمحوں میں اسے خود سے قریب تر کر لے تاکہ اس کی کوئی خواہش حسرت نہ بن سکے..... اس کا دل شور کرنے لگا تھا۔ اسے قابو میں رکھنا مشکل سے مشکل تر ہونے لگا تو بے بسی سے ایک قدم پہلے ہی اس نے تمام طاقت مجتمع کر کے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔

''انوشے..... فضول مت بولو..... اور جاؤ یہاں سے۔''

اس کا لہجہ سخت تھا اتنا سخت کہ خود اس کا اپنا دل بھی سہم گیا تھا..... جبکہ انوشے کے دل نے شاید کوئی دھڑکن بھی مس کی تھی۔

''میری نظر میں جیسی تم پہلے تھیں اب بھی ویسی ہی ہو..... میں خاموش اس لیے ہوں کہ مجھے یہ تبدیلی پسند آئی ہے..... اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنی حد کراس (Cross) کرتی جاؤ۔''

وہ خاموشی سے سنتے گئی..... پھر گہرا سانس لے کر مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

کتنی زخمی مسکراہٹ تھی اُس کے حسین لبوں پر کہ سعد نظریں چرا گیا۔

''بس بس..... اب زیادہ غصہ نہ کریں..... میں جان گئی ہوں آپ بالکل ٹھیک ہیں..... اب مزید ثبوت مت دیجئے گا ورنہ مجھے رونا آ جائے گا۔''

وہ مسکراتے لبوں اور آنسوؤں سے نم آنکھوں سے ہولے سے کہہ رہی تھی۔ پھر اسے ڈنر پر آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ سعد کتنی ہی دیر ایسے ہی بیٹھا رہ گیا۔

''کوئی اتنے صبر و ضبط کا مظاہرہ کس طرح کر سکتا ہے۔''

وہ قدم قدم پر اسے اسی طرح حیران کر دیا کرتی تھی۔

****

تائی ماں نے آج ایسا پتہ پھینکا تھا کہ بساط یکدم ہی اُلٹ گئی تھی اور حنا جیتی ہوئی بازی کتنی بُری طرح سے ہارنے والی تھی اس بات کا اندازہ اُسے ہو گیا تھا۔ اتنا سب ہو گیا تھا مگر اس کی آنکھوں سے بہت کم آنسو نکلے تھے..... نجانے کیوں وہ آج رو نہیں پا رہی تھی حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ چیخے، چلائے، پورا گھر سر پر اُٹھا لے..... سب کو بتائے کہ اس کے ساتھ کتنا ظلم ہوا ہے۔ وہ اس پوری دنیا کے کونے کونے میں منادی کروا دے کہ وہ بے گناہ ہے، اس نے کچھ نہیں کیا لیکن وہ ایسا کچھ نہ کر سکی تھی۔ وہ تو اپنی صفائی میں ایک لفظ تک زبان پر لانے سے قاصر رہی تھی۔

''کیا ہوا جو میں کسی کو اپنی بے گناہی کا نہیں بتا سکی۔ میرا رب تو بنا کہے جان گیا ہے..... کیا ہوا جو میرے آنسو نہیں نکلے یہ برستی بوندیں تو میرا ساتھ دے ہی رہی ہیں..... قطرہ قطرہ بوندیں میرے درد پر ہی تو آسمان کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہیں..... یہ گرج چمک میرے ساتھ ہوئے ظلم پر احتجاج ہی تو ہے۔''

ذرا کی ذرا بجلی چمکتی تو ہر طرف جیسے دن سا نکل آتا مگر دوسرے ہی پل گھپ اندھیرا چھا جاتا..... حنا کی زندگی بھی تو ایسی ہی تھی..... تبریز کے دھوپ چھاؤں مزاج کی وجہ سے جب اس کا موڈ ٹھیک ہوتا تو حنا کو لگتا ہر طرف جیسے روشنی ہی روشنی ہے، خوشیاں ہی خوشیاں ہیں، زندگی بہت سہل ہے۔ اور جب دوسرے ہی پل وہ غصہ کرنے لگتا تو اسے اپنی زندگی میں اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا اور وہ ٹٹول ٹٹول کر کوئی خوشی ڈھونڈتی مگر سب چھپ جاتیں۔ اب اسے بجلی کی کڑک اور اندھیرا دونوں ہی خوفزدہ نہیں کر رہے تھے۔

''کتنی عجیب بات ہے کہ میں جن سے خوفزدہ تھی وہی میرا فلسفۂ حیات تھا۔ اس بجلی کی چمک میں اور میری قسمت میں کتنی مطابقت تھی۔''

حنا کے زخموں سے رسنے والا خون سردی کی وجہ سے جم سا گیا تھا۔ اس کا پورا وجود شل تھا۔ جوڑ جوڑ سے درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ اندازہ کرنے سے قاصر تھی کہاں درد زیادہ

ہے...... وہ باہر کے دروازے کے ساتھ کمر ٹکائے بمشکل بیٹھی تھی جہاں تائی ماں اسے دھکا دے گئی تھیں۔ پتا نہیں وہ ہوش میں تھی یا بے ہوش بس ایک دماغ ہی تھا جو طرح طرح کی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا...... خواہشوں، خوابوں کا ساتھ تو اس نے اُسی دن چھوڑ دیا تھا جب اس نے بہو بن کر اس گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھا تھا...... آج سب اچھا ہو جانے کی اُمید چکنا چور ہوئی تو وہ جیسے زندگی سے ہی دور ہو گئی تھی۔ اپنے عزیزوں، بہت ہی اپنوں کے دیے گئے دکھوں کا احساس اتنا شدید تھا کہ بلا کی سرد رات میں بارش میں بھیگتا زخم زخم وجود اور اس سے اٹھتی درد کی ٹیسیں بھی اسے زندگی کا احساس نہیں دلا رہی تھیں...... وہ ایک بے جان مجسمے کی طرح تھی جسے شاہکار نے بہت ہی محبت سے تراشا ہو مگر پھر بعد میں خود ہی اُس میں مین میخ نکال کر ناکارہ اور فضول کہہ کر پھینک دیا ہو...... حالات کی ستم ظریفی نے اسے کسی قابل نہ چھوڑا تھا...... زندگی اس کے لیے کڑا امتحان ثابت ہوئی تھی جس میں پاس ہونے کی تگ و دو کرتے کرتے وہ اس حد تک نڈھال تھی کہ زندگی ہی اب مہمان لگنے لگی تھی...... چند سانسوں کی محتاج۔ چند لمحوں کی امین۔

مگر وہ یوں ہارنا نہیں چاہتی تھی...... وہ اپنی ذات پر لگے دھبوں اور کردار پر لگے کیچڑ کو دھوئے بنا مرنا نہیں چاہتی تھی...... مگر باوجود کوشش کے وہ اتنی سی طاقت بھی مجتمع نہ کر پائی تھی کہ کم از کم اس برستی بارش میں بھیگنے سے ہی خود کو بچا لے۔ اس کا وجود برف بن کر اکڑ گیا تھا اور اس کے سینے میں موجود ننھا سا دل ہولے ہولے اپنی رفتار مدھم کرتا جا رہا تھا۔ حنا نے بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔

****

فجر کی اذان ہوئی تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پوری رات بیت چکی تھی مگر وہ سو نہ سکا۔ عجب سی بے کلی، بے چینی تھی۔ اس نے گردن کو دائیں بائیں گھما کر ریلیکس ہونا چاہا لیکن تھکن تو جیسے پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔ اس نے اپنی پھپھو کا وہ روپ دیکھا تھا جو پہلے کبھی اس پر نہ کھلا تھا اور کھلتا بھی کیسے وہ کونسا ان سے اتنا ملتا رہا تھا۔ کبھی کبھار سالوں بعد ان سے سامنا ہوتا وہ بھی کچھ دیر کے لئے...... پہلے تو وہ چھوٹا تھا پھر ملک سے باہر چلا گیا۔ واپس آیا تو اپنے بزنس میں اس قدر انوالو ہو گیا کہ کہیں آنے جانے کا وقت ہی نہ ملا...... یہ تو اتفاق ہی تھا کہ وہ سال بعد دوبارہ اس شہر آ گیا تھا کام کے سلسلے میں اور قسمت اسے اس گھر میں کھینچ لائی تھی۔

''کاش میں یہاں رکنے سے منع کر دیتا۔''

اس نے کمرے کی کھڑکی کھولی تو سرد ہوا کے جھونکے اپنے ان سے آ لپٹے جیسے ساری

رات جدائی کے کٹھن لمحات نے انہیں انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا ہو اور اب اچانک ہی ان کو ملن کی خوشخبری ملی اور بند دروازہ ہوئے تو ان کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک اُٹھا اور وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بنا اس کو چھونے کے لئے لپک آئے۔ جیسے انہیں خوف ہو کہ یہ در پھر کبھی نہ کھلنے کے لئے دوبارہ بند ہو جائے گا۔

ارمغان نے صحن میں ملگجے اندھیرے میں آنکھیں سکیڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں اسے کسی بھی نظارہ کو دکھانے کے قابل نہ تھیں۔ انہیں ہر صورت صبح ہونے کا انتظار تھا، جب تک دن کا اُجالا نہیں پھیل جاتا...... ساری رات موسلا دھار ہوتی بارش اب تھم چکی تھی اور عجب سا سناٹا اور ویرانی اپنے پیچھے چھوڑ کر خود شاید اپنے بادلوں سمیت کسی اور نگر سدھار گئی تھی تاکہ کسی اور جگہ اپنے پیاروں کے آنسوؤں کا ساتھ دے سکے یا پھر کسی خطے کی پیاسی زمین کو تر کر سکے۔

''قدرت کے نظام میں موجود ہر چیز کتنی مہربان ہے...... یہ بارش، ہوائیں، درخت، بادل، سورج، چاند، ستارے...... سب کتنے کشادہ دل ہیں کہ بنا کسی مطلب کے۔ بنا کسی لالچ کے دوسروں کو فائدہ دیتے ہیں اور ایک ہم انسان ہیں جو اشرف المخلوقات کہلائے جاتے ہیں مگر ہم کس قدر تنگ نظر، خود پسند، خود غرض، ظالم اور ہوس پرست ہیں، اپنے جیسے ہی دوسرے انسانوں کو اپنے مطلب کی خاطر دیوتا بنا کر پوجتے ہیں، ان کے آگے پیچھے پھرتے ہیں مگر جیسے ہی اُس انسان سے ہماری غرض ختم ہو جاتی ہے ہم اُسے ایسے حقارت سے زمین پر پٹخ دیتے ہیں جیسے اس سے حقیر چیز کوئی ہو ہی ناں۔''

ارمغان کا ذہن خیالات میں گھرا ہوا تھا اور من بوجھل تھا۔ اس نے کھڑکی بند کرنے کی بجائے اس کے آگے پردے برابر کیے اور خود وضو کرنے واش روم میں گھس گیا۔ نماز کے بعد وہ کچھ دیر کمرے میں ٹہلتا رہا۔ جب دن کا اُجالا تاریکی کو کاٹتا اپنے آپ ظاہر کرنے لگا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا...... اس کا ارادہ ابھی یہاں سے روانہ ہونے کا تھا۔ اپنا سارا سامان وہ رات کو ہی پیک کر چکا تھا اور ہوٹل میں کال کر کے اپنے لیے کمرہ بھی بک کروا چکا تھا۔ مما کو فون کر کے اُس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اب وہ ہوٹل شفٹ ہو جائے گا۔ مما اسے جانتی تھیں کہ اُس نے دو دن وہاں کیسے مجبوری میں کاٹے ہوں گے تبھی انہوں نے کوئی سوال نہ کیا تھا اور ارمغان نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ فون پر انہیں ایسی کوئی بھی بات بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چلتا ہوا پھپھو کے کمرے کی طرف آ گیا۔ دروازہ ناک کرنے کی غرض سے اُس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ ہلکے سے

دباؤ سے کھل گیا۔ اس نے انہیں آواز دی مگر جب تیسری بار بلانے پر بھی کوئی جواب نہ آیا تو وہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا اور بستر پر ویسے ہی کمبل پڑا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی یہاں سے اُٹھ کر گیا ہو۔ اس نے باتھ روم بھی دیکھا وہاں بھی کوئی نہ تھا۔

"حیرت ہے پھپھو اور شہلا کہاں چلی گئیں اتنی صبح صبح۔"

وہ آہستہ آہستہ سارے کمرے کچن حتیٰ کہ چھت پر بھی دیکھ آیا مگر کسی مکین کا کوئی اتا پتا نہ تھا..... اس نے زید کو کال کی مگر اس کا موبائل آف تھا۔ تبریز نے بھی اپنا موبائل آف کر رکھا تھا حتیٰ کہ شہلا اور چچا جی کا نمبر بھی بند تھا..... وہ عجیب سی سوچوں کو ذہن سے جھٹکتا کمرے میں آ گیا۔ پورا گھنٹہ وہ اسی شش و پنج میں یہ گتھی سلجھانے میں لگا رہا کہ آخر وہ سب اسے بنا کچھ بتائے اچانک کہاں غائب ہو گئے ہیں۔

"تبریز اور زید تو شاید رات کے گئے واپس ہی نہ آئے ہوں..... چچا جی بھی زمینوں پر تھے..... پر یہ پھپھو اور شہلا کہاں چلی گئی ہیں؟"

آخر کار اس نے مزید ان کا انتظار کرنے کی کوفت اُٹھانے کا ارادہ ملتوی کیا، یہاں سے ہوٹل جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے بیگ لے کر صحن میں نکل آیا۔ بڑا سا صحن عبور کرتا وہ اپنی ہی سوچوں کے تانے بانے میں مگن تھا جب بیرونی دروازے پر پہنچ کر چونکا..... اس نے تو سوچا تھا کہ حنا کو پھپھو اور شہلا شاید اس کی امی کے گھر چھوڑنے چلی گئی ہوں کیونکہ رات جو بھی ہوا اس کے بعد ظاہر ہے وہ یہاں رُک تو نہیں سکتی تھی۔ مگر اس کا یہ خیال سامنے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی حنا کو دیکھ کر چھناکے سے ٹوٹا تھا..... اس کے قدم کیا وہ پورے کا پورا کئی لمحے تک ساکت کھڑا پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا..... اُلجھے بال، جگہ جگہ سے پھٹے گیلے کپڑے، زخموں کے نشانات لیے نڈھال سی بیٹھی وہ لڑکی بلاشبہ حنا ہی تھی..... آنکھیں موندے کسی بے جان خستہ حال گڑیا کی طرح لگ رہی تھی جسے کسی بچے نے اس سے کھیلتے کھیلتے اُکتا جانے پر توڑ پھوڑ کر پھینک دیا ہو۔ اس کی حالت پر ارمغان کا دل کھنچ گیا۔

"اس لڑکی کے والدین کو اگر علم ہو جائے کہ انہوں نے رشتہ داری کے نام پر اپنی بیٹی کو کس جہنم میں دھکیل دیا ہے تو وہ کبھی اس آگاہی کو برداشت ہی نہ کر پائیں۔"

اس نے اپنی آنکھوں میں بڑھ آنے والی نمی کو پلکیں جھپک کر پیچھے دھکیلنے کی ناکام سی کوشش کی اور اپنے بیگز کو گیلے فرش پر ہی پھینک کر حنا کی جانب لپکا۔ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس نے ہولے سے اسے مخاطب کیا۔

"حنا!..... حنا بھابی!!"

ارمغان نے اس کا شانہ ہلایا تو حنا نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ اس کے لب ہلے مگر آواز نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں.....؟"

ارمغان نے نرمی سے پوچھا تھا۔ حنا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تبریز!"

حنا کے کپکپاتے ہونٹوں سے مدھم سی آواز آئی تھی۔ ارمغان نے اس کے لہجے کی تڑپ کو محسوس کیا تھا۔ اس کے چہرے پر آنے والی تباہی کا خوف صاف ظاہر تھا۔ ارمغان نے اِدھر اُدھر دیکھا، کون تھا جو اس لڑکی کو سنبھالتا..... جنہیں سنبھالنا چاہیے تھا انہوں نے ہی تو اسے اس حال تک پہنچایا تھا۔

"آئی ایم سوری بھابی..... یہ..... یہ سب میری وجہ سے ہوا، مجھے یہاں رکنا ہی نہیں چاہیے تھا میں بہت شرمندہ ہوں۔"

ارمغان نے ندامت سے نگاہیں جھکا لیں۔

"آپ..... آپ کا کوئی قصور نہیں ہے ارمغان بھائی، میرا نصیب بہت ظالم ہے۔ ہر بار ایسے گھاؤ لگاتا ہے کہ جینا مشکل ہو جاتا ہے۔"

حنا نے یاسیت سے کہا تھا۔

"آپ ہمت کریں بھابی۔ کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔"

ارمغان اُسے تسلی تو دے رہا تھا مگر اپنے الفاظ کے کھوکھلے پن سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ شاید حنا بھی سمجھ گئی تھی کہ اس کا ہر دلاسہ ہر تسلی جھوٹی ہے..... جو ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا مگر پھر بھی وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"شاید کوئی معجزہ ہو جائے۔"

"آپ اُٹھ کر کمرے میں جائیں یہاں بہت سردی ہے۔ آپ بھیگی ہوئی ہیں اور زخمی بھی۔"

ارمغان نے اسے سہارا دے کر اُٹھایا تھا اور کمرے تک آنے میں اس کے لڑکھڑاتے قدموں کا ساتھ دیا تھا۔ اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ کچن سے ہیٹر اُٹھا لایا جسے بیڈ کے قریب رکھ کر چلایا اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے..... کسی بھی زخمی یا بیمار کی تیمارداری کا اسے کوئی تجربہ نہ تھا..... ایک مرتبہ بچپن میں وہ اپنے دوست کے ساتھ جھگڑا کر کے آیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا..... کرکٹ کھیلتے ہوئے اس کے ٹاؤل کرنے پر وہ بھڑک اُٹھا تھا۔ پھر ایسی ہاتھا پائی ہوئی کہ دونوں نے ایک دوسرے کو زخمی کر دیا..... مما نے اسے ہلدی والا دودھ بنا کر پلایا تھا..... اور دو سال پہلے وہاں امریکہ میں اس کا فلیٹ میٹ جب سیڑھیوں سے گر گیا تھا تب اس نے پاکستان فون کر کے مما سے ہلدی والا دودھ بنانے کا طریقہ پوچھا تھا۔ بہت سمجھانے پر بھی جب اسے سمجھ نہ آئی تو مما نے نیٹ آن کرنے کا کہا..... ویب کیم کے ذریعے اِدھر مما کچن میں ہلدی والا دودھ بنا رہی تھیں اور اُدھر ارمغان لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتے مما کے ہاتھوں اور باقی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر بالکل ویسا ہی کرتا گیا۔ کیا مزیدار دودھ بنا تھا..... پھر اس کے فلیٹ میٹ نے بارہا اس سے فرمائش کر کے بنوایا تھا۔ مما نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس سے زخم جلدی بھر جاتے ہیں اور درد میں بھی کمی ہوتی ہے..... وہ بیڈ پر لیٹی نیم بے ہوش حنا پر ایک نظر ڈال کر کچن میں چلا آیا۔ پندرہ منٹ کی مشقت سے وہ تمام ضروری انگریڈینٹس (ingredients) ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا..... دودھ بنا کر جب وہ حنا کے کمرے میں آیا وہ ویسے ہی پڑی تھی۔

''بھابی! اٹھیں یہ دودھ پی لیں اس سے آپ بہتر محسوس کریں گی۔''

حنا نے آہستہ سے بھاری پلکوں کی باڑ ہٹائی اور ارمغان کے ہاتھ میں پکڑے مگ کو دیکھا..... اُٹھنے کی کوشش میں اس نے تقریباً اپنی پوری توانائیاں صرف کر دی تھیں۔ ارمغان نے تکیہ اس کے پیچھے رکھا اور دودھ کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

''تبریز کہاں ہیں ارمغان بھائی؟''

حنا نے مگ پکڑنے کی بجائے سوال کیا تھا۔ نقاہت سے اس کی آواز ابھی بھی بہت مدھم تھی۔

''مجھے تبریز کے پاس جانا ہے میں انہیں سچائی بتاؤں گی..... وہ مان جائیں گے، بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔ اتنی دیر تک ناراض کیسے رہ سکتے ہیں۔''

حنا نے اُٹھنا چاہا تو ارمغان نے اُسے روکا۔

''مجھے تبریز کے پاس جانا ہے ارمغان بھائی۔''

حنا کی آنکھیں پھر چھلک اُٹھیں۔

''پلیز! آپ روئیں مت..... اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ یہ دودھ پی لیں طبیعت سنبھل جائے گی''

ارمغان نے ایک بار پھر اسے سمجھایا تھا مگر وہ تکیے سے ہی اُٹھ گئی۔

''آپ روک نہیں سکتے مجھے، ہٹیں پیچھے، مجھے جانے دیں۔''

وہ اپنی پوری طاقت مجتمع کر کے چلائی تھی۔

''حنا عقل کرو پاگل ہو گئی ہو.....؟ اپنی حالت دیکھو، مر جاؤ گی۔''

ارمغان نے اس کے ضد کرنے پر زچ ہو کر سختی سے اسے اُٹھنے سے روکا تھا۔

''مر تو میں ویسے بھی جاؤں گی۔ جس کے توسط سے اس گھر میں آئی تھی اب وہی مجھ سے بدظن ہے، میں کیسے جیوں۔ کیسے حواس میں رہوں ارمغان بھائی میں..... میں کیا کروں؟''

حنا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر جیسے اپنی آواز کو دبایا تھا..... ارمغان نے بے بسی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کئی منٹ اسے دیکھتا رہا مگر جب وہ کافی دیر تک رو چکی تو ارمغان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بس کریں حنا اتنا مت روئیں۔ جس شخص کے لئے آپ اپنے آنسو بہا رہی ہیں پہلے یقین کر لیں کہ وہ ان کے قابل ہے بھی کہ نہیں..... بے حس لوگوں کو ان انمول موتیوں کی مالائیں متاثر نہیں کرتیں۔''

حنا نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

''میں اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے ہلدی والا دودھ بنا کر لایا ہوں۔ یہ تو آپ کو پینا ہی پڑے گا تاکہ کل کو آپ میری دلہن کو کم از کم میری ایک خوبی تو بتا سکیں۔''

ارمغان نے اس کا دھیان بٹانے کو ذرا سا مسکرا کر کہا تھا۔ حنا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اپنی گیلی آنکھیں صاف کیں پھر اس کی شرارت سمجھ کر مگ اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔

''تو آپ بھی زید کی طرح میری خدمت اسی لالچ میں کریں گے کہ میں آپ کے لیے بھی لڑکی تلاش کروں اور پھر اس کے سامنے آپ کو کسی بھی طرح ہرفن مولا ثابت کروں۔''

ارمغان اس کی بات پر کھل کر ہنسا تھا۔ حنا کے چہرے پر سکون و طمانیت کی کوئی جھلک نہ تھی حتیٰ کہ لاکھ کوششوں کے باوجود وہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر سجا نہیں سکی تھی۔ پھر بھی اُس نے ارمغان کا ساتھ دیا تھا وہ جانتی تھی وہ اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہا ہے ورنہ حالات کی سنگینی کا اسے بھی بخوبی اندازہ تھا۔ ارمغان اس کے دودھ پینے کا منتظر تھا۔ وہ فوراً یہاں سے نکلنے کے لئے بے چین تھا۔ نجانے کیوں اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ کل رات جس واقعہ کو بنیاد بنا کر سارا تماشہ ہوا تھا، اب پھپھو کیسے اسے یوں اکیلا حنا کے پاس چھوڑ کر گھر سے غائب ہو سکتی ہیں۔ ارمغان نے اسے مگ ہونٹوں سے لگاتے دیکھ کر خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کمرے سے ابھی نکلا نہ تھا کہ دروازے میں تن کر کھڑے تبریز کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُس کے چہرے کے تناؤ سے ظاہر تھا کہ وہ ابھی چند لمحے پہلے ہی آیا ہے جب ارمغان حنا کی بات پر ہنس رہا تھا..... اس کے انداز سے پرورشگی کی مہر تب لگی جب تبریز اسے ایک طرف دھکیل کر اندر داخل ہوا اور حنا کے ہاتھ سے مگ چھین کر فرش پر پھینک دیا مگ ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا اور اس میں موجود دودھ کے چھینٹے دیواروں تک گئے تھے۔

''تم اب بھی باز نہیں آئیں؟''

تبریز کی آنکھوں میں خون اُبل رہا تھا اور اس کے اندر کے الاؤ کی چنگاریاں منہ کے راستے باہر نکل کر حنا کو جلانے لگی تھیں۔

''تم کیوں باز آؤ گی تمہیں تو بس گل چھرے اُڑانے سے غرض ہے۔ شوہر کی کیا ضرورت ہے ..... اور جو بہت چاہنے والے مل جاتے ہیں خدمتیں کرنے کے لئے.....''

حنا کو حقیقت میں ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ارمغان نے اس کی غیر حالت دیکھی تو تبریز کی طرف چلا آیا..... اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے تحمل سے بولا۔

''میری بات سنو! میرے بھائی.....! تم بہت ہی سنگین غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو..... بھابی کی حالت تو دیکھو.....''

''تم کچھ مت کہو ارمغان!''

تبریز نے اس کی بات درمیان میں ہی اُچک لی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اپنے شانے پر رکھا اس کا ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف پلٹتا ہوا بولا۔

''تم اسے نہیں جانتے، بہت شاطر ہے یہ..... پوری ساحرہ ہے..... اپنے حسن اور معصومیت کے سحر سے دوسروں کو دیوانہ بنا دیتی ہے، میں بھی اس کے پیچھے پاگل تھا۔ مگر میری آنکھوں سے اس کی معصومیت کا پردہ ہٹنے میں دیر لگی مگر تمہیں میں پہلے ہی آگاہ کر دیتا ہوں۔ اس کے اصل کرتوت سے تم واقف نہیں ہو..... ایک کے بعد ایک شکار اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اس لحاظ سے یہ بہت خوش قسمت ہے..... پہلے میں پھر زید اور اب تم.....!''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ تبریز۔''

ارمغان کے صبر کے تمام پیمانے لبریز ہو چکے تھے۔ وہ چھلک اُٹھا۔

''بس۔ بہت سن لی میں نے تمہاری یہ بیہودہ بکواس..... کس قدر گھٹیا شخص ہو تم..... اپنی ہی عزت سر عام نیلام کرنے پر تلے ہو..... چلو میں تو کزن ہوں تمہارا..... میرے کردار پر بھروسہ نہیں ہے تمہیں مگر اپنی بیوی پر تو اتنے غلیظ الزام مت لگاؤ..... جو شخص اپنی شریک حیات کے بارے میں

اس قدر فحش گفتگو کر سکتا ہے اُس سے کسی بھی قسم کی انسانیت کی اُمید رکھی بھی کیسے جا سکتی ہے۔ زید ٹھیک کہتا ہے تم، تمہاری نیچ ذہنیت اور تمہارا یہ گھر اس فرشتہ صفت لڑکی کے لائق ہی نہیں ہیں۔''

ارمغان بہت ضبط کے باوجود بھی اپنے غصے کو کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔ تبریز طنزیہ مسکرایا۔

''تمہارا قصور نہیں ہے میرے بھائی..... تم بھی گھائل ہو ہی گئے ہو..... مرمٹے ہو تم بھی اس پر.....''

''اپنی گھٹیا ذہنیت کی وجہ سے کسی کے کردار پر الزام تراشی کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں تمہیں بھی اس بات کا احساس ہے کہ تم اس لڑکی کے لائق نہیں ہو تبھی تو دن بدن احساس کمتری کا شکار ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں خوف ہے کہ حنا تمہیں چھوڑ دے گی، تم سے بہترین انسان کی تلاش میں..... یہ تمہارے اندر کا خوف ہے اور حنا کے ساتھ زبردستی شادی کرنے کا احساس جرم جس کا تم اعتراف کرنے کی بجائے دوسروں پر الزام دھرتے ہو اور غیرت کے نام پر یوں اُچھلتے پھر رہے ہو۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے یہاں رہنے کا..... اور نہ میں دوبارہ کبھی اس گھر میں آنا چاہوں گا..... مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم اپنا گھر اُجاڑو یا بساؤ..... جب تمہیں کھرے کھوٹے کی پہچان ہی نہیں ہے یا تم جان بوجھ کر پہچان کرنا نہیں چاہتے تو پھر بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری یہ جھوٹی غیرت..... میری ایک بات ذہن نشین کر لو اگر اس لڑکی کے ساتھ نبھاہ کرنا چاہتے ہو تو خود کو اس کے قابل بناؤ۔ اللہ سے معافی مانگو اور سچ اور جھوٹ میں سے سچائی کو پرکھنا سیکھو ورنہ ایک دن بہت اکیلے رہ جاؤ گے اور تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔''

وہ باہر نکلا تو پھپھو اور ان کے پیچھے کھڑے پھپھا جی کو دیکھ کر ٹھٹکا مگر پھر انہیں نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ تبھی پھپھو کی آواز نے اس کے اُٹھتے قدم روکے تھے۔

''ارمغان بیٹا! تم تبریز کی باتوں کا بُرا مت ماننا..... اسے عادت ہے کچھ بھی بنا سوچے سمجھے بول دینے کی۔ بہت جذباتی ہے یہ لیکن تم تو.....''

''پھپھو یقین مانیں مجھے اپنے لیے بُرا نہیں لگا۔ میں تبریز کی نظر میں اچھا ہوں یا نہ یہ اہم نہیں ہے..... کیونکہ میں نے ساری زندگی اس کے قدم سے قدم ملا کر اس کے ساتھ نہیں چلنا۔ بہرحال ایک بات آپ سے ضرور کہوں گا کہ اگر آپ اپنے گھر کا سکون اور اپنے بیٹے کی خوشگوار زندگی کی متمنی ہیں تو سچے دل سے حنا کو اپنی بہو مان لیں۔ اور تبریز کی خیر خواہ بن کر اسے سمجھائیں کہ حنا کا

ساتھ اس کی دنیا بھی سنوار دے گا اور آخرت بھی کیونکہ میں نے اُسے ایسی لڑکی پایا ہے جو اگر بیٹی ہے تو والدین کی عزت کی خاطر خود کو قربان کر دے مگر ان کی حکم عدولی نہ کرے۔ اگر بیوی ہے تو ایسی جس کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ نیک بیوی رحمت ہوتی ہے جو شوہر کی دنیا بھی جنت بنا دیتی ہے اور آخرت میں اُس کے لیے باعث رحمت ہوتی ہے...... اب چلتا ہوں...... اجازت دیجیے۔"

ارمغان نے ان کو مزید کسی بات کا موقع دیے بنا وہاں سے قدم آگے بڑھا دیے۔

****

"ہائے! اس منحوس کی وجہ سے اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا خوب جچتا وہ میری شہلا کے ساتھ۔"

ارمغان کو گئے ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا کہ تائی اماں نے پھر واویلا کرنا شروع کر دیا۔ وہ برآمدے میں تخت پر بیٹھ کر حنا کو کوسنے لگی تھیں۔

"نا معلوم کیا جادو ہے اس چھٹانک بھر کی چھوکری کے پاس کہ جوان لڑکے پل بھر میں مٹھی میں کر لیتی ہے...... انگلیوں کے اشاروں پر نچاتی ہے انہیں اور خود ایسے معصوم بنی رہتی ہے جیسے کسی بات کی خبر ہی نہ ہو۔ اتنا اچھا لڑکا تھا ارمغان۔ وہ بھی اس کے جھانسے میں آ گیا۔ اس کے گلے پڑتا گیا ہے۔" تائی ماں کے الفاظ جلتی پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ کمرے میں ٹہلتا تبریز اس قدر آگ بگولا ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ماں کی ہر بات سے متفق ہو...... اُس کے چہرے کے تاثرات سے حنا کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میری ساری عمر کی جمع پونجی لے اُڑی یہ لڑکی...... ایک بیٹا چھین لیا دوسرے کو میرے ہی خلاف میرے مقابل لا کھڑا کیا کہ...... وہ مجھے، اپنی ماں کو دشمن سمجھنے لگا ہے۔ بیٹی کے لیے اتنا اچھا لڑکا پسند کیا تھا میں نے اُسے بھی ہم سے بدظن کر دیا۔ میری تو تینوں اولادوں کو لے ڈوبی یہ...... برباد کر دیا اس نے میرے گھر کو۔ میری ناک کے نیچے گل چھرے اُڑاتی پھر رہی تھی اور دیکھو مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔"

تائی ماں کی زبان زہر اُگل رہی تھی اور حنا چکراتے سر اور ڈولتی دھڑکن لیے بمشکل بیٹھی تھی...... پھر ہمت کر کے وہ بیڈ سے اُتر کر تبریز کے پاس چلی آئی۔

"تبریز! میں...... میں بے گناہ ہوں...... پلیز میرا یقین کریں جیسا آپ سب سمجھ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے"...... حنا نے آنسوؤں کا گولہ حلق سے نگلا تھا۔

"تو پھر کیسا ہے حنا......؟"

تبریز اس کی طرف پلٹا تھا۔ اس کے جارحانہ انداز پر وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے میں امی ابو سے کتنا شرمندہ ہوں...... میں تبریز ہاشم علی جو ڈنکے کی چوٹ پر برملا یہ اعلان کر کے تمہیں اس گھر میں لایا تھا کہ میری پسند ایک ایسی لڑکی ہے جو خاندان بھر کی لڑکیوں سے معصوم، خوبصورت اور ہر لحاظ سے بہترین ہے۔ حنا قاسم ہی وہ لڑکی ہے جو میرے خوابوں کی ملکہ ہے اور میری شریک حیات کوئی عام لڑکی ہو ہی نہیں سکتی...... حنا قاسم بہت ہی خاص ہے اتنی خاص کہ میں ساری زندگی اس کے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہوں۔ مگر تم نے کیا کیا......؟ میرا سارا غرور مٹی میں ملا دیا...... تم نے ثابت کر دیا کہ میری امی کے تمام خدشات درست تھے۔ تم میرے قابل ہی نہ تھی۔ امی نے آج تک جو بھی تمہارے بارے میں کہا وہ سو فیصد سچ نکلا...... تم نے میری محبت کے پرخچے اُڑا دیے حنا، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے...... اور میں اپنے دشمن کو تو معاف کر سکتا ہوں مگر خود کو دھوکہ دینے والے کے لیے میرے پاس کوئی رعایت نہیں ہے۔"

"تبریز آپ میری بات تو سنیں...... میرا یقین کریں میں"

"مجھے کچھ نہیں سننا، ایک لفظ بھی نہیں......"

تبریز نے اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں کہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ! یہاں سے...... میں اب ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں اپنی زندگی میں اپنے کمرے میں اور اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تم نے آج تک میری محبت کو برتا ہے مگر اب تم نے مجھے دھوکہ دے کر میری اسی محبت کو للکارا ہے۔ توہین کی ہے تم نے میرے جذبات کی، نکل جاؤ! ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے اور دوبارہ کبھی لوٹ کر مت آنا......"

وہ چلایا تھا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی...... یہ میرا گھر ہے۔ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

وہ بے اختیار بولی تھی۔ اس کی کپکپاتی آواز کمرے میں گونجی تھی۔

"تمہارا گھر نہیں ہے یہ...... اس گھر کی مالکن ابھی زندہ ہے۔"

تائی ماں نجانے کب کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"مجھے تو پہلے ہی خبر تھی کہ تم کسی منصوبے کے تحت یہاں بھیجی گئی ہو ورنہ تمہاری ماں کیسے اتنی جلدی اس رشتے کے لیے مانتی...... سارا منصوبہ ہی تمہارے ذریعے دولت ہتھیانے کا تھا۔ ویسے بھی تمہیں کونسا فرق پڑا اس شادی سے۔ تمہیں جو چاہیے وہ شکار تو تمہیں یہاں بھی میسر آ جاتے ہیں۔"

تائی ماں اس کے سر پر بم پھوڑ رہی تھیں۔

"تبریز! یوں بے غیرت بنے کیوں کھڑے ہو نکالو اس کلنا ہوں کی پوٹلی کو باہر۔ گھر میں تمہاری جوان بہن ہے اگر وہ بھی اس کی دیکھا دیکھی اس راہ پر چل نکلی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔"

تائی ماں نے رُخ موڑے کھڑے تبریز کو مخاطب کیا تھا۔ اتنے میں باہر صحن اور برآمدے میں عورتوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو تائی ماں نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"ارے بہن رات سے تمہارے گھر میں یہ کیسا شور ہے..... سب خیریت تو ہے نا؟"

آس پڑوس کی چند عورتیں جمع ہو کر ان کے گھر آئی تھیں۔

تائی ماں نے دوپٹے کا پلو منہ میں دبایا اور رونا شروع کر دیا۔

"کیا ہوا؟ نصرت کچھ پتا بھی تو چلے۔"

پڑوس کی نگہت نے آگے بڑھ کر تائی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دریافت کیا تھا۔

"ارے کیا بتاؤں میرے تو نصیب ہی پھوٹ گئے۔ جوانی میں تو کوئی سکھ نہ ملا مگر اب اس عمر میں بھی رسوائی میرا مقدر بنی کھڑی ہے..... کس منہ سے بتاؤں میں کہ میری بہو نے کس طرح میرے سر میں خاک ڈالی ہے۔ کب تک چھپاتی میں اس کے کرتوت محلے والوں سے..... آخر کبھی نہ کبھی تو یہ پول کھلنے ہی تھے۔"

تائی ماں کی باتیں حنا کو اندر تک راکھ کا ڈھیر بناتی جا رہی تھیں..... اُسے اپنا آپ کیچڑ میں لتھڑا دکھائی دینے لگا تھا..... اپنی طرف اٹھتی ہر نظر اسے جسم پر چبھتی محسوس ہو رہی تھی۔ تبریز اسے بازو سے تھامے باہر لے آیا تھا اور پھر کھینچتا ہوا بڑا سا صحن عبور کر کے بیرونی دروازے پر لے گیا۔ ساری عورتیں منہ میں انگلیاں دبائے سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ تبریز نے لکڑی کا بڑا سا دروازہ کھولا اور حنا کو باہر دھکیل دیا۔

"تبریز! مجھے گھر سے مت نکالیں..... میں کیسے آپ کو اپنی پاک دامنی کا یقین دلاؤں۔"

حنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ اس کا شوہر اس کے سچا ہونے کا یقین کر لے۔

"کچھ بھی نہیں رہا اب کہنے اور سننے کے لئے..... چلو مانا کہ میری ماں جھوٹی ہے مگر جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کم از کم میں وہ تو جھٹلا نہیں سکتا..... اور یہ سب میری برداشت سے باہر

ہے۔ میں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا..... آج سے تم میری کچھ نہیں ہو..... میں تمہیں طلاق دے دوں گا..... تم وہ حنا نہیں ہو جسے میں نے چاہا، وہ بھلے ہی مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی، میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی مگر..... وہ باکردار تھی۔ تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو مگر تم باکردار نہیں ہو..... تم میری حنا نہیں ہو۔"

تبریز کا لہجہ اب شکست خوردہ تھا، اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی، جوان آخری الفاظ کی ادائیگی کے دوران میں سننے والوں کے ساتھ ساتھ اس نے خود بھی محسوس کی تھی۔

"تبریز! ہمیشہ کی طرح جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں، میری پاک دامنی وقت ثابت کرے گا۔ آپ وقت کو موقع دیں، بس تھوڑی سی مہلت چاہیے۔ میں خالی دامن ہوں مگر بچی ہوں اور سچائی خود اپنا آپ منوا لیتی ہے بس کچھ وقت....."

"وقت.....؟؟"

تبریز نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تمہیں وقت ملا تھا حنا..... اور اس کے ساتھ ساتھ میری محبت، میرا ساتھ اور میں خود پورے کا پورا تمہارا تھا۔ وقت نے تمہیں سبھی کچھ دیا تھا مگر تم نے قدر نہیں کی۔ تم نے وقت کا احسان نہیں مانا..... اب تمہیں اس کا جرمانہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا وہ بھی سود سمیت..... بے فکر رہو میں کچھ نہیں کروں گا..... میں صرف تمہیں آزاد کروں گا۔ وقت تم سے اپنا خراج خود وصول کرے گا۔"

اب کی بار تبریز کا لہجہ بپھرا تھا اور آنکھوں میں بے رحمی اور سفاکی کا عکس، حنا نے ڈوبتے دل کے ساتھ ڈبڈبائی آنکھوں سے اُسے دیکھا مگر وہ رُکا نہیں بولتا چلا گیا۔

"میں تبریز ہاشم علی بقائمی ہوش و حواس ان سب لوگوں کی موجودگی میں ابھی اور اسی وقت تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

"نہیں!..... تبریز ایسا مت کریں۔ میں کیا کروں گی۔ کہاں جاؤں گی۔ امی ابو یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔"

حنا اُس کے قدموں میں گر گئی تھی۔ گھر کی دہلیز پر کھڑے تبریز کا دل جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ وہ اسے بازو سے تھامے اب اُس مشترکہ گیٹ سے بھی نکال چکا تھا جو تمام پورشنز کا سانجھا تھا۔ حنا اب بازار میں کھڑی تھی جہاں لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

"میں تمہیں دوسری طلاق دیتا ہوں۔"

تبریز کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ گھر کے اندر اور باہر جمع تمام نفوس بے

حس و حرکت دم سادھے کھڑے تھے۔ حنا اُٹھ کر تبریز کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''مجھ پر رحم کریں..... یہ ظلم مت ڈھائیں..... کیسے جیوں گی میں آپ کے بنا، مجھے اپنے سے الگ مت کریں۔ گھر کے کسی بھی کونے میں پڑی رہوں گی۔ سارے کام کروں گی..... اپنے سارے حقوق معاف کرتی ہوں آپ کو..... بدلے میں بس میرے سر پر یہ چھت رہنے دیں۔ میں آپ سے کبھی کچھ اور نہیں مانگوں گی تبریز۔ بس اپنا نام مجھ سے مت چھینیں۔''

تبریز نے ایک بے درد نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں..... پھر آپ مجھے خود سے الگ کیسے کر سکتے ہیں۔''

حنا اسے شانوں سے تھام کر پوچھ رہی تھی..... تمام لوگ حیرت کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

''ہاں میں نے تم سے محبت کی اور بے انتہا کی..... مگر تم مجھ سے کبھی محبت نہیں کر پائی..... میں نے یہ برداشت کیا مگر اب جو تم نے کیا وہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھ سے دور رہنا چاہتی تھی ناں..... تو خوش ہو جاؤ..... یہ جدائی کے خوف کا ڈھونگ کیوں کر رہی ہو.....؟ آزادی کی نوید سنا رہا ہوں تم اس خوشی کا اظہار برملا کر سکتی ہو خوشی سے اُچھلو کودو!..... ہنسو!..... اس طرح رو رو کر تماشہ مت کرو۔ تمہاری دلی خواہش پوری ہو رہی ہے..... تمہیں اس بندھن سے آزادی مل رہی ہے جس میں تمہیں زبردستی باندھ دیا گیا تھا..... تم قیدی تھیں آج آزاد کر دیا میں نے تمہیں..... جاؤ مسز حنا تبریز آج سے تمہیں تمہارا نام واپس دیتا ہوں تم آج سے مسز حنا تبریز نہیں بلکہ پہلے والی حنا قاسم ہو۔ میں تمہیں اس نام کی قید سے بھی رہا کرتا ہوں..... اپنی آزادی مناؤ، جیسے چاہو، جہاں چاہو اور جس کے ساتھ چاہو تمہیں میں نے ہر قید سے آزاد کیا..... تیسری اور آخری مرتبہ میں نے تمہیں طلاق دی.....''

تبریز کی لہو رنگ آنکھیں حنا پر جمی تھیں اور اس کے الفاظ نے جیسے حنا کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا تھا۔ اس کی سانسیں رُکنے لگی تھیں۔ سر پر دوپٹہ تو پہلے ہی نہ تھا اب آسمان بھی جیسے چھن گیا تھا۔ اپنے ننگے پاؤں کے نیچے سے اسے حقیقی طور پر زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔ تبریز کے شانوں پر رکھے اس کے ہاتھ ڈھلک گئے تھے جیسے وہ بھی جان گئے ہوں کہ ان کا حق ان سے چھین لیا گیا ہے۔

''کاش آپ نے مجھے ہر قید سے آزاد کر دیا ہوتا کیونکہ زندگی کی قید تو ابھی باقی ہے۔''

حنا نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اپنے سامنے تن کر کھڑے اس بے درد انسان کو دیکھ کر سوچا تھا۔ تمام لوگ دم سادھے ساکن تھے ہر چیز ساکن تھی، اطراف میں سناٹا چھا گیا تھا۔ نجانے

کتنے ہی پل کے لیے ہر چیز تھم گئی تھی۔ حنا کو لگا اردگرد کی تمام چیزیں کینوس پر اُتاری ہوئی کسی ماہر پینٹر کا شاہکار ہیں جن پر اصلی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اطراف میں موجود لوگ زندہ نہیں بلکہ پتھر کی مورتیاں ہیں جنہیں سنگ تراش نے بڑی لگن سے تراشا ہے مگر مورتی چاہے جتنی بھی محبت سے تراشی جائے ہوتی تو پتھر ہی ہے اور پتھروں سے سر پھوڑنے سے اپنا آپ ہی زخمی ہوتا ہے اپنا خون ہی نکلتا ہے۔ خود اس نے یہی غلطی تو کی تھی اور بارہا کی تھی۔ اس کا اندر باہر زخمی تھا اور وہ بے حال..... نجانے اسے خود سے یہ کیسی دشمنی ہو گئی تھی کہ پتھروں سے سر پھوڑنا اس کا جیسے مشغلہ ہو گیا تھا..... شادی سے پہلے بھی وہ انہی پتھر کی مورتیوں سے زخمی ہوئی تھی اور شادی کے بعد تو اسے یہ زخم بھی اپنے لگنے لگے تھے..... روزانہ ایک نیا گھاؤ اسے لگتا مگر وہ ان کی جیسے عادی ہو گئی تھی..... مگر آج بہت سے اپنوں کی طرح یہ گھاؤ بھی اس کے دشمن ہو گئے تھے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھ بیٹھی تھی..... اچانک ہی اس کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے تبریز کا گریبان پکڑ لیا..... ''اتنی چاہت اتنی محبت سے کی ہوئی شادی کیسے کوئی ایک ہی پل میں توڑ سکتا ہے؟ اگر آپ نے یہی سب کرنا تھا تو یہ شادی کی ہی کیوں تھی، کیوں آپ نے میری زندگی برباد کر دی؟ کیا یہی تھی آپ کی محبت؟؟ آپ کا بچپن کا پیار؟ آپ تو کہتے تھے کہ حنا آپ کی ہے اور آپ کے علاوہ کسی کی ہو ہی نہیں سکتی..... پھر اب آپ کیسے مجھے خود سے الگ کر سکتے ہیں؟ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ بھی آپ نے اکیلے کیا تھا..... اس میں میری رضا شامل نہیں تھی مگر اب جب میں نے اپنی رضا کو بدل لیا تھا تو اب کیا حق پہنچتا ہے آپ کو ایک مرتبہ پھر اکیلے فیصلہ کرنے کا؟''

حنا نے آنکھوں سے بہتے آنسو اُلٹے ہاتھ سے صاف کیے اور تبریز کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے..... میں کوئی کھلونا ہوں جو آپ کو پسند آیا تو خرید کر گھر لے آئے..... کھیلتے کھیلتے جی اُکتا گیا تو پھینک دیا..... میں انسان ہوں جیتی جاگتی انسان..... میرے احساسات ہیں، دوسروں کے رویے مجھ پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ میرا بھی دل دُکھتا ہے۔ مجھے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا پورا حق ہے مگر آپ نے مجھے کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا ہے..... میری ڈور آپ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے..... آپ کا دل چاہا تھا آپ مجھے گھر لے آئے..... مگر آپ کے گھر والوں کو میں پسند نہیں آئی تو آپ نے مجھے گھر سے نکال باہر کیا..... اس سب میں آپ کی محبت کہاں ہے؟ جس محبت کا آپ دعویٰ کرتے ہیں کہاں ہے وہ؟؟؟''

تبریز لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ حنا اس کا گریبان تھامے جو کچھ اس سے پوچھ رہی تھی وہ کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ نجانے کیسے اس نے اپنا دل اس قدر سخت کر لیا تھا ورنہ عام حالات میں اگر وہ حنا کو ایسی لٹی پٹی حالت میں دیکھتا تو ہر چیز تہس نہس کر دیتا مگر آج وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑا تھا۔

کتنی ظالم اور بے رحم ہوتی ہے ناں غلط فہمی کی ہلکی سی چنگاری بھی جو اس قدر طاقتور ثابت ہوتی ہے کہ ایک بار اگر سلگ اُٹھے تو ایندھن کا بندوبست خود ہی کر لیتی ہے۔ آپ کی آنکھیں، کان، زبان، دماغ آپ کے دشمن بن جاتے ہیں۔ آنکھیں ہر منظر کو ویسا ہی بنا کر آپ کے سامنے پیش کرتی ہیں جیسا غلط فہمی کہتی ہے..... کان وہی الفاظ سن پاتے ہیں جو اس غلط فہمی کو بڑھاوا دینے میں معاون ہوتے ہیں..... زبان وہی زہر اُگلنے لگتی ہے جو مقابل کی سماعتوں کے راستے جسم میں گھس کر زندگی نچوڑ لے..... اور دماغ ہر بات، ہر چیز کا وہی مطلب نکالتا ہے جو اس تباہ کن منزل کی طرف جاتی راہ پر ہمیں گامزن کر دیتا ہے جس کا آغاز غلط فہمی کی پہلی چنگاری سے ہوتا ہے۔ ہم صحیح اور دوسرا غلط، یہ احساس ہمارے اندر جگانے والا ہمارا دماغ ہی تو ہوتا ہے جو اپنوں کے خلاف ہزاروں لاکھوں تاویلیں گھڑ کر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اگر ہمارا دل ایک پل کے لئے بھی اپنے پیاروں کی محبت میں نرم پڑنے لگے، ان کے لیے تڑپنے لگے تو ہمارا دماغ فوراً الرٹ ہو جاتا ہے۔ ان اپنوں کے ساتھ گزارے ہزارہا خوبصورت پل محبتوں سے گندھے لمحے اور ایک ساتھ مل بانٹ کر گزارے خوشگوار خوشیوں بھرے دن رات سب کچھ یکسر بھلا دیتا ہے اور وہ کوئی ایک آدھ زیادتی جو شاید انجانے میں ہی ہمارے ساتھ ہو گئی ہو یا کوئی آدھا ادھورا کڑوا جملہ جو ہمارے اپنوں نے کبھی غصے میں کہہ دیا ہو یا پھر کوئی نامکمل سی سنی سنائی بات جو کسی دوسرے کی زبانی ہمیں پتا چلی ہو تھوڑا سچ اور زیادہ جھوٹ ان سبھی ہتھیاروں کو ایسے ایک ایک کر کے ہم پر استعمال کرتا ہے کہ دل بے چارہ اپنی ہار مان لیتا ہے اور لگاتار لڑائی سے بے دم سا ہو کر اپنے آپ کو دماغ کے سامنے سرنڈر کر دیتا ہے پھر ہمارا دماغ اس پر مکمل عبور حاصل کر کے اسے بے حس بنا دیتا ہے۔ دل کی زمین جو ہمیشہ سے محبتوں اور میٹھے بولوں جیسے نرم احساسات سے گندھی رہتی ہے پھر بنجر ہو کر اپنے اندر غصے اور نفرت کے لاوے پالنے لگتی ہے اور یہ لاوا جب پھٹتا ہے تو پھر ایسی ہی تباہیاں لے کر آتا ہے جن کا ازالہ ناممکن ہوتا ہے۔

حنا کی زندگی بھی ایسی ہی تباہی کا منظر پیش کر رہی تھی..... وہ معصوم سی لڑکی بھی غلط فہمی کی ایک چھوٹی سی چنگاری کا شکار ہو کر سر سے پیر تک جھلس چکی تھی..... اور یہی کافی نہیں

تھا..... غلط فہمیوں کے جہنم کا ابھی پیٹ نہیں بھرا۔ ابھی تو وہ نجانے کس کس محبت کو اور معصوم سے رشتوں کو نگلنے کے لئے بے تاب ہے۔ حنا نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا تھا۔

''تبریز! آپ کو یاد ہے آپ مجھے کہا کرتے تھے کہ میں آپ کے سامنے نہ رویا کروں..... آج دیکھیں آپ نے خود ہی مجھے آنسوؤں کے حوالے کر دیا ہے..... میں رونا نہیں چاہتی مگر یہ رُکتے ہی نہیں ہیں۔ آپ نے ان آنسوؤں کو میرا مقدر کیوں بنا دیا.....؟ کیا اب آپ کو مجھے روتا دیکھ کر کچھ نہیں ہوتا؟

تبریز! اِدھر دیکھیں..... میں وہی حنا ہوں جس کے ساتھ آپ کا بچپن گزرا..... آپ کی چچا زاد..... آپ مجھے تب سے چاہتے ہیں جب میں نے پہلی بار اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ ہم ایک دادا کی اولاد ہیں۔ ایک ہی خون ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ آپ خود سے پوچھیں کیا آپ کی حنا کبھی کوئی ایسا کام کر سکتی ہے جس سے ہماری عزت پر حرف آئے..... ہمارا جنم کا رشتہ ہے تبریز ہم خون کے ساتھی ہیں..... پھر آپ کیوں ہر رشتہ توڑنے پر تل گئے ہیں۔ دنیا میں بنایا رشتہ تو آپ نے توڑ دیا مگر آپ وہ تعلق کبھی نہیں توڑ پائیں گے جو اللہ نے ہمارے درمیان ازل سے ابد تک قائم کر دیا ہے..... آپ میرے تایا زاد۔ میں آپ کی چچا زاد ہمیشہ سے ہوں اور مر کر بھی یہ رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔ ہمارا جب بھی نام لیا جائے گا ہمارے دادا کے خاندان کے حوالے سے لیا جائے گا۔''

حنا نے بے بسی سے تبریز کو دیکھا تھا..... وہ اب بھی خاموش تھا۔

''اللہ کے بنائے گئے رشتے ہم انسان کبھی نہیں توڑ سکتے کبھی بھی نہیں..... یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر ہم ان سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ کیوں جیتے جی ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں..... کیوں الگ ہو جاتے ہیں..... یہ ناممکن کوشش کرتے کرتے خود کو ہلکان کرتے رہتے ہیں تمام عمر۔ کیا اس طرح ہم خدا کو چیلنج نہیں کر رہے ہوتے کہ دیکھو اللہ! تم نے ہمیں رشتے دیئے تھے دیکھو ہم نے توڑ لیے..... ہم پر ظلم ہوا۔ ہم سے زیادتی ہوئی۔ ہمیں ہمارا حق نہیں ملا، اس لیے ہمارے نزدیک تمہارے بنائے رشتوں کی کوئی اوقات نہیں..... شاید ہماری یہی سوچ ہمارے یہی رویے ہمیں ساری عمر ناخوش اور بے چین رکھتے ہیں۔ ہم سب کچھ پا لیتے ہیں دولت، شہرت، مصنوعی رشتے سب کچھ مگر اصلی رشتوں کی ڈوری اور خدا کی اس عظیم نعمت کو حقیر جان کر ٹھکرانے کی سزا ہمیں اس دنیا میں بے چینی، ڈپریشن، بے سکونی اور عجیب و غریب پریشانیوں کے تحائف ساری عمر ملتے رہتے ہیں مگر ہم ایسے ڈھیٹ بن جاتے ہیں اور انا کے غلام

ہو جاتے ہیں کہ نرم پڑنا اور جھکنا قبول نہیں کرتے اور ٹوٹ کر بکھر جانا پسند کر لیتے ہیں..... یہ کیسا دردناک المیہ ہے جو ہم جانتے بوجھتے خود کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ قطرہ قطرہ زہر خود ہی اپنی نس نس میں اتارتے رہتے ہیں اور دہائی دیتے ہیں کہ ہمیں مار دیا گیا..... ہم مظلوم ہیں۔"

حنا بے بسی سے سوچ رہی تھی۔ تبریز نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور واپس مڑنے لگا تبھی حنا کو ہوش آیا تھا۔ اسے لگا اگر آج وہ پلٹ گیا تو شاید کبھی واپس نہ آئے۔ اس کا دل ایک دم ہی جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس لمحے اسے یہ دردناک انکشاف ہوا کہ نہ نہ کرنے کے باوجود بھی نجانے کیسے وہ اس شخص سے محبت کر بیٹھی تھی جس کے ذکر سے ہی اسے وحشت ہوا کرتی تھی۔ اس کی بیوی بنی تو دل نجانے کیسے اس کی محبتوں کے بیج اپنی زمین میں بو بیٹھا تھا اور اب جبکہ وہ بیج پھل پھول کر تناور درخت بن گئے تو حنا کو ان کا ادراک ہوا۔ وہ بے خیالی میں ہی ماری گئی تھی..... کیسا بے درد لمحہ تھا جس میں اس سچائی کا احساس ہوا تھا۔ اسے لگا تبریز نہیں پلٹنا زندگی پلٹ رہی ہو..... اس کا سانس تھم گیا تھا۔ ایک پل کی بھی تاخیر کیے بنا وہ اس کی طرف لپکی۔

"تبریز! میں..... میں آپ سے محبت کرتی ہوں..... بہت زیادہ محبت..... اتنی کہ آپ کے بنا جینا مجھے ناممکن لگ رہا ہے..... پلیز! کچھ ایسا کریں کہ یہ جدائی نہ ہو..... کچھ تو ہو سکتا ہے..... کوئی تو ازالہ ہوگا۔"

وہ اس کا بازو تھامے اس کے سامنے کھڑی جیسے چند سانسیں اُدھار مانگ رہی تھی۔ تبریز کے ہونٹوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ اُبھری تھی۔

"میں تمہاری نفرت کو محبت میں بدل کر رہوں گا اور دیکھنا تم ایک ایسا دن بھی آئے گا جب تم میرے لیے، میری تمنا میں اسی طرح روؤ گی جس طرح تم مجھ سے دور رہنے کے لئے اب رو رہی ہو۔"

حنا کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ تبریز کی کہی بات الفاظ کی صورت میں اسے فضا میں اپنے اردگرد چکر لگاتی اپنا منہ چڑاتی نظر آ رہی تھی۔ تبریز کے ہونٹوں پر ذرا آنے والی مسکراہٹ کی ساری تلخی حنا کے وجود میں سرائیت کر گئی۔

"کیوں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ یہ..... کیوں کیا آپ نے..... جب مجھے آپ سے نفرت تھی تو مجھے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا۔ اب آپ سے دُور رہنا مرنے کے برابر ہے تو آپ مجھے زبردستی خود سے دُور کر رہے ہیں۔ میں مر جاؤں گی تبریز!..... آپ کی حنا مر جائے گی۔"

حنا نے اس کے سینے سے سر ٹکا دیا تھا۔ وہ اس طرح ٹوٹ کر رو رہی تھی کہ تبریز کا سخت

دل بھی ایک لمحے کو لرز گیا..... اس نے آہستہ سے اسے شانوں سے تھام کر خود سے الگ کیا اور خود دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

حنا نے اس کی طرف بڑھنا چاہا مگر کسی نے بڑھ کر اسے روک دیا۔

"آئے ہائے بچی۔ اب یہ پرایا ہے تمہارے لیے..... نامحرم ہے۔ طلاق دے رہی ہے اس نے تمہیں۔"

حنا نے دیکھا وہ ان کے محلے کی ایک بزرگ عورت تھی۔ پھر اس نے دھندلائی آنکھوں سے سامنے کھڑے تبریز کو دیکھا جس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر نہیں بلکہ سرد مہری کا تپتا صحرا نظر آ رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر تائی ماں اور شہلا کھڑی تھیں جن کے چہروں پر اطمینان تھا۔ تایا ابا نجانے کہاں تھے۔ اس نے اس بڑی حویلی کے اس پورشن کے داخلی دروازے کو دیکھا جس سے وہ دلہن بن کر داخل ہوئی تھی اور آج اسی دروازے سے دھکے دے کر نکال دی گئی تھی۔ وہ ششدر سی سب دیکھ رہی تھی..... لوگوں کی اب آپس میں باتیں اسے بھنبھناہٹ محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی نظریں دوبارہ اپنے سامنے کھڑے تبریز پر آن جمی تھیں۔

یہ شخص..... بچپن سے اس کی زندگی کا حصہ رہا۔ امی نے ایک بار بتایا تھا کہ جب وہ پیدا ہوئی اور وہ لوگ اسے لے کر گھر آئے تو حویلی کے دروازے پر ہی پانچ سالہ تبریز کو موجود پایا..... وہ بضد تھا کہ اس چھوٹی سی گڑیا کو وہی اُٹھا کر گھر کے اندر لے کر جائے گا اور پھر وہ اپنی ضد منوا کر رہا تھا..... اور کمبل میں لپٹی وہ ننھی سی پری کو اپنے چھوٹے چھوٹے بازوؤں کے حصار میں لیے بمشکل اندر تک پہنچا تھا..... ابو نے اس کی مدد کی تھی اور وہ بے تحاشہ خوش تھا کہ وہ اس نازک سے وجود کو گھر لے کر آیا ہے۔ وہ سب سے کہتا پھر رہا تھا کہ وہ اس کی گڑیا ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے اسے گھر لایا ہے۔ پھر جب اس نے بیٹھنا شروع کیا تھا تو وہ اپنی تین پہیوں والی سائیکل لے کر روزانہ ان کے پورشن میں چلا آتا اور چچی سے ضد کرتا کہ وہ حنا کو اس کے پیچھے بٹھا دیں مگر وہ ہر بار کوئی بہانہ کر کے اسے ٹال دیتیں کہ ابھی وہ چھوٹی ہے گر جائے گی اور چوٹ لگے گی۔

"چاچی جب اسے چوٹ لگے گی تو یہ روئے گی.....؟"

وہ معصومیت سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر پوچھتا تو چاچی اس کا گال چوم کر مسکرا دیتیں۔

"ہاں..... پھر یہ روئے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر اسے کہیں جلدی سے بڑی ہو جائے تاکہ میں اسے جلدی اپنی سائیکل پر بٹھا کر جھولے دے سکوں..... تب یہ گرے گی بھی نہیں اور نہ ہی روئے گی۔"

وہ بڑی آسانی سے مان جاتا اور اگلی صبح سویرے ہی سائیکل لے کر پھر ان کے پورشن میں موجود ہوتا۔

"چاچی، حنا بڑی ہوگئی؟"

وہ اتنی بے تابی سے پوچھتا کہ چاچی کھلکھلا کر ہنس دیتیں۔ اب بھلا حنا ایک رات میں تو بڑی ہو نہیں سکتی تھی۔ پھر ایک دن جب چاچی نے اسے اس کی سائیکل کے پیچھے بٹھا دیا تو وہ اتنا خوش ہوا کہ پوری حویلی میں اسے لیے کافی دیر گھومتا رہا۔ جب اس نے چلنا شروع کیا تو وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے باہر لے جاتا اور اپنے دوستوں سے ملواتا۔

"یہ دیکھو یہ میری حنا ہے جب میں اسے گھر لایا تھا تو یہ چھوٹی سی گڑیا تھی اب کتنی بڑی ہوگئی ہے..... یہ چلنے بھی لگی ہے۔"

اور آج وہ اپنی اسی گڑیا کے لئے نامحرم کہلانے لگا تھا۔ جس حنا پر وہ بچپن سے اپنا حق جتاتا آیا تھا آج خود ہی اسے اپنے آپ سے جدا کر دیا تھا۔ حنا کی آنکھوں کے سامنے اب دولہا بنا تبریز تھا اور دلہن کے روپ میں وہ خود۔

"آخر تم مل ہی گئی مجھے۔"

تبریز کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

"حنا میں تمہارا یہ روپ دیکھنے کے لئے بے تاب ہوں لیکن پہلے تمہیں تمہاری یہ امانت لوٹانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا تھا ناں کہ یہ بریسلیٹ میں خود تمہاری کلائی میں پہناؤں گا۔ آج وقت ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔"

حنا نے اپنی کلائی اپنے سامنے کی جہاں ابھی بھی وہ بریسلیٹ دمک رہا تھا۔ حنا نے دوسرے ہاتھ سے وہ بریسلیٹ اُتارا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر تبریز کے سامنے کر دیا۔

"تم چاہو تو اسے رکھ سکتی ہو۔"

تبریز نے بریسلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے بنا کہا تھا۔

"جب میں آپ کی نہیں رہی تو یہ بریسلیٹ میرا کیسے رہ سکتا ہے۔"

وہ بے تاثر لہجے میں بولی تھی۔ تبریز نے لمحہ بھر ٹھٹک کر اس کے لہجے میں موت جیسے سناٹے کو محسوس کیا پھر سر جھٹک کر اس کی ہتھیلی سے بریسلیٹ اُٹھا لیا۔

"تم تو میری سوچ سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔"

تبریز کی آواز پھر اس کے آس پاس کہیں گونجی تھی اور پھر اس آواز میں دوسرے بہت

سے جملے شامل ہونے لگے تھے۔

"میرا بس چلے تو میں تمہیں خود میں کہیں مقید کر لوں تاکہ میرے علاوہ کوئی اور تمہیں نہ دیکھ سکے نہ چھو سکے۔"

"آج تک کئی لڑکیاں میرے اردگرد رہیں مگر میں نے اپنے اتنے قریب آنے کا حق صرف تمہیں سونپا ہے۔"

"حنا تم مجھے بہت عزیز ہو۔"

"مجھے تم سے محبت ہے حنا..... یا شاید محبت نہیں عشق ہے مجھے تم سے۔"

"اوہ یار!..... میرے سامنے رویا مت کرو..... نامعلوم تمہارے ان آنسوؤں میں کیا ہے جو براہ راست میرے دل پر اثر کرتا ہے۔"

حنا نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان آوازوں سے چھٹکارا پانا چاہا مگر چند اور آوازیں اس کی سماعتوں میں نجانے کہاں سے گھسنے لگیں۔

ابو کی آواز "وہ میرے بھائی کا گھر ہے۔ تم خوش رہو گی وہاں..... اور میں بھی سکون سے مر سکوں گا کہ تم اپنوں کے درمیان ہو۔"

"تم خوش قسمت ہو کہ تبریز جیسا نوجوان تم سے شادی کا خواہاں ہے۔"

"تبریز گھر کا بچہ ہے۔"

امی کی آواز "تبریز تمہارا شوہر ہے اس کا گھر تمہارا گھر ہے۔"

"اپنی ماں کو شرمندہ مت کرنا حنا۔"

حنا نے سختی سے اپنے کانوں کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دبایا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھانے لگی مگر یہ آوازیں اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔ وہ پلٹی اور ایک طرف چل دی۔ کسی نے اس کے سر پر بڑی سی چادر اوڑھا دی تھی اور نجانے کس نے اسے شانوں سے تھام کر اس کے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ قدم ملا کر اسے گرنے سے روک رکھا تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ محلے کی چند سیانی عورتیں اس کے ساتھ تھیں اور اب وہ ان میں سے ہی کسی ایک کے گھر میں موجود تھی۔

"اس کے دوسرے چچاؤں کے پورشنز میں تالے پڑے ہیں وہ شاید کسی جاننے والے کی شادی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں ورنہ وہاں چلی جاتی بے چاری بچی۔ دہائی خدا کی کیسا ظلم ڈھایا اس معصوم پر۔ کون نہیں جانتا اس بچی کی میٹھی طبیعت اور اس کی ماں کے لہجے کی شیرینی

کو..... اسی محلے میں اپنی آدھی عمر گزاری اس کی ماں نے مجال ہے جو کبھی کسی سے کوئی کڑوی بات کی ہو..... یہ بچی بھی تو انہی گلیوں میں کھیلتی رہی ہے..... ہماری آنکھوں کے سامنے پل کر جوان ہوئی ہے..... چند سال پہلے ہی تو شہر گئے ہیں یہ..... بھلا ہمیں بھول ہے کسی بات کی..... اور وہ نصرت ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے ہم عقل و دماغ سے عاری ہیں۔ اندھے بہرے ہیں جو سچائی کی پرکھ نہ کر سکیں گے۔"

وہ نگہت کی ساس تھیں جو یہ سب کہہ رہی تھیں۔

"ہاں آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ پورا محلہ جانتا ہے نصرت کو..... بہت بڑا الزام لگایا اس نے..... خدا غارت کرے ایسے ظالموں کو جو اس قدر ظلم کرتے ہیں۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا جب وہ ثریا کی نیلی نے مجھے یہ سب بتایا تو..... میں دوڑی چلی آئی۔ اس کی ماں کے ساتھ بڑا دوستانہ رہا میرا..... بڑی نیک عورت ہے وہ..... نجانے کیسے برداشت کریں گے وہ اپنی بیٹی کے اجڑنے کی خبر....."

کوئی اور عورت بولی تھی۔ حنا کی ہمت جواب دے گئی، وہ بت بنی بیٹھی تھی۔ پھر کسی نے اسے لٹا کر اس پر لحاف اوڑھا دیا۔ وہ احساسات اور محبت سے گندھی نازک سی لڑکی پتھر کا بت بن گئی تھی۔

"میں نے فون کیا ہے اس کے چچا کو، وہ سب سنتے ہی بے چین ہو گئے..... شام تک سارے واپس آ جائیں گے۔"

اس نے غنودگی میں جانے سے پہلے سنا تھا۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ بڑے چچا کے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی۔ تمام چچا اور چچیاں وہاں موجود تھے۔ محلے والوں سے ساری تفصیل سن کر اور حنا کی حالت دیکھ کر وہ سب سکتے میں تھے۔ سب کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور غم کی عکاس تھیں۔

"کتنا ظلم کیا ہے بھابی نے حنا پر..... کم از کم یہ تو یاد رکھتیں کہ حنا صرف ان کی بہو نہیں کوئی اور رشتہ بھی ہے اس سے۔"

بڑی چچی اس کے سرہانے بیٹھی بار بار اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ چھوٹے چچا نے امی ابو کو فون کر کے فوراً حویلی پہنچنے کا کہا تھا۔ اور وہ بھتیجے بھتیجیوں کے شیدائی فوراً چلے آئے۔ محلے داروں نے ساری روداد ان کے گوش گزار کر دی۔ گھر آتے ہی وہ ڈھے گیا۔ مجھے میری بچی سے ملواؤ عاصم! ابو نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ حنا کی حالت دیکھ کر انہیں دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا

ثابت ہوا۔ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ امی اپنی بیٹی کی بربادی اور شوہر کی ازلی جدائی سے اپنے حواس قابو میں نہ رکھ سکیں اور شدید ڈپریشن کی وجہ سے دو دن قومہ میں رہ کر اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناراض ہو گئیں۔ حنا پر یکے بعد دیگرے کئی قیامتیں ٹوٹی تھیں۔ وہ زندہ لاش کی طرح ہو گئی تھی۔ جہاں بیٹھتی گھنٹوں بیٹھی رہتی..... کوئی زبردستی کچھ کھلا دیتا تو وہ چار نوالے کھا لیتی ورنہ ویسے ہی پڑی رہتی۔ چچیاں دن رات اس کی حالت پر کڑھتی رہتیں اور اندر باہر جاتے اپنی بار بار نم ہو جانے والی آنکھوں کو پلو سے رگڑ ڈالتیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتیں مگر وہ ویسے ہی بے جان مورت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہتی۔

تبریز نے چار ماہ بعد ہی دوسری شادی کر لی تھی۔ ان کے پورشن اور وہاں کے رہائشی افراد سے باقی حویلی والوں نے ہر ناتا توڑ رکھا تھا۔ صرف زید ہی اس گھر کا وہ واحد فرد تھا جو اس کی عدت کے بعد روزانہ بلا ناغہ حنا سے ملنے آتا اور حنا کو دیکھ دیکھ کر آنسو بہاتا رہتا۔ وہ گھنٹوں اس کے پاس گزارتا مگر ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ کر پاتا اور جس خاموشی سے آتا اسی خاموشی سے آنکھیں صاف کرتا اٹھ کر چلا جاتا۔ بڑے چچا نے زید کے توسط سے ہی ایک ماہر سائیکالوجسٹ سے رابطہ کیا تھا اور آج زید اس کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ سائیکالوجسٹ کی سات مہینوں کی محنت سے اتنا فرق پڑا تھا کہ حنا بولنے لگی تھی..... اس نے زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا مگر زندگی سے ووسی وہ اب بھی نہ کر پائی تھی۔

سائیکالوجسٹ کا کہنا تھا کہ "وہ جتنا کر سکتا تھا اس نے کیا تھا۔ بہتر ہے کہ وہ اسے اس ماحول سے دور کر دیں۔ یہاں رہ کر وہ کبھی بھی اس بُرے فیز (Phase) سے نکل نہیں سکے گی۔

اسے نئے دوست بنانے کی ضرورت ہے۔ اسے نئے چہروں سے آشنا کروائیں، اسے زندگی کی اہمیت اور اس کی خوبصورتی کا احساس دلائیں..... اسے اس بات کا یقین دلانا بہت ضروری ہے کہ وہ کتنی اہم ہے..... اس کی بہت لوگوں کو ضرورت ہے..... کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کے بنا ادھورے ہیں۔ اس کو چاہتے ہیں..... اسے اپنے لیے نہیں تو ان کے لیے جینا پڑے گا۔ خوش نہیں ہو سکتی تو کم از کم خوش رہنے کی ایکٹنگ کرنی پڑے گی تاکہ اس سے جڑے لوگ خوش رہ سکیں..... اس طرح آہستہ آہستہ وہ اپنے غم اپنے اندر دبانے کا فن سیکھ لے گی۔ خوش رہنے کی ایکٹنگ کرتے کرتے وہ کب خوش رہنے لگے گی اسے احساس بھی نہیں ہوگا..... پھر وہ خوشیوں کو محسوس کرنا چاہے گی اور اسی لیے چھوٹی چھوٹی خوشیاں زندگی سے کشید کرنے لگے

گی......اور اپنی طرف بڑھتے پیار لٹاتے ہاتھوں کو تھام کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنے کے قابل ہو جائے گی۔"

زید بہت غور سے سائیکالوجسٹ کی باتیں سن رہا تھا اور پھر اس کے جانے کے بعد اس نے کچھ سوچ کر اگلے دن ہی ارمغان سے ملنے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

****

وقت نے بہت تیزی سے پہیہ گھمایا تھا......چار سال جیسے پلک جھپکتے گزر گئے اور ان چار سالوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا......اب نہ تو کالج کی وہ کلاسز تھیں، نہ لائبریری کی کتابیں، نہ پڑھنے کا وہ جنون رہا تھا اور نہ لکھنے میں وہ روانی......خود آریان بہت حد تک بدل چکا تھا......پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور پرکشش ہو گیا تھا اور یہ تبدیلی رونما ہوئی تھی اس کے پاس آنے والی دولت و شہرت کی وجہ سے......اب اس کے جسم پر سات آٹھ سو کی سادہ سی کاٹن شرٹ کی جگہ دس بارہ ہزار کی فینسی ٹی شرٹ نے لے لی تھی۔ اس کے سوٹ اب پہلے کی طرح پانچ چھ ہزار میں نہیں آتے تھے بلکہ ان کی قیمت خرید پچاس ساٹھ ہزار سے شروع ہوتی تھی۔ اس کے کپڑے شہر کی کسی عام اور سستی دکان سے نہیں آتے تھے بلکہ ملکی اور غیر ملکی مشہور و معروف مہنگے ترین ڈیزائنرز ڈیزائن کرتے تھے۔ اس کی وارڈ روب میں موجود کوئی بھی جوتا دس ہزار سے کم قیمت کا نہیں تھا......اب وہ کہیں آنے جانے کے لئے لوکل ٹرانسپورٹ پر دھکے نہیں کھاتا تھا بلکہ ایک لمبی سی نئے ماڈل کی گاڑی بمعہ ایک باوردی ڈرائیور کے ہر وقت موجود رہتی......اس کا پرسنل سیکرٹری ہر جگہ اس کا سایہ بنا رہتا اور خود آریان جو ہاتھ میں کتابوں کا ڈھیر اٹھائے کالج جایا کرتا تھا آج اپنے گلاسز تک ہاتھ میں نہیں پکڑتا تھا۔ وہ آریان جس کے پاس موبائل فون نہیں تھا آج چار چار سیل فونز رکھتا ہے اور کسی کو کال کرنے کے لئے نمبر ملا کر دینے کی ذمہ داری بھی سیکرٹری کی ہے کیونکہ اس کے پاس اب اتنا بھی وقت نہیں ہوتا کہ وہ نمبر ملائے اور پھر دوسری طرف سے فون اٹھانے کا انتظار کرنے کی کوفت بھی اٹھائے......وہ آریان جو گھنٹوں اپنے مستقبل کی سوچ میں گنوا دیا کرتا تھا آج اس کے پاس بات تک کرنے کا وقت نہیں......اس کی جیب میں اب بسوں کی ٹکٹوں اور لائبریری کارڈ کی جگہ کریڈٹ کارڈز، ڈیبٹ کارڈز اور ATM کارڈز نے لے لی تھی۔ آریان واسطی کا اسٹائل، رہن سہن، مصروفیات سب بدل چکی تھیں۔ پچھلی زندگی کہیں بہت پیچھے ہی چھوٹ گئی۔ وہ عام سا معمولی سا نوجوان "آریان" نہیں رہا تھا جس کی کوئی پہچان نہ تھی......بلکہ وہ آج کا مشہور و معروف سنگر "آریان واسطی" تھا ایک ایسا سٹار جسے ہر کوئی چاہتا تھا،

پسند کرتا تھا......نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ پوری دنیا میں اس کی شہرت تھی، لوگ اس کے دیوانے تھے۔ اس نے پرانے دوستوں سے روابط نہیں رکھے تھے تو نئے دوست بھی نہیں بنائے تھے۔

"مشی؟ معلوم نہیں اس کی شادی ہوئی ہے ولی سے یا نہیں......اور وہ دشمن جاں......انوشے......وہ تو اب تک سر ہارون کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز بھی کر چکی ہوگی۔"

انوشے کا خیال آتے ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی......پچھلے چار سالوں میں اس کے دل کی دھڑکن اسی طرح بار بار تیز ہوتی رہی تھی۔

"چار سال......پورے چار سال چھین لیے زندگی نے مجھ سے......سب کچھ بدل گیا......میں بدل گیا۔"

ہر ایک چیز تبدیل ہو چکی مگر وہ ایک چیز جس میں رتی بھر بھی بدلاؤ نہیں آیا تھا وہ تھا اس کا دل......اور اس کے دل میں موجود انوشے سے محبت کا انمول دیپ جو آج بھی روزِ اول کی طرح روشن تھا۔

یہ دل آج بھی اس کے نام پر اسی لے میں دھڑکتا ہے جیسے تین سال پہلے دھڑکتا تھا۔ آج بھی اس کی تصویر میرے والٹ کے خفیہ خانے میں سجی ہوئی ہے......میں ان چار سالوں میں روزانہ والٹ بدلنے کے دوران بھی کبھی اس تصویر کو لینا نہیں بھولا......آج میرے پاس دنیا کی ہر نعمت، ہر آسائش موجود ہے، سب کچھ ہے سوائے انوشے کے۔ وہ جو میری پہلی محبت، میرا پیار، میری چاہت ہے......میرے لیے تو یہی تبدیلی، یہی فرق سب سے زیادہ معنی رکھتا ہے کہ جسے میں نے اپنا سب کچھ مانا صرف وہی میری نہیں اور یہی احساس میرے لیے بہت اذیت ناک ہے۔ جبکہ لوگوں کی نظر میں میں "آریان واسطی" ایک قابل رشک انسان ہوں......وہ دعائیں مانگتے ہیں کہ قسمت کی دیوی اُن پر بھی ایسے ہی مہربان ہو جائے جس طرح مجھ پر ہوئی مگر میرا دل ان کی ایسی دعا پر ہول کر تڑپ اٹھتا ہے......دہائیاں دینے لگتا ہے کہ خدارا تم لوگ "آریان واسطی" جیسی قسمت نہ مانگو...... بلکہ ایسی زندگی کی تمنا کرو جس میں تمہاری محبت، تمہاری ہمسفر بنے۔ یہ حقیر دولت و شہرت، یہ سارا پیسہ، بینک بیلنس، بنگلے، گاڑیاں سب بے کار ہیں......سب حاصل بھی لاحاصل لگتا ہے۔ اگر وہی انسان آپ کے ساتھ نہیں جسے آپ دل و جان سے چاہتے ہیں تو یہ سانحہ ہزار تبدیلیوں کا باعث بنتا ہے......ایک تبدیلی میں نے بھی چار سال پہلے اپنی زندگی میں کی تھی......اس وقت میں نے جس حوصلے اور ہمت کا مظاہرہ کیا تھا میں ہی واقف ہوں......وہ فیصلہ میرے لیے اتنا ہی کٹھن اور تکلیف دہ اَمر تھا جتنا زندہ جسم سے کھال

کا کھینچ کر اُتار دینا..... ہاں! اس وقت میرے لیے وہ فیصلہ کرنا وقت کی تکلیف جیسا ہی تھا کہ میں خود کو انوشے کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُور کرلوں..... یا دوسرے الفاظ میں اُسے اپنی زندگی سے اور خود سے الگ کردوں۔

میں نے پہلا کام تو نہایت کامیابی سے کر دکھایا تھا۔ خود کو اس کی زندگی سے نکال دیا مگر دوسری شرط کو کبھی بھی پوری نہیں کر پایا..... میں انوشے کو اپنی زندگی سے کبھی نہیں نکال سکا..... میں نے اُسے ہر پل اپنے ساتھ محسوس کیا۔ میرے خیالوں میں، میری آنکھوں میں، میری نیندوں میں، میری تنہائیوں میں، میری محفلوں میں ہر لمحہ وہ میرے ساتھ ساتھ رہی..... اس کے باوجود میں نے اسے حقیقت میں کبھی کھوجنے کی کوشش کی اور نہ ہی ملنے کی..... کالج آف ہوتے ہی جیسے سب کچھ ختم ہو گیا اور اس میں سب سے بڑا ہاتھ میرا اپنا تھا..... میں نے خود ہی انوشے سے ہر رابطہ ختم کر دیا تھا۔ اس کی جانب جانے والے ہر راستے پر میں نے خود نو انٹری (No entry) کا بورڈ لگا دیا تھا کیونکہ میں اسے کسی اور کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا..... اتنا بہادر نہیں تھا میں اور نہ اتنا حوصلہ تھا مجھ میں..... اس لیے انوشے ہی کیا مشی، ولی اور ہر اس شخص سے جس کے ساتھ انوشے کا رابطہ تھا ان سے ہی کنارہ کر لیا تھا۔

کالج میں وہ ہمارا آخری دن تھا..... الوداعی تقریب رات آٹھ بجے تھی اور غیر ارادی طور پر ہی میں وہاں سات بجے ہی پہنچ گیا تھا..... معلوم نہیں کیوں.....؟ میں آج تک نہیں جان پایا کہ وہاں وقت سے پہلے جانے کی کیا منطق تھی..... پھر بھی میں سب سے پہلے وہاں پہنچا تھا..... سب مجھے دیکھ کر حیران ہوئے تھے اور حیران تو میں خود بھی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میں کالج میں آخری بار زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا یا پھر شاید مجھے یہ خوف تھا کہ انوشے مجھ سے پہلے کالج نہ پہنچ جائے اور یہ جو اس کے ساتھ کچھ پل گزارنے کا آخری موقع ملا ہے ان لمحات میں سے ایک بھی لمحہ ضائع ہو جائے ایسا میں بالکل نہیں چاہتا تھا..... ہاں۔ شاید ایسا ہی تھا..... ایک گھنٹے بعد جا کر کہیں سٹوڈنٹس کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی اور میری متلاشی نگاہیں بار بار انٹری گیٹ کی جانب اٹھ رہی تھیں..... بالآخر دو گھنٹے بعد میری نگاہوں کا انتظار ختم ہوا اور وہ مجھے پارکنگ لاٹ کی طرف سے آتی ہوئی نظر آ گئی..... جیسے جیسے اس کے اٹھتے قدم میرے اور اس کے درمیان فاصلے کو کم کرتے جا رہے تھے دل سینے میں جیسے اچھل کود بڑھاتا جا رہا تھا۔

سفید چوڑی دار پاجامہ اور سفید ہی امبریلا فراک پہنے دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ اپنے

خاص انداز میں مسکراتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ اس کے خوبصورت پاؤں سفید ہیل والے جوتے میں جگمگا رہے تھے۔ جہاں وہ قدم رکھتی جیسے نور کا ہالہ اُس جگہ کو اپنے حصار میں لے لیتا۔

وہ اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ..... وہ مجھے..... ''کیا حقیقت میں اُس کی نظریں مجھے ڈھونڈ رہی ہیں.....؟''

میرے دل نے بے یقینی سے اپنی دھڑکن کو قابو کیا تھا..... اچانک اُس کی نظر مجھ پر پڑی تو مجھے اپنی طرف ہی دیکھتا پا کر بڑے دلکش انداز میں مسکرائی۔

''السلام علیکم..... آریان کیسے ہو.....؟''

اس کی خوبصورت آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور میں اس کے ہونٹوں کی جنبش میں کھو کر رہ گیا۔ مجھے یاد ہے جب انوشے سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی..... اس کے نین نقش میں مجھے عجیب سی اٹریکشن محسوس ہوئی تھی..... وہ اُس دن بھی سفید رنگ پہنے ہوئے تھی اور میں بنا سوچے سمجھے بے دھیانی میں ہی کافی دیر اُسے دیکھتا رہا تھا۔ سفید ٹراؤزر اور سفید لانگ شرٹ میں سفید ہی دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے وہ ہاتھ میں تھامی پنسل کو ہونٹوں میں دبائے..... پریشان سی بیٹھی تھی..... اس کی نظریں گود میں رکھے فارم پر جمی تھیں..... میں بھی وہاں اپنے ایڈمشن کے سلسلے میں آیا تھا اور فارم لے کر کسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں بیٹھ کر اسے فل کر سکوں..... تبھی میری نظر اُس پر پڑی تھی..... اور میں فوراً اپنی نگاہیں ہٹا نہ پایا تھا..... اب! اسے میری خوش قسمتی کہیں یا بدقسمتی، محبت کا جو زخم میرا نصیب تھا اس کے درد کو سہن کرنے کا زمانہ بہت قریب تھا شاید تبھی مجھے اُس کے قریبی بنچ کے علاوہ کوئی اور جگہ خالی نہ مل سکی۔ ہر جگہ سٹوڈنٹس کا جیسے سیلاب اُمڈ آیا تھا..... میں اپنا فارم لے کر اُس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا اور اپنے ضروری ڈاکومنٹس (Documents) نکال کر فارم پُر کرنے لگا۔

''ایکسکیوزمی!''

تقریباً پانچ منٹ بعد اُس نے مجھے مخاطب کیا تھا اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کتنی خوبصورت آواز ہے۔''

پہلا خیال میرے ذہن میں یہی آیا تھا۔

''یس.....؟(Yes)''

میں نے اپنی سوچ کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ فارم فل کر چکے ہیں.....؟''

اُس نے میرے ہاتھ میں تھامے فارم کی طرف اشارہ کیا۔

''جی آل موسٹ''

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

''ایکچوئلی مجھے کچھ پرابلم ہو رہی ہے اگر میں ایک نظر آپ کا فارم دیکھ لوں تو مجھے سہولت ہو جائے گی۔''

.....

اس نے کہا تھا اور میں نے اپنا فارم فوراً اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تھینک یو سو مچ'' (Thank you so much)

اپنا فارم فِل کر کے اس نے میرا فارم میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"May I know your name plz...?"

میں نے مسکرا کر بلا ارادہ ہی پوچھا اور اپنی بے خودی پر خود ہی جی بھر کر حیران بھی ہوا۔

''مجھے انوشے کبیر کہتے ہیں..... آپ کی مدد کا شکریہ۔''

وہ مسکراتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ پھر بعد میں جب میری اُس سے دوستی ہوئی تو تب بھی مجھے اُس کے نین نقش میں عجیب سی کشش محسوس ہوا کرتی..... مگر میں نے کبھی بھی اس بات کو قابلِ اعتراض نہ سمجھا تھا..... ہر خوبصورت چیز، ہر خوبصورت انسان پُرکشش ہوتا ہے، انوشے بھی ہے۔ مگر تب میں اپنے احساسات سے واقف نہ تھا۔ اُلٹا ہمیشہ اُسی کا مذاق اُڑایا کرتا۔ میں نے ایک بار اُسے کہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے تمہارا اوپر والا ہونٹ کیسا ہے.....؟''

تو وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''کیسا ہے.....؟''

''جیسے کیپٹل M لکھ کر اس کی دونوں ٹانگیں باہر کی طرف کھینچ دی گئی ہوں۔''

اور میری اس وضاحت پر وہ کافی دیر ہنستی رہی تھی پھر بولی۔

''یو مین ٹو سے..... (You mean to say) کہ میرا اوپر والا ہونٹ کنگ والا ہے۔''

''اوہیلو! آریان کہاں کھوئے ہو.....؟''

انوشے کی آواز پر میں نے ماضی کے خیال سے چونک کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا..... شفاف چمکتی ہوئی، آسمان پر روشن ستاروں سے بھی زیادہ چمکدار..... پورے لان میں جگمگاتی، دن کا گمان کرتی لائٹس سے بھی زیادہ چمکدار..... اور

ان پر سایہ فگن گھنی لمبی پلکیں۔

''انوشے پلیز تم میرے سامنے نظریں جھکا کر مت لکھا کرو۔''

میں نے ایک بار کالج کے لان میں پاؤں پسارے بیٹھی انوشے سے کہا تھا جو اسائنمنٹ پیڈ گود میں رکھے لکھنے میں مصروف تھی۔ میں اور مشی بھی وہیں بیٹھ کر اپنی اسائنمنٹ بنا رہے تھے مگر میں کانسنٹریٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ میری نظریں بار بار انوشے کے چہرے پر آ ٹھہرتیں جہاں اس کے بیازی گالوں پر سایہ فگن، دراز گھنی پلکوں کی جنبش مجھے اپنی طرف متوجہ کرتی۔

''ارے کیوں.....؟ آریان میں نظریں جھکائے بنا کیسے لکھ سکتی ہوں! اور میں ہی کیا کوئی بھی کیسے لکھ سکتا ہے..... تم لکھ سکتے ہو.....؟''

پوری توجہ سے اسائنمنٹ بنانے میں محو انوشے نے چونک کر حیرت سے میری بات کا جواب دیا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے سوال بھی پوچھا تھا۔

''ویسے ہے تو اچھا آئیڈیا..... انوشے کبھی ٹرائے (Try) ضرور کرنا۔ نگاہیں آسمان پر جمائے اور پھر لکھنا..... ویسے آریان یہ اتنا بریلیئنٹ (Brilliant) آئیڈیا آخر آیا کیسے تمہارے دماغ میں..... کیا یہ اس اسائنمنٹ کا کمال ہے جو تم بنا رہے ہو.....؟''

مشی نے مزا لیتے ہوئے پہلے انوشے کو مشورہ دیا پھر مجھ سے پوچھا تو میں چڑ گیا۔

''بنا کہاں رہا ہوں..... بنانے کی کوشش کر رہا ہوں پر میں کانسنٹریٹ ہی نہیں کر پا رہا..... یہ انوشے کی پلکیں بار بار مجھے ڈسٹرب کر رہی ہیں۔''

''واٹ.....؟؟''

وہ دونوں بیک وقت بولی تھیں۔

''میری پلکیں تمہیں کیسے ڈسٹرب کر رہی ہیں.....؟''

انوشے نے باقاعدہ اپنی پلکوں کو چھوا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم کیسے.....؟ پر جب تم نظریں جھکاتی ہو تو تمہاری پلکیں بہت پیاری لگتی ہیں..... بس اب میں تمہاری طرف پیٹھ کر کے بیٹھوں گا تبھی بن پائے گی یہ اسائنمنٹ''

میں نے کہتے ہی اپنی کتابیں اُٹھائیں اور رُخ بدل کر بیٹھ گیا۔ انوشے اور مشی میری صاف گوئی پر پہلے تو خاموشی سے مجھے دیکھتی رہیں پھر میرے یوں بچوں کی طرح رُخ بدلنے پر کھلکھلا کر ہنس دیں۔ دل صاف ہوں تو الفاظ ہی کیا ہر ادا سے سچائی جھلکتی ہے اور تب تو میں بھی اپنے جذبوں سے بے خبر تھا۔

"آریان.....میں تم سے مخاطب ہوں۔"

انوشے نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تھی۔

"کیا ہوا.....؟ کدھر گم ہو.....؟"

وہ اب ہاتھ کے اشارے سے اسے پوچھ رہی تھی۔

یہ خوبصورت حنائی ہاتھ دیکھنے میں جتنے نرم و نازک ہیں چھونے پر اس سے بھی زیادہ نرم ہیں اور یہ احساس مجھے تب ہوا تھا جب انوشے نے مجھ سے دوستی میں پہل کرتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے آریان.....؟"

وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بول دو.....دیکھ کیا رہے ہو۔تم وہ واحد لڑکے ہو جسے انوشے کبیر دوستی کے لئے پرپوز کر رہی ہے۔"

پاس کھڑی مشی نے کہا تھا۔اور میں نے مسکراتے ہوئے ہولے سے انوشے کا ہاتھ تھام لیا تھا۔مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے اپنی ہتھیلی میں روئی دبالی ہو.....میں حیران ہوا تھا۔

"کیا کسی کے ہاتھ اتنے نرم بھی ہو سکتے ہیں؟"

میں نے حیرت سے اپنے ہاتھ میں تقریباً چھپے ان کے دودھیا ہاتھ کو دیکھا۔

"بھئی اگر ان سے دوستی کی ہے تو مجھ سے بھی کرنی پڑے گی۔میں مشی ہوں۔"

مشی نے بھی شرارت سے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے انوشے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔اور اب جب اس نے ہاتھ ہلایا تو میں اس کے ہاتھ کی حرکت میں ہی اُلجھ گیا۔

"لگتا ہے تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے.....میں کب سے بات کرنے کی کوشش کر رہی ہوں.....پر تم ہو کہ....."

"انوشے تمہیں پرنسپل سر نے اپنے آفس میں بلایا ہے۔"

اُسے کسی نے آواز دی تھی،وہ اپنی بات مکمل کیے بنا اُدھر دیکھنے لگی جبکہ میں اسے.....

میک اَپ کے نام پر صرف ہونٹوں کے ہم رنگ لپ گلوز لگایا گیا تھا جس نے ان کی چمک بڑھا دی تھی اور کسی بھی طرح کے لوازمات کے بغیر سفید رنگوں والی چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنے وہ اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ میرے سامنے موجود تھی۔اتنی بڑی پارٹی میں لڑکیاں میک اَپ میں نہائی رنگ برنگے بھڑکیلے لباسوں میں اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔مگر جتنا حسن،جتنی پاکیزگی اور

معصومیت انوشے کی سادگی اور اس سفید رنگ میں تھی وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تم شاید اس بات سے باخبر ہو انوشے کہ تمہیں ان سب مصنوعی لوازمات کی ضرورت ہی نہیں۔"

"آریان تم یوں آرٹسٹک اوگوں کی طرح بی ہیو کیوں کر رہے ہو؟"

وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہوئی تو میں مسکرا دیا۔

"کیونکہ تم پیاری جو اتنی لگ رہی ہو۔"

میرے لب بے اختیار ہلے تھے۔

"تم بھی ناں.....مجھے یقین تھا تم خاموش ہو تو لازماً کسی نہ کسی شرارت کی پلاننگ میں مصروف ہو۔تم اپنی اس حس مزاح کو تھوڑی دیر کے لئے آرام کرواؤ۔میں پرنسپل سر سے مل کر آتی ہوں تب تک مشی بھی آ جائے گی پھر مل کر ہلا گلا کریں گے۔آفٹر آل (After all) یہ ہمارا لاسٹ ڈے (Last day) ہے اس کالج میں تو کچھ سپیشل تو ہونا ہی چاہئے جو ہمیشہ کے لئے ان لمحات کو ہمارے ذہنوں میں نقش کر دے۔"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی اور میں اس کے بالوں میں اُلجھ کر رہ گیا جو اس کی کمر کو پوری طرح ڈھانپے ہوئے تھے۔

"انوشے مجھے ایک بات تو بتاؤ.....تم گھر جا کر اپنے بالوں کو پنکھے سے باندھ دیتی ہو کیا.....؟" ایک بار کالج میں انوشے کا کیچر ٹوٹ گیا تھا اور وہ کھلے بالوں کی وجہ سے پریشان تھی تو میں نے اسے پوچھا تھا۔جواباً اس نے صرف مجھے گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"میں تو کچھ لگاتی ہی نہیں.....سو اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

مشی نے اپنے شولڈر کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"اوہ.....اب کیا کروں.....میں نے چٹیا کر تو لی ہے مگر بنا پونی کے تو یہ دو منٹ میں کھل جائیں گے۔اب میں سارا دن ایسے ہی تو نہیں پھر سکتی ناں۔آریان تم ہی کچھ مدد کرو۔"

وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"میں.....؟ میں کیچر لگاتا ہوں کیا.....؟"

میں حیرت سے چیخا تھا۔

"تو اب.....؟"

وہ مایوس سی ہو گئی۔

"ہاں ایک کام کر سکتا ہوں.....تم نے مدد مانگی ہے کوئی تو راستہ نکالنا ہی پڑے گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اپنی جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''تم ایسا کرو..... یہ میرا رومال باندھ لو..... پونی سمجھ کر۔''

میں نے رومال اس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ تھینک یو سو مچ (Oh thank you so much)''ہمیشہ تم ہی میری مدد کرتے ہو..... اس مشی کی بچی سے تو کسی چیز کی اُمید نہیں۔''

اس نے اپنے بالوں میں رومال باندھتے ہوئے مشی کو بات لگائی تو مشی بجائے ڈھیٹ ہونے کے ہنس دی۔

''اب پھر تم مجھے بتا ہی دو کہ حقیقت میں تم اپنے بالوں کو پنکھے سے باندھتی ہو جو اتنے لمبے ہوتے جا رہے ہیں..... تم تو تم، اب تو یہ تمہارے دوستوں کو بھی تنگ کرنے لگے ہیں۔''

میں نے اسے شرارت سے پوچھا تھا۔

''ارے آریان تم یہاں ہو تو انوشے کہاں ہے.....؟''

مشی کی آواز پر وہ سوچوں سے نکلا۔

''کیسے ہو.....؟''

''ٹھیک ہوں..... تم اتنی دیر سے کیوں آئی ہو.....؟''

آریان نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

''میں دیر سے اس لیے آئی ہوں کہ'' تم'' انوشے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکو..... پر یہاں تو انوشے کا نام و نشان نہیں ہے..... اور تم بھی شاید کسی مراقبے میں تھے۔''

وہ مشی ہی کیا جو بات من میں رکھے۔ آریان مسکرا دیا۔

''ایسے ہی مسکراتے رہا کرو..... اچھے لگتے ہو۔''

''تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

آریان نے اس کی تیاری کو سراہا تھا۔

''یہ بات تم نے انوشے سے کہی؟ وہ بھی تو یقیناً پیاری لگ رہی ہوگی ہمیشہ کی طرح۔''

مشی نے ٹٹولتی نگاہیں اس پر گاڑ کر کہا تھا۔

''مشی.....!!!''

آریان نے اسے خشمگیں نظروں سے ٹوکا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

****

"May I come in Sir?"

انوشے نے دروازے میں کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔ پرنسپل سر اپنی کرسی کی بجائے صوفہ پر بیٹھے تھے۔ اس نے صوفے کے اُوپر سے نظر آتے ان کے سر کے بالوں کو دیکھا۔

''یس..... کم اِن''

آواز پر وہ چونکی

''سر ہارون علی درانی.....؟''

اس کے ذہن میں جیسے بجلی سی کوندی تھی۔

''نہیں وہ کیسے ہو سکتے ہیں..... یقیناً مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔''

''انوشے اندر آ جائیے..... آپ کو باہر کھڑا رہنے کے لئے نہیں بلایا۔''

اب کی بار آواز بارعب تھی اور غلطی کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کیونکہ وہ اُٹھ کر اب اس کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔

''سر.....؟ یہاں.....؟''

انوشے اندر داخل ہوتے ہوئے حیرت سے سوچنے لگی۔

''مجھے سر نے بلایا ہے.....؟ پر ہانیہ تو کہہ رہی تھی کہ پرنسپل سر نے کچھ بات کرنی ہے..... تو پھر کیا..... سر نے؟ سر نے اُسے جھوٹ کہا.....؟''

انوشے کو بہت بُرا لگا اور اس بات کو اس نے چھپانے کی کوشش بھی نہ کی۔

''آپ نے مجھے بلانے کے لئے پرنسپل سر کے نام کا سہارا کیوں لیا.....؟ کیا آپ کے بلانے پر میں نہ آتی؟ کتنی بُری بات ہے سر۔''

انوشے نے بنا کسی لحاظ کے انہیں ان کی غلطی کا احساس دلایا۔ سر نے نظروں ہی نظروں میں اس کی سادگی کو سراہا پھر اس کے پُراعتماد لہجے پر مسکرا دیے۔

''میں جانتا ہوں اگر میں اپنے نام سے پیغام بھیجتا تب بھی آپ اسی طرح دوڑی چلی آتیں۔''

سر کے لہجے میں شرارت تھی۔ انوشے نے نگاہیں پھیر کر ان کے شریر لہجے کو نظر انداز کیا۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پرنسپل صاحب کے نام کی آڑ میں آپ کو بلانا غلط ہے اس لیے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

وہ دوبارہ بولے تھے۔

''پر ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ نے بلایا۔''

انوشے نے اُلجھ کر پوچھا..... سر نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''یس..... ایکچوئلی آپ کو پیغام انہوں نے ہی بھیجا تھا۔ اچانک انہیں ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تو وہ جاتے ہوئے مجھے کہہ گئے کہ میں ان کے آفس میں جاؤں اور جب آپ آئیں تو آپ کو بتاؤں کہ فنکشن کے بعد آپ ان سے مل کر جائیں وہ تب تک واپس آ جائیں گے۔''

سر نے تفصیلاً پوری بات بتائی تو خاموشی سے سنتی انوشے مسکرا دی۔

''آپ یہ بات شارٹ کٹ (Short cut) میں بھی تو بتا سکتے تھے۔ سارا سین (Scene) کری ایٹ (Create) کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

وہ بولے بنا نہ رہ سکی۔

''یہ سارا سین اس لیے کری ایٹ کرنا پڑا کیونکہ میں ہماری پہلی ملاقات والا سین کری ایٹ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔''

سر کی بامعنی بات پر انوشے ہنس دی۔

''اُس سین کی وجہ آپ ہی تھے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

انوشے نے جتایا تھا۔ وہ دونوں آفس سے نکل آئے اور لان کی طرف آتے ہوئے سر نے اسے مخاطب کیا۔

''تو پھر کب آ رہے ہیں آپ کے پیرنٹس ہماری طرف.....؟''

انوشے نے جواب دینے کی بجائے چہرے پر آئی لٹ کو ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑسا اور سامنے لان میں جگمگ کرتی سجاوٹی روشنیوں میں رنگ برنگے لباس زیب تن کیے شوخ و چنچل اِدھر سے اُدھر گھومتے سٹوڈنٹس کو دیکھنے لگی۔

''ویسے ولی سے بات ہوئی تھی میری کل..... اس سے پہلے کہ وہ اس بارے میں مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ کرتا، میرے دوست آ گئے اور مجھے معذرت کے ساتھ فون بند کرنا پڑا..... آج پورا دن اس فنکشن کی مصروفیات میں اُلجھا رہا۔ اب صبح ہی بات ہوگی۔''

سر نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا جیسے انہیں علم تھا کہ وہ جواب نہیں دے گی۔

''آپ کو زیادہ جلدی ہے تو ولی بھائی لینے آئیں گے مجھے تب بات کرا دوں گی آپ کی اُن سے۔''

انوشے نے شرارتاً کہا تو سر ہنس دیے۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اگر ولی کو زحمت نہ ہو تو۔''

چمکتی آنکھوں سے جواب ملا تھا۔ انوشے بھی ہنس دی۔ آریان کی نظر دُور سے آتے سر ہارون اور اُن کے ساتھ ساتھ چلتی انوشے پر پڑی تو وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ سر ہارون نے سفید شرٹ، بلیک پینٹ اور بلیک ٹائی لگائی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے، آپس میں باتیں کرتے ہنستے ہوئے بہت پیارے لگ رہے تھے۔ پاس کھڑی مشی نے آریان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''آریان تم ٹھیک ہو.....؟''

اس کے چہرے پر کھنڈر نما ویرانیوں کی جھلک نے مشی کو پریشان کر دیا۔

''کتنے اچھے لگ رہے ہیں ناں دونوں ایک ساتھ..... پرفیکٹ کمبی نیشن، پرفیکٹ کپل۔''

آریان مشی کے مزید سوالات سے بچنے کے لئے بولا تو جواباً مشی خاموشی سے بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ آریان نظریں جھکا گیا۔

''السلام علیکم سر!''

وہ قریب آئے تو مشی نے سر ہارون کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام..... کیسے ہو تم دونوں.....؟''

سر نے خوش اخلاقی سے ان دونوں کا حال دریافت کیا تھا۔

''ہم ٹھیک ہیں سر۔''

مشی نے مسکراتے ہوئے سچوایشن سنبھالی جبکہ آریان بس رسمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے خاموش کھڑا رہا۔

''او کے۔ گڈ..... تو پھر آپ لوگ ایک دوسرے کی کمپنی کو انجوائے کریں میں چلتا ہوں۔''

سر ہارون درانی نے انوشے اور ان دونوں کو دیکھا اور چلے گئے۔

''کیوں جناب..... آپ کا سکتہ ٹوٹا کہ نہیں ابھی تک.....؟''

ان کے جاتے ہی انوشے نے آریان کو مخاطب کیا۔

''اصل میں جب تم آئی تو میں اتنے ماورائی حسن کی تاب نہ لا سکا..... حقیر سا بندہ ہوں سکتے میں چلا گیا تھا، مظاہرہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو..... لیکن جب تمہارے جانے کے بعد مشی آئی اور اس پر میری نظر پڑی تو بے اختیار میں چیخ اُٹھا۔ اتنی خوبصورتی دیکھنے کے بعد ایسا منظر میری آنکھوں کے سامنے آیا تو میرا سکتہ خود بخود ہی ٹوٹ گیا۔''

آریان نے مسکراتے ہوئے مشی کو بات لگائی تو وہ چڑائی۔

"کیا......؟ تم نے مجھے ڈراونی کہا......؟"

"نہیں......میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ انوشے تم نے سنا کیا......؟"

انوشے نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھ لو، انوشے نے بھی ایسی کوئی بات نہیں سنی......مطلب میں نے ایسا کچھ نہیں کہا......تم خواہ مخواہ الزام تراشی کر رہی ہو۔"

آریان مزا لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کچھ لمحات پہلے والی اُداسی کی جھلک اب اس کے چہرے سے غائب تھی اور مشی بھی تو یہی چاہتی تھی۔ وہ آریان کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"اوکے......اب بس کرو تم لوگ اپنی یہ چھیڑ چھاڑ کا پیریڈ......مجھے یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں سے کسی نے سرحدید کو دیکھا......؟"

انوشے نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں، ابھی تک تو نظر نہیں آئے......اور میرا نہیں خیال کہ وہ آئے ہوں گے۔ تم جانتی ہو کہ وہ فنکشنز کم ہی اٹینڈ کرتے ہیں......اور اب جبکہ یہ پارٹی ہے بھی کو (Co) تو ان کے آنے کا امکان تو اور بھی کم ہے۔"

مشی نے کہا تو آریان نے اس کی تائید کی۔

"وہ صرف بوائز کے سپریٹ فنکشنز ہی اٹینڈ کرتے ہیں۔ مجھے بھی یہ لگتا ہے کہ وہ نہیں آئیں گے۔"

"ہاں پر آج تو آجاتے سر......ہمارا لاسٹ فنکشن ہے اس کالج میں میرا آخری دن میرے فیورٹ سر کو دیکھے بنا ہی گزر جائے گا......It's too bad!!!"

انوشے نے افسردگی سے کہا تھا۔ آریان اور مشی دونوں جانتے تھے کہ سرحدید انوشے کے فیورٹ ٹیچرز کی لسٹ میں سب سے اوپر تھے۔

"ویسے اگر سر آج آ بھی گئے تو مجھے پورا یقین ہے صرف اپنی جھلک دکھانے ہی آئیں گے......ہمیشہ ہی بہت افراتفری کے عالم میں رہتے ہیں۔ نجانے کس بات کی جلدی ہوتی ہے انہیں......لیکچر کے بعد بھی اتنی تیزی سے کلاس میں سے نکلتے ہیں جیسے ڈر ہو کہ کہیں انہیں اگلے لیکچر کے لئے نہ روک لیا جائے۔"

مشی نے انوشے کو چڑانے کے لئے کہا تھا اور وہ چڑ کر بولی۔

"مشی تم تو ہر بات کو مذاق میں اڑانے کی ماہر ہو۔"

"ہاں تو اور کیا......یار اتنی بھی کیا جلدی کہ اُن سے کچھ پوچھنا ہو، اِن کے کلاس سے نکلتے ہی ان کے پیچھے چلے جاؤ تو نگاہیں کیا دیکھتی ہیں کہ سرحدید کاریڈور کے دوسرے سرے پر پہنچے ہوتے ہیں اور اگر سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اُن کے پیچھے بھاگ کر اُن کو روک بھی لیا جائے تو ایک سوال کا جواب دے کر وہ پھر چل پڑتے ہیں اور دوسرا سوال سٹوڈنٹ کے منہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے جب تک یہ خیال ذہن میں آتا ہے تب تک سر آدھی سے زیادہ سیڑھیاں اُتر چکے ہوتے ہیں......پھر انہیں وہاں روکنا پڑتا ہے اور ایسا کبھی کبھار ہی ممکن ہوتا ہے ورنہ عموماً تو وہ اپنی ازلی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سٹوڈنٹ کو دوسرا موقع دیے بنا دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔"

مشی کے اس تفصیلی تبصرے پر آریان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہارے ذہن کی رفتار اتنی کم ہے۔ تو اس میں سر کا کیا قصور ہے وہ تمہارے اگلے سوال کا انتظار کرنے کے چکر میں اپنی Next کلاس تو مس کرنے سے رہے اور تم کلاس میں سوال نہیں پوچھ سکتی وہاں پر وہ ہوتا ہے تمہارا......؟"

انوشے کے جواب میں چھپے سوال پر مشی بھی ہنس دی۔

"چھوڑو بھی تم دونوں کس بحث میں اُلجھ گئی ہو۔ لاسٹ ڈے ہمارا ہے یہاں......سر کا نہیں ہے سو آج صرف اپنی باتیں کرو۔"

آریان نے افسردگی چھپا کر اپنے لہجے کو قدرے ہشاش بشاش بناتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم نے اتنے سال یہاں گزارے سب کے ساتھ......اب ہم جارہے ہیں تو سب اُداس ہوں گے......؟"

مشی نے بڑی حسرت سے اردگرد دیکھا تھا۔

"اُداس ہوں نہ ہوں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ ہم جو یادیں چھوڑ کر جارہے ہیں وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں رہیں گی۔"

انوشے نے مشی کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"کتنا اچھا دور تھا ہمارا جو گزر گیا......کیسے؟ خبر ہی نہ ہوئی......کل تک ہم جو بڑی شان سے اس کالج میں پھرا کرتے تھے آج کے بعد یہی کالج ہمارا کم اور ہمارے جونیئرز کا زیادہ ہوگا......ہم جب کبھی فرصت میں یہاں آئیں گے تو ہمیں Old students اور مہمان ہونے کا خطاب ملے گا اور یہ کتنا تکلیف دہ احساس ہے ناں کہ آپ اپنی ہی جگہ لوٹو تو آپ کو مہمان کہہ کر یہ جتایا

آریان نے مسکراتے ہوئے مشی کی بات اُڑائی تو وہ چلائی۔

"کیا......؟ تم نے مجھے ڈراؤنی کہا......؟"

"نہیں......میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ انوشے تم نے سنا کیا......؟"

انوشے نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھ لو، انوشے نے بھی ایسی کوئی بات نہیں سنی......مطلب میں نے ایسا کچھ نہیں کہا......تم خواہ مخواہ الزام تراشی کر رہی ہو۔"

آریان مزا لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کچھ لمحات پہلے والی اُداسی کی جھلک اب اس کے چہرے سے غائب تھی اور مشی بھی تو یہی چاہتی تھی۔ وہ آریان کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"او کے......اب بس کرو تم لوگ اپنی یہ چھیڑ چھاڑ کا پیریڈ......مجھے یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں سے کسی نے سر حدید کو دیکھا......؟"

انوشے نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں، ابھی تک تو نظر نہیں آئے......اور میرا نہیں خیال کہ وہ آئے ہوں گے۔ تم جانتی ہو کہ وہ فنکشنز کم ہی اٹینڈ کرتے ہیں......اور اب جبکہ یہ پارٹی ہے بھی کو (Co) تو ان کے آنے کا امکان تو اور بھی کم ہے۔"

مشی نے کہا تو آریان نے اس کی تائید کی۔

"وہ صرف بوائز کے سپرٹ فنکشنز ہی اٹینڈ کرتے ہیں۔ مجھے بھی یہ لگتا ہے کہ وہ نہیں آئیں گے۔"

"ہاں پر آج تو آ جاتے سر......ہمارا لاسٹ فنکشن ہے اس کالج میں میرا آخری دن میرے فیورٹ سر کو دیکھے بنا ہی گزر جائے گا......"It's too bad!!!"

انوشے نے افسردگی سے کہا تھا۔ آریان اور مشی دونوں جانتے تھے کہ سر حدید انوشے کے فیورٹ ٹیچرز کی لسٹ میں سب سے اوپر تھے۔

"ویسے اگر سر آج آ بھی گئے تو مجھے پورا یقین ہے صرف اپنی جھلک دکھانے ہی آئیں گے......ہمیشہ ہی بہت افراتفری کے عالم میں رہتے ہیں۔ نجانے کس بات کی جلدی ہوتی ہے انہیں......لیکچر کے بعد بھی اتنی تیزی سے کلاس میں سے نکلتے ہیں جیسے ڈر ہو کہ کہیں انہیں اگلے لیکچر کے لئے نہ روک لیا جائے۔"

مشی نے انوشے کو چڑانے کے لئے کہا تھا اور وہ چڑ کر بولی۔

"مشی تم تو ہر بات کو مذاق میں اڑانے کی ماہر ہو۔"

"ہاں تو اور کیا......یار اتنی بھی کیا جلدی کہ اُن سے کچھ پوچھنا ہو، ان کے کلاس سے نکلتے ہی ان کے پیچھے چلے جاؤ تو لگا ہیں کیا دیکھتی ہیں کہ سر حدید کاریڈور کے دوسرے سرے پر پہنچ ہوتے ہیں اور اگر سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اُن کے پیچھے بھاگ کر اُن کو روک بھی لیا جائے تو ایک سوال کا جواب دے کر وہ پھر چل پڑتے ہیں اور دوسرا سوال سٹوڈنٹ کے منہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے جب تک یہ خیال ذہن میں آتا ہے تب تک سر آدھی سے زیادہ سیڑھیاں اُتر چکے ہوتے ہیں......پھر اُنہیں وہاں روکنا پڑتا ہے اور ایسا کبھی کبھار ہی ممکن ہوتا ہے ورنہ عموماً تو وہ اپنی ازلی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سٹوڈنٹ کو دوسرا موقع دیے بنا دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔"

مشی کے اس تفصیلی تبصرے پر آریان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہارے ذہن کی رفتار اتنی کم ہے۔ تو اس میں سر کا کیا قصور ہے وہ تمہارے اگلے سوال کا انتظار کرنے کے چکر میں اپنی Next کلاس تو مس کرنے سے رہے اور تم کلاس میں سوال نہیں پوچھ سکتی وہاں پر، وہ ہوتا ہے تمہارا......؟"

انوشے کے جواب میں چھپے سوال پر مشی بھی ہنس دی۔

"چھوڑو بھی تم دونوں کس بحث میں اُلجھ گئی ہو۔ لاسٹ ڈے ہمارا ہے یہاں......سر کا نہیں ہے سو آج صرف اپنی باتیں کرو۔"

آریان نے افسردگی چھپا کر اپنے لہجے کو قدرے ہشاش بشاش بناتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم نے اتنے سال یہاں گزارے سب کے ساتھ......اب ہم جا رہے ہیں تو سب اُداس ہوں گے......؟"

مشی نے بڑی حسرت سے اِردگرد دیکھا تھا۔

"اُداس ہوں نہ ہوں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ ہم جو یادیں چھوڑ کر جا رہے ہیں وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں رہیں گی۔"

انوشے نے مشی کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"کتنا اچھا دور تھا ہمارا جو گزر گیا......کیسے؟ خبر ہی نہ ہوئی......کل تک ہم جو بڑی شان سے اس کالج میں پھرا کرتے تھے آج کے بعد یہی کالج ہمارا کم اور ہمارے جونیئرز کا زیادہ ہوگا......ہم جب کبھی فرصت ملنے پر یہاں آئیں گے تو ہمیں Old students اور 'مہمان' ہونے کا خطاب ملے گا اور یہ کتنا تکلیف دہ احساس ہے ناں کہ آپ اپنی ہی جگہ لوٹو تو آپ کو 'مہمان' کہہ کر یہ جتایا

جائے کہ اب آپ کا یہاں کوئی حق نہیں رہا..... آپ جانے کے لئے آئے ہو۔"

انوشے آج شاید کچھ زیادہ ہی گہرائی میں جا کر سوچ رہی تھی۔ آریان جو انوشے کے الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے کی افسردگی کو نوٹس کر رہا تھا اس کے نظریں جھکانے پر اسے دیکھتا رہ گیا۔ مگر انوشے جس سادگی سے آئی تھی اس کی وجہ اب آریان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس کی باتوں سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اُداس ہے۔

"میری طرح وہ بھی اُداس ہے۔"

اس نے دوبارہ اپنے سامنے پلکیں جھکائے کھڑی انوشے کو دیکھا اور ہمیشہ کی طرح آج اس نے اپنی نگاہوں کا رُخ نہیں بدلا تھا بلکہ وہ گہری نظروں سے مسلسل بنا پلکیں جھپکائے اسے تک رہا تھا۔

"آج آخری بار یہ چہرہ یہ جھکی پلکوں کی دلکش تھرتھراہٹ کا منظر ایسے مقید کر لو اپنی آنکھوں میں آریان کہ پھر تا عمر تمہاری آنکھیں کھلی ہوں یا بند یہ نظارہ ہمیشہ تمہاری نظروں میں رہے۔ ہر چیز بدل جائے گی مگر یہ منظر کبھی تبدیل نہ ہو پائے۔"

اس کے اندر چیختے کوئی چلایا تھا۔

"آخری بار.....؟"

اور دل ان دو لفظوں کی گونج سے تڑپ اُٹھا تھا۔

"آخری بار..... آخری بار"

بے اختیار اس کے لبوں سے آواز نکلی تھی۔ مشی اور انوشے نے چونک کر اسے دیکھا اور خود آریان اپنی بے خودی پر حیران رہ گیا۔

"کیا ہوا.....؟"

انوشے نے پوچھا تھا۔

"ن..... نہیں..... کچھ بھی تو نہیں ہوا۔"

آریان نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر جیسے خود کو ریلیکس کیا تھا۔

"میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اس الوداعی تقریب کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے بعد ہمارے لیے یہاں No entry کا بورڈ لگ جائے گا۔ ہمارا جب دل کرے گا ہم آیا کریں گے تم اُداس نہ ہو۔"

آریان نے بڑی وقت سے بات سنبھالی تھی جبکہ دل تو دھڑک دھڑک کر دہائی دے رہا تھا کہ سچائی بتا دو..... باخبر کر دو انوشے کو کہ اس سے جدا ہونے کے دُکھ نے کالج سے جدائی

کے غم کو دبا دیا ہے۔

آج یہ آخری دن ہے میری زندگی کا جسے میں جیوں گا زندگی کا مانند ورنہ باقی عمر تو شاید میں گزاروں گا..... مجھے نہیں معلوم کیسے کٹے گی تیرے بن..... میں کاٹ پاؤں گا بھی کہ نہیں..... تمہاری دلکش آواز سننے کے لیے اسائنمنٹ کے بہانے فون بھی نہ کر پاؤں گا..... نجانے کیسے ہوں گے وہ دن جب تمہیں دیکھنے کے لئے میرے پاس کالج کا بہانہ نہیں ہوگا اور تمہارے ساتھ وقت گزارنے کے لئے مل کر کالم نگاری کا بہانہ بھی چھن چکا ہوگا..... کیسے.....؟ کس طرح بھلا پاؤں گا میں تمہیں انوشے..... میں نہیں جانتا..... آج احساس ہوا ہے کہ "الوداع" کہنے کا دُکھ کیا ہوتا ہے..... سانسیں تھم تھم جاتی ہیں۔ Heart Beat رُک رُک کر چلتی ہے اور آنکھیں..... اُن کا تو بس نہیں چلتا کہ کیسے اُس جانے والے، اُس بچھڑنے والے کو پورے کا پورا خود میں مقید کر لیں..... جھوٹ کہتے ہیں یہ سبھی شاعر حضرات کہ محبوب کو آنکھوں میں سمایا جا سکتا ہے، دل میں بسایا جا سکتا ہے، محبوب کبھی دُور نہیں ہوتا..... بھلا کیسے ایک جیتا جاگتا انسان آنکھوں اور دل میں گھس سکتا ہے.....؟ جو انسان پاس نہیں رہا اس سے قربت کا احساس کیسے ہو سکتا ہے.....؟ شاید "زندگی" مجھے بتانے والی ہے ان سوالوں کے جوابات..... اے زندگی! آریان واسطی تیار ہے اس عظیم امتحان کے لئے"

اس عہد کے ساتھ اس کی آنکھیں جگمگا اُٹھی تھیں۔

"محبت میں امتحان تو خوش نصیبی ہوتی ہے ناں۔ جتنا کڑا امتحان اُتنی سچی محبت....."

مشی نے چونک کر آریان کو دیکھا۔ اس کا چہرہ جیسے کسی پاکیزہ نور سے جگمگانے لگا تھا۔

"کیا واقعی انسان محبت کی منازل طے کرتا ہوا جب عشق کے مقام پر پہنچ جائے تو اپنے محبوب کو پانے کی چاہ سے بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے..... اس منزل پر اُس انسان میں اپنا نہیں اس کے محبوب کا عکس ایک نور کی طرح روشن ہو جاتا ہے..... اور پھر میلوں کی دُوری، صدیوں کا فاصلہ بھی بے معنی سا لگتا ہے یا شاید پھر اپنے محبوب کو پا لینے کی خود غرضی سے بالاتر ہو کر وہ خود ہی اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے..... اپنی بے ریا، معصوم اور پُرخلوص محبت کا اثاثہ سمیٹ کر دل کے نہاں خانوں میں مقید کر تو لیتا ہے مگر اس عشق کی شبیہ نور کا ہالہ بن کر اُس انسان کے چہرے اور آنکھوں کو تا عمر روشن رکھتی ہے جو اس کی محبت کی سچائیوں کا ثبوت ہوتا ہے۔"

یہی چمک وہ اب آریان کے چہرے اور آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"تو آریان تمہیں بہت بہت مبارک ہوں تمہارے عشق کی سچائیاں، تمہاری محبت کی پاکیزگیاں

تمہیں بہت مبارک ہوں۔ خدا تمہیں تمہاری آنے والی زندگی میں ان سب خوشیوں سے نوازے جن کے تم حقدار ہو۔"

مشی کے خاموش لبوں سے پُرخلوص دُعا نکلی اور آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔

"Attention plz..... ہمارے وہ سٹوڈنٹس جو آج یہاں مہمان ہیں ان کے لئے انا ؤنسمنٹ ہے جو انہیں ہلا کر رکھ دینے والی ہے۔

"A great surprise is waiting for you."

آپ سے ریکویسٹ ہے کہ جلد از جلد ہال میں آ جائیے۔"

میم مریم کی کھنکتی ہوئی پُرجوش آواز پورے کالج میں گونجی تھی۔ وہ تینوں اپنی اپنی جگہ چونکے اور پھر خاموشی سے ہال کی جانب بڑھ گئے۔ مشی نے جان بوجھ کر انوشے کو درمیان میں بٹھایا تھا..... کچھ دیر بعد پورے ہال کی لائٹس آف کر دی گئیں..... چند لمحوں میں سٹیج کا پردہ ہٹا اور روشنی کا ایک ہالہ نمودار ہوا اور ایک سایہ اس ہالے میں چلتا ہوا ڈائس تک پہنچا۔

"السلام علیکم! سٹوڈنٹس!"

اس آواز کے ساتھ ہی پورا سٹیج روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔

"سرحدید.....؟"

انوشے چیخی تھی۔ پورا ہال سیٹیوں اور تالیوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا..... تمام سٹوڈنٹس سرحدید کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے اور ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"اوہ مائی گاڈ..... سرحدید نے اتنا بڑا سرپرائز plan کر رکھا تھا۔

I don't believe it مجھے حقیقتاً یقین نہیں آ رہا۔"

انوشے نے کہتے ہوئے اپنے بائیں طرف بیٹھے آریان کا ہاتھ تھاما اور ساتھ ہی دائیں طرف بیٹھی مشی کا بھی۔ اس کی نظریں اب بھی سٹیج پر کھڑے سرحدید پر تھیں۔ مشی نے تو کوئی نوٹس نہ لیا مگر آریان کے دل کی دھڑکن معمول سے ہٹ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کی طرح خوشی کا اظہار نہیں کر رہا تھا بلکہ بالکل خاموش تھا، ساکت تھا۔

"ارے تمہیں کون سا سانپ سونگھ گیا ہے..... اپنی پرابلم؟"

انوشے نے سکون سے بیٹھے آریان کو گھورا تھا۔

"کچھ نہیں!"

اس نے آہستہ سے کہا اور نظریں پھیر لیں۔

"ارے انوشے سنو سر کیا کہنے والے ہیں۔"

مشی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا تو آریان نے اپنا رُکا ہوا سانس خارج کیا۔

"پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے.....؟"

اس نے خود کو سرزنش کی۔

"میں کچھ ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو بہت پیارے اور بہت اچھے ہیں..... کئی سالوں پہلے ہم نے جب اس کالج کی بنیاد رکھی تھی تو علم و تربیت کے اس سفر کے آغاز میں ہی بہت اچھے اچھے لوگوں کی ہم سفری ہمارے حصے میں آئی اور پھر کڑی سے کڑی ملتی گئی اور ایک چین (Chain) کی مانند یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بھلے ہی اس چین (Chain) میں نئی کڑیاں جڑتی گئیں مگر خوش کن بات یہ ہے کہ پچھلی کوئی بھی کڑی ٹوٹ کر الگ کبھی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہم ایسا ہونے دیں گے۔ چند سال قبل جو لوگ ہمارے ساتھ شریک سفر ہوئے آج اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں مگر ہمارا سفر کبھی نہ ختم ہونے والا سرکل ہے..... جو گول گول گھومتا رہے گا اور ہر نئے مسافر کو اُس کی منزل پر پہنچاتا رہے گا۔ یہی ہمارا مقصد حیات ہے اور عہد بھی..... یہ چند سال، گذشتہ بہت سارے سالوں کی طرح کیسے گزر گئے..... اندازہ ہی نہ ہوا۔ شاید ہمسفر اچھے ہوں تو راستے اسی طرح آسانیوں سے کٹ جایا کرتے ہیں۔ جو بھی ہو، ہر آغاز سفر کو اختتام پذیر ہونا ہی ہوتا ہے یہ ہی نظام قدرت ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔"

سرحدید ایک جذب میں بول رہے تھے۔ پورے ہال میں Pin drop silence کا عالم تھا۔ ہر کوئی ہم سا دھے بس اُن کے منہ سے پھولوں کی مانند جھڑتے نایاب پھولوں کو سمیٹ کر مالا بنانے میں مصروف تھا۔

"آپ کی اصلاح کے لئے ہم نے کبھی ڈانٹ کا سہارا لیا کبھی پیار سے سمجھایا، کبھی سزا بھی دینی پڑی مگر اس کے باوجود جو وقت ہم نے ساتھ گزارا اکٹھے ہنسے، اکٹھے روئے، بس یہی اہم ہے، یہی اثاثہ ہے۔ ہمیں آپ سے کچھ شکایات رہیں، آپ کو ہم سے کچھ شکوے رہے، پر ہم ایک بات فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے چند سال پہلے جو گوہر اپنی اس بھٹی میں ڈالے تھے آج کندن بنا کر نکال رہے ہیں۔ ہمارے وہ تمام گوہر نایاب آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہوگا کہ ہم نے جن ہیروں کو اتنے سال تراشا آج وہ نایاب ہیں۔ آپ کو جن جن امتحانات سے گزارا گیا ان سب کے پیچھے ہمارا مقصد صرف اور صرف آپ کو نرینڈ کرنا تھا۔ زندگی کے ہر مرحلے سے گزرنے کا فن سکھانا تھا۔ صرف تعلیمی میدان سر کر لینا کوئی بڑی

بات نہیں ہے بلکہ ایک کامیاب پریکٹیکل لائف گزارنا زیادہ اہم ہے۔ آج سے آپ کو اپنی پریکٹیکل لائف کا آغاز کرنا ہے..... جو تربیت آپ کو دی گئی جو فصل بوئی گئی اب اُس کے پھل دینے کا وقت آ گیا ہے..... کود پڑو اس میدان میں اور دکھا دو سب کو کہ آپ نے کیا سیکھا کامیابی کسے کہتے ہیں اور کامیاب کیسے ہوتے ہیں..... ہماری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کالج کی ایک ایک اینٹ میں آپ کی محبت آپ کی یادیں جڑی ہیں۔ آپ کبھی بھی ہم سے، اس کالج سے الگ نہیں ہوں گے..... بس فرق صرف یہ ہوگا کہ آج سے آپ کے ٹارگٹ الگ ہوں گے..... مقاصد الگ ہوں گے مگر ایک قدر جو ہمیشہ مشترک رہے گی وہ ہے کامیابی اور صرف کامیابی..... اللہ آپ سب کو ہر امتحان میں کامیاب و کامران کرے اور اپنے سایہ رحمت میں رکھے۔"

"آمین!"

****

"ارے..... زید واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز یار؟

(What a pleasant surprise yar)

تم اچانک یہاں آفس میں..... خیریت تو ہے ناں اکیلے آئے ہو.....؟"

ارمغان زید کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا..... دس (10) ماہ پہلے وہ جس طرح اور جن حالات میں وہاں سے آیا تھا اُسے لگا تھا شاید اب دوبارہ کبھی وہ پھپھو کی فیملی سے مل نہ پائے اور بالفرض اگر کبھی سامنا ہوا بھی تو یقیناً وہ کوئی خوشگوار لمحات نہ ہوں گے یا خوشی کے مواقع نہ ہوں گے مگر آج صرف دس ماہ بعد ہی زید نہ صرف اس کے شہر میں موجود تھا بلکہ وہ اس کے آفس میں بطورِ خاص اس سے ملنے آیا تھا..... اور اب وہ دونوں مل کر چائے پی رہے تھے۔ زید خلافِ معمول کچھ چپ سا تھا جس کا نوٹس ارمغان نے لیا تو تھا مگر اسے اس واقعہ سے مبذول کر کے زید کی جھجک سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا مگر جب کافی دیر تک زید کی چپ نہ ٹوٹی تو اسے تشویش نے آ گھیرا۔

"زید کیا بات ہے..... تم اس قدر خاموش کیوں ہو۔"

سیکریٹری خالی برتن اُٹھا کر لے گیا تو اس کے جانے کے بعد ارمغان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ جواب بھی خاموشی سے میز کی شفاف چمکتی سطح کو گھورنے میں مگن تھا۔

"دیکھو زید اگر تم بھی مجھ سے ناراض ہو یا مجھے قصوروار سمجھتے ہو تو میں تم سے معافی....."

"نہیں ارمغان بھائی..... میں ایسا قطعی نہیں سمجھتا۔"

زید نے اس کو درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔

"تو پھر کیا بات ہے۔ مجھے لگتا ہے تم مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہو۔"

ارمغان نے گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت پر ٹکاتے ہوئے زید سے دریافت کیا تھا۔

"ارمغان بھائی میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ سے جو کہنے آیا ہوں وہ مجھے کہنا چاہیے یا نہیں..... اور اگر کہوں بھی تو کیسے.....؟"

زید شش و پنج میں مبتلا تھا۔ ارمغان نے ٹٹولتی نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے وہ خود ہی اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ آخر ایسی کونسی بات ہے جسے زید جیسے باتونی اور لاابالی بندے کو زبان تک لانے کے لئے اتنی تگ و دو کرنی پڑ رہی ہے۔

"ارمغان بھائی آپ..... آپ حنا سے شادی کر لیں۔"

زید نے گویا اس کی سماعتوں پر دھماکہ کیا تھا۔

"واٹ؟؟؟"

ارمغان اُٹھ کھڑا ہوا اور بے یقینی اور حیرت کی حدوں کو چھوتے ہوئے زید کو دیکھنے لگا۔ زید نے نگاہیں جھکا لیں۔

"میں جانتا تھا آپ اسی طرح ری ایکٹ کریں گے..... مگر میں اب بھی یہی کہوں گا کہ آپ حنا سے شادی کر لیں ارمغان بھائی۔"

زید نے ہاتھ سے شفاف میز پر انگلی پھیرتے ہوئے اُسی لہجے میں اپنی بات دہرائی تھی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو زید.....؟ حنا تمہارے بھائی کی بیوی ہے اور تم مجھے اُس سے شادی کا مشورہ دے رہے ہو۔ اپنے حواسوں میں تو ہو.....؟"

ارمغان کو ایسی کسی بات کی توقع تو کیا ایسا خیال بھی سرے سے اس کے دماغ سے نہ گزرا تھا۔

"وہ میرے بھائی کی بیوی "تھی"..... اب نہیں ہے۔"

زید کی دھیمی آواز میں کی گئی تصحیح نے اسے پورے کا پورا گھما کر رکھ دیا..... اس نے اچنبھے سے زید کو دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر جیسے اپنے الفاظ پر درستگی کی مہر لگا کر اسے یقین دہانی کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے جو سنا وہ درست سنا۔"

"اوہ میرے خدا..... اس کا مطلب تبریز نے اُسے طلاق.....؟"

ارمغان دُکھ سے کرسی پر ڈھے سا گیا تھا..... کتنے ہی پل بے یقینی اور خاموشی کی نذر ہو گئے۔

حنا کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا گیا۔

''مجھے تبریز سے بات کرنی ہے ارمغان بھائی..... مجھے انہیں اس غلط فہمی سے نکالنا ہے..... وہ کیسے مجھ سے اس طرح خفا ہو کر جا سکتے ہیں، وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میری بات ضرور سنیں گے..... مجھے ان سے بات کرنی ہے۔''

روتی بلکتی حنا جیسے ان سے فریاد کرتی دوبارہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''تبریز نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی..... بہت بڑی غلطی۔''

ارمغان کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ سے زید بھی سو فیصد متفق تھا۔

''تبریز بھائی نے حنا کی ایک نہیں سنی..... وہ دہائیاں دیتی رہ گئیں مگر بھائی کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی تھی بدگمانیوں کی..... غلط فہمیوں نے ان سے رشتوں کا اعتماد چھین لیا تھا۔ آپ کے جانے کے بعد اسی شام بھائی نے بھابی کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ چچا جان کو علم ہوا تو وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر پائے..... ہارٹ اٹیک ہوا تھا انہیں اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ شریک حیات کی جدائی اور بیٹی کے ساتھ ہونے والے سانحے نے چچی جان کو ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ کر دیا۔ وہ اپنے حواس کھو بیٹھیں۔ پل بھر میں چچا جان کی فیملی تباہیوں کے دہانے پر آ کھڑی ہوئی..... ڈاکٹرز نے بہت کوشش کی مگر چچی جان نارمل نہ ہو سکیں۔ چار ماہ بعد تبریز بھائی نے دوسری شادی کر لی..... اسی دن چچی جان قومے میں چلی گئیں اور دو دن بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ حنا پر تو جیسے سکتہ چھا گیا ہے۔ والدین کی جدائی اور تبریز کے ظلم و بے وفائی نے انہیں زندگی سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ وہ زندہ لاش کی طرح سارا دن پڑی رہتی ہیں..... زبردستی کچھ کھلا دو تو ٹھیک ورنہ.....''

رقت سے بولتا زید اپنا فقرہ مکمل کیے بنا ہی خاموش ہو گیا..... ارمغان کے لئے یہ سب برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

''یہ..... یہ سب میری وجہ سے ہوا..... مجھے وہاں نہیں رکنا چاہیے تھا..... میں ذمہ دار ہوں حنا کی بربادی کا۔''

ارمغان اٹھ کر بے قراری سے ٹہلتا ہوا بولا تھا۔

''نہیں ارمغان بھائی..... ذمہ دار تبریز بھائی ہیں..... قاتل ہیں وہ چچا جان اور چچی کے..... انہوں نے قتل کیا حنا بھابی کے معصوم دل کا، ان کے خوابوں کا..... قاتل ہیں وہ قاتل۔''

زید اب اٹھ کر ارمغان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا..... جبکہ ارمغان خود بھی اپنے آنسو روکنے سے قاصر تھا۔ اس نے اسے چپ کرانے کی کوشش بھی نہ کی تھی۔

''ارمغان بھائی آپ حنا سے شادی کر لیں..... انہیں زندگی کی طرف موڑ لائیں وہ بہت اچھی ہیں..... آپ ان کا سہارا بن جائیں۔ بولیں ارمغان بھائی آپ اپنائیں گے ناں حنا کو.....؟''

وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے بڑی آس سے پوچھ رہا تھا جیسے کوئی چھوٹا بچہ کسی سے چاکلیٹ لینے کی ضد کر رہا ہو۔

''میں بہت آس اور امید سے آپ کے پاس آیا ہوں..... میرے گھر والوں نے جو ظلم کیا ہے میں اس کا ازالہ نہیں کر سکتا مگر اپنے ضمیر کے سکون کے لئے میں یہ کوشش کرنا چاہتا ہوں کہ حنا کو اس کے نصیب کی خوشیوں کے وسیلے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاؤں..... ایک بھائی کی حیثیت سے سوچا تو حنا کے لئے مجھے آپ سے بہتر انسان نظر نہیں آیا۔''

''نہیں زید..... میں حنا سے شادی نہیں کر سکتا..... میں آل ریڈی کمیٹڈ ہوں اور میرا اگلے مہینے نکاح ہے..... اور اس سے اگلے دن رخصتی..... میں مناحل کے ساتھ وہی سب نہیں کر سکتا جو تبریز نے حنا کے ساتھ کیا..... میں بہت چاہتا ہوں مناحل کو۔ اسے اپنے نام سے منسوب کر چکا ہوں بس قانونی اور شرعی تقاضوں کے طور پر نکاح باقی ہے وہ بھی اگلے مہینے ہو جائے گا۔ اب ان حالات میں میں اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ایسا کرنا چاہتا ہوں۔

تم بیٹھو ہم مل کر اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں۔''

ارمغان نے زید کو پریشان دیکھا تو اسے کرسی پر بٹھایا خود بھی اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ کافی دیر وہ سوچتا رہا پھر پیپر ویٹ (Paper weight) گھماتے ہوئے وہ دوبارہ خاموش بیٹھے زید سے مخاطب ہوا۔

''میں جانتا ہوں حنا بہت اچھی لڑکی ہے اور یقیناً وہ یہ سب ڈیزرو (Deserve) نہیں کرتی تھی جو اس کے ساتھ ہوا..... مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کی اس میں کوئی حکمت ہو۔''

زید نے چونک کر اسے دیکھا۔

''حکمت.....؟ اب اس میں ایسی کیا حکمت ہو سکتی ہے ارمغان بھائی.....؟''

''ہو سکتی ہے میرے بھائی..... اور ضروری نہیں کہ ہمیں ابھی اس کی سمجھ آ جائے۔ خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی بھلائی ہوتی ہے وہ اپنے بندے کو بہتر جانتا ہے اور ستر ماؤں جتنا پیار کرتا ہے..... حنا کے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہو سکتا۔''

''ارمغان بھائی حنا کے ساتھ برا ہو چکا ہے۔''

زید نے جیسے ارمغان کی بات سے اختلاف کر کے اسے موجودہ صورت حال کا

احساس کرانا چاہا تھا۔ ارمغان کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا۔

''زید حنا کے ساتھ جتنا بُرا ہو سکتا تھا ہو چکا..... اب صرف اچھا ہی اچھا ہوگا۔ میں نے اُسے بہنوں جیسی عزت دی تھی اور آج اُسے اپنی بہن مانتا ہوں..... اس طرح میں اس پر کوئی احسان نہیں کروں گا بلکہ بڑا لالچی انسان ہوں میں حنا کو اپنی بہن بنا کر اپنی بہن کی کمی پوری کرنا چاہتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ حنا سے ملے ہو.....؟ کیسی ہے وہ.....؟''

''وہ ٹھیک نہیں ہے..... اور انہی کے لئے تو آپ کے پاس آیا تھا پر.....''

زید نے افسردگی سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مجھے غلط مت سمجھنا زید..... یقین کرو اگر میں پہلے ہی کسی سے کمیٹڈ نہ ہوتا تو تب بھی حنا کو اپنی بہن ہی سمجھتا..... مناحل میری محبت ہے..... میں کالج کے زمانے سے اُسے پسند کرتا ہوں تب اُن کے حالات بہت خراب تھے۔ وہ بہت لیے دیے رہا کرتی تھی..... اُس کا اکلوتا بھائی بھی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ والد حیات نہیں تھے۔ ماں جیسے تیسے گھر کے اخراجات شوہر کی پنشن سے چلاتی تھیں۔ مناحل بہت خوش طبع اور صابر لڑکی ہے اور میں نے تب ہی سوچ لیا تھا کہ شادی کروں گا تو اُسی سے..... پھر میں گریجوایشن کے لئے باہر چلا گیا۔ اس دوران دو سال بعد جب میں واپس آیا تو میں نے ممی سے اس سلسلے میں بات کی اور انہیں مناحل کے گھر بھیجا..... میں چاہتا تھا کہ دوبارہ باہر جانے سے پہلے کم از کم اُسے اپنے نام سے منسوب کر جاؤں تاکہ اُس کے گھر والے اُسے میری امانت کے طور پر رکھیں..... ہماری فیملی بہت پیسے والی تھی اور میں مناحل کو پسند بھی کرتا تھا سو مجھے یقین تھا کہ یہ رشتہ ہو جائے گا مگر اُس کے بھائی نے انکار کر دیا تب میں پرسنلی اُسے ملا..... وہ بہت اچھا اور خوددار لڑکا ہے..... تم جانتے ہو اُس نے مجھ سے کیا کہا تھا۔''

بولتے بولتے اچانک ارمغان نے زید سے سوال کیا تھا پھر خود ہی سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

''اُس نے کہا کہ تم امیر ہو یا تمہارے پاس دنیا کی ہر عیش و عشرت کا سامان ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں..... اس زعم میں مت رہنا کہ ہم غریب ہیں تو دولت مند گھرانے سے آئے رشتے کو بنا سوچے سمجھے قبول کر لیں گے۔ مجھے اپنی بہن کے لئے ایسے شریک حیات کی تلاش ہے جو اُسے دل سے چاہے، اُس کے احساسات کا خیال کرے..... بھلے ہی گاڑیوں میں گھمانے اور بنگلوں میں رکھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو مگر اُس کا ساتھ نبھانے والا ہو اچھے اور بُرے وقت میں اس کی

ڈھال بننے والا ہو..... کیا تم اس کسوٹی پر پورا اُترتے ہو.....؟ کیا تم خود کو اتنا قابل اعتماد ثابت کر سکتے ہو کہ میں اپنی بہن کو تمہاری نگہبانی میں دوں.....؟

اور میں جو جو مناحل کے لئے محسوس کرتا تھا اور جب سے کرتا تھا الف سے یے تک سب کچھ اُسے بتا دیا۔ اپنی بے تابیاں، بے قراریاں سب کچھ..... وہ خاموشی سے سنتا رہا..... اور مجھے یقین تھا جو میں نے کہا ہے یا تو میرا رشتہ ہو جائے گا یا پھر وہ مجھے اتنے جوتے لگائے گا کہ میں دوبارہ باہر تو کیا اپنے گھر بھی چل کر جا نہیں پاؤں گا..... مگر اللہ کا بڑا کرم ہوا اُس نے مجھے اپنا تعلیم مکمل کرنے کا کہا اور میں اُس پر بھروسہ کر کے باہر چلا گیا..... میری، دو سال بعد واپسی پر ہمارا رشتہ طے کر دیا گیا تھا اور تم جانتے ہو وہ کون ہے؟ وہ اب میرا سالا کم اور دوست زیادہ ہے..... میں نہیں جانتا اُس نے آج تک شادی کیوں نہیں کی مگر میں نے جب جب اُسے کہا اُس نے اس موضوع کو ٹالا ہی ہے مگر اس بار وہ ایسا نہیں کر پائے گا..... میں اُسے ایسا کرنے نہیں دوں گا..... تم بے فکر رہو زید حنا کو میں نے اپنی بہن کہا ہے وہ میری ذمہ داری ہے..... اور میں اُس کا ہاتھ کسی ایسے ویسے کے ہاتھ میں نہیں دوں گا..... اُسی شخص کے سپرد کروں گا جو اسے وہ سب دے سکے جس کی وہ حقدار ہے اور میرے سالے صاحب سے زیادہ قابل اور کون ہو سکتا ہے.....؟''

زید نے چونک کر ارمغان کو دیکھا تھا۔

''ہاں زید!..... تم جانتے ہو میں کس کی بات کر رہا ہوں..... میرے سالے صاحب کون ہیں.....؟

آریان واسطی کو جانتے ہو.....؟''

''آریان واسطی.....؟ وہ سنگر.....؟''

زید نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں۔ میں اُسی کی بات کر رہا ہوں۔ اُسی کی بہن مناحل سے میرا نکاح ہے۔''

''کیا واقعی وہ حنا کے لئے پرفیکٹ میچ ہے.....؟''

زید نے تسلی کے لئے پوچھا تھا۔

''میرے خیال میں..... ویسے میں بات کرتا ہوں آریان سے شادی تو اسے کرنی ہی ہے پھر حنا جیسی لڑکی تو نصیب والوں کو ملتی ہے۔ میں ممی سے کہتا ہوں کہ وہ حنا کو اپنے پاس لے آئیں۔''

''ہاں ارمغان بھائی..... چچا کے گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہیں۔ حنا بہت ڈسٹرب رہتی ہے۔

سارا دن کمرے میں بند رہتی ہے، اسے اب اس ماحول سے نکالنا پڑے گا۔ اور اسے زندگی کی طرف لوٹانے کے لئے یہ سب ضروری ہے کہ سب سے پہلے اسے وہاں سے نکالا جائے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر میں کل ہی ممی کو بھیج کر حنا کو یہاں بلوا لیتا ہوں..... تم اب میری بہن کی فکر چھوڑو اور مطمئن ہو جاؤ۔"

"شکریہ ارمغان بھائی۔"

اور پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ ارمغان کی امی حنا کو اپنے گھر لے آئی تھیں۔ اللہ نے انہیں بیٹی کے روپ میں حنا دے دی تھی جس پر وہ اپنی ممتا لٹا سکتی تھیں۔ اور بیٹی نہ ہونے کا جو دکھ انہیں تھا وہ اب نہیں رہا تھا۔ چچاؤں نے اسے نہیں روکا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے یہی حنا کے لیے بہتر ہے۔ ایک نئی زندگی کا آغاز اسے بانہیں پھیلائے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

****

نکاح کی تقریب آریان واسطی کے گھر پر منعقد کی گئی تھی۔ حنا سے ارمغان کو بھائی اور آنٹی کو ممی اور انکل کو پاپا کہنے کا کہا گیا تھا تو ان سب کی بے لوث محبتوں نے جیسے اسے چھایا نصیب کر دی تھی..... ممی نے اس کے لئے بہت پیارا سوٹ بنوایا تھا نکاح کی تقریب کے لئے۔

"بھائی کا نکاح ہے حنا۔ اپنی پسند کا سوٹ بنوالو۔"

ممی نے بڑا مان دیا تھا اسے اور وہ ان کا محبت بھرا دل نہ دکھا پائی تھی۔ اس نے سفید رنگ کا ٹراؤزر اور سفید لانگ شرٹ کے ساتھ سفید بڑا سا دوپٹہ بنوایا تھا جس پر ہم رنگ کام ہوا تھا..... لمحہ لمحہ اسے اپنے امی ابو یاد آ رہے تھے اور وہ نم آنکھوں سے بمشکل آنٹی کی خوشی کے لئے سب کر رہی تھی۔ آنٹی جانتی تھیں، اس کا کرب سمجھ رہی تھیں مگر وہ اسی طرح اس کا دھیان بٹانے میں کسی حد تک کامیاب ہو رہی تھیں..... اسے زندگی کی رنگینیوں کی طرف لوٹانے کا یہ واحد حل تھا کہ اسے خوشیوں میں الجھائے رکھو۔ ارمغان بھی آتے جاتے اس سے چھوٹی موٹی نوک جھونک جاری رکھے ہوئے تھا۔

"حنا بیٹا تیار ہوئی کہ نہیں.....؟ بھئی جلدی آؤ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

ممی کی آواز پر اس نے نم آنکھیں جلدی سے صاف کیں اور جلدی سے نیچے چلی آئی جہاں ارمغان بھائی، ممی پاپا اور تمام رشتہ دار جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

"ارے میری جان..... یہ کیا تم تیار کیوں نہیں ہوئی.....؟"

ممی نے اسے دھلے چہرے اور نم آنکھوں سے دیکھتے ہی پچکارا تھا اور گلے لگا کر مما

بھرا سکون دیا تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔

"بیٹا بھائی کا نکاح ہے اور اکلوتی بہن اس طرح بنا تیاری کے ہو اچھا تو نہیں لگتا۔ آؤ میں خود اپنی بیٹی کو تیار کرتی ہوں۔"

ممی اسے کمرے میں لے گئیں اور بہت ہی سادگی سے اسے تیار کیا۔

"یہ میری بہن کا تحفہ..... ویسے اصولاً تو تمہیں مجھے گفٹ دینا چاہیے تھا میرا نکاح ہے آج۔"

ارمغان نے ایک جیولری باکس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ حنا نے اسے کھولا تو بہت ہی خوبصورت نازک سا وائٹ گولڈ کا پینڈنٹ تھا۔ ساتھ چھوٹے چھوٹے ٹاپس بھی۔

"اس نے تمہیں بہن کا رشتہ دے دیا اس سے بہتر بھلا تمہارے لیے کوئی گفٹ ہو سکتا ہے؟"

ممی نے مسکراتے ہوئے ارمغان کا کان کھینچا تھا حنا ہلکے سے مسکرا دی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی....."

ممی نے اسے بندے اور پینڈنٹ پہنا کر گلے لگا کر ماتھا چوما تھا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو روشنیوں کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ ہر طرف چہچہاتے بشاش بشاش چہرے موجود تھے۔ قہقہوں کے فوارے پھوٹ رہے تھے..... آریان کا تعلق چونکہ شوبز سے تھا تو کئی نامور شخصیات وہاں نظر آ رہی تھیں۔ عام حالات ہوتے تو حنا مارے خوشی کے پاگل ہو جاتی..... وہ شروع سے ہی ایسے لوگوں کی بڑی ولدادہ تھی۔ پاکستانی ڈرامے، گانے سننے کی شوقین، آج جیسے اس کے سارے خوابوں کو تعبیر مل گئی تھی۔ مگر اب اسے تعبیر سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسے ان روشنیوں سے وحشت ہونے لگی۔ وہ ممی سے کہہ کر چپکے سے اٹھ آئی اور قدرے سنسان گوشے میں آ کھڑی ہوئی جہاں روشنی کم تھی۔ امی ابو کو یاد کر کے دوبارہ اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ اگر ارمغان بھائی اور ممی پاپا کی اتنی محبتیں نہ ہوتیں تو وہ کبھی اتنی جلدی خود کو نارمل لوگوں کی فہرست میں شامل نہ کر پاتی..... اسے ان محبتوں کے لیے زندگی کی طرف لوٹنا تھا اور وہ اس کی کوشش کرتے کرتے نڈھال تھی۔ کیا تھی اس کی زندگی اور کیا ہو گئی تھی۔

گزشتہ دو سال نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی، کیا کھویا کیا پایا یہ کیلکولیشن اسے کرب میں مبتلا کر رہی تھی..... اس نے آنسو پونچھنے کی کوشش بھی نہ کی تھی..... یہ قدرے سنسان گوشہ تھا اور یہاں کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ ویسے بھی کون تھا جو روشنیوں اور خوشیوں سے خوفزدہ ہو کر تنہائیوں اور اندھیروں کی سمت دوڑ لگا دے ایک وہی تو تھی۔ سو وہ بے فکری سے اپنے کرب کو آنسوؤں کی شکل میں بہا رہی تھی۔

****

آریان اپنی بہن کی خوشیوں میں بہت خوش تھا...... یہ اُن کے گھر کی آخری رونق تھی جو اب رخصت ہونے والی تھی...... تمام چڑیاں ایک ایک کر کے گھونسلے سے اُڑ چکی تھیں...... آخری چڑیا مناحل تھی جو اُڑنے کو پر تول رہی تھی...... امی نے بار ہا اُسے کہا تھا آریان بیٹا یہ تو بیگانی رونقیں تھیں جنہیں آخر کار اپنے اپنے گھروں میں جانا ہی تھا...... بیٹا اب اس گھر کی اصل رونق لے آؤ...... اس گھر کا سناٹا مجھے کھانے کو دوڑتا ہے۔ مناحل کے جانے کے بعد تو یہ گھر اور بھی سونا ہو جائے گا...... اور آریان نے ہر بار امی کو ٹالا تھا...... وہ آخر کب تک اس حقیقت سے منہ موڑ سکے گا...... کب تک امی کو اُن کے حق سے دُور رکھ سکے گا وہ ایک بیٹے کی ماں ہیں، بہو گھر میں لانے کا حق ہے اُن کا...... جوان بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کا اُن کا خواب وہ کب تک ادھورا رکھ سکے گا...... وہ جانتا تھا آج بظاہر نکاح کی تقریب میں مصروف امی کا ذہن اسی بات میں اُلجھا ہوگا کہ رات کو وہ کس طرح آریان کو شادی کے لئے قائل کریں گی اور...... اور آریان سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا بہانہ بنا کر ٹالے گا...... ذمہ داریوں کی آڑ لے کر اب وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔

انوشے اس بھری محفل میں بھی اس کی نگاہوں میں تھی...... یہاں کا شور وغل، قہقہے، گفتگو، زرق برق پہناؤں میں خوشبوؤں میں گھرے وجود، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا حسن، چندھیا دینے والے قمقمے، کچھ بھی تو اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر پا رہا تھا...... اتنی پُر رونق تقریب بھی اُس کے دل کی ویرانیوں کو کم کرنے سے قاصر تھی...... بلکہ ہر گزرتا لمحہ اس کا اضطراب بڑھاتا جا رہا تھا...... نکاح ہو چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں کھانا سرو کیا جانا تھا...... آریان، مناحل اور ارمغان کے پاس ہی سٹیج پر بیٹھا تھا...... ایک جم غفیر سٹیج کے گرد جمع تھا۔ صحافی حضرات مشہور و معروف آریان واسطی کی سب سے چھوٹی اور چہیتی بہن کے نکاح کی تقریب کو پوری طرح فوکس کر رہے تھے...... لمحہ بہ لمحہ کیمروں کے فلش، مووی کی تیز لائٹس سے جان چھڑاتا وہ بمشکل وہاں سے نکلا تھا...... وہ صرف چند لمحوں کے لئے ہی سہی تنہائی چاہتا تھا...... نجانے کیوں انوشے آج بہت شدت سے یاد آ رہی تھی...... جیسے گذشتہ سالوں کی ساری یادیں آج ابھی اکٹھی ہو کر اس کے دل میں آن سمائی ہوں...... زندگی کے چار سال اس نے اس چہرے کو دیکھے بنا گزار دیے تھے جس کے نقوش اس کے دل میں نقش تھے...... وہ اس سریلی مدھم سی آواز کو نہیں سن پایا تھا جو اس کی سماعتوں سے اس کے دل میں اُتر کر دل کے تار چھیڑ دیا کرتی تھی اور دھڑکن کا وہ مخصوص انداز تو شاید دل بھی بہت مس کرتا ہوگا۔ شکست خوردہ قدموں سے چلتا وہ اپنی مخصوص جگہ پر آ گیا تھا جہاں وہ اکثر شام اور رات کی تنہائیوں میں ہجر کے اُداس لمحات گزارا کرتا تھا۔ کیا کھویا اور کیا پایا

کے مصداق اپنی کامیابیوں اور خواہشات کے حساب کتاب کیا کرتا تھا۔ یہ اُس کے گھر کے کشادہ لان کا پچھلا ایریا تھا جہاں اس نے لائٹس نہیں لگوائی تھیں...... بلکہ دُور لان کے باقی حصوں پر لگی لائٹس کی روشنی درختوں کے پتوں کے چھن چھن کر یہاں آتی اور ماحول کو اور اُداسی کا تاثر دے دیتی۔ اس گوشے کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ یہاں تک شور شرابہ پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتا تھا۔ رات کے اس پہر تو ویسے بھی ہر سو خاموشی کا دور دورہ ہوتا مگر آج اس خوبصورت حویلی کے کشادہ لان میں تقریب کی وجہ سے مدھم مدھم میوزک کی آواز اس خوابناک گوشے کو اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔

''جو کچھ آج میرے پاس ہے کاش 4 سال پہلے ملا ہوتا تو آج میں یوں تنہا نہ ہوتا جتنا اب ہوں...... وہ پری وش میرے ساتھ ہوتی میرے پاس ہوتی......''

آریان نے وہاں ٹہلتے ہوئے بڑی یاس و حسرت سے سوچا تھا۔ اچانک ہی اس کے پیروں کو جیسے بریک لگی تھی اور اُٹھتا قدم وہیں تھم سا گیا تھا۔ دل اتنی زور سے دھڑکا تھا جیسے اس کے بعد اسے شاید کبھی دھڑکنے کا موقع نہ ملے اور اس کی خوبصورت گہری اُداس آنکھیں حیرت زدہ تھیں۔

''کیا یہ میری نظروں کا دھوکہ ہے یا حقیقتاً میرے سامنے وہی ہے؟''

آریان نے خود سے سوال کیا تھا۔ یہ اس میں سمائی شبیہ نہیں تھی وہ واقعی وہاں ایک درخت سے شانہ ٹکائے کھڑی تھی۔ آریان بے یقینی سے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتا اس کے قریب چلا آیا...... اس کا منہ دوسری طرف تھا اور پشت پر وہی بالوں کی لمبی سی چوٹی بھوت نظارہ دے رہی تھی...... وہ آج بھی وہی مخصوص سفید رنگ پہنے ہوئے تھی جو آریان کی زندگی میں بھی رنگِ خاص کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔

''ا...... نو...... شے......!''

اتنے سالوں بعد اس کا نام زبان پر لاتے ہوئے وہ کچھ اٹکا تھا۔ شاید اس نے سنا نہ تھا...... اس نے ایک اور آواز دی مگر وہ اب بھی نہ پلٹی۔ اب کی بار آریان نے بہت ہمت کر کے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا تھا۔

''انوشے!''

حنا جو تبریز کی باتوں اور اس کی محبت بھرے لمحات کو یاد کر رہی تھی اپنے ساتھ ہونے والے اس عظیم سانحے پر آنسو بہا رہی تھی جس نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا وہ اچانک اپنے

شانے پر اجنبی لمس محسوس کر کے پلٹی...... وہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی تھی...... پرسوں ہی ارمغان بھائی نے ان کا تعارف کروایا تھا جب ٹی وی پر ان کے ایک گانے کی ویڈیو چل رہی تھی اور اب وہ آف وائٹ تو پیس میں ہم رنگ شرٹ اور ٹائی پہنے اس کے مقابل کھڑا تھا...... ٹی وی سکرین پر وہ جتنا پیارا لگا تھا حقیقت میں اس سے بڑھ کر تھا۔ حنا نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔ اُس کے دُکھ صرف اس کے تھے اور وہ اپنے آنسو کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے تو اس نے لوگوں کے سامنے خوش رہنے کی کوشش کرنی شروع کر دی تھی۔

''آپ...... آپ کون......؟''

آریان جسے لگا تھا کہ وہ صرف اس کی نظروں کا وہم ہے جسے وہ ہاتھ لگائے گا تو وہ غائب ہو جائے گی۔ مگر وہ پلٹی تھی اور اس کی نم آنکھیں اور آنسوؤں سے تر چہرہ وہ اس مدھم روشنی میں بھی بخوبی دیکھ رہا تھا۔

''مگر وہ تھی کون اور رو کیوں رہی تھی اور سب سے بڑی بات کہ اتنی شاندار تقریب کو چھوڑ کر یہاں اس ویران گوشے میں اکیلی کیوں کھڑی تھی۔''

آریان کے ذہن میں کئی سوال اُبھرے تھے جن کا جواب وہ اس کی آنکھوں میں پڑھ لیتا اگر وہ نظریں نہ جھکا لیتی۔

''آپ رو کیوں رہی ہیں......؟''

اس نے اس کی جھکی پلکوں کی نم تھرتھراہٹ پر نظریں جما کر پوچھا تھا۔ اس نے پل بھر کو نظروں کی باڑ اُٹھائی تھی اور اسے ایک نظر دیکھ کر آنکھوں میں جمع ہوتا پانی لیے پلٹی اور بھاگ گئی۔

''ایکسکیوزمی......!''

آریان نے اُسے روکنا چاہا تھا مگر وہ نظروں سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ وہیں حیرت زدہ سا کھڑا اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ پل بھر کے ادراک نے اُسے کسی حد تک اُس کا دُکھ سمجھا دیا تھا جب اس نے بھیگی آنکھیں اس کی طرف اُٹھائی تھیں تو زخمی سی نگاہ نے کم از کم اسے اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ تیرا میرا دُکھ سانجھا نہیں تو ملتا جلتا ضرور ہے۔ آریان نے اس کی آنکھوں میں ویسی ہی ویرانی اور کرب محسوس کیا تھا جو اس کی اپنی آنکھوں کا خاصہ تھا...... وہ نجانے کتنی دیر بے دھیانی میں اُسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ فون کی بیل نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا۔

''ارے سالے صاحب کہاں غائب ہو بھئی......؟''

ارمغان کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کہیں نہیں۔''

اس نے بمشکل اپنا لہجہ خوشگوار بنایا تھا۔

''حد ہوتی ہے یار لاپروائی کی کم از کم آج تو محفل سے مت کتراؤ...... جانتا ہوں بیٹھے ہو گے کسی تنہا گوشے میں تنہائی پسند انسان......''

وہ اسے چوٹ کر رہا تھا۔

آریان مسکرا دیا۔

''دولہا میاں...... تمہاری دلہن تمہاری بغل میں براجمان ہے اور تم انجوائے کرنے کی بجائے سالے کو بلا رہے ہو...... عجیب احمق انسان ہو تم......''

آریان نے بھی جواباً اسی کی کھچائی کی تھی۔ ارمغان کا قہقہہ جاندار تھا۔

''ارے میں نے تمہیں ایک بہت ہی خاص شخصیت سے ملوانا ہے جلدی سٹیج پر پہنچو۔''

ارمغان نے اتنی بے تابی سے کہا تھا کہ آریان نے مسکراتے ہوئے کال بند کی اور گہرا سانس لے کر لوٹتے اور اس لڑکی کی سوچ کو ذہن سے جھٹکتا اس طرف چل دیا۔ سٹیج پر پہنچ کر اس کے قدم رُک سے گئے۔ وہی لڑکی ارمغان کے ساتھ بیٹھی تھی جسے وہ کچھ دیر پہلے انہ شے سمجھا تھا۔

''آؤ آریان! بیٹھو۔''

ارمغان نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ مناحل کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ان سے ملو، یہ میری بہن ہے حنا۔ میں نے بتایا تھا نہ تمہیں قاسم انکل کی بیٹی ہے۔''

ارمغان نے اس کا تعارف کرایا تھا وہ شاید پہلے ہی آریان سے اس کا غائبانہ تعارف کروا چکا تھا تبھی آریان کی نگاہوں میں غیریت کا تاثر چھپٹ گیا تھا۔

''کیا بتایا ہو گا ارمغان بھائی نے...... اور یہ سب جان کر یقیناً یہ بھی مجھ سے ہمدردی ہی کرے گا۔''

حنا کے چہرے پر ایک سایہ آ کر گزر گیا تھا...... پھر وہ وہاں مزید نہیں رُکی تھی۔ اُٹھ کر چلی گئی تھی...... آریان نے حیرت سے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گیا۔ اس کے بعد پوری تقریب میں وہ دوبارہ نظر نہ آئی تھی۔ رخصتی کے بعد رات تک وہ مسلسل مصروف رہا تھا اور اس ملاقات اور ملاقاتی کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔

****

ولیمے کی تقریب 4 دن بعد کی تھی کیونکہ آریان کو کسی کام کے سلسلے میں نیویارک جانا تھا...... اس لیے رخصتی سے اگلے روز امی اور باقی بہنیں جا کر مناحل سے مل آئی تھیں...... آریان

نہیں جا سکا تھا..... نیویارک پہنچ کر اس کا کام اتنا طویل ہوا کہ باوجود کوشش کے وہ ولیمے کی تقریب میں شرکت نہ کر سکا..... اس نے ویب کیم سے ان دونوں کو وش کر دیا تھا اور معذرت کر لی تھی..... ایک ہفتے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔ رات کے 3 بجے وہ گھر پہنچا اور آتے ہی سو گیا..... اب دوپہر کے 4 بج رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی..... نہا کر فریش ہوا اور تیار ہو کر کچن میں کک کو ناشتہ لگانے کا کہتا خود امی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"اٹھ گئے بیٹا!"

امی نے اس کی پیشانی چومی تھی۔ وہ وہیں قالین پر امی کے پیروں میں بیٹھ گیا اور سر اُن کی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

"ارے بیٹا! ادھر کیوں بیٹھ گئے..... اتنے بڑے سٹار ہو تم..... دنیا پاگل ہے تمہارے پیچھے۔"

امی نے لاڈ سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"لوگوں کے لیے ہوں سٹار آپ کے لیے نہیں اور میں اپنی والدہ کے قدموں میں بیٹھا ہوں کسی کو کیا اعتراض ہے.....؟"

اُس نے آنکھیں میندے ہی کہا تھا۔ امی مسکرا دیں۔

"تم اُٹھ گئے ہو تو ناشتہ کر کے مناحل کی طرف ہو آؤ۔ بہت یاد کرتی ہے تمہیں..... کل ارمغان کا بھی فون آیا تھا تمہاری واپسی کا پوچھ رہا تھا..... اور شکوہ بھی کر رہا تھا کہ تم سے رابطہ کرنا مشکل ترین کام ہے جب پوچھو سیکریٹری کہتا ہے سر مصروف ہیں۔"

امی تفصیلاً بتا رہی تھیں۔

"اچھا امی چلا جاتا ہوں۔"

کک نے ناشتہ لگنے کا کہا تو وہ اُٹھ کر ڈائننگ روم میں چلا آیا۔

******

وہ جب مناحل کی طرف آیا تو شام کے ساڑھے پانچ کا وقت تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی روک کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ باہر نکل آیا..... وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ فارغ ہو کر اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ مناحل اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی..... شام کی چائے سب نے مل کر پی تھی سوائے حنا کے..... وہ باوجود بلانے کے باہر نہیں آئی تھی..... نجانے کیوں۔ اُس کا دو بار آریان سے سامنا ہوا تھا۔ ارمغان کے نکاح پر اور دونوں مرتبہ آریان کو دیکھ کر وہ مضطرب ہوئی تھی۔ اُسے لگا تھا جیسے اُس کی نگاہیں اس کے ہر زخم تک پہنچ جائیں

گی..... وہ اس کے کرب کو نگاہوں سے ٹٹول لے گا اور اس کے تمام رازوں اور دُکھوں سے خود بخود ہی آشنا ہو جائے گا..... نجانے کیوں وہ اسے اس ہنر میں ماہر لگا تھا۔ وہ آریان کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ ممی نے بھی فورس نہیں کیا تھا۔ چائے کے بعد ارمغان، آریان کو لیے لان میں چلا آیا۔ دن شام کی سُرمئی چادر اُوڑھ چکا تھا۔

"آریان شادی کر لو۔"

ارمغان نے اچانک کہا تھا۔ آریان نے چونک کر اسے دیکھا جو لان چیئر پر بڑے ایزی (Easy) سے انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر گڑی تھیں اور وہ سنجیدہ تھا۔ پہلے بھی کئی بار وہ اسے یہ مشورہ دے چکا تھا مگر تب وہ اس بات کو مذاق کا لبادہ اُڑھایا کرتا تھا مگر اب کی بار اس کی سنجیدگی سے آریان ٹھٹکا تھا۔

"آریان تم شادی کر لو..... کب تک یوں تنہا رہو گے..... زندگی کے سفر میں کوئی ہم سفر ہو جائے تو یہ کٹھن فاصلہ بہت سہل اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا تم کیوں ہر بار اس بات سے کنی کترا جاتے ہو اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا..... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو گزر جاتا ہے وہ ماضی کا حصہ بن جاتا ہے اور ماضی کو ہم کبھی اپنے حال میں نہیں بدل سکتے..... وقت کا پہیہ اپنا رُخ پیچھے کی سمت نہیں کر سکتا۔ میرے دوست! زندگی کی فلم ایسی ریل پر ریکارڈ ہوتی ہے جو ریورس یا فارورڈ نہیں ہو سکتی۔ یہ اپنی مخصوص رفتار میں اپنی مرضی سے ایک ہی سمت چلتی ہے۔ نہ ہم دُکھوں کا موسم فارورڈ کر کے اس سے جلدی نکل سکتے ہیں اور نہ خوشیوں کے لمحات کو ریورس کر کر کے بار بار خوشیوں کو کشید کر سکتے ہیں..... تو کیوں نہ ہم ماضی کو فراموش کر کے اپنے حال میں نئی خوشیاں کشید کر لیں۔"

"میں جیسا ہوں جس حال میں ہوں خوش ہوں۔"

آریان نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔ لان میں اُگی سرسبز گھاس پر نظریں جمائے وہ بہت ہی سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا..... اور یہ سنجیدگی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی..... ہر گزرتا دن اسے خاموش کرتا جا رہا تھا..... دنیا جس آواز کی دیوانی تھی اس کے اپنے قریبی لوگ اس کے منہ سے نکلے چند الفاظ کو ترسنے لگے تھے۔ ارمغان نہیں جانتا تھا ایسا کیوں ہے۔ مناحل نے بتایا تھا کہ بھائی شروع سے ایسے نہیں تھے۔ جب سے یونیورسٹی چھوڑی اور سٹار بننے کا سفر شروع کیا تب سے وہ ایسے ہو گئے۔

"تم اس حال کو خوش کہتے ہو.....؟ دیکھو ذرا خود کو آئینے میں، تمہارے لب ہنسنا بھول چکے

ہیں..... تمہاری آنکھیں اُداسی لیے ہوئے ہیں۔ خوشی کی کوئی رمق تمہارے چہرے پر دکھائی نہیں دیتی اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ تم خوش ہو.....؟ اور بالفرض میں مان بھی لیتا ہوں کہ تم خوش ہو تو تب بھی میں یہی کہوں گا شادی کرلو..... ہوسکتا ہے کسی اور کے نصیب کی خوشیاں اُس تک تمہارے وسیلے سے پہنچتی ہوں۔"

ارمغان کی بامعنی بات پر آریان چونکا تھا۔

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب بھی سمجھاؤں گا..... اب میں تمہارا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ بہنوئی بھی ہوں۔ اس لحاظ سے بہت زیادہ حق جما سکتا ہوں تم پر اور اسی حق سے کہتا ہوں کہ اب تم شادی کرو گے..... بہت رہ لیا اکیلا..... سمجھے تم.....؟"

ارمغان نے ہٹ دھرمی دکھائی تھی۔ آریان اس کے اتنی اپنائیت بھرے مان پر مسکرا دیا۔

"جی سمجھ گیا!"

"میں نے تمہارے لیے حنا کو منتخب کرلیا ہے تم جیسے بندے کے لیے وہ پرفیکٹ ہے اور تمہاری زندگی میں آتے ہی تمہیں بھی ہر لحاظ سے پرفیکٹ کردے گی۔"

ارمغان نے بڑی آسانی سے کہہ دیا تھا اور اب آریان کا ردِعمل جاننے کے لئے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"حنا؟..... حنا کون.....؟"

آریان نے تعجب سے پوچھا۔

"وہی جسے تم نے نکاح والے دن اپنی بہن کہہ کر متعارف کرایا تھا.....؟"

"ہاں وہی..... وہ میری سیکنڈ کزن ہے۔ والدین حیات نہیں ہیں اس لیے ہمارے پاس رہنے آئی ہے۔"

"مگر میں کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

آریان نے وہی ہمیشہ والی بات دہرائی۔

"تم چاہو یا نہ چاہو..... شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی میرے دوست کیونکہ میری امی، مناحل، آنٹی اور باقی سب کو بھی حنا بہت بہت پسند آئی ہے اور سب کی مشترکہ رائے ہے کہ تمہیں اس کی غلامی میں عمر قید کی سزا سنا دی جائے۔ اب کی بار تم جتنے چاہے ہاتھ پیر مارو، اُڑان بھرنے کے لئے پر پھڑپھڑاؤ ہمارا شکنجہ مضبوط ہے اور خوبصورت بھی۔ تم بچ نہیں پاؤ گے گھائل ہونے سے۔"

ارمغان نے ذومعنی بات کی تھی اور خود ہی اس کا مزہ لیا تھا..... آریان بس اسے گھور کر رہ گیا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ اب ایک بار پھر سے اس کی شادی کا موضوع زیرِ بحث آئے گا اور اب کی بار ٹالنا کافی مشکل بھی ہوگا مگر یہ محاذ اتنی جلدی اور اتنی تیاری کے ساتھ کھل گیا کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔

"پریار!"

"پر ور کچھ نہیں میرے بھائی..... ہونا تو وہی ہے جو اس بار سب نے ٹھان رکھی ہے۔ تمہاری ناں ناں اب کوئی خاطر میں نہیں لائے گا۔ اس لیے بہتر ہے تم پہلے ہی خود کو سرنڈر کردو۔"

ارمغان کی بات پر آریان خاموش رہا تھا۔ وہ جانتا تھا امی کی کتنی خواہش تھی اس کے سر سہرا سجانے کی اور ساری بہنیں ہر وقت بڑی آس سے اُمید سے بھا بھی لانے کی خواہش ظاہر کرتی تھیں۔ ستم یہ تھا کہ اسے انوشے سے محبت تھی جو اسے مل نہ سکتی تھی اور مزید ستم یہ کہ وہ اکلوتا بھائی تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو ماں اور بہنیں انہیں خواہشات اور ارمانوں کا رُخ اس سمت موڑ دیتیں..... مگر اب تو اکلوتا ہونے کے ناطے اُسے اُن کی خواہشات کو دبانے کا کوئی حق نہ تھا مگر وہ اپنے اس دِل کا کیا کرتا جو آج بھی انوشے کو بھلا نہ پا رہا تھا۔

"اب تم خود سوچ لو کہ تم نے کیا کرنا ہے زبردستی قیدی ہوگے یا اپنی مرضی سے سرنڈر کردو گے۔"

ارمغان نے اسے گہری سوچ میں گم دیکھا تو مزا لیتے ہوئے کہا تھا۔ پھر کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"آریان حنا بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں پرسنلی اُسے جانتا ہوں۔ وہ بہت صابر اور محبت کرنے والی شریکِ حیات ثابت ہوگی..... تمہاری ساری محرومیاں چُن لے گی حالانکہ وہ خود محرومیوں کی دلدل میں سر سے پیر تک ڈوبی ہوئی ہے مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تمہاری زندگی سے محرومیاں ختم کردے گی۔"

آریان نے کچھ سمجھی نا سمجھی کے عالم میں ارمغان کو دیکھا تھا۔

"کتنی عجب بات ہے ناں کہ زمین خود کسی سے کچھ طلب نہیں کرتی سوائے پانی کے..... لوگ یہ پانی بھی اسے گھاؤ دے دے کر سیراب کرتے ہیں۔ پہلے اُسے چلچلے سے کھودتے ہیں پھر پانی دیتے ہیں مگر زمین کا ظرف دیکھو وہ ہمیں پھل، سبزیاں، اناج اور ہزارہا مفید چیزیں اُگا کر دیتی ہے..... جن کے بنا ہم جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کتنی محسن ہے ناں یہ زمین ہماری پھر بھی ہم اسے بے دردی سے پاؤں کے نیچے مسلتے ہیں۔"

ارمغان بہت گہرے انداز میں گہری گہری باتیں کر رہا تھا۔ آریان بس خاموشی سے ان باتوں کا کتھارسس کرنے میں مصروف تھا۔

"حنا بھی تمہارے لیے ایسی ہی زمین ثابت ہوگی..... تم سے وہ صرف تحفظ و عزت چاہے گی اور بدلے میں تمہیں ہر وہ چیز دے گی جس کی تم خواہش کرو گے۔ بس میری ایک ریکیویسٹ (Request) ہے تم سے، تم کبھی اسے پاؤں تلے روند کر اس کی تحقیر مت کرنا..... وہ بہت معصوم ہے چاہے جانے کے لائق ہے۔ اس کے ساتھ جو ہوا شاید اس کی قسمت کا لکھا تھا مگر وہ بے قصور ہے۔ اس سے بدظن ہو کر اسے سزا مت دینا۔ محبت چاہے نہ کر پاؤ مگر نفرت کبھی مت کرنا..... زندگی اُسے اس مقام پر لے آئی ہے جہاں زندہ رہنے کے لئے اُسے آکسیجن کی کم اور عزت و بھروسے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہم لوگ تمہیں مجبور نہیں کریں گے اور نہ یہ کہیں گے کہ تم اس پر ترس کھا کر اس سے شادی کر دو اور خود کو عظیم انسان سمجھو کہ اک مظلوم اور بے سہارا لڑکی سے شادی کی اور پوری زندگی اس پر احسان جتاتے رہو..... ان فیکٹ تم اُسے اپنی زندگی میں شامل کرو گے تو زیادہ بھلا تمہارا ہی ہوگا..... بہار جہاں جائے گی خود ہی پھول کھلائے گی اُسے باغ یا باغیچے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب فیصلہ تمہارا اپنا ہے۔"

ارمغان نے حنا کے بارے میں سب کچھ تفصیلاً اسے بتا دیا کچھ نہیں چھپایا تھا۔ اُسے سوچوں کے حوالے کر کے وہ خود جا چکا تھا۔ آریان گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا اس کے الفاظ پہ سوچ رہا تھا۔

"سر گھر آ گیا ہے۔"

ڈرائیور اس کی طرف کا دروازہ نجانے کب سے کھولے کھڑا تھا۔ اپنی ہی سوچوں میں گم آریان کو خبر تک نہ ہوئی..... اس نے چونک کر ڈرائیور کو دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔

****

"سعد مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ ناشتہ کر کے اُٹھنے لگا تو انوشے نے آہستہ سے کہا۔

"جو بھی کہنا ہے بعد میں کہنا..... ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اُٹھ گیا۔

"پر سعد..... آپ سن تو لیں..... کل آریان....."

انوشے کو خاموش ہونا پڑا کیونکہ سعد اسے اور اس بات کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے جا

چکا تھا..... وہ اپنا والٹ اور گاڑی کی چابیاں اپنی جیبوں میں چیک کرتا باہر کاریڈور میں نکل آیا۔

"Good Morning Sir....."

اسے دیکھتے ہی ڈرائیور بھاگتا ہوا ادھر آیا۔

"Good Morning..... گاڑی نکالو!"

سعد نے اسے چابیاں پکڑاتے ہوئے کہا..... جنہیں لے کر وہ گیراج کی طرف چلا گیا۔ انوشے اس کے پیچھے باہر آئی تو وہ موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

"مجھے کہہ رہے تھے، وقت نہیں ہے.....اب فون پر باتیں کرنے کے لئے فرصت ہی فرصت ہے۔"

وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی..... فارغ ہو کر وہ پلٹا تو اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟"

"مجھے کچھ کہنا ہے۔"

"لیکن مجھے کچھ نہیں سننا۔"

دوٹوک لہجے میں کہا گیا تھا۔

"لیکن سعد ابھی تو ڈرائیور گاڑی نکال رہا ہے پھر صاف کرے گا تب تک تو آپ میری بات سن ہی سکتے ہیں۔"

انوشے نے نرم لہجے میں کہا تھا..... سعد نے چونک کر اُسے دیکھا وہ یقیناً اپنے اس ترش رویے کے جواب میں اُس سے اس نرمی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"کہو کیا کہنا ہے؟"

اُس نے حتی الامکان اپنا لہجہ خشک رکھتے ہوئے کہا تھا۔ اور انوشے کے لئے یہی غنیمت تھا کہ وہ کم از کم اس کی بات سننے کے لئے مان تو گیا ہے۔

"پرسوں آریان کا کنسرٹ ہے ہمارے شہر میں اور اسی سلسلے میں وہ کل صبح ہی کراچی آ جائے گا..... لنچ پر وہ ہمارے ہاں بھی آئے گا..... میں اُسے ڈنر پر بلا لیتی مگر اُس کا سکیجول پرابلم تھا۔ وہ Committed ہے، شام کو کہیں....."

"تو.....؟"

سعد نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بے زاری سے کہا تو انوشے بولتی بولتی چپ ہو گئی۔ ٹیس سی اُٹھی تھی اس کے دل میں، جس کا کرب اس کی آنکھوں سے جھلک اُٹھا تھا..... اُسے پل بھر کو لگا جیسے سارے الفاظ ختم ہو گئے..... وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی..... اور نجانے

گیا تھا ان نظروں میں کہ سعد ایک پل بھی وہاں نہ رک سکا۔ اس کی نگاہوں کا سامنا کرنا مشکل ہوا تو وہ فوراً گاڑی کی طرف بڑھ گیا، جسے ڈرائیور صاف کر رہا تھا۔ بیک مرر سے اس نے انوشے کو دیکھا جو ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں وہیں کھڑی اس کی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔

''بہت اچھا کیا تم نے۔ اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا...... چپ چاپ زیادتی سہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑا ہونا چاہیے۔''

سعد کے اندر کہیں آواز گونجی تھی...... اس کے دل کی آواز تھی یا شاید نہیں...... یہ آواز اس کے ضمیر کی تھی۔

''وہ لڑکی ڈرامہ باز ہے...... اداکاری کرتی ہے مظلومیت کی۔''

دماغ نے اپنے دفاع میں دلیل دی تھی۔ سٹیئرنگ پر سعد کی گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔

''کیوں سعد! کیوں تمہیں اُس فون والے کی باتوں پر زیادہ یقین ہے...... جسے تم جانتے تک نہیں...... نام سے بھی واقف نہیں۔ اس کی سبھی باتیں تمہیں سچی لگتی ہیں اور اس لڑکی کی آنکھوں کی سچائی تمہیں نظر نہیں آتی جو تمہاری بیوی ہے۔ چار ماہ سے تمہارے ساتھ ہے۔ کبھی کوئی ایسی خامی دیکھی تم نے اُس میں جو تمہارے خیال میں قابل گرفت ہو......؟ چلو یہ بات بھی چھوڑو...... تم یہ یاد کرو جب تمہارا دوست آیا تھا تو تم بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ تم دونوں کے آپس میں اختلافات کا اندازہ اُسے ہو...... تم چاہتے تھے کہ تمہاری یہ دکھاوے کی ہی سہی ایک خوشگوار شادی شدہ زندگی کا تاثر اُس پر پڑے اور تمہارا بھرم قائم رہے۔ تب تم ٹھیک تھے...... تم نے تو حکم سنایا تھا اُسے...... مگر اب خود کیا کیا ہے؟ جب بالکل ویسے ہی حالات انوشے کے ساتھ درپیش ہیں تو تم نے اس کی مدد تو کیا ڈھنگ سے اُس سے بات تک نہیں کی۔ اُس نے تب تمہاری مدد کی تھی اب تمہاری باری ہے۔''

اُس کے ضمیر نے اسے ملامت کی تھی اور درست راہ کا تعین بھی کر دیا تھا۔

''نہیں!''

''میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا...... احد کو تب معلوم نہیں ہو سکا مگر بعد میں تو اس کے سامنے ساری اصلیت کھل ہی گئی تھی تو پھر ہمارا وہ دکھاوا لاحاصل ہی گیا ناں۔ تو بہتر ہے آریان پہلے دن ہی یہ بات جان لے کہ ہمارے درمیان وہ رشتہ کبھی بنا ہی نہیں تو پروان کیا چڑھتا۔''

سعد نے سگنل پر گاڑی روکی اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا اپنے فیصلے پر مہر لگا دی تھی۔

****

انوشے کافی دیر بے یقینی کے عالم میں وہیں کھڑی رہی۔

''میرا خیال تھا کہ سعد میری مدد ضرور کریں گے...... مگر وہ تو بڑی صفائی سے دامن بچا گئے...... آخر میں کیسے اور کب تک آریان سے سچائی چھپا پاؤں گی...... وہ تو فوراً سمجھ جائے گا اور...... پھر مشی کو بھی بتا دے گا اور اگر مشی کو بھنک بھی پڑ گئی تو اُس نے تو طوفان کھڑا کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سوچنا...... نہیں...... ایسا نہیں ہونا چاہئے...... گھر والوں کو بالکل خبر نہیں ہونی چاہیے کہ میرے اور سعد کے تعلقات خراب ہیں...... تو...... پھر میں کیا کروں...... آریان کو آنے سے منع کر دوں یا یہ کہہ دوں کہ ہمیں کہیں جانا پڑ گیا ہے۔''

انوشے پریشانی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اِسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کس طرح اپنی اس نام نہاد شادی کا بھرم رکھے۔ آریان اور سب کے سامنے۔

''بی بی جی...... ناشتہ کر لیں۔''

نازو کی آواز پر وہ پلٹی۔

''ہاں تم چلو میں آتی ہوں۔''

وہ بے دلی سے ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ مسلسل اسی مسئلے کا حل سوچتی رہی۔

''میں خود ہی آریان کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دوں گی اور اسے اپنی دوستی کا حوالہ دے کر کسی کو بھی کچھ بتانے سے منع کر دوں گی...... وہ میرا مان رکھے گا...... مجھے یقین ہے۔''

اس نے جیسے خود کو تسلی دی تھی۔ شام کو سعد آئے تو بہت خاموشی سے ڈنر کیا۔ گم صم تو وہ پہلے بھی تھا مگر آج تو جیسے اس کی خاموشی نے بھی چپ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ انوشے امید کر رہی تھی کہ سعد اس سے صبح کے پروگرام کے بارے میں پوچھیں گے مگر وہ ڈنر کے بعد معمول کے مطابق ٹی وی لگانے کی بجائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور انوشے جو یہ سوچے بیٹھی تھی کہ سعد کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پینے کے دوران ایک مرتبہ دوبارہ آریان کی صبح آمد کا تذکرہ کرے گی، اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

''میں سعد کے لئے چائے اُن کے کمرے میں لے جاتی ہوں۔''

اس نے جلدی سے نازو سے کہہ کر دو کپ چائے بنائی اور لے کر دھڑکتے دل کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا پھر بھی اس نے اندر جانے سے پہلے ناک کیا۔ جواب نہ ملنے پر اس نے اندر جھانکا...... کمرہ خالی تھی۔

''شاید واش روم میں ہیں۔''

انوشے نے آگے بڑھ کر ٹرے ٹیبل پر رکھی اور کمرے کی بکھری چیزوں پر نگاہ دوڑائی۔

''توبہ ہے..... سعد بچوں کی طرح آتے ہی کیا حشر کر دیتے ہیں کمرے کا..... کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں ہے.....''

وہ صبح سے اس کے کمرے میں آئی ہی نہ تھی۔ اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر سے پین کلرز، کارڈز، فون ڈائری اور پینسل اٹھا کر دراز میں رکھیں۔ فوٹو فریم جو اپنی جگہ سے کھسکا ہوا تھا اسے اس کے مقام پر رکھا۔ ٹیبل کلاک اوندھا پڑا تھا اسے سیدھا کیا..... بیڈ پر پڑا لیپ ٹاپ اٹھا کر دوسری طرف سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ پائنتی کی طرف گیلا تولیہ جو شاید آفس سے واپسی پر نہانے کے بعد یہاں پھینکا گیا ہوگا اُسے اُٹھا کر اپنے کندھے پر رکھا اور چادر کی سلوٹیں درست کیں، تکیے اور کشن کو ترتیب سے رکھا، مسہری ٹھیک طرح سے کور کرتے ہوئے اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی۔

''اوہ مائی گاڈ.....!''

پرفیومز، باڈی سپرے، ہیر کریمز، لوشنز، نائی، برش اور نامعلوم کیا الم غلم بکھرا پڑا تھا..... انوشے نے جلدی سے ٹشو پیپر اٹھا کر باسکٹ میں پھینکے۔ ساری پرفیومز، کریمز اور لوشنز کو ترتیب سے رکھا اور ٹائی اٹھا کر ڈریسنگ روم میں رکھ کر آئی..... ''واپس آ کر بیڈ کی پائنتی کی طرف قالین پر سعد کی چپلیں اور شوز پڑے تھے وہ بھی اُٹھا کر ڈریسنگ روم میں ان کی جگہ پر رکھ آئی..... ٹیبل کے اوپر اور نیچے بکھرے ہوئے میگزینز اور اخبار کو سمیٹ کر سائیڈ پر رکھا اور کھڑکی کے پردے درست کرنے لگی۔

''یہ سعد ابھی تک واش روم سے باہر کیوں نہیں آئے.....؟''

بالوں کی لٹ کو ہاتھ سے کانوں کے پیچھے اڑستی وہ واش روم کے دروازے کے پاس چلی آئی..... اس نے دروازے پر ہلکا سا ناک کیا تو وہ کھل گیا۔

''ارے!''

اس نے اندر جھانکا سعد نظر نہیں آئے..... کچھ سوچ کر وہ اندر چلی آئی۔ پردے ہٹا کر دیکھا سعد کہیں بھی نہیں تھے۔ البتہ باتھ فین چل رہا تھا..... اس نے اسے بند کیا اور پردے اکٹھے کر کے باندھتے ہوئے باتھ روم سے نکل آئی۔

''سعد یہاں نہیں..... نہ ڈریسنگ روم میں ہیں۔ شاید سٹڈی روم میں ہوں۔ پر یہ چائے.....''

اس نے ٹرے کی طرف دیکھا۔

''یہ تولیہ تو سوکھنے کے لئے ڈالوں پہلے.....''

انوشے نے کندھے پر پڑا تولیہ ہاتھ میں لیا اور ٹیرس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اس کا دل اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔

سعد نجانے کب سے ٹیرس کی طرف کھلتے دروازے میں کھڑے سینے پر بازو باندھے اسے دیکھ رہا تھا..... اس کا چہرہ کسی بھی طرح کے تاثرات سے عاری تھا۔

''چل انوشے..... آج تو ہو گئی''

انوشے نے تھوک نگلا۔

''تم تو گندا اور بکھرا ہوا دیکھ کر ویسے ہی اندھی ہو جاتی ہو۔ جب تک سب سمیٹ نہ لو تمہیں ارد گرد کچھ نظر ہی نہیں آتا..... اب بھگتو''

اس نے خود کو جھڑکا۔ سعد ابھی تک کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''وہ..... وہ میں یہ تولیہ ریلنگ پر ڈالنے جا رہی تھی..... گیلا ہے.....''

نظریں جھکائے اس نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے ابھی اپنا فقرہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ سعد بول پڑا۔

''ڈال آؤ۔''

باقاعدہ طور پر ایک طرف ہوتے ہوئے اس نے اسے گزرنے کے لئے جگہ دی تھی۔ وہ جو کسی تلخ فقرے اور سخت رویے کی اُمید لیے خوف زدہ سی تھی، اس کے نرم رویے پر حیرانی سے اسے دیکھتی اس کے قریب سے گزر کر ٹیرس پر نکل آئی..... زکی ہوئی سانس خارج کی اور تولیہ ریلنگ پر ڈال کر واپس آ گئی۔ سعد ابھی تک اُس زاویے سے وہیں کھڑا تھا۔

''آپ کے لئے چائے لائی تھی..... دوں؟''

''ٹھیک ہے..... میں پی لوں گا..... تم جاؤ!''

انوشے کمرے میں آ کر میز پر پڑی ٹرے کی طرف بڑھی تھی کہ سعد کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔

وہ بڑی شان سے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا اور ٹرے میں سے ایک کپ اُٹھا لیا۔

''اب یہاں کیوں کھڑی ہو.....؟ جاؤ!''

دوبارہ تھم گیا اور ہوا تھا وہ گڑبڑا گئی۔

"کیسے بات کروں میں سعد سے آریان کے بارے میں...؟"

وہ سوچتی ہوئی انگلیاں مسلتی وہیں کھڑی رہی۔ سعد اب اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے چائے پینے میں مصروف تھا۔

"مجھے آپ سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صبح آریان....."

سعد نے چائے کا کپ ٹرے میں پٹخا تھا..... کپ میں موجود چائے چھلک اٹھی..... انوشے کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

"میں نے تمہیں کہا ناں کہ تم جاؤ یہاں سے!"

وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

"مگر سعد آپ میری بات تو....."

"انوشے تنگ مت کرو..... مجھے کسی بھی سلسلے میں کوئی بھی بات نہیں کرنی And that's it"

سعد نے اب کی بار تحکمانہ انداز اپنا لیا تھا۔

"میں بچی نہیں ہوں جو آپ کو تنگ کر رہی ہوں اور آپ کے آرام کا مجھے بھی خیال ہے..... ذرا سی بات ہے جو مجھے آپ سے کرنی ہے..... کچھ مشورہ درکار ہے۔ میں صبح سے آپ کو اپنا مدعا بتانے کی کوشش میں ہوں مگر آپ مسلسل جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر رہے ہیں۔"

انوشے بھی اب جھنجھلا گئی تھی..... اُس نے نہیں سوچا تھا کہ کبھی اس پر ایسا بھی وقت آئے گا جب کسی سے اپنی بات کہنے کے لئے اسے اس حد تک تگ و دو کرنی پڑے گی۔

"او کے فائین..... تم نہیں جا رہی ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔"

سعد یک دم اُٹھ کھڑا ہوا اور قدم بڑھایا ہی تھا کہ انوشے نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے اسے روکا۔ سعد نے حیرت سے اسے دیکھا..... آنسوؤں سے بھر آنے والی آنکھوں کو چھپانے کے لئے اس نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں اور نم پلکیں انہیں باہر آنے سے روکنے کے لئے تھرتھرا رہی تھیں..... ضبط کی کوشش میں چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سعد نظریں نہ ہٹا سکا۔

"آپ رُکیں..... میں چلی جاتی ہوں۔"

اس نے نم آواز میں کہا اور سعد کا بازو چھوڑ دیا۔ سعد کا دل یکبارگی تیزی سے دھڑکا تھا جیسے بجھنے سے پہلے شعلہ آخری بار اپنی لو تیز کرتا ہے۔ "روک لو اسے جانے سے"۔ اس کے اندر کوئی چلایا تھا۔

"رُکو!"

سعد نے اس کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ دوسرا کپ لیتی جاؤ..... میں ایک کپ ہی چائے پیتا ہوں یہ تو تم جانتی ہو..... اس لیے آئندہ ایک ہی کپ لانا۔"

اس نے اپنے لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہا تھا۔ انوشے کے لئے اب ایک بھی لمحہ مزید آنسوؤں کو روکنا مشکل ہو گیا تھا..... وہ رُکی نہیں اور بنا کچھ کہے ایک جھجکتی نگاہ اس پر ڈالتے باہر بھاگ گئی۔ ایسے میں اس کا کمرہ اس کی پناہ گاہ ہوا کرتا تھا..... اور بیڈ پر پڑا تکیہ اس کے آنسوؤں کا امین۔ سعد چند ثانیے اسی طرح کھڑا اپنے کمرے کے دروازے کو گھورتا رہا جہاں سے کچھ لمحے پہلے انوشے باہر گئی تھی..... پھر گہرا سانس لیتا ٹیرس سے نکل آیا۔ چائے پینے کو اب اس کا بالکل دل نہیں چاہا تھا..... انوشے کی آنسوؤں سے چھلکتی آنکھیں اسے اندر تک مضطرب کر گئیں تھیں..... اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ سعد نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور سر جھکا کر ٹہلنے لگا۔ اپنے اضطراب کو کم کرنے کی یہ اس کی صرف ایک کوشش تھی۔

****

آج بہت دنوں بعد وہ اکیلا گاڑی لے کر نکلا تھا..... کل اس کا کراچی میں کنسرٹ تھا اور کل صبح کی فلائٹ تھی۔ وہاں کے ایک بہت اچھے ہوٹل میں اس کی بکنگ تھی..... ابھی دو گھنٹے پہلے اس کی مشی سے بات ہوئی..... اتنے سالوں بعد اچانک ایک دیرینہ دوست سے بات ہونا تو باعث مسرت ہوتا ہے مگر نجانے کیوں وہ تب سے مضمحل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں مقید ہو گیا تھا۔ بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ مشی نے نجانے کہاں سے مسلسل سرچ کرنے پر اس کا نمبر معلوم کیا تھا.....؟ اور خوب شکوے شکایات کی تھیں کہ وہ سٹار بننے کے بعد ہمیں بھول گیا ہے۔ خود سے رابطہ نہیں کیا..... اگر کیا ہوتا تو کم از کم اُسے اتنی خواری نہ ہوتی نمبر ڈھونڈنے میں..... وہ کیا بتاتا کہ اس نے جان بوجھ کر رابطہ نہیں کیا تھا..... مشی کچھ کچھ جان گئی تھی شاید تبھی اُس نے بات کا رُخ موڑ دیا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ انوشے بھی اب کراچی میں ہوتی ہے..... اُس کی شادی سر ہارون سے نہیں بلکہ مسٹر سعد حسن رضوی سے ہوئی ہے اور چار سال پہلے 14 فروری کی شام اس کا نکاح تھا پھر ایک ماہ بعد رخصتی اور یہی بات آریان کو مضطرب کر رہی تھی..... یہی وہ دن تھا جب پہلی بار ایک سپر سٹار کا ٹیگ اس کے نام کے ساتھ لگا تھا..... مارکیٹ میں اس کی سی ڈیز کی مانگ ایک دم ہی بڑھ گئی تھی اور لاہور میں ایک بہت بڑے گیگ میں اسے پرفارم کرنے کے لئے سپیشل انویٹیشن ملا تھا..... جہاں وہ گارڈز کی زیر نگرانی پوری

شان سے کیا تھا..... اس کی محنتوں کا ثمر اسے اسی دن تو ملا تھا اور وہ بے تحاشہ خوش تھا اس بات سے قطعی بے خبر کہ اس شاندار کامیابی کے عوض وہ اپنی متاعِ جاں کھو رہا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

''کاش انوشے کی شادی چند ماہ اور لیٹ ہو جاتی..... میں اس قابل تو ہو ہی گیا تھا کہ اس کے والدین سے اسے مانگ سکتا..... اسے وہ تمام لگژریز (Luxuries) دے سکتا جن کی وہ عادی تھی..... میں اس پوزیشن میں آ گیا تھا کہ اُسے ہر طرح کی عیش و عشرت دے سکتا..... قدرت نے بہت عجیب کھیل کھیلا میرے ساتھ.....''

خود کو انوشے کے قابل نہ سمجھ کر اُس سے کنارہ کر لینا نسبتاً آسان تھا مگر یہ جان کر کہ وہ تب دُور ہوئی جب وہ ہر لحاظ سے اُس کے قابل تھا، یہ بات اُس کے اضطراب کو بڑھاتی جا رہی تھی۔ مشی نے انوشے کا نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ کراچی جا رہے ہو تو لازمی اس سے ملو..... وہ خود بھی انوشے کو بتا دے گی میری کراچی آمد کا.....''

''مجھے اب انوشے سے رابطہ کرنا ہی پڑے گا..... میں ملوں انوشے سے؟ مجھے ملنا چاہیے؟''

اس نے خود سے کئی مرتبہ سوال کیا تھا..... دل تو بے چارہ کب سے ہاں ہاں کا راگ الاپ رہا تھا جسے نظر انداز کرتا وہ ریکارڈنگ روم تک پہنچا تھا۔ اپنے ایک گانے کی ریکارڈنگ سے واپسی پر وہ ابھی سٹوڈیو سے نکلا ہی تھا کہ فون پر بیل ہوئی تو اس نے بلیوٹوتھ آن کی۔ مناحل کی کال تھی۔

''بھائی آپ کہاں ہیں اس وقت.....؟''

اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''کیوں چھوٹی۔ خیریت تو ہے ناں.....؟''

آریان نے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی بھائی۔ خیریت ہی ہے..... ایکچوئلی میں یہاں اپنی ایک دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں آئی ہوئی ہوں..... حنا میرے ساتھ ہے..... پارٹی ابھی کچھ دیر چلے گی مگر وہ بضد ہے کہ ابھی گھر جانا ہے..... سر میں درد بھی ہے اُس کے۔''

''تو.....؟''

آریان کو اس پوری تفصیل میں اپنے مطلب کی کوئی بھی بات نہ لگی تھی جس کا اُس سے کوئی سروکار نکلتا..... تو چھوٹی اسے یہ سب کیوں بتا رہی تھی۔

''میں کوئی ڈاکٹر تو نہیں۔'' اُس نے سوچا۔

''تو یہ بھائی، کہ آپ اسی روڈ پر آتے ہیں ناں روزانہ ریکارڈنگ کے لئے.....؟''

''ہاں!''

آریان نے لاپروائی سے کہا تھا۔ وہ اب گاڑی پارکنگ سے نکال رہا تھا۔

''آپ ہمیں گھر ڈراپ کر دیں۔ آپ کے سٹوڈیو کے راستے میں ہی تو آتا ہے یہ ہوٹل۔''

مناحل نے اب مطلب کی بات کی تھی۔

''کیوں۔ تمہارے شوہر نامدار کہاں ہیں؟''

آریان نے تیوری چڑھائی تھی..... مناحل اسی طرح ابازمات کے بعد اصل مدعا کی طرف آتی تھی اور یہ اس کی بچپن سے ہی عادت تھی۔

''وہ تو کل ہی اسلام آباد گئے ہیں اور ڈرائیور کو میں نے گیارہ بجے پک کرنے کا کہا تھا، ابھی تو صرف 7 بجے ہیں۔ میں نے کئی بار اس کا نمبر ملایا مگر مل نہیں رہا..... حنا یہاں رُکنا نہیں چاہتی۔''

وہ اب افسردگی سے بولی تھی۔

''آپ اس وقت ریکارڈنگ سے فارغ ہو گئے ہوں گے ہمیں پک کر لیں پلیز بھائی۔''

''بہت حساب کتاب رکھتی ہو تم میری ٹائمنگ کا..... اب میرے نہیں اپنے میاں کے اوقات پر نظر رکھا کرو۔ سمجھی تم.....؟''

آریان نے اسے چھیڑا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''جی بھائی پہلے آپ کے اوقات پر نظر رکھنے والی کا بندوبست تو کر لوں۔''

وہ بھی شرارتاً بولی تھی۔ آریان نے مسکراتے ہوئے آنے کی حامی بھری اور گہرا سانس لے کر گاڑی مین روڈ پر ڈالی اور رفتار بڑھا دی۔ گیٹ کے قریب گاڑی روک کر اس نے مناحل کو کال کر کے باہر آنے کا کہا۔ 5 منٹ بعد وہ دونوں آتی دکھائی دیں۔ آریان جان بوجھ کر گاڑی سے باہر نہیں نکلا تھا..... مناحل فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھی جبکہ پیچھے حنا بیٹھ گئی..... آریان نے گاڑی سٹارٹ کرنا چاہی مگر مناحل نے روک دیا۔

''بھائی میں نہیں جا سکتی..... میری دوست بہت ناراض ہو رہی ہے..... ابھی تو کیک بھی نہیں کاٹا گیا۔ میں حنا کی وجہ سے جا رہی تھی..... ڈرائیور کے ساتھ اسے اکیلے نہیں بھیج سکتی تھی نا۔ آپ کے ساتھ تو بھیج سکتی ہوں..... مجھے پورا بھروسہ ہے آپ میری نند کو بحفاظت گھر پہنچا دیں گے۔''

وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے کہہ رہی تھی۔ آریان کو اس کی ساری کارروائی سمجھ میں

آنٹی..... ثمینہ، حنا کی موجودگی میں اب کچھ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی انکار کر سکتا تھا..... یہ اخلاقیات کے خلاف تھا..... سو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ خاموشی سے سر جھکا گیا۔

"گیم اوور.....!(Game over...!)"

وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

مگر ابھی گیم اوور نہیں ہوئی تھی۔ یہاں کسی اور کو بھی اعتراض تھا۔

"مناحل تم نے تو کہا تھا تم بھی میرے ساتھ چلو گی"

مناحل اس کی ہم عمر تھی اس لیے اس کے کہنے پر وہ اس کا نام ہی لیتی تھی۔

"میں نے صرف کہا ہی تھا میری جان میرا ارادہ نہیں تھا جانے کا۔"

مناحل اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"تو یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی.....؟"

حنا نے شکوہ کیا تھا۔

"بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا..... اگر پہلے بتا دیتی تو تم اسی طرح مان جاتی ناں..... مجھے پورا یقین ہے سر درد سے چاہے بے ہوش ہو جاتی مگر آریان بھائی کے ساتھ جانے کی حامی ہرگز نہ بھرتی..... ہے ناں.....؟"

حنا نے سٹپٹا کر آریان کو دیکھا تھا اور ٹھیک اسی وقت آریان نے بھی بیک مرر سے اسے دیکھا۔

"ویسے ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ نہ تو آریان بھائی جن ہیں اور نہ حنا کا تعلق کسی چڑیل ذات سے ہے پھر آپ دونوں ایک دوسرے سے اتنا کتراتے اور بچتے کیوں ہو.....؟"

"ہزار بار کہا ہے حنا سے کہ میرے ساتھ امی کے گھر چلو اسی بہانے تھوڑی باہر کی ہوا کھا لو گی مگر مجال ہے یہ لڑکی مانی ہو....."

مناحل اب ایک اور ہی پلندہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"گئی تو ہوں دو بار آنٹی کے گھر تمہارے ساتھ۔"

حنا کو اس الزام پر بھی اعتراض ہوا تھا۔

"ہاں گئی ہو جب آریان بھائی ملک سے باہر تھے اور تم اس بات سے باخبر تھی۔"

"اُف یہ مناحل..... اور اس کی صاف گوئیاں۔"

حنا نے خفت سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ پہلو بدلا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

آریان نے دلچسپی سے اسے دیکھا پھر مسکرا کر بیک مرر سے نگاہ ہٹالی۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں..... آریان بھائی حنا کو ٹھیک سے گھر پہنچا دیجئے گا۔"

وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"رکو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ..... مجھے گھر نہیں جانا اکیلے۔"

حنا نے بھی باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔

"اکیلے" لفظ پر آریان نے گڑبڑا کر اسے دیکھا تھا۔

"یعنی موصوفہ کے نزدیک میں کسی گنتی میں ہی نہیں۔"

"کھا نہیں جائیں گے تمہیں میرے بھائی..... قابل بھروسہ ہیں ایک بار آزما کر تو دیکھو۔ اور اکیلی تو نہیں بھیج رہی تمہیں اتنے اعلیٰ بندے کی سنگت میں بھیج رہی ہوں۔"

مناحل نے ذومعنی بات کی تھی پھر فرنٹ ڈور کھول کر اسے اندر دھکیلا اور دروازہ بند کر دیا۔

"اب بور مت کیجئے گا میری نند کو اپنی اس خاموشی سے اور ہو سکے تو آئس کریم کھلا دیجئے گا پہلی بار آپ کے ساتھ جا رہی ہے۔"

مناحل نے کھڑکی سے جھک کر آریان کو ہدایات دی تھیں اور حنا کا گال تھپتھپا کر پلٹ گئی۔ اس کے مڑتے ہی حنا نے آریان کو دیکھا جس کے چہرے پر مناحل کی شرارت سے بھری بامعنی باتیں سن کر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی..... اس نے گھبرا کر باہر نکلنا چاہا مگر آریان اس کی طرف والے دروازے کا سیفٹی لاک لگا چکا تھا جس کا کنٹرول ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔

"میرا یقین کیجئے میں واقعی انسان نہیں کھاتا اور نہ ہی ان کا خون پیتا ہوں۔ آپ چاہیں تو میرا ریکارڈ چیک کرا سکتی ہیں۔"

بڑی سنجیدگی سے اپنا دفاع کیا گیا تھا۔

حنا بس اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ آریان اب خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا تھا..... وہی سنجیدگی جو اب اس کی شخصیت کا خاصہ تھی ذہن نے اوڑھ لی تھی۔ مگر اس کی سوچوں کا تسلسل اب حنا کی طرف تھا۔ اس کے مقابل بیٹھی یہ دھان پان سی نازک سی لڑکی دیکھنے میں جتنی نازک تھی ہمت و حوصلہ میں بہت زیادہ مضبوط تھی۔

"میں نے تو صرف اپنا پیار کھویا، ایک ایسی لڑکی کو کھویا جو کبھی میری تھی ہی نہیں مگر حنا نے تو اپنے عزیز ترین والدین کو کھویا، اپنا وقار، انا، خوشیاں، اعتماد، ہر چیز کھو دی اس لڑکی نے اور ان سب کی وجہ بنا وہ شخص جو اس سے محبت کا دعویٰ کرتا تھا..... میرا دکھ تو اس کے سامنے کچھ نہیں..... کچھ بھی

نہیں پھر بھی وہ کتنی باہمت ہے کہ ہنستی مسکراتی ہے اور میں.....؟؟؟"

آریان نے سگنل پر گاڑی روکی تھی اور گردن گھما کر اپنے بائیں طرف بیٹھی لڑکی کو دیکھا جو گود میں دھرے ہاتھوں کی لکیروں میں کہیں گم شاید اس کی موجودگی کو بھی فراموش کیے ہوئے تھی۔ آریان کی نظر اس کے ہاتھوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔ بلاشبہ اس کے ہاتھ حسین تھے۔ مخروطی انگلیاں لمبی اور سیدھی تھیں۔ آریان کو انوشے کے ہاتھ یاد آ گئے۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ اشارہ کھل چکا تھا اس نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ایک آئس کریم پارلر کے سامنے اس نے لاشعوری طور پر ہی گاڑی روکی تھی۔

"آپ کو کونسی آئس کریم پسند ہے؟"

یہ دوسرا فقرہ تھا جو اب تک آریان نے اس سے کہا تھا..... اور حنا نے تو اتنا تکلف بھی نہ کیا تھا۔ اس نے ابھی تک آریان نے ایک لفظ نہ کہا تھا۔ آریان کے مخاطب کرنے پر وہ چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی جیسے بے یقین ہو کہ واقعی وہ اسی سے پوچھ رہا تھا۔ اسے ابو یاد آ گئے جو ہمیشہ اس کی پسندیدہ آئس کریم اسے کھلایا کرتے تھے۔ جب سے وہ ان سے دور ہو گئی اور اس کی شادی ہوئی تب سے اب تک تو یہ بھول بھی چکی تھی کہ وہ کبھی بہت فرمائش کر کے آئس کریم کھایا کرتی تھی اور چاکلیٹ فلیور اس کا پسندیدہ تھا۔ آریان چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا مگر جواب ندارد تھا البتہ حنا کی آنکھوں میں اس نے دوبارہ نمی جمع ہوتی دیکھی تھی۔

"یا اللہ! اس لڑکی کو صبر و سکون عطا فرما۔ اس کے دکھ اس کی برداشت سے بالاتر ہیں۔"

آریان کے دل سے دعا نکلی تھی۔

"میں اپنی پسند کی لے آتا ہوں، میری چوائس بھی اچھی خاصی ہے۔"

اس نے لہجہ خوشگوار بناتے ہوئے اس کی مشکل آسان کی تھی۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

آریان نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

"ارے وہ دیکھو آریان واسطی.....!"

کوئی لڑکی چیخی تھی۔ اور آریان جو فی الحال ایسے کسی ہنگامے کو فیس (Face) نہیں کرنا چاہتا تھا جلدی سے والٹ میں جتنے پیسے نکلے نکال کر کاؤنٹر پر رکھے اور آئس کریم اٹھا تا..... وہاں سے نکلنے کی کی۔ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ کر اس نے آئس کریم حنا کی طرف بڑھائی۔

"اسے پلیز و جلدی!"

حنا نے بدحواسی سے اس کی جلدی کو دیکھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے آئس کریم کے دونوں کپ ہاتھوں میں پکڑ لیے۔ آریان نے شیشہ چڑھایا اور سیٹ بیلٹ باندھ کر جلدی سے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ وہ لڑکی اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچ چکی تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید قریب آتی آریان نے گاڑی چلا دی۔

"یہ..... یہ لوگ آپ کے پیچھے کیوں لگے ہیں؟"

حنا کے لبوں سے اچانک نکلا تھا۔ وہ اب روڈ پر نکل آئے تھے۔ آریان نے گاڑی کی رفتار نارمل کر دی اور مسکرا کر ایک لمبا سانس خارج کیا۔

"مس حنا آپ ایک مشہور و معروف سنگر کے ساتھ ہیں جس کو دنیا پہچانتی ہے اور بادولت کی آواز پر لوگ فدا ہیں۔ بہت محبت کرتے ہیں اور جہاں نظر آؤں ان محبتوں کو لٹانے میں عار محسوس نہیں کرتے..... اور مجھ پر آپ کو وقت پر بخیر و عافیت گھر پہنچانے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے جسے میں نبھانا چاہتا ہوں اسی لیے فوراً سے پہلے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔"

آریان نے خلاف توقع بڑا لمبا جواب دیا تھا۔ حنا اس کے تفصیلی بیان پر پہلی مرتبہ مسکرائی تھی۔

"اچھا تو آپ محبتوں سے ڈر بھاگتے ہیں۔"

اس کی زبان پھسلی تھی۔ آریان نے ایک سائیڈ پر گاڑی روک دی تاکہ آئس کریم کھائی جا سکے۔

"معلوم نہیں حنا میں محبتوں سے بھاگتا ہوں یا محبت میری دسترس میں نہیں آتی۔"

وہ ایسے بولا تھا جیسے ان دونوں میں صدیوں کا رشتہ ہو، کوئی دوستی جیسا عظیم رشتہ.....!"

خود آریان بھی اپنے جملے کی گونج اپنے کانوں سے سن کر حیران ہوا تھا۔

"آپ کی آئس کریم!"

حنا نے اس کا کپ اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام لیا اور پھر خاموشی سے آئس کریم کھانے لگا۔

****

انوشے پریشانی کے عالم میں انگلیاں مسلتی ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی..... وہ بالکل تیار تھی۔ آریان نے ایک بجے آنے کا کہا تھا اور ایک بجنے میں صرف پانچ منٹ رہتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ آریان وقت کا بہت پابند ہے..... اگلے چند منٹ میں وہ واقعی آ جائے گا۔ معدکا

ابھی تک کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ وہ ان کے آفس بھی فون کر چکی تھی۔ وہاں سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دو گھنٹے پہلے نکل چکے ہیں۔

”گھر تو نہیں آئے معلوم نہیں کہاں رہ گئے۔“

انوشے نے پریشانی سے ایک بار پھر ان کا موبائل نمبر ملایا..... وہ اب بھی آف ہی تھا۔

”ضرور جان بوجھ کر سعد نے اپنا موبائل آف کر رکھا ہے تاکہ میں رابطہ نہ کر سکوں۔“

انوشے کو اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ نہیں آئیں گے..... اور یہی یقین اس کی گھبراہٹ کی وجہ بنتا جا رہا تھا..... اس نے آریان کو سب بتانے کا ارادہ تو کر لیا تھا مگر اب جیسے جیسے وقت قریب آتا جا رہا تھا انوشے کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔

”سعد آپ کہاں ہیں؟ آپ کوئی جھوٹ نہ کہتے، کوئی دکھاوا نہ کرتے مگر کم از کم گھر پر تو ہوتے..... میرے سامنے، میرے ساتھ..... پھر..... پھر شاید میں سچوایشن کو ہینڈل کر پاتی۔ لیکن اب کیسے ہوگا؟ کیا کہوں گی میں آریان سے.....؟“

نجانے کیوں اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ شاید اندر کہیں کوئی چیز ٹوٹی تھی یا پھر شاید کوئی قندیل اوندھے منہ زمین پر گر کر مدھم ہوتی ہوئی بجھ گئی اور کبھی نہ مندمل ہونے والا نشان چھوڑ گئی تھی..... وجہ جو بھی تھی اسے مان تھا کہ سعد ضرور آئیں گے مگر اب اس کا یقین ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا جا رہا تھا..... اپنی ساری تیاری بے معنی لگنے لگی تھی۔ باہر گاڑی کا ہارن ہوا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

”شاید سعد آ گئے ہیں۔ میں جانتی تھی وہ ضرور آئیں گے۔“

انوشے بھاگتی ہوئی باہر کاریڈور میں نکل آئی..... پھر فوراً ہی اس نے اپنے قدم روک دیے۔ سامنے ہی آگے پیچھے تین بلیک چمچماتی بڑی بڑی گاڑیاں گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھیں اور پورچ میں ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں..... فوراً ہی سب سے اگلی گاڑی کے دروازے کھلے اور چار باوردی باڈی گارڈز نکل کر راہداری کے ایک طرف قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر سب سے پچھلی گاڑی میں سے بھی ایسی ہی مخلوق برآمد ہوئی تھی..... وہ اُن کے مقابل قطار میں باادب کھڑے ہو گئے۔

چند لمحات بعد درمیانی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھلا اور بلیک ٹو پیس پہنے چاک و چوبند ہشاش بشاش تیس پینتیس سالہ آدمی ہاتھ میں ڈائری اور پینسل تھامے نمودار ہوا..... تب تک ڈرائیور پچھلا دروازہ کھول چکا تھا۔ انوشے یہ ساری کارروائی اب نہایت تجسس سے ملاحظہ کر رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ کچھ ہی سیکنڈ بعد آریان نے بلیک چمکتے ہوئے صاف شفاف شوز پہنے سرخ سرخ روش پر قدم رکھا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ گرے جینز پر سفید بے شکن شرٹ پہنے ڈھیلی ڈھالی بلیک نیچے سے چوڑی ٹائی باندھے وہ آج کوئی مختلف ہی آریان لگ رہا تھا۔ وہ آنکھوں پر سن گلاسز لگائے ہوئے تھا..... ہاتھ میں تھاما کوٹ اس نے سیکرٹری کو پکڑایا جو اب اس کے پیچھے دو قدم کے فاصلے پر آن کھڑا ہوا تھا۔ آریان کی نظریں اپنے سامنے بڑی شان سے کھڑی ماربل کی اس خوبصورت عمارت پر جمی تھیں جو اس کی عزیز ترین دوست کی قیام گاہ تھی..... اُس کی جنت، اُس کا اپنا گھر جہاں آج وہ اُس سے ملنے آیا تھا۔ انوشے حیرت سے آریان کو تک رہی تھی..... گزرے چار سال اس میں کتنے زیادہ خوبصورت بدلاؤ لے آئے تھے۔ وہ تو تھا ہی ستارہ آج سے نہیں ہمیشہ سے اور اب جب وہ ایک سٹار کے شایانِ شان پروٹوکول لیے سامنے کھڑا تھا تو وہ حیران تھی۔

آریان کی نگاہیں اس خوبصورت عمارت کی طرزِ تعمیر اور ڈیکوریشن کو سراہتیں دُور کاریڈور میں کھڑی انوشے پر پڑیں تو دل ایک دم اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ چار سال..... پورے چار سال بعد اس چہرے کو دیکھا تھا جسے گذشتہ ایک ایک پل میں اس نے یاد کیا۔ ایک لمحہ بھی یہ چہرہ اس نے آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ سٹیج پر پرفارم کرتے اتنے بڑے اور مشہور و معروف سنگر آریان واسطی کی کھلی آنکھوں کے سامنے لوگوں کا پُر جوش ہجوم نہیں بلکہ یہ چہرہ ہوتا تھا۔ ریکارڈنگ روم میں گلاس وال کے اُس پار کانوں پر ہیڈ فون لگائے آنکھیں موندے، ریکارڈنگ کرواتے آریان واسطی کی بند آنکھوں میں صرف اور صرف اسی چہرے کی شبیہ ہوا کرتی..... ریڈ کارپٹ پارٹیز، آؤٹ ڈور شوٹنگز اور باہر کے ممالک میں شوز اور اپنی تمام تر مصروفیات کے دوران وہ ہر پل اپنے ساتھ اسی چہرے کو محسوس کرتا، کبھی غصے میں تو کبھی مسکراتے ہوئے، کبھی پریشان تو کبھی شاد، مگر وہ ہر پل، ہر لمحے اس کے ساتھ رہا تھا۔ اور اب..... جب یہ چہرہ حقیقت میں اس کے سامنے تھا تو وہ اس کی طرف ایک قدم بھی نہ اُٹھا پایا تھا۔ اس کی نگاہیں جیسے اس نظارے پر جم سی گئی تھیں۔

انوشے نے اسے وہیں کھڑے دیکھ کر خود اُس کی طرف قدم بڑھا دیے۔ آریان کو کامیاب دیکھ کر وہ اپنی ساری پریشانی، کچھ پل پہلے والی ساری گھبراہٹ جیسے بھول بھال گئی..... خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی سرخ سرخ راہداری عبور کر کے آئی۔ آریان کو وہ چار سال پہلے والی انوشے ہی لگی جو اسی طرح اسے اور مشی کو دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھی۔ آریان

کے ہونٹ خود بخود مسکرا دیے اور یہ مسکراہٹ گذرے سالوں کی سبھی مسکراہٹوں سے خالص اور اصلی تھی..... اس کے تمام کارڈز اور خاص کر سیکریٹری نے نہایت حیرت سے اپنے اس عزیز ترین سر آریان واسطی کو دیکھا جن کے خوبصورت ہونٹوں پر اتنی گہری اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ انہوں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ ورنہ اس کی کھوکھلی مسکراہٹ صرف تب تک ہی ہوتی جب تک وہ اسٹیج پر یا اپنے فینز کے درمیان ہوتا۔ باقی سارا وقت چاہے وہ کام پر ہوتا یا گھر..... ان سب نے اُسے سنجیدہ ہی پایا تھا۔

''آریان؟''

انوشے نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ جواباً آریان کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

''اوہ مائی گاڈ..... مجھے یقین نہیں آ رہا آریان کہ یہ تم ہی ہو.....؟''

انوشے سے خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اس کے گرد چلتے ہوئے بولی۔

''اتنا بڑا اسٹار میرے سامنے ہے اور میں اس کے گرد ایسے چکر لگا رہی ہوں جیسے..... جیسے پھول کے گرد تتلی۔''

''نہیں!''

آریان کے مسکراتے لب ہلے تھے۔ انوشے نے اس کے سامنے رکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''جیسے زمین کے گرد چاند۔''

آریان نے ایک ہاتھ سے سن گلاسز اُتارتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ انوشے کھلکھلا اُٹھی۔

''بالکل جی۔ اب تو تم ہم جیسوں کو چاند ہی کہو گے۔ چاند میں داغ جو ہوتا ہے۔''

انوشے نے شرارت سے چمکتی آنکھیں لیے کہا تھا۔

''خود کو بھی تو زمین کہا جس کی سب کو ضرورت ہے مگر خود اپنی ذات میں صرف خاک ہے۔ اور تمہیں چاند اس لیے کہا کیونکہ یہ خوبصورتی اور محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ داغدار ہونے کے باوجود پُرکشش ہے۔ اس تک رسائی تو ممکن ہے مگر اس کا حصول ازل سے ابد تک ناممکن ہی ہے۔ چاند اور زمین بس ساتھ ساتھ خلا میں سفر کرنے کے لئے ہی بنے ہیں۔ اپنے مخصوص مداروں سے نکل کر ایک ہونے کی کوشش کریں تو اس دن ہی قیامت برپا ہو جائے۔''

آریان نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آریان..... ظاہری حلیہ تو تم بدل ہی چکے ہو، باتیں بھی عجیب سی کرنے لگے ہو..... کہیں اتنے کامیاب سنگر اور نئے اُبھرتے ہوئے سٹار نے میرے سب سے اچھے اور پیارے دوست کی جگہ تو نہیں لے لی.....؟''

انوشے سے شرارت سے پوچھا تھا۔ آریان نے گہرا سانس لیا اور انوشے کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے بولا۔

''معلوم نہیں انوشے لوگ سٹار کسے کہتے ہیں؟ جتنا میں خود کو جانتا ہوں میں یہی کہوں گا کہ میں آج بھی وہیں ہوں جہاں چار سال پہلے تھا۔ میرے لیے تو کچھ بھی نہیں بدلا۔ میں آج بھی اتنا ہی خالی دامن ہوں جتنا پہلے تھا۔''

انوشے کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ وہ کھوجتی نظروں سے آریان کو دیکھ رہی تھی۔ آریان کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو اسے اپنے الفاظ کا احساس ہوا جو انجانے میں ہی اس کی زبان سے پھسل پڑے تھے۔

''میرا مطلب ہے کہ میں آج بھی تمہارا اور مشی کا ویسا ہی دوست ہوں جیسا چار سال پہلے تھا۔ کچھ نہیں بدلا اور نہ بدلے گا..... میں لوگوں کے لئے ہوں گا سٹار مگر تم دونوں کے لئے ہمیشہ وہی پرانا والا آریان رہنا ہی پسند کروں گا۔''

آریان نے خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے بات سنبھال لی تھی۔ انوشے مسکرا دی۔

''کاش یہاں مشی بھی ہوتی پھر ہم مل کر تمہاری کلاس لگاتیں اور یہ جو تم اتنی حسرت دیاس لیے ویسا ہی آریان بننے کی خواہش کر رہے ہو ناں تو تمہارا یہ شوق فوراً پورا ہو جاتا۔ اینی وے..... میں بہت بہت خوش ہوں تمہارے لیے۔ تمہارا سنگر بننے کا خواب پورا ہوا۔ مجھے الفاظ نہیں مل رہے کہ میں تمہیں اس گرینڈ سکسیس (Grand success) پر مبارکباد دوں میں اس فیلنگ کو بتانے سے قاصر ہوں کہ جب کوئی اپنا سرخرو ہوتا ہے تو کتنا اچھا محسوس ہوتا ہے، کتنی خوشی ہوتی ہے۔ کونگریچولیشنز آریان.....! (Congratulations Aaryyan)'' انوشے نے اپنا مرمریں ہاتھ آریان کی طرف بڑھایا۔

آریان نے انوشے کو دیکھا..... سُرمئی پلو والی سفید شفون کی خوبصورت ساڑھی زیب تن کیے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھائے، دوسرے ہاتھ سے ساڑھی کا پلو تھامے وہ بڑے استحقاق سے کھڑی تھی۔ وائٹ گولڈ کا پینڈنٹ جس میں سرمئی نگینہ جڑا تھا، اس کی گردن میں جگمگا

رہا تھا۔ اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے ایئر رنگز اس کی انوکھی اور اعلیٰ پسند کا ثبوت دے رہے تھے۔ آریان نے اسے کبھی بیوی جیولری میں نہیں دیکھا تھا تبھی آج شادی شدہ ہونے کے باوجود اسے اس سادہ سے پینڈنٹ سیٹ پہنے دیکھ کر وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ بالوں کی موٹی سی چوٹی بنائے وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی غضب ڈھا رہی تھی۔

"یہ میڈم تو گئیں۔"

آریان سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑے سیکریٹری نے انوشے کو آریان کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر سوچا تھا۔ دونوں اطراف میں کھڑے باڈی گارڈز بھی اس سے ملتی جلتی سوچ میں ہی گھرے تھے کیونکہ وہ جب سے آریان کے ساتھ تھے، دیکھتے آ رہے تھے کہ آریان نے کبھی کسی فی میل سے ہاتھ ملانا تو دور کی بات، وہ کبھی ان سے فری نہیں ہوا تھا۔ لڑکیاں ہاتھوں پر آٹوگراف لینے کی ضد میں پاگل ہوتیں مگر آریان کسی کو بھی موقع دیے بنا وہاں سے نکل آتا۔ جوان، خوبصورت اور ہر دلعزیز ہونے کے باوجود اس کا رجحان صنف مخالف کی طرف صفر تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکی نے اس سے آٹوگراف لینے کے بعد ہاتھ ملانا چاہا تو آریان نے نہ صرف سختی سے منع کر دیا بلکہ اور کسی کو بھی آٹوگراف دیے بنا وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔ فینز نے بہت شور مچایا۔ میڈیا نے اس ایشو کو کئی دنوں تک اچھالا بھی تھا۔

"سر یہ سب تو ایک سٹار کے لئے عام سی بات ہے۔ لیکن اس بات کو میڈیا بہت ہائی لائٹ کر رہا ہے۔ آپ کی ریپوٹیشن خراب ہو سکتی ہے۔ آپ نے فینز کو ناراض کر دیا ہے۔"

سیکریٹری نے اپنی رائے دی تھی۔

"میڈیا اس واقعہ کو جتنا چاہے اچھال لے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے پسندیدہ سٹار کا آٹوگراف لینا فینز کا حق ہوتا ہے میں ان کو منع نہیں کرتا مگر یہ ہاتھ ملانا مجھے ناپسند ہے۔ صرف اس لیے کہ میری شہرت میں فرق نہ آئے میں وہ نہیں کر سکتا جو میں پسند نہیں کرتا۔"

سیکریٹری نے یاد کرتے ہوئے تھوک نگلا۔ آریان یکدم ہی بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"بس! اب سر واک آؤٹ کرنے ہی والے ہیں۔"

سیکریٹری نے گارڈز کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ سب کے سب حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔ آریان نے اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالا ہاتھ نکالا اور انوشے کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو بڑی نرمی سے تھام لیا۔ اور یہی نہیں، وہ نہایت خوشگوار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تھینک یو سو مچ انوشے! مجھے ہزاروں لوگوں نے وش کیا مگر اتنا خلوص اتنی چاہت اور سچی خوشی میں نے آج تک کسی کے لہجے اور انداز میں محسوس نہیں کی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں حقیقی معنوں میں آج کامیاب ہوا ہوں۔ آج سٹار بنا ہوں۔"

سیکریٹری نے حیرت سے آریان کو جبکہ گارڈز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اف..... دیکھو میں تمہیں دیکھ کر اتنی ایکسائٹڈ ہوئی کہ ابھی تک اندر آنے کو نہیں کہا۔"

انوشے نے شرمندگی سے کہا تھا۔ آریان اس کی ازل کی صاف گوئی پر ہنس دیا۔

"ویسے تمہارے پرنس چارمنگ نظر نہیں آ رہے۔ اصولاً تو انہیں اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا تمہارے ساتھ.....؟"

آریان کی بات سے انوشے کو لگا جیسے اچانک سے اس کے پاس الفاظ کا قال پڑ گیا ہو۔

"تم اندر تو چلو۔ ساری باتیں ادھر ہی کھڑے ہو کر کرو گے کیا۔"

انوشے نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں۔ ایک منٹ....."

آریان مسکرا دیا۔

"مسٹر واٹق! سارا سامان گارڈز سے کہہ کر اندر لے آیئے گا۔"

اس نے گردن موڑ کر مؤدب کھڑے سیکریٹری سے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے پلٹ گیا۔

"کیسا سامان آریان.....؟"

"کچھ خاص نہیں پہلی بار تمہارے گھر آیا ہوں تو خالی ہاتھ آنا اچھا نہیں لگا۔"

آریان نے انوشے کے پوچھنے پر کہا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی..... پہلے بھی تو تم آیا ہی کرتے تھے گھر۔"

"میں نے تمہارے گھر کی بات کی ہے 'بدھو' تمہارے ممی پاپا کے گھر کی نہیں۔"

آریان نے ہنستے ہوئے کہا اور انوشے کے ساتھ اس شاندار عمارت کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے۔ میں نے اتنا پیارا ان پہلے کم ہی دیکھا ہے۔"

آریان نے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے دونوں اطراف کشادہ ہرے بھرے لان کی تعریف کی تھی۔

"یہ سب بعد کے شوق ہیں۔ انہیں پھول پودوں سے بہت لگاؤ ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

انوشے نے بے ساختہ سعد کا ذکر کر گئی تھی۔ اس لمحے اس کے چہرے پر بکھرنے والے دھنک رنگوں کو آریان دیکھتا رہ گیا۔

"ویسے تمہارے شوہر نامدار گھر پر تو ہیں ناں!"

آریان نے اس کے چہرے سے نظر چراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اب کاریڈور تک پہنچ چکے تھے۔ چھ سات قدموں کے فاصلے پر سیکریٹری اور اس کی راہنمائی میں دو قطاریں بنائے گارڈز مٹھائیاں اور پھلوں کے ڈبے اٹھائے چلے آرہے تھے۔

"سعد گھر پر ہی تھے۔ انہیں کچھ دیر پہلے کسی بہت ضروری کام سے اچانک کہیں جانا پڑ گیا۔ وہ بس آنے ہی والے ہیں۔"

آریان نے سنتے ہی اپنے اٹھتے قدم روک لیے۔

"ارے کیا ہوا، تم کیوں رک گئے؟"

انوشے نے بھی اس کے ساتھ ہی رکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مطلب مسٹر سعد گھر پر نہیں ہیں......؟"

آریان نے اس کے سوال کے بدلے سوال کیا تھا۔

"ہاں آریان...... وہ اس وقت گھر نہیں ہیں پر ابھی پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم آؤ نا۔"

انوشے نے اسے ساری حقیقت سے آگاہ کرنے کا ارادہ کر تو لیا تھا پر یوں اچانک ہی وہ ایسا نہ کر پائی تھی۔ غیر ارادی طور پر ہی اس نے بہانہ بنایا تھا۔ اور اپنے دوست سے جھوٹ بولنا آسان کام نہیں ہوتا۔"

انوشے نے اس سے نظریں چراتے ہوئے سوچا تھا۔

"انوشے ادھر دیکھو میری طرف۔"

آریان نے انگلیاں مسلتی نظریں جھکائے کھڑی انوشے سے کہا تھا۔

"آریان تم خواہ مخواہ ہی......"

"Anoshy look at me" (انوشے میری طرف دیکھو)

اب کی بار آریان نے کچھ سختی سے اپنی بات دہرائی تھی۔ انوشے نے چند ثانیے خود کو ریلیکس کیا پھر آریان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"تم ضد کیوں کر رہے ہو...... میں نے کہا ناں کہ سعد آجائیں گے تب تک تمہیں یونہی باہر کھڑا تو نہیں رکھ سکتی...... تم گھر کے اندر......"

"جھوٹ مت بولو انوشے۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ جھوٹ بولنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ جب بھی کوشش کرتی ہو پکڑی جاتی ہو۔"

آریان نے ٹٹولتی نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اُچک لیا تھا۔ انوشے نے دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ اسے لگا اب شاید اس کے پاس کہنے کو کچھ رہا ہی نہیں اور نہ ہی چھپانے کو۔

"سعد آپ نے مجھے کتنی بڑی مشکل سے دوچار کر دیا ہے۔ کاش آپ کو اندازہ ہو جائے...... میں آریان سے کیا چھپاؤں اور اگر بتاؤں بھی تو کیا؟؟"

انوشے عجیب کشمکش میں گھری ایک بار پھر دل ہی دل میں سعد سے مخاطب تھی۔

آریان کچھ لمحے تو سنجیدگی سے انوشے کو دیکھتا رہا جو اس کے سامنے پلکیں جھکائے بہت مضطرب سی کھڑی تھی۔ اس کی پلکوں کی گھنی باڑ جب بھی گرتی اس کی آنکھوں سے عیاں ہر تاثر کو چھپا لیتی۔ اب بھی آریان اس کی جھکی پلکوں کی حرکت کا دلنشین نظارہ تو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے اضطراب کی وجہ نہیں جان پا رہا تھا۔

"انوشے تم خوش تو ہو؟"

آریان بولا تو لہجہ انتہائی نرم تھا۔ نجانے کیا تاثر چھوڑا تھا، اس کے ان چند الفاظ سے مل کر جڑے مختصر سے جملے میں اپنائیت، فکر، خلوص، سب اچھا ہونے کی دعا یا پھر کچھ غلط ہونے کا خوف۔

"بولو! انوشے...... تم خوش ہو اپنے گھر......؟ سعد کے ساتھ؟؟"

آریان نے دوبارہ اسے اُسی نرم لہجے میں کریدا تھا۔ باوجود ضبط کے بھی انوشے اپنی آنکھوں کو نم ہونے سے نہ روک سکی۔ آریان نے اس کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا تو پریشان ہو گیا۔

"انوشے سب ٹھیک تو ہے ناں......؟"

انوشے نے نفی میں سر ہلایا مگر آنسو بے تابانہ گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ آریان گھبرا کا دو قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب ہوا اور ہتھیلی اس کے چہرے کے نیچے پھیلا کر اس کے گرتے ہوئے آنسوؤں کو مٹھی میں مقید کر لیا۔

"میں یہ تو نہیں جانتا کہ تمہارے ان آنسوؤں کی وجہ کیا ہے مگر اتنا پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خوشی کے آنسو ہرگز نہیں ہیں۔"

انوشے نے دیکھا وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"ابھی تو آریان کو کچھ غلط ہونے کا صرف اندازہ ہوا ہے اور وہ اتنا سیریس ہو گیا ہے اگر میں سچ بتا

ہوں تو.....؟؟"

"نہیں آریان، ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں اور سعد بھی بہت اچھے ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں.....تم اندر تو آؤ۔ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

اُلٹے ہاتھ سے آنسو صاف کرتے ہوئے انوشے نے ہونٹوں پر بڑی مشکل سے مصنوعی مسکراہٹ سجا کر کہا تھا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم روئی کیوں.....؟"

آریان نے اس کے چہرے کی سرخی کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"بتاتی ہوں.....مگر تم پہلے اندر آؤ.....بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ چار سال کیسے گزرے تفصیلاً سب بتاتی ہوں۔"

انوشے نے اس کے سوال کو مذاق میں ٹالتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اسے اندر آنے کی دعوت دی اور اس کے آگے چل دی۔

"ژکو انوشے.....!"

آریان نے اس کی پشت پر جھولتی لمبی سی چوٹی سے نظریں چراتے ہوئے اسے روکا تھا۔ وہ حیرت سے پلٹی۔

"میں اندر نہیں آؤں گا۔ مجھے اجازت دو، چلتا ہوں اب۔"

آریان نے صرف اتنا ہی کہا تھا اور ہاتھ میں پکڑے سن گلاسز لگا کر رُخ بدلا اور سیکریٹری کی حیران نظروں کو نظر انداز کرتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا گارڈز کے درمیان سے گزرتا واپس چل دیا.....جبکہ انوشے ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی.....کسی کے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی اچانک رونما ہو جانے والی سچوایشن میں کیسے ری ایکٹ کرے.....سب اپنی اپنی جگہ ششدر کھڑے تھے۔

"آریان سنو.....!"

وہ گاڑیوں کے قریب پہنچ چکا تھا جب انوشے ہوش میں آئی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔

"کیا ہوا ہے.....؟ یوں میرے گھر کی دہلیز سے ہی واپس پلٹ جاؤ گے.....؟ کوئی بات ناگوار گزری ہے؟"

"ہاں.....! ناگوار گزری ہے، بہت زیادہ بُری لگی مجھے یہ بات کہ میری دوست اپنے دل میں کچھ

ایسا درد چھپائے بیٹھی ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی تکلیف میں ہے کہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی ٹھہر سی گئی ہے۔ مگر وہ اس دُکھ کو مجھ سے شیئر (Share) کرنے کی بجائے جھوٹ پر جھوٹ بولتی جا رہی ہے۔"

آریان نے اس کے دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

"آریان میں چھپا نہیں رہی میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ اندر چل کر بیٹھتے ہیں پھر سکون سے سب بتاتی ہوں اب یہاں باہر ہی....."

"ٹھیک ہے۔ میں پھر آ جاؤں گا اور تفصیل سے ساری باتیں سنوں گا۔ مگر ابھی مجھے مت روکو۔ میں اندر نہیں آ سکتا، یقین کرو میں بالکل خفا نہیں ہوں۔"

"آریان اگر تم خفا نہیں ہو تو پھر اندر جانے میں کیا مسئلہ ہے.....؟"

انوشے نے اُلجھ کر پوچھا تھا۔

"انوشے سمجھنے کی کوشش کرو یار! میں ضرور اندر آتا اگر مسٹر سعد گھر میں ہوتے۔ مگر اب اُن کی غیر موجودگی میں میں یہ بہتر نہیں سمجھتا۔"

آریان نے صاف الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"مگر آریان ہم اجنبی تو نہیں، دوست ہیں۔ پہلے بھی تو گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر اسائنمنٹس بنایا کرتے تھے، ڈسکشنز کیا کرتے تھے۔ تو اب کیوں نہیں!"

انوشے کو اس کی بات بالکل بے تکی لگی تھی۔

"تب کی بات اور تھی۔ اب حالات الگ ہیں۔"

آریان نے صفائی دینے کی کوشش کی تھی مگر انوشے نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیا حالات الگ ہیں اب.....؟ اگر تم یہ بات سعد کی وجہ سے کہہ رہے ہو تو تمہیں اس طرح احتیاط برتنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایسے نہیں ہیں اور نہ ہی تنگ نظر ہیں۔ اپنی بیوی کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والے مردوں میں ان کا شمار نہیں ہوتا بلکہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ تم ایسے دہلیز سے ہی پلٹ گئے تو انہیں بہت بُرا لگے گا۔"

آریان اس کی بات پر ٹھٹکا۔ ذہن میں آنے والے کئی خدشات انوشے کی اس بات اور اس کے بااعتماد انداز نے کہیں پس پشت ڈال دیے تھے۔

"وہ ایسے نہیں ہیں تو پھر کیسے ہیں وہ.....؟"

آریان کے اچانک ساری بات کو مزاح کا لبادہ اوڑھا دینے پر وہ چڑ سی گئی تھی۔

"خوب..... بہت خوب۔ اب جناب کو مذاق سوجھ رہے ہیں۔"

انوشے نے اس کے شرارت سے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"ہاں تو اور کیا..... تم مسلسل اپنے "ان" کا دفاع جو کر رہی ہو..... اور میری مشکل سمجھنے کی کوشش تک نہیں کر رہی۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ کنسرٹ کے بعد آ جاؤں گا۔ مجھے بھی تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں اور تب سعد بھی گھر پر ہوں گے تو ہم تینوں خوب محفل جمائیں گے۔ ابھی میرا جانا ہی بہتر ہے اور خبردار اب روکا تو۔"

آریان کے لہجے میں دوستانہ استحقاق تھا۔ انوشے چند ثانیے گلاسز لگائے کھڑے آریان کو گھورتی رہی پھر ہوا سے منہ پر آ جانے والی لٹوں کو ہاتھ کی مدد سے پیچھے کرتی گویا ہوئی۔

"آریان تمہیں کہیں یہ تو نہیں لگتا کہ سعد تمہاری آمد کے بارے میں آگاہ تھے پھر بھی گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"اوہ۔ کم آن انوشے..... ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تو ویسے ہی....."

"ویسے ہی کیا آریان.....؟ جب کوئی بات ہی نہیں ہے تو پھر ایسے کیوں جا رہے ہو؟"

انوشے نے اس کی بات درمیان میں ہی اُچک لی۔ آریان نے نگاہیں پھیر لیں اور رُخ بدل کر کھڑا ہو گیا۔ انوشے کو اس کے اس انداز پر بہت دُکھ پہنچا تھا۔

"درست کہتے ہیں لوگ کہ کوئی کب تک اپنا رہتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سبھی اپنے پرائے ہو جاتے ہیں، سب اجنبی بن جاتے ہیں..... ٹھیک ہے مت آؤ..... جاؤ تم..... کنسرٹ کے بعد بھی چاہو تو مت آنا۔"

انوشے نم آواز میں کہتی پلٹی اور اندر کی طرف بھاگ گئی۔ آریان فوراً اس کی طرف پلٹا، گلاسز اُتار کر اسے دیکھا تو وہ دُور جاتی دکھائی دی..... اس کی نظروں نے دُور تک اُس کا تعاقب کیا جب تک وہ اندر جا کر نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

"مجھے معاف کر دینا انوشے میں نے تمہارا دل دُکھایا..... تمہیں دُکھی کیا مگر میں اپنے اس نادان دل کا کیا کروں جو تمہیں چار سالوں بعد سامنے پا کر بے قرار ہوا جا رہا تھا اور تمہارے اور میرے درمیان حائل کبھی نہ ختم ہونے والے فاصلے میری نظروں سے اوجھل ہوتے دکھائی دے رہے ہیں..... مسٹر سعد اگر گھر موجود ہوتے تو اور بات تھی، اُن کی موجودگی کم از کم مجھے اِن فاصلوں کا احساس تو دلاتی رہتی۔ مگر اب یوں اکیلے تمہارے ساتھ اندر نہیں آ سکتا تھا..... میں ڈرتا ہوں اپنے دل کی بے تابیوں سے، چار سال کی جدائی کے بعد تنہائی کے ان لمحات سے....."

آریان نے سر جھٹکا لیا۔

"سر آپ ٹھیک ہیں.....؟"

اس نے سیکریٹری کی آواز پر سر اُٹھایا مگر کہا کچھ نہیں۔ سیکریٹری تذبذب نظروں سے اس کے متفکر اور سرخ پڑتے چہرے کو کچھ سمجھی نا سمجھی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ مگر دوبارہ اس نے اس بارے میں کوئی بھی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"اب چلنا ہے سر.....؟"

اس نے آہستہ سے دریافت کیا تھا۔

"یس مسٹر واٹق!"

آریان نے مختصر سا جواب دیا اور سنجیدگی سے ہاتھ میں تھامے گلاسز کو دوبارہ لگا لیا..... ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا۔

"سردہ سامان۔"

آریان نے چونک کر سوالیہ نظروں سے سیکریٹری کو دیکھا۔

"میں نے میڈم سے پوچھا کہ اندر رکھوا دوں..... پر وہ بنا کچھ کہے چلی گئیں۔"

سیکریٹری نے آہستہ آواز میں کہا تھا۔

"واپس لے آؤ..... وہ نہیں رکھے گی۔"

آریان بے تاثر لہجے میں کہتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سیٹ سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔

"ٹھیک ہے مت آؤ..... جاؤ تم..... کنسرٹ کے بعد بھی چاہو تو مت آنا۔"

انوشے کی نم آواز اس کی سماعتوں میں جیسے دوبارہ گونجی تھی۔

"میں کیا کرتا..... اگر تمہارے ساتھ اندر چلا جاتا تو کیا گارنٹی تھی کہ میں خود پر کنٹرول کر پاتا..... یہ دل جو اتنی لمبی جدائی کے بعد اب تمہاری قربت کی خواہش میں بن پانی کی مچھلی کی مانند تڑپنے لگا تھا میں کیسے اس کو دلاسا دیتا.....؟ کیسے بہلاتا.....؟ تم سے محبت کا وہ احساس جو آج تک میں نے چھپائے رکھا..... میری سالوں پر محیط ریاضت کسی ایک کمزور لمحے کے حوالے کر کے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنی دوستی کا بھرم توڑنا نہیں چاہتا انوشے اس لیے تمہیں ناراض کر کے جا رہا ہوں۔"

آریان کی بند آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کی طرح آج بھی انوشے کی شبیہ تھی جس سے

وہ دل ہی دل میں محو گفتگو تھا۔ وہ ساری باتیں جو در حقیقت میں کبھی اس سے نہ کہہ پاتا تھا وہ آج تو اعتراف وہ اس شبیہ کے سامنے کیا کرتا تھا۔

"آخری مرتبہ جب میں نے تمہیں الوداع کیا تب بھی تم سفید رنگ میں ملبوس تھی۔ آج پھر سفید ساڑھی میں، اپنی تمام تر معصومیت سمیت تم میرے سامنے آئی...... یہ سفید رنگ میری زندگی میں بہت اہم ہو گیا ہے۔ اتنا اہم کہ یہ مجھے اتنا ہی پیارا ہے جتنی تم......!"

آریان نے اس کا یہ روپ بھی اپنی آنکھوں میں سما لیا تھا۔ گاڑی رینگی تو اس نے بند آنکھیں کھولیں۔ گارڈز تمام چیزیں ڈگیوں میں رکھ کر گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ آریان نے ایک اداس نظر اس شاندار عمارت پر ڈالی جس میں وہ اپنی متاعِ حیات چھوڑے جا رہا تھا...... گہری نگاہ سے اس خوبصورت لان کو دیکھا جس میں وہ شام ڈھلے وقت گزارتی ہوگی۔ اور گاڑی کا شیشہ اوپر چڑھا لیا۔ تینوں گاڑیاں جیسے آئی تھیں ویسے ہی واپس چلی گئیں۔ ناز جو کاریڈور میں پلر کے پیچھے کھڑی سب دیکھ رہی تھی اس نے افسردگی اور دکھ سے گاڑیوں کو جاتے اور پھر گیٹ کو بند ہوتے دیکھا تھا۔ کاریڈور کے قریب انوشے اور آریان کی گفتگو تو اس نے سنی تھی مگر اب جاتے ہوئے ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں وہ اتنی دور سے سن نہیں پائی تھی۔

"کتنی خوش تھیں انوشے بی بی...... سعد صاحب نے ان سے یہ خوشی بھی چھین لی...... کون سی قیامت آ جاتی اگر صاحب آج گھر پر رک جاتے تو۔"

وہ پلو سے آنکھیں صاف کرتی کچن میں آئی اور تمام چیزیں سمیٹنے لگی۔

"کتنے چاؤ سے انوشے بی بی نے یہ سب بنایا تھا...... آریان صاحب کے تمام پسندیدہ کھانے مگر وہ تو اندر آئے بنا ہی چلے گئے...... کتنا دکھ ہوتا ہے جب کوئی اپنا یوں دہلیز سے پلٹ جائے۔"

ناز و کچن سنبھال کر اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ ساری دوپہر ایسے ہی گزر گئی۔ نہ سعد آئے اور نہ انوشے اپنے کمرے سے نکلی۔

****

رات کے تقریباً نو بجے تھے جب سعد کی گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی...... گاڑی پورچ میں کھڑی کرتا وہ اندر داخل ہوا...... گھر میں مکمل طور پر سناٹے کا راج تھا...... کسی قسم کی کوئی ہلچل نہ تھی ورنہ عموماً تو انوشے کے بولنے کی آواز اسے کاریڈور سے ہی سنائی دینے لگتی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ سعد کو عجیب سا لگا۔ وہ خود حیران تھا...... گھر میں داخل

ہوتے ہی انوشے کو دیکھنے کی عادت سی ہو گئی تھی آج وہ نظر نہیں آئی اور نہ اس کی آواز سنائی دی تو وہ بے قراری سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے ایک نظر انوشے کے کمرے کی طرف جاتی راہداری کو دیکھا، پھر اپنے روم میں چلا آیا۔

"نا معلوم آریان آیا تھا یا نہیں اور اگر آیا تھا تو انوشے نے اس سے کیا کہا ہوگا......؟"

بہت زیادہ سوال اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے...... اس نے فریش ہو کر چینج کیا۔ سفید جینز اور لیمن کلر کی ٹی شرٹ پہنے گیلے بالوں کو تولیے سے صاف کرتا وہ ٹیرس پر نکل آیا...... ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اس کا پرجوش استقبال کیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا مگر بے چینی سی بے چینی تھی۔ تولیہ ریلنگ پر ڈال کر وہ واپس کمرے میں آ گیا...... اس نے دوپہر کو لنچ نہیں کیا تھا...... صبح صرف ہلکا پھلکا معمول کا ناشتہ کر کے آفس گیا تھا...... اب اسے بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ سعد نے اپنی بے چینی کی وجہ اسی بھوک کو سمجھا اور کمرے سے نکل آیا۔

****

انوشے ڈائری لکھ کر فارغ ہوئی اور آنکھیں موندے بیٹھی تھی جب اسے باہر پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

"سعد ہی آئے ہوں گے۔"

وہ اٹھ کر ٹیرس پر آئی۔ پورچ میں ان کی گاڑی ان کی واپسی کا ثبوت تھی۔ اس نے کمرے میں آ کر بالوں میں برش کیا اور چند منٹ خود کو ریلیکس کرنے کے بعد باہر نکل آئی۔ سیڑھیاں اترنے سے پہلے اس نے سعد کے کمرے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ گہرا سانس خارج کرتی ہوئی کچن میں آ گئی۔

****

سعد جب نیچے آیا تو کچن میں کھٹر پٹر ہو رہی تھی۔ اس نے اندر جھانکا، انوشے روٹی بیل رہی تھی۔ توے پر ڈال کر جب وہ ہاٹ پاٹ لینے کے لئے پلٹی تو سعد کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر پل بھر کو ٹھٹکی مگر کوئی بھی ری ایکٹ کیے بنا نارمل سے انداز میں ہاٹ پاٹ پکڑ کر قریب رکھا اور روٹی پکانے لگی۔ سعد اس کی خاموشی کی وجہ جانتا تھا، اندر چلا آیا...... فریج سے پانی کی بوتل اور شیلف سے گلاس لیے وہ اس کے قریب ہی شیلف پر بیٹھ گیا۔ مگر وہ کسی قسم کا نوٹس لیے بنا مصروف رہی۔

"آریان آیا تھا آج......؟"

سعد نے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے پوچھا تھا……انوشے کے ہاتھ پل بھر کو رُکے تھے۔

"تم نے بہت انجوائے کیا ہوگا……تمہارا اتنا عزیز دوست پورے چار سال بعد تم سے ملنے آیا تھا وہ بھی ایک مشہور و معروف سپر سٹار کے روپ میں……بہت اچھا لگا ہوگا ناں تمہیں اُس سے مل کر……؟"

سعد نے اس کی طرف بات اُچھال کر گلاس منہ سے لگالیا۔ انوشے نے بنا کچھ بولے روٹی اُتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھی اور اوون میں سے گرم سالن نکالنے لگی۔ سعد اس کی خاموشی سے کچھ بھی اخذ نہ کر پا رہا تھا۔ انوشے اس کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔

"ہاں تو ٹھیک کر رہی ہے وہ……تم نے کونسا بہت اچھا رویہ اپنا رکھا ہے اس کے ساتھ……اپنے دوست کی آمد کو لے کر وہ کتنی پُر جوش تھی……پر تم نے……؟ نجانے کیا کیا بہانے بنائے ہوں گے اُس نے آریان سے سچ چھپانے کے لیے……یا پھر اگر ساری سچائی سے آگاہ کر بھی دیا ہوگا تو کتنی اذیت سے گزری ہوگی……قریبی دوستوں سے کچھ بھی چھپانا آسان تو نہیں ہوتا اور اگر سچ بتا دیں تو اُن کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے بھی حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔ کیا تھا جو تم ایک دن کے لیے ناٹک کر لیتے صرف چند گھنٹوں کی ہی تو بات تھی۔ اس نے بھی تو تمہارے لیے تمہارے کہنے پر احد سے سب چھپایا تھا……اپنی باری آئی تو خود غرضی پر اتر آئے تم سعد……؟"

اس کا ضمیر مسلسل اسے ملامت کر رہا تھا۔ اس کی غلطی کا احساس دلا رہا تھا۔ سعد نے گلاس سائیڈ پر رکھا۔ انوشے کب سے کچن سے جا چکی تھی۔ وہ بھی اُٹھ کر ڈائننگ روم میں چلا آیا۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگائے ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"اچھا تو اب یہاں بیٹھ کر میرا انتظار ہو رہا ہے۔"

سعد جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے کی خاطر ڈائننگ ٹیبل کی اُس سائیڈ پر بیٹھا جہاں سے ٹیبل خالی تھا۔ انوشے نے چونک کر اسے دیکھا پھر کچھ بھی کہے بنا ساری چیزیں اُٹھا کر اس طرف رکھنے لگی۔ سعد دلچسپی سے اس کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ انوشے نے اس کے سامنے والی پلیٹ سیدھی کی اور کانٹا، چھری اور چمچ اس کے اطراف میں رکھ کر خود سامنے والی کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ سعد نے کھانا شروع کیا۔ اتنی خوشبوئیں آ رہی تھیں کہ اس کی بھوک مزید چمک اٹھی تھی۔ انوشے نے گلاس میں پانی انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ باوجود شدید بھوک کے ابھی اس کا کچھ کھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ سعد نے پہلے اسے اور پھر اس کی خالی پلیٹ کو دیکھا۔

"تم نہیں کھاؤ گی کیا……؟ یا پھر دوپہر میں آریان کے ساتھ جی بھر کر لنچ کر لیا ہے……؟"

ناچاہتے ہوئے بھی سعد کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ انوشے نے اس کے اس زہریلے طنز کو بھی پانی کے گھونٹ کے ساتھ ہی نگل لیا تھا۔ ایک سرسری سی نظر سعد پر ڈال کر اس نے گلاس ایک طرف رکھا اور باؤل میں سے تھوڑی سی نوڈلز پلیٹ میں ڈال لیں اور اسٹکز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھانے لگی……مگر اس کا دماغ اور ہی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ "آریان نے ایک لحاظ سے ٹھیک ہی کیا کہ وہ اندر نہیں آیا ورنہ سعد کے طنز کے نشتر اور زیادہ زہریلے ہوتے۔ وہ خود مرد تھا، ایک مرد کی ذہنیت و سوچ سے آگاہ تو ہوگا۔ تبھی اس نے یہ فیصلہ لیا اور میں جب سعد کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر بولتے ہوئے اُن کی سوچ و عادات کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کر رہی تھی تب آریان نے دل ہی دل میں میری بے وقوفی پر قہقہے تو لگائے ہی ہوں گے۔"

انوشے ایک روبوٹ کی مانند بے تاثر چہرہ لیے نوڈلز کھانے میں مصروف تھی۔ وہ کافی مہارت سے اسٹکز کے ساتھ نوڈلز کھا رہی تھی۔ بلاشبہ یہ خاصا مشکل کام تھا۔ چار سالوں بعد اس کی یہ خوبی سعد پر ظاہر ہوئی تھی۔ سعد نے خود بہت مشکل سے اسٹکز کے ساتھ نوڈلز کھانا سیکھا تھا۔ اسے اُن کو کراس کی شکل دینے میں ہی کافی مشکل پیش آیا کرتی تھی۔ اب تو خیر وہ سیکھ گیا تھا مگر پھر بھی کبھی کبھی چوک جاتا۔ وہ کھا چکی تو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ انٹرکام سے نازو کو بلایا۔ پانچ منٹ میں وہ حاضر تھی۔

"تم برتن دھولو اور صاحب سے پوچھ لو چائے پئیں گے تو بنا دو۔"

سعد نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے نازو کو ہدایات دیتی انوشے کو دیکھا جو اسے کسی خاطر میں لائے بنا اوپر چلی گئی۔

"صاحب چائے پئیں گے آپ……؟"

نازو نے اسے بھی اُٹھتے دیکھا تو پوچھا۔

"ہاں……مگر ابھی نہیں……کچھ دیر بعد میرے کمرے میں دے جانا۔"

سعد بھی اوپر چلا آیا۔ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس نے انوشے کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دروازہ کھلا ہی تھا سعد اندر چلا آیا……وہ کمرے میں نہیں تھی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ ٹیرس میں کھلتے دروازے کی طرف بڑھا۔ ٹیرس کی تمام لائٹس آن تھی۔ اپنے اندر پھیلے گہرے اندھیروں کو دُور کرنے کی یہ انوشے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ اُس نے ٹیرس کی تمام لائٹس تو آن کر رکھی تھیں مگر وہ ان اندھیروں سے نہ نکل پائی تھی جو اس کے اندر ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ وہ وہاں پڑے صوفے ٹائپ جھولے میں ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور گال آنسوؤں سے تر تھے۔ ننھے ننھے موتیوں کی مانند آنسو روشنی میں چمک رہے تھے۔ جھولا

بالکل ساکن تھا۔ سعد کئی لمحے کھڑا بس اسے دیکھتا رہا۔ انوشے کو اس نے پہلے بھی کئی بار غمگین پایا تھا مگر آج ایک عجیب سا دکھ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ ایک عجیب سی بے بسی اُس کی ذات کا حصہ بنی ہوئی تھی، ایسی لاچاری جیسے کسی پرندے کو آسمان کی بلندیوں میں خوش باش اُڑتے ہوئے، دانے کا لالچ دے کر زمین پر اُتارا جائے اور پھر اسے پکڑ کر اس کے پر کاٹ دیے جائیں اور اُس پر ستم یہ کہ بعد میں عظیم دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اُڑ جانے کا کہہ کر اسے آزادی کی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا جائے۔ اور جب وہ پرندہ اسی خوش فہمی میں اُڑنے کے لئے اپنے پر پھیلانے کی کوشش کرے تو اُس پر یہ ادراک ہو کہ اُس کے بس میں تو کچھ نہیں ہے، وہ خالی دامن ہے۔ اُن لمحات کی بے بسی، لاچاری دنیا کے ہر خسارے سے بڑھ کر ہے۔

"یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے۔"

سعد نے خود کو موردِ الزام ٹھہرایا۔

"مجھے نہیں معلوم آج کیا ہوا..... مگر جو بھی ہوا ہوگا یقیناً انوشے کے لئے تکلیف کا باعث ہی بنا ہوگا تبھی وہ اتنی خاموش اور اُداس ہے ورنہ تو وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی ہنس کر ٹال دیا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے افسردہ ہوتی ہے پھر ٹھیک ہو جاتی ہے تو پھر آج ایسا کیا ہوا ہوگا کہ وہ ابھی تک خاموش ہے۔"

سعد آہستہ سے انوشے کے قریب ہی جھولے پر بیٹھ گیا۔ وہ اتنی گم تھی کہ اس کے وہاں بیٹھنے کا اُسے احساس تک نہ ہوا۔ اُس پر خود فراموشی کے ایسے لمحات غالب تھے جب انسان کی ساری حسیں جیسے کہیں کھو سی جاتی ہیں۔ سعد نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ٹیک لگاتے ہوئے اپنے بازو سینے پر باندھ کر آہستہ آہستہ جھولا جھلانے لگا۔ سامنے آسمان پر روشن چاند جگمگا رہا تھا، ٹھنڈی ہوا کے مدھم سے جھونکے بڑے خوشگوار محسوس ہو رہے تھے۔ خاموشی، تنہائی، سامنے آسمان پر روشن چاند اور مدھم مدھم ہوا کے جھونکوں کی بامعنی سرگوشیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سعد نے گردن موڑ کر اپنے قریب خود فراموشی کے عالم میں آنکھیں موندے ان سب سے بے نیاز بیٹھی انوشے کو دیکھا۔ اسے یہ نظارہ چاند کو دیکھتے رہنے سے بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے جھولا جھلاتے ہوئے اسے تکتا جا رہا تھا۔ اس کی نظریں اس کے چہرے سے پھسلتی ہوئیں اس کی گود میں دھرے گداز ہاتھوں پر آ کر ٹھہر سی گئی تھیں۔ سعد کا دل چاہا ان کی نرمی کو محسوس کرے۔ اپنی اس خواہش کو وہ دبا نہ سکا..... ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے خوبصورت ہاتھ کو تھاما تو انوشے نے چونکتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے حیرانی سے پہلے اپنے ہاتھ کے اوپر

کشادہ ہتھیلی والے مردانہ ہاتھ کو دیکھا پھر ساتھ بیٹھے سعد کو..... وہ فوراً کچھ بھی اندازہ نہ لگا پائی..... اس نے وہاں سے اُٹھ جانا چاہا تو سعد نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اسے روک دیا۔

"بیٹھو..... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

انوشے نے دوسرے ہاتھ سے سعد کا ہاتھ ہٹانا چاہا مگر سعد کی گرفت پہلے سے مضبوط ہو گئی تھی۔

"آریان آیا تھا.....؟ کیا بات ہوئی تمہاری اُس سے.....؟"

سعد نے اس کی مزاحمت کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ انوشے نے دُکھ سے سعد کو دیکھا..... بے دھیانی میں ہی سعد کی گرفت انوشے کے ہاتھ پر سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بمشکل بولی۔

"سعد ہاتھ چھوڑیں میرا..... دُکھنے لگا ہے۔"

اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی اور ساتھ ہی آنکھوں سے ایک ایک آنسو گالوں پر لڑھک آیا تھا۔ سعد کو اپنے ہاتھ میں دبے اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنی مضبوط گرفت کا احساس ہوا تو پشیمان ہوتے ہوئے اس نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا جو اب ضرورت سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔ سعد کے ہاتھ کی انگلیاں جیسے اپنی چھاپ چھوڑ گئی تھیں۔

"آئی ایم سوری..... تمہیں روکنے کی کوشش میں میں نے کچھ زیادہ ہی سختی سے....."

انوشے نے اس کی بات مکمل سنے بنا ہی وہاں سے اُٹھنا چاہا تو سعد نے اب کی بار اس کے آگے سے بازو حمائل کر کے دوسری طرف جھولے کو تھام کر اس کی اس کوشش کو بھی ناکام کر دیا۔ انوشے بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے..... آریان کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں..... تم ایسے بنا کچھ کہے نہیں جا سکتی۔"

سعد نے ذرا سختی سے اپنی بات دہرائی تھی۔

"کیوں نہیں جا سکتی میں.....؟ جب آپ جا سکتے ہیں میری بات سنے بنا تو پھر میں بھی جا سکتی ہوں..... جب مجھے آپ کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے تو پھر آپ خود کو حقدار کیسے سمجھ سکتے ہیں.....؟ میں بھی صبح آپ سے آریان کے بارے میں ہی بات کرنا چاہتی تھی۔ تب آپ کا موڈ نہیں تھا..... اب میرا نہیں ہے۔"

وہ یکدم چلائی تھی۔ سعد نے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے بولنے کا پورا

موقع دیا تھا۔

''ٹھیک ہے..... تمہیں جانا ہے تو جا کر دکھاؤ۔''

سعد نے اس کے خاموش ہو جانے کے بعد غصے سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

''میں جب سے آیا ہوں تب سے نرمی سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم مسلسل مجھے اگنور کر رہی ہو..... سمجھتی کیا ہو خود کو.....؟''

سعد کو اس پر کم اور خود پر زیادہ تاؤ آ رہا تھا۔

''اور آپ..... آپ بھی تو ہمیشہ مجھے اگنور کرتے ہیں۔''

وہ ڈوبتے دل سے بولی تھی۔

''انوشے میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔''

''مجھے بھی کسی بحث میں نہیں پڑنا..... پیچھے ہٹیں..... جانے دیں مجھے۔''

انوشے نے بھی بنا کسی تاخیر کے کہا تھا۔

اس نے ہاتھ سعد کے کشادہ سینے پر رکھ کر انہیں پیچھے کی طرف دھکیلنا چاہا مگر وہ اسے ایک انچ بھی پیچھے نہ دھکیل پائی تھی۔ اس کی کوشش پر سعد نے ایک طنزیہ مسکراہٹ لیے پہلے اپنے سینے پر دھرے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اپنی نگاہیں انوشے کے چہرے پر گاڑتے ہوئے بولا۔

''تم جتنی چاہے کوشش کر لو مگر اپنی بات کا جواب سنے بنا میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔''

''ابھی نہیں سعد..... ابھی میرے سر میں بہت درد ہے۔ میں آپ سے صبح بات.....''

انوشے کے سر میں ٹیس سی اٹھی تھی وہ بات مکمل نہ کر پائی اور ہاتھ سے ماتھے کو مسلنے لگی۔

''انوشے بہانے بنانے کی بجائے تم مجھے سیدھی طرح سے کیوں نہیں کہہ دیتی کہ حقیقت میں تم مجھے آریان کے بارے میں کچھ بتانا ہی نہیں چاہتی۔''

سعد نے تلخی سے کہا تھا۔

''سعد آپ مجھے کیوں سمجھ نہیں پا رہے..... چار سال کافی ہوتے ہیں کسی کو جاننے کے لیے..... آپ..... آپ ہمیشہ ہی مجھ سے بدظن کیوں رہتے ہیں.....؟''

انوشے نے بے بسی سے پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تھا..... درد کی شدت سے اس کی آواز پہلے سے دھیمی ہو گئی تھی۔ سعد نے اسے بھی اس کا ناٹک ہی سمجھا تھا۔

''بات کو گھماؤ مت..... میں جو پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو..... آج آریان آیا تو ہوگا..... تم نے اُسے کیا کہا.....؟''

انوشے نے کنپٹی دباتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں مگر درد کی ٹیسیں بڑھنے لگی تھیں۔

سعد کے الفاظ جلتی پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ درد برداشت سے باہر ہوا تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی..... اس نے خود کو ریلیکس کرنے کے لئے اٹھنے کی کوشش کی اور سعد کا بازو جو ابھی تک اس کے آگے حائل تھا اُسے پوری طاقت لگا کر ہٹانا چاہا مگر اس بار بھی اُس کی یہ کاوش کامیاب نہ ہو سکی۔

''کیوں انوشے..... ان ایک ہی دن میں ایسا کیا انقلاب آ گیا ہے جو تم مجھے خود سے دور دھکیل رہی ہو.....؟ آریان سے ایک ہی ملاقات کے بعد تم میں اتنی تبدیلی آ جائے گی میں اسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔''

انوشے نے خالی خالی نظروں سے سعد کو دیکھا۔ وہ اتنا تلخ ہو رہا تھا کہ اس کی طنزیہ کاٹ دار باتیں اس کی روح تک کو زخمی کرتی جا رہی تھیں۔ اس نے اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا اور بڑی مشکل سے درد کی شدت سے بند ہوتی آنکھوں کو کھول کر اپنے اتنے قریب بیٹھے اس شخص کو دیکھا جو کہنے کو تو اس کا تھا..... صرف اور صرف اس کا مگر اسے ایسا محسوس کرنے کا حق اس شخص نے کبھی نہ بخشا تھا۔

''کل تک ہر وقت، ہر لمحہ جو لڑکی میری قربت کی خواہاں تھی آج مجھ سے جان چھڑا رہی ہے کیا یہ عجیب بات نہیں ہے.....؟''

سعد نے سوالیہ چبھتی ہوئی نظروں سے ان کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''بولو انوشے..... چپ کیوں ہو.....؟ مجھ سے باتیں کرنے کو بے تاب رہتی تھی ناں تم..... تو اب میں خود تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں تو تمہیں سر درد کا بہانہ مل گیا ہے۔ آخر ایسا کونسا جادو کر گیا ہے آریان تم پر.....؟''

''سعد پلیز..... ایسی باتیں مت کریں۔ ابھی میں کوئی بھی بات کرنے یا سننے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میرا سر واقعی درد سے پھٹ رہا ہے۔ مجھے جانے دیں۔ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے..... پلیز مجھے جانے دیں۔''

انوشے رو دی تھی۔ سعد کا یہ رویہ، اُن کی باتیں اس کے دُکھتے سر پر جیسے ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ سعد نے سرد نگاہوں سے اپنے سامنے روتی اس لڑکی کو دیکھا جس کا رونا آج بھی اسے اُسی طرح تکلیف دے رہا تھا جیسے ہمیشہ دیا کرتا تھا۔ مگر وہ اپنے دل میں اُبھرنے والے ایسے ہر احساس کو بُری طرح روندتا تلخ لہجے میں بولا۔

''میں واقعی بے یقین ہوں انوشے کہ تم میری قربت سے اس قدر وحشت زدہ ہو سکتی ہو کہ رو رو کر

تجھ سے دُور جانے کی التجا کرو... تو ٹھیک ہے "مسز انوشے سعد" تم نے شادی کے بعد گزشتہ چار سالوں میں آج پہلی مرتبہ "سعد حسن رضوی" سے اتنی شدت سے کسی چیز کی خواہش کی ہے میں چاہ کر بھی تو انکار نہیں کر سکتا۔"

سعد نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

"بلکہ ایسا کرو..... تم مت جاؤ، یہاں سامنے چاند ہے، اتنی اچھی ہوا چل رہی ہے اور تنہائی میں مہیا کر دیتا ہوں..... یہاں سے میں چلا جاتا ہوں..... تم ویسے ہی آنکھیں موندے آریان کے یا جس کے مرضی خیالوں میں کھوئی رہو..... تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

سعد ایک جھٹکے سے اس کے قریب سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ جبکہ انوشے درد کی شدت سے نڈھال، کوشش کے باوجود بھی اس کی کوئی بھی غلط فہمی دور نہ کر پائی۔

سعد جب ٹیرس سے کمرے میں آیا تو نازو کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟"

"وہ..... صاحب جی میں..... میں آپ کے لئے چائے لائی تھی۔"

اس کے سخت غصے سے بھرے لہجے پر وہ ہکلائی تھی۔

"میں آپ کے کمرے میں لے کر گئی تھی پر آپ وہاں نہیں تھے تو میں یہاں....."

"کہاں ہے چائے.....؟"

اس نے سختی سے پوچھتے ہوئے اس کی پوری بات سننا ضروری نہ سمجھا تھا۔

"ٹھنڈی ہو گئی ہو گی..... میں گرم کر لاتی ہوں۔"

نازو نے میز پر پڑی چائے کا کپ ٹرے سمیت اٹھایا اور باہر نکل آئی۔

"اب چائے میرے کمرے میں لانا۔"

سعد اسے آرڈر کرتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ نازو سر ہلا کر سیڑھیاں اُتر گئی۔ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن چکی تھی۔

"آج تو حد ہی کر دی سعد بابا نے..... اب میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ مجھے ہر حال میں ان سے بات کر لنی چاہئے۔ آریان صاحب کو لے کر جو جو غلط فہمیاں سعد بابا نے اپنے ذہن میں پال لی ہیں وہ سب غلط ہیں، بے بنیاد ہیں، اس بات کا احساس میں انہیں کروا کر رہوں گی۔"

چائے گرم کرتے ہوئے نازو نے پختہ تہیہ کر لیا تھا۔

****

WWW.PAKSOCIETY.COM

کراچی سے وہ اُسی شام واپس آ گیا تھا..... انوشے کے بہت اصرار پر بھی وہ وہاں نہ رُکا تھا۔ اسے اس پل کا انتظار تھا جب وہ انوشے سے ملنا مگر وہ پل بس پل بھر کے لئے ہی آیا تھا۔ اس نے وہاں نہ رُکنے کا جو فیصلہ کیا تھا بالکل درست کیا تھا۔ اس طرح کم از کم وہ خود کے دل کا بھرم تو رکھ ہی پایا تھا..... اپنے دل کے جذبات کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا تھا..... رہی بات انوشے کی ناراضگی کی تو وہ اسے منا ہی لے گا..... ہاں اسے اب سعد سے ملنے کا اشتیاق تھا..... وہ اس خوش قسمت شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جسے انوشے کی ہمراہی نصیب تھی۔ جب وہ گھر پہنچا رات کا ایک بج رہا تھا۔ امی ہمیشہ کی طرح اس کی منتظر لاؤنج میں بیٹھی تھیں..... جلد ہی وہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا مگر نیند آج آنکھوں سے کوسوں دور تھی..... باوجود خواہش کے وہ سو نہ پایا تھا۔ بار بار انوشے اس کی نظروں کے سامنے آ جاتی اور اپنی محرومیوں کا احساس اسے اور شدت سے ہونے لگتا۔ فجر کی اذان اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے چونک کر کلاک کی سمت دیکھا..... پوری رات گزر چکی تھی اور وہ صوفے پر غائب دماغی سے بیٹھا رہا تھا۔ اس نے اُٹھ کر شاور لیا اور نماز کے لئے مسجد میں چلا گیا۔ باجماعت نماز پڑھ کر اسے سکون ملا تھا..... بعد نماز فجر مولوی صاحب کے پاس بیٹھا رہا وہ اسے بہت دنوں بعد دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے..... واپسی پر وہ جم چلا گیا جہاں اسے ارمغان مل گیا۔ اسے وہ زبردستی اپنے ساتھ گالف کھیلنے لے گیا تھا۔

"پھر کیا سوچا تم نے حنا کے بارے میں؟"

اس نے چھوٹتے ہی دریافت کیا تھا۔

"کچھ نہیں!"

آریان نے نارمل سے انداز میں کہا۔ وہ بدستور ایک بال کو rough سے گرین پر لانے کی کوشش میں بالی کو گھور کر شاید اس سوچ میں تھا کہ کس طرح سے شاٹ کھیلے۔

"تم نے شادی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا یا حنا کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔"

ارمغان نے اپنی گہری آنکھیں اس پر جما کر پوچھا تھا۔

"شادی کے بارے میں۔"

آریان کا جواب حسب توقع تھا۔

"مطلب تم نے حنا کے بارے میں سوچا ہے۔"

آریان نے بال سے نگاہ ہٹا کر ارمغان کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں دوبارہ بال پر نگاہ جماتا ہوا بولا۔

''ارمغان میں نے کبھی شادی نہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا..... میں شادی کروں گا مگر اتنی جلدی کیا ہے۔''

''کیوں، بوڑھے ہو کر کرو گے.....؟ یار اب جتنی دیر کرنی تھی کر لی۔ تم اب شادی کر لو۔''

آریان نے آخر کار وہ شاٹ کھیلا تھا اور بظاہر نہایت مشکل نظر آتا شاٹ کامیاب رہا تھا گیند گرین پر پہنچ چکی تھی۔

''او کے! میں حنا سے انگیج منٹ کرنے کو تیار ہوں مگر پلیز شادی ابھی ایک سال تک نہیں..... مگر انگیج منٹ سے بھی پہلے میں حنا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

آریان نے چمکتی آنکھوں سے گیند کو دیکھا تھا جیسے دل ہی دل میں خود کو داد دے رہا ہو مگر اس کے ہونٹوں پر آنے والے الفاظ اس نے بڑے عام سے لہجے میں ادا کیے تھے جیسے یہ بڑی معمول کی گفتگو چل رہی ہو۔

''ہاں تو مل لو اُس سے ڈنر پر لے جا سکتے ہو۔''

ارمغان اسی سے خوش ہو گیا تھا کہ آخر آریان نے ناں ناں کا راگ الاپنا تو چھوڑا۔

''نہیں ماننا نہیں ہے میں فون پر بات کر سکتا ہوں اگر حنا کو کوئی اعتراض نہ ہو۔''

****

''حنا بیٹا تمہارا فون ہے۔''

ممی نے اسے آواز دی تھی اور فون اسے پکڑا کر خود چلی گئی تھیں۔

''مجھے کون فون کر سکتا ہے؟''

حنا متحیر سی سوچتی رہ گئی۔

''السلام علیکم.....!''

اس نے دھڑکتے دل سے سلام لیا تھا۔

''وعلیکم السلام..... کیسی ہیں آپ حنا.....؟''

ایئر پیس میں آریان کی مردانہ آواز اُبھری تھی جس نے اُس کے دل کی دھڑکن کو دوگنی رفتار سے چلنے پر جیسے مجبور کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں!''

وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''واقعی ٹھیک ہیں یا پھر صرف کہہ رہی ہیں؟''

مقابل نمایاں جواب سے مطمئن نہ ہوا تھا۔

''آپ نے مناہل سے بات کرنی ہو گی میں اُسے بلا دیتی ہوں۔''

اُس نے جلدی سے کہا مگر اُسے رُکنا پڑا۔

''مجھے آپ سے ہی بات کرنی ہے اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو.....''

''جی!!!''

اس نے تھوک نگلا تھا۔

''آپ کو مجھ سے بات کرنے میں اعتراض ہے حنا؟''

وہ بڑی نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''جی!..... جی نہیں!''

اس کے بے ربط جواب پر وہ مسکرا دیا۔

''آپ ریلیکس ہو جائیں..... میرا یقین مانیے ابھی تک سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ انسان فون کے راستے باہر نکل آئے..... میں اس وقت اپنی آواز ہی آپ تک پہنچا سکتا ہوں۔ اگر آپ اسے بھی روکنا چاہیں تو کال ڈسکنیکٹ کر سکتی ہیں۔''

حنا نے خفت سے سر جھکایا تھا۔

''وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ کون سا فون سے نکل آئے گا۔''

اُس نے اپنی کانپتی ٹانگوں کو پیار کر خود کو تسلی دی تھی اور صوفے پر پُرسکون انداز میں بیٹھ کر گہرا سانس خارج کیا۔

وہ چند لمحے اس کی طرف سے کسی جواب کا منتظر رہا پھر اس نے خود ہی اسے مخاطب کر لیا۔

''آپ جانتی ہوں گی کہ آپ کے اور میرے گھر والے دونوں کی مشترکہ رائے ہے کہ ہمیں شادی کر لینی چاہیے..... میں نے اس بارے میں زیادہ نہیں سوچا اور نہ ہی سوچنا چاہتا ہوں..... کیونکہ شادی تو ایک دن کرنی ہی ہے اور میں جتنا آپ کے بارے میں جان گیا ہوں اس کے مطابق آپ ہر لحاظ سے ایک اچھی لڑکی ہی ثابت ہوئی ہیں..... اور مجھے آپ کے بارے میں کسی بھی بات سے اعتراض نہیں..... ہاں البتہ میں آپ کو اپنے بارے میں ضرور بتانا چاہوں گا کیونکہ مجھ میں کافی قابل اعتراض خامیاں ہیں۔''

وہ تھوڑا سا رُکا پھر شروع سے شروع کرتا ہوا بولا۔

''میں نے اے لیول کے بعد بزنس مینجمنٹ کی تعلیم حاصل کی۔ میرے والد صاحب فوجی

تھے..... اس کے برعکس میرا انٹرسٹ بزنس کی طرف تھا مگر خدا نے میرے لیے شاید کچھ اور ہی پلان کیا ہوا تھا..... میں شوقیہ طور پر سنگنگ کیا کرتا تھا۔ پھر دوست احباب اور اساتذہ کے کہنے پر قسمت آزمائی کی اور اللہ نے کامیابی عطا کی..... فی الحال میرا ذریعہ معاش سنگنگ ہی ہے۔ ہاں کچھ سالوں بعد ہو سکتا ہے کوئی بزنس اسٹیبلش کرلوں مگر فی الحال میں ابھی کچھ وقت اپنے سنگنگ کیریئر کو ہی دینا چاہتا ہوں۔

شریک حیات کے لیے میری کوئی فرمائش نہیں ہے بس میری ماں کی عزت کرنے والی لڑکی چاہیے اور میرے خیال میں آپ سے بڑھ کر بہتر کوئی شریک سفر مجھے نہیں مل سکتی..... مگر میں صرف اپنی بات نہیں کرتا میرے نزدیک آپ کی رضامندی اور خوشی زیادہ قابل احترام ہے..... میں آپ سے اپنے بارے میں کوئی جھوٹ نہیں کہوں گا..... لوگوں کے لیے میں ایک سپر اسٹار ہوں، لوگ آریان واسطی کو پسند کرتے ہیں اور اس سے جڑے لوگوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر بلیوی (Believe me) مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے..... نہ میں اس قابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری اوقات سے بہت زیادہ بڑھ کر نواز دیا ہے، اس بات کا مجھے قدم قدم پر احساس ہوا ہے۔

آپ کا میری زندگی میں آنا بھی میرے لیے ایک نعمت ہے..... میں واقعی خود کو آپ کے قابل نہیں سمجھتا..... آپ جس محبت کی حقدار ہیں وہ محبت میں شاید آپ کو نہ دے پاؤں کیونکہ یہ بازی میں پہلے ہی ہار چکا ہوں..... انوشے وہ واحد لڑکی ہے جس کی میری زندگی میں اتنی ہی اہمیت ہے جتنی خوراک کی۔ وہ میری دوست ہے اور میرے دل نے اُسے بے انتہا چاہا ہے اس حد تک کہ آج بھی اس کی محبت میرے دل میں جوں کی توں موجود ہے..... میں نے اُسے پانے کی کبھی خواہش نہیں کی اور نہ کوشش کی مگر ہاں، خدا سے شکوہ بہت کیا ہے کہ اس نے مجھے سب کچھ دیا سوائے انوشے کی سنگت کے..... میں نے آج تک اُسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے دل میں اُس کے لیے دوستی سے بڑھ کر بھی کوئی جذبہ ہے کیونکہ میں جانتا تھا وہ میری کبھی نہیں ہو سکتی..... اس پر اپنے جذبوں کو آشکار کر کے میں اپنی دوستی کی تذلیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اب شادی شدہ ہے اپنے گھر میں خوش ہے اور میں اُس کی خوشی میں شاداں ہوں۔ مگر میں نے کبھی شادی کے بارے میں سوچا نہیں۔ ہر بار ٹال دیا کرتا تھا۔ آپ کے لیے میں انکار نہیں کر پایا اور نہ کرنا چاہتا تھا..... خدارا! یہ مت سمجھئے گا کہ میں آپ پر ہمدردی جتا رہا ہوں یا ترس کھا رہا ہوں۔ میں اپنی خوشی سے آپ کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہوں..... اگر آپ کو اعتراض ہو تو انکار

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر سکتی ہیں، کوئی زبردستی یا دباؤ نہیں ہے۔ رہی بات انوشے کی تو وہ میری دوست تھی، ہے اور ہمیشہ دوست کی حیثیت سے میری زندگی میں شامل رہے گی اور اس کا جو مقام میرے دل میں ہے شاید وہ بھی وہی رہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لوں یا اپنے ساتھ جڑنے والے اس نئے رشتے کو دل سے قبول نہ کروں..... میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا اپنے بارے میں..... مگر آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں کہ اگر میں آپ سے شادی کرنا چاہوں تو آپ کا جواب کیا ہوگا.....؟"

آریان نے بنا اٹکے دھیمے لہجے میں آہستہ آہستہ سب کہا تھا اور آخر میں اس سے سوال بھی کیا تھا۔ حنا جو ساکت سی دم سادھے سب سن رہی تھی کتنے ہی پل لگے اس کو خود کو بولنے کے لیے تیار کرنے میں۔

"ہاں!"

بے اختیار ہی اس کے لب ہلے تھے۔ اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی۔ آریان کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"My pleasure!...... میں فخریہ کہہ سکتا ہوں کہ میں لکی ہوں۔"

فون بند ہو چکا تھا مگر حنا ابھی تک ریسیور کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

"میں نے ہاں کیوں کہہ دی.....؟"

وہ اپنی بے اختیاری پر حیرانی سے خود سے ہی پوچھ رہی تھی۔

"یہی درست فیصلہ ہے اور بروقت بھی..... مجھے جینا ہے۔ اگر خدا نے زندگی مجھے عطا کی ہے تو مجھے اس نعمت کو احسن طریقے سے نبھانا ہے۔ جو ہوا بے شک وہ میرے لیے قابل فراموش نہیں..... اگر اللہ نے مشکل حالات سے گزارا ہے تو وہ اس سے نکلنے کی راہ بھی تو دکھا رہا ہے۔ اس راہ میں مجھے آریان جیسے سچے انسان کی ہم سفری بھی تو عطا کر رہا ہے..... تو پھر میں کیوں نہ خوشیوں کی طرف قدم بڑھاؤں۔ اپنے دکھوں پر صبر کر کے اللہ کی رضا میں راضی ہو جاؤں۔"

حنا نے جیسے خود کو ہی جواب دیا تھا۔

****

سعد بیڈ پر لیٹا تھا جب نازو نے دروازہ بجایا۔

"صاحب جی چائے لائی ہوں۔"

"آجاؤ!"

سعد نے اسی طرح آنکھیں موندے کہا تھا۔ نازو نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور واپس پلٹ گئی..... دو منٹ بعد سعد نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چائے کا کپ اٹھانے کے لئے سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس کی نظر دروازے کے قریب کھڑی نازو پر پڑی۔

''تم گئی نہیں ابھی تک.....؟''

وہ حیرت سے بولا تھا۔

''وہ صاحب جی مجھے معاف کیجئے گا میں نے آپ کی اور انوشے بی بی کی ساری باتیں سن لی تھیں۔''

نازو نے پلو کو زور سے پکڑتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''تو.....؟''

سعد نے چائے کی چسکی لے کر لاپرواہی سے ابرو اچکائے تھے..... اُس کی نظریں چائے کے کپ سے اُٹھتی بھاپ پر جمی تھیں۔

''صاحب جی مجھے آپ کو وہ سب بتانا ہے جو آپ انوشے بی بی سے جاننا چاہ رہے تھے۔''

''مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے اب..... اس لئے تم جا سکتی ہو۔''

سعد نے روکھے لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن صاحب جی!''

''دیکھو نازو! تم دائی ماں کی بیٹی ہو جن کی میں بہت عزت کرتا ہوں اور اس لحاظ سے تم بھی میرے لیے قابل احترام ہو..... ابھی میں بہت غصے میں ہوں۔ تم یہاں سے چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں کچھ اُلٹا سیدھا کہہ دوں۔''

سعد نے اُس کی طرف دیکھے بنا حتمی لہجے میں کہا تھا۔

''سعد بابا آپ نے جو بھی کہنا ہے کہہ لیں مجھے، مگر آج میں جو کہنے آئی ہوں وہ کہے بنا واپس نہیں جاؤں گی۔ آپ کو میں نے ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھا ہے آج بھی اُسی ناطے سے بات کرنے آئی ہوں۔''

سعد نے نازو پر ایک نظر ڈالی جو وہاں سے ہلنے تک کو تیار نہ تھی۔

اس نے گہرا سانس لیا اور بولا۔

''اچھا! ٹھیک ہے! کہو کیا کہنا ہے۔''

سعد نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ نازو کو کبھی اس نے نوکرانی نہیں سمجھا تھا۔ وہ اور دائی ماں اُن کے گھر کے افراد کا ہی درجہ رکھتی تھیں..... اُس نے آج تک دائی ماں کی کوئی بات نہ ٹالی

تھی اور نازو نے بھی اس کے ہمیشہ بہنوں کی طرح لاڈ اُٹھائے تھے۔

''آج آریان صاحب آئے تھے، آٹھ گارڈز اور ایک سیکریٹری ان کے ہمراہ تھا..... بی بی جی انہیں دیکھ کر بہت خوش تھیں۔''

سعد نے بے چینی سے پہلو بدلا اور چائے کا کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

''جب آریان صاحب نے آپ کے بارے میں پوچھا تو انوشے بی بی نے کہہ دیا کہ آپ کو کسی ضروری کام سے اچانک جانا پڑ گیا ہے..... آریان صاحب کار ڈور تک پہنچ چکے تھے، آپ کی غیر موجودگی کا سن کر انہوں نے اندر قدم تک نہ رکھا۔''

سعد نے چونک کر نازو کو دیکھا۔

''جی! صاحب جی، آپ کی حیرت بجا ہے..... انوشے بی بی بھی اسی طرح حیران ہوئی تھیں۔''

نازو نے اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا تھا۔ سعد نے نگاہیں پھیر لیں۔

''آریان صاحب نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ گھر پر نہیں ہیں تو وہ ہرگز اندر نہیں آئیں گے..... بی بی جی نے بہت کہا کہ آپ کچھ دیر تک آنے ہی والے ہیں مگر وہ نہیں مانے۔''

سعد اب پوری توجہ سے نازو کی بات سن رہا تھا۔

''بی بی جی نے انہیں یہاں تک بھی کہا کہ اگر آپ کو علم ہو گیا کہ مہمان یوں گھر کی دہلیز سے واپس پلٹ گئے تو آپ کو بہت بُرا لگے گا..... پر وہ رُکے نہیں۔ وہ اپنے ساتھ مٹھائیاں اور کچھ تحائف لائے تھے انوشے بی بی نے وہ بھی اندر لانے کو نہیں کہا انہیں سب کچھ واپس لے جانا پڑا..... بی بی جی تب سے ہی بہت پریشان ہیں..... کمرے میں خود کو بند کر رکھا تھا۔ کھانا بھی نہیں کھایا..... آپ آئے ہیں تب وہ آپ کے لئے کھانا گرم کرنے نیچے آئی تھیں..... اُن کے سر میں درد تھا میں نے کئی مرتبہ چائے یا دوا کے لئے پوچھا مگر انہوں نے ڈانٹ دیا۔''

نازو خاموش ہوئی تو سعد کے لئے جیسے پشیمانیوں کے نئے در کھل گئے۔

''آپ بُرا مت مانیے گا سعد بابا، مگر مجھے پورا یقین ہے کہ آریان صاحب نے آپ کی غیر موجودگی سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اُن کا یہاں آنا اور انوشے بی بی سے ملنا آپ کو ناگوار گزرا ہے..... اسی لئے وہ انوشے بی بی کے اتنے اصرار پر بھی گھر کے اندر آئے بنا واپس چلے گئے..... آپ اس بار کچھ زیادہ ہی زیادتی کر گئے ہیں سعد بابا..... دوست تو دوست ہوتا ہے ناں..... پھر چاہے اُس کا تعلق مرد ذات سے ہو یا عورت ذات سے..... آپ کو بھی تو احد صاحب کے آنے پر اتنی ہی خوشی ہوتی حالانکہ آپ کا رابطہ ان کے ساتھ کبھی ٹوٹا بھی نہیں تھا۔ لیکن

بی بی جی تو چار سال سے اپنے دوست سے رابطے میں نہیں تھیں اور اچانک اگر وہ آئے ہیں وہ بھی اتنی بڑی خوشی کے ساتھ، وہ کم از کم ان کی خوشی تو منا سکتیں تھیں..... اتنی دیر بعد ملا دوست ناراض کر دیا آپ نے بی بی جی کا..... آپ نے اچھا نہیں کیا صاحب جی!''

نازیہ پلو سے آنکھیں صاف کرتی باہر چلی گئی۔

''انوشے کے سر میں واقعی درد تھا اور میں سمجھا وہ ناٹک کر رہی ہے.....''

سعد نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی سوچ پر افسوس کیا۔

''آریان کوئی بچہ تو نہ تھا جو کچھ نہ سمجھتا..... اور میں نے بھی تو اتنی غیر اخلاقی حرکت کی..... مجھے گھر پہ موجود رہنا چاہیے تھا، نا معلوم مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ اس فون والے نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ میں وہ کچھ کر گزرتا ہوں جس کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اخلاقیات سے گری ہوئی حرکتیں، جلی کٹی باتیں، طنز کے نشتر، شک یہ سب تو میری ذات کا خاصہ کبھی نہیں تھے تو پھر..... اب کیسے میں یہ سب.....؟

اوہ میرے اللہ.....!''

سعد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''اگر میں انوشے کی جگہ ہوتا تو شاید اپنا سارا غصہ، سارا غبار اسی پہ اتارتا۔ مگر اس نے ایسا کچھ کرنا تو دور کی بات بلکہ میری تلخ اور طنزیہ باتوں کو بھی خاموشی سے سنا تھا اور بنا کوئی شکوہ کیے سب برداشت کر گئی تھی۔ اس نے کھانا تک نہیں کھایا تھا اور میں نے ڈنر کے دوران انوشے کو آریان کے نام پر کتنی تلخ بات سنائی تھی..... ابھی کچھ دیر پہلے میں نے انوشے سے اتنا کچھ کہہ دیا، تخت ست جو منہ میں آیا سناتا گیا..... میں نے انجانے میں اس لڑکی کا اتنا دل دکھایا..... میرے پروردگار مجھے معاف کر دے اور مجھے سچائی کا راستہ دکھا..... میری آنکھوں کو سچ دیکھنے اور میری سماعتوں کو سچ سننے والا بنا دے۔ مجھے کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق کرنا سکھا دے۔ میں ہر بار الجھ جاتا ہوں، میری الجھنوں کو سوائے تیرے کوئی نہیں سلجھا سکتا۔''

سعد بیڈ سے اٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑا ہوا تھا..... اس نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی سے کھلی ہوئی کھڑکی کے شیشے پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگا۔ بظاہر وہ لکیریں اسے نظر نہیں آ رہی تھیں مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ اس کی انگلی اس شفاف شیشے سے مس نہیں ہو رہی۔

''میری لڑکی، روح تک کو زخمی کر دینے والی باتیں اور میرا تلخ رد عمل اسی طرح انوشے

کے دل پر آڑی ترچھی لکیریں بناتا ہوگا..... میرے لہجے کی چبھاہٹ تو اس کے دل پر نقش کر جاتی ہوگی..... اسے میرے تو کیلے الفاظ سے چبھن تو محسوس ہوتی ہوگی، وہ الگ بات ہے کہ بظاہر ایسا کچھ لگتا نہیں اور اس میں اس کا اپنا بہت بڑا ہاتھ ہے..... وہ سب بھلا تو نہیں پاتی ہوگی مگر ہر وقت خود پر سوار نہیں کرتی..... معلوم نہیں اسے یہ عظیم فن کس نے سکھایا تھا..... خاموشی سے سب کچھ اپنی ذات پر جھیل جانے کا فن۔''

سعد نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور کھڑکی سے باہر آدھ پر آسمان کو دیکھنے لگا۔ چاند کہیں بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا مگر پھر بھی مدھم سا نور کا ہیولہ اس کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

''آریان میری غیر موجودگی میں گھر نہیں آیا حتیٰ کہ اس نے اپنی عزیز ترین دوست کو بھی ناراض کر دیا..... میں ایسے شخص پر کیسے شک کروں.....؟ اور انوشے نے بھی تو میرے صبح والے رد عمل کے باوجود آریان کے سامنے میری وکالت کی تو کیا پھر میں ہی غلط ہوں.....؟ بھٹک گیا ہوں.....؟ انوشے کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ انوشے نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے ہر مرتبہ بدگمان ہو جاتا ہوں..... اسد نے میرے سامنے انوشے کی طرف داری کی تو مجھے کتنا دکھ ہوا تھا۔ پھر آج جب آریان نے میری وجہ سے گھر میں قدم نہیں رکھا تو انوشے کو کتنا برا لگا ہوگا..... اتنے سالوں بعد آیا دوست یوں چلا جائے۔''

سعد بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ چائے پڑی پڑی دوبارہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

''سعد پلیز ابھی میں کوئی بھی بات کہنے یا سننے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میرا سر واقعی درد کی شدت سے پھٹ رہا ہے۔''

انوشے کی درد میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں میں دوبارہ گونجی تھی۔ اور ضبط کی آخری حدوں کو چھوتا اس کا سرخ پڑتا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس کا دل تڑپ اٹھا۔ اس نے اس درد کو خود محسوس کیا تھا..... ایک بھی لمحے کی تاخیر کیے بنا وہ انوشے کے کمرے کی طرف بھاگا۔ سعد کے جانے کے بعد انوشے نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور اٹھنے کی کوشش کی مگر درد کی شدت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے سب کچھ گھومتا دکھائی دے رہا تھا..... وہ اپنی پوری طاقت لگا کر بھی اتنی توانائی اکٹھی نہ کر پائی تھی کہ اٹھ کر کمرے میں جا پاتی۔

''میں واقعی بے یقین ہوں انوشے کہ تم میری قربت سے اس قدر وحشت زدہ ہو سکتی ہو کہ رو رو کر مجھ سے دور جانے کی التجا کرو۔''

سعد کی آواز کی گونج اسے ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر اس آواز نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

"تو ٹھیک ہے مسز انوشے سعد تم نے شادی کے بعد گذشتہ چار سالوں میں آج پہلی مرتبہ سعد حسن رضوی سے اتنی شدت سے کسی چیز کی خواہش کی ہے میں چاہوں بھی تو انکار نہیں کر سکتا۔"

انوشے نے اس آواز سے فرار حاصل کرنے کے لئے ایک بار پھر اُٹھنے کی کوشش کی تھی..... بڑی مشکل سے اس نے بار بار آنکھوں کے آگے چھا جانے والے اندھیروں کو پلکیں جھپکا کر دُور کرنا چاہا..... جھولے کا سہارا لے کر وہ اُٹھی اور دو قدم ہی چلی تھی کہ درد کی شدید ٹیس نے جیسے اس کے حواسوں پر حملہ کیا تھا..... وہ وہیں فرش پر ہی بیٹھتی چلی گئی..... چکراتے ہوئے سر کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام کر سنبھلنے کی کوشش کی مگر آنکھوں کے آگے چھائی دھند اندھیرے میں تبدیل ہوتی گئی۔ سعد جب انوشے کے کمرے میں پہنچا تو وہ خالی تھا۔

"اوہ..... تو کیا انوشے اب تک وہیں جھولے پر.....؟"

سعد نے کلائی پر بندھی گھڑی سے ٹائم دیکھا رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ جلدی سے ٹیرس پر آیا۔ سامنے ہی جھولے کے پاس فرش پر ہی پڑی نڈھال سی انوشے کو دیکھ کر جیسے وہ سکتے میں آ گیا۔

"سعد میرے سر میں واقعی شدید درد ہے۔"

انوشے کی آواز ایک بار پھر اس کی سماعتوں میں زندہ ہوئی۔

"تف ہے مجھ پر..... میں نے تب ہی انوشے پر یقین کیوں نہیں کیا۔"

سعد بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا اور زمین پر گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے انوشے کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا اور ہاتھ سے اس کا گال تھپتھپا کر اسے آواز دی۔

"انوشے!..... انوشے! آنکھیں کھولو۔"

"کیا ہوا ہے.....؟ بولو!"

سعد نے اسے کچھ بولنے کے لئے لب وا کرتے دیکھا تو نرمی سے گویا ہوا تھا۔

"سعد!..... میں..... میرا سر..... درد"

کچھ کہنے کی کوشش میں بے ربط الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ انوشے کی حالت اور احساسِ ندامت سے سعد کی آنکھیں بھر آئیں۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا تھا..... پچھلے تین چار گھنٹوں سے انوشے یہاں اس حالت میں بے یار و مددگار پڑی ہے اور

میں.....؟"

سعد نے انوشے کے بالوں کو ہاتھ سے سلجھاتے ہوئے اپنی آنکھوں میں آنے والی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

"انوشے کچھ نہیں ہوگا تمہیں..... اُٹھو میں تمہیں ہاسپٹل لے چلوں۔"

"پانی!"

انوشے کے خشک لب دوبارہ ہلے تھے۔ سعد نے اسے بازوؤں میں اُٹھایا اور کمرے میں لا کر بیڈ پر لٹا دیا..... سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور اس کے قریب بیٹھ کر دوسرے ہاتھ سے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ دو گھونٹ پینے کے بعد انوشے اپنے ہاتھ سے گلاس کو تھام کر پانی پینے لگی۔ اس کا ہاتھ سعد کے ہاتھ پر تھا..... اس کے لمس سے سعد کا دل زور زور سے دھڑک اُٹھا..... مگر انوشے درد کی شدت سے بے سُدھ اس احساس کو شاید محسوس ہی نہ کر پائی تھی۔ پانی پی کر اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ سعد نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اسے لٹا دیا۔

"میں آتا ہوں!"

وہ عجلت کے عالم میں کہتا نیچے چلا گیا۔ فون سٹینڈ سے گاڑی کی چابیاں اُٹھائیں اور انٹرکام سے نازو کو بلاتا واپس اُوپر چلا آیا..... اپنے کمرے سے والٹ اور موبائل اُٹھا کر وہ سیدھا انوشے کے کمرے میں پہنچا۔

"انوشے!..... چلو اُٹھو ہاسپٹل چلیں"

سعد نے اس پر جھک کر اس کے ماتھے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

"مجھ سے نہیں جایا جائے گا۔"

انوشے نے پوری قوت لگائی تھی بولنے میں مگر آواز سرگوشی میں نکلی تھی۔

"میں گھر بلا لیتا ڈاکٹر کو مگر ہاسپٹل چلیں گے تو پراپر (Proper) چیک اپ کروا کر ٹریٹمنٹ ہوگی۔ At least معلوم تو ہوگا کہ اتنا شدید درد کیوں ہے.....؟"

سعد نے اسے سمجھایا تھا مگر وہ ویسے ہی آنکھیں موندے پڑی رہی۔ سعد نے کچھ سوچ کر احد کا نمبر ڈائل کیا وہ اس وقت سارا غصہ اور ساری شکایات جو اسے احد سے تھیں سب بھلائے اسے کال کر رہا تھا۔ مگر اس کا نمبر آف تھا اس نے ہاسپٹل کا نمبر ملایا۔

ریسیپشن پر بیٹھی لڑکی نے فون اٹھایا تو سعد نے احد کے بارے میں دریافت کیا۔

''سر ڈاکٹر احد اس وقت آپریشن روم میں ہیں۔ ایک ایکسیڈنٹ کیس آیا ہے۔''

''او کے تو پھر کسی اور ڈاکٹر سے بات ہو سکتی ہے جو اس وقت آن ڈیوٹی ہو؟''

سعد نے پوچھا تھا۔

''یس سر آپ ہولڈ کریں۔''

''یس ڈاکٹر کامران سپیکنگ!''

دو منٹ بعد ایئر پیس سے آواز ابھری تھی۔ سعد نے اسے انوشے کی موجودہ حالت سے آگاہ کیا اور مشورہ طلب کیا۔

''آپ ایسا کریں اپنی وائف کو پین کلر کھلائیں۔ درد کی شدت کم ہو جائے گی اور جیسے ہی وہ ہاسپٹل آنے کی کنڈیشن میں آ جائیں انہیں فوراً ہاسپٹل لے آئیے۔ جب تک چیک اپ نہیں ہوگا ہم کچھ بھی وثوق سے کہہ نہیں سکتے کہ اس قدر سر درد کی کیا وجہ ہے۔''

''او کے ڈاکٹر کامران..... تھینک یو سو مچ۔''

سعد نے فون رکھتے ہی دراز میں سے پین کلر نکالی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے اندر آنے کو کہا۔

''صاحب جی..... کیا ہوا..... آپ نے اتنی عجلت میں ہمیں کیوں بلایا ہے؟''

نازو ہانپتی کانپتی کمرے میں آئی تھی۔

''انوشے کے سر کا درد بڑھ گیا ہے تم دودھ گرم کرلاؤ۔''

سعد نے مطلوبہ گولیوں کا پتا پکڑتے ہوئے کہا تھا۔ نازو اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔

نازو گرم دودھ لائی تو سعد صوفے پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اسے دیکھ کر بولا۔

''یہ پین کلر انوشے کو کھلا دو اور سر دبا دینا..... درد کم ہوا تو مجھے فوراً بتانا میں ہاسپٹل لے کر جاؤں گا۔''

''جی اچھا!''

نازو نے اس سے گولیوں کا پتا لیا اور انوشے کی طرف بڑھ گئی۔ سعد اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ انوشے کو اس قدر تکلیف میں دیکھنا اس کے لئے کافی سے زیادہ مشکل ہو رہا تھا۔ جب ہاسپٹل پہنچے تو رات کے تین بج رہے تھے..... ڈاکٹر کامران نے انوشے کے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے تھے اس کے ٹیسٹ جاری تھے۔ سعد جینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک اضطراب کے عالم میں باہر ٹہل رہا تھا۔

''مسٹر سعد آپ اور اس وقت یہاں؟ سب خیریت تو ہے ناں.....؟''

احد کے ایک کولیگ نے اسے پہچان لیا تھا۔ سعد اکثر احد سے ملنے ہاسپٹل آیا کرتا تھا۔

''ڈاکٹر زریاب'' سعد نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ''وائف کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ سر میں درد ہے۔ کچھ ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔''

سعد نے تفصیل بتائی۔

''اوہ! جسٹ اے منٹ! میں دیکھتا ہوں ڈونٹ وری۔''

ڈاکٹر زریاب اس کا شانہ تھپتھپاتا ہوا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد وہ ڈاکٹر کامران کے ہمراہ باہر آیا تھا۔

''آپ کی وائف کے تمام ٹیسٹ میں نے اپنی نگرانی میں کروائے ہیں، ابھی کچھ دیر میں رپورٹس آ جائیں گی، میں نے فوری رزلٹس کا کہہ دیا ہے۔ آپ آئیں میرے ساتھ..... مسز انوشے ابھی انڈر آبزرویشن ہیں۔''

ڈاکٹر کامران نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی سیریس بات تو نہیں، ڈاکٹر کامران.....؟''

سعد نے کسی انجانے خدشے سے خوفزدہ ہو کر پوچھا تھا۔

''ارے نہیں مسٹر سعد آپ پریشان نہ ہوں۔ بات سیریس نہیں مگر اہم ضرور ہے۔''

وہ تینوں ڈاکٹر کامران کے کیبن میں آ کر بیٹھ گئے۔

''کہتے ہیں مسٹر سعد کہ اللہ چھوٹی تکالیف دے کر انسان کو بڑی بڑی مصیبتوں سے بچا لیتا ہے۔ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اُس کی حکمتیں انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کتنی بڑی پریشانی سے بچ گئے ہیں۔ ابھی رپورٹس آ جائیں گی تو بات اور واضح ہو جائے گی مگر جہاں تک میرا تجربہ ہے وہ کسی بات پر بہت زیادہ پریشان ہیں یا انہیں کوئی شدید ذہنی جھٹکا پہنچا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو جب سو پرسنٹ کسی چیز کی توقع ہو مگر ویسا نہ ہو تو ایسے میں اُس کا خود پر یقین اور اعتماد بُری طرح ٹوٹتا ہے۔ ایسے میں وہ انسان خود بھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتا ہے۔ اُسے لگتا ہے کہ سب ختم ہو چکا..... کچھ نہیں بچا..... زیادہ تر مریض ایسی سچوایشن میں ہمت ہار جاتے ہیں..... مگر دوسری طرف چند افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیتے۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی بھی کچھ بہتری کی راہ نکالی جا سکتی ہے۔ وہ سب ٹھیک کر سکتے ہیں ان کی یہی خود اعتمادی اور سب اچھا ہو جانے کی

آس انہیں زندگی کی طرف واپس کھینچ لاتی ہے اور وہ شدید قسم کے اٹیک سے محفوظ رہتے ہیں۔عموماً ایسے لوگوں کی پرسنٹیج (Percentage) بہت کم ہے مگر خوش قسمتی سے آپ کی وائف کا شمار انہی دوسری قسم کے افراد میں ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم آج وہ کس قسم کے ذہنی دھچکے سے دوچار ہوئی ہیں مگر میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کی کرم نوازی کے بعد آپ کی وائف کی قوت مدافعت کا بڑا عمل دخل ہے۔ اُن کی خود پر کنٹرول رکھنے کی قوت حیرت انگیز ہے..... اُن کی ول پاور بہت سٹرونگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس شدید قسم کے ذہنی دباؤ سے بہت جلد نکل آئیں۔"

ڈاکٹر کامران بڑے شائستہ انداز میں اُسے سب کہہ رہے تھے۔ سعد وہم سا دھے بیٹھا بہت غور سے انہیں سن رہا تھا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"رپورٹس آچکی ہیں۔"

ڈور بوائے نے فائل ڈاکٹر کامران کو پکڑائی اور واپس چلا گیا۔ ڈاکٹر کامران چند منٹ فائل کا تفصیلی معائنہ کرتے رہے پھر مسکرا کر سعد کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"مسٹر سعد آپ کی وائف کی سبھی رپورٹس کلیئر ہیں کسی پریشانی کی وجہ سے سر میں شدید درد ہوا۔ میں یہ کچھ دوائیں لکھ دیتا ہوں، آپ انہیں کھلائیں وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ انہیں گھر لے جاسکتے ہیں۔"

ڈاکٹر کامران اُسے دوا لکھ کر پکڑاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"او کے تو پھر مجھے اجازت دیجئے۔"

ڈاکٹر کامران نے سعد سے مصافحہ کیا اور باہر چلے گئے۔

ڈاکٹر زریاب جو تب سے خاموش بیٹھا تھا، پُرسوچ انداز میں رپورٹس دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسٹر سعد پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے، انہیں صرف ذہنی پریشانی ہے اور کچھ نہیں۔"

"ڈاکٹر زریاب آپ کا پیغام ملا تھا، آپ نے مجھے ڈاکٹر کامران کے کیبن میں کیوں بلایا.....؟"

احد مصروف سے انداز میں اندر آتے ہوئے بولا تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کی نظر برابر بیٹھے سعد پر پڑی تو کھڑا ہی رہ گیا۔

"سعد تم اس وقت یہاں.....؟ سب ٹھیک تو ہے.....؟"

احد نے بے تابانہ پوچھا تھا۔ سعد کو اپنے اس پیارے دوست پر جی بھر کر پیار آیا جو اس وقت ساری خفگی بھلائے صرف اُس کے لئے پریشان تھا۔ بیچ پر ہوئی تکرار کے بعد سے سعد نے احد سے تقریباً ملنا جلنا ترک کر رکھا تھا اس لئے نہیں کہ وہ ناراض تھا بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی پرسنل

زندگی کے بارے میں کسی سے بھی ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ احد شاید اس بات کو سمجھ گیا تھا تبھی اُس نے اسے سنبھلنے کا وقت دیا تھا۔ مگر اب وہ ساری خفگی بھلائے اس کے لئے پریشان تھا۔ سعد کچھ بھی کہے بنا اٹھ کر اُس کے گلے لگ گیا۔ احد سے مل کر اس کی آدھی پریشانی زائل ہو گئی تھی۔

"تم بیٹھو سعد! اور مجھے بتاؤ تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو.....؟ بھابی تو ٹھیک ہیں.....؟"

احد نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"میں بتاتا ہوں۔ آپ دونوں بیٹھیں!"

ڈاکٹر زریاب نے نرمی سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مسٹر سعد آپ کی وائف نے کسی بات کو خود پر بہت حاوی کر لیا ہے۔ کوئی ایسی بات ہے جو وہ کسی سے شیئر نہیں کر رہیں، جو اندر ہی اندر انہیں پریشان رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے آج اُن کے سر میں اتنا شدید درد ہوا..... اگر لاشعوری طور پر اتنی مضبوط نہ ہوتیں تو نروس بریک ڈاؤن ہونے کے 95 پرسنٹ چانسز تھے۔"

سعد نے تعجب سے ڈاکٹر زریاب کو دیکھا اور احد نے اس سے بھی زیادہ حیرت زدہ ہو کر سعد کی طرف۔

"مگر اب خطرے والی کوئی بات نہیں۔ ایسا صرف ہو سکتا تھا، ہوا نہیں ہے۔ وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔"

ڈاکٹر زریاب نے انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ احد نے میز پر رکھے سعد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اُس کی ڈھارس بندھائی تو ڈاکٹر زریاب انہیں دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ ان کی گہری دوستی سے واقف تھا۔

"آپ دونوں سے بہتر یہ بات کون سمجھ سکتا ہے کہ دوست قدرت کی عظیم نعمت ہوتے ہیں۔ کیوں سعد صاحب! ایک دوست کی تسلی بھری تھپکی یا خلوص بھری ایک مسکراہٹ ہی آپ کی آدھی پریشانیوں کو ختم کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے..... دوست کسی بھی روپ میں ہو سچا ہوتا ہے..... آپ دوستوں ہی کی ہمراہی میں سکون محسوس کرتے ہیں..... انسان اپنے دوستوں سے وہ سب بانٹ لیتا ہے جو وہ کسی دوسرے سے نہیں کر پاتا..... ہر رشتہ اپنی جگہ معتبر ہے مگر ہم دوستی کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے..... میرا مخلصانہ مشورہ تو یہی ہے کہ آپ اپنی وائف کے حلقۂ احباب کو بڑھایئے..... ان کے دوستوں کو گھر انوائیٹ کیجئے، ان کو مل بیٹھ کر باتیں کرنے کا وقت دیجئے۔"

ڈاکٹر زریاب اسے بڑے خلوص سے مشورہ دے رہا تھا۔

”شادی کے بعد لڑکی کی اپنی سوشل لائف بالکل ختم کر دی جاتی ہے۔ ہم مرد حضرات تو پھر بھی دوستیاں نبھاتے رہتے ہیں۔ گھر سے باہر احباب کے ساتھ وقت گزار لیتے ہیں مگر گھر کی بہو، بیوی یا بھابھی کبھی اپنے دوستوں کو بلائے یا خود جانے کی خواہش کرے تو سب کو گراں گزرتا ہے۔ میں کسی ایک کی بات نہیں کر رہا، یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ بہت پڑھے لکھے ماڈرن گھروں میں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ کہنے کو تو ہم نئی صدی کے روشن خیال اور جدت پسند لوگ ہیں مگر آج بھی عورت ذات کے معاملے میں ہم اتنے ہی تنگ نظر ہیں جتنے ہمیشہ سے تھے۔ شادی ہوگئی تو گویا ایک لڑکی کی اپنی ذاتی زندگی پر فل سٹاپ لگ گیا......؟ اس کے سبھی پچھلے ناطے چھڑوا دینے کا آپ کو لائسنس مل گیا؟“

ڈاکٹر زریاب بڑے جذب سے بول رہا تھا۔ سعد نے سر جھکا لیا۔

”آپ کو تو علم ہوگا ڈاکٹر احد ابھی کل ہی جو سوسائیڈ اٹیمپٹ کیس آیا تھا۔ شادی کو صرف تین ماہ ہوئے تھے اور لڑکی نے اپنی کلائی کاٹ لی۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اس پر بھروسہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ تم میرے ساتھ اور میرے گھر کے ساتھ مخلص ہو، اس بات کا کیا ثبوت ہے......؟ تف ہے ایسی ذہنیت پر...... بھلا جب ایک لڑکی اپنا گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی، دوست، رشتہ دار سب کو چھوڑ چھاڑ کر تمہارے پاس چلی آئی...... وہ اور اس کا مستقبل پوری طرح تمہارے رحم و کرم پر ہے، اس سے زیادہ اور کیا ثبوت درکار ہے......؟ معلوم نہیں کب سدھریں گے ہم مرد حضرات۔“

ڈاکٹر کامران نے افسردہ لہجے میں کہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈاکٹر زریاب! ہم مرد ہمیشہ خود کو درست اور عورت ذات کو غلط سمجھ کر خود ہی سزائیں مختص کر دینے کے عادی ہو گئے ہیں، عورت پر حکومت کرنا اپنا حق سمجھنے لگے ہیں۔“

احد نے اس کی بات کی تائید کی تھی۔ تبھی میز پر پڑے فون کی گھنٹی بجی تو ڈاکٹر زریاب نے کال ریسیو کرتے ہی اٹھتے ہوئے کہا۔

”اب مجھے اجازت دیجئے۔ وارڈ میں اس وقت کوئی ڈاکٹر موجود نہیں ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔“

”تھینک یو ڈاکٹر۔“

سعد نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ وہ مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔ جبکہ احد اور سعد انوشے کے پاس چلے آئے۔

****

بہت دنوں کے بعد آج اُسے فراغت کا ایک دن نصیب ہوا تھا۔ کل ہی وہ فرانس سے واپس آیا تھا۔ ایک گانے کی ویڈیو شوٹ کے سلسلے میں وہ ایک ماہ فرانس میں رہ کر واپس لوٹا تو چند دن مکمل فرصت کے گزارنے کی غرض سے فی الحال تمام مصروفیات کو پس پشت ڈال کر وہ خود کو اور اپنی فیملی کو بھرپور وقت دینا چاہتا تھا...... وہ ان دنوں اپنی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہتا تھا مگر شیڈول (Schedule) ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ بمشکل ایک دن ہی نکال پایا...... آج کے دن کے لئے اس نے کچھ خاص پلین کر رکھا تھا۔ شاور لے کر وہ تیار ہوا پھر کچھ سوچ کر اس نے مناحل کے گھر کا نمبر ملایا تھا۔ فون آنٹی نے اٹھایا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ جلد ہی اصل مدعا زبان پر لے آیا۔

”آنٹی! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں آج حنا کو لنچ پر لے جانا چاہتا ہوں۔“

”ہاں بیٹا! کیوں نہیں بلکہ مجھے تو اچھا لگا کہ تم نے ایسا چاہا...... حنا کو بھی تمہارے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل جائے گا۔ میں بلاتی ہوں اُسے تم بات کر لو۔“

آنٹی نے اُسے بلایا تھا۔

”حنا میں آپ کو آج لنچ پر لے جانا چاہتا ہوں...... آپ آج فری ہیں؟“

اس نے بنا کسی لگی لپٹی کے اپنا مقصد واضح کیا۔

”جی!“

اس نے مدھم سا جواب دیا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر میں آپ کو 2 بجے گھر سے پک کر لوں......؟“

آریان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

”جی!“

جواب حسب منشا تھا۔ ٹھیک 2 بجے وہ گاڑی سمیت گیٹ کے باہر موجود تھا۔ گیٹ پہ لگے انٹر کام سے اس نے اندر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی تھی...... تین منٹ بعد ہی حنا گیٹ پر موجود تھی۔ آریان نے نظر بھر کر اُسے دیکھا۔ پہلے دو مرتبہ اس کی ملاقات حنا سے ہوئی تھی اور وہ دونوں بار ہی سفید رنگ پہنے ہوئے تھی۔ آج بھی اس نے پیلا چوڑی پاجامہ کے ساتھ سفید اَنگ قمیض اور سفید بڑا دوپٹہ شانوں پر پھیلایا ہوا تھا...... بالوں کی موٹی سی چوٹی گوندھ کر سفید پونی ڈالی گئی تھی۔ جیولری کے نام پر صرف سفید چھوٹے بندے جو ارمغان نے اسے گفٹ کیے تھے پہنے وہ میک اپ کے نام پر لپ گلوز لگائے اس کے سامنے تھی۔ نجانے کیوں وہ جتنی بار بھی اس سے ملا

اس کی کوئی نہ کوئی بات اسے انوشے کی یاد دلا گئی تھی۔ ''کیا دو لوگ اس حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی سوچ رکھ سکتے ہیں کہ ایک کو دیکھ کر دوسرے کی موجودگی کا گمان ہونے لگے۔''

آریان نے حیرت سے سوچا تھا۔ وہ سلام کرتی خاموشی سے اس کے مقابل آ بیٹھی تھی۔

''وعلیکم السلام!..... بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

آریان نے اُسے سراہا تھا۔ اُسے وہ اتنی سادگی سے تیار ہوئی اچھی لگی تھی اور اس پسندیدگی کو اس نے چھپایا نہیں تھا۔

''شکریہ''

حنا نے بس اتنا ہی کہا تھا۔ گاڑی رینگتے ہوئے مین روڈ پر آئی تھی اور اب اس نے رفتار بڑھا دی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ حنا نے بھی گفتگو کے آغاز کی کوشش نہ کی تھی۔ وہ پہلی بار اُس کے ساتھ یوں کسی آؤٹنگ پر جا رہی تھی مگر نجانے کیوں اجنبیت کا کوئی احساس اس نے محسوس نہ کیا تھا۔ اِدھر آریان کے لیے بھی یہ بات قدرے حیران کن تھی کہ بائیں طرف بیٹھی یہ لڑکی جسے چند دن پہلے تک وہ جانتا نہ تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے یکسر اجنبی اور بیگانے تھے، اس کے ساتھ وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے یوں اکٹھے لنچ، ڈنر پر باہر آنا ان کا معمول ہو۔ مطلوبہ ہوٹل کے پارکنگ میں گاڑی روک کر وہ دونوں باہر نکلے تھے۔ یہ آریان کا پسندیدہ ہوٹل تھا اور یہی وہ واحد ہوٹل تھا جہاں وہ اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ جب سے اس نے مشہور و معروف شخصیت کی حیثیت اختیار کی تھی ایک یہی وہ جگہ تھی جہاں وہ آزادی سے اِدھر اُدھر گھوم سکتا تھا۔ ورنہ باقی پبلک پلیسز (Public places) پر سرِ عام جانا اب اس کے لیے خاصا دشوار تھا۔ اس کی پرسنل زندگی اب پرسنل نہ تھی۔

''السلام علیکم سر!''

گیٹ کیپر (Gate keeper) نے مؤدبانہ سلام کر کے دروازہ کھولا تھا۔ آریان کے ساتھ لڑکی کو دیکھ کر وہ چونکا تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک ویٹر ان کی طرف لپکا تھا۔

"Good Noon Sir"

حنا کو لگا جیسے آریان کے ساتھ اس کی موجودگی سے وہ بھی ٹھٹکا تھا۔

"Good Noon"

آریان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''سر آپ کا مخصوص میز خالی ہے۔''

اس نے خوش آمدید لہجے میں کہا تھا۔ آریان سر ہلا کر اسے لیے اس طرف بڑھا۔ وہ قدرے الگ تھلگ میز تھا۔ گلاس وال سے باہر نظر آتا سوئمنگ پول بڑا دلکش منظر پیش کر رہا تھا..... مدھر سے سُر پورے ہال کو خوابناک بنا رہے تھے۔ آریان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی حنا نے ایک نظر خاموشی سے آریان پر ڈالی جو اُسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''آپ کو معلوم ہے حنا! یہ واحد جگہ ہے جہاں میں ہمیشہ اکیلا ہی آتا ہوں اور اکثر آتا ہوں۔ اسی میز پر اکیلے بیٹھ کر کتنی بار لنچ اور ڈنر کیا ہے، مجھے یاد بھی نہیں۔ آپ وہ پہلی لڑکی ہیں جسے میں یہاں لایا ہوں اسی لیے ویٹر اور گیٹ کیپر حیران تھے۔''

''اوہ!''

حنا نے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

''حنا! جتنا میں خود کو جانتا ہوں اگر یہاں کسی کے ساتھ آنے کا سوچتا تو یقیناً پہلا خیال مجھے انوشے کا ہی آتا۔ آج آپ کو لنچ کروانے کا ارادہ کیا تو گھر سے آپ کو پک کرنے تک بھی میرا ارادہ یہاں آنے کا نہیں تھا مگر نجانے کیسے میں آپ کو یہاں لے کر آنے سے خود کو روک نہیں پایا..... بالکل غیر ارادی طور پر ہی اس ہوٹل پہنچا ہوں۔''

وہ اب باہر دیکھ رہا تھا اور حنا اسے۔

''آپ بہت چاہتے ہیں ناں انوشے کو.....؟''

حنا کے لہجے میں نجانے کیا تھا آریان بس اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

''یہ محبت ہوتی ہی ایسی ہے..... جب انسان کو اس کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا تب پیچھے پیچھے بھاگتی ہے اور جب اس کے بنا جینا دشوار ہونے لگتا ہے تب پلو چھڑا جاتی ہے..... ایسا کیوں ہوتا ہے؟''

وہ بچوں کی سی معصومیت لیے پوچھ رہی تھی۔ آریان کو لگا جیسے اس کا سامنا دنیا کے مشکل ترین سوال سے ہوا ہو۔ آریان زخمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کچھ دیر میز کی شفاف سطح کو گھورتا رہا پھر اس کی سمت دیکھ کر بولا:

''اس سوال کا شمار ان سوالات میں ہے جن کے جوابات شاید قدرت نے اپنے ہی پاس رکھے ہیں۔ ان کے اسرار تک کسی ذی روح کی رسائی ممکن نہیں رکھی..... انسان تو بس سوال کر سکتا ہے یا پھر اپنی سوچ، علم اور تجربے کی بنا پر قیاس آرائیاں کر سکتا ہے۔''

''آپ ٹال رہے ہیں۔''

حنا نے کہا تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''اچھا! آپ کو ایسا لگتا ہے؟''

''ہاں!..... بالکل کیونکہ جواب اگر موجود نہ ہوں تو ڈھونڈنے بھی تو جا سکتے ہیں۔''

حنا نے بنا جھجکے کہا تھا۔

''او کے! اگر ایسی بات ہے تو آپ میرے چند سوالات کا جواب دیں گی؟''

آریان نے مزا لیتے ہوئے کہا تھا۔ حنا نے چونک کر اسے دیکھا پھر نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''کوشش کروں گی!''

''ٹھیک ہے تو پھر کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں پھول بہار میں ہی کیوں کھلتے ہیں خزاں میں کیوں نہیں؟''

وہ بڑی دلچسپی سے اس کی طرف اپنا پہلا سوال اُچھال کر اب اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس سوال کی سائنسی توجیح موجود ہے اور مجھے پورا یقین ہے آپ اس سے واقف ہوں گے مگر ہر سوال کا انسانی سوچ اور خیالات سے بھی یقیناً گہرا تعلق ہوتا ہے اور میں غلط نہیں تو آپ میری سوچ کے دھاروں کو پڑھنا چاہتے ہیں تاکہ اندازہ لگا سکیں کہ میں کس حد تک فلسفیانہ خیالات رکھتی ہوں۔''

حنا نے مدھم سی مسکراہٹ لیے جیسے اس کی چوری پکڑی گئی تھی وہ ہنس دیا۔

''اب آپ جان ہی چکی ہیں تو یہی سہی!''

حنا خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

''میں بہار کے موسم کو ہمیشہ خوشیوں کے زور سے تشبیہ دیتی ہوں اور پھولوں کو خوشیوں سے۔ رنگ، خوشبو اور رونقیں ہمیشہ اسی وقت دل کو بھاتی ہیں جب ہم خوش ہوتے ہیں۔ رنگ برنگے پھول موسم بہار کا ہی خاصہ ہیں اور اسی موسم میں اچھے لگتے ہیں۔ دکھ کا موسم خزاں جیسا ہوتا ہے کچھ بھی من کو نہیں بھاتا۔ ایسے میں اگر رنگ برنگے پھول نکل آئیں تو محرومیوں کا احساس دوگنا ہو جائے۔''

حنا نے اپنا جواب مکمل کر کے آریان کو دیکھا تھا جو بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ تھا..... اس کے خاموش ہوتے ہی وہ سر ہلا کر اپنے اگلے سوال کی طرف بڑھا۔

''چاند ہمیشہ تنہا رات میں ہی کیوں چمکتا ہے؟''

''اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے چاند کو رات میں چمکنے والا بنایا..... یہی تو رات کے اندھیروں میں روشنی کی وہ واحد کرن ہے جو شب کی تنہائی میں جب اپنے پیارے تمام منہ موڑ کر سو جاتے ہیں یہاں تک کہ ہر وقت سنگ رہنے والا سایہ بھی تاریکی آتے ہی ساتھ چھوڑ جاتا ہے ایسے میں اگر چاند کا مہربان ساتھ بھی نہ ہو تو انسان کا تو دم ہی گھٹ جائے..... اپنوں کی بے وفائی اور دوری کے سبب نیند جب آنکھوں کا مسکن خالی کر جاتی ہے اور بارہا بلانے پر بھی واپس آنے کو تیار نہیں

ہوتی تو ایسے میں یہی چاند ہی تو ہے جو شب بھر اداسیوں کو ہمارے ساتھ بانٹتا ہے، ایک ہمراز کی طرح ہماری باتیں آنکھوں سے پڑھ لیتا ہے۔ چاند ہزاروں میل دور ہمارے کسی بہت ہی اپنے کی نظروں کو ہماری نظروں سے ملانے والا ایسا پلیٹ فارم بن جاتا ہے جو رات کی اداسی میں حالات کے جبر و ستم سے ہارے انسانوں کو اُمید کی روشن راہ دکھاتا ہے۔ دُنیا جتنی چاہے کوشش کر لے دُوریاں پیدا کرنے کی، آپ اپنے اُس پیارے کی نگاہوں کو اپنی نگاہوں سے ملا سکتے ہیں اس چاند کو مرکز بنا کر کیونکہ چاند تو ہر جگہ وہی نظر آتا ہے چاہے آپ میں میلوں کا فاصلہ ہو۔ آپ ایک دوسرے کو براہِ راست نہیں تو اس روشن ثاقب کے توسط سے تو محسوس کر ہی سکتے ہیں۔ اس طرح چاند قریب ہونے کا احساس دیتا ہے اور دُوریوں کا کرب کم ہو جاتا ہے۔''

حنا نے اگلے سوال کے لئے آریان کی طرف نگاہیں اُٹھائی تھیں جو بہت توجہ سے اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ کو زبی سے چن رہا تھا۔

''جب سورج ایک ہے اور اپنی مخصوص سمت میں طلوع و غروب ہوتا ہے تو گرمیوں میں اس کی تپش باعثِ تکلیف کیوں ہوتی ہے اور سردیوں میں باعثِ سکون کیوں؟''

آریان نے اب کی بار سوال بڑی سنجیدگی سے کیا تھا۔

''گرمیوں میں سورج کی تپش اس لیے بیزار کن ہوتی ہے کیونکہ وہ ان چاہی ہوتی ہے۔ انسان سخت حالات کا مارا گرمی سے بے حال ہوتا ہے۔ وقت اور حالات کے بے رحم تھپیڑوں کو سہہ سہہ کر نڈھال ہوتا ہے ایسے میں سورج کی تپش اسے زیادہ متاثر کرتی ہے اور گراں گزرتی ہے جبکہ سردیوں میں یخ بستہ ماحول میں سورج کی گرم کرنیں اسے تقویت دیتی ہیں۔ اس کے لئے سورج کی تپش حسبِ ضرورت، حسبِ منشا ہوتی ہے وہ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے کہ جتنی چاہے تاپے۔ وہ زبردستی دھوپ کو برداشت کرنے پر مجبور نہیں ہوتا کیونکہ مجبوری تو بہر حال مجبوری ہوتی ہے اس میں انسان کبھی بھی پُرسکون نہیں رہ سکتا۔''

"Nice Very Nice."

آریان نے بے اختیار اسے سراہا تھا۔

''آپ تو اچھی خاصی گہری سوچ رکھتی ہیں۔''

''شکریہ!''

اس نے داد وصول کی تھی۔

''ایک آخری ندعا! میں اُس کے بارے میں بھی اب آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں اگر آپ کو

اعتراض نہ ہو تو....."

آریان نجانے کیوں خود کو رُکنے نہیں پایا تھا ایک اور سوال کرنے سے۔ شاید لاشعوری طور پر ہی وہ اس کی انوکھی سوچ کو پڑھتے جانا چاہتا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا حنا ایسے ہی بولتی جائے اُن عام سے سوالوں کے خاص خاص جواب دیتی جائے اور وہ سنتا رہے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

وہ مسکرائی تھی۔

"پانی کو حرارت دی جائے تو وہ بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل کیوں ہو جاتا ہے پہلے جیسا کیوں نہیں رہتا؟"

"پانی شاید ہمارے لیے اُن لوگوں کی مانند ہے جنہیں ہم اپنی زندگی میں بہت عزیز سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیے اُن کا ساتھ بہت اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ ہمیں وہ ہمارے جسم میں خون کی مانند گردش کرتے محسوس ہوتے ہیں جنہیں ہم کبھی بھی کھونا نہیں چاہتے اسی لیے ہمارا ہر احساس ان کے لئے خاص ہوتا ہے۔ ہمارے جذبوں کی شدت ان کے لیے انوکھی ہوتی ہے تبھی شاید وہ ان کی حرارت سے متاثر بھی اُسی شدت سے ہوتے ہیں۔ وہ خود کو ہمارا مقید سمجھنے لگتے ہیں ہمارا پابند گردانتے ہیں اور اسی قید سے رہائی کے لئے وہ ہمارے ہی جذبوں کی حدت سے خوفزدہ ہو کر بدلنے لگتے ہیں اور ہم سے دُور ہوتے ہوتے دنیا کی بھیڑ میں گم ہو جاتے ہیں اور ہم بے یقینی کے عالم میں اُن کو بس دُور بہت دُور جاتا دیکھتے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنے پاس روکنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔"

وہ اب میز پر دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی..... اپنی بات کے اختتام پر اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں یا شاید آریان کو ایسا محسوس ہوا تھا۔

یہ دھان پان سی لڑکی جس نے کم عمری میں ہی اتنی زیادہ زندگی جی لی تھی کہ اس کی باتوں سے حقیقت کی تلخیاں جھلکنے لگی تھیں..... یہ عمر ابھی خواب بننے کی عمر تھی، ندی کنارے بیٹھ کر جھرنوں سے گرتے پانی کی مدھم لے کو سننے کی عمر تھی..... تتلی کی مانند پھول پھول اُڑ کر خوشبو چرانے کی عمر تھی۔ مگر اس کی زندگی میں ایسا موسم آن ٹھہرا تھا کہ وہ تلخ حقیقتوں کی باتیں کرنے لگی تھی..... اذیت بھری کٹھن راہوں سے گزر کر کانٹوں جیسی چبھتی باتیں۔

"میں آریان واسطی اگر آج سے پانچ سال پہلے والا کھلنڈرا سا نوجوان ہوتا تو شاید اُسے خبطی، فلسفی یا جذباتی سمجھ کر اس کی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتا مگر اب میں چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتا..... اُس کی باتوں کی صداقت کو میرے دل نے محسوس کیا تھا۔"

ویٹر ڈرنک رکھ کر کب کا جا چکا تھا مگر وہ دونوں باتوں میں اتنے کھوئے کہ وہ پڑا پڑا گرم ہو گیا تھا۔

"سر کچھ اور چاہیے.....؟"

ویٹر کی آواز نے انہیں چونکایا تھا۔

"آپ کیا لیں گی حنا.....؟"

آریان نے نرمی سے اُسے پوچھا تھا۔ جواب حسب توقع ہی تھا۔

"جو آپ آرڈر کریں۔"

آریان نے خود ہی آرڈر دیا تھا اور پھر کھانا آنے تک وہ دونوں خاموش ہی رہے۔

"حنا ایک بات تو بتائیں۔"

آریان نے اپنا لہجہ سرسری سا بنایا تھا۔

"آپ کو میں آج تیسری بار دیکھ رہا ہوں اور تینوں بار آپ سفید رنگ پہنے ہوئے تھیں..... یہ اتفاق ہے یا.....؟"

اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی تھی۔ حنا مسکرا دی۔

"پتا نہیں۔ میں نے خیال ہی نہیں کیا تھا..... مجھے سفید رنگ بہت پسند ہے۔ شفاف، اُجلا، پاکیزہ سا جو ہر رنگ کے ساتھ ہی جچ جاتا ہے۔ اور اس کی یہی خوبی مجھے بے حد بھاتی ہے۔"

وہ اسے اس طرح بتا رہی تھی جیسے ہمیشہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کرنے کے عادی رہے ہوں۔ کسی قسم کا تکلف، غیر جانبداری اور اجنبیت کا احساس بھی اُن میں نہ تھا۔

"اور آپ بھی تو پہلے دن آف وہائٹ ٹوپیس میں تھے پھر آپ مجھے سفید شرٹ میں نظر آئے اور آج بھی ذرا خود کو ملاحظہ کریں آپ سفید کوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہے یا.....؟"

حنا نے اسی کے لہجے میں مسکراہٹ دبا کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ آریان کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"اصل میں سفید رنگ میرا لکی چارم بن گیا ہے۔ اس رنگ کی وجہ سے مجھے بہت کچھ دیا ہے اللہ نے اور کہیں نہ کہیں میں اب یہ بھی دعویٰ کر سکتا ہوں کہ مجھے اس رنگ سے محبت ہو گئی ہے۔"

"بہت عجیب شخص ہیں آپ.....؟"

حنا نے کہا تھا۔

"اچھا......؟ ذرا اپنے اس تبصرے پر روشنی ڈالنا پسند کریں گی......؟"

آریان کو اس سے گفتگو میں مزہ آرہا تھا۔

"انسانوں سے محبت کرتے ڈرتے ہیں آپ اور اگر بالفرض ہو بھی جائے تو اظہار نہیں کرتے اور رنگوں سے محبت کا اظہار کرنے میں اتنی فراخ دلی......؟"

وہ اب مزے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بھئی میں تو ایسا ہی ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔ پھر کھانے کے دوران وہ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ دو گھنٹے کس طرح گزرے انہیں احساس بھی نہ ہوا۔ جب وہ لوگ ہوٹل سے نکلے تو سوا چار ہو رہے تھے۔

"آئس کریم کھائیں گی؟"

آریان نے سیٹ بیلٹ باندھتی حنا سے پوچھا تھا۔

"جی!"

وہ انکار نہیں کر پائی تھی۔

"آپ کو پتا ہے میں ابو کے ساتھ جب بھی کہیں باہر جاتی تو اپنا پسندیدہ فلیور کھانا نہیں بھولتی تھی اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ میرا مطلوبہ فلیور نہیں ملا میں نے وہ ہنگامہ کیا کہ کیا بتاؤں۔ پھر ابو نے نجانے کہاں سے......"

وہ اپنی ہی دھن میں بولی تھی۔ متحیر سے آریان کی اشتیاق بھری مسکراتی نظریں خود پر جمی محسوس کیں تو بات ادھوری چھوڑ کر نظریں جھکا گئی۔ اسے اپنی بے خودی پر حیرانی ہوئی تھی۔

"چپ کیوں ہو گئیں حنا......؟"

آریان نے نرمی سے پوچھا تھا پھر سر جھٹک کر بولا۔

"اچھا آپ یہ بتائیں آپ کا فیورٹ فلیور کونسا ہے؟"

اس نے نارمل سے انداز میں دوستانہ رویہ اپنایا تھا۔

"مجھے چاکلیٹ فلیور بہت پسند ہے جبکہ اسٹرابیری فلیور بالکل بھی اچھا نہیں......"

"اُف!"

اچانک ہی اس نے دانتوں تلے زبان دبائی تھی۔ بے دھیانی میں ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے آریان کو دیکھا۔ کسی کے سامنے اس کی پسندیدہ چیز کو ناپسندیدہ قرار دیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

جائے وہ بھی اتنے دھڑلے سے تو اسے بُرا تو لگے گا ہی...... مگر آریان کے چہرے پر تعجب سی چمک بھری گہری مسکراہٹ تھی جس میں ناراضگی کا شائبہ تک نہ تھا۔

"اور میں نے آپ کو اُس دن اسٹرابیری فلیور ہی کھلایا تھا۔"

وہ خفت سے بولا تھا۔

"جی اور مت پوچھیے میں نے کیسے اُسے کھایا تھا حلق سے اُتر ہی نہیں رہا تھا۔"

حنا نے کہا۔

"اور میں سمجھا آپ میری وجہ سے جھجک رہی ہیں۔"

آریان ڈوبدو بولا تھا۔ وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ہوا میں دونوں کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔ آریان نے آئس کریم پارلر جانے کی بجائے ایک طرف گاڑی روک کر آئس کریم وہیں منگوائی تھی۔

"آپ کو میرے ماضی سے کسی قسم کا اعتراض نہیں......؟ آپ کو واقعی فرق نہیں پڑتا کہ میں شادی شدہ تھی......؟"

حنا کے چہرے پر وہی پتھروں جیسی بے حسی اور سختی در آئی تھی۔ وہ جس خول سے پل بھر کو نکلی تھی اب اسی میں جا چھپی تھی۔ آریان سنجیدگی سے گاڑی میں لگی چابی سے لٹکتی کی رنگ (Key Ring) کو دیکھتا رہا پھر بولا تو لہجہ انتہائی نرم تھا۔

"حنا جب دو لوگ سچے دل سے اور تمام تر سچائیوں اور حقیقتوں کو ساتھ لے کر ایک دوسرے کی طرف قدم بڑھائیں تو ماضی چاہے جتنا بھی تلخ ہو اور ناقابل فراموش تصور کیا جاتا ہو اسے بھلانا مشکل نہیں لگتا اور اگر بالفرض بھلایا نہ بھی جاسکتا ہو تو نظر انداز تو کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح آنے والی زندگی کی جان لیوا صعوبتیں راہ کی دیوار نہیں بنتیں۔ آپ کے ساتھ جو ہوا وہ شاید قسمت کا لکھا تھا...... ہو کر ہی رہنا تھا اور ہمارا ملنا بھی تو قسمت نے ہی طے کیا ہے ناں...... ہم قدرت سے لڑ نہیں سکتے...... ہاں اُس کی نہ سمجھ میں آنے والی حکمتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین تو کر سکتے ہیں۔ اس یقین سے پُرسکون زندگی کا نیا سفر شروع کر سکتے ہیں کہ اللہ نے جو کیا ہو سکتا ہے ہماری نظر میں نہ آئی ہو مگر بھلائی تو بہرحال اُس میں بھی ہو گی ہمارے لیے اور جو ہوگا وہ بھی بھلا ہی ہوگا...... اور جب ساری ڈوریں اُسی ذات کے ہاتھ میں ہیں تو پھر ہم ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا کر سزا کیوں دیں...... میں نے آپ کے ساتھ حال میں جینا ہے اور مستقبل کی طرف قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔ آپ کے ماضی میں جا کر نہیں رہنا اس لیے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں

جو ہو چکا ہے..... ہاں حال میں، آپ کے آج میں، میں خود کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو اس مقام پر لانا چاہتا ہوں جس کی آپ حقدار ہیں۔ انوشے سے بھلے ہی مجھے محبت ہوئی اور شدید ہوئی میں مانتا ہوں۔ اگر اُس وقت میرے حالات یہ ہوتے جواب ہیں تو شاید میں اُسے اپنانے کی کوشش بھی کرتا مگر آج کی بات کروں تو وہ میرا پہلا پیار ضرور ہے..... مگر میری زندگی سے دور اس کی الگ دنیا ہے جس میں وہ خوش ہے، کامیاب ہے..... میں پھر سے پیار کرنا چاہتا ہوں..... جیسے کوئی پرچہ دینے سے پہلے کی تیاری میں سبق ریوائز کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح انوشے سے محبت شاید میری ٹریننگ تھی جبکہ اصل امتحان تو اب آیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس انوکھے امتحان کی تیاری کے لئے کی گئی ٹریننگ میں جو اذیتیں میں نے برداشت کیں وہ میرے کتنا کام آتی ہیں۔“

وہ آخر میں شرارت سے کہہ گیا تھا۔

”اگر آپ اسی طرح اپنی ٹریننگ کو ہی یاد کرتے رہے تو امتحان میں کچھ بھی لکھ نہیں پائیں گے“

حنا نے بھی شرارت سے اسے جتایا تو آریان نے اس کی بامعنی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

”جب پرچہ اتنا دلکش ہوگا تو میرا نہیں خیال کہ ٹریننگ کو بار بار یاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔“

اس کے جواب پر حنا بھی ہنس دی۔ وہ دونوں حقیقی معنوں میں آج دل سے ہنسے تھے۔ ساتھ گزارے ان لمحات کو انہوں نے واقعی متاعِ حیات کی طرح سمیٹا تھا..... ماضی کی محرومیوں پر صبر کرنے والوں کو اللہ نے بہت میٹھا پھل دیا تھا جسے پا کر وہ شاداں تھے۔ وہ لانگ ڈرائیو پر نکل آئے تھے اور اب راہ چلتے لوگوں اور سڑک کنارے لگے اِکا دُکا ٹھیلوں پر کھڑے گول گپے، آئس کریم، بھٹے کھاتے اور شربت پیتے لوگوں پر تبصرے کر کے ہنس رہے تھے۔ اچانک ہی حنا کی نظر ایک جگہ تھم سی گئی تھی۔

”آ..... ریا..... ن..... گاڑی روکیں۔“

وہ یکدم چلائی تھی۔

آریان نے فوراً بریک لگا دی۔ گاڑی کے پہیے اس اچانک مداخلت پر چرچرائے تھے۔

”کیا ہوا حنا.....؟“

آریان نے اس کے لٹھے کی مانند سفید پڑتے چہرے اور آنکھوں میں چھائی سرد مہری کو

تشویش سے دیکھا تھا۔ اس کے گود میں رکھے ہاتھوں کی کپکپاہٹ آریان بنا چھوئے محسوس کر سکتا تھا۔

”حنا کیا ہوا ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک.....؟“

آریان کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ حنا سُنی اَن سُنی کرتے بجلی کی سی تیزی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر لمحوں میں گاڑی سے باہر نکلی اور پیچھے سے آتی گاڑیوں کی پرواہ کیے بغیر سڑک عبور کر گئی تھی۔ کئی گاڑیوں نے بمشکل بریک لگائے تھے۔ پہیوں کی چرچراہٹ سے فضا گونج گئی تھی مگر وہ وحشت کے عالم میں ایک ٹھیلے کی جانب بھاگ رہی تھی۔ گاڑی سے نکلتے اور سڑک عبور کرتے اُس کے چہرے کے تاثرات بالکل برف کی سِل کی مانند سرد اور سخت تھے..... خود فراموشی کے عالم میں وہ ٹھیلے کے قریب کھڑے ایک شخص کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر یکدم چونکا تھا۔ پھر آریان نے اس شخص کے چہرے پر پہچان کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تھے۔

”یعنی وہ حنا کو پہچان گیا تھا مگر وہ تھا کون اور حنا نے اِسے دیکھ کر ایسے ری ایکٹ کیوں کیا.....؟“

آریان متحیر سا ساکت وجود لیے وہیں بیٹھا سب دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حنا نے اُس شخص کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا..... پھر ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اس نے اس شخص کے چہرے پر تھپڑوں کی بھرمار کر دی تھی۔ آریان بدحواسی میں گاڑی سے باہر نکل آیا..... اردگرد لوگ دائرے کی شکل میں جمع ہو کر بنے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ اتنے محو تھے کہ آریان کی جانب کسی نے شاید دھیان ہی نہ دیا تھا۔

”تم..... تم نے مجھے برباد کر دیا..... تم قاتل ہو میرے ماں باپ کے..... قتل کیا ہے تم نے اُن کا..... میری بربادی کے ذمہ دار بھی تم ہو..... جیتے جی مار ڈالا مجھے تم نے..... جھوٹ کہتے تھے تم کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں عشق ہے۔ کیا ایسا ہوتا ہے عشق؟ نفرت ہے مجھے تم سے شدید نفرت..... میرا بس چلے تو مار ڈالوں تمہیں مگر میں تمہاری طرح ظالم نہیں ہوں۔ میں کسی کا قتل نہیں کر سکتی، میں کسی سے بدلہ نہیں لے سکتی..... میرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے میں نے اُسے اپنا وکیل وکارساز مانا ہے، وہی فیصلہ کرے گا..... تم نے کیا فیصلہ کیا مجھے طلاق دے کر تم سمجھتے ہو بہت بڑا فیصلہ کیا ہے تم نے.....؟ فیصلہ تو وہ ذات کرے گی اُس فیصلے کے دن۔ پھر جائیں گے سب کہ سچا کون تھا، جھوٹا کون تھا، قاتل کون تھا، ظالم و مظلوم کا فیصلہ ہوگا اور سزا و جزا کا بھی.....“

وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ تھپڑوں اور گھونسوں سے اُس نے اُس شخص کا منہ سرخ کر ڈالا تھا..... اس کے ہونٹ سے خون بھی بہنے لگا تھا مگر وہ اسی طرح اس پر چنگھاڑ رہی تھی۔ آریان

بت بنا بس انہیں دیکھ رہا تھا۔ حنا نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گئی...... تب اُس شخص نے اپنا جھکا ہوا سر اُٹھایا تھا۔ دیکھنے میں وہ اچھا خاصا خوبرو انسان تھا مگر حنا نے چند پلوں میں اُس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اتنا مضبوط جسم کا مالک انسان چپ چاپ اُس سے تھپڑ کھاتا رہا تھا اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی تھی اور نہ ہی حنا کو روکا تھا۔ وہ خود بھی اس کے پاس زمین پر بیٹھتا ہوا بولا!

''حنا...... میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کر دو حنا پلیز...... میں بہت تکلیف میں ہوں۔ اللہ نے مجھے تمہارے ساتھ کیے گئے ظلم کی سزا دی۔ جب سے تم گھر سے آئی ہو تب سے ہمارے گھر میں جیسے خدا کا عتاب نازل ہو رہا ہے۔ پہلے تو ابو پر فالج کا اٹیک ہوا، پھر شہلا کے شوہر نے شادی کے چند ماہ بعد ہی اُسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا ہے، وہ نہ اُسے لینے آتا اور نہ طلاق دیتا ہے۔ پھر امی کے کینسر کی خبر ہم پر پہاڑ بن کر گری۔ اُن کا کینسر اندر ہی اندر اُن کو کھاتا جا رہا ہے...... کوئی دوا اثر نہیں کرتی۔ موت کو قریب دیکھ کر وہ دن رات روتی رہتی ہیں اُن کی آہ و بکا میں صرف تم ہو جسے وہ یاد کرتی ہیں۔ اُنہوں نے تم پر لگائے گئے اپنے تمام الزامات کو قبول کر لیا ہے۔ تم پر جھوٹا بہتان لگا کر انہوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں تم کو طلاق دے کر گھر سے نکال دوں...... تب میری آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ حنا مجھے وہی نظر آتا جو امی دکھاتیں۔ میرا قصور ہے کہ میں نے تم پر اعتماد نہیں کیا۔ مجھے مار دو حنا! جان سے مار ڈالو مجھے۔ کم از کم مجھے سکون کی موت تو آئے اور اس تکلیف دہ زندگی سے چھٹکارا ملے...... میں نے دوسری شادی کی تھی مگر تمہاری یادیں اور تمہارے ساتھ کیے گئے مظالم نے مجھے اتنا بے چین کر دیا تھا کہ کسی دوسری عورت کا وجود کھٹکتا تھا مجھے...... وہ کب تک یہ سب برداشت کرتی...... چلی گئی مجھے چھوڑ کر۔ تم مجھے معاف کر دو میں مجرم ہوں تمہارا...... میرا گناہ معافی کے قابل تو نہیں مگر تم تو ظرف والی ہو ناں تم معاف نہیں کرو گی تو اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا...... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، پیر پکڑتا ہوں خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو...... تم میرے سکون کے لئے دُعا کرو حنا! اللہ مجھے سکون دے دے۔''

وہ اس کے آگے گڑگڑا رہا تھا...... رو رو کر معافی کی التجا کر رہا تھا...... وہ کیا معاف کرتی، اللہ کی حقیر سی بندی تھی...... اگر اتنی با اثر ہوتیں اُس کی دعائیں تو خود کے لئے کی گئی دعائیں قبول ہوتیں...... وہ گنہگار تھی ایک عام سی لڑکی جس نے اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا اور خود وہ بری الذمہ ہو گئی تھی ہر ذمہ داری سے۔ وہ اب بھی اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ تھام کر اپنے چہرے پر مار رہا تھا۔ حنا نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھا۔ وقت نے اُسے بہت بدل دیا تھا مگر وہ ابھی سے گھبرا گیا تھا۔ وہ بھی ایک دن اِسی طرح اس سے اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگتی رہی تھی مگر اُس نے بے رحمی کی انتہا کرتے ہوئے اسے دھتکار دیا تھا اور آج خود اُس مقام پر آ چکا تھا۔ ضمیر کے ہاتھوں زخم کھائے پشیمان تھا...... خدا کی بے آواز لاٹھی اپنا وار کر چکی تھی اور وہ پچھتاووں میں گھرا خالی داماں شدتِ درد سے بلبلا رہا تھا۔

''جاؤ! میں نے معاف کیا تمہیں۔ تمہاری ماں کو بھی معاف کیا...... تمہارے باپ کی طرف سے بھی دل صاف کر لیا میں نے...... اگر تم یہی سمجھتے ہو کہ میرے اتنا کہہ دینے سے تم اور تمہارے گھر والے سکون سے ہو جائیں گے تو جاؤ! میں نے تم سب کو معاف کیا...... تم سب کو معاف کیا...... معاف کیا میں نے...... میرے اللہ میں نے سب کو معاف کیا۔''

حنا اُس سے اپنے ہاتھ چھڑا کر زور زور سے چلاتی وہاں سے پلٹی تھی اور پھر بھاگتی ہوئی گاڑی تک چلی آئی تھی جہاں آریان ساکت کھڑا تھا۔ تبریز اس کے پیچھے آیا تھا۔

''حنا مجھے سزا دو...... میں نے اتنا بُرا کیا تمہارے ساتھ تم اتنی آسانی سے مجھے معاف نہ کرو...... مجھے بددُعا دو مگر یوں مت جاؤ...... دیکھو تمہارا تبریز کتنی تکلیف میں ہے۔''

وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''نہیں ہو تم میرے...... کبھی تھے ہی نہیں...... اور خبردار میرے پیچھے مت آنا...... میرا کوئی واسطہ نہیں ہے تم سے...... میں تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔''

وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔ آریان کو کسی نامعلوم خدشے نے گھیر لیا تھا۔ جس طرح وہ ری ایکٹ کر رہی تھی اسے فکر ہوئی کہ کہیں اُسے کچھ ہو ہی نہ جائے۔ صورتحال کے مزید سنگین ہونے سے پہلے ہی اس نے تبریز کو پیچھے دھکیلا اور حنا کو بازو سے تھام کر گاڑی میں بٹھایا پھر تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ شخص جو تبریز تھا وہ بس وہاں کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ اب کی بار اُس نے پیچھے آنے کی کوشش نہ کی تھی۔ حنا کی اور اس کی گفتگو سے آریان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تبریز ہے۔ پسنجر سیٹ پر بیٹھی نڈھال سی حنا نیم بے ہوش سی تھی۔ آریان نے تشویش سے اُس کے ماتھے کو چھوا تھا۔ اس قدر ذہنی دباؤ سے وہ نڈھال تھی۔ آریان اُسے اپنے گھر ہی لے آیا تھا۔ اسے شانوں سے تھام کر جب وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو امی پریشانی سے قریب چلی آئیں۔

''کیا ہوا حنا کو......؟''

آریان نے انہیں بعد میں بات کرنے کا کہا اور اُسے اپنے کمرے میں لے

آیا..... بیڈ پر لٹا کر اس نے ڈاکٹر کو فون کیا۔ امی بھی پریشان سی وہیں آ گئی تھیں اور اب حنا کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''انہیں کچھ دیر تک مکمل ہوش آ جائے گا۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے بس کوئی بہت بڑے ذہنی کھچاؤ کا نتیجہ ہے جسے وہ برداشت نہیں کر پائیں۔''

ڈاکٹر انہیں اس کے بارے میں بتا کر چلا گیا تھا۔ آریان نے گہرا سانس لیا اور ایک نظر حنا پر ڈال کر امی کو باہر آنے کا اشارہ کرتا خود بھی لاؤنج میں آ گیا۔ جب امی لاؤنج میں آئیں تب تک ذوہ ارمغان کو فون کر کے آنی اور مناحل کو ساتھ لانے کا بلاوا دے چکا تھا۔

مختصراً امی کو پوری روداد سنائی تھی تب ہی وہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔

''خیریت تو ہے..... ہمیں اتنی جلدی میں کیوں بلایا ہے آریان تم تو حنا کے ساتھ لنچ پر گئے تھے ناں؟''

آنی نے آتے ہی تشویش سے پوچھا تھا۔ ارمغان اور مناحل بھی پریشان تھے۔

''جی خیریت ہے۔ میں نے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی..... حنا میرے ساتھ ہی ہے..... اوپر کمرے میں ہے۔ آپ بیٹھیں چائے پانی پئیں میں آتا ہوں کچھ دیر تک۔''

آریان اپنے کمرے میں آیا تھا جہاں حنا ہی کے بیڈ پر لیٹی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس نے آج اسے جس حالت میں دیکھا تھا اس کے لیے وہ ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ اسے احساس تو تھا کہ وہ کس دکھ میں ہے مگر اس کے کرب کی شدت کا اسے اندازہ نہ تھا..... اور جب اس بات کا ادراک ہو ہی گیا تھا تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ لمحہ بھر میں اس کی زندگی میں موجود چھوٹے سے چھوٹے ناگوار لمحے کو چرا لے اور ہر دکھ سے اسے بے نیاز کر دے..... اسے اتنی خوشیاں دے کہ دکھ کی پرچھائیں تک اس کے قریب بھی پھٹکنے نہ پائیں۔

''نہیں..... مجھے مت چھوڑو۔ میرا یقین کرو میں بے گناہ ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔''

وہ یکدم بڑبڑائی تھی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی..... وہ اتنی بدحواس تھی کہ اس نے بیڈ سے چھلانگ لگائی اور باہر کی طرف لپکی۔ آریان نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔ مگر وہ ہذیانی انداز میں باہر بھاگنے کی تگ و دو میں تھی۔

''حنا!..... ریلیکس جسٹ ریلیکس کچھ نہیں ہوا..... کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کی آنکھوں میں دیکھتا اسے ریلیکس کر رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے

لگیں۔ آریان نے اس کی ہر تکلیف کو خود محسوس کیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے روانی سے بہتے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں کی پوروں سے چنتا تھا اور پھر بڑی عقیدت سے اس کے ننھے سے وجود کو بازوؤں میں بھر کر سینے کی کشادگی میں چھپا لیا تھا۔ اس کو ہر غم سے محفوظ رکھنے کی شاید یہ اس کی لاشعوری کوشش تھی۔ اس کے تحفظ بھرے لمس نے حنا کو خود پر باندھے گئے بند کو ایک پل میں توڑ دیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ آریان نرمی سے اس کا سر سہلاتا اسے تھپکی دے رہا تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں میں نمی بڑھنے لگی تھی۔ پھر اسے حنا کے وجود میں لچک سی محسوس ہوئی اگلے ہی پل وہ ریت کے ڈھیر کی طرح ڈھے جاتی مگر آریان نے اسے سہارا دیا تھا۔ وہ پھر بے ہوش ہو چکی تھی۔ آریان نے اسے بیڈ پر لٹایا اور خود باہر چلا گیا۔ آج تبریز سے اس کے ٹکراؤ نے اس کے زخموں پر لگے ٹانکوں کو ادھیڑ دیا تھا جو زخموں سے زیادہ تکلیف دہ ہو گئے تھے۔ آریان ہر حال میں اب ان پر مرہم کا کوئی ایسا پھاہا رکھ دینا چاہتا تھا جو اس کی ساری تکلیف کو چٹکیوں میں چن لے اور اس کی نظر میں واحد حل تھا..... جس کا اس نے پوری طرح ارادہ کر لیا تھا۔ اور اب وہ پختہ قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ وہ سب اس کے منتظر تھے۔ امی نے ان کو بھی مختصراً آج کا واقعہ بتا دیا تھا۔

''میں حنا سے شادی کرنا چاہتا ہوں..... اسی ہفتے کے اندر اندر کوئی تاریخ طے کر لیں آپ لوگ..... اگلے ہفتے مجھے پیرس جانا ہے تو میں چاہتا ہوں حنا میرے ساتھ ہی جائے۔ وہاں مجھے ایک ہفتے کا کام ہے پھر میں ایک ماہ تک فری ہوں تو وہاں ہی رہنا چاہتا ہوں یا کسی اور ملک میں چھٹیاں گزاروں گا۔''

وہ مضبوط لہجے میں کہتا سب کو حیران کر گیا۔

''لیکن بیٹا اتنی جلدی؟

بہت ارمان ہیں مجھے بیٹی کی شادی کے۔ اللہ نے موقع دیا ہے تو ایسے.....؟''

ارمغان کی امی بولی تھیں۔

''آنی سادگی سے نکاح ہی تو کرنا ہے..... میں کسی ہنگامے کا قائل نہیں ہوں۔ گھر کے لوگ ہوں گے بس یا میرے بہت قریبی چند شوبز کے لوگ۔ آپ اپنی طرف سے جسے بلانا چاہیں مگر میں کوئی بہت بڑا فنکشن نہیں چاہتا۔ ہاں ایک ماہ بعد جب ہم لوگ واپس آئیں گے تو ولیمے کی تقریب میں آپ اپنے سارے ارمان پورے کر لیجیے گا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

انہوں نے اس کے حتمی انداز کو دیکھا تھا اور مزید کچھ نہیں بولی تھیں۔ 3 دن بعد ان کے نکاح کی

تاریخ مقرر ہو گئی۔ حنا کو اعتراض نہیں تھا۔ چھٹے دن وہ دونوں پیرس کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔سب کچھ خوش اسلوبی سے انجام پا گیا تھا۔

****

انوشے کی شادی کی چوتھی سالگرہ تھی۔ چار سال گزر گئے تھے مگر انوشے آج بھی خود کو وہیں کھڑا محسوس کر رہی تھی جہاں چار سال پہلے تھی۔ کچھ بھی نہ بدلا تھا۔ نہ سعد کا رویہ، نہ اُن کا غصہ، نہ اُن کی لاپروائی اور نہ ہی ان کے درمیان موجود دُوری.....ہاں ان دونوں کے بیچ ازل سے حائل اُن دیکھی دیواروں میں کئی بار دراڑیں پڑیں، سوراخ بھی ہوئے مگر شاید دوبارہ ان کی مرمت ہو جاتی تھی یا پھر کر دی جاتی تھی.....تبھی تو آج تک وہ خستہ حالت تک نہ پہنچی تھیں۔ چار سال اور ایک ماہ پہلے جب اس کے نکاح کا دن تھا وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔ کالج میں لاسٹ ڈے پر پرنسپل سر نے اسے پیغام دیا تھا کہ اپنے والد مسٹر کبیر کو میرے پاس بھیجنا.....انوشے نے پاپا کو پیغام دے دیا تھا پھر اگلے روز ہی پاپا ان سے ملنے گئے تھے.....دونوں بہت اچھے اور گہرے دوست تھے اس لیے سب نے اس بات کو بہت ہلکا لیا تھا.....مگر جب پاپا واپس آئے تو بہت خوش تھے۔

"ضیاء نے اپنے بھتیجے کے لئے انوشے کو مانگا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہمیں اعتراض نہ ہو تو وہ اپنے بھائی بھابی کے ساتھ آ جائے باقاعدہ رشتہ لے کر۔"

وہ بڑی خوشی سے مما کو بتا رہے تھے۔

"پر انوشے کے لئے تو علی (ہارون دُرّانی) کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔"

مما نے اُلجھ کر پوچھا تھا۔

"بات چل ہی تو رہی ہے ناں فائنل تو نہیں ہوئی۔ ہم نے انکار یا اقرار نہیں بھیجا ان کی طرف۔ ہم ابھی بھی سوچ سکتے ہیں۔ سعد حسن رضوی، حسن بھائی کا بیٹا ہے۔ ایک چھوٹی بہن ہے جو ابھی فرسٹ ایئر میں پڑھتی ہے۔ اُن کی فیملی شروع سے باہر رہی ہے وہاں اُن کا اپنا بزنس تھا پھر جب بچے بڑے ہوئے تو حسن صاحب نے پاکستان شفٹ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا اور تیاری باندھی.....آہستہ آہستہ بزنس یہاں شفٹ کیا.....سعد حسن رضوی نے کینیڈا میں بزنس مینجمنٹ میں ماسٹرز کرنے کے بعد UK سے M.Phill کی ڈگری لی۔ اس کے بعد چمڑے کی مختلف اقسام اور ان سے تیار کی جانے والی مصنوعات تیار کرنے والی ایک ملٹی نیشنل کمپنی جوائن کر لی.....ایک سال اُس کے ساتھ منسلک رہنے کے بعد جب اس نے محسوس کیا کہ وہ اب ہر داؤ پیچ

سیکھ چکا ہے تب اس نے اپنا الگ بزنس اسٹیبلش کیا۔ کراچی میں اب اس کی کمپنی بہت اچھا کام کر رہی ہے.....اپنے ملک کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش، ہندوستان، UK، دبئی اور ہانگ کانگ میں اس کی کمپنی کی ساکھ بہت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ ان کی تیار کی ہوئی مصنوعات کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ میں نے خود "حسن لیدر گارمنٹس" کا بہت نام سنا تھا لیکن مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ یہ حسن بھائی کے بیٹے کی کمپنی ہے۔ مجھے تو یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ پاکستان شفٹ ہو چکے ہیں۔ ضیاء کے بڑے بھائی کی حیثیت سے وہ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں۔"

پاپا کے چہرے پر طمانیت اور جوش تھا۔

"ہم کل ہی سعد سے ملنے جائیں گے۔ میں اس معاملے میں مزید التوا نہیں کرنا چاہتا۔"

اور کل واقعی مما، پاپا اور ولی بھائی کو سعد حسن رضوی بہت پسند آیا تھا۔ گہری آنکھوں والا لمبا چوڑا انسان انہیں پہلی نظر میں بھا گیا تھا.....اس کی باتوں اور متاثر کن لہجے نے ان کے دل موہ لیے تھے.....اور بزنس کے بارے میں اس کا ویژن اور آگے بڑھنے کا پیشن پاپا کو بہت بھایا تھا.....اور سب سے بڑی بات اس کی ذات میں ایک عجب سا ٹھہراؤ تھا.....اُسے خود پر غرور نہ تھا مگر اعتماد بلا کا تھا اور یہی اعتماد اس کی ذہین آنکھوں میں چمک بن کر سامنے والے کو مسحور کر دینے کی کشش رکھتا تھا۔ ولی بھائی نے تو وہیں سب اوکے کر دیا تھا مگر پاپا ہر لحاظ سے مطمئن ہونے کے باوجود انوشے کی رائے جاننا چاہتے تھے۔

انوشے نے یہ کہہ کر پاپا کو خوش کر دیا تھا کہ اُسے ان کے کسی فیصلے پر اعتراض نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ولی بھائی نے اسے آفر بھی کی کہ اگر وہ سعد سے ملنا چاہتی ہے تو ہم اُسے گھر بلا لیتے ہیں مگر انوشے نے صاف منع کر دیا۔ وہ اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ خود نہیں کرنا چاہتی تھی.....وہ خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی کیونکہ سر ہارون دُرّانی کو اتنی اچھی طرح جاننے کے بعد بھی وہ کسی حتمی فیصلے پر نہ پہنچ پائی تھی۔ اس لیے اب کی بار خود کو اس عجیب سی کشمکش میں ڈالنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مما پاپا بھی شاید سمجھ گئے تھے تبھی انہوں نے اصرار نہیں کیا تھا۔ اس سے اگلے دن پرنسپل سر ضیاء، ان کے بڑے بھائی حسن رضوی، مسز حسن رضوی اور ان کی بیٹی آئے اور انوشے پر یوں فدا ہوئے کہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے درپے ہو گئے۔ سر ہارون درانی کے پرپوزل کو بہت سہولت سے منع کر دیا گیا اور ایک ماہ بعد نکاح کی تاریخ مقرر کر دی گئی البتہ رخصتی اُس سے ایک ماہ بعد طے کی گئی تھی۔ سعد حسن رضوی کراچی میں اپنے ذاتی گھر کی تیاری کے بعد رخصتی چاہتا تھا جو ابھی انڈر کنسٹرکشن تھا۔ سو یہاں کس کو اعتراض تھا۔ نکاح کی تقریب بہت بڑے ہوٹل میں منعقد کی گئی

...... جہاں دو الگ الگ بازو میں انہیں بٹھایا گیا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا مگر نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے آپس میں صدیوں کی شناسائی ہو۔

ولی بھائی نے سر ہارون کو بھی انوائیٹ کیا تھا اور انہوں نے بڑی فراخدلی سے اس انویٹیشن کو قبول بھی کیا تھا۔ ولی بھائی سے ان کی دوستی ہو چکی تھی اس لئے انہوں نے نہ صرف دعوت قبول کی تھی بلکہ وہ یہاں موجود بھی تھے۔ اور اب اس سے ملنا چاہتے تھے...... ولی بھائی انہیں اس کے پاس لے کر آئے تھے۔ وہ سٹیج پر اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''انوشے بہت بہت مبارک ہو نکاح کی۔''

وہ بڑی خوش دلی سے اس سے مخاطب ہوئے تھے مگر نجانے کیوں انوشے کا سر جھک گیا تھا۔

''آپ اپنی نئی زندگی کی شروعات کر رہی ہیں۔ میں دل سے آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ سعد حسن رضوی سے ملا ہوں، بہت شاندار بندہ ہے...... آپ کو یاد ہے میں نے ایک بار کہا تھا کہ آپ کو میرے دل نے نہیں دماغ نے پسند کیا تھا۔ میں جیسی شریک حیات چاہتا ہوں وہ ساری خوبیاں آپ میں موجود ہیں۔''

وہ دھیمے لہجے میں اپنے وہی مخصوص انداز میں اس سے باتیں کر رہے تھے۔ انوشے نے نظر اُٹھا کر انہیں دیکھا کسی قسم کا اضطراب، پریشانی یا دل گرفتگی، پچھتاوے کی کوئی رمق ان کے چہرے پر موجود نہ تھی یعنی انہیں کوئی فرق نہیں پڑا اس پر پوزل کے انکار سے۔ انوشے کے ذہن سے جیسے بھاری سل ہٹ گئی تھی جس کے بوجھ نے اس کی گردن کو ان کے سامنے جھکائے رکھا تھا مگر اب وہ مطمئن تھی۔

''آپ کا نصیب اللہ نے میرے ساتھ نہیں جوڑا تھا...... شاید اسی لیے۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش ہوئے تھے پھر بولے۔

''مگر میں خوش ہوں آپ کو منزل مل گئی مجھے بھی مل جائے گی...... میں آپ سے اسی لیے ملنے آیا تھا کہ آپ کسی قسم کا گلٹ محسوس نہ کریں یا یہ نہ سمجھیں کہ میرا کوئی دلی لگاؤ ہو گیا تھا...... آپ کو یاد ہو گا میں نے کہا تھا زندگی کے سفر میں ساتھ چلیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔ اب چونکہ یہ سفر ہی نہیں رہا تو محبت ہونے کا تو امکان ہی نہیں بچا...... سو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

وہ مسکرائے تھے اور یہ مسکراہٹ بڑی صاف اور مخلص تھی۔

انوشے نے گہرا سکون کا سانس لیا اور مسکرا دی۔ پھر وہ دوبارہ اسے مبارکباد دیتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اُٹھ گئے...... تقریب کا اختتام ہوا تو اس کی اکلوتی نند ابیہہ اس کے قریب چلی آئی۔ وہ سترہ اٹھارہ سال کی چنچل سی لڑکی تھی۔ نازک سی، معصوم سی جب وہ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی انوشے کو بہت پسند آئی تھی وہ بہت جلد اس سے گھل مل گئی تھی...... کافی نٹ کھٹ اور شرارتی تھی۔

''بھابی آئیں آپ کو ڈریسنگ روم میں لے چلوں کچھ دیر آرام کر لیں کب سے ایسے ہی بیٹھی ہیں......

تقریب تقریباً ختم ہو چکی ہے آپ نے چینج بھی تو کرنا ہو گا ناں......''

وہ چمکتی آنکھوں سے بولی تھی۔

''ہاں بیٹا جاؤ! میں یہاں مہمانوں کو سی آف کر لوں۔''

امی نے بھی کہا تو وہ جو خود یہاں بیٹھی بیٹھی اُکتا گئی تھی اُٹھ کر ہال کے ایک طرف بنے کمرے میں چلی گئی جہاں وہ پارلر سے آنے کے بعد بھی کچھ دیر بیٹھی تھی۔

''بھابی آپ اندر چلیں میں آتی ہوں۔''

ابیہہ اسے دروازے سے اندر دھکیل کر خود عجلت میں پلٹ گئی تھی۔ انوشے نے اندر قدم رکھا اور بڑے نڈھال سے انداز میں ہاتھ میں پکڑا پرس بیڈ پر اُچھال دیا اور خود دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آج تو وہ خود کو پہچان نہ پا رہی تھی...... ایک ماورائی حسن کا شاہکار لگ رہی تھی۔ کافی دیر وہ بنا پلک جھپکے خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔

''کیا یہ روپ اس ایک رشتے کا کمال ہے؟'' اس کے دل نے گدگدی کی تھی۔

سعد حسن رضوی جس کی شیروانی پر چھوٹی بہن ابیہہ نے ''غلطی سے'' ڈرنک گرا دی تھی، واش روم سے نکلا تو اس کے قدم زمین پر جم سے گئے تھے۔ جیسے اس کے پاؤں لوہا اور زمین مقناطیس ہو...... پل بھر میں اپنی شرارتی بہن کا سارا منصوبہ اسے سمجھ میں آ گیا۔ سامنے ہی کوئی سجی سنوری لڑکی اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی اور آئینے میں اس کا آدھا نظر آتا عکس اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے قدم بڑھائے اور آئینے میں اس کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

''انوشے!''

اس کے لب بس کپکپائے تھے۔ اتنا مکمل حسن وہ آئینے کے راستے دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا اگر براہِ راست دیکھے تو......؟''

وہ اس پر سے نظریں ہٹانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اور انوشے کی نظریں آئینے میں اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

شبیہ کے ساتھ نظر آنے والی اس دوسری شبیہ کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ دونوں کی نظریں ملیں تو اجنبیت کی ساری دیواریں لمحہ بھر میں ڈھے گئی تھیں کم از کم انوشے کو ایسا ہی لگا تھا..... ان دونوں نے آج سے پہلے ایک دوسرے کی تصویر تک نہ دیکھی تھی مگر اب پہچاننے میں لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ اگر وہ دولہا دلہن کے گیٹ اپ میں نہ بھی ہوتے تب بھی شاید اتنی ہی جلدی ایک دوسرے تک شناسائی کا سفر طے کر لیتے۔ کتنے ہی پل ایسے بیت گئے تھے۔ سعد کی نظریں انوشے پر سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اور اس کی اٹھتی جھکتی پلکیں بھی کچھ ایسی اضطراری کیفیت میں تھیں کہ اس کی سانسوں کا زیر و بم اس کی دل کی دنیا کو اتھل پتھل کر رہا تھا..... سعد کے دل نے بھی پکار پکار کر جینے میں الگ طوفان اٹھایا ہوا تھا۔ اس شور میں ایک بات جو واضح تھی وہ یہ کہ:۔

"یہی ہے وہ جس کی تمہیں تلاش تھی، جسے تم نے سوچا تھا اور بارہا سوچا تھا وہ آج سراپا قیامت بنی تمہارے نام کا لیبل اپنے نام کے ساتھ چسپاں کیے تمہارے ساتھ کھڑی ہے۔"

فون کی بیل پر وہ دونوں اپنی اپنی جگہ چونکے تھے..... انوشے کی زبان میں گفتگو اچانک رک سی گئی تھی۔ انوشے کے بیگ میں پڑا فون مسلسل بج رہا تھا مگر وہ پلٹی نہ تھی..... جیسے اگر پلٹی تو پتھر کی ہو جائے گی۔ سعد نے چند لمحے اس کی حیا سے بوجھل پلکوں اور نازک ہاتھوں کی تھرتھراہٹ کو نگاہوں سے محسوس کیا اور دلچسپی سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر بنا کچھ کہے ہی پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔ وہ اب اس کی ہو چکی تھی اور اس کی امانت تھی سو وہ وقت سے پہلے اس امانت میں خیانت کیوں کرتا۔ اس کے جانے کے بعد انوشے نے دھڑکتے دل سے سکون کا گہرا سانس خارج کیا تھا اور فون کی طرف پلٹی جو مسلسل بج رہا تھا۔

****

خلوص اور محبت ایسے احساسات ہیں جن کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ الفاظ کی چادر اوڑھا دینے سے اکثر اوقات یہ اپنی وقعت کھو دیتے ہیں۔ شاید ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ الفاظ بن کر آواز کی صورت میں جب یہ احساسات سامنے والے کی سماعتوں کی نذر ہوتے ہیں تب وہ انہیں اچھی طرح سے محسوس نہیں کر پاتا مگر "حالات" اور "وقت" سے بڑی سازش کوئی نہیں۔ یہ دونوں اتنی خاموشی سے بدل جاتے ہیں اور ہماری زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں کہ ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ ایسے میں زندگی میں ہمارا سامنا کچھ ایسے لمحات سے ہوتا ہے جب احساسات کو الفاظ کا لبادہ اوڑھانا لازم ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ سامنے والا انسان وقت اور حالات کی سازش میں ایسا الجھتا ہے کہ ہمارے خلوص و محبت کے احساسات کو محسوس ہی نہیں کر

پاتا۔ میں بھی شاید انہی لمحات کے زیر اثر ہوں تبھی تو تین سال گذرنے کے باوجود وہیں کی وہیں کھڑی ہوں۔ مجھے اپنے محسوسات کو سعد تک پہنچانا ہوگا، الفاظ کے ذریعے، آواز کے ذریعے..... دلوں سے محسوس کر لیے جانے والے انمول جذبے سعد کی سماعتوں میں آواز بنا کر انڈیلنے ہی ہوں گے..... شاید تب ہی ننگے پاؤں زندگی کے تپتے صحرا میں چلنے کا شغل مجھے آبلہ پائی سے بچا سکتا ہے کہ یہ سفر تو بہر حال مجھے کرنا ہی ہے چاہے راستے کانٹوں سے بھرے ہوں یا پھولوں سے..... انوشے نے ڈائری بند کی تھی۔ اچانک ہی وہ بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی۔ شام ہوتے ہی جو سل سی دل و دماغ پر پڑی محسوس ہونے لگی تھی وہ ہٹ گئی تھی۔ اس نے نرمی سے ڈائری کو سینے سے لگا کر آنکھیں موند لیں اور ایزی چیئر کو آہستہ آہستہ جھلانے لگی۔

"ایک بے جان چیز سے اپنے دل کی باتیں کہہ دینے سے اتنا سکون اندر تک سرائیت کر جاتا ہے تو ایک جیتے جاگتے انسان کو اپنا دکھ کہہ دینے سے کتنا اطمینان ملتا ہوگا۔"

انوشے نے ڈائری کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پاس پڑی سعد کی پکچر کو حسرت سے دیکھا۔ شام کے آٹھ بج گئے تھے۔ انوشے آج ڈنر کے لئے بھی نیچے نہ گئی تھی۔ نجانے کیوں آج سعد کا سامنا کرنے سے بھی جی کترا رہا تھا۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ لمحات آنے والے تھے جو چار سال پہلے اسی وقت اسے سعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منسوب کر دینے کی یاد دلاتے تھے۔ ہاں..... چار سال پہلے 14 فروری کو رات نو بجے ہی تو اس کا نکاح ہوا تھا اور وہ انوشے کبیر سے مسز انوشے سعد حسن رضوی بن گئی تھی۔ اس ایک گھنٹے کے بعد اس کی شادی کو پانچواں سال شروع ہونے والا تھا۔ پچھلی تین ایئورسری پر اس نے سعد کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت ضرور گزارا تھا..... بہانے بہانے سے ان کے اردگرد ہی رہی تھی مگر اب کی بار نجانے کیوں اس کا دل سہما ہوا تھا..... سعد کے ساتھ وقت گزارنا تو دور وہ ان کے سامنے جانے سے کترا رہی تھی۔ وہ خود حیران تھی کہ ایسا کیوں ہے کئی مرتبہ خود کو تسلی دے چکی تھی کہ سب ٹھیک ہے اور آگے بھی سب ٹھیک ہی ہوگا مگر انجانے خدشات سے لرزتا دل اس بات کو ماننے سے انکاری تھا۔

"انوشے بی بی آپ کو سعد بابا بلا رہے ہیں، اپنے کمرے میں۔"

ناز دکی آواز پر وہ چونکی تھی۔

"آں..... ہاں میں آتی ہوں۔"

اس نے ڈائری سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھی اور آئینہ دیکھ کر بالوں میں برش کر کے کیچر لگاتی وہ مسلسل اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی۔

"مجھے سعد نے بلایا وہ بھی اپنے کمرے میں......؟ خدا خیر کرے۔"

وہ ہچکچاتی ہوئی سعد کے کمرے کی طرف چل دی۔

"سعد میں آ جاؤں؟"

اس نے دروازہ ناک کر کے پوچھا تھا جو آج خلاف معمول کھلا تھا۔

"آؤ میں تمہارا ہی منتظر تھا۔"

سعد نے اس کے پیچھے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے پلٹ کر دروازہ بند کر آئی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

انوشے کمرے میں کسی غیر معمولی تبدیلی کا اندازہ لگانے کی کوشش میں تھی۔

"شاید سعد نے اس کے لئے کچھ سرپرائز پلان کیا ہو۔"

دل خوش فہم تھا۔ مگر انوشے کو اپنا تفصیلی جائزہ درمیان میں ہی روکنا پڑا۔

"ادھر آؤ! میرے پاس یہاں۔"

سعد نے اپنے قریب جگہ بنائی تھی اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے قریب پڑا لیپ ٹاپ اُٹھا کر اپنے گھٹنے پر رکھ لیا تھا۔ انوشے بیڈ کے قریب کھڑی بس حیران ہو رہی تھی اور وہ ایسی صورتحال میں کر بھی کیا سکتی تھی۔

"آؤ یار جلدی کرو......ولی اور مشی کب سے تمہارے منتظر ہیں۔"

سعد کے پُرتکلف انداز پر وہ چونکی پھر جیسے اس کے دماغ میں جھما کہ ہوا تھا اور اگلے ہی پل وہ بیڈ پر تھی۔ اس کی بے تاب نظریں سعد کے گھٹنے پر پڑے لیپ ٹاپ کی چمکتی سکرین پر جم سی گئی تھیں جہاں نظر آتے ولی اور مشی کے چہرے مسرت سے دمک رہے تھے۔

انوشے اُچھل کر قریب ہوئی اور اسی جلدی میں وہ یہ بھی بھول گئی کہ وہ سعد کے کمرے میں ان ہی کے بیڈ پر ان کے اتنے قریب ہے۔

"سرپرائز!"

انوشے جیسے ہی کیمرے کی زد میں آ کر اس پار بیٹھے ولی اور مشی کو کمپیوٹر سکرین پر نظر آئی وہ بیک وقت بولے تھے۔ انوشے تو خوشی کے مارے ولی بھائی اور مشی کو دیکھ کر جیسے سب بھلائے بیٹھی تھی۔ سعد نے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھا اور اس کے باڈی کلون کی بھینی بھینی خوشبو کے حصار میں خود کو جکڑتا پایا۔ اپنے گھٹنے پر رکھا انوشے کے ہاتھ کا لمس جسے وہ بے دھیانی میں ہی وہاں رکھے ہوئے تھی سعد کے دل کو گدگدانے لگا تھا۔ اس کے شانے سے جڑا انوشے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کندھے کا دباؤ اسے پگھلانے لگا تھا۔ اس نے بمشکل اپنا دھیان لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ کیا تھا۔

"ارے سعد! کچھ تو بولو یار......یہ انوشے تو اب اتنا بولے گی کہ تمہیں موقع کم ہی ملے گا مگر تم اتنی جلدی ہتھیار تو مت پھینکو۔"

ولی اس سے مخاطب تھا، سعد بمشکل مسکرایا۔

"تم دونوں کو نکاح کی چوتھی اینورسری بہت بہت مبارک ہو۔ شادی کی مبارکباد ہم ایک ماہ بعد دیں گے۔"

جیسے ہی گھڑی نے نو بجائے مشی نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ سعد بھی آہستہ آہستہ معمول پر آ گیا۔ ان چاروں نے اتنی باتیں کیں کہ وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ درمیان میں انکل آنٹی بھی انوشے کے مما پاپا کچھ دیر کے لئے آن لائن آئے پھر وہ اُٹھ کر چلے گئے جبکہ مشی تو رات ان کی طرف ہی ٹھہری تھی اسی لیے رات کے بارہ بجنے پر بھی وہ چاروں اسی طرح محو گفتگو رہے۔

"اوہ......ہم بھی کتنے نان سینس ہیں تم دونوں کی اینورسری ہے اور ہم تم لوگوں کا وقت ضائع کر رہے ہیں کیوں ولی......؟"

مشی نے وقت دیکھ کر ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔ پھر دونوں ان کو ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ کہتے Off line ہو گئے۔ اور انوشے کو لگا جیسے اس کی زندگی کی ساری شوخی، خوشیاں اور قہقہے بھی Off line چلے گئے ہوں۔ اس نے بڑی حسرت سے اپنے قریب بیٹھے سعد حسن رضوی پر ایک نظر ڈالی اور گہرا سانس لے کر بیڈ سے اُتر آئی۔

"سنو!"

سعد نے اسے مخاطب کیا تھا۔ انوشے نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ اب لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

"آؤ کچھ دیر ٹیرس پر چلتے ہیں موسم کافی خوشگوار ہو رہا ہے۔"

سعد اس کے سامنے کھڑا فرمائش کر رہا تھا یا حکم دے رہا تھا انوشے نے حیرت سے بس اس کے منہ سے نکلتے الفاظ سنے تھے۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا نجانے کیوں اسے سعد کی اس بات سے خوشی محسوس نہ ہوئی تھی اصولاً تو اسے خوشی سے اُچھلنا چاہیے تھا۔ سعد کا رویہ نرم تھا وہ اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی خواہش ظاہر کر رہا تھا۔ شاید پہلی بار اس نے اسے اس قدر نرم لہجے میں مخاطب کیا تھا مگر اس سب کے باوجود بھی اس کا دل نجانے کیوں دہل سا گیا تھا۔ اک اَن دیکھی چبھن سی محسوس ہونے لگی تھی اسے جیسے یہ......یہ سب کچھ ختم ہونے والا ہو......جیسے کوئی

انہونی ہونے والی ہو، اس کی حسیات اسے خطرے کا الارم سنا رہی تھیں اور وہ نا سمجھی کے عالم میں کشمکش میں تھی کہ بظاہر تو ایسا کچھ نہیں ہو رہا تھا بلکہ سب کچھ اتنا اچانک ٹھیک ہونے لگا تھا کہ کسی محرومی کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

''آؤ بھی!...... کیا تم ہماری اینورسری کو یادگار نہیں بنانا چاہتی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے؟''

سعد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ نظریں جھکا گئی۔ نجانے کیوں اسے سعد کا لہجہ کچھ چبھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اپنے خدشات سے لرزتے دل کو سنبھالتی سعد کے پیچھے ٹیرس پر چلی آئی۔ رات کے اس پہر ہر طرف سناٹے کا راج تھا آسمان پر مدھم روشنی پھیلاتا چاند اپنی کرنوں کو زمین کی نذر کر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکے چھیڑ خانی کرنے لگے تھے۔ دور گیٹ پر اور باؤنڈری وال پر لگے قمقمے بھی چھوٹے چھوٹے چاند ہی لگ رہے تھے۔ انوشے نے وہاں پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کی بجائے ریلنگ کا رخ کیا جہاں سعد پہلے سے کہنیاں ٹکائے بہت خاموش کھڑا تھا۔ وہ معمول سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ چند لمحات پہلے تک جو نرمی اس کے لہجے میں تھی اور چہرے پر نظر آئی تھی وہ اب مفقود تھی۔ وہ تو شاید اس کی موجودگی سے بھی لاعلم ہو کر کھڑا تھا۔ انوشے کو اس خاموشی میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا...... بار ہا اس نے خود سے سعد کو مخاطب کرنے کی سعی کی مگر اس کی ہر کوشش بے سود رہی تھی۔ بالآخر اس نے یہ کوشش ترک کر دی۔

''انوشے! ہم جس طرح جی رہے ہیں کیا یہی زندگی ہے؟ کیا زندگی ایسی ہوتی ہے۔ اتنی ہی مشکل اتنی ہی گھمبیر؟ اتنی ہی اُلجھن زدہ......؟''

انوشے مایوس ہو کر پلٹنے کا سوچ رہی تھی جب سعد کی پرسوچ آواز اس کی سماعتوں میں آن گھسی تھی۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا وہ اب بھی کہیں دور بھول بھلیوں میں کھویا ہوا تھا۔

''زندگی سہل نہیں ہوتی۔''

انوشے نے مدھم سی سرگوشی کی تھی۔

''اور اس کا احساس مجھے پہلے نہیں تھا۔''

انوشے نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ سعد نے اسے دیکھا پھر اس کی طرف رخ کر کے ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھ سے شادی کے بعد یہ احساس ہوا تمہیں؟''

اس نے نوکیلی نگاہیں انوشے کے چہرے پر گاڑتے ہوئے دریافت کیا۔ نجانے کیوں انوشے کو اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش محسوس ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر خاموشی سے سامنے آسمان پر

PAKSOCIETY.COM

چمکتے چاند کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

''نہیں...... محبت ہو جانے کے بعد''

''محبت!''

سعد نے زیرِ لب دہرایا۔

''ہاں محبت...... سنا تھا یہ ہر کسی کو راس نہیں آتی، بڑا خوار کرتی ہے۔ مگر میرے ساتھ بھی یہ ایسا ہی سلوک کرے گی مجھے اُمید نہیں تھی کیونکہ میرے خیال میں مجھے محبت صحیح وقت پر صحیح انسان سے ہوئی ہے۔''

انوشے نے بات کرتے کرتے اپنی نگاہیں سعد کے چہرے پر جما دی تھیں جو گہری نظروں سے اس کی طرف ہی متوجہ تھا...... اس کے خاموش ہو جانے کے بعد وہ مسکرایا۔

''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ''مجھ'' سے ''اظہارِ محبت'' کر رہی ہو؟''

سعد نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا مگر انوشے کو یہی عام سا لہجہ چبھتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ خاموشی سے چہرہ جھکا گئی۔ سعد کچھ ثانیے اس کی جھکی پلکوں کی تھرتھراہٹ دیکھتا رہا پھر اس نے رخ موڑ لیا اور آہستہ سے چلتا ہوا کرسیوں تک آیا اور ایک پر بیٹھ گیا۔ انوشے کا دل گھبرانے لگا تھا مگر پھر بھی اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب جب بات چل نکلی ہے تو کیوں وہ دل میں آنے والی بات کو زبان پر نہ لائے...... وہ کوئی غیر تو نہیں اس کا شوہر ہے...... اس سے نہیں کہے گی تو کس سے کہے گی...... ویسے بھی اس سے کوئی گناہ تو نہیں ہوا تھا جو وہ مجرم بنی رہتی...... آخر ایسی کونسی وجہ ہے، کیا بات ہے جس کی وجہ سے سعد اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کر پا رہے مجھے اپنے گھر میں تو لے آئے ہیں، کیوں زندگی میں شامل نہیں کر پا رہے؟''

ہزار سوال تھے جو انوشے کے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ وہ چلتی ہوئی سعد کے قریب آئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی کرسی پر ہاتھ رکھ کر اس نے گہرا سانس لے کر جیسے ہمت مجتمع کی تھی۔

''سعد ہم ایسی زندگی کیوں جی رہے ہیں بے مقصد، بلا خوشی، روکھے پھیکے، بے رنگ شب و روز، ہم ایک ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنے دور کیوں ہیں، کیوں ہم ہر دن کو ایک قرض کی مانند سر سے اُتار رہے ہیں......؟''

وہ بچوں کی طرح پوچھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔ ہزاروں ان کہے سوالات تھے جو جواب کی خواہش میں مچل رہے تھے۔

''کیا چاہتی ہو تم......؟''

سعد نے گہری نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر براہِ راست سوال کیا تھا۔

انوشے نے نگاہیں جھکا لیں۔

''مجھے اپنی ہستی کا مان دے دیجئے۔''

وہ بولی تھی اور اس کی جھکی پلکوں سے گرتے آنسو نے اس کے تھرتھراتے لبوں سے نکلتی اس معصوم سی خواہش کا ساتھ دیا تھا۔ سعد قہقہہ لگا اٹھا۔ ایک طنز سے بھرپور قہقہہ انوشے کو اندر تک زخمی کر گیا تھا۔

''آخر تم نے خود پر چڑھایا خول اُتار ہی پھینکا۔ جس طرح سانپ چند سالوں بعد اپنی کھال اُتار دیتا ہے تم نے بھی آخر وہی کیا جو تم ہمیشہ سے کرنے کی عادی رہی ہو۔''

وہ پھنکار رہا تھا۔ انوشے کو اپنا آپ کسی گندگی میں دبتا محسوس ہوا۔

''میں بھی اسی بات کا منتظر تھا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر تم کب تک صبر اور پاکدامنی کا مظاہرہ کرتی ہو۔ گو کہ چار سال بہت ہوتے ہیں مگر پھر بھی ماننا پڑے گا تمہیں، بڑی ریاضت کی تم نے...... اتنی اچھی اداکاری کی کہ میں بھی ماننے لگا تھا کہ میں جو جانتا ہوں وہ غلط ہے...... چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میری غلط فہمی دیر سے ہی سہی پر دُور ہو گئی۔''

وہ بہت حقارت سے کہہ رہا تھا۔ انوشے نے کرسی سے ہاتھ ہٹا لیے تھے اور پھٹی پھٹی نظروں سے سعد کو دیکھ رہی تھی جو بڑی بے رحمی سے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیرتا جا رہا تھا۔

''تم کیا سمجھتی تھی کہ مجھے کبھی علم ہی نہ ہوگا...... تمہارا ماضی کن گندگیوں میں گزرا، کتنے لوگ تمہارے چاہنے والے تھے اور کتنوں کو تم انگلیوں پر نچانے میں کامیاب ہوئیں اور کتنے ابھی تک تمہاری محبت کا دم بھرتے پھرتے ہیں؟''

سعد کے لہجے میں دو دھاری تلوار جیسی کاٹ تھی جو انوشے کی روح کے ریشے ریشے کو کاٹتی جا رہی تھی۔ سعد نے کرسی چھوڑ دی اور دوبارہ ریلنگ کے پاس آن کھڑا ہوا۔

''میں نے بہت چاؤ سے شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ بہت زیادہ خوش تھا میں کہ آخر میری زندگی کی ساتھی میرے ساتھ زندگی کا یہ سفر طے کرنے والی ہے جو میرے دُکھ سُکھ کی شریک ہو گی، اچھے بُرے وقت کی ساتھی ہو گی...... ہماری ہنسی، ہمارے آنسو ایک ہوں گے، ایک ساتھ ہم خلوص و بھروسے کا سفر شروع کریں گے اور آہستہ آہستہ محبت و چاہت کے ...... ہر رکاوٹ کو پار کرتے زندگی کے ہر امتحان میں سرخرو ہوں گے اور اس پورے سفر کے دوران ہمارے پاس اَن

گنت محبت بھرے پل، خوشیوں سے پُر لمحات اور ایک دوسرے کے ساتھ گزاری ساعتیں اکٹھی ہو جائیں گی جو کبھی بھی ہمیں افسردہ نہیں ہونے دیں گی۔ ہمارے پاس اتنا زادِ راہ ہو گا کہ ہم کبھی تھکن یا مایوسی محسوس نہ کریں گے بس ہاتھوں میں ہاتھ لیے ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے...... ہماری دنیا میں بس خوشیاں ہوں گی، قہقہے ہوں گے اور آنسو آئے بھی تو ایک دوسرے کے کندھے پر سر رکھ کر بڑے سکون سے بہائیں گے اور دُکھ کے لمحات بھی ہمیں دُکھی نہ کر سکنے پر اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے۔''

سعد ایک جذب میں بول رہا تھا۔ اس کی آواز میں ہارے ہوئے جواری جیسی حسرت تھی اور الفاظ میں ایسے محسوسات کہ جیسے بہت بڑے خسارے کا ذکر ہو رہا ہو۔ اس کی نگاہیں دور آسمان پر جمی تھیں۔ انوشے بس دم سادھے سن رہی تھی۔ وہ حیران و پریشان بس ایک تماشائی تھی جو اس بات کا منتظر ہو کہ زندگی کے اس کھیل میں اب کون سا نیا تماشہ ہونے والا ہے۔

''مگر تم نے......؟''

وہ اچانک پلٹا تھا اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تم نے میرے سارے خواب، میرا مان، میرا بھروسہ، میری زندگی سب کچھ ختم کر ڈالا...... تم ذمہ دار ہو سعد حسن رضوی کی اس ناقابلِ ازالہ تباہی کی۔''

سعد نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھیر کر جیسے خود کو ریلیکس کیا تھا۔ وہ دھوپ چھاؤں جیسی اپنی زندگی سے اُکتا گیا تھا اور آج اس نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ اس ڈولتی اُبھرتی ناؤ کو آر یا پار لگائے گا، جو پچھلے چار سالوں میں منجدھار میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر ڈولتی پھر رہی تھی۔ اس نے اپنی نفرت اور انوشے کے بارے میں معلوم ہونے والی باتوں کو ایک پلڑے میں ڈال کر دوسری طرف اس کے لیے اپنے دل کے محسوسات اور اپنی محبت کو رکھ کر تولا تھا۔ اور اس کی محبت والا پلڑا بھاری تھا...... جس کے پیشِ نظر آج اس نے اپنے ظرف کو آزمانے کی ٹھانی تھی اور انوشے کے ہر گناہ اور گزرے ہوئے ہر لمحے کے حساب کو ماضی کے تابوت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر کے نئے سرے سے زندگی کی شروعات کرنے کا سوچا تھا جہاں انوشے اس کی محبت کی حقدار ہو گی اور گزشتہ ہر گناہ سے بری الذمہ بھی۔ مگر آفس سے اُٹھتے ہوئے واپسی اس پر ایسا انکشاف ہوا تھا کہ وہ آج تک انوشے کے بارے میں ملی معلومات کو غلط فہمی کے زمرے میں ڈال ہی نہ پایا تھا۔ ہر چیز صاف ہو گئی تھی اور شک کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ وہ خود کے ساتھ دھوکہ برداشت کر سکتا تھا مگر اپنی بے لوث محبت اور خلوص بھرے دل کی بے بسی؛

لاچاری نے اسے آتش فشاں بنا دیا تھا۔ اس کی اعلیٰ ظرفی کا بلند و بالا معیار ایک جھٹکے میں زمین بوس ہوا تھا۔ اسے اپنی محبت اس مینار کے ملبے تلے دب کر مرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ صرف چند سانسیں اٹکی ہوئی تھیں جو کسی بھی وقت سفر پر واز کر سکتی تھیں۔

"سعد یہ سب جو آپ نے کہا، جو الزامات لگائے آپ نے مجھ پر...... مجھے اُن سب کی وجہ جاننی ہے...... ایسی کیا بات ہے۔ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس جو ان تمام الزامات کو سچ ثابت کرے۔"

انوشے نے آج تک سب برداشت کیا تھا۔ سعد کا غصہ، اس کی تلخ باتیں، اس کی لاپروائی حتیٰ کہ اس کی بیوی بن کر اس گھر میں قدم رکھنے کے بعد جو جائز حقوق اسے ملنے چاہئیں تھے اس نے ان کا بھی کبھی تقاضا نہ کیا تھا۔ اپنی انا، اپنی خودداری کو ہمیشہ پس پشت ڈال کر ہر بار مسکراتے چہرے اور پُر خلوص دل سے سعد کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ اس نے کئی بار اس کے معصوم جذبات کو مجروح کیا تھا مگر اس نے ہر بار روح پر لگے زخموں پر خود ہی ٹانکے لگا کر زخم سی لیے تھے۔ مگر آج تو سعد نے ایسا زخم لگایا تھا کہ وہ بلبلا اُٹھی تھی اور "سب ٹھیک ہو جائے گا" کی اُس اُمید کا دامن جو وہ ہمیشہ تھامے رکھتی تھی آج چھوٹ گیا تھا۔ سعد نے آج اس کے کردار پر ایسا کیچڑ اُچھالا تھا کہ وہ خود کو گندگی کی دلدل میں دھنستا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ یہ سب اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ جس گندگی کو کبھی اس نے اپنے قریب نہیں آنے دیا، ہمیشہ اپنے آپ کو داغدار ہونے سے بچایا آج بات اسی دامن کی آئی تو اس نے خاموشی کو توڑنا ضروری سمجھا تھا...... زبان پر لگے قفل کو اس نے کھولا نہیں توڑنے کا ارادہ کیا تھا اور پہلی ضرب لگا کر وہ اب سعد کے جواب کی منتظر تھی۔ سعد نے چونک کر اسے دیکھا جو اس کے سامنے کھڑی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ثبوت طلب کر رہی تھی۔

"واہ!...... واد دیتا ہوں میں تمہارے اعتماد کی، تم اس کھیل کی منجھی ہوئی کھلاڑی ہو یہ ثابت ہو گیا آج...... مگر میں بھی بنا کسی ٹھوس ثبوت کے یہ سب کچھ نہیں کہہ رہا مجھے کوئی شوق نہیں ہے خواہ مخواہ کے ڈراموں کا...... یہ تمہارا ہی وصف ہے لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے کا...... "دل" تمہارا پسندیدہ کھلونا ہے ناں مسز انوشے سعد حسن رضوی؟!"

سعد نے خونخوار آنکھوں اور طنز کی آگ میں لپٹی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا تھا...... پھر بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے گیا۔

"ثبوت چاہتی ہو ناں تم...... میں دکھاتا ہوں تمہیں ثبوت...... ذرا تم خود بھی اپنی آنکھوں سے خود کو دیکھو...... [illegible]ں ہو کہ یہ سب دیکھنا کتنا تکلیف دیتا ہے جب اس کا تعلق براہ راست آپ سے ہو۔"

سعد نے اسے بیڈ پر دھکا دیا تھا اور خود سائیڈ ٹیبل کے دراز سے سی ڈی نکال کر وہاں پڑے لیپ ٹاپ میں لگانے لگا۔

"یا اللہ! اب سعد مجھے کیا دکھانے والے ہیں۔"

انوشے نے دھڑکتے دل اور عجیب عجیب خیالات سے دہل کر سوچا۔

اگلے ہی لمحے سعد لیپ ٹاپ اس کی طرف بڑھا چکا تھا۔

"لو دیکھو!...... اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اگر اتنی ہی معصوم ہو تو جھٹلاؤ ان ویڈیو کلپس کو......"

وہ خونخوار لہجے میں دھاڑا تھا۔ انوشے نے کانپتے ہاتھوں سے لیپ ٹاپ تھام کر اپنے سامنے بیڈ پر رکھ لیا۔ اس کی نگاہیں سکرین پر جمی تھیں اور ہر گزرتے پل میں اس کے چہرے کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی...... دھڑکن تھمنے لگی تھی اور سر چکرا کر رہ گیا تھا۔

"او میرے اللہ!"

بے اختیار اس کے لب ہلے تھے۔ اسے اپنا آپ کبھی ختم نہ ہونے والی گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرتا محسوس ہوا تھا۔ اس کے سامنے جو کلپس چل رہے تھے وہ تمام اس طریقے سے شوٹ کیے گئے تھے کہ کوئی بھی شریف آنکھ پہلی نظر میں تو کیا بار بار دیکھنے پر بھی اس میں نظر آنے والی انوشے کو پاکدامن نہیں سمجھ سکتی تھی سعد تو پھر اس کا شوہر تھا وہ کیسے یہ سب برداشت کر پاتا۔

"یہ...... سب کیسے؟ اور کس نے......؟"

انوشے نے ماؤف ہوتے دماغ سے سوچا تھا مگر اسے واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

"کیوں کیا ہوا؟ کھل گئی آنکھیں......؟ ذرا دھیان سے دیکھو ان کلپس میں تم ہی ہو ناں یا تمہاری کوئی ہم شکل ہے؟"

سعد نے ایک زہریلا تیر اس کی طرف اُچھالا تھا۔ یہ ویڈیو کلپس مختلف مقامات پر لیے گئے تھے۔ کالج میں ایک بار اس کی کینٹین والے سے لڑائی ہو گئی تھی اس نے اسے ایک دن پرانا برگر گرم کر کے دے دیا تھا جس پر اس نے خوب ہنگامہ کیا اور بنا کچھ کھائے اُٹھ آئی...... کینٹین والے نے بہت معذرت کی کہ اسے نہیں خبر تھی یہ برگر باسی ہے غلطی سے یہ سب ہوا...... تب آریان اس کے لیے فریش برگر بنوا کر لایا تھا تب وہ لان میں بنچ پر بیٹھی تھی۔ انوشے نے اسے بھی کھانے کا کہا مگر اس نے کہا کہ وہ اپنے لیے نہیں لایا تب انوشے نے اسے زبردستی ایک بائیٹ لینے کا کہا تھا۔ آریان نے جھک کر اس کے ہاتھ میں پکڑے برگر سے ایک بائیٹ لی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی اور کبھی کسی شوٹ کرنے والے نے آریان کے پچھلی جانب سے اس سین کو ایسے شوٹ کیا تھا کہ آریان کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا تھا البتہ انوشے کا آدھا چہرہ اس میں واضح تھا۔ آریان اس کی طرف جھکا ہوا تھا اور دیکھنے میں ایسا تاثر مل رہا تھا جیسے وہ اس کے چہرے پر جھکا ہوا ہو۔ انوشے نے جھرجھری سی لی تھی۔ اب ایک اور ویڈیو کلپ اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ یہ مری میں بنا تھا شاید جن دنوں وہ لوگ ٹرپ پر گئے ہوئے تھے۔ اس کلپ میں وہ اور سر ہارون چیئر لفٹ پر بیٹھے دکھائی دیے تھے۔ اس کا ہاتھ سر کے ہاتھوں میں تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب بیٹھے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ انوشے کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے اگلا کلپ بھی مری کا ہی تھا اور یہ تب کا تھا جب وہاں اسے ایک رات بخار ہوا تھا اور سر ہارون اس کے لیے ڈاکٹر کو بلا لائے تھے۔ اس کلپ میں انوشے کو سر ہارون کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے شوٹ کیا گیا تھا درمیان میں ڈاکٹر کے آنے اور جانے کو کمال مہارت سے نظر انداز کر دیا گیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد سر کو ڈھیلی ڈھالی ٹائی کے ساتھ ڈھیلے سے انداز سے باہر آتے شوٹ کیا گیا تھا۔

"کیوں مس انوشے اس بند کمرے میں کیا ہوا تھا یہ تو یاد آ ہی گیا ہوگا ناں آپ کو.....؟"

سعد کے شعلے میں لپٹے الفاظ نے اس کے تن بدن میں آگ بھڑکا دی تھی۔ ایک کے بعد ایک ویڈیو کلپس اس کی نظروں کے سامنے آتے اور گزرتے جا رہے تھے۔ اسے ہر ایک سین یاد آتا جا رہا تھا وہ بہت معمول کے مواقع تھے مگر ان کو اتنی مہارت سے شوٹ کیا گیا تھا کہ سین بالکل ہی بدل گئے تھے۔ انوشے کی زبان گنگ تھی اور آنکھیں جیسے پتھرا سی گئی تھیں۔ اس نے لیپ ٹاپ اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا۔ ایک چھناکے سے وہ زمین بوس ہوا اور سکرین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

"جھوٹ ہے یہ سب..... بکواس ہے۔"

وہ چلائی تھی۔

"لیپ ٹاپ توڑ دینے سے یا اس طرح چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی..... تمہاری اصلیت بھی پر کھل چکی ہے۔ تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے تو تمہارے والدین نے انکل ضیاء کی سفارش سے میرے پاپا سے تمہارے رشتے کی بات چلائی ہوگی..... میری فیملی شروع سے باہر رہی..... اور ویسے بھی سبھی کو علم تھا کہ شادی کے بعد میں کراچی میں ہی سیٹل ہوں گا تو تمہارے پول کھلنے کا خدشہ بھی نہ تھا۔ ورنہ تو سارا شہر ہی تقریباً تمہارے جاننے والوں میں سے تھا..... کون

کرتا تم سے شادی..... میں مل گیا تم سب کو..... اظلم، خوش فہمی کا مارا جسے یہ زعم تھا کہ پاکیزہ ہمسفر چاہتے ہو تو خود کا دامن پاک رکھو۔ ہمیشہ خود کو ان فضولیات سے بچاتا رہا اور تمہارے بارے میں چھان بین کرانی ضروری نہ سمجھی۔ اندھا بھروسہ کیا میں نے..... سب سے بڑا ہاتھ میرا ہی ہے اپنی تباہی میں..... سانپ چاہے جتنا بھی خوبصورت ہو سانپ کا کام تو ڈسنا ہے اور وہ ڈسے گا۔ مجھے ہی خود کو بچانا نہیں آیا۔"

سعد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً سے پہلے انوشے کا گلا گھونٹ دے یا خود کو شوٹ کر لے۔

"سعد میرا یقین کریں..... میں جھوٹ نہیں کہہ رہی..... یہ سب کچھ ویسا نہیں جیسا دکھایا گیا ہے۔"

انوشے بیڈ سے اٹھ کر سعد کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

"کیا مطلب ویسا نہیں ہے..... ان ویڈیوز میں تم ہی تھی ناں؟ کر سکتی ہو اس بات سے انکار..... کہہ سکتی ہو کہ وہ تم نہیں ہو.....؟"

سعد نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"رکو میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاتا ہوں۔"

سعد اپنے ڈریسنگ روم کی طرف جاتا ہوا بولا۔ دوسرے ہی لمحے وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس میں سے تصاویر نکال کر سعد نے اس کی طرف اچھالی تھیں وہ ساری تصاویر ادھر ادھر بکھر گئی تھیں۔ ساتھ ہی انوشے کو لگا ان کے ساتھ اس کی زندگی بھی بکھر گئی ہو۔ وہ تصاویر بھی ویسی ہی مہارت کا شاہکار تھیں جس کا نمونہ وہ پہلے ویڈیو کلپس میں بھی دیکھ چکی تھی۔

"یہ تصاویر جب میرے سامنے آئیں تو میں نے انہیں جھٹلا دیا۔ سوچا آج کل سب کچھ ممکن ہے..... یہ فیک پکچرز ہیں جو مجھے گمراہ کرنے کے لئے کمپوز ائز بنائی گئی ہیں مگر میں تب بھی غلط تھا۔"

سعد نے نیچے گری ایک تصویر اٹھائی اور اس میں نظر آتے انوشے کے ہاتھ پر نمایاں تل کے نشان کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تل دیکھ رہی ہو۔"

سعد نے سخت لہجے میں کہا تھا پھر اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کے اس کے سامنے کیا وہی تل کا نشان اس کے ہاتھ پر اسی جگہ پر تھا جہاں تصویر میں نظر آ رہا تھا۔ انوشے کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ تصاویر اور ویڈیوز جھوٹی نہیں تھیں اور نہ ہی فیک تھیں۔ ان میں وہ ہی تھی مگر وہ جو تاثر دے رہی تھیں اور جن زاویوں سے انہیں شوٹ کر کے اتنی بڑی مس

انڈرسٹینڈنگ کرنی ایٹ ٹی تھی وہ بات اس کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات کی سچائی کا یقین دلائے، کیسے ثابت کرے کہ جو کچھ ان میں دکھایا گیا ہے ویسا کچھ نہیں تھا۔

''کیا کہتی ہو اب...... اس بات کا دعویٰ کرتی ہو کہ ان میں تم نہیں ہو؟''

سعد نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔

''بولو انوشے...... کہو کہ یہ سب جھوٹ ہے...... یہ تصاویر یہ ویڈیوز جھوٹ ہیں...... کہہ دو انوشے بس ایک بار کہہ دو کہ ان میں نظر آنے والی لڑکی تم نہیں ہو...... میں یقین کرلوں گا تمہارا...... بس ایک بار سچ بتادو...... بولو...... انوشے کہہ دو صرف ایک بار......''

سعد اب شکست خوردہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ انوشے نے آنسوؤں سے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھا...... پیشانی پر بکھرے بال انجانے خدشات سے خوفزدہ سہمی ہوئی نم آنکھیں جذباتی ہیجان کا عکاس سرخ چہرہ اور ٹی شرٹ کے کھلے بٹن لیے اس کے سامنے سچ جاننے کا متمنی یہ نڈھال سا شخص جو نجانے کس طرح ڈولتے دل کے ساتھ اس کے منہ سے ''ناں'' سننے کی آس لیے بڑی اُمید سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ اتنا سب دیکھ لینے کے بعد بھی وہ اس کی گواہی چاہ رہا تھا اور نہ صرف گواہی مانگ رہا تھا بلکہ اسے بلاچوں وچراں مان لینے کو بھی کہہ رہا تھا...... وہ کس طرح اس کی آس توڑ دے...... کیسے بتائے کہ بے شک ان تصاویر اور ویڈیوز میں وہی ہے کوئی اور نہیں مگر جیسا دکھایا گیا ہے ویسا بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ کیسے اپنی پاکدامنی کو ثابت کر پائے گی اور سعد بنا کسی ثبوت کے کیسے اس پر یقین کریں گے۔

''بولو! انوشے کیا یہ تم ہی ہو؟''

''ہاں!''

انوشے کے لب ہلے تھے اور سعد کی بے یقین سماعتوں نے وہی سنا تھا جو انوشے نے کہا تھا۔ سعد کی آنکھیں بے نور اور ویران ہوگئی تھیں...... دیکھتے ہی دیکھتے ایک عجیب سی سرد مہری اور اجنبیت جھلکنے لگی تھی۔ جہاں چند لمحات پہلے آس و اُمید کی چمک تھی اب وہاں نفرت اور تحقیر واضح تھی۔ اس کے شانوں پر سعد کی گرفت پہلے تو بہت سخت ہوئی تھی پھر آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگی تھی۔

''سعد ان تصاویر اور کلپس میں کوئی اور نہیں میں ہی ہوں مگر میرا یقین کریں یہ سب ویسا بالکل نہیں تھا جیسا دکھانے کی کوشش کی گئی ہے...... یہ واقعی جھوٹ ہے سب......''

انوشے نے لرزتے لہجے میں کہا تھا۔

''جھوٹ ہے؟''

سعد نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔

''ایک طرف تم کہتی ہو کہ تم ہی ہو اور دوسری طرف کہتی ہو یہ سب جھوٹ ہے۔''

وہ تنفر سے چلایا تھا۔

''ارے جھوٹی تو تم ہو...... مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے یا اندھا ہوں میں کہ جدھر تم مجھے لے چلو گی اسی طرف چل پڑوں گا۔''

''نہیں سعد میرا یقین کریں خدا کے واسطے میرا یقین کریں، میں جھوٹ نہیں کہہ رہی...... اس وقت میرے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے پھر بھی کہتی ہوں میں غلط نہیں ہوں...... میرا کسی مرد سے کبھی کوئی غلط تعلق نہیں رہا۔ آپ ہی وہ پہلے انسان ہیں جس سے مجھے محبت ہوئی...... میرا دامن صاف ہے...... آخر آپ یقین کیوں نہیں کرتے میری بات کا......؟''

انوشے اب روہانسی ہورہی تھی، چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، امتحان کٹھن تھا، مقدمہ سخت تھا اور الزام بہت بڑا مگر وہ خالی دامان تھی، اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس سوائے چند بے ربط جملوں کے کچھ نہ تھا مگر الفاظ بھی اپنی وقعت کھو دیتے ہیں جب غلط فہمیوں کے کالے سیاہ بادل چھاتے ہیں تو آنکھیں وہی دیکھتی ہیں جو انہیں دکھایا جاتا ہے۔ سماعتیں وہی سنتی ہیں جو سنایا جاتا ہے اور دماغ وہی سوچتا ہے جس سمت اسے سوچنے پر لگا دیا جاتا ہے۔ حقیقت کا زاویہ اتنے بُرے طریقے سے بدل کر پیش کیا جاتا ہے کہ سچ جھوٹ اور جھوٹ سچ کی تصویر پیش کرنے لگتا ہے۔ سعد بھی ایسی ہی غلط فہمی کا شکار تھا اور یہ غلط فہمی اتنی بڑی تھی کہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس نے سعد کی سماعت اور اس کی بصارت کے ہاتھوں اس کی قوت گویائی کو ایسے استعمال کیا تھا کہ وہ دل کی سننے کو تیار ہی نہ تھا بلکہ اس غلط فہمی نے اس کے دماغ کو اسی راستے پر ڈال دیا تھا کہ وہ دل کی دلیلوں کو پس پشت ڈالے ہر چیز کا مفہوم خود ہی بناتا جارہا تھا۔ کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے وہ اس غلط فہمی کا پہاڑ درجہ بدرجہ طے کرتا جارہا تھا اور آج تو وہ اس کی چوٹی کو بھی سر کرچکا تھا۔ ایسے میں وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ سچائی کی تلاش میں سرگرداں وہ بہت پہلے ہی راستہ بھٹک چکا ہے۔ اُس کی آنکھوں نے اُس کی سماعتوں نے اُس کے ساتھ غداری کی ہے، اُسے جھوٹ کی آغوش میں چھپا سچ تو دکھایا ہی نہیں...... آدھا سچ زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتا ہے اور انوشے آج اسی تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ سعد پورا سچ سننے کو تیار نہ تھا اور نہ ہی خود

انوشے اس کنڈیشن میں تھی کہ اپنی بے گناہی ثابت کر پاتی۔ اس کا دماغ چکرانے لگا تھا۔ سامنے کھڑا اجنبی سا شخص اس پر اعتماد کرنے کو قطعی تیار نہ تھا۔ وہ اس سے اس کی سچائی کا ثبوت مانگتا تھا اور انوشے کو ثبوت کی عدم موجودگی کی صورت میں سزا بھی سنائی جانے والی تھی۔ وہ ایک اور کوشش کرنا چاہتی تھی اس نے ہولے سے اپنے قدم سعد حسن رضوی کی طرف بڑھائے اور پھر سنبھالنے کیا ہوا اگلے ہی لمحے وہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔ بڑے بااعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

"سعد میں اعتراف کرتی ہوں کہ ان وڈیو کلپس اور تصاویر میں میں ہوں، اس سے آگے میں کوئی وضاحت نہیں کروں گی کیونکہ میں جانتی ہوں آپ میرا یقین نہیں کریں گے۔ ان فیلٹ انسان کو وضاحت مانگنے کا بھی کوئی حق نہیں جب سامنے والے پر یقین کرنے کا ظرف نہ ہو۔"

انوشے کے چہرے پر پتھروں جیسی سختی تھی مگر اس پتھر سے آنسو پانی کے چشمے کی طرح بہہ رہے تھے۔ اس کا لہجہ پختہ اور بااعتماد تھا اور وہ ہر فیصلے کے لئے اتنی ہی نڈر تھی جیسے ساری کشتیاں جلا کر اس پار اتر آئی ہو...... واپسی کے سارے راستے مفقود تھے۔ اب یا تو اسے اعتماد کا سفر طے کر کے آگے جانا تھا یا آج اس سفر کا اختتام ہونا تھا اور اس کی اپنی زندگی کا سفر بھی یہیں پر ختم ہو جانا تھا...... فیصلہ اب سعد کے ہاتھ میں تھا مگر وہ کچھ بھی سننے یا مزید کچھ جاننے کو تیار نہ تھا۔

"تمہیں وضاحتیں سوٹ بھی نہیں کرتیں اور کرو گی بھی کیا؟ ہے کچھ تمہارے پاس explain کرنے کے لئے؟"

وہ کاٹ دار لہجے میں دھاڑا تھا۔

"اور یہ حق کی باتیں تمہارے منہ سے جچتی نہیں ہیں۔ بس اب بہت ہو گیا، مجھ میں اور برداشت نہیں ہے۔ صبح میں طلاق کے کاغذات تیار کروا لوں گا۔ میں اب مزید تمہیں اپنے نام سے منسوب نہیں رکھ سکتا۔ میری طرف سے تم آزاد ہو اپنی رنگین دنیا میں واپس جانے کے لئے۔"

سعد نے شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھا اور اس پر بم گراتا وہاں سے چلا گیا۔

انوشے خالی خالی نگاہوں سے وہیں کھڑی رہی۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ واقعی یہ سب ہو چکا ہے۔ اسے لگ رہا تھا یہ کوئی بھیانک خواب ہے ابھی اس کی آنکھ کھل جائے گی اور سب نارمل ہو گا مگر کبھی کبھی حقیقت بھیانک خوابوں سے زیادہ خوفناک چہرہ لیے ہمارے سامنے آتی ہے اور ہم بے یقینی سے بس اپنی ہی زندگی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ انوشے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے اور یہ رات

گزرنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی...... قیامت کی رات تھی اتنی طویل، اتنی تکلیف دہ کہ اسے خود حیرانی تھی کہ اس کی سانسیں ابھی تک چل رہی ہیں۔ وہ اتنی اذیت واقع ہوئی تھی کہ ابھی تک زندہ تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس پر کبھی ایسا وقت آئے گا کہ زندگی بوجھ لگنے لگے گی اور موت دلکش...... انوشے شیشے کے سامنے کھڑی سوچ رہی تھی پھر اس نے بڑی گہری مسکراہٹ اپنے ہی چہرے پر نمودار ہوتی دیکھی تھی۔

"دلکش موت!"

اس کے ہونٹ ہلے تھے اور یہ دو لفظ اس کی اپنی ہی سماعتوں نے سنے تھے۔ اس نے پلٹ کر سائیڈ ٹیبل کے دراز میں پڑی ڈائری نکالی اور ٹیرس پر چلی آئی...... وہاں پڑے جھولے پر بیٹھ کر اس نے ڈائری کھولی۔

"زندگی تم ہو!"

اس نے تین لفظ ڈائری کے خالی ورق پر قلم کی مدد سے اتارے تھے۔ وہ کافی دیر ان الفاظ کو دیکھتی رہی پھر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"زندگی تم ہو سعد حسن رضوی!"

انوشے نے ہاتھ میں تھامے قلم کو دوبارہ ڈائری کے ورق پر چلایا تھا۔

"اب تم ہی میرے نہیں رہو گے تو یہ زندگی بھی نہیں رہے گی...... انوشے کی چلتی سانسوں کے لئے سعد حسن رضوی کا ساتھ لازم و ملزوم ہے، اتنا کہ تم بن سانسیں اٹکنے لگتی ہیں۔ تم مجھے جتنا بھی گنہگار سمجھو سعد حسن رضوی مگر خدا کا مجھ پر بڑا کرم ہے اس نے آج تک جیسے مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھا اب بھی رکھے گا...... جس پل تم مجھے اپنے نام سے جدا کرو گے میرا ناطہ بھی میری روح سے ٹوٹ جائے گا...... میں خودکشی نہیں کروں گی، اللہ مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھے گا۔ میں مرنے کی دعا بھی نہیں کروں گی، میرا اللہ مجھے اس گناہ سے بھی بچائے گا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں بہت ہی خوش قسمت کہ اللہ مجھے قدرتی موت دے گا۔ وہ اگر مجھے تم سے جدا کرے گا تو ساتھ ہی اس زندگی سے رہائی بھی دے گا کیونکہ وہ میری محبت کی شدتوں سے آگاہ ہے...... وہ میرے معصوم اور پاکیزہ جذبات کا گواہ ہے۔ میرے ہر دکھ میری ہر حرکت کو جاننے والا ہے۔ تمہارے ساتھ کے بنا وہ مجھے زندہ رکھے وہ مجھ پر ایسا ظلم نہیں کرے گا...... نہیں کرے گا وہ مجھ پر ایسا ظلم۔"

کئی آنسو ٹپ ٹپ کرتے اس کی ڈائری کے ورق پر آ گرتے تھے مگر انوشے نے لکھنے کا عمل جاری رکھا تھا۔

''میرا اللہ جلد ہی مجھے اس اذیت ناک زندگی سے رہائی دے دے گا...... واقف حال ہے۔ ایک وہی تو ہے جسے میری پاکدامنی کے لیے کسی وضاحت، کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ لوگ کتنے عجیب ہوتے ہیں، کتنے بیوقوف ہوتے ہیں کہ انسانوں سے محبت کرتے ہیں۔''

انوشے نے ایک اور قہقہہ لگایا تھا۔

''میں بھی تو انہی بیوقوفوں میں سے ہوں، مجھے بھی تو ایک انسان سے محبت ہوئی، سعد حسن رضوی ایک ایسا نام جس نے بارہا میرے دل کو گدگدایا، اس شخص کی نفرت بھی مجھے عزیز لگنے لگی، اس کی موجودگی میرے لیے سانسوں کی طرح اہم ہوتی گئی اور میں اس سفرِ محبت میں یہ بھول گئی کہ میں نے محبت کے لیے ایک انسان کو منتخب کیا ایک عام سے انسان کو...... جو کل کو مجھ سے میری محبت کا ثبوت مانگے گا جسے مجھ پر اعتبار کرنے کے لئے مادی سہاروں کی ضرورت پڑے گی۔ میری لاکھ منتوں پر بھی جس کا دل نرم نہیں ہوگا اور میرا اللہ؟ وہ تو اتنا غفور و رحیم ہے کہ اس نے پھر بھی مجھے نہیں چھوڑا...... مجھے سعد سے محبت ہوئی تب بھی میرا اللہ مجھے ویسے ہی چاہتا رہا جیسے ہمیشہ سے چاہتا تھا...... ستر ماؤں جتنا پیار یا شاید مجھ پر کوئی خاص کرم تھا اس ذات کا اور اب بھی ہے...... میں تنہا نہیں ہوں بس محبت کے لئے انسان کو منتخب کرنے کی غلطی کی میں نے......''

انوشے نے اُلٹے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے۔

''مجھے معاف کر دینا میرے مالک! میں بے بس ہوں سعد سے محبت کرنے کے معاملے میں...... مجھے تجھ سے بھی عشق ہے میں تیری عاجز اور گنہگار بندی تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں اور تیرے ہی حکم کی غلام ہوں...... تم نے ہی تو شوہر کو بیوی کے لیے قابل احترام ٹھہرایا۔ اسے بلند مقام پر کھڑا کیا...... بیوی کو اس کے شوہر کی سپردگی میں دیا اور حکم دیا کہ اس کی فرماں بردار رہنا...... تو میں نے بھی تو یہی کیا، اپنے شوہر سے محبت کی، خود کو ان کی امانت سمجھ کر ہمیشہ ہر قسم کی خیانت سے بچایا...... کسی غیر کا خیال بھی دل میں نہیں لائی...... پھر یہ سب کیوں ہوا میرے ساتھ؟...... کیوں میں سعد کی نظروں میں مقبول نہ ہوئی؟ وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتے...... صبح ہوتے ہی وہ مجھے طلاق......''

انوشے کی ہچکی بندھ گئی تھی، اس کی سانس جیسے حلق میں ہی اٹک گئی تھی اس سے آگے اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا تھا اور دل بار بار اپنی دھڑکن مس کرنے لگا تھا۔

''میں سعد کے بنا کیسے جیوں گی...... ان سے الگ کیسے رہوں گی......؟''

انوشے نے اُکھڑی سانسوں کو بحال کرنے کے لئے جھولے کی پشت سے کمر نکالی

تھی۔ کچھ ہی دیر میں صبح ہونے والی تھی مگر اس کے لئے تو اندھیروں کی شروعات تھی۔ اس کی زندگی بھی جیسے ختم ہوتی جارہی تھی۔ طلاق نامہ اسے موت کا پروانہ لگ رہا تھا جو ہر گزرتے لمحے میں اس کی طرف بڑھتا آرہا تھا...... اس نے خود کو ریلیکس کرنے کے لئے آنکھیں موندلیں۔ وہ دلہن بنی سعد کے کمرے میں اُس کے بیڈ پر براجمان تھی۔ دل عجیب ہی سُر میں دھڑک رہا تھا خاموشی گنگنارہی تھی۔ وہ سجی سنوری خوشبوؤں میں نہائی حُسن کا شاہکار اپنی تمام تر دلکشیوں سمیت وہاں براجمان تھی۔ ایک ماہ قبل اسے جس نام سے منسوب کیا گیا تھا آج منکوحہ سے بیوی بننے کا احساس اسے گدگدا رہا تھا۔ کمرے کی ہر چیز اس شاندار شخص کی شاندار چوائس کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اچانک ہی کھٹکے پر انوشے نے اپنے سر کو مزید جھکا لیا تھا...... شرم سے جھکی پلکیں تھرتھرانے لگی تھیں۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں کو آپس میں جکڑا تھا۔ سعد نے کمرے میں آتے ہی اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی تھی اور مالا اُتار کر صوفے پر پھینک دی۔ ہزاروں خواب آنکھوں میں سجائے وہ سعد کی طرف سے کسی خوبصورت، محبتوں میں شرابور، شرارت بھرے جملے کی منتظر تھی۔ جب سعد کی بے زار اور اجنبی تاثر لیے آواز کمرے کی مدھر خاموشی کو چیرتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔

''اُٹھو! یہاں سے مجھے سونا ہے، بہت تھک چکا ہوں۔''

انوشے نے حیرت سے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا جو بلا کی سنجیدگی چہرے پر سجائے بڑے اُکتائے انداز میں اس کے اُٹھنے کا منتظر تھا۔ انوشے کو پہلے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ری ایکٹ کرے مگر پھر خاموشی سے وہ بیڈ سے نیچے اُتر آئی تھی...... پل بھر کو کمرے میں چوڑیوں کی کھنک نے وہی انوکھا احساس فضا میں اُچھالا تھا جو سعد کی سرد مہر خاموشی کی نذر ہو گیا۔ اس کے اُٹھتے ہی سعد بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں، بکھرے بال اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ اُترا اُترا سا تھا۔ انوشے کو لگا جیسے وہ واقعی بہت تھکا ہوا تھا...... ہزاروں خدشے اس کے ننھے دل کو پریشان کر چکے تھے۔ سعد کے لہجے نے پل بھر کو اسے دہلا دیا تھا۔

''تم بھی چینج کرو اور سو جاؤ! میرے سر میں درد ہے...... ڈسٹرب مت کرنا، سونا چاہتا ہوں۔''

سعد نے اس کی طرف دیکھے بنا تکیہ سیدھا کرتے ہوئے کہا اور پھر اپنی سائیڈ والا لیمپ بند کر کے لیٹ گیا۔ انوشے کئی لمحے کشمکش میں وہیں کھڑی رہی۔ اُسے اس بالکل ہی مختلف صورتحال کا سامنا ہوا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے......؟ سہاگ رات ایسی بھی ہوتی ہے اس سے پہلے کسی کے منہ سے نہیں سنا تھا۔ پھر بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوچ کر اس نے ذہن میں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی الجھن کو جھٹکا اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

''میں سر دبا دوں آپ کا؟''

''نہیں!''

روکھا سا جواب اس کا دوسرا اُٹھتا قدم روکنے کے لئے کافی تھا۔

''تو پھر پین کلر دے دوں؟''

انوشے نے نرمی سے پوچھا تھا۔

''میں نے کہا ناں کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے..... لائٹ آف کر دو اور سو جاؤ، تنگ مت کرو۔''

سعد کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ اسے دوبارہ مخاطب کرنے کی اُسے ہمت نہ ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر یونہی کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر دروازے کی طرف چلی آئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے لاک کھولا اور دروازہ وا کر کے قدم باہر رکھنے کو تھی کہ پیچھے سے سعد نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے میں کھینچا اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ وہ اس اچانک کارروائی پر بدحواس ہو گئی تھی۔

''کہاں چلی تھی تم.....؟''

وہ سخت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

انوشے نے سہم کر اسے دیکھا۔

''وہ میں کسی کو بلانے جا رہی تھی کہ آپ کی طبیعت.....''

''اوہ گاڈ!''

سعد نے غصے سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

''اب میں اتنا بھی بیمار نہیں ہوں کہ تم یوں اس وقت باہر جا کر میرا تماشا بنواؤ..... خبردار! جو صبح ہونے سے پہلے کمرے سے قدم بھی باہر نکالا تو۔''

انوشے نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اس عجیب سے شخص کو دیکھا تھا جسے اس کا شوہر ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل تھا۔ وہ پلٹ کر پائنتی پڑا پھر بیڈ تک چلا گیا تھا۔ اور وہ وہیں کھڑی شش و پنج میں مبتلا اپنے ساتھ پیش آنے والی اس انوکھی صورت حال کو سمجھنے کی کوشش میں تھی۔

''لائٹ آف کرو! مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔''

سعد کی تحکمانہ آواز پر وہ چونکی تھی۔ اس نے تمام لائٹس آف کر دیں بس سائیڈ لیمپ آن رکھا۔

''مجھے اندھیرے میں خوف آتا ہے میں اسے بند نہیں کروں گی۔''

انوشے نے مدھم سی آواز میں وضاحت کی تھی جواب بھی اسے گھور رہا تھا۔ اس نے بیڈ پر بیٹھنا چاہا تو سعد نے اسے روک دیا۔

''مجھے کسی کے ساتھ بیڈ شیئر کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہی کمرہ..... آج کی اور اگلی دو راتوں تک اس کمرے کو تمہارے ساتھ بانٹنے پر مجبور ہوں مگر بیڈ شیئر کرنے کی اجازت میں تمہیں نہیں دیتا۔ کراچی پہنچتے ہی تمہیں الگ کمرہ مل جائے گا مگر یہاں ایسے ہی گزارہ کرو۔''

سعد کا لہجہ صاف اور کاٹ دار تھا۔ انوشے کو اپنے قریب دھماکے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے لیمپ کی مدھم روشنی میں سعد کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

''تم اُدھر صوفے پر سو جاؤ یا دیوان پر جہاں تمہاری مرضی اور ایک بات دھیان سے ذہن نشین کر لو مجھ سے تعلقات بڑھانے کی کوشش مت کرنا اور میں ایک بات بار بار دہرانے کا عادی نہیں ہوں..... تم واقف نہیں ہو اس لیے سمجھا رہا ہوں۔''

وہ سخت لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ پھر اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ انوشے نے گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو بمشکل آنکھوں کے راستے باہر آنے سے روکا تھا اور دیوان کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

''اور پلیز یہ سائیڈ لیمپ بھی آف کر دو۔ میں روشنی میں سونے کا عادی نہیں ہوں اور یہ میرا کمرہ ہے کوئی جنگل نہیں ہے..... میری اجازت کے بنا میرے کمرے میں کوئی نہیں آتا..... جب کراچی ہوتا ہوں تو یہ کمرہ لاک ہو جاتا ہے..... کسی دوسرے کے زیر استعمال کبھی نہیں رہا سوائے میرے۔ اس لیے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اس نے اپنے تئیں اس تفصیلی Description سے اس کی تسلی کر دی تھی اور خود کروٹ بدل لی۔ اس دوران انوشے کی آنسو روکنے کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں..... تو اس نے آگے بڑھ کر لیمپ آف کر دیا تھا۔ پورا کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا وہ آہستہ آہستہ چلتی دیوان تک آئی تھی اور پھر دیوان سے کرنکا کر نیچے قالین پر ہی بیٹھ گئی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کی سہاگ رات ایسی ہوگی..... ایک ماہ سے وہ جس شخص کی منکوحہ تھی وہ شخص ان تمیں دنوں میں موجود ہر لمحے اس کی سوچوں کا محور رہا تھا۔ آج اس کے سامنے آیا بھی تو اس طرح.....؟ سہاگ رات ایسی بھی ہو سکتی ہے کسی نے نہیں بتایا تھا۔ سب نے تو بڑی مسحور کن گدگدانے والی سرگوشیاں اس کے کانوں میں انڈیلی تھیں کہ اس کا دل جھومنے لگتا تھا۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں کئی بار سعد کو خود سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا دیکھ چکی تھی۔ نجانے اسے کس بات پر

زیادہ رہا نہ آیا تھا۔ سعد کے رویے پر، گھر والوں سے جدائی پر، اپنے خوابوں کے ٹوٹنے پر یا اس خوفناک اندھیرے سے، وہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ مگر اس رات وہ بہت روئی تھی۔ اپنی سسکیوں کو دبانے کی کوشش میں وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ دیوان کے ساتھ سر ٹکائے اس نے آنکھیں زور سے بھینچ رکھی تھیں..... اندھیرے میں عجیب عجیب ہیولے اسے ڈرا رہے تھے..... رات کا نجانے کونسا پہر تھا خوف کے مارے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی..... سردیوں کی ٹھٹھرتی رات بھی اپنے عروج پر تھی..... حجلہ عروسی میں پھولوں کی مدھم خوشبو نے پورے کمرے کو معطر کر رکھا تھا۔ نرم گرم بیڈ پر لیٹے سعد کو ایک پل کے لئے بھی نیند نہ آئی تھی۔ انوشے کی دبی دبی سسکیاں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ نجانے کیوں اُسے اس لڑکی پر ترس آ رہا تھا مگر وہ ڈھیٹ بنا پڑا رہا۔ انوشے نے بہت صبر کیا تھا مگر مارے خوف کے اس کا بُرا حال تھا۔ شروع سے ہی اسے اندھیرے سے خوف آتا تھا۔ وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی تب بھی لائٹس آن کر کے سویا کرتی تھی۔ یہ تو جگہ بھی نئی تھی اسے لگ رہا تھا ابھی اندھیرے سے کوئی چیز آ کر اسے دبوچ لے گی..... دو ایک بار اس نے آنکھیں کھولیں مگر کئی ہیولے اسے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دینے لگے۔ گھبرا کر اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔

خدا کو شاید اس پر ترس آ گیا تھا کہ اُس نے اس پتھر دل انسان کے دل میں نجانے کیا بات ڈالی کہ اُس نے اچانک ہی سائیڈ لیمپ آن کر دیا۔

پھر اُٹھ کر کمرے کی لائٹس آن کیں تو ہر طرف روشنی پھیل گئی..... سعد کی آنکھیں چندھیا سی گئی تھیں اس روشنی سے نہیں بلکہ حُسن کی اُس چکا چوند سے جو اس کی آنکھوں کے حصار میں تھا۔ انوشے کی بھیگی پلکیں بند تھیں اور نم گال خوف سے دھک رہے تھے۔ وہ گھڑی بنی قالین پر بیٹھی ہولے ہولے کپکپا رہی تھی۔ سعد کانی ویرا اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

''آنکھیں کھولو! میں نے لائٹس آن کر دی ہیں۔''

سعد کی آواز پر انوشے نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں پھر اُسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

''تم چاہو تو بیڈ پر سو جاؤ میں دیوان پر.....''

''نہیں میں ٹھیک ہوں آپ خود کو تکلیف نہ دیں۔''

''ہاں! وہ نظر آ ہی رہا ہے۔''

سعد نے اس کے خوفزدہ حلیے پر چوٹ کی تھی۔ اندھیرے سے خوف کی وجہ سے یقیناً

اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ انوشے کو پہلی بار اپنے اس خوف پر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

''ابھی میں لائٹس آف کر دوں گا تو تمہاری ساری بہادری ہوا ہو جائے گی جس کا تم ابھی مظاہرہ کر رہی ہو۔''

سعد نے مزا لیا تھا۔ شرمندگی کا گھڑوں پانی انوشے پر پڑا تھا۔

''اپنی وے تم یہاں قالین پر نہ بیٹھو، دیوان پر سو جاؤ اور یہ کمبل لے لو سردی بہت ہے۔''

سعد نے بیڈ سے کمبل اُٹھا کر اسے تھمایا تھا جواب اُٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ سعد نے بڑھ کر کمرے کی ساری کھڑکیاں بند کیں اور پردے برابر کر کے بیڈ پر آ لیٹا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔ سعد نے ایک گہری نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی اور پھر لیٹ کر تکیہ منہ پر رکھ لیا..... یہ شاید روشنی سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔

''میری وجہ سے ان کی بھی نیند خراب ہو رہی ہے خواہ مخواہ''

انوشے نے تاسف سے سوچا اور پھر وہ دیوان پر لیٹی کافی دیر اسے دیکھتی رہی۔ اس کی سوچیں مخلص تھیں پورے خلوص سے اس نے اس رشتے کو قبول کیا تھا اور سعد کے اُکھڑے رویے میں بھی اسے اپنے لیے فکر اور کیئر (Care) ہی نظر آئی تھی سو تمام خدشات کو پس پشت ڈال کر اس نے سکون سے آنکھیں موند لی تھیں۔ اسے سعد کو وقت دینا تھا کہ وہ بھی اس نئے بننے والے رشتے کو دل سے قبول کرے..... انوشے کو اب اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب سعد کو اپنا کمرہ اور اپنا بیڈ کسی سے شیئر کرنے کی عادت ہو جاتی اور خود اسے اندھیرے میں سونے کی..... وہ مسکرائی تھی اور بانہیں پھیلائے گھڑی نیند کی آغوش میں جا سمائی۔

''اللہ اکبر! اللہ اکبر!''

اذان کی آواز انوشے کے کانوں میں پڑی تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ حال میں لوٹ آئی تھی۔

''آہ میں کس قدر بیوقوف تھی ایک ایسے سفر کے آغاز پر شاداں تھی جس کا اختتام اذیت ناک ہے۔''

ڈائری اس نے ایک طرف رکھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے وضو کرنے چل دی۔ جائے نماز وہ آج اپنے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ نماز کے بعد اس نے رو رو کر اپنے لیے دعا کی تھی..... آج اس پر جو قیامت ٹوٹنے والی تھی، آج کے دن کا سورج جو اذیت ناک صبح اس کے لیے طلوع کرنے والا تھا، اس کا احساس ابھی سے اس کی سانسیں اٹکانے لگا تھا۔ تلاوت قرآن

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے بعد، دوبارہ ٹیرس پر آ گئی تھی..... اس نے ایک حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور بڑی توجہ سے فضا میں چہچہاتے پرندوں کی آوازوں کو سنا تھا۔ کچھ دیر وہ ریلنگ پر ٹکی نیچے لان میں کھلے رنگ برنگے پھولوں کو دیکھتی رہی پھر جھولے پر آ بیٹھی اور ایک مرتبہ پھر ڈائری کھول لی اور قلم سے الفاظ اس پر اُتارنے لگی۔

"آج کا دن نکل آیا ہے مشرق کی طرف سے سنہری ہوتے آسمان نے سورج کی آمد کا اشارہ دیا ہے..... نجانے کیوں رات بھر جو دُکھ اور اضطراب مجھے بے چین کیے رہا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں اب بالکل پُرسکون ہوں میرے دل کی دھڑکن معمول پر ہے مگر مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کی رفتار مدھم ہوتی جا رہی ہے اور دھیرے دھیرے یہ نہ ہونے کے برابر ہو جائے گی..... کیا خبر خدا کو مجھ پر ترس آ گیا ہو اور وہ آج مجھ پر وہ احسان کر دے جس کی اب مجھے بہت ضرورت ہے..... اگر ایسا ہے تو میں بہت خوش ہوں..... اور کون خوش نہیں ہوگا کہ اسے ہر اذیت سے چھٹکارا ملنے والا ہو..... میں بھی آج شاید ہر اذیت سے آزاد ہو جاؤں، زندگی کی اذیت سے بھی۔"

انوشے قلم روک کر مسکرائی تھی۔

"سعد کی ایک ایک بات میری سماعتوں میں زندہ ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اب ان کے لہجے کی گونج مجھے دُکھی نہیں کر رہی، ان کی باتوں کی تلخی مجھے زخمی نہیں کر رہی، سارے خوف اور ساری اذیتیں بھی ختم ہو گئیں۔ اب مجھے خواہش نہیں کہ سب ٹھیک ہو جائے۔ بس ایک ہی خواہش ہے کہ میں اپنے رب کی عدالت میں سرخرو ہو جاؤں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میرا دماغ چکرا رہا ہے..... آنکھوں کے آگے دھند سی چھانے لگی ہے جسے میں بار بار آنکھیں جھپک جھپک کر پیچھے دھکیل رہی ہوں۔ منظر چند لمحوں کے لئے صاف ہوتا ہے پھر دھندلانے لگتا ہے اور اب تو جیسے یہ دھند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ میرے ہاتھ کپکپانے لگے ہیں، ٹھیک سے لکھنا دشوار ہوتا جا رہا ہے اور میرا دل....."

انوشے نے گہرا سانس لینے کی ناکام سی کوشش کی تھی۔

"میرا دل دھڑکنوں کی تعداد کم کرتا جا رہا ہے، سانسیں بھی شاید راستہ بھٹکنے لگی ہیں۔ لگتا ہے رب کریم نے میرے دل کی صدا سن لی ہے مگر میں جو چاہتی ہوں اس کی دُعا نہیں کر سکتی..... مغفرت کی دُعا نہیں کرتے میں جانتی ہوں تبھی تو شاید خدا نے بن مانگے مجھ پر یہ احسان کرنے کا سوچا ہے۔ سعد کو میں نے اپنی زندگی مانا۔ اللہ نے، میرے پیارے اللہ نے میرا یہ بھرم قائم رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے میں بے حد شکر گزار ہوں اپنے رب کی۔"

انوشے نے آنکھیں میچ کر دوبارہ کھولی تھیں دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"میرے لیے سانس لینا مشکل ہوتا جا رہا ہے..... یہ فضا مجھے آکسیجن فراہم کرنے سے منکر ہوتی جا رہی ہے ٹھیک ویسے ہی جیسے سعد..... سعد نے مجھے اپنا ساتھ فراہم کرنے سے انکار کر دیا..... میرا قلم ہاتھ سے چھوٹنے لگا ہے میں نے بڑی ہمت سے اسے تھام رکھا ہے مگر میں جانتی ہوں زیادہ دیر تک اس پر اپنی پکڑ سلامت نہ رکھ پاؤں گی یہ بھی میری دسترس سے نکل جائے گا جیسے سعد حسن رضوی نکل گیا اور جیسے..... جیسے اب یہ زندگی ہولے ہولے میری مٹھی سے ریت کی مانند سرکتی جا رہی ہے..... مجھے اب کوئی خواہش نہیں ہے تمام خواہشات حسرتوں کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔ میرے راکھ ہونے میں بھی بہت کم وقت ہے شاید۔"

انوشے نے ہاتھ سے چھوٹتے پین پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی اور دھندلائی آنکھوں سے سامنے طلوع ہوتے سورج کو بڑی حسرت سے دیکھا تھا جیسے اس سے تھوڑی سی روشنی اُدھار مانگنے کی متمنی ہو۔ آج وہ اندھیروں کی دنیا میں جاتے ہوئے بھی خوفزدہ نہ تھی..... اسے روشنیوں سے کچھ نہیں ملا تھا تو اندھیرے کا خوف خود ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ نظریں ڈائری پر جمانے کی سعی کی اور بمشکل قلم کی نوک کو صفحے پر گھسیٹا۔

"میں انوشے کبیر جب سے مسز انوشے سعد حسن بنی تب سے مجھے ایک ہی احساس رہا ہمیشہ کہ سعد حسن رضوی تمہارے بنا میں ادھوری تھی۔ تم سے ملنے کے بعد میری ہستی کی تکمیل ہوئی۔ اب تم نے ساتھ کیا چھوڑا پہلے والی نامکمل زندگی بھی نہ رہی..... تکمیل کی خواہش میں میری ہستی مٹ گئی۔ ممی پاپا (ساس سسر)، مما بابا میں نے آپ چاروں کا مان رکھا، میں نے اس رشتے کو دل سے نبھایا۔ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ وفا نبھائی۔ سعد حسن رضوی مجھے یہ مان قائم رکھنا تھا سو میں سرخرو ہوئی اس امتحان میں..... ہار کر بھی سرخرو ہوئی کیونکہ میں آج بھی بڑے دعوے سے کہہ سکتی ہوں "زندگی تم ہو"....."

انوشے کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا تھا اور ڈائری اوندھے بل زمین پر جا گری تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے مکمل اندھیرا چھا گیا تھا اور دماغ جیسے یکدم ماؤف ہونے لگا تھا۔ اس نے بڑی کوشش سے ایک سانس لیا تھا جیسے اپنے حصے کی آکسیجن لے کر اس نے فضا سے کھینچی تھی..... لوگوں کے لئے اُجالوں کا آغاز تھا مگر اس نے اندھیری دنیا کے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ سعد کی شبیہ اس کی بند آنکھوں کے پیچھے اندھیروں میں ایک پل کے لیے اُبھری تھی اور مدھم سے دھڑکتے دل نے بڑی شدت سے اسے دیکھنے کی

تھی..... آخری بار بس آخری بار اپنے پیاروں کو دیکھ لوں۔ سعد، مما، پاپا، ممی، بابا، دلی بھائی، مشی، ایمہ سب کے چہرے اس کی بند آنکھوں میں آن سمائے تھے۔ پھر سب کی شبیہیں ایک ایک کر کے معدوم ہونے لگیں، صرف سعد کی شبیہ رہ گئی۔

''سعد!''

انوشے کے لب کپکپائے تھے۔ آواز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ سعد کی شبیہ بھی دھندلی ہوتے ہوتے کہیں گم ہوگئی۔ اس کے اوجھل ہوتے ہی اس کے دل نے بھی ایک آخری آہ بھری تھی۔ جب دل کا مکین نہ رہا تو خالی مکان ڈھے گیا۔

''اللہ..... تیرا..... شکر..... ہے۔''

اس کے خاموش لبوں سے آخری فقرہ زبان سے ادائیگی کے بنا ہی آسمان کی طرف پرواز کر گیا تھا۔ دل کے شعلے نے جیسے آخری بار بجھنے سے پہلے اپنی لو تیز کی تھی پھر ہر طرف گھپ اندھیرا اور سناٹا چھا گیا۔ انوشے کے بازو لڑھک گئے تھے اور جھولا ساکن ہو چکا تھا۔ خدا کا احسان ہو چکا تھا۔

****

سعد بہت خوش تھا اپنے فیصلے سے..... اس نے انوشے کے ماضی کو بھلا کر صرف حال میں جینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کل اس کے نکاح کی چوتھی اینورسری تھی اور اس نے زندگی کا نئے سرے سے آغاز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ اور زخم کچھ اور گھاؤ اس کا نصیب تھے جو اسے ہر حال میں برداشت کرنے تھے..... وہ آفس میں تھا جب ایک پارسل اس کے لئے آیا۔ اس نے کھولا تو سی ڈی کے ساتھ ایک نوٹ تھا۔

''کل تمہاری اینورسری ہے تو سوچا گفٹ ایڈوانس میں ہی تم تک پہنچا دوں۔''

سعد نے جیسے ہی لیپ ٹاپ میں سی ڈی چلائی اس کی دنیا لمحوں میں گھوم گئی تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں پتھرائی آنکھوں سے وہ ویڈیو کلپس دیکھتا رہا پھر اس نے بار بار دیکھے..... فون کی بیل پر اس نے غائب دماغی سے کال ریسیو کی۔

''کیوں سعد صاحب کیسا لگا گفٹ۔''

وہی اجنبی شخص کی جانی پہچانی آواز تھی۔ سعد نے فون پٹخ دیا۔ پوری ایک رات اس نے جیسے کانٹوں پر گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ آفس کے لئے نکل آیا اور شام کو ڈنر پر بھی انوشے سے اس کا سامنا نہ ہوا تھا۔ پھر دلی بھائی اور مشی نے جب آن ایئر آنے کا کہا تو سعد نے

بڑی ہمت سے خود کو نارمل رکھا۔ انوشے اس کے بلاوے پر اسی کے کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر سعد کے سارے زخم ہرے ہونے لگے تھے۔ دل بار بار کہہ رہا تھا کہ انوشے ایسا نہیں کر سکتی..... ضرور کوئی غلط فہمی ہے مگر دماغ ایسی بے جوڑ دلیلیں کسی خاطر میں نہ لا رہا تھا۔ اور پھر جیسے ہی وہ دونوں آف ایئر ہوئے سعد کا خود پر کیا گیا ضبط جواب دینے لگا۔ یہ سب جھوٹ ہے، اس کا اقرار وہ انوشے سے چاہتا تھا۔

''اور اگر یہ سب واقعی فراڈ ہے تو میں اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا۔ پاتال سے ڈھونڈ نکالنا پڑا تو اس خبیث کو وہاں سے بھی گھسیٹ لاؤں گا مگر صرف ایک بار انوشے کہہ دے کہ وہ ان ویڈیو کلپس میں نہیں تھی۔''

سعد کا اپنا دل سہما ہوا تھا اگر یہ سب سچ ہوا تو اس سے آگے وہ جانتا تھا کیا ہوگا۔ وہ لمحہ بھی نہ لگائے گا انوشے کو اپنی زندگی سے نکالنے میں اور جب وہ بے وفا چلی جائے گی تب؟؟؟ تب کیا ہوگا؟؟؟'' اس کے دل نے ایک خوفناک سوال کیا تھا جس سے وہ نظریں چرا گیا تھا۔ انوشے نے انکار نہیں کیا تھا ویڈیو میں وہی تھی مگر اتنا ہی نہیں وہ مسلسل جھوٹ بولتی جا رہی تھی، ان ویڈیوز کو جھٹلا رہی تھی اور ساتھ ہی اپنی نشاندہی بھی کر رہی تھی کہ ان میں کوئی اور نہیں وہی ہے اور یہ فیک نہیں..... سعد نے دل پر پتھر رکھ کر اپنا فیصلہ سنایا اور گاڑی لے کر باہر نکل آیا تھا..... گھر سے باہر سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے وہ مسلسل اپنے ساتھ ہونے والے اس سانحے کو سوچتا رہا۔ پوری رات بیت گئی مگر نجانے کیوں آج وہ چاہتا تھا کہ کبھی صبح نہ ہو، کبھی دن نہ نکلے، سورج طلوع ہونا بھول جائے اور اسے وہ فیصلہ نہ کرنا پڑے جس کا وہ کچھ دیر پہلے بڑی بہادری سے اعلان کر کے آیا تھا۔ نجانے کیوں اتنا سب ہو جانے کے بعد بھی دل اسی لڑکی کی سائیڈ لے رہا تھا اور سعد کا غصہ الاؤ بنتا جا رہا تھا۔ اس کا من چاہا جا کر اس ڈرامہ باز لڑکی کا منہ نوچ ڈالے۔ جس نے اپنے چہرے کی معصومیت کو آڑ بنا کر اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیا..... پاکبازی کا ناٹک کرنے والی وہ اداکارہ اس کے گھر، اس کے دل کے لائق ہی نہ تھی۔

''کاش میں اسے قتل کر سکتا۔''

سعد نے مٹھیاں بھینچ کر سوچا تھا۔ سورج نکل چکا تھا جب اس کے موبائل کی بیپ بجی۔

''بولو! اب کیا بتانا چاہتے ہو؟''

سعد نے بمشکل اپنا لہجہ نارمل کیا تھا۔ مگر مقابل سے آتی آواز نے اسے لرزنے پر مجبور کر دیا وہ جو کوئی بھی تھا دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ حیرت یہ نہ تھی کہ اس نے سعد کو فون کیا بلکہ

قابل حیرت یہ بات تھی کہ وہ شخص اُسے اس نمبر سے فون کر رہا تھا جس سے کل رات سعد کو اسی اجنبی شخص نے فون کیا تھا۔

''مگر یہ آواز تو اس کی نہیں تو پھر یہ کون ہے۔''

''سعد حسن مجھے معاف کر دو..... پلیز مجھے معاف کر دو میں نے بہت بڑا گناہ کیا۔ اتنا بڑا کہ موت بھی مجھے قبول کرنے سے انکاری ہے۔ تم اور انوشے مجھے معاف کر دو تاکہ مجھے اس اذیت والی زندگی سے نجات مل جائے۔''

وہ درد سے بلبلاتا ہوا فریاد کر رہا تھا۔ سعد پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شخص کیا کہہ رہا ہے اور کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ اس نے بمشکل اپنے حواسوں کو بحال کر کے اس شخص کی بات کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اب اسے کسی ہاسپٹل میں بلا رہا تھا۔ وہ کون تھا، اسے کیوں فون کیا تھا، انوشے کو کیسے جانتا تھا۔ سعد اس سب سے لاعلم تھا۔

''سعد پلیز تم آ جاؤ جتنی جلدی ہو سکے میرے پاس آؤ مجھے تم سے ایک بہت اہم راز ڈسکس کرنا ہے۔ مجھے اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنا ہے۔ تم جلدی آؤ پلیز.....!''

سعد نے خاموشی سے فون بند کیا اور مطلوبہ ہاسپٹل کی طرف گاڑی موڑ دی اور مطلوبہ کمرہ نمبر میں جا پہنچا۔ اندر قدم رکھتے ہی اس کی آنکھوں نے جس نظارہ کو دیکھا تھا وہ ناقابل برداشت تھا۔ ایک شخص نہایت ہی زخمی حالت میں کراہ رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں اور دایاں بازو مکمل طور پر جکڑے ہوئے تھے۔ سر پر بھی پٹیاں بندھی تھیں۔ ناک پر بھی بینڈیج تھا اور گردن پر سیفٹی پیڈ لگا تھا۔ سعد اس اذیت ناک منظر کی تاب نہ لا کر پلٹنے کو تھا جب اسے اس نے پیچھے سے مخاطب کیا تھا۔

''سعد زکی!''

اُس کے لہجے میں خوشی تھی۔ سعد نے حیرت سے اسے دیکھا اتنی تکلیف میں بھی کوئی شخص خوش کیسے ہو سکتا ہے۔

''سعد! ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو!''

سعد نے اُسے کہتے سنا تھا۔ اس نے قریب پڑی کرسی پر نشست سنبھالی۔ وہ شخص اب زار و قطار رونے لگا تھا، اس کے آنسو تکیے میں جذب ہو رہے تھے اور اس کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں..... سعد ہونٹ بھینچے بس اسے دیکھ رہا تھا..... کئی سوال اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

''یہ شخص کون ہے.....؟ انوشے کو کیسے جانتا ہے اور جو کچھ آج تک اس اجنبی آواز نے مجھے بتایا ان سب کا مقصد کیا تھا اور اس زخمی انسان کا اُس سے کیا تعلق ہے.....؟ آج اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ اس نے مجھے کیوں بلایا، وہ رو کیوں رہا ہے اور مجھے کونسا راز بتانا چاہ رہا ہے..... آج تک یہ شخص خود کو میرے سامنے نہیں لایا تو پھر آج کیوں.....؟ وہ بھی اس حالت میں.....؟''

سعد کے ذہن میں کلبلاتے سوالات شور کر رہے تھے مگر وہ ہونٹ سیئے انہیں زبان پر لانے سے روکے ہوئے تھا۔ کافی دیر رونے کے بعد اُس شخص نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ وہ کوئی بڑی عمر کا شخص نہیں تھا۔ یہی کوئی 26 یا 27 سال کا جوان تھا۔ بھرے بھرے جسم کا مالک، کافی خوبرو تھا اور یقیناً کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا تبھی تو اتنے بڑے ہسپتال کے اتنے شاندار پرائیویٹ روم میں زیر علاج تھا۔ سعد نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا مگر اس سے اسے بہرحال اُن تمام سوالات کے جوابات نہیں مل سکتے تھے جو وہ جاننا چاہتا تھا۔

''میرا نام حارث ہے۔''

اس شخص نے آخر کار بات کا آغاز کیا تھا۔

''تم مجھے نہیں جانتے مگر میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہارے بارے میں پوری انفارمیشن ہے مجھے۔''

وہ اب قدرے سکون سے گفتگو کر رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی دیوانگی نہیں تھی۔ سعد بہت غور سے اس کے منہ سے نکلتے الفاظ کو سن رہا تھا۔

''میں انوشے کو بھی جانتا ہوں۔ آج سے تقریباً ساڑھے چار سال پہلے میری اُس سے پہلی اور آخری ملاقات ہوئی تھی..... مری میں ہمارے کالج کا ٹرپ گیا ہوا تھا۔ انہی دنوں انوشے بھی اس ٹرپ کے ہمراہ وہاں موجود تھی۔''

وہ ایک ربط میں بول رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رُک کر کئی کئی لمحے خاموش رہتا۔ ایسے میں اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے پھر وہ وہیں سے سلسلہ کلام جوڑتا جہاں سے چھوڑتا۔ لہجے کے اُتار چڑھاؤ سے اس کے جذباتی ہیجان کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا..... اس نے آہستہ آہستہ پورا واقعہ تفصیلاً سعد کے گوش گزار کیا تھا۔

''میں چونکہ بگڑا امیر زادہ تھا، ان دوستوں کے سامنے جو میری جی حضوری کرتے تھے، پالتو کتوں کی طرح میرے آگے پیچھے دُم ہلاتے پھرتے تھے، میرے پیسوں پر عیش کرتے تھے اُن کے سامنے انوشے نے مجھے تھپڑ مارا تھا..... میں چاہتا تو اسی وقت اس تھپڑ کا حساب چکتا کر سکتا تھا مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں اپنی اتنی انسلٹ کا بدلہ عام طریقے سے نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے اُس لڑکی کا مان توڑنا تھا..... اپنی ذات پر ایسے بے غرور تھا مجھے اس غرور کو مٹی میں ملانا تھا..... میرے دوست جب بھی اس واقعے کا ذکر کرتے میرا خون کھول اُٹھتا۔ میں نے انتقام کے شعلوں کو اتنا سلگایا کہ میرا ضمیر اس میں جل کر راکھ ہو گیا..... پھر میں نے بدلے کے جوش میں ایک لمبی پلاننگ کی..... ہیں پر اُسی وقت میں نے انوشے کی ہسٹری معلوم کروائی۔ میرے لیے یہ مشکل نہیں تھا۔ ضرورت صرف ایک ایسے شخص کی تھی جو میری طرح ہی انوشے کا ڈسا ہوتا اور اُس سے میرے جتنی نہیں تو تھوڑی سی ہی سہی نفرت ضرور کرتا ہوتا۔ آگے میرا کام تھا کہ اس نفرت کی ننھی سی چنگاری کو کس طرح شعلہ بنا کر انوشے کی زندگی کو جلانا تھا..... مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی کیونکہ انوشے جیسی حق کی بات منہ پر کہہ دینے والی لڑکی نے کسی اور کی سیلف رسپیکٹ کو بھی ٹھیس پہنچائی تھی..... وہ اس کے کالج کا ہی ایک لڑکا تھا سلیم..... اُس نے شاید انوشے کو ٹیکے دیا تھا مگر انوشے نے اس بات کو پرنسپل سر تک پہنچا دیا اور وہ ڈرپوک انسان اتنا ذلیل ہوا کہ کالج بھر میں تماشہ بن کر رہ گیا۔ اس کے اندر بھی بدلے کی چنگاری بھڑکی تھی مگر وہ بزدل تھا، کمزور تھا سو جب اُسے میری شہ ملی تو اُس کا انتقام کا دبا ہوا جذبہ بھڑک اُٹھا..... اس نے ضرورت سے زیادہ اور اُمید سے کہیں جلدی میرے کام کو کر دکھایا تھا..... اُس نے مری ٹرپ کے دوران ہی کئی ویڈیو کلپس جو اس نے چھپ چھپ کر ایسے ایسے زاویوں سے لیے تھے کہ سین ایک دم ہی اُلٹ تاثر دکھاتا تھا کئی تصاویر اُس نے لی تھیں اور جو اس کی اعلیٰ مہارت کا ثبوت تھیں..... دیکھنے میں بزدل اور نکما سا لڑکا بہت کارآمد ثابت ہوا تھا اور میں اس بات کا اعتراف کیے بنا نہ رہ سکا کہ ایک اچھے فوٹو گرافر کی تمام خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ پھر ٹرپ سے واپسی پر کالج میں ہونے والی چند ایک تقاریب میں بھی اُس نے اسی مہارت کا ثبوت دیا تھا اور ویڈیو کلپس اور تصاویر مجھے بھیج دی تھیں اور میں نے ان سب کو محفوظ کر لیا..... اب مجھے صحیح وقت کا انتظار تھا جب میں انہیں کام میں لا سکتا اور بدلے کی اس آگ کو ٹھنڈا کر سکتا..... میں اُس وقت خود کو خوش قسمت تصور کرتا تھا کہ مجھے اس درست وقت کا بھی زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ جلد ہی مجھے علم ہوا کہ انوشے کی شادی ہونے والی ہے۔ پھر جس دن اُس کا نکاح تھا میں نے ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں تمہیں دیکھا تھا۔ تم ایک قابل بزنس مین تھے تمہارا کانٹیکٹ نمبر لینا میرے لیے مشکل نہ تھا۔ پھر اس کے بعد میں نے ایک ایسے شخص کو استعمال کیا جو تمہیں فون پر انوشے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا جائے..... وہ ہر بار ایک نئے نمبر سے تمہیں فون کرتا اور میری سکھائی ہوئی باتوں کو من و عن تم سے بیان کر دیتا..... تم نے کئی

بار کہا تھا کہ تم پر اس کی بکواس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اگر وہ سچا ہے تو اپنی سچائی ثابت کرے مگر میں جانتا تھا تم پر اثر ہوتا تھا..... کوئی ہے ایسا شوہر جسے اپنی بیوی کے کردار کے بارے میں ایسا کچھ پتا چلے اور وہ ری ایکٹ نہ کرے..... وہ بھی ہمارا مشرقی مرد۔ جب شوہر بنتا ہے تو ایسے حالات میں قطعی سچ جاننے کی کوشش نہیں کرتا فوراً سے پہلے بیوی کے بارے میں بدظن ہو جاتا ہے..... وہ اجنبی لوگوں کی گھٹیا باتوں پر یقین کر لے گا مگر اپنی بیوی کی پاکیزگی اور سچائی کو شک کی نگاہ سے دیکھے گا..... لاشعوری طور پر اس سے بدظن رہنے لگے گا..... فتنہ یہ باتیں اُسے سنائے گا، اسے بدکردار اور خود کو ایسا معصوم سمجھے گا جو انجانے میں ہی مارا گیا..... وہ ایک بار بھی اپنی بیوی پر یقین نہ کرے گا..... چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ..... ہمارے معاشرے کا یہی المیہ ہے کہ جہاں عورت کی بات آتی ہے اُسے ہی قصوروار سمجھا جاتا ہے، اسے ہی غیرت کے نام پر سُولی کیا جاتا ہے، اسے ہی سزا سنائی جاتی ہے اور اکثر وہ عورت بے گناہ اور معصوم ہوتی ہے جو ہمارے اس نام نہاد عورت و مرد کی برابری کے دعوے کرنے والے معاشرے کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے..... خود مرد جہاں چاہے منہ کالا کرتا پھرے حتیٰ کہ عورت کو طلاق بھی دے دے کوئی نہیں پوچھے گا مگر عورت کے بارے میں اگر جھوٹی خبر بھی کانوں تک پہنچی تو سزا جیسے اُس پر فرض کر دی جاتی۔ انوشے کے معاملے میں بھی میں ایسا ہی چاہتا تھا..... میں نے تو اس جھوٹ کو سچ کے ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ تباہی و بربادی اس کے لیے لازم و ملزوم ہو گئی تھی..... کل میں نے اپنی چال کا آخری پتہ پھینکا تھا اور میں بے تحاشہ خوش تھا کہ میں نے آخر اس تھپڑ کا بدلہ لے لیا تھا..... نتیجہ کی مجھے پرواہ نہ تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم یہ سب دیکھ کر اُسے طلاق دینے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤ گے..... کوئی مرد جتنا بھی پیار و عشق کے دعوے کر لے خود کو کتنا ہی اعلیٰ ظرف بنا لے ایسی سچوایشن میں اس کے تمام بلند و بانگ دعوے اور اعتماد دھڑام سے کے کھڑے کیے گئے اُونچے اُونچے مینار ریت کے ٹیلوں کی طرح بھربھرے ہو کر ڈھے ہی جاتے ہیں اور ساری اعلیٰ ظرفی اور روشن خیالی دھری کی دھری رہ جاتی ہے..... میں ساڑھے چار سالوں کے انتظار کے بعد اس کامیابی پر بے تحاشا خوش تھا مگر میں یہ بھول چکا تھا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے..... وہ سب دیکھ رہا ہے..... وہ کسی معصوم کے ساتھ اتنا ظلم کیسے ہونے دیتا..... مجھ جیسے گنہگار کو سزا ملنی ہی تھی۔ اللہ نے مجھے چھوٹ دے رکھی تھی اور میں اپنی کمینگی میں جس حد تک گر سکتا تھا گرا..... اللہ نے اپنی دی ہوئی چھوٹ کو تنگ کیا اور میں بلبلا کر رہ گیا۔ تمہیں سی ڈی بھجوا کر میں نائٹ کلب جا رہا تھا کہ میری کار ایک ٹرالر سے جا ٹکرائی۔ میں نشے میں تھا اپنا بچاؤ کرنے کے لئے ہوش درکار

تھا..... پہلے ہی بے حد گاڑی دوڑا رہا تھا اچانک ٹریلر سامنے آیا تو سنبھل نہ سکا۔"

وہ اب دوبارہ زار و قطار رونے لگا تھا۔

"میں بہت تکلیف میں ہوں اتنی کہ اذیت میری برداشت سے باہر ہے..... میں مرنا چاہتا ہوں مگر مجھے موت نہیں آتی..... میں بس تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا کہ انوشے بے گناہ ہے۔ اس کا دامن صاف ہے۔ اسے تو یہ بھی خبر نہیں کہ اس سب کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔ کل تک اس کی حالت سوچ سوچ کر میں خوش ہوتا تھا آج اسی احساس ندامت نے مجھے نہ جینے کے لائق چھوڑا ہے نہ مرنے کے۔"

وہ تکلیف سے کراہنے لگا تھا اور سعد پتھر کا بت بنا ساکت تھا۔ صرف اس کا دماغ تھا جو بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا..... آج تک گزرے چار سالوں میں انوشے کے ساتھ کی گئی اپنی زیادتیاں اسے یاد آنے لگی تھیں..... پھر رات کو ہونے والی گفتگو اور اپنا رویہ..... انوشے کی بے بس و لاچار اپنی صفائی میں روتی گڑگڑاتی آواز۔

"اوہ مائی گڈنیس!"

سعد نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا تھا۔ سچائی ثابت ہو چکی تھی۔ جھوٹ کا بھیانک پردہ اٹھ چکا تھا۔ گنہگار کو سزا بھی مل گئی تھی بس اب بے گناہ کو اس کی سچائی کا اجر ملنا باقی تھا..... سعد ایک روبوٹ کی مانند اٹھا اور چلتا ہوا گاڑی تک آیا اور پھر گھر کی طرف گاڑی دوڑائی۔ گھر تک اس نے کس طرح گاڑی ڈرائیو کی اسے خبر نہ تھی۔ وہ کیسے پہنچا اسے یہ بھی علم نہ تھا۔ گیٹ پر ہی اسے چوکیدار نے بتا دیا تھا کہ انوشے بی بی کی حالت اچانک بگڑ گئی تھی، احد صاحب کو بلایا تو وہ انہیں ہاسپٹل لے گئے، نازو بھی وہیں تھی۔ سعد نے بدحواسی میں احد کا نمبر ملایا مگر وہ بزی تھا اس نے گاڑی ہسپتال کے راستے پر ڈال دی۔ پارکنگ ایریا سے وہ تقریباً دوڑتا ہوا ہسپتال کے اندر پہنچا تھا اور اندھا دھند ریسپشنسٹ کی طرف بھاگا۔ انوشے کے بارے میں دریافت کیا تو اسے پتا چلا کہ اس نام کی ایک پیشنٹ (Patient) کو ICU میں لے جایا گیا ہے۔ اُن کو زبردست قسم کا برین ہیمرج ہوا ہے اور حالت بہت ہی تشویشناک ہے۔ سعد کے کانوں میں گویا گرم گرم لوہا پگھلا کر انڈیل دیا گیا تھا۔ بے یقینی کے عالم میں اسے بس ایک ہی خیال نے تڑپا ڈالا تھا۔ انوشے کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا احساس اس کے لئے دنیا کے ہر خسارے پر بھاری تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ICU کی طرف آیا تھا۔ پاؤں جیسے من من کے ہو گئے تھے۔ ہر اٹھتا قدم آگے کی بجائے پیچھے کو قوت لگا رہا تھا۔ اسے کاریڈور کے اختتام پر

ICU کے باہر پلوشہ بھابی اور نازو بیٹھی نظر آ گئی تھیں۔ اس کے قدموں نے جیسے زمین کو جکڑ لیا تھا۔ آنکھیں دہشت سے پھٹنے کو تھیں۔ دل تو اتنا بے قرار تھا کہ وہ اب جیسے اس سے ناراض تھا اس کے سینے میں رہنا ہی نہ چاہتا تھا..... اسے محسوس ہوا جیسے اس کا اپنا دل اس سے کہہ رہا تھا۔

"کتنا کہا میں نے کہ انوشے پر بھروسہ کرو..... میری مانو اس پر شک نہ کرو..... میں شروع سے ہی نہیں مانتا تھا وہ سب جھوٹ مگر تم نے دماغ کی مان کر ہمیشہ مجھے جھٹلایا، ہمیشہ مجھے چپ کرایا..... اب دیکھ لو کیا ہو گیا..... تم خود تو محروم ہوئے انوشے سے، مجھے بھی اس سے جدا کر دیا، نہیں رہنا مجھے تم جیسے ظالم انسان کے سینے میں..... تم نے مجھے بھی برباد کر ڈالا جیسے انوشے کو کیا۔"

سعد کا دل مسلسل شور کر رہا تھا اس کی آوازوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اس کی اب مزید ایک بھی قدم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی تھی..... بمشکل اس نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو کھڑا رکھا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کی پوری دنیا ہی اُلٹ گئی تھی اور وہ کچھ نہ کر سکا اُلٹا اس نے خود ہی اپنی دنیا کو برباد کرنے میں اہم کردار نبھایا تھا۔ اور اب اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وقت کے پہیے کو پیچھے گھما دے اور ہر غلطی ہونے سے پہلے ہی اس کا ازالہ کر دے..... مگر ایسا کبھی ہوا ہے..... نہ ہو سکتا ہے۔ وقت کی گھڑی نے پیچھے کی طرف چلنا سیکھا ہی نہیں وہ ہمیشہ آگے جاتی ہے اور ایک ہی سمت سفر کرتی ہے۔ ICU سے نکلتے احد کی نظر سامنے کاریڈور کے دوسرے سرے پر دیوار کے سہارے کھڑے سعد پر پڑی تو وہ خاموشی سے اُس کے قریب چلا آیا۔

"سعد!"

احد نے اسے مخاطب کیا تھا۔ سعد نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے کھڑے اپنے دوست کو دیکھ کر اسے خود پر ضبط نہ رہا اور وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"میں نے کھو دیا اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے..... وہ مجھ سے خفا ہو گئی ہے..... میں نے خود اسے خود سے جدا ہونے پر مجبور کر دیا..... میں قصوروار ہوں، مجرم ہوں۔ میں معافی کے لائق نہیں سزا کا مستحق ہوں اور مجھے سزا مل رہی ہے، انوشے سے الگ ہو کر جینا میرے لیے بہت بڑی سزا ہے لیکن جرم تو میں نے کیا، خدا کو مجھے تکلیف دینی چاہئے تھی انوشے کو کیوں دی..... اُسے کیوں اذیت میں مبتلا کر دیا..... مجھ جیسے انسان کو جینے کا کوئی حق نہیں..... میں زندگی کے لائق نہیں پھر انوشے کی زندگی کیوں خطرے میں ڈال دی..... میں بہت بڑا ظالم ہوں بہت ہی بڑا ظالم....."

اس کی سوچ کا دھارا خود کو ملامت کر رہا تھا۔ سعد آج بے بس ہو کر رو رہا تھا۔ ایسے تو شاید کبھی وہ بچپن میں بھی نہ رویا ہوگا جتنی شدت سے آج اس کے آنسو نکل رہے تھے۔

احد نے اس کی حالت پر تشویش سے اس کے شانے کو تھپکا تھا۔

''سعد! انوشے انڈر آبزرویشن ہے..... تم دعا کرو۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ!''

احد نے اسے تسلی بھری تھپکی دی تھی اور اسے خود سے الگ کر کے اسے حوصلہ دیا تھا۔ وہ پل بھر میں اس کی غیر حالت پر ٹھٹکا تھا۔ وہ جانتا تھا ان دونوں کے درمیان کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی تھی مگر اب ایسی کیا بات ہو گئی کہ اُدھر انوشے زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے اور اِدھر سعد کی حالت ناقابل برداشت ہے۔ اس کے اُلجھے بکھرے بال، سرخ چہرہ، سوجی آنکھیں، سوکھے ہونٹ، ڈھیلی ٹائی، آدھی پینٹ کے اندر اور آدھی باہر سلوٹوں بھری شرٹ، کھلا گریبان، یہ حلیہ سعد حسن رضوی کا تو نہ تھا۔ یہ ہارا، لٹا پٹا شخص جو اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا اور ایک لمحے پہلے اس کے گلے لگ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر زار و قطار رویا تھا، یہ اس کا عزیز ترین دوست تو لگ ہی نہ رہا تھا۔

''کیا یہ سب صرف انوشے کو کھو دینے کا احساس ہے جو اسے اس مقام تک گھسیٹ لایا ہے.....؟''

احد نے بے تحاشہ فکر سے سعد کو دیکھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر اس نے اس سچوایشن کو ایسے ہی ذہن پر سوار رکھا تو کہیں اسے بھی کچھ ہو نہ جائے۔ اس لیے باوجود خواہش کے وہ اس سے کوئی سوال نہ کر پایا تھا اور نہ ہی انوشے کی اصل حالت اور اس کی سیریس کنڈیشن کے بارے میں اسے بتا پایا تھا۔

''ارے سعد بچے کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی اور انوشے کو اچانک کیا ہوا ہے؟''

ممی کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے..... سعد کی ممی پاپا، ایبہہ، انوشے کے مما بابا، ولی بھائی، مشی اور مشی کے والدین بھی تو موجود تھے۔ سعد نے حیرت سے احد کو دیکھا۔

''میں نے انہیں اطلاع دی تھی۔''

احد نے اس کی نظروں کے مفہوم کو سمجھ کر خود ہی بتایا۔ وہ سب پریشان سے خاصی افراتفری کے عالم میں پہلی فلائٹ سے یہاں پہنچے تھے۔

''بھائی..... بھابی کو کیا ہوا ہے؟''

ایبہہ اس کے گلے لگ کر سسک اُٹھی تھی جسے ممی نے سنبھال کر وہاں پڑے صوفے پر بٹھا دیا۔ ان کے آدھے گھنٹے بعد آریان واسطی بھی اپنی بیوی حنا واسطی کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔ مشی نے اُسے اطلاع دی تھی اور وہ جو کل ہی پیرس سے واپس کراچی آئے تھے اور چند دن

کراچی میں رہنے کی غرض سے مقامی ہوٹل میں مقیم تھے، مشی کی انوشے کے بارے میں ایسی اطلاع پر خود کو روک نہ پائے۔ حنا کو بھی انوشے سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ آریان اسے سب بتا چکا تھا۔ آخر وہ آریان واسطی جیسے شاندار شخص کی پہلی محبت کو دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اکثر اسے کہتا تھا۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں مجھے دو لڑکیوں سے محبت ہوئی اور دونوں ہی بے تحاشہ حسن کا شاہکار ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک سی ہیں، دونوں ہی میری زندگی کا حصہ ہیں۔ ایک بہترین دوست کے روپ میں اور دوسری میری بیوی کے روپ میں۔''

مشی نے سعد کا تعارف آریان سے کروایا تھا۔ سعد کا خود فراموشی کا انداز اور اُترا چہرہ اس کے غمزدہ دل کا غماز تھا۔ آریان نے مصافحہ کیا تھا وہ معذرت کے ساتھ وہاں سے اُٹھ آیا۔ انوشے کے لئے اس کی محبت اب جنون بن کر ظاہر ہونے لگی تھی۔ وہ اس کے لیے اس قدر اہم ہو گئی تھی اس بات کا اندازہ اسے اب ہوا تھا..... اب جب سب کچھ خود اسی کے ہاتھوں برباد ہو گیا تھا اور جو بچا تھا شاید وہ بھی بہت جلد اس کا نہیں رہنا تھا۔ وہ بالکل تنہا ایک طرف خاموشی سے خلا میں کہیں گھور رہا تھا، اردگرد سے بے نیاز، اس کا روم روم انوشے کی صحت یابی کے لئے دعا گو تھا۔ وہ کسی بھی صورت انوشے کو کھونے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ایسا ہو گیا تو؟ اس سے آگے وہ سوچ بھی نہ سکا۔ آریان نے اسے کاریڈور کے آخری سرے پر بنچ پر اکیلے بیٹھے پایا تو خاموشی سے اس کے پاس چلا آیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔ سعد نے اسے دیکھا تو وہ بھی ہولے سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''انوشے کو کچھ نہیں ہوگا مسٹر سعد۔ خدا پر اور اپنی محبت پر بھروسہ کیجئے۔''

آریان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ انوشے بے شک کسی زمانے میں اس کی محبت رہی تھی اور اب بھی تھی مگر اب اس نے دوبارہ محبت کی تھی حنا سے جو اس کی بیوی تھی اور وہ انوشے کو دوست کے مقام پر ابھی بھی اتنی ہی شدت سے چاہتا تھا جتنا پہلے۔ یہ اور بات تھی کہ اب اس کا دل حنا کے لمس پر دھڑکتا تھا۔ سعد نے آریان کے لہجے میں صرف اور صرف ایک سچے دوست کی محبت بھری فکر میں ڈوبی دعا کو محسوس کیا تھا جس میں کسی بھی قسم کی کوئی کھوٹ نہ تھی۔ اُسے شرمندگی ہوئی کیونکہ اُس نے اس مخلص شخص کو بھی غلط سمجھا تھا۔ آریان بڑھ کر سعد کے بغل گیر ہوا اور سعد نے بھی گرم جوشی سے اسے دیلکم کیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی دعا پر دل سے آمین کہا تھا۔

''پیشنٹ (Patient) کو ہوش آ گیا ہے۔''

نرس نے باہر آ کر جیسے سب میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ دوڑا دی تھی۔ تبھی احد بھی باہر آیا۔

''آپ سب انوشے سے مل سکتے ہیں مگر خاموشی سے بس دیکھ کر باہر آ جائیں ابھی وہ کسی قسم کی سٹریس لینے کی کنڈیشن میں نہیں ہے۔''

وہ سب اندر جا چکے تھے مگر سعد، آریان اور حنا ابھی تک باہر کھڑے تھے۔ انوشے کے دل نے سب اپنوں کو دیکھنے کی اتنی ضد باندھ رکھی تھی کہ اسے ہوش میں آنا مجبوری لگنے لگا تھا۔ آنکھیں کھولتے ہی پہلے تو اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں ہے پھر اسے دروازے کے اُس پار کچھ آوازیں سنائی دینے لگیں..... یہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں پھر دروازہ کھلا اور پہلا چہرہ مما کا تھا جو اس کی نظروں کے حصار میں آیا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے اندر آئیں۔ ان کے پیچھے اس کے بابا تھا..... پھر سعد کے پاپا سعد کی ممی، دلی بھائی، مشی اور ابیہہ۔ انوشے کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر بھاگ کر ان سب کے گلے لگنا چاہتی تھی، ان سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر وہ باوجود اپنی پوری کوشش کے بھی اتنی طاقت اکٹھی نہ کر پائی تھی کہ ہاتھ تک ہلا سکتی۔ وہ بس ایسے ہی ساکت پڑی خالی خالی نظروں سے سب کے پریشان چہرے دیکھتی رہی۔ ممی بار بار اس کی پیشانی چوم رہی تھیں، ابیہہ اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ پھر اس نے دروازے سے پلوشہ بھابی اور نازدکو داخل ہوتے دیکھا۔ ان کے پیچھے احد بھائی..... ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا..... دل نے مایوس ہو کر پوچھا تھا ''وہ نہیں آیا.....؟''

مگر انوشے کیا جواب دیتی، کیسے سمجھاتی اپنے معصوم دل کو..... وہ بول سکتی تو اپنے دل کی فرمائش زبان پر لے آتی مگر وہ بے بس تھی۔ اچانک ہی اسے بے تحاشہ تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک بار پھر متلاشی اور منتظر نگاہیں دروازے کی طرف دوڑائی تھیں مگر وہ اب بھی مایوس ہی لوٹی تھیں۔ اس نے تھکن سے چور آنکھیں موند لی تھیں۔

''آپ سب باہر چلے جائیں انوشے کو آرام کی ضرورت ہے۔''

اس کی سماعتوں میں احد بھائی کی آواز گونجی تھی۔ پھر اس نے سب کو باہر جاتے محسوس کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی مکمل سناٹا چھا گیا تھا۔ احد بھائی خود بھی شاید باہر چلے گئے تھے۔

''انوشے آنکھیں کھولو دیکھو تم سے کون ملنے آیا ہے؟''

''مشی کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا پھر اس نے ہولے سے آنکھیں کھول دیں۔ ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا پھر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی گہری چمک اُبھری تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے انوشے! انہیں مہمان نوازی کا ذرا بھی طریقہ نہیں۔ ایسے ملتے ہیں دوستوں سے.....؟''

آریان نے اپنے لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں شکوہ کیا تھا مگر حقیقتاً تو اسے انوشے کو اس حالت میں دیکھ کر ہی دھچکہ لگا تھا۔ آکسیجن ماسک نے اس کے آدھے چہرے کو چھپا رکھا تھا بس آنکھیں ہی تھیں جو نمایاں تھیں، ''ویران آنکھیں''

''تمہارے لیے خوش خبری ہے۔ میں نے شادی کر لی ہے۔ یہ ہے میری بیوی حنا۔ نم سے ملنے آئی ہے۔''

آریان نے حنا کا ہاتھ تھام کر اسے انوشے کے سامنے کیا تھا۔ حنا نے ایک دلکش مسکراہٹ سے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارا اور نرمی سے بولی۔

''مجھے آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ ہم ایسے ملیں گے یہ خبر نہ تھی مگر اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ آپ اپنے دوست سے شادی کی ٹریٹ نہیں لیں گی۔''

آریان اور مشی نے اس کی بات پر اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں۔

''ہاں انوشے حنا ٹھیک کہہ رہی ہے..... ہم چھوڑیں گے نہیں اس آریان کے بچے کو۔ بنا بتائے شادی کر لی تاکہ ٹریٹ سے بچ سکے کنجوس کہیں کا.....''

مشی نے بھیگی آواز میں کہا تھا۔

''ابھی تم ریسٹ کرو ہم پھر ملیں گے۔''

آریان سے اب وہاں رُکنا مشکل ہو گیا تھا وہ نم آنکھیں لیے پلٹ آیا۔

''یا خدا جلدی سے انوشے کو صحت یاب کر دے۔''

اس نے دل سے دعا کی تھی۔ وہ تینوں کمرے سے جا چکے تھے۔ ایک بار پھر خاموشی کا راج تھا..... انوشے کی نظریں ابھی بھی پیاسی تھیں۔ اس کا دل پھر سے گھبرانے لگا تھا..... اس ہرجائی کا منتظر دل اب اس کی دید سے محروم مایوس ہونے لگا تھا۔ اس دنیا سے اُچاٹ ہونے لگا تھا۔ ایسی دنیا کا کیا فائدہ جب ایک وہی شخص نظر نہ آئے جسے انسان دیکھنا چاہے۔ انوشے کی آنکھیں دروازے پر جمی پتھرانے لگی تھیں۔ ایک موہوم سی آس بھی آہستہ آہستہ دم توڑنے لگی تھی..... اس کا سانس دوبارہ سے اُکھڑنے لگا تھا۔ ایک بار پھر اسے اسی کرب سے گزرنا تھا جس سے پہلے گزری تھی..... سانس لینے کے لیے تگ و دو کرنی پڑ رہی تھی جیسے پہلے کی تھی مگر تب بھی وہ ہار گئی تھی اب بھی نڈھال سی ہارنے والی تھی۔ اس نے اپنا ڈرپ لگا ہاتھ اُٹھانا چاہا مگر وہ

اسے ہلا بھی نہ پائی تھی۔ آکسیجن ماسک اسے مطلوبہ مقدار میں آکسیجن فراہم کرنے سے قاصر لگ رہا تھا۔

''سعد!''

اس نے چلانا چاہا تھا مگر اس کے لب نہ ہلے تھے۔ اس کا سانس اُکھڑ گیا تھا مگر اس نے بمشکل آنکھیں کھلی رکھی ہوئی تھیں نجانے کیوں! اسے لگ رہا تھا جیسے یا تو یہ انتظار ختم ہونے والا ہے یا اس کی زندگی..... وہ بھی اب ضد پر اڑی تھی یا تو وہ دیدار دکھائی دے یا سانسوں کی ڈور ٹوٹے مگر دونوں صورتوں میں وہ اپنی آنکھیں بند نہیں کرے گی۔ کیا خبر! ادھر اُس نے آنکھیں موندیں اور اُدھر وہ چلا آئے۔ سعد اب بھی اُسی جگہ کھڑا تھا۔ اُس نے نہ تو اندر جانے کی خواہش ظاہر کی تھی اور نہ اندر گیا تھا۔ نجانے کیوں انوشے سے سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ ہو رہی تھی۔

''سعد! تم انوشے کو دیکھ آؤ۔''

احد نے اسے بلایا تھا۔ پھر بچوں کی طرح اس کی رہنمائی کی۔ اسے تھام کر وہ دروازے تک لایا تھا اور اندر جانے کا اشارہ کر کے خود واپس لوٹ آیا تھا۔ کتنے ہی پل وہ دروازے کو گھورتا رہا جس کے اُس پار اس کی عزیز از جان ہستی تھی جس کے لیے وہ کتنا تڑپا تھا وہی جانتا تھا۔ جس کو کھونے کے احساس نے ہی اس کی جیسے جڑیں تک اُکھیڑ پھینکی تھیں۔ دل الگ بلدی جلدی کی رٹ لگا رہا تھا اب کی بار اس نے دل کی مانی تھی اور جلدی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سعد جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا انوشے کی بے چین نگاہوں نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ سانس ٹھیک سے لینے کی تگ و دو میں وہ نڈھال تھی مگر سعد کو دیکھتے ہی جیسے اس کی پیاسی نظریں سیراب ہوئی تھیں۔

سعد اس کے قریب آیا۔ اس نے ندامت سے سر جھکا رکھا تھا۔ انوشے کی نگاہیں اس پر جمی تھیں۔ انوشے کی شاکی نظریں سعد کو خود سے کچھ کہتی محسوس ہو رہی تھیں جیسے شکوہ کر رہی ہوں کہ اتنی دیر سے کیوں آئے ہو.....؟

درد کی دل پہ حکومت تھی، کہاں تھا اُس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی، کہاں تھا اُس وقت
موت کے سحر میں چلا آیا مجھے دیکھنے کو
زندہ رہنے کی مصیبت تھی، کہاں تھا اُس وقت
دل کے دریاؤں میں اب ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تجھ سے محبت تھی، کہاں تھا اُس وقت

انوشے کا سانس اب کی بار کچھ زیادہ ہی اُکھڑ گیا تھا۔ سعد نے محسوس کیا! اسے سانس لینے میں دقت ہے۔

''انوشے!''

وہ اس کی طرف بڑھا تھا مگر انوشے کا پورا وجود اب پھڑپھڑانے لگا تھا۔ سینے میں اٹکی سانس اس کے لیے جینا مشکل کر رہی تھی۔ وہ اُلٹے قدموں باہر بھاگا تھا۔ احد اور کچھ ساتھی ڈاکٹر اگلے ہی لمحے کمرے میں موجود تھے۔ سعد وہیں دروازے کے پاس کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انوشے کو دیکھ رہا تھا جو اُکھڑے سانس بحال کرنے کی کوشش میں نڈھال تھی۔ اُسے سانس نہیں آ رہا تھا۔ اس احساس سے سعد کی اپنی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ انوشے کی اذیت محسوس کرتے وہ خود تکلیف میں مبتلا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا اگر انوشے کو کچھ ہوا تو اسی وقت اس کا دل بھی اپنی دھڑکن روک دے گا۔ احد کی نظر اس کے سفید پڑتے چہرے پر پڑی تو وہ اُسے لیے ایک طرف آیا۔

''سعد! انوشے کی حالت کافی تشویشناک ہے۔ اس پر برین ہیمرج کا اٹیک ہوا ہے۔ اس کی دل پاور جواب دے گئی ہے۔ ایک انسان کو زندہ رہنے کی خواہش ہی صحت یاب ہونے میں بہت مدد دیتی ہے مگر انوشے اب زندہ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ لمحہ بہ لمحہ موت کی طرف خود ہی قدم بڑھاتی جا رہی ہے ایسے میں ڈاکٹرز چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

سعد! تم ہمت سے کام لو! میں نہیں جانتا انوشے کیوں زندگی کا دامن چھوڑ دینا چاہتی ہے مگر! اسے زندہ رہنا ہے تمہارے لیے..... تم اس بات کا اُسے احساس کرواؤ..... اپنے لیے نہیں تو تمہارے لیے اُسے زندگی کی جانب لوٹنا ہوگا۔''

احد نے سعد کو جھنجھوڑا تھا۔ وہ جیسے ہوش میں آیا۔

''ہاں احد! اُسے میرے لیے زندہ رہنا ہوگا..... اس موت سے لڑنا ہوگا اُسے..... میں اُسے زندگی کی طرف واپس لاؤں گا۔''

سعد جیسے کسی ٹرانس سے جاگا تھا۔

''انوشے کو دل پاور بڑھانی پڑے گی ورنہ اس کے تو مہ میں جانے کے چانسز ہیں اور اگر ایسا ہو گیا ناں سعد! تو بہت برا ہوگا۔''

احد نے دھیمے لہجے میں سعد کو اب اصل حالات کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پل بھر کے لیے سعد کو ایسے لگا جیسے اب سب ختم ہو چکا۔ اس نے اپنے ہاتھوں اپنی زندگی تو برباد کر ہی لی تھی انوشے کو بھی ہار ڈالا تھا۔ مگر دوسرے ہی پل اس کے دل نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

''نہیں سعد! تم ہمت نہیں ہار سکتے۔ اگر تم ہمت ہار گئے تو میرا کیا ہوگا میں جینا چاہتا ہوں۔ میں انوشے کے دل کو زندگی کی اہمیت محسوس کرانا چاہتا ہوں۔''

سعد نے دل کی بات کو پہلی مرتبہ نہایت غور سے سنا تھا۔

''اور میں بھی اس بار دل کی بات سے متفق ہوں، میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔''

اس کے دماغ نے بھی ہرا سگنل دکھایا تھا۔ آج سعد کے اندر جو جنگ ہمہ وقت چھڑی رہتی تھی وہ ختم ہوگئی تھی۔ اس کا دل و دماغ ایک نقطے پر مل گئے تھے۔ خدا سے وہ اکثر دعا کرتا تھا کہ اس کے دل و دماغ کو ایک نقطے پر اکٹھا کردے، آج وہ دعا قبول ہو چکی تھی۔

''اللہ دعائیں قبول کرتا ہے، میری دعائیں..... مجھ جیسے گنہگار کی دعائیں بھی سنتا ہے۔ نہ صرف سنتا ہے بلکہ انہیں قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے۔ میں پھر سے دعا کروں گا اور اب کی بار مکمل یقین اور پختہ عزم کے ساتھ۔''

سعد ہولے ہولے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اسے معلوم تھا اب اسے کیا کرنا ہے۔ وہ ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا کی طرف آیا اور گاڑی نکال کر مسجد کی راہ پر ڈال دی۔ ہاسپٹل کی سب سے قریبی مسجد میں وہ چند منٹوں میں موجود تھا۔ اس نے مسجد میں جا کر وضو کیا اور دو رکعت نفل ادا کیے اور پھر خدا کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔ چند میٹر دور ہاسپٹل کے ICU میں انوشے زندگی اور موت کے درمیان ڈولتی آدھی ادھوری سانسوں کے ساتھ موجود تھی اور ادھر سعد ہاتھ اٹھائے اپنے رب کے حضور پوری عاجزی و انکساری کے ساتھ اس کے لیے دعا گو تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ایسے رواں تھے جیسے چشمے پھوٹ پڑے ہوں۔ اس کے ہونٹوں پر موتیوں کی مانند الفاظ دعا کی تسبیح بناتے جا رہے تھے۔ اس تسبیح کا ایک سرا سعد حسن رضوی کے اٹھے ہوئے ہاتھوں میں تھا اور دوسرا خدا کی بارگاہِ اقدس میں اور اس تسبیح کی ڈوری جو یقین کامل اور خدا کی ذات پر بھروسے کے دھاگوں سے بنی تھی، اس سے مضبوط ڈوری اور کون سی ہو سکتی تھی۔ سعد کو نہیں یاد تھا کہ اس نے زندگی میں پہلے کبھی بھی اتنی شدت سے کوئی دعا مانگی ہو..... مگر آج وہ مانگ رہا تھا۔

''میں ندامت میں اتنا ڈوبا ہوا ہوں میرے اللہ کہ اگر اپنی پوری طاقت بھی لگا دوں اس سے باہر نکلنے میں تو بھی نہیں نکل سکتا۔ میں نے جو کیا مجھے اس کا احساس ہے اور جو ہوا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر میرے اللہ مجھے اتنی توفیق دے کہ میں اپنے گناہوں کا ازالہ کر سکوں..... مجھے پچھتاووں کے حوالے نہ کرنا۔ انوشے کو صحت دے، اسے زندگی کی طرف لوٹا دے..... اس کی ہر اذیت، ہر

تکلیف کو میں چاہوں بھی تو نہیں چن سکتا۔ میں بے بس و لاچار ہوں مگر تو تو قادرِ مطلق ہے، تو تو اسے ہر اذیت سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ اسے سکون عطا فرما، اسے صحت عطا فرما۔ اس کی سانسوں کو تسلسل بخش دے۔ یا اللہ! میں تجھ سے اپنے گھر کی سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ میرا گھر انوشے سے ہے، میں انوشے سے ہوں اس کے بنا میں ادھورا ہوں، میرا گھر ویران ہے۔ تو جانتا ہے دلوں کے راز، میرے دل سے بھی تو واقف ہے، میرے جذبات کو بنا کہے سمجھنے والے مجھے عطا کر دے جو میں نے مانگا۔''

سعد کے ہاتھ آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے۔ وہ کافی دیر وہاں بیٹھا رہا پھر چہرہ صاف کرتا اٹھ آیا۔

ہاسپٹل کے کاریڈور میں ہی مما نے اسے روک لیا تھا۔

''رکو سعد! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی مما!'' سعد نے سر جھکا لیا۔ وہ جانتا تھا مما اس سے کیا کہنے والی ہیں۔

''بیٹا! انوشے سے تمہارا کوئی جھگڑا ہوا تھا؟ اسے ایسی کونسی پریشانی لاحق ہے جس کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچی۔''

سعد نے کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے فرش کو گھورتا رہا۔

''بظاہر تو ایسا کچھ نہیں لگتا..... تمہاری حالت، میں دیکھ رہی ہوں۔ انوشے کے لئے فکر تمہارے چہرے سے عیاں ہے پھر ایسا کیا ہوا جو.....؟''

مما کھوجتی نگاہوں سے اسے تول رہی تھیں۔ وہ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھا اور مما کے گلے لگ گیا۔ چند آنسو خاموشی سے اس نے مما کے شانے پر بہائے تھے پھر الگ ہو کر ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''مما! آپ بس دعا کریں اپنے بیٹے کی خوشیوں کے امر ہو جانے کی اور میری خوشیاں انوشے سے جڑی ہیں۔''

سعد نے ایک نظر انہیں دیکھ کر بھیگے لہجے میں کہا تھا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔ مما کافی دیر وہاں کھڑی اس کی پشت کو دیکھتی رہیں۔ اس ایک پل میں انہوں نے سعد کی نظروں میں جو دیکھا تھا وہ ماں ہو کر بخوبی سمجھ رہی تھیں..... خوف، حسرت، اُمید، خواہش، غم، دکھ، دعا، پشیمانی اور کئی ملے جلے جذبات کی عکاس سعد کی آنکھیں ایک ماں کو بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔ سعد نے جس بات کو الفاظ کے ذریعے بیان نہ کر کے جو بھرم رکھا تھا انہیں بھی اس بھرم کا پاس رکھنا تھا۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اب اپنے بیٹے کی خوشیوں کے لیے دل سے دُعا گو تھیں۔ اتنی دُعاؤں کے زیرِ سایہ اور ڈاکٹرز کی بے انتہا کوششوں کے باوجود بھی کوئی کمی سی تھی شاید جو انوشے کو ابھی تک ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ کیے ہوئے تھی۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ فی الحال تو وہ خطرے سے باہر ہے، سانس بھی ٹھیک آ رہا ہے مگر یہ سکون عارضی تھا۔ تشویشناک بات یہ تھی کہ اتنے گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی اُسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ صبح سے شام ہو چکی تھی اور اگر مزید چند گھنٹوں میں اُسے ہوش نہیں آتا تو اس کے قومہ میں جانے کا خطرہ تھا۔ ہر گزرتا پل سب چاہنے والوں کی دھڑکنیں بڑھاتا جا رہا تھا اور وہ اور شدت سے دُعائیں کرتے جا رہے تھے۔ آریان ہر گھنٹے بعد فون پر انوشے کی خیریت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''سعد بابا! یہ انوشے بی بی کی ڈائری مجھے جھولے کے پاس سے ملی تھی۔ مجھے لگتا ہے اسے آپ کے پاس ہونا چاہیے۔''

نازو نے ایک ڈائری سعد کی طرف بڑھائی تھی۔ احد نے سب کو زبردستی سعد کے گھر بھیج دیا تھا تاکہ ہسپتال میں انتشار نہ ہو۔ نازو جاتے جاتے اُسے ڈائری تھما گئی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر اسے پڑھنے لگا۔ اُس نے ایک گھنٹے میں ایک ایک لفظ پڑھ ڈالا تھا۔ انوشے جسے وہ ایک لاپرواہ لاابالی سی لڑکی سمجھتا تھا وہ اس قدر حساس تھی یہ احساس اُسے اب ہوا تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اتنی گہرائی سے محسوس کی تھی اُس نے۔

''کاش! یہ ڈائری پہلے کبھی میرے ہاتھ آ جاتی۔ مجھے تو خبر نہ ہوئی کہ وہ ڈائری لکھتی ہے۔''

سعد کو اپنی بے خبری پر غصہ آنے لگا تھا۔ گزرے چار سالوں میں وہ اس کے ہمراہ تھا اور اس کے بارے میں اس کی پسند و ناپسند اس کی ایکٹیویٹیز کے بارے میں اس کی انفارمیشن صفر تھی جبکہ انوشے نے اس ڈائری میں جو سعد کے بارے میں لکھا تھا وہ اتنا اتھینٹک (Authentic) تھا کہ سعد کو لگا وہ خود بھی اپنے بارے میں اتنا نہیں جانتا ہوگا جتنا وہ اسے جان گئی تھی۔

''اس کے خواب کتنے پیارے کتنے معصوم سی خواہشات لیے ہوئے تھے۔ ننھی ننھی بے ضرر سی اُمنگیں لیے ہوئے اور میں.....؟ میں کیا سلوک کرتا تھا اُس سے پھر بھی وہ.....''

سعد نے آخری صفحہ پڑھتے ہوئے اپنی آنکھیں کئی بار صاف کی تھیں مگر نجانے کیوں وہ بار بار آنسوؤں سے دھندلا جاتی تھیں۔ اُن آخری لمحات میں لکھے گئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سعد کو ان اذیت ناک لمحات کی تکلیف کا احساس دلا رہے تھے جو انوشے نے سہی تھی۔

اُس نے ڈائری بند کر کے سینے سے لگا لی۔

''سعد.....؟''

احد اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''کیسی حالت ہے انوشے کی؟''

سعد نے دھیمی آواز میں دریافت کیا تھا۔

''تم حوصلہ رکھو سعد! اور دُعا کرو کہ اُسے ہوش آ جائے۔''

احد نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا پھر کئی پل خاموشی کی نظر ہو گئے۔

''مجھے انوشے کے پاس جانا ہے۔''

سعد کی آواز پر احد نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''نہیں تم اندر نہیں جا سکتے وہ انڈر سپیشل آبزرویشن ہے، ایسے میں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

احد نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

''مجھے اندر جانا ہے ہر حال میں..... میں مزید باہر نہیں ٹھہر سکتا۔''

سعد کا لہجہ ضد لیے ہوئے تھا۔

احد نے چند ثانیے سوچا پھر سر کے اشارے سے اُسے اجازت دے دی۔

''تم جلد واپس آ ؤ گے!''

اس کے پیچھے اُس نے اسے ہدایت دی تھی۔

سعد سُنی اَن سُنی کرتا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ انوشے بے سُدھ پڑی تھی۔ اس کے بال سرہانے کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ آکسیجن ماسک اس کے چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھ پر ابھی بھی ڈرپ لگی تھی۔ اس کے بیڈ کے قریب ہی سکرین پر اس کی ہارٹ بیٹ کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ سعد اس کے بیڈ کے قریب ہی کرسی گھسیٹ لایا تھا۔ اس کے پہلو میں پڑے ہاتھ کو اس نے بڑی نرمی سے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

''انوشے! میں جانتا ہوں تم مجھے محسوس کر سکتی ہو.....''

کئی لمحے خاموش رہنے کے بعد سعد نے اُسے ایسے مخاطب کیا تھا جیسے وہ اسی کے بولنے کی منتظر ہو۔

''میں چاہتا ہوں تم مجھے سنو! میرے پاس اتنا کچھ ہے تم سے کہنے کو کہ یہ عمر کم پڑ جائے۔ مگر

تم.....تم تو شاید کچھ بھی سنے بنا مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانا چاہتی ہو۔"

سعد کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اُس نے دھندلائی نگاہیں ایک پل کے لیے انوشے کے چہرے پر جمائی تھیں مگر دوسرے ہی پل اس نے نظریں چرا لیں۔

"تمہاری فیلنگز مجھ تک پہنچ چکی ہیں چاہے اس ڈائری کے ذریعے ہی سہی مگر میری فیلنگز..... ان کا کیا انوشے..... اُن کا بھی تو حق ہے ناں کہ وہ بھی اُس انسان تک پہنچیں جس کے لیے میرے دل نے دن رات سوچا اور بہت سوچا..... مگر تم کوئی موقع دینے کے لیے تیار ہی نہیں ہو..... یہ تو ناانصافی ہے..... سراسر ناانصافی.....!

میں جانتا ہوں تم مجھ سے بدلہ لے رہی ہو۔"

سعد نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تمہاری بات نہیں سننا تھا اس لیے تم میری بات نہیں سننا چاہتی مگر یہ مت بھولو کہ میں بہت ضدی ہوں..... تم نہیں تھیں..... تم نے مجھے مجبور نہیں کیا اپنی بات زبردستی نہیں منوائی مگر میں زبردستی ایسا کروں گا..... میں اپنے دل کی باتیں تم تک پہنچاؤں گا اور تمہیں سننا پڑیں گی۔"

سعد نے اُلٹے ہاتھ سے آنسو صاف کیے تھے پھر ہاتھ سے انوشے کے بال سہلاتے ہوئے بولا:

"تمہیں جلد از جلد ٹھیک ہونا ہے انوشے! تمہیں ہر حال میں مجھے میری زندگی لوٹانی ہوگی۔"

سعد جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کئی لمحے کھڑا انوشے کو دیکھتا رہا پھر اس پر جھک آیا۔

"زندگی تم ہو.....!"

اُس نے انوشے کے کان میں سرگوشی کی تھی اور پھر دھیمے انداز میں چلتا باہر نکل آیا تھا۔ پوری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ بہت کوشش کے بعد بھی ایک نوالہ تک اس کے حلق سے نہ اُترا تھا۔ کل رات بھی اس نے ایک پل کے لئے بھی نیند نہیں لی تھی اور اب بھی ساری رات گذر چکی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھر ہو گئی تھیں۔ احد نے کئی بار اسے آ کر کچھ دیر آرام کرنے کا کہا تھا مگر اس نے ہر بار منع کر دیا۔ صبح کی شفق پھوٹنے والی تھی۔ اذان کی آواز اس کی سماعتوں میں پڑ رہی تھی۔ اُس نے بہت دھیان سے اذان سنی۔

"آؤ فلاح کی طرف! آؤ فلاح کی طرف!"

مؤذن کامیابی کی دعوت دے رہا تھا اور سعد سے زیادہ ضرورت مند اس وقت کون تھا۔

"انسان کتنا لالچی اور مطلب پرست ہوتا ہے ناں! اپنے اتنے رحیم و کریم اللہ کو بھی تب دل سے یاد کرتا ہے جب اُسے اُس سے مطلب ہو حالانکہ وہ ذات تو قادرِ مطلق ہے۔ اُسے انسان کی مطلبی عبادت کی کیا ضرورت، اُس کی عبادت کے لیے فرشتوں کی لاتعداد فوج ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتی ہے۔ ایک انسان کے عبادت کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مگر دیکھو وہ اللہ کتنا مہربان ہے وہ جانتا ہے کہ کونسی حاجت کیا ضرورت اس بندے کو اس نہ کھینچ لائی۔ وہ پھر بھی اس مطلب پرست انسان کو نوازتا ہے۔ دیکھو وہ کتنا اعلیٰ ظرف ہے نوازتے ہوئے وہ اُس انسان کی اوقات نہیں دیکھتا بلکہ اپنی شان سے جتنا چاہے نواز دے اور انسان کے ہاتھ اُسے سمیٹتے سمیٹتے تھک جائیں، جھولی کم پڑ جائے مگر وہ نوازتا ہی جاتا ہے۔"

ہسپتال سے قریبی مسجد میں سعد نے نمازِ فجر ادا کی اور ہاتھ اُٹھائے وہ دُعا کرنے کے بجائے یہ سب سوچ رہا تھا۔

"میں کس منہ سے خدا سے مانگوں؟"

"قرآن پاک میں سورہ مومن کی آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے:

"تمہارے رب نے فرمایا: دُعا کرو میں قبول کروں گا۔"

قاری صاحب اب نماز کے بعد نمازیوں کو درس دے رہے تھے۔ سعد کو لگا جیسے یہ بات انہوں نے صرف اسی سے کی تھی۔ اس نے تمام باتوں کو ذہن سے جھٹکا اور خدا کے حضور دُعا مانگنے لگا اس امید سے کہ وہ قبول ضرور کرے گا۔ جب وہ مسجد سے نکلا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

"سعد! کہاں تھے تم.....؟"

احد نے اسے کاریڈور میں ہی روک لیا تھا۔

"انوشے تو ٹھیک ہے.....؟"

سعد نے جواب دینے کی بجائے تشویش سے پوچھا تھا۔

"ہاں! اُسے ابھی بھی ہوش نہیں آیا۔"

احد نے کلائی پر بندھی گھڑی سے وقت دیکھا تھا۔

"میں نہیں لینے آیا تھا۔ میرے ساتھ کینٹین چلو اور کچھ کھا لو..... بیمار نہ پڑ جانا۔"

"نہیں! مجھے بھوک نہیں ہے میں ایک نظر انوشے کو دیکھ آؤں۔"

سعد نے اتنا کہہ کر قدم ICU کی طرف بڑھا دیئے۔ احد بھی اُس کے پیچھے آیا تھا مگر سعد تیزی سے کمرے میں گھس گیا۔ احد نے اُسے روکا نہیں تھا اور نہ ہی خود اندر گیا تھا۔ اس نے

باہر ہی سعد کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

''کیسی ہو انوشے.....؟''

معمول کے سے انداز میں وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ پھر خود ہی زخمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر بولا۔

''جانتا ہوں تم بہت ناراض ہو مجھ سے اور بات بھی نہیں کرو گی مگر میں نے کہا تھا ناں تم سے کہ میں بہت ڈھیٹ ہوں۔''

وہ کافی دیر خاموشی سے اُس کا چہرہ تکتا رہا..... پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا۔

''تمہیں پتا ہے انوشے! میں کل سے گھر ہی نہیں گیا..... سبھی وہاں موجود ہیں میرے ممی پاپا، تمہارے والدین، ولی بھائی، مشی، ابیہہ سب ہی مگر ایک تم نہیں اور تمہارے بنا گھر جانے کے خیال سے ہی مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ میں گھر جاؤں اور سب کو وہاں موجود پاؤں سوائے تمہارے تو اس سے بہتر نہیں کہ میں گھر جاؤں ہی ناں.....؟''

وہ مصومیت سے جیسے اس سے مشورہ طلب کر رہا تھا مگر مقابل اب بھی بے نیاز تھا۔

سعد کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹتا رہا۔

''انوشے! اٹھ جاؤ یار بس بہت ہو گیا اب۔ کھول دو اپنی آنکھیں مزید مت ستاؤ..... میں وعدہ کرتا ہوں کبھی تمہیں دُکھی نہیں کروں گا بس ایک بار معاف کر دو۔''

وہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر التجا کر رہا تھا۔ آنکھیں پھر سے نم ہونے لگی تھیں۔ اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی پیشانی ٹکا کر آہستہ سے کہا تھا۔

''تمہارے بنا بہت بے چین ہوں انوشے اتنا مضطرب ہوں کہ کسی کو اپنے سامنے ہنستا دیکھتا ہوں تو دل کرتا ہے اس کا منہ نوچ ڈالوں اور اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ پوچھوں کہ یہ دنیا، غم اور تکالیف سے بھری یہ دنیا تمہیں ہنسنے کی جگہ نظر آتی ہے.....؟ خیر چھوڑو! تمہیں ان باتوں سے کونسا کوئی فرق پڑتا ہے..... تم تو ناراض ہو مجھ سے تمہیں کیا سعد حسن رضوی اب ہنسے یا روئے، خوش ہو یا غمگین، جیئے یا مرے تمہیں تو ناراضگی نبھانی ہے اب، وہ تم نبھا رہی ہو۔ ضد کرنا آ گیا ہے تمہیں، ہے ناں.....؟''

سعد نے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا جن پر پلکوں کی چلمن گری تھی۔

''یہ آنکھیں کتنی چمکدار، روشن اور شرارتی تھیں۔''

سعد نے حسرت سے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا۔

''انوشے! آنکھیں کھول دو پلیز! مجھے دیکھو! میں تمہاری نظروں کے حصار میں رہنا چاہتا ہوں۔ سعد حسن رضوی کو انوشے حسن رضوی کی محبتوں کی پھوار میں بھیگنا ہے، محبتیں نبھانا سیکھنا ہے۔''

سعد نے اس کے ہاتھ کو ہونٹوں سے چھوا تھا۔

''او کے! مجھے بتاؤ تم کیا سننا چاہتی ہو..... تم چاہتی ہو میں بار بار، دو تم سے کہوں۔ وہی تین لفظ..... ہے ناں!..... تو ٹھیک ہے میں ہار دو تم جیتی.....''

سعد اس کے کان کے قریب جھکا تھا۔

''زندگی تم ہو.....!''

محبتوں سے بھرپور لہجے میں لو دیتا یہ تین الفاظ سے بنا ننھا سا جملہ اس کی چاہت کی شدتوں کو کتنے احسن طریقے سے سمیٹ لیتا تھا کہ کچھ بھی ان کہا نہیں رہنا تھا، سب بیان ہو جاتا تھا۔

''انوشے نے بھی تو یہی تین لفظ چنے تھے اپنے اظہار کے لئے اور مجھ جیسے انسان کو سہولت ہو گئی۔''

یہ ننھا سا جملہ ان دونوں کے دلوں کا ترجمان تھا۔

''ایکسکیوزمی سر..... یہ پیشنٹ کے چیک اپ کا وقت ہے۔''

نرس نے خاموش کھڑے سعد کو مخاطب کیا تھا۔ وہ سر ہلا کر انوشے کا ہاتھ اس کے پہلو میں رکھتا اُلٹے قدموں باہر نکل آیا تھا۔ دو ڈاکٹرز باہر احد کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس نے ان سے مصافحہ کیا تو وہ اس کا شانہ تھپتھپاتے اندر چلے گئے۔ احد بھی اُن کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ سعد وہاں پڑے دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھ گیا اور گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ ڈاکٹرز چیک اَپ کر کے جا چکے تھے اور احد، سعد کو زبردستی کینٹین میں لے آیا تھا۔ چائے کا مگ سامنے رکھے سعد اسے گھورنے میں مصروف تھا۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ انوشے کی حالت کل جیسی ہی ہے اس میں کوئی واضح تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس کی حالت اگر مزید بگڑی نہ تھی تو اس میں سدھار بھی نہ آیا تھا۔ فکر کی بات یہ تھی کہ چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی اُسے ہوش نہیں آیا تھا اور اسی بات سے ڈاکٹرز تشویش میں مبتلا تھے کیونکہ اُن کے مطابق انوشے کو اب تک ہوش آ جانا چاہئے تھا۔

''سعد چائے پیو!''

احد نے اسے ٹوکا تھا تو سوچوں کے تسلسل کے ٹوٹنے پر وہ چونکا مگر تب اس نے ابھی مگ اٹھایا تھا۔

''اللہ پر بھروسہ ہے ناں تمہیں سعد! کہ وہ اپنے بندے کی دُعائیں سنتا ہے۔ اتنی شدت سے کی گئی

دُعائیں رائیگاں نہیں جاتیں...... انوشے بھابی بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا یہ کافی نہیں کہ ان کی حالت مزید نہیں بگڑی ورنہ تم نے خود دیکھا تھا کہ کل کس طرح انہیں سانس لینے میں دقت تھی اب وہ مسئلہ دوبارہ نہیں ہوا۔ کچھ وقت لگے گا مگر وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

احد نے اُسے تسلی دی تھی۔

"اور تم نے موبائل کیوں آف رکھا ہے۔ گھر سے کالز آ رہی تھیں وہ سب پریشان ہیں...... ہاسپٹل آنا چاہ رہے تھے مگر میں نے فی الحال منع کر دیا اور انوشے کے بارے میں بھی تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کر دیا تھا مگر وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

احد کو یاد آیا تو پوچھ بیٹھا پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی تفصیل بتانے لگا۔

"ڈاکٹر احد جہاں کہیں بھی ہیں فوراً ICU پہنچیں It's emergency"

اناؤنسمنٹ سنتے ہی سعد کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ وہ دونوں چائے کے مگ وہیں چھوڑ کر ICU کی طرف بھاگے۔ وہاں ساتھی ڈاکٹرز پہلے سے موجود تھے۔ سعد کو باہر رُکنے کا کہہ کر احد خود اندر چلا گیا۔ انوشے کا سانس اُکھڑا تھا۔ نرس جو وہاں آن ڈیوٹی تھی اس نے ڈاکٹرز کو بلایا اور ساتھ ہی احد کے لیے اناؤنسمنٹ کرا دی گئی۔ احد کے پہنچنے تک انوشے کا سانس ہموار چلنے لگا تھا۔ 24 گھنٹوں بعد اُسے دوبارہ سے سانس لینے میں دشواری ڈاکٹرز کے لئے پریشانی کا باعث تھی اور اس سے بھی زیادہ پریشانی والی بات یہ تھی کہ سانس اُکھڑنے کے باوجود اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ بیہوشی کی حالت میں ہی تھی بمشکل اس کی سانسیں معمول پر آئی تھیں...... مگر ڈاکٹرز کا شک درست ثابت ہوا تھا۔ نجانے قدرت کو کیا منظور تھا صبح تک تو اس کی حالت مزید بگڑنے کی بجائے سنبھلی ہوئی تھی مگر اب اچانک ہی سانس کا مسئلہ دوبارہ سے ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا بلڈ پریشر بہت بڑھ چکا تھا جس نے ڈاکٹرز کو مزید پریشان کر دیا تھا یہ خطرے کی بات تھی۔ BP خطرناک حد تک ہائی ہونے کا مطلب تھا کہ وہ قومہ میں چلی جائے گی۔ اور جب اس کی سانس ہموار ہوئی تو ایک اور بڑی خبر سب کی منتظر تھی...... وہی ہوا تھا جس کا ڈر تھا...... انوشے ڈیڑھ دن سے بے ہوشی میں رہنے کے بعد اب قومہ میں جا چکی تھی۔ سب پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ سعد تو کئی پل تک ساکت سا خالی خالی نظروں سے ڈاکٹرز کے ملتے ہونٹوں کو دیکھتا رہا۔

"یہ سب کیا ہو گیا...... کس کی نظر لگ گئی میرے سعد کے ہنستے بستے گھر کو...... میرے بچوں کو آباد رکھ میرے اللہ! ان پر اس قدر آزمائش نہ ڈال...... اپنا کرم کر دے، میرے بچے کے گھر کی رونق لوٹا دے۔"

سعد کی ممی وہیں بیٹھ کر خدا کے حضور گڑگڑانے لگی تھیں۔

"انوشے کی حالت تشویشناک ہے...... اس کے قومہ میں جانے سے صورت حال مزید خراب ہو گئی ہے بہرحال ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے امریکہ کے ماہر ڈاکٹرز کی ٹیم سے یہ سارا کیس ڈسکس کیا ہے۔ وہ ہماری پرسنل ریکویسٹ پر پاکستان آ رہے ہیں مگر انہیں آنے میں ایک ہفتہ لگ سکتا ہے۔"

احد نے سب کو اپنے کیبن میں بلایا تھا۔ اس نے اب سب کو انوشے کی حالت کے بارے میں آگاہ کر دینا مناسب سمجھا تھا۔ وہ اب انہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

"اس ایک ہفتے میں ہم اپنی ٹریٹمنٹ جاری رکھیں گے...... اسے اب بھی دُعاؤں کے سہارے کی اشد ضرورت ہے...... خدا کے معجزے کا انتظار ہے۔ عموماً ایسے مریض جو برین ہیمرج کے بعد طویل بیہوشی میں ہی قومہ میں چلے جاتے ہیں ان کے سروائیو (Survive) کرنے کے چانسز بمشکل دو تین فیصد ہوتے ہیں۔ اگر مریض قوت ارادی سے لاشعوری کوشش کرے تو وہ قومہ کے بعد بھی ہوش میں آ سکتا ہے۔"

سعد غائب دماغی سے احد کو سن رہا تھا پھر آہستہ سے اُٹھ کر باہر آ گیا اور ICU کا دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا۔ نرس نے اِسے روکنے کی کوشش کی مگر پھر اس کے چہرے کی اُڑتی رنگت دیکھ کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ سعد چلتا ہوا انوشے کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھا۔ اس نے اُس کے چہرے کو دیکھا جہاں اب بھی معصومیت اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ احد نے بتایا تھا کہ قومہ کے کچھ مریض سن سکتے ہیں وہ پوری طرح اپنے ماحول سے نہیں کٹتے۔ ان کی حس سماعت قائم رہتی ہے، ان کا دماغ ارد گرد کے ماحول کی آوازوں کو رجسٹرڈ کرنے کے قابل ہوتا ہے...... وہ ہل جل نہیں سکتے آنکھیں نہیں کھول سکتے، بول نہیں سکتے...... دیکھنے میں وہ زندہ لاش ہوتے ہیں۔ ان کی صرف سانس چل رہی ہوتی ہے مگر کچھ مریض نہ صرف سنتے ہیں بلکہ اپنے عزیزوں کی باتوں پر ری ایکٹ بھی کرتے ہیں۔ ان کی سننے کی حس کام کرتی ہے اس بات کو وہ express کرتے ہیں۔ ان کی بند آنکھوں سے آنسو نکلتے دیکھے گئے ہیں۔ جب وہ دُکھی ہوتے ہیں تو آنسوؤں سے اسے express کرتے ہیں۔"

اور احد نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ کچھ مریض تو ایسے بھی ہیں جن کو قومہ میں گئے دس دس، بارہ بارہ سال ہو گئے اور وہ اسی طرح صرف اپنی سماعتوں سے نہ صرف اپنے عزیز و اقارب بلکہ

اپنے ارد گرد رہنے والے ڈاکٹرز اور نرسوں کو بھی پہچان لیتے ہیں اور کچھ تو باتھوں کے لمس سے بھی پہچان لیتے ہیں کہ اُسے چھونے والا کون ہے۔

"تو کیا انوشے بھی اپنے ارد گرد کے ماحول میں موجود آوازوں کو سن کر پہچان سکتی ہوگی.....؟ کیا وہ میرے ہاتھ کے لمس سے جان لے گی کہ اُسے چھونے والا ہاتھ کس کا ہے.....؟"

سعد نے جیسے خود سے ہی سوال کیا تھا۔ وہ کافی دیر خاموشی سے وہاں بیٹھا اُسے تکتا رہا۔ پھر کسی موہوم سی اُمید کو لیے بولا۔

"جانتی ہو انوشے تم مجھ سے روٹھ گئی ہو تو مجھے لگتا ہے یہ پوری کائنات مجھ سے خفا ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں تمہیں کبھی منا نہیں پاؤں گا۔"

اس نے کچھ توقف کیا پھر بولا۔

"سبھی تمہارے لیے بہت پریشان ہیں۔ پاپا تو سب چھوڑ چھاڑ کر کراچی آئے بیٹھے ہیں اور تمہارے بابا بھی واپس نہیں جانا چاہتے..... میری مما اور تمہاری ماما روزانہ قرآن خوانی کے بعد تمہارے لیے دُعا کرواتی ہیں، خیرات کرتی ہیں۔ انہیں تو سارا دن جائے نماز اور تسبیحوں سے فرصت نہیں۔ مشی اور ولی بھی ہر دو گھنٹے بعد یہاں تمہیں دیکھنے آتے ہیں اور ایبہہ تو ہاسپٹل میں ہی رُکنے پر بضد ہوتی ہے جب بھی آتی ہے..... بڑی مشکل سے اُسے گھر بھیجتا ہوں۔ آریان بھی روز آتا ہے اُس نے اپنے سارے پروگرام ملتوی کر دیے ہیں۔ اور پلوشہ بھابی اپنے چھوٹے ابراہیم کو گورنس کے پاس چھوڑ کر تمہیں دیکھنے آتی ہیں..... سب تمہیں بے انتہا چاہتے ہیں انوشے تم ان سب کو دُکھی کیسے رکھ سکتی ہو.....؟ میں مجرم ہوں تمہارا..... مجھے جو چاہے سزا دو، مگر ان تمام لوگوں کے لیے ہی زندگی سے دوستی کر لو..... کہ تمہارے بن سبھی اُداس ہیں۔"

سعد کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔ آواز رُندھ گئی تو وہ اُٹھ کر باہر چلا آیا۔

****

انوشے کو قومہ میں گئے آج پورے 9 دن ہو گئے تھے۔ (UK) یو۔کے سے ڈاکٹرز کی ٹیم کل ہی پاکستان پہنچی تھی۔ ساری کیس ہسٹری (Case histry) جاننے اور انوشے کے مکمل چیک اپ کے بعد بھی بات وہیں تھی۔ انوشے کا ہوش میں آنے کے لیے سب کو معجزے کا انتظار تھا۔ ڈاکٹرز دوا دے سکتے تھے مگر مریض کے دل میں زندگی کی محبت نہیں ڈال سکتے تھے۔ جو خود ہی زندگی سے روٹھ کر موت کو دوست بنانا چاہے ان کو زندگی کی اہمیت کون بتائے؟ سارے حربے استعمال کرنے کے بعد اب ڈاکٹرز کا یہی کہنا تھا کہ ان کے ہسپتال کے پرائیویٹ رومز

میں ایک قومے کے مریض میں اضافہ ہو گیا تھا جو اب نجانے کتنے دن، کتنے مہینے یا پھر کچھ مریضوں کی طرح کتنے سال اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے کٹ کر رہے۔ یو۔کے سے آئی ٹیم نے کہا تھا کہ ان کے تجربے اور علم کی بنیاد پر ایسا ممکن ہے کہ شاید اس patient کو ہوش نہ آئے اور قومہ کی حالت میں ہی اس کی ڈیتھ (Death) ہو جائے کیونکہ برین ہیمرج کا ایک بہت severe (شدید) تھا..... اس کے بعد اگر بالفرض وہ قومہ سے نکل بھی آتی ہے تو ممکن ہے وہ اپنی کوئی sense کھو دے..... یہ Depend کرتا ہے اگر دماغ کا پچھلا حصہ زیادہ متاثر ہے تو اس کی بینائی متاثر ہو گی اگر سامنے والا حصہ زیادہ متاثر ہوا ہے تو اس کی یادداشت جا سکتی ہے۔ اس کے ہوش میں آنے کے چانسز کم ہیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو بھی پوری طرح ٹھیک ہونا کوئی معجزہ ہی ہو گا۔ سبھی تقریباً کہیں نہ کہیں خود کو تیار کر رہے تھے کہ اب شاید تا عمر وہ انوشے کو ایسے ہی دیکھیں۔ سعد تو اس خبر سے مزید نڈھال ہو گیا تھا مگر اس نے اُمید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔

****

وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ زندگی میں چاہے جتنے بڑے طوفان آ جائیں تباہی کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو وقت آہستہ آہستہ سب کو نارمل زندگی کی طرف لانا ہی دیتا ہے..... جیسے جیسے دن گزر رہے تھے ذہنوں میں یہ خوف بیٹھتا جا رہا تھا کہ وہ شاید اب ساری زندگی انوشے کو اسی طرح دیکھتے رہیں گے۔ سب کی آنکھیں رو رو کر اب اپنے سوتے خشک کر چکی تھیں..... سبھی دل اب حوصلہ کرنے لگے تھے۔ پورا ایک ماہ جیسے وقت کی ہر گھڑی گنتے گنتے گزر گیا تھا۔ لمحے قطرہ قطرہ کر کے ٹپکتے رہے تھے اور ایک ماہ کا چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا جس کے کنارے بیٹھے سبھی لوگ اب نڈھال سے تھے..... ایبہہ کے فائنل ایگزیمز تھے مما کو اس کی خاطر اب واپس پلٹنا ہی تھا۔ پاپا بھی مزید بزنس کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے تھے ساکھ کا معاملہ تھا ویسے بھی کئی پروجیکٹ پہلے ہی التوا میں چلے گئے تھے اور جو چل رہے تھے ان کی تکمیل میں مزید تاخیر، کروڑوں کے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ سعد نے انہیں بہت سہولت سے واپس جانے کا کہا تھا ویسے بھی وہ یہاں رُک بھی جاتے تو کیا کر لیتے، کوئی بھی کیا کر سکتا تھا۔ انوشے کے بابا اور ولی کو پچھلے ہفتے ہی واپس جانا پڑا تھا البتہ اس کی مما اور مشی کو بھی سعد نے اپنے مما پاپا کے ساتھ ہی واپسی کے لئے بھیج دیا تھا..... وہ سب جانتے تھے کہ یہاں بیٹھ کر کچھ نہیں ہو گا سوائے دعائیں کرنے کے..... وہ تو کہیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ وہ سب انوشے سے ملنے ہسپتال

آئے تھے۔ پھر دوپہر کی فلائٹ سے واپس روانہ ہو گئے۔ سعد انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے آیا تھا۔ واپسی پر وہ بہت دیر کے لیے گھر گیا۔ نہا کر فریش ہوا اور ٹیرس پر چلا آیا۔ سارا گھر ویران ہو گیا تھا۔ کسی طرف سے بڑی آواز اس کی سماعتوں سے نہیں ٹکرائی تھی پل بھر کو اسے لگا جیسے وہی بہرہ ہو گیا ہو۔

''انوشے گھر میں ہوتی تھی تو کتنی رونق ہوا کرتی تھی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتی رہتی...... ہنستی رہتی یا اور کچھ نہ ہوتا تو پہلے سے صاف ستھرے گھر کو نئے سرے سے چمکانے میں لگ جاتی ایسے میں نازو بیچاری کی شامت آئی ہوتی۔ اس کے ساتھ مل کر وہ کبھی کوئی چیز اٹھا کر کہیں رکھتی کبھی کوئی نئی پینٹنگ لگانے کے لیے پورے گھر کی دیواریں ناپ لی جاتیں لیکن یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اسے کہاں لگایا جائے اور کبھی کوئی گلدان تازہ پھولوں سے سجانے والا رہ جاتا تو وہ پورا گھر سر پر اٹھا لیتی...... کبھی کبھی وہ خود اپنی نگرانی میں سارے لان کی صفائی کراتی۔ پودوں کی کانٹ چھانٹ ہوتی اور اگر غلطی سے کبھی بشیر سے کوئی غلط ٹہنی کٹ جاتی تو انوشے اسے پودوں کے حقوق پر اتنا لمبا لیکچر سناتی کہ وہ بے چارہ بے بسی سے ہوں، ہاں کرتا رہتا۔''

سعد کافی دیر ٹیرس کی ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے انوشے کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی چہچہاتی آواز، اس کی شرارتوں کو یاد کر کے مسکراتا رہا۔ پھر گہرا سانس لے کر واپس کمرے میں چلا آیا...... جہاں پڑا موبائل بج رہا تھا مگر وہ مسلسل نظر انداز کرتا جا رہا تھا۔ پھر کسی اہم کال کا سوچ کر انوشے کے خیال کو جھٹکتا موبائل کی طرف بڑھا۔ آریان کال کر رہا تھا اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

''سعد! سب خیریت تو ہے ناں تم فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟''

اس کی بے تابانہ پریشان سی آواز سعد کے کان میں پڑی تھی۔

''پتا نہیں سب ٹھیک ہے یا نہیں۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... انوشے کی چلتی سانسوں پر خوش ہوؤں یا اس کے زندہ لاش بن جانے پر ماتم کروں۔''

سعد کے لہجے میں پوشیدہ دکھ کی ٹیسیں خود آریان نے محسوس کی تھیں۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر خود کو نارمل کرتا رہا پھر بولا۔

''حوصلہ رکھو سعد...... نا اُمیدی کفر ہے...... ہمیں ہر حال میں اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا...... اپنی محبت کی شدتوں پر بھروسہ کرو...... انوشے کبھی بھی ہماری محبتیں نہیں ٹھکرا پائے گی۔ ہماری منتظر دھڑکنیں مسلسل اس کے دل و دماغ کے بند کواڑوں پر اس وقت تک دستک دیتی رہیں گی جب تک وہ انہیں کھول نہیں دیتی۔ ہم اس وقت تک اسے مخاطب کرتے رہیں گے

جب تک وہ خاموشی کا قفل توڑ نہیں دیتی...... اور ایسا بہت جلد ہوگا...... دیکھنا تم......''

آریان اسے تسلی تو دے رہا تھا مگر اس کا اپنا حال بھی سعد سے کچھ الگ نہ تھا۔ وہ بھی اب کسی اچھی خبر کے لیے ترس گیا تھا کیونکہ کوئی خبر بھی اب اسے انوشے کی صحت یابی کی خبر سے زیادہ اچھی نہیں لگتی تھی۔ آریان سے بات کرنے کے بعد سعد ہسپتال کے لیے نکل گیا۔ اسے دیکھ کر حسب معمول نرس نے مسکراہٹ کا تبادلہ کیا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ وہ زیادہ تر ہسپتال میں انوشے کے پاس ہی وقت گزارتا تھا۔ گھر صرف فریش ہونے اور کپڑے تبدیل کرنے ہی جاتا۔ اس کا بس چلتا تو وہ گھر جاتا ہی ناں کیونکہ انوشے کے بنا گھر کی ویرانی اسے وحشت زدہ کرتی تھی...... ہر چیز اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی...... وہ اس دوران آفس بھی شاید ایک دو بار ہی گیا تھا اور کھڑا کھڑا راؤنڈ لے کر واپس پلٹ آیا تھا۔ آفس کا سارا کام منیجر نے سنبھال رکھا تھا اور چیدہ چیدہ ضروری مسائل وہ کبھی ہسپتال آ کر اس سے ڈسکس کر لیتا یا کبھی فون پر۔ کھانا اسے زبردستی احد اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتا تھا اور وہ بمشکل چند نوالے حلق سے اندر دھکیلتا صرف اور صرف اپنے عزیز دوست کی خوشی کی خاطر...... پلوشہ بھابھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر کبھی خود لے آتیں یا کبھی احد کے ہاتھ بھجوا دیتیں۔ سعد ان کی محبتوں کا مقروض تھا۔ جبکہ اس کی فکر تھی بس ایک انوشے ہی تھی جس نے اس کے لیے فکرمند ہونا چھوڑ دیا تھا۔ سعد نے گہری نظروں سے اسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتا، سپورٹس کی، موسم کی، کرنٹ افیئرز کی اسے بتاتا کہ آج کس کس نے فون کیا، کس نے خیریت دریافت کی، کس نے ملنے آنے کا کہا...... خود اس نے سارا دن کیا کیا اور کس طرح ہر لمحہ صرف اسے ہی سوچا، رات کو ٹھیک سے سو نہیں پایا اور اب وہ بنا الارم کے ہی صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہ نجانے کیوں اب اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ لائٹس آن کر کے سوئے۔ وہ ہر چھوٹی چھوٹی بات بھی اس سے یوں کہتا جیسے اگر کوئی ایک بھی چھوٹ گئی تو نجانے کیا ہو جائے مگر مقابل بس خاموشی ہی چھائی رہتی...... ایک جامد سناٹا سا جیسے اس کی ذات کا حصہ بن گیا تھا۔ وہ خود ہی بولتا رہتا جب تھک جاتا تو اٹھ کر باہر آ جاتا۔

''آریان کا فون آیا تھا۔''

سعد نے بالآخر اس خاموشی کو توڑا تھا۔

''تمہارے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ پچھلے ہفتے ایک سیمینار کے سلسلے میں فرانس گیا ہوا تھا کل ہی لوٹا ہے...... کراچی آنا چاہتا ہے نہیں دیکھنے مگر اس کی روٹین بہت ٹف (Tough) ہے۔

جس کمپنی کے ساتھ اس کا معاہدہ ہے ان کو وقت دینا، بہر حال اس کی ذمہ داری ہے۔ وہ کوشش کر رہا ہے کہ جو کنسرٹ اس کا کراچی میں ہونا ہے وہ جلدی Plan ہو جائے۔ تاکہ اسی بہانے وہ تم سے ملنے آسکے اور کمپنی کے کام کا ہرج بھی نہ ہو۔"

جب سے انوشے نے خاموش رہنا شروع کیا تھا سعد نے ہر بات تفصیلاً کہنی سیکھ لی تھی ورنہ پہلے وہ پوچھتی رہتی اور سعد ڈھنگ سے کبھی کچھ نہ بتاتا..... اگر اسے خبر ہوتی کہ وہ یوں سوال کرنا چھوڑ دے گی تو کبھی بھی اسے نظر انداز نہ کرتا مگر اب اس نے پچھلی باتوں پر پچھتانے کی بجائے خود کو وقت کے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

****

انوشے کو قومہ میں گئے تین ماہ گزر چکے تھے۔ رات دیر تک اس کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ گھر آیا تھا تاکہ کچھ دیر سو سکے مگر نیند بھی شاید اس سے روٹھی ہوئی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ بہت دنوں بعد آفس گیا تھا۔ کچھ نئے ٹینڈر بھرنے تھے جس سلسلے میں اس کا وہاں موجود ہونا لازم تھا..... وہ آیا تو تھوڑی دیر کے لئے تھا مگر چار گھنٹے کیسے گزر گئے اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ صبح گھر سے ہسپتال جانے کے لئے نکلا تھا پھر کچھ سوچ کر آفس چلا آیا..... یہاں سے جلدی نکلنے کی کوشش میں بھی 4 گھنٹے لگ ہی گئے تھے..... وہ بڑی عجلت میں ہسپتال پہنچا تھا مگر مین گیٹ پر ہی اسے اپنی گاڑی ایک طرف کر کے روکنی پڑی..... وہاں بہت رش تھا، کافی لوگ جمع تھے۔ کئی گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ کئی عورتیں رو رہی تھیں..... سعد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ونڈ سکرین کا شیشہ نیچے کیا اور پاس سے گزرنے والے ایک شخص کو مخاطب کیا۔

"کیا ہوا ہے یہاں اتنی بھیڑ کیوں ہے.....؟ اور یہ لوگ رو کیوں رہے ہیں؟"

"ایک مریض کی Death ہو گئی ہے..... پچھلے دو سال سے قومہ میں تھا۔ گھر والے اسی سے خوش تھے کہ کم از کم وہ سانس تو لیتا ہے..... زندہ میں شمار نہیں تو مردہ بھی تو نہیں..... وہ اس دنیا میں ان کی آنکھوں کے سامنے تو ہے۔ وہ جب چاہیں اسے دیکھ سکتے تھے مگر اب یہ امید بھی نہیں بچی..... آج صبح ہی اس کی قومہ کی حالت میں ہی Death ہو گئی۔"

وہ شخص اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا۔ سعد کو لگا جیسے اس کی روح کسی نے جسم سے کھینچ لی ہو۔ اس نے بے دم سا ہو کر گاڑی کا شیشہ چڑھایا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے خود اپنی سانسیں اٹکتی محسوس ہوئیں تھیں پھر اس نے اپنی گاڑی کے قریب سے ایمبولینس کی چیختی چنگھاڑتی آواز سنی تھی۔ وہ بہت جلدی میں اس کی گاڑی کے قریب سے گزر گئی

تھی۔ اس کے پیچھے کئی گاڑیاں، روتے چلاتے لوگوں کی آوازوں سمیت گیٹ سے باہر جاتی محسوس ہوئیں تھیں..... مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں تھیں۔ وہ یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے سہارنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب یہ شور و غل کسی حد تک ختم ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ لوگوں کا ہجوم چھٹ چکا تھا اور گیٹ تقریباً خالی تھا۔ کوئی اکا دکا گاڑی اور راہ گیر گزر رہے تھے۔ سعد نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور گاڑی گیٹ سے اندر پارکنگ کی جانب لے گیا۔ وہ بہت عجلت میں انوشے کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ جب احد کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کی طرف لپکا۔

"سعد تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔"

احد نے اسے شانے سے تھام کر روکا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی نہ بول سکا۔

"ادھر آؤ! میرے ساتھ۔"

احد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کیبن میں چلا آیا۔

"یہاں بیٹھو!"

اس نے اسے خود ہی صوفے پر بٹھایا تھا پھر انٹر کام سے فریش جوس کا آرڈر دیا اور خود اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں..... اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟"

احد پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"وہ ابھی میں نے ایک قومہ کے پیشنٹ کو....."

"اوہ!"

احد نے سعد کی ادھوری بات سے ہی صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"سعد! یہ ہسپتال ہے یہاں ایسے واقعات معمول کا حصہ ہیں۔ ہسپتال ایسی جگہ ہرگز نہیں ہے جہاں موت کے فرشتے کا داخلہ ممنوع ہو اور نہ ہی یہاں موجود ڈاکٹرز کا کسی ایسی مخلوق سے تعلق ہوتا ہے جو مرتے ہوئے مریض میں روح ڈال دیتے ہوں..... اگر ایسا ہوتا تو تندرست لوگ بھی موت سے بچنے کے لیے ہسپتالوں کا رخ کرتے اور سارے کام دھندے چھوڑ کر یہیں ڈیرے ڈالے بیٹھے رہتے..... صد شکر ایسا نہیں ہے کیونکہ موت برحق ہے۔ جس کی موت جہاں پر جس طرح لکھی ہے اسے ویسے ہی مرنا ہے۔ ہم ڈاکٹرز اس وقت کو ٹال نہیں سکتے بس جس کے حصے میں خدا نے شفا لکھ دی ہم اس شفا کو اس مریض کی رگوں میں پہنچانے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ جس طرح ایک

مسیحا کے ہاتھ میں سارے مریضوں کے لیے شفا نہیں ہوتی اسی طرح ایک بیماری سب کے لیے موت کا بہانہ نہیں بنتی۔ قومہ کے بہت سے ایسے مریض ہیں جو سال ہا سال قومہ میں رہنے کے بعد صحت یاب ہوئے ہیں اور بہت صحت مند زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کسی ایک کے زندگی ہار جانے سے ہم یوں اللہ کی رحمت سے ناامید کیسے ہو سکتے ہیں..... ہمیں اللہ سے پورے مان کے ساتھ دعا کرنی چاہئے..... وہ چاہے تو کیا نہیں کر سکتا۔ ہر چیز پر قادر ہے وہ..... انہونی کو ہونی میں بدل دینا اس کے نزدیک بہت ہی زیادہ معمولی ہے۔ بس ہمیں اپنی بات منوانے کا فن سیکھنے کی ضرورت ہے۔ انوشے بہت جلد قومہ سے نکل آئے گی..... اور بالکل ٹھیک ہوگی اور خدا نخواستہ اگر اس کی کوئی Sense متاثر ہوئی بھی تو اللہ کے فضل سے بہت جلد Regain کر لے گی۔ بس تم اچھے کی امید رکھو۔"

احد نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

"تم انوشے سے ملنے آئے ہو تو تمہیں جلدی جانا چاہیے وہ صبح سے تمہاری منتظر ہوگی۔"

احد نے خوشگوار لہجے کا سہارا لیا تھا تاکہ ماحول پر چھایا ہوا سوگوار تاثر زائل ہو پائے۔

"اچھا!..... کیا واقعی ایسا ہے.....؟ تمہیں لگتا ہے ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا انوشے مجھے سن سکتی ہوگی..... اور میرے نہ آنے پر میرا انتظار کرتی ہوگی.....؟"

سعد نے بچوں جیسے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ احد اندازہ لگا سکتا تھا اس کی کیفیت کا..... اس کی اس وقت شدید ترین خواہش ایک ہی تھی اور وہ تھی اپنی آواز انوشے کی سماعتوں میں انڈیلنا اور اُسے اپنے ہونے کا احساس دلانا..... اُسے یہ آگاہی کتنی تقویت پہنچا سکتی تھی کہ اس کی عزیز ترین ہستی اُسے سن سکتی ہے اُس کی آواز اس کی سماعتوں سے ہوتے ہوئے اس کی رگ رگ تک سفر کر سکتی ہے..... اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

"ہاں! ہو سکتا ہے ایسا ہو..... اور بالفرض اگر ایسا نہ بھی ہوا تو تمہارا دل لازماً اس کے دل تک رسائی حاصل کر لیتا ہوگا آخر وہ تم سے زیادہ سمارٹ ہے اور عقلمند بھی....."

احد نے مسکرا کر کہا تو سعد بھی اس کی بات پر مسکرا دیا۔

"ہاں! تم درست کہتے ہو..... میرا دل مجھ سے زیادہ سمارٹ اور عقلمند ہے....."

"آج آپ بہت لیٹ ہو گئے مسٹر سعد!..... جلدی آیا کریں شاید کوئی آپ کی آمد کا منتظر رہتا ہو.....؟"

سعد جیسے ہی انوشے کے کمرے میں داخل ہوا انوشے کے بالوں میں کنگھی کرتی زین

نے مسکرا کر انوشے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"کاش ایسا ہو جائے Sister..... اور اگر ایسا ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

سعد نے کہا تو انوشے کے بالوں میں پونی کرنے کے بعد زین مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔ سعد اپنی مخصوص نشست پر بیٹھنے کی بجائے آج انوشے کے قریب ہی اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا..... اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر وہ بڑی حسرت سے بولا تھا۔

"میری خواہش ہے کہ تم میرے لمس کو محسوس کر کے مجھے پہچان لو..... کیا تم ایسا کرتی ہو انوشے.....! تم مجھے بتا سکتی ہو پہچان سکتی ہو.....؟"

سعد نے سوال کیا تھا مگر وہ جانتا تھا کوئی جواب نہیں آئے گا۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا..... جانتی ہو آج باہر گیٹ پر مجھے ایک مریض کی موت کی خبر نے ہلا کر رکھ دیا..... مجھے موت کبھی بھی اتنی ظالم نہیں لگی مگر تم سے جدا ہونے کا احساس اتنا جان لیوا اور کرب میں مبتلا کر دینے والا ہے کہ موت مجھے اپنا رقیب لگتی ہے..... میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے رقیب کو ہرا کر مجھے جتا دے اور تم صرف میری ہو جاؤ..... کیا تم میری ہونا نہیں چاہتی ہو انوشے.....؟ کیا تمہاری محبت کم ہو گئی ہے.....؟

تم نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ تم مجھ سے اتنی شدید محبت کرتی ہو کہ مجھ سے دوری تمہیں زندگی سے دوری لگتی ہے۔ جس پل میں تم سے جدا ہوا اسی پل تم زندگی کا ساتھ چھوڑ دو گی مگر دیکھو انوشے! میں..... میں تم سے جدا نہیں ہوا..... میں تمہارے پاس ہوں، تمہارے قریب۔ تم نے لکھا تھا کہ یہ رشتہ نبھا کر تم نے سب کا مان رکھا۔ اب اپنی بات کا مان بھی تو رکھو..... زندگی سے دوبارہ دوستی کر لو۔ سعد حسن رضوی اب دل و جان سے تمہارا ہے صرف اور صرف تمہارا۔ اگر تمہیں یقین نہیں تو ایک بار آنکھیں کھولو اور دیکھو تمہارا سعد زندہ گیا ہے۔ کوئی بھی مجھے ویسے نہیں سنبھالتا جیسے تم میرا خیال رکھتی تھیں۔ کوئی میرے لیے ویسے فکرمند نہیں ہوتا جیسے تم ہوتی تھیں..... میں گھر جاؤں یا نہ جاؤں وہاں کوئی میرا منتظر نہیں ہوتا۔ میں اب اپنا موبائل بھی آف نہیں کرتا کیونکہ مجھے علم ہوتا ہے کوئی بھی مجھے رات کے دو بجے تین بجے کال کر کے گھر نہ آنے پر پریشان ہو کر گھر نہیں بلائے گا۔ تم مجھے اپنا عادی بنا کر خود کنارہ نہیں کر سکتیں انوشے.....!"

سعد نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے اپنی نگاہیں انوشے کے بے تاثر چہرے پر جما لی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے سنتی ہو..... میرا دل کہتا ہے میرا ایک ایک لفظ تم نہ صرف سنتی ہو بلکہ سمجھتی

بھی ہو...... اس لیے اب یہ لاتعلق رہنے کا ناٹک چھوڑ دو۔ بس بہت ہو گئی ناراضگی...... اب ختم کرو یہ بے نیازی اور آنکھیں کھول دو...... میں آج لیٹ آیا...... تم منتظر تھیں ناں! انوشے......؟ میری آمد کا تمہیں انتظار تھا تو یہ بات تم کہتی کیوں نہیں ہو...... کیوں ہونٹ سی لیے ہیں تم نے......؟ کیا تمہیں واقعی میری پرواہ نہیں رہی...... میں تمہارے پاس رہوں یا تم سے دور کیا اس بات سے تمہیں اب کوئی فرق نہیں پڑتا......؟ سعد حسن رضوی اب تمہارے لیے اتنا پرایا ہو گیا ہے کہ تم اُس کے کسی سوال کا جواب نہیں دو گی......؟''

سعد نے اس کے بیڈ کے قریب سکرین پر اس کے دل کی ای سی جی پر اس کی دھڑکنوں کی اونچی نیچی لائین کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھیک ہے!...... تم مجھ سے بات نہیں کرو گی...... یہ تمہارا فیصلہ ہے...... اب میرا فیصلہ بھی سن لو...... اپنے دل سے کہو اپنی دھڑکنوں کو سمجھا لے۔ اگر تمہیں مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں تو انہیں بھی کوئی حق نہیں میری دھڑکنوں سے ہم کلام ہونے کا...... بس اب بہت ہو گیا...... تم نے روٹھے رہنے کی ٹھان رکھی ہے...... میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ تم پر پریشر ڈالنا چھوڑ دوں...... تمہارے لیے اب میری کوئی اہمیت نہیں رہی تو میں کیوں تمہیں پریشان کروں یہاں بار بار آ کر...... آج تو میں لیٹ آیا ہوں کل سے آیا ہی نہیں کروں گا...... خوش ہو جاؤ تم...... نبھاؤ اپنی ناراضگی...... مگر ایک بات یاد رکھنا اب سعد حسن رضوی کی زندگی تم ہو انوشے حسن رضوی! اگر چاہتی ہو کہ میں زندہ رہوں تو تمہیں زندگی سے ہاتھ ملانا پڑے گا...... ورنہ آج میری تم سے یہ آخری ملاقات ہے...... تمہیں تمہاری ضد مبارک ہو...... اللہ حافظ انوشے!''

وہ جھٹکے لہجے میں کہتا کتنے ہی پل اُسے دیکھتا رہا مگر اُسے شاید واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ سعد نے بساط کی آخری چال چل دی تھی اب فیصلہ دوسرے فریق کے ردِ عمل پر تھا کہ جیت کس کی ہوتی ہے، مات کس کی...... وہ پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل آیا۔

''اگر موت نے مجھے اور انوشے کو جدا کیا تو......؟

اگر موت کی چال میری چال سے [illegible] ہوئی تو......؟؟؟''

سعد کا دل ڈول [illegible] اپنی کشتیاں جلا کر اس پار اترا تھا۔ اب اسے صرف اور صرف نتیجے کا انتظار تھا۔

****

تین ماہ بعد انوشے کو [illegible] مد کے جانے کے کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیر بعد آن ڈیوٹی نرس جب انوشے کے کمرے میں آئی تو وہ اُلٹے پیر واپس بھاگی تھی۔ تین منٹ بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو ایک سینئر ڈاکٹر، اور دو جونیئر ڈاکٹرز اس کے ہمراہ تھے۔ انوشے کا سانس اُکھڑا ہوا تھا اور وہ بن پانی کے مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ ڈاکٹرز نے فوراً اسے ماسک لگا کر آکسیجن کی فراہمی کو اس کے لیے ممکن بنایا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس کی سانسیں معمول پر آئی تھیں۔ تینوں ڈاکٹرز کے لئے یہ بات حیرت کا سبب تھی...... وہ تین ماہ سے قومہ میں تھی اور بظاہر سب ٹھیک ہی تھا اب یہ اچانک پھر سے سانس لینے میں دقت اس کیس (Case) کے مزید کمپلی کیٹڈ (Complicated) ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ وہ نرس کو کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں فوراً اطلاع کرنے کی تاکید کرتے چلے گئے...... سینئر ڈاکٹرز نے خصوصی طور پر اسے ایک لمحے کے لئے بھی اِدھر اُدھر ہونے سے منع کیا تھا۔ سعد، احد کے ساتھ کینٹین سے کافی پی کر نکلا تھا جب ڈاکٹرز کو انوشے کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر وہ ان کی طرف چلے آئے۔

''مسز رضوی کا سانس دوبارہ اُکھڑ گیا تھا ہمیں انہیں آکسیجن ماسک لگانا پڑا......''

سینئر ڈاکٹرز نے جیسے ان کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''کیا وہ ابھی بھی قومہ میں ہے......؟''

احد نے قدرے جلدی خود کو سنبھالا تھا۔

''بدقسمتی سے ایسا ہی ہے...... اب اسے بار بار سانس لینے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ بہر حال میں سجیسٹ (Suggest) کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر ان کا سی ٹی اسکین اور ایم آر آئی کروایا جائے تا کہ ان کی دماغی حالت کو آبزرو (Observe) کیا جا سکے اور تین ماہ بعد بظاہر سب نارمل ہونے کے باوجود کسی ایسی وجہ کا اندازہ ہو سکے جو دوبارہ کسی نئے مسئلے کا سبب بن رہی ہے۔''

سینئر ڈاکٹر خواجہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈاکٹر خواجہ...... میں آپ سے متفق ہوں۔''

احد نے کہا تھا۔

سعد غائب دماغی سے سب سنتا رہا۔ احد اسے دلاسہ دیتا ڈاکٹر خواجہ کے ہمراہ چلا گیا تو سعد ڈھیلے ڈھالے قدم اُٹھاتا انوشے کے کمرے کی طرف بڑھا...... وہ اندر نہیں گیا تھا بس باہر ہی کھڑا رہ کر دروازے میں لگے گلاس سے اُس پار بیڈ پر لیٹی اس لڑکی کو دیکھتا رہا جو اب اس کی زندگی کی ضمانت بن چکی تھی۔ اسے وہاں کھڑے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر وہ ایک پل کے لئے بھی اپنی نگاہوں کا زاویہ نہ بدل سکا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ جیسے اپنی نگاہوں کی تپش سے وہ

انوشے کو اپنی موجودگی کا احساس کرانا چاہتا ہو..... مگر وہ تو اتنی سنگدل بن گئی تھی کہ اس کے الفاظ تک نہ سمجھتی تھی پھر نظروں کی حرارت کیسے محسوس کر لیتی۔ سعد نے پینٹ کی جیب میں ڈالے ہاتھ، باہر نکالا اور انگلیوں سے بالوں میں ہاتھ پھیرا مگر اس کا اضطراب تھا کہ کم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔

''کہیں میں نے غلط وقت پر صحیح بازی تو نہیں کھیل دی۔ کہیں میری یہ غلطی پوری بساط ہی نہ الٹ دے۔''

بار بار اس کے ذہن میں آتی بات اس کی بے چینی میں اضافہ کر رہی تھی۔ وہ کاریڈور میں چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے دل کو ڈولتے اُبھرتے محسوس کر رہا تھا جب اچانک دروازہ کھلنے کی آواز پر چونکا۔ انوشے کے کمرے سے نرس حواس باختہ سی باہر نکلی تھی اور بجلی کی سی تیزی سے ڈاکٹر خواجہ کے کیبن کی طرف بھاگی۔ سعد نے اُسے روک کر کچھ پوچھنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی پل وہ کاریڈور عبور کر چکی تھی۔ سعد ابھی وہیں کھڑا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش میں تھا جب وہ اسی تیزی سے واپس آتی دکھائی دی۔ اب کی بار ڈاکٹر خواجہ، ڈاکٹر کامران اور ڈاکٹر احد اس کے ہمراہ دوڑتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر انوشے کے کمرے میں پہنچے تھے۔ سعد باوجود خواہش کے بھی انہیں روک نہ پایا تھا۔ کسی انجانے خوف نے اُسے ایسا کرنے سے روکا تھا..... اپنی جگہ وہ ساکت سا کھڑا تھا مگر نرس کو وہ پھر بھی روک بیٹھا۔

''مسز رضوی کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہے۔''

سعد کی سماعتوں میں اُبلا ہوا سیسہ انڈیلا جا چکا تھا۔

''کیا واقعی موت نے بازی مار لی.....؟ اس نے ساری بساط اُلٹ دی..... میں ہار گیا.....؟؟؟''

وہ ساکت تھا۔ آج پورے تین ماہ قومہ میں رہنے کے بعد انوشے کو سانس کا مسئلہ ہوا تھا جس سے ڈاکٹرز میں تشویش کی نئی لہر دوڑ گئی تھی اور اب اس سے بمشکل ایک گھنٹے بعد انوشے کی ای سی جی پر سیدھی لائین نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دل نے اچانک ہی دھڑکن مدھم کرنی شروع کر دی تھی اور پھر دھڑکنا بند کر دیا جسے دیکھ کر نرس فوراً ڈاکٹرز کو بلا لائی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے فوراً بعد ڈاکٹرز نے ای سی جی پر نمایاں سیدھی لائن کو دیکھا تھا۔ انوشے کا دل دھڑکنا بند ہو چکا تھا..... احد کے قدم، دروازے کے قریب ہی گڑ سے گئے تھے۔

''الیکٹرک شاک (Electric shock) لگاؤ.....''

ڈاکٹر خواجہ چلائے تھے۔ احد ہوش میں آیا۔ بجلی کے ہر جھٹکے پر انوشے کا بے جان جسم ایک انچ اوپر اُٹھتا پھر بیڈ سے جا لگتا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے اذیت کے آثار نمایاں نہیں ہوتے تھے..... اس کا جسم ہر جھٹکے کو بڑی سہولت سے برداشت کر رہا تھا۔ پورے سات منٹ کی

کوشش کے بعد اس کے دل نے جیسے نئے سرے سے دھڑکنا سیکھا تھا تبھی تو ای سی جی پر ٹیڑھی میڑھی لائن ایک پل کے لئے سیدھی ہوتی پھر اونچی نیچی ہونا شروع کر دیتی پھر آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی گئی.....

''شکر ہے اللہ کا.....''

ڈاکٹر خواجہ نے اپنی پیشانی پر نمودار ہونے والے پسینے کے قطروں کو پونچھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

''یہ..... یہ تو معجزہ ہو گیا ڈاکٹر خواجہ..... ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ ہم ایک مردہ انسان کو خواہ مخواہ الیکٹرک شاک دے کر اسے پھر سے زندہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر کامران کی آواز فرط جذبات سے کانپ رہی تھی۔ احد نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں اور ای سی جی پر نگاہ دوڑائی۔ انوشے کا دل اب اپنی نارمل رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

"Look at her!"

ڈاکٹر خواجہ کی آواز پر ای سی جی دیکھتا احد اور نرس کو ہدایات دیتے ڈاکٹر کامران نے چونک کر پہلے ڈاکٹر خواجہ اور پھر انوشے کو دیکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔ انوشے نے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں..... وہ قومہ سے نکل آئی تھی۔

''اسے دیکھو..... یہ قومہ سے نکل آئی..... آئی ڈونٹ بیلیو (I don't believe) اِٹس میریکل! (مجھے یقین نہیں آ رہا یہ معجزہ ہو چکا ہے)''

ڈاکٹر کامران نے کہا تھا۔

''مبارک ہو ڈاکٹرز!''

ڈاکٹر خواجہ نے ان دونوں کو مبارک دی تھی۔ وہ تینوں خوشی سے تمتماتے چہروں سے باہر نکلے تھے۔ سعد کے ساکت وجود میں انہیں دیکھ کر جیسے جان آ گئی تھی وہ فوراً ان کی طرف لپکا۔

''بہت بہت مبارک ہو مسٹر سعد! آپ کی وائف کو ہوش آ گیا ہے۔''

''جی؟؟؟''

سعد کو یہ خبر ایسے لگی تھی جیسے اسے ایک لمحہ پہلے کسی نے آب حیات پلا دیا ہو۔

''ہاں سعد انوشے کو ہوش آ گیا ہے۔''

احد نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔ وہ دونوں ڈاکٹرز اسے مبارکباد دے کر جا چکے تھے مگر سعد کو ابھی تک جیسے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہ آ رہا تھا۔

''نرس نے تو کہا تھا کہ انوشے کی دھڑکن......''

''ہاں انوشے کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا......مگر الیکٹرک شاک سے اسے کور اپ (Cover up) کر لیا گیا ہے......اللہ نے اس کی زندگی ابھی لکھی تھی تو وسیلہ بھی تو کرنا تھا ناں!......اللہ کے فضل سے وہ اب ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے۔وہ قومہ سے نکل آئی ہے سعد!''

احد نے جیسے اس کو زندگی کی نوید سنائی تھی۔وہ ہوش میں تھی اور دیکھ سکتی تھی۔اس کا سانس بھی نارمل تھا اور دل کی دھڑکن بھی۔بظاہر تو ابھی تک ایسی کوئی بات سامنے نہ آئی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ اس نے کسی sense کو کھویا ہے۔ہاں اگر دوبارہ اسے سانس کا مسئلہ نہیں ہوتا تو انوشے اب بالکل خطرے سے باہر تھی۔کچھ دیر بعد اُسے چیک اپ کے لیے لے جایا گیا اور پھر چند مزید گھنٹوں کے لیے اسے ICU میں رکھنے کا کہہ کر ڈاکٹرز پُرسکون باہر آ گئے تھے۔

''فکر مت کیجئے! آپ کی وائف اب مکمل ہوش میں ہیں......اور یہ بہت خوشی کی بات ہے اب وہ خطرے سے باہر ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کوئی sense نہیں کھوئی۔ان کی یادداشت بالکل ٹھیک ہے وہ احد سے باتیں کرتی رہی ہیں فی الحال ہر طرح سے نارمل ہیں۔''

''میں سب کو فون کر دیتا ہوں۔''

سعد نے موبائل لیا اور پہلی فرصت میں وہ سب یہاں کس کس طرح پہنچے سعد حیران تھا۔وہ سب جیسے اُڑتے ہوئے آئے تھے یا فاصلے سمٹ گئے تھے۔خیر جو بھی تھا وہ سب یہاں موجود تھے۔

''سعد بیٹا! جاؤ انوشے سے مل لو......''

انوشے کی ممی نے اس کا ماتھا چوم کر مبارکباد دینے کے بعد کہا تھا۔10 گھنٹے گزر چکے تھے انوشے کو ہوش آئے اور اس دوران اسے سانس کا مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ڈاکٹرز نے آکسیجن ماسک اُتار دیا تھا۔مزید دو گھنٹے تک بھی اگر کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تو اُسے سادہ پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا جانا تھا۔وہ اس کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر مسجد گیا تھا اور شکرانے کے نوافل ادا کر کے رو رو کر اللہ کا شکریہ ادا کیا تھا۔سب انوشے سے مل کر باہر آ چکے تھے اور اب گھر جانے کے لئے تیار تھے کیونکہ ہسپتال میں رُکنے کی اجازت نہ تھی۔

''جی آنٹی!''

سعد نے خوشی سے مخمور آواز میں کہا تھا۔ان سب کے جانے کے بعد وہ دھڑکتے دل

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے ICU کی طرف بڑھا مگر دروازے کے قریب کھڑی لبیبہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

''میرا نیگ دے کر جائیں۔''

''کیا مطلب؟''

سعد نے حیرت سے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھا۔

''بھئی! بھابی سے ملنے جا رہے ہیں تو بہن سے جان چھڑا کر جائیں۔مجھے پیسے دیں یا پھر ساتھ اندر لے کر جائیں۔''

سعد کو اس کی شرارت سمجھ میں آ گئی تھی۔

''تم جیسے ہی لوگی......!''

سعد نے اسے چڑایا اور پیسے دے کر اندر داخل ہو گیا۔وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔نرس اسے دیکھ کر باہر چلی گئی۔

''انوشے......!''

سعد نے اسے پکارا تھا اس نے آنکھیں کھول دیں۔سعد کو لگا جیسے وہ صدیوں بعد اس کی نظروں کا مرکز بنا ہے۔وہ بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ تمہارے لیے......!''

اس نے ہاتھ میں پکڑے گلاب کے دو پھول اس کی سمت بڑھائے جنہیں بیٹھنے سے پہلے وہ پینٹ کی جیب سے نکال چکا تھا۔انوشے نے سعد کے چہرے سے نظریں ہٹا کر ان دو پھولوں کو دیکھا ایک سفید تھا اور ایک سرخ۔

''یہ سفید پھول تمہارے جیسا ہے، پاکیزہ سا، معصوم سا، بے داغ نکھرا نکھرا، اتنا خوبصورت اور اتنا انوکھا کہ دل خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔''

سعد نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا تھا۔

''اور یہ سرخ پھول میں ہوں، مجھے اس جیسا بننا ہے، محبت کا عکاس، پیار کی زبان، ہر دُکھ سکھ میں ساتھ دینے والا، تمہاری زندگی ہمیشہ کے لئے مہکا دینے والا۔''

انوشے نے چونک کر سعد کو دیکھا تھا اور وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے چونکنے پر مسکرا دیا۔

''اب ہم اسی طرح آپ کو قدم قدم پر حیران کریں گے مسز انوشے حسن رضوی......آپ کو نئی زندگی بہت بہت مبارک ہو اور ہم آپ کو بڑے تپاک سے خوش آمدید کہتے ہیں۔''

سعد نے سرخم کر کے کہا تھا۔

''یہ پھول قبول کیجیے!''

سعد نے پھولوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔انوشے نے ہاتھ بڑھا کر دونوں پھول اس سے لے لیے۔

''کیسی طبیعت ہے اب.....؟''

سعد نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں!''

وہ بس اتنا ہی بولی تھی۔پچھلے تین ماہ سے سعد نے اُس کی آواز نہیں سنی تھی تو اسے لگا جیسے برسوں بعد اس آواز کی شیرینی اس کے کانوں میں گھلی ہو۔

''اب دوبارہ روٹھنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟''

وہ پوچھ رہا تھا۔انوشے نے ایک نظر اسے دیکھا پھر بولی۔

''نہیں!''

اس کے معصوم سے جواب پر وہ ہنس دیا۔

''بڑی مہربانی ہوگی۔ویسے ایک بات کہوں آئندہ جب بھی کبھی مجھ سے ناراض ہونا ہو تو پلیز یہ طریقہ مت اختیار کرنا۔ایمان سے بہت ہی دردناک ہے۔''

سعد نے ان اذیت ناک لمحوں کے خیال سے جھرجھری سی لی تھی جو اس نے انوشے کی بیماری کی حالت میں گزارے تھے۔تب ہی دروازے پر دستک نے دونوں کو متوجہ کیا۔

''یس کم ان(Yes, come in).....''

سعد کی آواز پر دروازہ کھلا تھا۔اگلے ہی پل آریان کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر انوشے اتنا حیران نہ ہوئی تھی جتنا سعد کے اُٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اس کے بغل گیر ہوتا دیکھ کر۔وہ دونوں ایسے ملے تھے جیسے صدیوں کے شناسا دوست بچھڑے اب ملے ہوں۔

''کیسی ہو پرنسز.....اب تم نے تو ہمارے پیروں تلے سے زمین ہی کھینچ لی تھی۔''

آریان نے اسے متوجہ دیکھ کر بڑے خوشگوار موڈ میں کہا تھا۔ورنہ یہ تو وہی جانتا تھا کہ وہ کس قیامت خیز لمحات کے زیر اثر تھا.....انوشے کی حالت اس کے لیے ناقابل برداشت تھی.....اس کی جدائی نے اُسے اتنا ہی تڑپایا تھا جتنا اس احساس نے اسے اذیت دی تھی کہ وہ زندگی کی ڈور ہاتھوں سے چھوڑتی جارہی ہے.....اُسے اب احساس ہوا تھا اور بہت شدت سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوا تھا کہ اس کے لیے انوشے اتنی ضروری اور اہم نہیں تھی جتنی اس کی زندگی اور اس کی خوشیاں اہم تھیں.....وہ اسے خود سے دور جاتا برداشت کر سکتا تھا مگر اسے زندگی اور خوشیوں سے ناطہ توڑتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''السلام علیکم.....!''

انوشے کو ایک نرم آواز نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔وہ بہت ہی پیاری لڑکی تھی جو چہرے پر شناسائی کی مسکراہٹ سجائے اس سے مخاطب تھی۔

''حنا،آریان کی وائف۔''

انوشے نے یاد کیا پھر مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

''ہیلو ایوری باڈی(Hello every body)''

مشی کی چہکتی آواز کمرے میں گونجی تھی۔اس کے ساتھ ولی بھی مسکراتا ہوا وہاں موجود تھا۔

''سرپرائز.....!''

آریان اور مشی یک زبان بولے تھے۔

''آریان نے مجھے آتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ ہاسپٹل جارہا ہے سو ہم نے سوچا کہ سب مل لیں تب ہی ہم جائیں گے اور مل کر کباب میں ہڈی بنیں گے۔''

مشی نے وضاحت دی تھی.....سب ہنس دیے۔بس پھر کیا تھا جہاں آریان،مشی اور انوشے اکٹھے ہو جائیں وہاں سے وقت کیسے دبے قدموں بھاگتا ہے خبر بھی نہیں ہوتی۔دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر وہ ابھی تک باتوں میں مگن تھے۔انوشے چونکہ اس دوران بہت ہی کم بولی تھی،چند گنے چنے الفاظ ہی مگر پھر بھی اُس نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔سعد اور حنا نے ان تینوں کی دوستی کو آج دل سے محسوس کیا تھا وہ دونوں بھی ان میں گھل مل گئے تھے۔انوشے کو اب پرائیویٹ روم میں شفٹ کرنے کا فیصلہ ڈاکٹرز نے سنا دیا تھا کیونکہ وہ اب خطرے سے مکمل طور پر باہر تھی اور سپیشل آبزرویشن کی اب اسے قطعی ضرورت نہ تھی گو کہ ابھی وہ مکمل طور پر ٹھیک نہیں تھی مگر پھر بھی سب کو ایسے لگا تھا جیسے ساری بلائیں ٹل گئی ہوں.....برا اور کٹھن وقت گزر گیا تھا،اب تو صرف خوشیاں ہی خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

ایک ہفتہ تک انوشے کو ہسپتال میں رکھا گیا تھا۔اس دوران میں سعد اس کا سایہ بنا رہا۔وہ آفس نہیں جاتا تھا۔سیکریٹری اس سے ضروری معاملات یہاں ہی ڈسکس کر جاتا۔اس پورے ہفتے میں اس نے کسی قسم کی میٹنگ بھی نہ رکھوائی تھی۔آریان بھی باقاعدگی سے انوشے

سے ملنے آتا تھا کبھی حنا اس کے ساتھ ہوتی کبھی وہ اکیلا ہی ہوتا.....اس کے کراچی میں دو چار کنسرٹ تھے تو اس نے انہی دنوں ارینج کروا لیے تھے۔اپنے اتنے بزی اور ٹف شیڈول میں بھی وہ انوشے کے لیے وقت نکال کر ضرور آتا تھا۔اخبارات میں خبریں شہ سرخیوں میں لگائی جانے لگی تھیں۔تمام ہسپتال والے اس سے آٹوگراف لے چکے تھے۔اس کے ساتھ تصاویر بنوائی جا چکی تھیں۔ہاسپٹل کے اونر نے اس ہسپتال کے لیے چیرٹی کے طور پر اسے ایک کنسرٹ کی ریکمینڈیشن بھی کی تھی جسے اس نے بخوشی قبول کرلیا تھا۔مگر وہ چاہتا تھا جس دن انوشے ڈسچارج ہو اسی دن وہ کنسرٹ کیا جائے سو سب کو انوشے کے ڈسچارج ہونے کا انتظار تھا۔

****

آج آریان بڑی جلدی میں تھا اس کے ساتھ سیکریٹری تھا جس کے ہاتھ میں ہمیشہ کی طرح بڑا سا سفید پھولوں کا بکے تھا.....وہ اسے کمرے میں رکھ کر باہر چلا گیا.....انوشے نے مسکرا کر آریان کو دیکھا۔

''تم روز اتنا اتنے پھول لے آتے ہو.....اب تک تو باغ ختم کر دیا ہوگا۔''

''خوش قسمت ہو ورنہ آریان واسطی جیسا بڑا اسٹار کسی لڑکی کی اتنی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے لئے یہ سب کرتا پھرے.....''

آریان نے کالر اکڑا کر کہا تھا انوشے کھلکھلا کر ہنس دی.....بہت دنوں بعد وہ ایسے کھل کر ہنسی تھی۔کمرے میں داخل ہوتے سعد نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا.....پھر آریان سے مل کر اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''انوشے تمہارے لیے کچھ لایا ہوں.....تمہاری امانت بہت عرصے سے سنبھال کر رکھی تھی۔''

آریان نے اپنے والٹ میں سے ایک پانچ سو کا نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ میرا پہلا آٹوگراف!.....تمہیں یاد ہے ناں کہ تم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میرا پہلا آٹوگراف تمہارے لیے ہوگا۔''

''اور تمہیں یاد تھا.....؟''

انوشے نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہاں! نہ صرف یاد تھا بلکہ میرے پہلے کنسرٹ کے بعد جب میرے فینز مجھ سے آٹوگراف لینے آئے تو مجھے تمہاری بات یاد آئی تب میرے پاس کوئی کاغذ تو تھا نہیں سو میں نے جیب سے نوٹ نکال کر پہلے اس پر آٹوگراف محفوظ کیا اور بعد میں ان سب کو آٹوگرف دیا.....تب سے یہ تمہاری

امانت کی طرح بڑی احتیاط سے سنبھال رکھا ہے۔''

''اوہ.....سو نائس آف یو(So nice of you)''

وہ تھوڑا سا مسکرائی تھی۔

''اور سعد آپ کے لئے بھی کچھ لایا ہوں۔''

آریان سعد کی طرف متوجہ ہوا تھا اور ایک بار پھر والٹ کھول لیا۔اب کی بار اس نے اپنے والٹ میں موجود حنا کی تصویر کے نیچے سے انوشے کی تصویر نکالی تو سعد نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ آپ اپنے والٹ میں لگا لیں یہ آپ کے لیے.....''

آریان کے اس پیارے سے تحفے کو سعد نے بڑی خوشدلی سے قبول کیا تھا۔

''ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں۔''

آریان نے گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا تھا۔اس کے جانے کے بعد انوشے دوبارہ سے سنجیدگی کے اسی Mile stone پر پہنچ گئی تھی جس میں وہ آج کل رہنے لگی تھی۔

''انوشے یہ اپنی ڈائری لے لو.....!اگر تم مجھ سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تو کم از کم اسی سے باتیں کر لیا کرو مگر یوں خاموش تو نہ رہا کرو۔''

سعد کافی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا تھا مگر انوشے نے اسے خود سے مخاطب نہیں کیا تھا۔بلکہ سعد کے بلانے پر بھی وہ بس ہوں ہاں ہی کرتی رہی تھی۔انوشے نے ایک نظر اپنی ڈائری کو دیکھا پھر نظریں چراتی ہوئی بولی:

''مجھے کسی سے کچھ نہیں کہنا اور ویسے بھی یہ اب میری نہیں رہی۔''

انوشے نے ایک پل کے لیے سعد کی حیران آنکھوں میں جھانکا جہاں اسے کئی جذبے تیرتے ملے تھے مگر نجانے کیوں وہ انہیں محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی.....شاید اس کی حسیات ابھی آنکھوں کی ان کہی زبان سمجھنے سے انکاری تھیں۔سعد نے اسے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ڈائری اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر باہر نکل آیا۔

****

انوشے ڈسچارج ہو کر گھر آئی تو کچھ خامیاں اس کی ذات کا حصہ بن چکی تھیں۔اس کے سر کے بال کسی حد تک سفید ہو گئے تھے۔اس کی آئی سائٹ کمزور ہو گئی تھی جس کے لیے اسے کنٹیکٹ لینز یا گلاسز کا استعمال کرنا پڑتا تھا۔یہ سب قومہ میں تین ماہ رہنے اور طویل بیماری کے سائیڈ افیکٹس تھے.....وہ بہت سنجیدہ ہو گئی تھی اور سب نے اس کی سنجیدگی کو انہی تبدیلیوں

سے جوڑا تھا..... روزانہ اس کی فزیوتھراپی کے کئی سیشن ہوتے جس سے وہ اب مکمل طور پر نارمل تھی..... ثما جتنے دن یہاں رہیں اپنے ساتھ اسے سلاتی رہیں۔ انوشے کا کمرہ ان کے زیر استعمال تھا تو انوشے کے الگ کمرے کا پھاٹک نہیں چھوٹا تھا مگر اب انوشے کو گھر آئے ایک ماہ گزر چکا تھا۔ سب جا چکے تھے جن کے بعد اس نے خود کو اور زیادہ سنجیدہ کر لیا تھا۔ خاموشی کا جو خول اس نے خود پر چڑھا لیا تھا سعد باوجود کوشش کے اس میں ہلکی سی دراڑ تک نہ ڈال پایا تھا..... دو دن پہلے احد اور پلوشہ نے سعد اور انوشے کو ڈنر کے لیے بلایا تھا تو انوشے کافی دیر ابراہیم سے باتیں کرتی رہی جس نے اب سکول جانا شروع کر دیا تھا۔ پل بھر کو اس کی سنجیدگی نے مسکراہٹوں کی چادر اوڑھی تھی مگر گھر آتے ہی دوبارہ وہ گم سم سی ہو گئی تھی۔ آج آفس سے واپسی پر سعد کی نظر بک سٹال پر پڑی تو اس نے بے اختیار گاڑی روکی اور کچھ سوچ کر وہ باہر نکل آیا۔ اس نے چند کتابیں خریدیں۔ مطلوبہ کتب ڈھونڈنے میں دکاندار نے اس کی مدد کی تھی۔ وہ جلد ہی وہاں سے فارغ ہو گیا۔ گھر آتے ہی وہ انوشے کے کمرے کی طرف بڑھا جہاں اب بھی وہ ضد سے رہ رہی تھی ورنہ سعد نے اسے اپنے کمرے میں شفٹ ہو جانے کا کئی مرتبہ کہا تھا مگر وہ مانی نہیں تھی۔

''انوشے دیکھو میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں۔''

سعد نے ٹیرس پر گم سم بیٹھی انوشے کو مخاطب کیا اور اس کے پاس ہی جھولے پر بیٹھتے ہوئے وہ کتابیں اس کی طرف بڑھائی تھیں۔

''واہ..... کتابیں!''

انوشے یکدم بہت زیادہ خوش ہو کر بے اختیار بولی تھی۔ سعد کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ آریان اور مشی سے اسے پتا چلا تھا کہ انوشے کو کتابیں پڑھنے کا جنون ہے اور اگر وہ کبھی روٹھ جائے تو منانا ناممکن ہے مگر ایک کتاب گفٹ کر دو تو اس کی ناراضگی کب غائب ہوتی ہے آپ بھی حیران رہ جاتے ہیں۔

''یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔''

سعد نے خود کو سرزنش کیا۔ وہ خود کتابوں کا بہت شوقین تھا۔ ایک زمانے میں وہ شعراء کو بہت پڑھا کرتا تھا۔ آج اس نے ایک شاعری کی کتاب بھی خریدی تھی۔

''تمہیں شاعری پسند ہے انوشے؟''

سعد نے اسے کتاب کے صفحات الٹتے بڑی دلچسپی سے دیکھ کر پوچھا تھا۔

www.paksociety.com

''جی بہت..... میں نے بہت سے شعراء کو پڑھا ہے..... علامہ اقبال، میر تقی میر، پروین شاکر، غالب اور وصی شاہ کو تو بے انتہا پڑھا ہے۔ نجانے کیوں ان کی پوئٹری کا انداز حالانکہ ایک دوسرے سے بالکل ہی جدا جدا ہے مگر میں نے ہر مرتبہ جب بھی انہیں پڑھا مجھے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے گرو ایذرا پاؤنڈ کی کہی ایک بات ضرور یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ نظم کا content کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو جب وہ کسی شاعر کے احساس میں اترتا ہے تو شاعر اس content کو اپنے اسلوب اور craft سے بڑا بنا دیتا ہے۔ ان شعراء کی نظموں میں craft کا حسن جھلکتا ہے۔''

سعد نہایت دلچسپی سے اسے سن رہا تھا۔ بہت دیر بعد اسے پہلے والی انوشے کی ایک جھلک دیکھنے کو ملی تھی..... اس نے اسے درمیان میں روکنا یا ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ خاموش ہوئی تو بولا...

''مگر وصی شاہ صرف ٹین ایجرز کے شاعر ہیں۔ وہ صرف نوجوان لڑکے لڑکیوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ہی لکھنا جانتے ہیں۔ ان کی شاعری میں بہت بچپنا ہے۔''

سعد نے جان بوجھ کر انوشے کی بات سے اختلاف کیا تھا..... انوشے کا ردعمل حسب توقع تھا۔

''آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

وہ نخوت سے ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھی۔

''کیونکہ میں نے بھی بہت پڑھا ہے انہیں''

سعد کے مسکراتے لب بولے تھے۔

''دو چار کتابیں پڑھ لینے سے اور انہیں ریکس میں سجا لینے سے شاعری کی زبان سمجھنے کا ہنر نہیں آ جاتا۔ ہر شاعر شروع میں روحانیت اور عشق و محبت کی پھوار سے ہی اپنا سفر شروع کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس پھوار سے دل کی زمین زرخیز ہونا شروع ہوتی ہے اور فالتو کنکر جھاڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جنہیں وہ شاعر آہستہ آہستہ چنتا جاتا ہے اور اس طرح اس کی شاعری میں وہ حسن اور سرسبزی دکھنے لگتی ہے جس سے دلوں کی زمینوں پر پیار کی فصل لہلہانے لگتی ہے۔ آپ اور آپ جیسے کئی پڑھنے والوں سے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ ان جیسے شعراء کو افلاطون کی Republic اور تھامس مور کی Utopia کو ذہن میں رکھ کر مت پڑھیے بلکہ یہ تو اپنائیت اور روحانیت کی وہ آوازیں ہیں جسے انگریز شاعر بائرن (Byron) نے Whispers Behind the Curtain کا نام دیا اور محبتوں کے سفر میں نکلنے والے ننھے ننھے مسافران کی کتابوں کو سرہانے رکھ کر سوتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ محبت صرف ٹین ایج میں ہی ہو محبت تو کسی بھی عمر میں کسی

سے بھی کہیں بھی ہو سکتی ہے یہ تو بہت ہی پیارا جذبہ ہے کب آپ دل کی شدتوں سے اس کے جال میں پھنس جائیں آپ کو بھی خبر نہیں......"

بولتے بولتے انوشے کی نظر سعد کے چہرے پر پڑی تھی جہاں بڑی ہی دلکش مسکراہٹ تھی اور آنکھیں جذبات کی لو دیتے چمک رہی تھیں۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انوشے کو اس کی ساری شرارت سمجھ میں آ گئی اُس نے جھینپ کر ہونٹ بھینچ لیے اور نگاہیں جھکا کر رُخ موڑ لیا مگر نظریں چرانے کا کام اس نے سب سے پہلے کیا تھا......اس کے یوں جھینپ کر رُخ موڑ لینے پر سعد کا قہقہہ جاندار تھا۔

"رُک کیوں گئیں۔ بھئی ذرا اور روشنی ڈالیے محبت اور اس کے ہو جانے کی صحیح عمر اور وقت پر، مابدولت کا نالج (Knowledge) اس معاملے میں صفر ہے۔ اس لیے آپ کی نایاب معلومات سے حتی الامکان مستفید ہونے کا خواہش مند ہوں۔"

سعد نے شرارت سے چمکتی آنکھوں سے اس کی گھبراہٹ کا مزا لیتے ہوئے فرمائش کی تھی۔ انوشے نے دل ہی دل میں اپنی چلتی زبان کو سرزنش کی اور خاموشی سے وہاں سے اُٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"انوشے!"

سعد نے اسے بازو سے تھام کر دوبارہ بٹھا لیا تھا۔

"بس کرو یار اب یہ اجنبیت کا کھیل......"

وہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"میرا کمرہ تمہارے بنا اُدھورا ہے اور میں بہت اُداس۔"

سعد نے اسے شانوں سے تھام کر اس کا رُخ اپنی طرف موڑا تھا مگر انوشے نے جھکی پلکوں کی باڑ نہیں اُٹھائی تھی۔

"سعد آپ کو زبردستی یہ رشتہ نبھانے کی ضرورت نہیں ہے...... بےفکر رہیں اگر اب بچ گئی ہوں تو اس کا مطلب ہے کم از کم آپ کے دُور ہو جانے کے احساس سے نہیں مروں گی اور اگر ایسا ہوتا تو اب تک آپ کے سامنے نہ بیٹھی ہوتی...... آپ کو اپنی زندگی سمجھا کرتی تھی میں...... مجھے لگتا تھا جس دن آپ سے ناطہ ٹوٹا اسی دن سانسیں بھی مجھ سے اپنا ناطہ توڑ لیں گی مگر میں اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکی نہیں بھرم رکھ پائی میں اپنی محبت کا...... ایک طرح سے آپ نے مجھے چھوڑ ہی دیا تھا مگر دیکھیں میں زندہ ہوں...... ابھی تک سانسیں چل رہی ہیں میری...... اگر میری طبیعت خراب

نہ ہوتی تو شاید آپ مجھے طلاق دے کر میری موت کا پروانہ دے چکے ہوتے۔"

انوشے نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ سعد دُکھ سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے ایک ایک لفظ کو اس نے اپنے دل میں نیزے کی مانند گڑتا محسوس کیا تھا۔ کتنی آسانی اور معمولی سے انداز میں وہ اپنے مرنے کی باتیں کرتی جا رہی تھی۔ سعد نے اگر اُن لمحات کو جیا نہ ہوتا جو اس نے ہسپتال میں گزارے تھے تو کبھی اس کرب کو محسوس نہ کر پاتا جو انوشے کے بنا گزارے۔ اُمیدی اور نااُمیدی کے درمیان، ان پلوں نے اسے بخشا تھا...... اس نے خود کو کھوجنے کی کوشش کی تو اسے انوشے ہی ملی تھی ہر جگہ ہر طرف...... وہ حیران ہوا تھا انوشے تو اس میں نجانے کب سے موجود تھی وہ خود ہی انجان بنا رہا تھا اور اب جب وہ شناسائی اور جانکاری کا سفر طے کر کے ساری منازل سر کر چکا تھا تو پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ آخری بازی بھی جیتنی ہی تھی۔

"تم میرے پاس تھیں تو مجھے احساس نہ تھا مگر جب تمہارے بنا رہنا پڑا تو مجھ پر کھلا تم کیا تھیں اور میرے لیے تمہارا ہونا کتنا اہم ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا انوشے کیسے ہوا یہ سب مگر ایسا ہو گیا تھا...... تم نے کچھ نہیں کھایا یہ سوچ کر میں باوجود شدید بھوک کے کچھ کھا نہیں پاتا تھا...... تمہیں ہزار باتیں سنا تو آتا تھا مگر بعد میں وہی باتیں خود مجھے کتنا مضطرب کرتی تھیں تم نہیں جانتی۔ تم روتی تھی تو مجھ سے تمہارے آنسو نہیں دیکھے جاتے تھے میں نظریں چرا لیتا تھا وہاں سے چلا جاتا تھا...... تمہاری قربت کے لمحات میں مجھے خود پر اختیار نہیں رہتا تھا اسی لیے میں تمہیں ہمیشہ اپنے قریب آنے سے روکتا رہا...... تم میرے کمرے میں آئیں تو تمہارے جانے کے بعد مجھے کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑتا، اپنا ہی کمرہ اجنبی لگنے لگتا اسی لیے میں تمہیں اپنے کمرے میں آنے ہی نہیں دیتا تھا...... تمہارے ساتھ گزرے لمحات مجھے تنہائی میں ستاتے تھے اور دوبارہ تمہارے پاس جانے پر اُکساتے تھے تبھی میں تم سے کتراتا تھا...... میں نے خود کو بہت روکا انوشے مگر ہر گزرتا دن مجھے تم سے قریب تر کرتا گیا...... بظاہر میں تم سے انجان بنا رہتا تھا مگر تم میرے سب سے قریب تھیں۔ میں ہر پل تمہیں محسوس کر سکتا تھا مگر میں نے یہ سب نظر انداز کیا اور نجانے کب تک کرتا رہتا اگر یہ حادثہ نہ گزرا ہوتا......"

"ہاں سعد یہی تو میں نے کہا...... اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو یہ سب کچھ ویسا ہی چلتا رہتا اور پھر آپ اب تک مجھے طلاق دے چکے ہوتے۔"

انوشے نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا تھا۔

"تم پوچھو گی نہیں کہ میرے اس رویے کی وجہ کیا تھی......؟"

سعد نے متلاشی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"نہیں کیونکہ میں نے بارہا پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر آپ ہر بار ڈانٹ دیتے تھے.....اس لیے اب کبھی نہیں پوچھوں گی۔"

انوشے کا لہجہ ہنوز بے تاثر تھا۔

"ٹھیک ہے تم مت پوچھو میں بتا دیتا ہوں۔"

سعد نے نرم لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے نہیں جاننا کچھ بھی.....کیا کروں گی جان کر....."

انوشے نے اب کی بار کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"مگر مجھے بتانے دو انوشے.....مجھے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے دو....."

سعد کے لہجے میں نجانے کیا تھا انوشے کو ہار ماننا پڑی۔

"میں نے اپنی زندگی کے چند ابتدائی سال ہی ممی پاپا کے ساتھ گزارے ہیں باقی ساری عمر ان سے دور ہی رہا ہوں۔ پہلے سٹڈی کے سلسلے میں۔ اب جاب کے سلسلے میں.....میرا اپنی فیملی سے اتنا ہی رابطہ رہا جتنا کسی کا اپنے رشتے داروں سے ہوتا ہے یعنی فون پر خیر خیریت دریافت کر لی، چھٹیوں میں اگر موڈ ہوا تو ان کے پاس کچھ دن گزار آئے نہ موڈ ہوا تو نہ گئے۔ میں ایسا بچہ تھا جو والدین پر Dependent کبھی نہیں رہا۔ شروع میں مجھے سکالرشپ ملتا رہا جس سے میری پڑھائی کے تمام اخراجات نکل آتے تھے۔ پاپا جتنا سپورٹ کرتے وہ میرے لیے کافی سے زیادہ اضافی ہوتا۔ میں اسے اپنے دوستوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیتا.....گفٹ دینا میری پسندیدہ ہابی (Hobby) تھی۔ میرے بہت سے دوست تھے مگر پھر مجھے احد ملا.....اس سے ملنا میری زندگی کے لیے نیا اور انوکھا تجربہ تھا.....اس سے مل کر میں نے جانا کہ آج تک تو میرا کوئی دوست تھا ہی نہیں۔ جنہیں میں دوست سمجھتا تھا وہ بس میرے پیسے کے لیے میرے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ احد نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں لیا ہمیشہ وہی مجھے زیادہ گفٹس دیتا تھا۔ اس کے بعد مجھے کسی دوسرے کو دوست بنانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

وہ بڑا زندہ دل تھا، دل کا برا نہیں تھا پر تتلیوں کے رنگ چراتا اُسے اچھا لگتا تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے تک اس کا یہ مشغلہ قائم رہا بلکہ تب تو وہ اس میدان میں خاصا پریکٹیکل ہو گیا تھا.....اس کی جوانی نے جیسے ہی بچپن کی جگہ لی اس کی زندگی میں تتلیوں کی جگہ پیاری پیاری، نازک نازک لڑکیوں نے لے لی۔ وہ ہر دوسری لڑکی کے ساتھ فلرٹ کرتا پایا جاتا.....اُسے کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے بال پسند ہوتے تو کسی کی آنکھیں۔ کسی کی چال تو کسی کی ناک.....میں ہمیشہ اس کا مذاق اڑاتا تھا مگر وہ مجھے مولوی صاحب کہہ کر چڑاتا.....مجھے بد ذوق کہتا کیونکہ لڑکیوں میں میری دلچسپی صفر تھی.....میں اپنی زندگی میں جتنی لڑکیوں کو جانتا تھا وہ ساری کی ساری احد کی گرل فرینڈز کے روپ میں مجھ سے متعارف ہوئی تھیں.....میں نے خود کبھی کسی لڑکی کو دوست بنانے کی کوشش نہیں کی تھی.....میں میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہو کر چند ہفتے کینیڈا مما پاپا کے پاس رہا تھا.....ٹین ایجرز کی وہاں جو مصروفیات تھیں میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ میں بمشکل وہاں 3 ہفتے گزار کر جب واپس پاکستان آیا تو سکون کا سانس لیا اور دوبارہ کبھی وہاں چھٹیاں گزارنے کی غلطی نہ کرنے کی ٹھان لی۔ میری چھٹیاں ابھی باقی ہی تھیں کہ میں نے مصروفیت کے لیے وہاں قریبی درس میں جانا شروع کر دیا.....مما پاپا کو اعتراض ہوا.....وہ مجھے شاید مولوی بنتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے میرا اپنا بھی ایسا کوئی ارادہ نہ تھا.....مجھے تو وقت گزاری کرنے کو مصروفیت درکار تھی وہ میں نے ڈھونڈ لی.....میرا ناظرہ بہت بہتر تھا وہاں موجود قاری صاحب نے مجھے قرآن پاک کا ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا.....جیسے جیسے میں ترجمہ کرنا سیکھتا گیا مجھے احساس ہوتا گیا کہ وہاں کینیڈا میں کیوں میرا دل گھبراتا تھا.....نائٹ کلب بار میں لیٹ نائٹ پارٹیز اور چمکتے بھڑکتے چست لباس زیب تن کیے نیم عریاں لڑکیاں مجھے کیوں کوفت میں مبتلا کر دیتی تھیں حالانکہ میری عمر کے نوجوان لڑکے تو سب بہت انجوائے کرتے تھے مگر میرا دل اکتایا رہتا اور میں سب چھوڑ چھاڑ گھر آ جاتا.....ایک دن میں نے اس آیت کا ترجمہ سیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں، زانی مردوں کے لیے زانی عورتیں، پاکیزہ مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں ہیں تو میں نے سوچا، بہت سوچا کہ اللہ تعالیٰ جو کہتا ہے کرتے ہے۔ اس کا کہا نعوذ باللہ کبھی جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے 14 سال کی کم عمری میں ہی سوچ لیا تھا کہ مجھے کیسا بننا ہے۔ عموماً ہمارے ہاں اس عمر کے بچے اپنے مستقبل کو سیریس نہیں لیتے.....عیاشی اور وقت گزاری ان کا مشغلہ ہوتا ہے اور اگر کوئی مستقبل کا سوچتا بھی ہے تو وہ یا تو ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتا ہے یا وکیل اور انجینئر بننے کا مگر میں نے تب ایک اچھا انسان بننے کا سوچا تھا.....قرآن پاک کے ترجمے سے میں مولوی تو نہیں بن سکا تھا مگر میری زندگی کو متعدل کیا تھا، پھر میری زندگی کے آئندہ سال میں نے بہت سوچ سمجھ کر ناپ تول کر گزارے تھے۔ گریجوایشن کے بعد سپیشلائزیشن کے لیے میں کینیڈا گیا تو مما پاپا نے کہا وہ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے ہیں۔ ایسے بڑی ہمدردی تھی سو وہ اسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس ماحول میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ جب تک میری سیٹلائزیشن ہوئی پاپا کا سارا بزنس پاکستان شفٹ ہو چکا تھا۔ پھر یہاں آتے ہی میں تو کراچی میں اپنا الگ بزنس اسٹیبلش کرنے میں لگ گیا جبکہ وہاں لاہور میں مما پاپا میرے سر پر سہرا سجانے کی تگ و دو کرنے لگے۔ میرے انکل ضیاء کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ایک نام مما پاپا کے سامنے رکھا۔ وہ نام تھا انوشے، انوشے کبیر..... انکل ضیاء چونکہ تمہارے بابا کے بچپن کے دوست تھے اور اب تک وہ ویسے ہی دوستی نبھاتے آ رہے تھے۔ اس لحاظ سے میرے پاپا تمہارے بابا انکل کبیر کو پہلے سے ہی جانتے تھے۔ تمہارے بابا کی فیملی ان کے لیے اجنبی نہ تھی۔ اس لیے کسی قسم کی انکوائری میں پڑنے کی بجائے انکل ضیاء نے یہ رشتہ ڈال دیا۔

اور پھر تم جانتی ہی ہو سب کچھ کتنی جلدی ہو گیا..... انکل ضیاء سے مجھے جو کچھ تمہارے بارے میں علم ہوا میں اُسی سے بے تحاشہ خوش تھا۔ تمہارے گھر والوں سے مل کر میں مکمل طور پر مطمئن ہو گیا۔ تمہارا گھرانہ بابا کا دیکھا بھالا تھا ویسے بھی انکل ضیاء خود بہت ایکسائیٹڈ تھے اس رشتے کو لے کر..... میرے لیے اور کچھ بھی اہم نہ تھا..... مجھے لگتا تھا کہ خدا نے میری اتنے سالوں کی ریاضت کا پھل مجھے دے دیا ہے۔ مجھے پاپا اور انکل ضیاء دونوں نے کہا تھا کہ چاہوں تو تم سے مل لوں مگر میرے لیے اب یہ ضروری نہ تھا، میں نے منع کر دیا اور جب تم سے بھی ایسا ہی کہا گیا تو تمہارے انکار نے مجھے نجانے کیوں سرشار کر دیا تھا..... میں بے تحاشہ مسرت محسوس کرتا تھا کہ ہمارے ذہنوں اور سوچ میں مطابقت ہے.....

میں نے اپنے گھر کو بڑے شاندار طریقے سے سجایا سنوارا تھا..... پانی کی طرح پیسہ بہایا تھا۔ میں اپنے گھر کو تمہارے شایانِ شان بنانا چاہتا تھا اور پھر جب یہ مکمل ہوا تو میں مسحور سا اِسے دیکھتا رہ گیا..... جیسے نکاح والے دن تمہیں ہوٹل کے ڈریسنگ روم میں دیکھتا رہ گیا تھا..... وہ ایسی کی شرارت تھی جو مجھے بعد میں کئی بار مسکرانے پر مجبور کرتی رہی۔ تمہاری وہ شبیہ میری نظروں سے اوجھل ہی نہ ہوتی تھی اور میں رخصتی کی تاریخ کا بے صبری سے منتظر تھا... روزانہ صبح اُٹھ کر کیلنڈر دیکھتا جیسے ایک رات میں ہی ایک ماہ گزر جائے گا..... پھر جیسے تیسے وہ دن آ ہی گیا۔ شام کو مجھے بارات لے کر جانا تھا اور اپنی امانت رخصت کر کے اپنے گھر لانی تھی، میں ساری رات خوشی کے مارے سو نہیں پایا تھا۔ جیسے ہی صبح ہوئی میں نماز کے لئے مسجد کی طرف نکل گیا۔ اللہ کا شکر یہ بھی تو ادا کرنا تھا..... پھر جیسے تیسے شام ڈھلی اور میں دولہا بن کر تمہیں لینے چل نکلا۔

رخصتی کے بعد جب ہم ہوٹل سے گھر پہنچے تو میں بیان نہیں کر سکتا میرے دل کی کیا حالت تھی..... میرا بس نہیں چل رہا تھا ساری رسومات پلک جھپکے مکمل ہوں اور میں جی بھر کر تمہیں دیکھ سکوں، میں یقین کر سکوں کہ واقعی خدا نے میری پاکیزگی کا صلہ مجھے ایک پاکیزہ بیوی کے روپ میں دیا ہے۔ مگر میری تمام خوش فہمیاں ریت کا ڈھیر تب ثابت ہوئیں جب تمہیں جلد عروسی میں لے جایا جا رہا تھا..... میرے موبائل پر کسی اجنبی نمبر سے کال آ رہی تھی جسے میں نے بے دھیانی میں ریسیو کیا تھا۔ کاش میں وہ کال کبھی ریسیو نہ کرتا کیونکہ اس کے بعد مجھے خود اپنی زندگی سے نفرت ہونے لگی تھی۔ پھر وہ ہوا اور ہونے لگا جسے کر گزرنے کا میں کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔"

سعد نے کچھ پل رُک کر وقفہ کیا..... جیسے بولتے بولتے وہ تھک گیا ہو۔ یا پھر وہ ان لمحات کا ذکر کرتے ہوئے اب بھی اتنے ہی اضطراب اور اذیت کا شکار ہو رہا تھا جس کو وہ تب محسوس کرتا تھا۔ انوشے بس دم سادھے سب سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا بلکہ اس کے دوبارہ بولنے کی منتظر تھی۔ وہ اب جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ سعد نے ایسا کیوں کیا.....

"آخر کون تھا وہ فون کرنے والا اور اس نے کیا کہا تھا سعد سے جو وہ ایکدم ہی اینگری مین (Angry man) بن گئے تھے۔"

سعد نے نظر اُٹھا کر خاموش سی انوشے کو دیکھا پھر اس کا یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا:

"مجھے معاف کر دو انوشے میں نے انجانے میں ہی تمہیں بہت اذیت پہنچائی..... میں اب سوچتا ہوں تو میرا دل بند ہونے لگتا ہے مگر میں کیا کرتا۔ وہ شخص حارث اس نے ہر چیز ایسے پلان (Plan) کی تھی کہ میرا دماغ سب کچھ سچ مانتا چلا گیا۔

"حارث.....؟؟؟"

انوشے نے حیرت سے سعد کو دیکھا۔

"کون حارث؟؟؟ اور اس نے کیا پلان کیا تھا؟"

انوشے نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"تم کالج ٹور کے ساتھ مری گئی تھیں یاد کرو وہاں تم نے ایک لڑکے کو تھپڑ مارا تھا....."

سعد کے کہنے پر اس کے ذہن میں گویا جھماکہ ہوا تھا۔

''ہاں سعد وہاں لاہور کے ایک کالج کے گروپ کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا تھا۔ مگر اس بارے میں آپ کو کیسے پتا اور یہ حارث نامی شخص کا اس واقعے سے کیا تعلق؟''

انوشے نے الجھی ناسمجھی کے عالم میں دریافت کیا تھا۔

''جسے تم نے تھپڑ مارا تھا اس کا نام حارث تھا اور تمہارے خلاف تصاویر اور ویڈیو کلپس کا کھیل اُسی نے کھیلا تھا۔ تمہارے کالج کے لڑکے سلیم کے ساتھ مل کر..... وہ تم سے تھپڑ کا بدلہ لینا چاہتا تھا انوشے اور اس کے لیے اُس نے مجھے استعمال کیا۔''

سعد نے گویا اس وضاحت سے اس کے ذہن میں موجود سبھی سوالوں کو جوابات سے مالا مال کر دیا تھا..... انوشے نے گہرا سانس لے کر سر جھولے کی پشت سے ٹکا دیا۔ سعد نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

''حارث نے ایک شخص کو مجھے بار بار فون کر کے تمہارے خلاف بھڑکانے کا ذمہ دے رکھا تھا..... وہ ہر بار مجھے تمہارے بارے میں کچھ ایسا بتاتا کہ میرا دماغ ماؤف ہونے لگتا۔ تمہارے لیے میں بہت شدت سے سوچتا تھا اسی لیے تمہارے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی بہت شدید ری ایکٹ کرتا..... میرا دل کسی بات کسی دلیل کو نہیں مانتا تھا۔ ہمیشہ مجھ سے تمہاری سفارش کرتا تمہارے لیے مجھ سے بغاوت کرتا تو مجھے لگتا مجھے تم سے نفرت ہونے لگی ہے۔ میرا دل ہی میرا سب سے بڑا دشمن بن گیا تھا اور اس دشمنی کی وجہ تم تھیں انوشے۔ اسی لیے میں اپنا سارا غصہ تم ہی پر اُتارتا تاکہ اس دل کو تکلیف دے سکوں۔ میں اپنے دل کو اذیت دینے کے لیے تم پر طنز کے تیر برساتا اور جب تم تکلیف سے آنسو بہاتی تو میرا دل تڑپنے لگتا ایسے میں میں خود بھی پُرسکون نہیں ہوتا تھا بلکہ میرا اضطراب میری تکلیف اور بڑھانے لگتا۔

میرے اندر ہمہ وقت ایک جنگ چھڑی رہتی محبت اور دشمنی کی جنگ، دل و دماغ کی جنگ، سچ اور جھوٹ کی جنگ۔ ایسے میں میں اپنے دل اور دماغ کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا تھا..... اگر دل دماغ پر حاوی ہوتا تو میں دل کے اشاروں پر کٹھ پتلی بن کر ناچنے لگتا اور اگر دماغ دل پر بازی لے جاتا تو میں اس کے اشاروں پر چلنے لگتا۔ میرا خود پر اختیار نہیں تھا۔ میری دونوں فیلنگز شدید تھیں اور میں بے بس.....''

سعد ایک روانی میں بولتا جا رہا تھا۔ انوشے دم سادھے بس اسے سنتی جا رہی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ سعد اس سے اپنے محسوسات ڈسکس کر رہا تھا، اس سے اپنے بارے میں گفتگو کر رہا تھا، اپنے دل کی باتیں دماغ کی باتیں..... وہ ساری فیلنگز جو وہ محسوس کرتا تھا آج بڑی تفصیل

سے اس کے گوش گزار کر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے اپنی ذات کی ایک ایک پرت کھولتا جا رہا تھا اور انوشے اس کے اندر کی کتاب کے ہر صفحے کو لفظ بہ لفظ پڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ہر موڑ پہ ہر زاویے سے صرف سچائی اور سچائی ہی کو محسوس کیا تھا۔ وہ ایک ایک در کے سیڑھی عبور کرتی اس کے اندر گہرائی تک اترتی جا رہی تھی۔ اس کے دل کے نہاں خانوں تک جہاں کسی ذی روح کی رسائی نہ تھی انوشے وہاں پہنچ چکی تھی اور یہ بات اس کے لیے باعث حیرت تھی کہ اسے وہاں ہر طرف اپنی ہی تصاویر آویزاں دکھائی دے رہی تھیں..... اسے ہر طرف فضا میں اپنے کہے الفاظ ہی گردش کرتے نظر آ رہے تھے۔ اس کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ ہاں وہ بے یقین تھی کہ وہ اتنی ہی خوش قسمت ہے..... سعد حسن رضوی کے دل تک رسائی کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ شروع سے ہی ہر دروازے پر کھڑکی کو قفل زدہ رکھنے کا عادی تھا مگر انوشے خود حیران تھی کہ وہ جن کو قفل سمجھ کر ہراساں رہی وہ تو صرف اس کی نظروں کا بھرم تھا سعد نے تو اس کی آمد کے بعد ہی ان تمام تالوں کو کھول دیا تھا اور انوشے بے دھیانی میں چلتی چلتی ہر جگہ پہنچ گئی تھی اُسے خود علم نہ تھا۔ وہ اپنی کامیابی کو ابھی تک ناکامی ہی تصور کرتی رہی تھی۔ مگر اب تو سارے بھرم کھل گئے تھے، سارے پردے اُٹھ چکے تھے، ہر چیز عیاں تھی کسی غلط فہمی کی گنجائش نہ رہی تھی۔ ایک دل کی آواز دوسرے دل تک براہ راست پہنچ رہی تھی، دھڑکنیں سانجھی ہو گئی تھیں، سانسوں کی مالا ایک ساتھ جڑ گئی تھی۔ اس طرح ایک کی زندگی دوسرے کی بقا کی ضمانت بن گئی تھی۔ سعد نے اپنی بانہیں وا کی تھیں اُس کے سینے کی کشادگی انوشے کو اپنے اندر سمانے کو بے تاب تھی۔ انوشے نے بھی اب مزید تاخیر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اپنی جائے پناہ پر جلد از جلد پہنچنا چاہتی تھی وہ سعد کے سینے میں آ سمائی تھی۔

سعد نے اپنی متاع عزیز کو بانہوں میں بھر لیا تھا..... صدیوں کا سفر ختم ہوا تھا۔ دو ہستیوں کی تکمیل ہوئی تھی اور محبت نے دو اور دلوں کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔ غلط فہمیوں کا شیطان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا..... محبتوں کا فرشتہ ایک بار پھر جیت گیا تھا۔ سعد اور انوشے کانٹوں بھری طویل ٹہنی پر سفر کر کے اب خوشبوؤں کے پھول تک پہنچ چکے تھے۔ اب یہی پھول ان کا مسکن تھا۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ اسی محبت کی خوشبو میں رہنے والے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ رشتے ناطے اور ان کا باہم پیار ایک پھول کی مانند ہے اور بدگمانیاں، انا، غلط فہمیاں، خود پرستی، عناد، بغض، جلن، حسد، غصہ، مطلب پرستی یہ سب اسی پھول کی ٹہنی پر لگے خونخوار نوکیلے کانٹے ہیں جن سے تاعمر ہمارا واسطہ رہتا ہے۔ ہر شخص جو انہیں عبور کرنا چاہے وہ

زخمی تو ہوتا ہے مگر اگر وہ ان زخموں پر صبر کر کے انہیں نظر انداز کرتا آگے بڑھتا جائے تو ایک دن وہ اس پھول پر پہنچ جاتا ہے جہاں صرف پیار، محبت اور احساس بھری خوبصورت زندگی ان کی منتظر ہوتی ہے..... اس مقام پر وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اصل رشتہ داری اور محبت کو جان جاتا ہے۔ بے لوث محبتیں نچھاور کرنے کا فن سیکھ لیتا ہے اور اسی میں اسے سکون ملتا ہے۔

انوشے اور سعد بھی اسی مقام پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے یہ سفر طے کرنے میں چار سال چھ ماہ لگائے..... کچھ لوگ اس سے بھی کم عرصے میں فتح یاب ہو جاتے ہیں اور کچھ بدنصیب ساری زندگی اس پھول کی ٹہنی پر لگے کانٹوں میں ہی اُلجھے رہتے ہیں یہاں تک کہ پھول تک پہنچنے کا خیال بھی ان کے ذہن سے مٹنے لگتا ہے۔ وہ خود کو مظلوم اور دنیا والوں کو ظالم سمجھتے ہوئے ساری زندگی انہی کانٹوں پر کاٹ دیتے ہیں۔ رشتوں اور اپنوں کی محبت پر سے ان کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ہمت و حوصلے سے ڈٹے رہتے ہیں خوشبو کا پھول اپنی پتیاں پھیلائے ان کو خوش آمدید کہتا ہے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کتنی جلدی یہ کٹھن سفر طے کر کے بے لوث محبتوں کے امین اس پھول میں پناہ لیتے ہیں یا پھر تھک ہار کر رشتوں کی اصل کو پہچانے بنا ہی ان کانٹوں کی نذر ہو جاتے ہیں!!!

رہتے ہیں جس حصار میں وہ بندگی تم ہو
تمہیں خبر نہیں شائد میری زندگی تم ہو